حضور پیغمبر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

حضور اکرم ﷺ کی حیات مدنی
پر ایمان افروز تحریر

علامہ غلام مصطفے مجددی ایم اے
علوم اسلامیہ پنجاب

قادری رضوی کُتب خانہ۔ لاہور

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مدنی پر ایمان افروز تحریر

حضور پیغمبر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

از
علامہ غلام مصطفیٰ مجددی
فاضل علوم اسلامیہ (پنجاب)

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور
Phone
0333-4383766
042-7213575

فیضان رحمت

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز

نام کتاب	حضور پیغمبر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوم
موضوع	سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مولف	علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے
بفیضان شفقت	چوہدری محمد خلیل رحمۃ اللہ علیہ
صفحات	816
کمپوزنگ	محمد اکرام مجددی حافظ محمد بلال مصطفیٰ مجددی
پروف ریڈنگ	علامہ غلام دستگیر احمد مجددی
ناشر	چوہدری عبد المجید قادری
زیر اہتمام	چوہدری محمد ارشد قادری
ہدیہ	800 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ لاہور

Hello: 042-7213575, 0333-4383766

آئینہ کتاب

باب اول

مدینہ منورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

الحمدللہ! ہم جلد اول میں ہجرت مدینہ کے احوال، قبا شریف میں قیام، مسجد تقویٰ کی تعمیر، مہاجرین کرام کے فضائل ومناقب کے حوالے سے کافی معلومات فراہم کر چکے ہیں، آیئے اب اس شہر انتظار کے کچھ اور گوشوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہاں کا ہر ذرہ کس طرح غیرت خورشید دکھائی دیتا ہے۔

تاریخ مدینہ پر ایک نگاہ:

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا مقام ہجرت یعنی یثرب مکہ مکرمہ سے کم وبیش دوسواسی میل شمال میں تھا، یہی مقام ہے جس نے مدینہ منورہ کے مقدس نام سے انظار وقلوب عالم کیلئے دائمی جلوہ آرائیوں اور ضیا گستریوں کا شرف پایا، یہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع مستطیل ہے جس کا طول بارہ میل اور عرض کسی قدر کم ہے، اس کے جنوب میں جبل عیر ہے جو خاصا بلند ہے اور شمالی حد پر جو پہاڑ ہے اس کا نام جبل ثور ہے، دائیں بائیں یعنی شرقاً غرباً لاوے کی دیواریں ہیں جنہیں لاوتین یا حرتین کہتے ہیں، مشرقی جانب حرہ واقم اور غربی جانب حرہ وبرہ ہے، میدان کے جنوبی اور مشرقی حصے کی سطح کسی قدر بلند ہے اس لئے یہ عالیہ یا عوالی کہلاتا ہے، پھر جیسے جیسے شمالی جانب بڑھتے جائیں سطح کسی قدر پست یا ہموار ہوتی جاتی ہے، میدان کے بیچ میں بھی چھوٹے بڑے ٹیلے ہیں مثلاً جبل سلع جو شہر مدینہ منورہ سے قریب شمالی جانب ہے، اس سے آگے جبل ذباب اور مزید آگے بڑھ کر وادی قناۃ کے جنوبی کنارہ پر جبل عینین یا جبل رماۃ ہے، اس وادی کے شمال میں جبل عینین کے سامنے جبل احد ہے جو خاصا بلند اور طویل ٹیلہ ہے، میدان میں چشموں کے علاوہ وادیاں ہیں جن میں بارش کے وقت پانی بھرتا ہے، ﴿رسول رحمت: ۱۶۵﴾ وادیوں کے نام یہ ہیں، رانونا، مہروز، مذینیب، بطحان، عقیق، قناۃ وغیرہ، اس وسیع میدان میں بہت سی چھوٹی بڑی آبادیاں تھیں، قبیلہ بنونضیر کی آبادی، بنوقریظہ کی آبادی، بنوحارثہ اور بنومعاویہ کی آبادی، قبا کی آبادی جو مدینہ

منورہ سے تین میل جنوب کی طرف واقع ہے، عوالی جو جنوب سے مائل بہ مشرق واقع ہے، یثرب اس دور میں سب سے بڑی آبادی کا نام تھا، جس کا نشان اب بھی جبل سلع کے شمال مغرب میں قناۃ اور بطحان کے مقام اتصال کے نزدیک ہے، وسیع میدان کی تمام آبادیاں مجموعی طور پر یثرب کے نام سے مشہور تھیں، قبا آج بھی موجود ہے مگر دیگر آبادیاں مدینہ منورہ کی توسیع کے دوران ختم ہو چکی ہیں، قبا اور یثرب کے درمیان بھی کئی آبادیاں تھیں مثلاً بنو سالم کی آبادی جہاں حضور پیغمبر نور، شافع یوم النشور ﷺ نے قبا سے نکل کر نماز جمعۃ المبارک ادا فرمائی تھی، وہاں آج بھی مسجد الجمعہ رونق افروز ہے، حضور اکرم، نور مجسم ﷺ کے قدوم سعادت لزوم کی بدولت جب یثرب مدینہ منورہ کے آفاقی نام سے معروف ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عبدالمطلب کے ننہال کی آبادی میں قیام فرمایا کیونکہ میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا کاشانہ محبت اسی آبادی میں موجود تھا، آپ وہاں سات ماہ تک قیام فرما ہوئے، آپ کی رہائش گاہ کے قریب ہی حضرت سعد بن عبادہ، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہم جیسے مشتاقان جمال مصطفےٰ کے مکانات تھے، اسی مقام پر آپ ﷺ نے مسجد نبوی شریف کیلئے جگہ خریدی اور ساتھ ہی اہل بیت اطہار کے حجرے تعمیر کروائے، اس شہر مقدس کے جنوب مشرق اور شمال مشرق میں کھجور کے گھنے باغات تھے جن میں سے کسی فوج کا گزرنا بہت دشوار تھا، یہ باغات جبل احد تک پھیلے ہوئے تھے اور ان کے ثمرات سے سارا دیار عرب مالا مال ہوتا تھا، شہر یثرب کا بانی کون تھا، اس کے متعلق متعدد اقوال موجود ہیں لیکن جس قول کو ترجیح دی گئی وہ یہ ہے کہ عمالقہ نے اسے آباد کیا تھا، عمالقہ عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے، انہوں نے بہت زیادہ عروج حاصل کر کے بحرین، عمان اور حجاز مقدس کے سارے علاقے شام اور مصر کی حدود تک اپنی سلطنت میں داخل کر لئے، کہا جاتا ہے کہ مصر کے فراعنہ بھی عمالقہ کی نسل سے تھے، بحرین اور عمان میں موجود نسل کو جاسم کہا جاتا ہے، ﴿وفا الوفا: ۱۰۷﴾ علامہ ابن خلدون کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ اس شہر کا بانی یثرب بن مہلایل بن عوص بن عملیق تھا جو خاندان عمالقہ کا چشم و چراغ تھا، اسی کے نام سے یہ شہر مشہور ہو گیا، ﴿مقدمہ ابن خلدون ۲: ۳۹﴾ علامہ یاقوت حموی نے بھی اسی قول کو صحیح تصور کیا ہے، ﴿معجم البلدان: ۵/ ۸۴﴾ اس شہر میں یہودیوں کے قبیلے بھی آباد تھے،

ان کی آبادی کا سبب بہت ایمان افروز ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ جب فاتح یروشلم بخت نصر نے یہودیوں کا قتل عام کیا اور لاکھوں افراد کو زنجیروں میں باندھ کر بابل لے گیا تو ان کے کچھ قبائل حجاز مقدس کی طرف روانہ ہوئے، انہوں نے اپنی الہامی کتاب تورات میں پڑھا تھا کہ حضور نبی آخر الزمان ﷺ اپنا آبائی شہر چھوڑ کر نخلستانوں کی سرزمین پر آباد ہوں گے، چنانچہ آپ کا شوق دیدار ان کو اس شہر کی طرف کھینچ لایا، ان کا ارادہ تھا کہ اگر ان کی حیات مستعار میں آپ کی جلوہ گری ہوئی تو آپ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کریں گے، یہ سعادت حاصل نہ ہوئی تو اپنی آنے والی نسلوں کو وصیت کر جائیں گے کہ وہ آپ پر ایمان لانے میں ذرا دیر نہ لگائیں، پھر جب ان تشنہ لبوں اور آبلہ پاؤں کا قافلہ اس شہر آرزو کے قریب پہنچا تو دل دھڑک کر باہر نکلنے کیلئے بیقرار ہو گئے، ارے یہی تو وہ منزل مراد ہے، یہی تو وہ ساحل عافیت ہے، یہ تو وہ ارمان زندگی ہے، یہی تو وہ نخلستان بندگی ہے، پھر انہوں نے اس شہر میں اقامت اختیار کر لی اور جان کائنات کا انتظار کرنے لگے، حضرت علامہ سمہودی اور حضرت علامہ ابن جریر طبری جیسے نامور علما نے بھی یہود کی آبادی کا یہی سبب بیان کیا ہے، ابتدأ تو یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، پھر رفتہ رفتہ ان کی نسل میں اضافہ ہوا اور دیگر کچھ اور قبیلے بھی وہاں آباد ہونے لگے، اس طرح ان کے قبیلوں کی تعداد تیس کے قریب چلی گئی، ان کی آبادیوں اور بستیوں کی رونق دیکھ کر عربی قبیلے بھی آباد ہو گئے، ان سب قبیلوں نے اپنے دفاع کیلئے چھوٹے چھوٹے قلعے بھی تعمیر کر لئے جو حالت جنگ میں ان کی بہترین پناہ گاہ ثابت ہوتے تھے، مرحلے طے ہوتے گئے، ماہ و سال کے قافلے چلتے رہے، صدیاں دامن وقت سے نکلتی اور گم ہوتی رہیں، یہودیوں نے تمام زرعی زمینوں پر قبضہ جما رکھا تھا، بازاروں میں ان کی اجارہ داری تھی، تورات کی وجہ سے ان کا علم و فضل بھی مشہور تھا، وہ تمام عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے رہے، اس دوران اوس اور خزرج کے قبیلے بھی اس شہر میں آباد ہو گئے، ان قبیلوں کی تاریخ بھی کچھ عجیب سی ہے، اوس اور خزرج دونوں حقیقی بھائی تھے، ان کا شجرہ نسب کچھ اس طرح ہے، اوس و خزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امرو القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد بن غوث بن مالک بن زید کہلان بن سبا عامر بن یشجب بن یعرب بن قحطان، ان میں سے اکثر افراد کو ان کے مشہور القاب سے پکارا جاتا تھا،

مثلاً ثعلبہ کی گردن لمبی تھی اس لئے اس کو العنقا کے لقب سے یاد کیا گیا، عمرو کی عادت تھی کہ وہ ہر روز دو مرتبہ لباس تبدیل کرتا اور اترے ہوئے لباس کے پرزے اڑا دیتا کیونکہ جس لباس کو دوسری مرتبہ پہننا اسے خود پسند نہیں تھا، وہ اس کو دوسروں کیلئے بھی پسند نہیں کرتا تھا، یہ یمن کا بادشاہ تھا، اس عادت کی وجہ سے اسے مزیقیا کے لقب سے یاد کیا جاتا، یہ لقب مذق سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا، عامر کو اس کی سخاوت کی وجہ سے ماء السما یعنی آسمان کا پانی کہا گیا کیونکہ وہ قحط سالی کے دوران اپنے خزانوں کے منہ اپنی رعایا کیلئے کھول دیتا، حارثہ کا لقب غطریف تھا جس کا مطلب ہے شاہین، اسی طرح امرو القیس کو بطریق بمعنی سپہ سالار، ثعلبہ کو بھلول بمعنی سردار قوم اور مازن کو زاد السفر کے القاب سے یاد کیا گیا، ان القاب میں ان کی مخصوص صفات واوصاف کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا تھا، اس شجرہ نسب کے جدِ اعلیٰ قحطان کی یہ خصوصیات تھیں کہ اس نے سب سے پہلے عربی زبان میں بات کی، یہ عرب معربہ کا باپ گنا جاتا ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو عرب مستعربہ کا باپ کہا جاتا ہے، کچھ ماہرین انساب کی یہ رائے ہے اور کچھ اس طرف بھی گئے ہیں کہ قحطان بھی حضرت اسمائیل علیہ السلام کی اولاد سے تھا، اس کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے، قحطان بن ہمسع بن تیم بن نبت بن قحطان بن حضرت اسماعیل علیہ السلام، اس رائے کی تائید صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، فرمایا "اے ماء السما کے فرزندو! حضرت ہاجرہ تمہاری والدہ ہیں، اور ظاہر ہے ماء السما عامر بن حارثہ کا لقب تھا جو قحطان کی نسل کا فرد تھا، گویا اس حدیث میں قحطانیوں کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اولاد قرار دیا گیا ہے، اب اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ایک ہی فرزند تھے جن کا نام اسماعیل علیہ السلام تھا اور یہ قحطانی قبیلے انہی کی اولاد سے معرض وجود میں آئے، ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے قبیلہ اسلم اور قبیلہ خزاعہ کو تیر اندازی کا مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، اے اسماعیل کے فرزندو! خوب تیر اندازی کرو، یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ اسلم اور خزاعہ کے قبیلے بھی قحطانی النسب تھے اور ان کو زبان نبوت نے بنی اسماعیل قرار دیا ہے، ان دلائل کی روشنی میں حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول درست ہے کہ عدنانیوں کی طرح قحطانی بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اوس اور خزرج کے قبیلے بھی قحطان سے ہوتے ہوئے حضرت

اسماعیل علیہ السلام تک جا پہنچے ، اوس کا معنی ہے عطیہ اور خزرج کا معنی ہے سرد ہوا، ﴿الروض الانف:۱۸۲/۲﴾ اوس اور خزرج کا آبائی علاقہ یمن تھا، یمن میں کوئی دریا نہیں تھا اسلئے جب بارش نازل ہوتی تو کچھ پانی زراعت کے کام آجاتا اور کچھ ندی نالوں کے ذریعے سمندر میں جا گرتا، یمن کے ایک عقلمند بادشاہ نے اس پانی کو سمندر میں ضائع ہونے سے بچانے کیلئے مآرب کے مقام پر ایک بہت بڑا تالاب بنایا جو ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا تھا، اس کے بند سنگلاخ چٹانوں سے بنائے گئے اور ان سے بارہ نہریں نکالی گئیں، یہ تالاب یا ڈیم اتنا بڑا تھا کہ اس میں جمع شدہ بارشوں کا پانی سارے سال کی زرعی ضرورتوں کیلئے کافی ہوتا تھا، یمن کی زرخیزی، پانی کی فراوانی اور دیگر عنایات ربانی سے قوم یمن بہت خوشحال ہوگئی، یہ قوم سبا بن یشجب بن قحطان کے نام سے قوم سبا کے طور پر مشہور تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہوا ہے؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙ ...... بے شک سبا کیلئے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ جو دائیں اور بائیں موجود تھے، اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، نہایت پاکیزہ شہر اور بخشنے والا پروردگار o پس انہوں نے منہ پھیرا تو ہم نے ان پر زوردار سیلاب بھیج دیا اور ان کے باغوں کے بدلے دو باغ انہیں بدل دیئے جن میں بکٹا میوا اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں o ہم نے ان کو یہ بدلہ دیا ان کی ناشکری کا اور ہم ناشکرے انسان کو کیسی سزا دیتے ہیں o ﴿سورۃ السبا آیت:۱۵ تا ۱۷﴾

اللہ تعالیٰ نے اس قوم ناشکر گزار کی طرف نبی مبعوث فرمائے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کا حکم دیا اور اس کے بے پایاں احسانات کا ذکر فرمایا، قوم کہنے لگی، ہمیں تو کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے، تم اپنے پروردگار سے کہو کہ وہ ہم سے یہ نعمت چھین لے اگر اس میں کوئی طاقت ہے، اس نافرمانی اور ناشکر گزاری پر اس قہار عظیم کا عذاب حرکت میں آگیا، آسمان سے اسقدر بارش ہوئی کہ وسیع وعریض تالاب کے تمام بند ٹوٹ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری قوم کا شیرازہ بکھر گیا ؎

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اس کی خت گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

اوس وخزرج کے جداعلیٰ عمرو بن عامر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس تالاب کے بند بہت کمزور ہو چکے ہیں لہذا اس کی شکست و ریخت کے بعد جو تباہی و بربادی دیکھنے میں آئے گی وہ ہر کسی کے بس سے باہر ہوگی، اس نے کچھ حیلے بہانے سے اپنے محلات اور مال واسباب کے انبار فروخت کئے اور اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر شہر یثرب کا رخ کیا، بنوازد نے بھی اس کی قیادت واطاعت میں آبائی علاقہ چھوڑ دیا، باقی قوم عذاب خداوندی سے دوچار ہو کر صفحہ ہستی سے ختم ہوگئی، عمرو بن عامر عرب کے مختلف علاقوں سے بخوبی آشنا تھا، اس نے اپنے فرزندوں اور دیگر ہمسفروں کے سامنے ان علاقوں کی خصوصیات کا ذکر کیا تا کہ ہر کوئی اپنی پسند کے علاقے میں قیام پذیر ہو جائے، اس نے کہا، تم میں سے جس کسی کا حوصلہ بلند ہے اور اس کی سواری بھی مضبوط ہے اور اس کا مقصد بھی اونچا ہے تو وہ عمان کے مضبوط محلوں میں چلا جائے، اس تعارف پر قبیلہ ازد نے وہاں جا کر سکونت اختیار کر لی اور اس نے مزید کہا کہ جس کا حوصلہ بلند نہیں اور سواری بھی مضبوط نہیں اور اسکا مقصد بھی اہم نہیں تو وہ ہمدان میں چلا جائے، چنانچہ اس کا بیٹا وداعہ بن عمرو ہمدان میں جا کر آباد ہو گیا، بطن مر کے متعلق کہا کہ تم میں سے جو کوئی بھی بہادر اور حادثات پر صابر ہو وہ بطن مر کی طرف چلا جائے، چنانچہ بنوخزاعہ نے وہاں رہائش گاہ بنالی، یثرب کے بارے میں کہا، تم میں سے جو کوئی چاہتا ہے کہ مضبوط پہاڑوں اور ثمر آور درختوں کے علاقے میں رہے تو وہ لاوہ کے میدان میں چلا جائے، چنانچہ اوس اور خزرج نے لاوہ کے میدان میں آکر قیام کر لیا، اسی طرح اس نے شراب اور خمیری روٹی پسند کرنے والوں، ریشم و دیبا کے شاہانہ لباس پسند کرنے والوں اور حکومت کے رسیا لوگوں کو بصریٰ اور سدیر کے بارے میں بتایا، یہ شام کے دو شہر ہیں جہاں جفنہ بن غسان کی اولاد نے آبادی قائم کی، باریک لباسوں، اعلیٰ گھوڑوں اور رزق کے خزانوں کو پسند کرنے والے افراد کو عراق کا راستہ بتایا تو جزیمہ الابرش اور بنو غسان کے جو لوگ حیرہ میں آباد تھے وہ سب وہاں چلے گئے، ﴿وفا، الوفا: ۱/۱۷۰﴾ عمرو بن عامر مآرب سے شہر یثرب کی طرف محو سفر تھا، اس کے ہمسفر مختلف قیام گاہوں پر اپنی سکونت اختیار کرتے جارہے تھے، راستے میں وہ غسان نامی چشمے پر پہنچے تو لحی بن حارثہ بن عمرو بن حارثہ اس قافلے سے الگ ہو کر مکہ مکرمہ آگیا اور اس نے بنو جرہم کے حکمران عامر جرہمی کی

بیٹی سے شادی کر لی، اس کے بطن سے عمرو بن لحی پیدا ہوا جس کی نحوست کی وجہ سے عرب میں اصنام پرستی کا تاریک دور شروع ہو گیا اور دین ابراہیمی کے اصول تبدیل کر دیئے گئے، اسی کی اولاد خزاعہ کے نام سے مشہور ہوئی کیونکہ ان کا باپ غسان کے چشمے سے بچھڑ گیا تھا، ﴿ایضاً: ۱/۱۷۱﴾ عمرو بن عامر کا قافلہ جدھر سے گزرتا اس علاقے کو زیر اقتدار کر لیتا حتی کہ جب مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں پہنچا تو وہاں بھی بنو جرہم کی بادشاہی ختم کر دی، تین دن مسلسل جنگ ہوتی رہی جس میں بنو جرہم کو کعبہ مشرفہ کی تولیت سے محروم ہونا پڑا، عمرو کا بیٹا ثعلبہ بن عمرو ایک سال مکہ مکرمہ کے نواحی علاقوں میں خیمہ زن رہا، اس کے ہمراہی بھی اس کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ شدید بخار نے ان کو آ لیا اور انہیں اس علاقے سے بھی مہاجرت اختیار کرنا پڑی، حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو کے فرزند اوس اور خزرج شہر یثرب میں جا کر آباد ہو گئے جہاں پہلے ہی قبائل یہود کی اچھی خاصی تعداد سکونت پذیر تھی، علامہ یاقوت حموی کی رائے یہ ہے کہ یمن سے نکلتے ہی ثعلبہ بن عمرو نے حجاز مقدس کا رخ کر لیا تھا، اس کی وجہ سے ثعلبیہ کا علاقہ مشہور ہوا، وہاں اسکی اولاد خوب پروان چڑھی، یہاں تک کہ انہوں نے ثعلبیہ سے رخت سفر باندھا اور یثرب میں سکونت اختیار کر لی، وہاں یہودیوں کی بہت زیادہ تعداد تھی اور ان کی آبادیاں خیبر، تیمہ اور وادی القریٰ کے ناموں سے آباد تھیں، وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرنے لگے، اس ساری مسافرت اور مختلف علاقوں کی سکونت میں کچھ عرصہ تو لگ گیا تھا اور زمانے کی بے اثباتی سے کئی افراد لقمہ اجل بن چکے تھے، اوس اور خزرج حارثہ کے فرزند تھے جو ثعلبہ بن عمرو بن عامر کا فرزند تھا، اوس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام مالک تھا اور خزرج کے پانچ بیٹے تھے، عمرو بن خزرج، عوف بن خزرج، جشم بن خزرج، کعب بن خزرج اور حارث بن خزرج، جب اوس کا وقت اجل قریب آیا تو لوگوں نے کہا، تمہارے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے ہیں اور تمہارا ایک ہی بیٹا ہے، ہم نے کئی بار کہا تھا کہ کسی اور عورت سے شادی کر لو تا کہ تمہاری اولاد بھی زیادہ ہو جائے لیکن تم نے ہر مرتبہ انکار کر دیا، اس نے کہا جس کا فرزند مالک جیسا ہو وہ کبھی تباہ حال نہیں ہو سکتا، پھر اس نے یہ اشعار فی البدیہہ پڑھے جن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول آخر الزمان ﷺ کی نبوت کا ذکر موجود ہے ؎

فان لنا رباً علیٰ فوق عرشہ　　علیماً بما یاتی من الخیر والشر

الم یأت قومی ان للہ دعوۃ　　یفوزبھا اھل السعادۃ والبر

اذا بعث المبعوث من ال غالب　　بمکۃ فیما بین زمزم والحجر

ھنالک فابغو انصرہ ببلادکم　　بنی عامرٍ ان السعادۃ فی النصر

ہمارا پروردگار ایک ہے جو عرش عظیم پر غالب ہے اور ہر خیر وشر کو بخوبی جانتا ہے، کیا میری قوم کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت ہے جس کو اہل سعادت قبول کر کے کامیابی حاصل کریں گے، جب آل غالب سے ایک نبی برحق مکہ مکرمہ میں زمزم وحطیم کے درمیان مبعوث ہوگا، اس وقت تم اس کی امداد کرنا، اے اولاد عامر اس میں تمہاری بھلائی سعادت ہوگی۔ ﴿وفا الوفا:۶/۱ا۱۷﴾

اوس بن حارثہ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد وحید پر اپنے ایمان کامل کا اظہار کیا اور جان جان آفرین کے سپرد کردی، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تشریف آوری کی خبر سے ہر باشعور باخبر تھا اور آپ کے انتظار میں بیقرار تھا، شہر یثرب میں یہودیوں کی اجارہ داری تھی، جب اوس اور خزرج کی اولاد میں کافی اضافہ ہوگیا تو یہودیوں نے ان کے ساتھ معاہدہ کرلیا کہ یہاں سارے قبائل امن وامان کے ساتھ رہیں گے اور بیرونی دشمنوں اور حملہ آوروں کا مل جل کر مقابلہ کریں گے، بعد میں یہودیوں کے دوسر کردہ قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر ان کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر اس معاہدے سے منحرف ہو گئے، اس دور میں اوس اور خزرج کو ایک نامور اور غیرتمند نوجوان مالک بن عجلان نے یکجان کیا اور انہیں یہودیوں کے مقابلے میں ایک دوسری قوت کی حیثیت سے اجاگر کردیا، اس دور میں یہودیوں کا سربراہ فطیون تھا جو انتہائی ظالم اور فاجر انسان تھا، اس نے قانون بنا رکھا تھا کہ جس دوشیزہ کی شادی ہوگی وہ پہلے اس کے ہاں قیام کرے گی، اوس اور خزرج تو اس قانون سے باہر تھے لیکن اب اس ظالم نے ان کو بھی تختہ مشق ستم بنانے کا پروگرام بنالیا، اتفاق سے مالک بن عجلان کی ہمشیرہ کی شادی آ گئی، فطیون نے ان کو بھی پیغام بھیج دیا کہ میرے اس قانون پر عمل کیا جائے، مالک بن عجلان نے اپنی ہمشیرہ کو تیار کیا اور خود زنانہ کپڑے پہن کر اور بغل میں تلوار دبا کر اس کے گھر چلا گیا، پھر

موقع پاتے ہی اس نے سربراہ یہود کی گردن اڑادی، یہ ایک بہت بڑا قدم تھا جس کے رد عمل کی اسے پہلے ہی سے خبر تھی، اس ردعمل کو سنبھالنے کیلئے اس نے اس قبیلے سے امداد طلب کر لی جو اس کے جداعلیٰ عمرو بن عامر کی مسافرت کے دوران چشمہ غسان کے قریب آباد ہو گیا تھا، بعض علما کا خیال ہے کہ اس نے اپنے قبیلے کے ایک قادرالکلام شاعر رمق بن زید بن امرؤالقیس کو غسانیوں کے بادشاہ ابوجبیلہ کے پاس بھیجا، اس نے یہودیوں کے مظالم کا کچھ اس طرح نقشہ کھینچا کہ وہ اوس وخزرج کی امداد کیلئے تیار ہو گیا، رمق کافی بدصورت انسان تھا، ابوجبیلہ نے اس کی صورت اور کلام کی ندرت دیکھ کر کہا، یہ تو خبیث برتن میں شہد کی طرح ہے، کچھ علما کا خیال ہے کہ مالک بن عجلان خود غسانیوں کے پاس گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں تبع بن حسان بھی موجود تھا جس نے غسانیوں کو باجگزار بنالیا تھا، ان دونوں سربراہوں نے مالک بن عجلان کی امداد کا وعدہ کر لیا، تبع بن حسان نے قسم کھالی کہ وہ جب تک یثرب پر حملہ کر کے یہودیوں کو رسوا نہ کریگا اس پر بیوی سے کلام کرنا، خوشبو لگانا اور شراب پینا حرام ہوگا، چنانچہ ان سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے یہودیوں کے بہت زیادہ سردار لقمہ اجل بن گئے اور یثرب میں یہودیوں کا سارا دبدبہ ختم ہو گیا، یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ ان قبائل سے ہزیمت اٹھانے پر یہودیوں نے یہ دھمکی بھی دی کہ جب حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے خوب انتقام لیں گے، اس انتقام کا وہ اکثر ذکر کرتے رہتے تھے، بہرحال اس ذلت ورسوائی نے یہودیوں کی راتوں کا چین غارت کر دیا تھا، وہ اوس وخزرج کی بالادستی ختم کرنے کیلئے اپنی پرانی چرب زبانی اور کینہ توزی پر اتر آئے، انہوں نے ان بہادر مگر سادہ دل قبائل کے درمیان بدگمانیوں کے زہریلے بیج بونے شروع کر دیئے، یہودیوں کے کچھ قبیلے تو اوس کے طرف دار بن گئے اور کچھ قبیلوں نے خزرج سے دوستی بڑھالی، اس طرح ان دونوں قبیلوں میں منافرت کے جذبات پروان چڑھنے لگے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے کشت وخون کا ایسا آغاز ہوا جس کی تاریخ عرب میں مثال نہیں ملتی، یہ بازار جنگ پہلی صدی عیسوی سے لے کر چھٹی صدی عیسوی تک گرم رہا، بھائی اپنے بھائیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترتے رہے اور یہودی ان کی لڑائی سے فائدہ اٹھاتے رہے، ہجرت مدینہ منورہ سے چار پانچ سال پہلے ان دونوں

قبیلوں میں ایک تاریخی جنگ بعاث کے میدان میں لڑی گئی جس میں بھی یہودی قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ریشہ دوانیاں پوری طرح شامل تھیں، اوس کا سربراہ حضیر تھا، جو مشہور صحابی رسول حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا باپ تھا اور خزرج کا سردار عمرو بن نعمان بیاضی تھا، ابتدا میں تو خزرج کامیاب ہوتے نظر آرہے تھے مگر بعد میں اوس کے سربراہ حضیر کی للکار نے اوس کو ایک نئی توانائی عطا کر دی، انہوں نے کچھ اس انداز سے بہادری کے جوہر دکھائے کہ خزرج کے قدم اکھڑ گئے لیکن حسب معمول دونوں قبیلوں کا ناقابل تلافی نقصان ہو گیا، انکے دونوں سردار حضیر اور عمرو بھی تلواروں کی بھینٹ چڑھ گئے، اس صدیوں پرانی دشمنی نے ان کے اوسان خطا کر دیئے تھے، اس جنگ و جدل سے تنگ آکر ان دونوں قبیلوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ جب بھی اختلافات کی نوبت آئے ہم میں سے دو آدمی مستقل حکم مقرر کر لئے جائیں جو ہمارا فیصلہ عقل و دانش کی روشنی میں کریں اور ہمیں تلوار اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے، چنانچہ اوس کی جانب سے ابو عامر راہب اور خزرج کی جانب سے عبداللہ بن ابی سلول کو منتخب کیا گیا، ابو عامر راہب کی یہودی علما کے ساتھ بہت گہری دوستی تھی، اس نے ان کی زبانی حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا اور وہ آپ سے بہت زیادہ عقیدت و محبت رکھتا تھا، آپ کے انتظار میں شب و روز بسر کرتا تھا اور آپ کے کمالات و مقامات کا تذکرہ چھیڑتا تھا، اس نے تیما کے یہودی علما اور شام کے عیسائی علما کی صحبت بھی اختیار کی اور پیغمبر دین حنیف ﷺ کے مزید فضائل و مناقب سنے، پھر طویل سیاحت کے بعد وہ یثرب آیا اور رہبانیت اختیار کر لی نیز لوگوں کو بتانے لگا کہ میں دین حنیف پر قائم ہوں اور حضور نبی آخر الزمان ﷺ جب یثرب تشریف لائیں گے تو میں سب سے پہلے ان کی بیعت کروں گا، اس طرح لوگ اس کے احوال دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور اس کے عقیدت مندوں کا اچھا خاصا حلقہ بن گیا، یہ بھی تاریخ کی عجیب حقیقت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لے آئے تو وہ خود تو آپ کی غلامی کی سعادت سے محروم رہا لیکن اس کے عقیدت مند سب شمع نبوت کے پروانے بن گئے، روایت ہے کہ ایک دن وہ حضور پیغمبر نور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، آپ کونسے دین پر ہیں، آپ نے فرمایا، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر ہوں، اس نے کہا، آپ نے تو دین حنیف میں کئی

چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے، آپ نے فرمایا، میں نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا، میں اسے اس کی صاف ستھری حالت میں لایا ہوں، اس نے کہا اللہ تعالیٰ جھوٹے آدمی کو اپنے وطن سے دور نہایت کسمپرسی کی حالت میں موت دے، آپ نے فرمایا، آمین، چنانچہ وہ کچھ عرصے کے بعد مکہ مکرمہ آ گیا، مکہ مکرمہ فتح ہوا تو وہ طائف چلا گیا، طائف پر اسلام کے راحت افزا سائے دراز ہوئے تو اس نے شام کی طرف راہ فرار اختیار کر لی، پھر شام ہی میں نہایت کسمپرسی سے دوچار ہو کر واصل جہنم ہو گیا۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

خزرج کی جانب سے مقرر کردہ حکم عبداللہ بن ابی کی داستان بھی نہایت گھناؤنی ہے، وہ لیاقت اور سیاست کا مجسمہ تھا، سب اس کے علم اور فراست کے قائل تھے، خزرج نے اپنے حکم کا تاج بنوانے کا فیصلہ کیا اور رسم تاج پوشی کیلئے شاندار تقریب کا بندوبست کرنے لگے، اس دوران حضور نبی آخر الزمان ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اس کی ساری پذیرائی خاک میں مل گئی، خزرج کے تمام افراد شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے اور وہ ہاتھ ملتا رہ گیا، بھلا آفتاب رسالت کے سامنے کس کی سرداری کا چراغ جل سکتا ہے، اس نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ ظاہراً اسلام قبول کر کے قوم خزرج کا بھرپور ساتھ دیا جائے مگر باطناً ہر ممکن نقصان پہنچایا جائے، اس کے اندر کفر اور حسد کا تاریک اندھیرا تھا جس کو منافقت کے نام سے یاد کیا گیا، اس نے اپنے کچھ ساتھی بھی تیار کر لئے جنھوں نے ہر قدم پر اسلام کیلئے مشکلات اور مصائب کی دیواریں کھڑی کیں لیکن جس نور ہدایت کو عام کرنے کیلئے پروردگار عالم نے فیصلہ فرما لیا تھا اب اسے دنیا کی کوئی طاقت اپنی پھونکوں سے بجھا نہیں سکتی تھی، اسلام کے دامن اخوت سے وابستہ ہو کر اوس اور خزرج کے عداوت پسندوں نے ایسا مثالی بھائی چارہ قائم کیا کہ سارے زمانے میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اللہ اکبر! وہ قبیلے اپنے باہمی تنازعات کو ختم کرنے کیلئے ابو عامر راہب اور ابن ابی

سلول جیسے حاکم تلاش کرر ہے تھے، فیاض ازل نے انہیں ساری خدائی کا بادشاہ، سلطنت نبوت کا تاجدار، اقلیم رسالت کا شہریار، آسمان ہدایت کا خورشید ضیا بار اور خلق عظیم کا علمبردار عطا فرمادیا، جس کے سایہ زلف عنبرین میں پناہ لے کہ انہوں نے دنیا و آخرت کے تمام غم و آلام سے آزادی حاصل کرلی، یہ بھی تاریخ کی عجیب داستان ہے کہ وہ یہودی جو حضور نبی آخرالزمان ﷺ کی خاطر دیار یثرب میں اقامت پذیر تھے اور آمد سرکار سے پہلے ان کے کمالات وفیوضات کے بہترین مبلغ تھے، ہدایت کی کرنوں سے محروم رہ گئے اور اصنام پرستی میں زندگی کے دن تاریک کرنے والے اوس وخزرج صبح نور کے اجالوں سے تابناک ہوگئے، یہ دن ہیں جن کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان پھیرتا رہتا ہے۔ مدینہ منورہ میں عیسائیوں کی کچھ تعداد بھی موجود تھی اور وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کے مطابق حضور پیغمبر نور ﷺ کا انتظار کرر ہے تھے۔

فضائل مدینہ پر ایک نگاہ:

جب حضور حاصل کائنات، محور موجودات، نبی آخرالزمان ﷺ نے شہر یثرب میں قدم مبارک رکھا تو اس کے مقدر کا ستارہ چمک اٹھا، یہ جنگ وجدل اور بیماری ولاچاری کا گھر سرچشمہ ہدایت بن گیا اور دنیا و آخرت کے فضائل وخصائل سے سرشار ہوگیا، مدینہ منورہ کے بہت سے نام ہیں، قرآن پاک نے اس سرزمین کو البلد، ارض اللہ، حسنہ، دار اور ایمان کے ناموں سے یاد کیا ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے اس کو مدینہ، طیبہ اور طابہ کے مبارک نام عطا فرمائے، چند احادیث نبویہ کا مطالعہ کیجئے اور شہر محبوب کی دلکش فضاؤں کو سلام پیش کیجئے:

⊙...... حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا اور اہل مکہ کیلئے دعا فرمائی تھی، میں مدینہ منورہ کو حرم بناتا ہوں اور مدینہ منورہ کے صاع اور مد کیلئے ان سے دوگنا زیادہ دعا کرتا ہوں، ﴿مسلم، کتاب الحج﴾

⊙...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں لہذا

مدینہ منورہ کی دونوں پتھریلی جانبوں کے درمیان نہ کسی درخت کو کاٹا جائے گا اور نہ کسی جانور کا شکار کھیلا جائے گا۔ ﴿ایضاً﴾

⊙ ...... حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کاش اہل مدینہ اس بات کو جان لیں کہ مدینہ منورہ ہی ان کیلئے بہتر ہے، جو آدمی مدینہ منورہ سے اعراض کر کے اسکی سکونت کو چھوڑ دے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بہتر آدمی کو مدینہ منورہ کا رہائشی بنا دے گا، جو آدمی مدینہ منورہ کی بھوک، پیاس اور محنت کو برداشت کرے گا میں قیامت کے دن اسکی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ ﴿ایضاً﴾

⊙ ...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اہل مدینہ کو تکلیف دینے کا ارادہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسکو آگ میں اس طرح پگھلائے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے یا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ ﴿مسلم، کتاب الحج﴾

⊙ ...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے تھے کہ احد پہاڑ آپ کے سامنے ظاہر ہو گیا، آپ نے فرمایا: یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اے اللہ! میں ان دونوں پہاڑوں کی درمیانی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا، اے اللہ! اہل مدینہ کے صاع اور مد ﴿کے پیمانوں﴾ میں برکت نازل فرما۔ ﴿ایضاً﴾

⊙ ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوہ عیر سے لے کر کوہ نور تک مدینہ منورہ حرم ہے لہذا جو شخص مدینہ منورہ میں کوئی جرم کریگا یا مجرم کو پناہ دے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ ﴿ایضاً﴾

⊙ ...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! جس طرح تو نے ہمارے نزدیک مکہ مکرمہ کو محبوب بنایا تھا اس طرح

مدینہ منورہ کو بھی محبوب بنا دے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے، مدینہ منورہ کو صحت افزا بنا دے اور ہمارے صاع اور مد میں برکت ڈال دے اور اس کا بخار مقام جحفہ کی طرف بھیج دے، ﴿ایضاً﴾

⊙ ......حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کا نام طابہ رکھا ہے، ﴿ایضاً﴾

⊙ ......فرمایا: مجھے ایسی بستی کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جاتی ہے، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے، ﴿ایضاً﴾

⊙ ......فرمایا: مدینہ منورہ ایک بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو نکال کر باہر پھینکتا ہے، اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک مدینہ منورہ خبیث لوگوں کو نکال کر باہر نہ پھینک دے، ﴿ایضاً﴾

⊙ ......فرمایا: میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک ﴿بہترین﴾ باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے، ﴿ایضاً﴾

ان احادیث نبویہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو تشریعی اختیارات سے سرفراز فرمایا ہے اور مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین کو حرم بنایا ہے، آپ نے برکات مدینہ کیلئے دعا فرمائی جو یقیناً مقبول ہوئی ہے، حضرت امام یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ منقول ہی نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کوئی چیز مانگی ہو اور اللہ تعالیٰ نے عطا نہ فرمائی ہو، ﴿جواہر البحار: ۲ /۳۳۱﴾ احد پہاڑ کتنا بلند مرتبہ ہے، جس کو محبوب خدا ﷺ کی محبت نصیب ہوئی، ایک حدیث پاک ہے، حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری پر وہ وجد میں آ گیا، آپ نے فرمایا: اے احد ٹھہر جا تیرے سینے پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں، معلوم ہوا حیات کی دو قسمیں ہیں، ایک حیات ظاہری اور ایک حیات حقیقی، حیات ظاہری تو روح کی محتاج ہے اور حیات حقیقی عشق مصطفےٰ کی محتاج ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کا گستاخ لعنت کا مستحق ہے تو تاجدار مدینہ کا گستاخ کیوں نہ لعنت کا مستحق ہوگا، اللہ اکبر! مدینہ منورہ کے باشندے کس قدر خوش نصیب ہیں، حضور شفیع اعظم ﷺ کی شفاعتوں اور عنایتوں کے سزاوار ہیں، اسی لئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے

تھے: مولا! مجھے مدینہ منورہ میں شہادت کی موت عطا فرما ؎

سیر گلشن کون دیکھے دشت طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

مدینہ منورہ دجال اور طاعون سے محفوظ ہے، مدینہ منورہ کسی کا محتاج نہیں، سب مدینہ منورہ کے محتاج ہیں، اگر کوئی اس میں نہ رہنا چاہے تو اس کی عظمت و منزلت کا چراغ گل نہ ہوگا، وہ خود زمانے کی تاریکیوں کا شکار ہو جائے گا، رسول غالب کی بدولت یہ شہر بھی تمام شہروں پر غالب ہے، اس کی رفعتِ شان نے دنیا کے بڑے بڑے شہروں کو سرنگوں کر دیا ہے گویا یہ تمام بستیوں کو کھا جانے والی بستی ہے...... قریہ عشق و مستی ہے...... قلعہ حق پرستی ہے...... جہاں دن رات خدا کی رحمت برستی ہے، کاشانۂ نبوت اور منبر نبوت کا درمیانی علاقہ جنت کا حسین گوشہ ہے، اسی گوشے میں مزار مصطفٰے کے نورانی جلوے دیدہ و دل کو نورانیت کی خیرات بانٹ رہے ہیں، یہ حدیث مبارک ظاہر پر محمول ہے یعنی یہ گوشہ واقعی جنت ہے، حضرت ابو عبد اللہ دشتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا: اس میں کوئی بعید نہیں کہ یہ ٹکڑا بنفسہٖ جنت کا ٹکرا ہو، یہ امر ممکن ہے اور حضور اقدس ﷺ نے اس کے وقوع کی خبر عطا فرمائی ہے، ﴿اکمال المعلم: ۴۷۶/۳﴾ مزار مصطفٰے کی جگہ عرش و فرش کی ہر جگہ سے افضل ہے، اس پر تمام متقدمین اور متاخرین کا اتفاق ہے، حضرت امام شعرانی، حضرت امام عیاض مالکی، حضرت امام سبکی، حضرت امام عبد السلام، حضرت امام قسطلانی، حضرت امام ابن عساکر، حضرت امام باجی، حضرت امام سیوطی اور حضرت امام صالحی رحمۃ اللہ علیہم نے اسی کی تصریح فرمائی ہے ؎

یہ پیاری پیاری کیاری ترے خانہ باغ کی
سرد اس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

اس شہر مقدس کے بہت سے فضائل ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم الشان پیغمبر بھی حج کرنے کیلئے جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو یہاں سے گزرے اور اس کے آثار

دیکھ کر ہی پہچان گئے کہ یہ حضور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا شہر ہوگا، تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر یہاں سے گزرا تو آپ نے فرمایا: یہ حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی ہجرت گاہ ہے، مبارک ہے جو ان پر ایمان لایا، ولادت مصطفیٰ سے ایک ہزار سال پہلے تبع اول حمیری نے اہل یثرب سے شدید جنگ کی اور اس کو برباد کرنے پر تل گیا تو علمائے یہود نے کہا، یہ حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی ہجرت گاہ ہے، ہم ان کا انتظار کر رہے ہیں، شاید زیارت ہو جائے، اگر نہیں تو ان کے قدموں کا غبار ہماری قبروں پر پڑے گا، بس یہی ہمارے لیے کافی ہے، حمیری نے آپ کے نام خط لکھا اور بڑے یہودی عالم کو دیا کہ یہ خط ان کے حضور پہنچا دیا جائے، چنانچہ ایک ہزار سال کے بعد اس یہودی عالم کی نسل میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، جب آپ نے ہجرت فرمائی تو حضرت انصاری رضی اللہ عنہ نے وہ خط آپ کو پیش کر دیا، خط کیا تھا، محبت و عقیدت کا ایک جہان تھا: حضور! میں آپ اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا ہوں، میں آپ کے دین پر ہوں، آپ کے رب تعالیٰ پر اور جو کچھ اس کی طرف سے نازل ہوگا سب پر ایمان رکھتا ہوں، اگر میں آپ کا زمانہ پا لوں تو بہتر ورنہ قیامت میں میری شفاعت فرمانا، بھول نہ جانا کہ میں آپ کا پہلا امتی ہوں، ﴿جذب القلوب﴾ یہ بھی مرقوم ہے کہ اس نے نہایت محبت و عقیدت کے ساتھ آپ کے لئے ایک مکان بھی بنایا جس میں اس حامل مکتوب یہودی عالم کی رہائش گاہ تھی، وہی مکان حضرت انصاری رضی اللہ عنہ کو وراثت میں ملا اور اسی میں آپ جلوہ فرما ہوئے، گویا آپ اپنے ہی مکان میں جلوہ فرما ہوئے جس کا ذرہ ذرہ آپ کے چہرۂ والفجر کے اجالوں کا متلاشی تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ نے وہ خط پڑھا اور خوش ہو کر فرمایا: مرحبا اے تبع مرحبا، گویا یہ وہ شہر ہے۔

⊙...... جو قرار گاہ عالم کی جان ہے......

⊙...... جو آفریدگار جہان کی رحمتوں کا امین ہے......

⊙...... جو آشفتگان زیست کو ہلال رکاب بنا دیتا ہے......

⊙...... جہاں کے خار بھی رشک گل خنداں ہیں......

⊙...... نقش طراز ازل جسے حسن و رعنائی کا گہوارہ بنا کر قسمیں اٹھاتا ہے......

⊙ ...... جس کا غبار مقدس جزام جیسی بیماریوں کیلئے بھی شفا ہے............

جو ایمان کیلئے بمنزلہ قلب ہے اور حلال وحرام کے درمیان حد فاصل ہے اور موجب امتیاز ہے، مدینہ دین سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے اطاعت، اسکو مدینہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اطاعت الٰہی کا سب سے پہلا مرکز ہے، یا مدن سے ماخوذ ہے اور مدن کا معنی ہے اجتماعیت، کیونکہ مدینہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا پہلا مرکز ہے، یہ طیبہ ہے جس کا مطلب ہے خوشبو، یہ طابہ ہے جس کا مطلب ہے طہارت اور راحت، گویا یہ خوشبوؤں، طہارتوں اور راحتوں کا سرچشمہ ہے، اب اسے یثرب نہیں کہنا چاہئے کیونکہ حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو آدمی مدینہ منورہ کو یثرب کہے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے کیونکہ یہ طابہ ہے، ﴿مسند احمد﴾ حضرت امام ترمذی، حضرت امام ابن ماجہ اور حضرت امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی بھی موت تک مدینہ منورہ میں رہ سکتا ہے رہے کیونکہ جو مدینہ منورہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا، ﴿مواہب لدنیہ: ۴۰۱/۲﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہر شہر تلوار سے فتح ہوا مگر مدینہ منورہ قرآن سے فتح ہوا ہے، ﴿ایضاً﴾

جزم الجميع بان خير الارض ما ... قداحاط ذات المصطفىٰ و حواها

و نعم لقد صدقوا بسا كنها علت ... كالنفس حين زكت زكى ماواها

یعنی اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے رہنے کی جگہ روئے زمین سے افضل ہے اور انہوں نے کیا سچی بات کہی ہے کہ عظیم آدمی کے رہنے کی جگہ بھی عظیم ہوتی ہے۔

آمد مصطفیٰ ﷺ مرحبا مرحبا:

جمعۃ المبارک کا مبارک دن تھا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضور پیغمبر نور، جان فرحت و سرور ﷺ نے قبا سے مدینہ منورہ کی طرف مراجعت کا فیصلہ فرمایا، صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے روانگی سے پہلے بنو نجار کو پیغام بھیجا تو وہ گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر خدمت ہو گئے، قبا سے آپ کی روانگی کا حسین منظر اب بھی میری نگاہوں میں ہے، حضور نبی اکرم ﷺ آگے آگے چل

رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے آرہے تھے اور بنونجار کے لوگ آپ کے اردگرد موجود تھے، پھر بمشکل چند فرلانگ کا فاصلہ طے ہوا ہوگا، اہل ہدایت کا قافلہ صدیوں سے چھائے ہوئے جمود کی دبیز تہوں کو چیرتا ہوا بنوسالم بن عمرو بن عوف کی خوش نصیب آبادی میں داخل ہوگیا، یہ آبادی وادی رانونا میں موجود تھی، سورج اس خوبصورت منظر کا نظارہ کرتے ہوئے ڈھل رہا تھا گویا نماز جمعہ کا وقت ہورہا تھا، جام توحید کے مستانوں کا ہجوم تھا، ہر چہرے پر مسرتوں کے آبشار گر رہے تھے، آنکھوں میں محبتوں کے سوتے ابل رہے تھے، دلوں میں عقیدتوں کا انقلاب اٹھا ہوا تھا، سب وفا شعاران نبوت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے تیار ہوگئے، کیا اوج مقدر ہے کہ ان کی امامت کیلئے انبیا کرام علیہم السلام کا امام رونق افروز تھا، حضور اکرم ﷺ نے نماز جمعہ کیلئے ایک کھلے میدان میں آفاقی خطبہ ارشاد فرمایا جو آپ کی فصاحت لسانی اور بلاغت بیانی کا لافانی شہکار ہے:

حمد وستائش اللہ کیلئے، میں اس کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد اور بخشش چاہتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسول ہے جس کو اس نے ہدایت، نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانے میں بھیجا جب کہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا پر نہیں آیا، علم گھٹ گیا تھا اور گمراہی بڑھ گئی تھی، جس کو آخری زمانے میں، قیامت کے قرب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا سو جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے ﴿اور کرے گا﴾ وہی راہ یاب ہے اور جوان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے ﴿اور کرے گا﴾ وہ بھٹک گیا ہے اور درجہ سے گر گیا ہے اور شدید گمراہی میں پھنس گیا ہے، میں تمہیں پرہیزگاری کی نصیحت کرتا ہوں، بہترین وصیت جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کیلئے آمادہ کرے اور اللہ سے تقویٰ کیلئے کہے، لوگو! جن باتوں سے اللہ نے تمہیں پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے بچتے رہو، اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت نہیں، کوئی ذکر نہیں، امور آخرت کے متعلق اللہ سے ڈر کر کام کرنے والے شخص کیلئے تقویٰ بہترین مدد ثابت ہوگا اور جب کوئی شخص اپنے اور اللہ

کے درمیان کا معاملہ خفیہ و علانیہ درست کرے گا اور یہ کرنے میں اسکی نیت خالص ہوگی تو یہ عمل اس کیلئے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد ﴿جب انسان کو اعمال کی قدر معلوم ہوگی﴾ ذخیرہ بن جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا ﴿تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے﴾ انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے دور ہی رکھے جائیں، اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور جس شخص نے اللہ کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت یہ ارشاد الٰہی موجود ہے، ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے، لوگو! اپنے موجودہ اور آئندہ، خفیہ اور علانیہ کاموں میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کی بدیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے جو چہروں کو درخشاں کرتا ہے، رب تعالیٰ کی خوشنودی عطا کرتا ہے اور درجے کو بلند کرتا ہے، لوگو! حظ اٹھاؤ مگر اللہ کے حقوق میں فروگزاشت نہ کرو، اللہ نے تمہیں اپنی کتاب سکھائی ہے اور اپنا راستہ دکھایا ہے کہ راست بازوں اور کذابوں کو الگ الگ کر دیا جائے، لوگو! اللہ نے تمہارے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا ہے، تم بھی لوگوں کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کرو اور جو اللہ کے دشمن ہیں، انہیں دشمن سمجھو، اللہ کے راستے پر چلنے کیلئے پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو، اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ فوت ہونے والا بھی روشن دلائل پر فوت ہو، زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے، سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہیں، لوگو! اللہ کا ذکر کرو اور آئندہ زندگی کیلئے عمل کرو، جو اپنے اور اللہ کے درمیان معاملہ درست کر لیتا ہے تو اللہ اس کیلئے اس کے اور لوگوں کے درمیان کافی ہوتا ہے، اللہ اپنے بندوں پر حکم چلاتا ہے اور اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا اور وہ لوگوں کا مالک ہے اور لوگوں کو اس پر کوئی اختیار نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے اور ہم کو ﴿نیکی کرنے کی﴾ قوت اسی عظمت والے خدا سے ملتی ہے۔" ﴿سیرت ابن کثیر: ۲/۲۹۹﴾

یہ خطبہ تاریخ طبری کے حوالے سے مرقوم ہے جس کو باقی خطبات نبویہ میں اولیت کا

درجہ حاصل ہے جو سرزمین مدینہ میں ارشاد فرمائے گئے، جن دو خطبات کو امام ابن اسحاق اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے وہ مسجد نبوی شریف میں سب سے پہلے ارشاد فرمائے گئے تھے، مذکورہ بالا خطبہ مبارکہ تاریخ اسلام کا روشن باب ہے جس کے حسین منظر اسلام کے بلند مقاصد کو اجاگر کر رہے ہیں، آپ نے توحید، رسالت، تقویٰ، باہمی معاملات، ذکر خدا، ظاہر و باطن کی اصلاح، نیکی اور بدی کے انجام، موت و قیامت کی نزدیکی اور اسلام کے دین حق، ہدایت اور نور ہونے کے متعلق بیان فرما کر صحابہ کرام کیلئے زندگی کے راستے متعین کر دیئے نیز تمام عالم اسلام کیلئے بندگی کے زاویے مقرر کر دیئے، راقم نے عرض کیا ہے۔

حسن ازل کا نور تجلا لئے ہوئے
لو آگئے وہ چہرۂ زیبا لئے ہوئے
دنیا لئے ہوئے ہیں کہ عقبیٰ لئے ہوئے
دست عطا میں اپنے ہیں کیا کیا لئے ہوئے
مت پوچھ ان کی نظر عنایت سے کیا ملا
دامن میں دو جہان ہوں تنہا لئے ہوئے

اس خطبہ مبارکہ کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی، پھر حضور پیغمبر نور ﷺ نہایت شان و منزلت کے ساتھ جنوبی جانب سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، عجیب سماں تھا، گلیوں اور بازاروں، گھروں اور محلوں میں تحمید و تقدیس کے کلمات گونج رہے تھے، مرد و عورت، پیر و جوان، بچے اور بچیاں نور حق افروز کا ایک جلوہ دیکھنے کیلئے سراپا چشم بن گئے تھے، تشریف آوری کے اس شکوہ و احتشام کو دیکھ کر اہل کتاب کے عالم سمجھ گئے کہ حبقوق نبی کی کتاب کے درس نمبر ۳ کا مطلب آج کھلا ہے ''اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران[1] سے آیا، اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اسکی حمد سے معمور ہوگئی'' ﴿رحمۃ للعالمین: ۸۹/۱﴾ حضور اکرم ﷺ اپنی ناقہ مبارکہ قصواء پر سوار تھے، قبیلہ بنو سالم کے دو سردار حضرت عتبان بن مالک اور حضرت عباس بن نضلہ عرض گزار ہوئے، اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس ہی تشریف رکھئے، ہمارے قبیلے کی تعداد بھی کافی ہے اور ساز و سامان بھی بہت زیادہ ہے، ہم آپ کی حفاظت کی پوری طاقت رکھتے ہیں، آپ

نے فرمایا: خلوا سبیلها فانها مامورة، میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، سب لوگوں نے سر تسلیم خم کیا اور اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا، اونٹنی شہسوار نبوت کو اٹھائے ہوئے منزل مراد کی طرف گامزن تھی، مکانوں کی چھتوں پر خواتین اسلام نہایت بیقراری سے پوچھ رہی تھیں، ایهم هو، ایهم هو، وہ راحت بیکسان کون ہے، وہ فرحت عاشقان کدھر ہے، ہر طرف سے ان محبت افروز نعروں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، الله اکبر جاء محمد، الله اکبر جاء رسول الله، اللہ سب سے بڑا ہے، محمد مصطفیٰ آگئے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے رسول جلوہ فرما ہوگئے، اوس اور خزرج کی دوشیزاؤں کی زبان پر یہ اشعار مچل رہے تھے

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا لله داع
ایها المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع
انت شرفت المدینه — مرحبا یا خیر داع
فلبسنا ثوب یمن — بعد تلفیق الرقاع
فعلیک الله صلی — ما سعی لله ساع

ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ثنیات الوداع کی جانب سے، جب تک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا پکارتا رہے گا، ہم پر شکر ادا کرنا فرض ہے، اے ہمارے پاس آنے والے پیارے محبوب، آپ اس انداز سے آئے کہ آپ کے ہر حکم کو تسلیم کیا جائے گا، آپ نے مدینہ منورہ کو شرف یاب فرمایا ہے، خوش آمدید! اے بہترین دعوت دینے والے، ہم نے آپ کی آمد کی خوشی میں یمنی کپڑے زیب تن کئے حالانکہ پہلے پیوند جوڑ کر پہنا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ آپ

---

[1] مجموعہ بائبل میں پہلے انبیاء کرام کی جتنی بھی کتابیں ہیں ان میں مکہ مکرمہ کا نام فاران ہے کیونکہ اس جگہ فاران بن عوف بن حمیر نے قبضہ کیا تھا، تورات کی کتاب پیدائش باب ۲۱ میں ہے کہ اسماعیل فاران میں رہا، قرآن مقدس بھی گواہی دیتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس ویرانے میں اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کیا تو اس طرح تورات اور قرآن مقدس کا بیان ایک ہی واقعے کی گواہی دے رہا ہے۔

پر درود نازل فرمائے جب تک اس کیلئے کوشش کرنے والے کوشش کرتے رہیں، ﴿زرقانی علی المواہب:۱/۳۵۹﴾

ہجوم دلبراں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، لوگ یا محمد، یا رسول اللہ کے ترانے آلاپ رہے تھے، قصوا کیلئے قدم اٹھانا بہت مشکل تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ بنو بیاضہ کے محلے میں پہنچے تو حضرت زیاد بن لبید اور حضرت فروہ بن عمرو نے آگے بڑھ کر عرض کی، حضور! ہمارے پاس ہی تشریف رکھئے، ہمارے قبیلے کی تعداد بھی کافی ہے اور ساز و سامان بھی بہت زیادہ ہے، ہم آپ کی حفاظت کی پوری طاقت رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، یہ لوگ بھی فرمان مصطفےٰ ﷺ پر لبیک کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے، اسی طرح بنو ساعدہ کے دو سردار حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو نے التماس کی تو آپ نے انہیں بھی وہی جواب دیا، بنو حارث کے سرکردہ افراد حضرت سعد بن ربیع، حضرت خارجہ بن یزید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نے بھی گزارش کی لیکن ناقہ مبارکہ کے قدم نہ رکے، پھر آپ اپنے ننھال بنو نجار کے قبیلے سے گزرے تو ان کے سردار حضرت سلیط بن قیس اور حضرت اسیرہ بن ابی خارجہ نے بھی نہایت عقیدت و احترام سے عرض کیا، یا رسول اللہ! اپنے ننھال میں تشریف رکھئے، ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور ساز و سامان بھی کافی ہے اور وہ آپ کی حفاظت کی پوری طاقت رکھتے ہیں، آپ نے انہیں بھی وہی جواب دیا، میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، یہ لوگ بھی پیچھے ہٹ گئے، آپ نے اونٹنی کی مہار اس کی گردن پر ڈال رکھی تھی، وہ چلتے چلتے جب مالک بن نجار کے محلے میں پہنچی تو اس کے کھلے میدان میں بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی شریف موجود ہے، یہ میدان بنو نجار کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل بن عمرو کی ملکیت تھا، آپ اونٹنی پر تشریف فرما رہے، کچھ دیر بعد وہ اٹھی اور چند قدم اٹھانے کے بعد واپس مڑی اور پہلے والی جگہ پر بیٹھ گئی، بنو نجار کی بچیوں نے دف بجا کر اور یہ ترانہ محبت سنا کر مہمان عزیز کا استقبال کیا۔

نحن جوار بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

یعنی ہم بنونجار کی بیٹیاں ہیں، یارسول اللہ! آپ کتنے جلیل القدر ہمسائے ہیں، آپ نے ان وارفتگان شوق کا ترانہ محبت سنا تو فرمایا، کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو، انہوں عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں آپ سے محبت ہے، آپ نے فرمایا: وانا واللہ احبکن، وانا واللہ احبکن، وانا واللہ احبکن، اللہ کی قسم! مجھے بھی تم سے محبت ہے، اللہ کی قسم! مجھے بھی تم سے محبت ہے، اللہ کی قسم! مجھے بھی تم سے محبت ہے، ﴿زرقانی: ۳۶۰/۱﴾ پھر آپ نے چار مرتبہ یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

⊙......رب انزلنی منزلاً مبارکاً وانت خیر المنزلین o اے میرے پروردگار! مجھے برکت والی منزل پر اتار اور تو ہی بہترین اتارنے والا ہے۔

اس وقت آپ پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی، کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ ان شاء اللہ یہی ہماری آرام گاہ ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس منظر کو گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ سواری پر سوار ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار ہیں، اور بنونجار کی جماعت نے آپ کے اردگرد حلقہ باندھ رکھا ہے حتی کہ آپ نے نزول اجلال فرمایا: ﴿الوفاء: ۲۰۵/۱﴾ اس مقام دل آفرین کے قریب ترین حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، وہ شکر و امتنان کے جذبات سے سرشار ہو کر اس مہمان لامکان کے استقبال کیلئے بڑھے اور آپ کا پالان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی وہاں اترتا ہے جہاں اس کا پالان ہوتا ہے، گویا حضور پیغمبر نور ﷺ نے بڑے بڑے عالیشان محلات اور خوبصورت مکانات کو چھوڑ کر اس مکان کو پسند فرمالیا تھا۔

مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے چنیں باشد

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کچھ اس طرح منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے رشتہ داروں میں کس کا گھر سب سے زیادہ قریب ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرا گھر سب سے زیادہ قریب ہے اور یہ میرا دروازہ ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ اور آرام کرنے کیلئے جگہ بناؤ، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، آیئے دونوں صاحب تشریف لایئے،

حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ بھی آئے اور آپ کی ناقہ مبارکہ کی مہار پکڑ کر اپنے گھر لے گئے کیونکہ اس کے چارہ دانہ وغیرہ کا انتظام ان کے گھر تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذوق وشوق کی فراوانیوں کا عالم قابل دید تھا، کتنے خوش نصیب تھے یہ مسافر کہ منزل مراد خود چل کر ان کے پاس آگئی تھی، مدینہ منورہ میں آمد مصطفیٰ کے رو پہلے مناظر احادیث کے روشن دریچوں میں آج بھی جگمگا رہے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، لما کان الیوم الذی دخل فیه رسول الله ﷺ المدینة اضاء منها کل شیء، جس روز حضور رسالت مآب ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رکھا، وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی، ﴿سنن ابن ماجہ﴾ حضرت ابن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایسا روشن اور خوبصورت دن کبھی نہیں دیکھا، ﴿سبل الھدیٰ: ۳/۳۸۶﴾ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کی آمد پر جو فرحت وسرور اور نور وظہور مدینہ منورہ میں نظر آیا اس سے پہلے اور بعد کبھی نظر نہیں آیا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۶۵﴾ ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آمد مصطفیٰ پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حبشیوں نے اپنے ہتھیاروں کے جوہر دکھائے، ﴿سنن ابی داؤد﴾ ان روایات سے معلوم ہوا کہ آمد مصطفیٰ کی شادمانیوں میں ڈوبنا، مسرتوں اور محبتوں کا اظہار کرنا، عظمت رسول کے نغمے آلاپنا، جلوس کی صورت میں گلیوں اور بازاروں میں نکلنا، ایک دوسرے کو مبارک بادیاں پیش کرنا اور یا محمد، یارسول اللہ ﷺ کے نعرے بلند کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت مبارکہ ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ان جذبات کا اظہار کرنے والوں کو روکا نہیں بلکہ فرمایا: اللہ کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے، مدینہ منورہ میں نزول اجلال کا دن بہت روشن، مبارک اور شاندار تھا تو عالم آب وگل میں جلوہ فرمائی کا دن کس قدر برکات وحسنات کا سر چشمہ ہوگا، ہاں اللہ کی عزت وجلال کی قسم! اس دن بھی ہر مومن برحق کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مسرت وانبساط کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور یا محمد یارسول اللہ ﷺ کے نعرے بلند کرنے چاہئیں، یہی غلامی کا تقاضا ہے، یہی محبت کی نشانی ہے، یہی وفا کا انداز ہے۔

رسول ﷺ اور میزبان رسول:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور پیغمبر نور ﷺ نے میرے مکان کو شرف اقامت سے سرفراز فرمایا تو نچلی منزل کو پسند کیا، میں، میری والدہ اور میرے بچے بالا خانے پر رہنے لگے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، حضور! میں بالا خانے میں بہت حرج اور تکلیف محسوس کرتا ہوں، اس لئے کہ حضور سردار انبیا ﷺ تو نچلی منزل میں رہیں اور میں ان کے اوپر بالا خانے میں رہوں، حضور! آپ بالائی منزل کو پسند فرمالیجئے تاکہ ہم آپ کے زیر سایہ رہیں، حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا، ہمارے لئے نچلی منزل ہی زیادہ درست موافق اور مناسب ہے کیونکہ ہمارے ساتھ ایک جماعت کثیرہ ہے اور اطراف وجوانب سے بھی لوگ آئیں گے لہذا تم اور تمہارے اہل خانہ اوپر والی منزل میں سکونت رکھیں، ﴿مدارج النبوہ: ۱۰۹/۲﴾ ایک روایت میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ اوپر والی منزل پر پانی کا برتن ٹوٹ گیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے سارا پانی اپنے لحاف میں جذب کرلیا تاکہ کوئی قطرہ نچلی منزل میں قیام فرما حضور پیغمبر نور ﷺ پر نہ ٹپک جائے، ان کے پاس لحاف بھی ایک ہی تھا، یہ کیسا حسن ادب ہے، یہ کیا شان پذیرائی ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

یہ بھی منقول ہے کہ ان کے بہت زیادہ اصرار پر حضور پیغمبر نور ﷺ اوپر والی منزل پر تشریف لے گئے اور تمام اہل خانہ نیچے آگئے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کھانا تیار کر کے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا کرتے، جب آپ کا بچایا ہوا کھانا ہمارے پاس آتا تو ہم برکت حاصل کرنے کیلئے آپ کی انگلیوں کے نشانات والی جگہ سے کھانا تناول کرتے، ایک دفعہ ہم نے پیاز یا لہسن والا کھانا بھیجا تو آپ نے واپس کردیا، میں نے گھبرا کر پوچھا، میرے ماں باپ قربان! آپ نے کھانا کیوں واپس کردیا، آپ نے فرمایا: پیاز یا لہسن کی بو محسوس ہوئی اور میں وہ ہوں جو اپنے پروردگار کے ساتھ سرگوشیاں کرتا ہوں، تم کھانا تناول کرسکتے ہو، پھر اس کے بعد ہم نے کبھی کھانے میں پیاز یا لہسن استعمال نہیں کیا، حضور پیغمبر نور ﷺ اس کاشانہ محبت میں رونق افروز تھے تو

دیگر صحابہ کرام بھی خدمت اقدس میں ہمہ تن سرگرم عمل تھے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سب سے پہلے آپ کی بارگاہ میں گندم کے آٹے، گھی اور دودھ سے تیار کئے ہوئے ثرید کا پیالہ لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ ثرید کا پیالہ میری والدہ نے آپ کیلئے بھیجا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے، پھر آپ نے اپنے اصحاب کرام کے ساتھ مل کر اسے تناول فرمایا، میں ابھی دروازے پر ہی پہنچا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا غلام کپڑے سے ڈھکا ہوا پیالہ لے کر حاضر خدمت ہو گیا، میں نے دیکھا تو وہ بھی ثرید تھا، اس طرح ہر رات تین چار آدمی کھانے لے کر آپ کے دروازے پر حاضر ہوتے رہے، ان لوگوں نے اپنی اپنی باری مقرر کر رکھی تھی، یہاں تک کہ آپ سات مہینوں کے بعد اپنے حجرات مقدسہ میں تشریف لے گئے، حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ نے کبھی کوئی خاص قسم کا کھانا پکانے کا حکم نہیں دیا اور نہ کبھی کسی کھانے میں عیب نکالا، البتہ ایک بار میرے شوہر نے مجھے بتایا کہ آپ نے شوربے والا سالن بڑی رغبت سے تناول فرمایا ہے تو ہم آپ کیلئے اسی قسم کا سالن تیار کرنے لگے، آپ ہریس بہت پسند فرماتے تھے، آپ جب رات کو کھانا تناول فرماتے تو سولہ افراد تک بھی شریک طعام ہوتے، گویا دستر خوان مصطفےٰ غلامان در کیلئے ہمیشہ وسعت پذیر رہتا تھا اور ہمیشہ رہے گا ؎

منگتا تو ہے منگتا کوئی شاہوں سے دکھا دو
جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام کی مدت اصح روایات کے مطابق سات مہینے پر مشتمل ہے، بعض روایات میں کم و بیش بھی منقول ہے۔

سن ہجری کا آغاز مبارک:

ہجرت مدینہ تاریخ عالم کا ایک بہت اہم واقعہ تھا جس میں مستان چشم نبوت نے حضور ساقی کوثر ﷺ کے ایک اشارۂ ابرو پر جان، مال، اولاد، کنبہ، ذات، برادری، علاقہ غرض کہ ہر محبوب سے محبوب تر چیز قربان کر دی اور ہمیشہ کیلئے صفحات دہر میں امر ہو گئے، اس فقید المثال واقعہ کی یاد تمام عالم اسلام کے دلوں میں اجاگر رکھنے کیلئے حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سن ہجری کی ابتدا ہوئی اور آج تک اس کے مطابق اسلامی تقویم و تاریخ کا تعین ہوتا ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ کی بعثت سے سال کا آغاز نہیں کیا اور نہ آپ کے وصال سے آغاز کیا بلکہ آپ کے مدینہ منورہ تشریف لانے پر آغاز کیا، یہ کارنامہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سرانجام دیا گیا، آپ نے محسوس کیا کہ جب تک سال کا تقرر نہ ہوگا لوگ باہمی معاملات میں سخت پریشان ہوتے رہیں گے، صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تو مختلف مشورے سامنے آئے، کسی نے کہا کہ اہل فارس کی تقویم کو سامنے رکھا جائے، کسی نے کہا کہ اہل روم کی تقویم سے حساب لگایا جائے، کسی نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے سال ولادت اور کسی نے سال وصال اور کسی نے واقعہ ہجرت سے آغاز کرنے کا مشورہ دیا تو آپ نے آخر الذکر کے مشورے کو پذیرائی عطا فرمائی، کیونکہ اس واقعے سے پورے عرب میں اسلامی انقلاب نے عروج حاصل کیا تھا اس لئے تمام اہل مشاورت نے اس پر اتفاق رائے کا اظہار کر دیا، عرب میں سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہی معروف تھا لہذا اہل مشاورت نے اسی کو سال ہجری کا ماہ اول قرار دیا تا کہ کاروبار حیات میں کوئی رکاوٹ نہ آجائے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲۸۹/۲﴾ آگے تمام سیرت نگاروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور پیغمبر نور ﷺ کی مدنی حیات گرامی صفات کا تذکرہ سن ہجری کے حوالے سے کیا جائے گا۔

حضرت جندع بن ضمرہ کا واقعہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد مکہ مکرمہ میں کچھ صحابہ کرام موجود تھے اور ان کیلئے فراق محبوب میں ایک ایک لمحہ صدیوں کی طرح گزر رہا تھا، جس راحت قلب و جان کا ایک نظارا ان کے تمام دکھوں کا مداوا تھا، آہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تھا، ان اسلامیان مکہ میں کچھ بیمار محبت ایسے بھی تھے جن کی پہلی اور آخری تمنا اب یہی تھی کہ موت سے پہلے رخ جانانِ عالم کی زیارت نصیب ہو جائے، آپ کے ایک سرفروش صحابی حضرت جندع بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی نہایت ایمان افروز ہے، انہوں نے شدید بیماری کے عالم میں اپنے بیٹوں سے فرمایا: مجھے یہاں سے لے جاؤ، بیٹوں نے سوال کیا، ہم آپ

کو کدھر لے جائیں، چونکہ زبان میں سکت بیان نہیں تھی اسلئے اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ مدینہ منورہ کی طرف، جاں نثار بیٹوں نے بیمار باپ کی چار پائی کندھوں پر اٹھائی اور مدینہ منورہ کی طرف گامزن ہو گئے، ابھی یہ قافلہ مکہ مکرمہ سے دس میل کی مسافت طے کر سکا تھا کہ حضرت جندع بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی، وہ مدینہ منورہ نہ پہنچ سکے جس پر صحابہ کرام نے گہرے افسوس کا اظہار کیا کہ کاش اس عاشق زار کو بھی ہجرت کا شرف مل جاتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

⊙...... من یخرج من بیته مهاجراً الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله وکان الله غفوراً رحیماً ٥ اور جو آدمی اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کیلئے اپنے گھر سے نکلتا ہے، پھر اس کو موت آ جاتی ہے، تو اسکا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا بہت زیادہ مہربان ہے، ﴿سورۃ النسا: ۱۰۰﴾

اس طرح بنو خزاعہ کے ایک فرد حضرت ضمرہ بن عیص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، وہ بھی شدید بیمار تھے، انہوں نے بھی اپنے اہل خانہ سے فرمایا، مجھے چار پائی پر لٹا کر حضور پیغمبر نور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا دو، جب یہ قافلہ بھی تنعیم کے مقام پر پہنچا تو بیمار عشق رسول کی روح پرواز کر گئی، ﴿انساب الاشراف: ۲۶۵/۱﴾ ان واقعات سے کتنے حسین اسباق حاصل ہوتے ہیں، صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ اگر چہ عبادتوں اور ریاضتوں کا مرکز کعبہ شریف مکہ مکرمہ میں موجود ہے لیکن ان کی جان مدینہ منورہ میں مشہود ہے ؎

شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب مرا سجود بھی حجاب

مکہ مکرمہ سے بڑے بڑے نامی گرامی خاندانوں نے ہجرت کی تھی جن میں بنو امیہ کے حلیف بنو مظعون اور بنو جحش اور بنو عدی کے حلیف بنو سعد اور بنو بکیر بھی شامل تھے، ان کے مکانات بہت شاندار تھے اور حویلیاں بہت وسیع و عریض تھیں، اب ان سب مقامات پر کفار مکہ کے سرداروں نے قبضہ کر لیا تھا، بنو جحش کے بہت عالیشان مکان کو ابو سفیان نے

فروخت کر کے اپنا قرض اتارا تو یہ خبر وحشت اثر سن حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بہت غمگین ہوئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس ظلم کے متعلق عرض کی تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مکان کے بدلے جنت میں اس سے بہتر مکان عطا فرما دے، انہوں نے عرض کی، کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: پھر وہ تمہیں عطا فرما دیا گیا ہے، علامہ ابن ہشام نے روایت لکھی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بنو جحش کے ایک فرد حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ نے حضور پیغمبر نور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا یہ مکان واپس دلایا جائے، آپ نے سکوت فرمایا، پھر کسی صحابی نے حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایسے مال و اسباب کی طرف رجوع کرنا پسند نہیں کرتے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں گنوا چکے ہو، اس کے بعد کسی صحابی نے اپنے مال و اسباب کی آرزو نہیں کی، حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے نام یہ اشعار ضرور کہے ؎

ابلغ ابا سفیان عن امر عواقبہ ندامہ
دار ابن عمک بعتھا تقضی بھا عنک الغرامہ
وحلیفکم باللہ رب الناس مجتھد القسامہ
اذھب بھا اذھب بھا طوقھا طوق الحمامہ

ابوسفیان کو یہ پیغام سنا دو جس کا نتیجہ صرف ندامت ہے کہ تم نے اپنے چچا زاد بھائی کا مکان بیچ کر اپنا قرض ادا کیا ہے، لوگوں کا پروردگار تم سے انتقام لے گا، تم یہ مکان لے جاؤ، یہ تمہاری گردن میں ایک طوق کی طرح ہے، جس طرح کبوتری کی گردن میں طوق ہوتا ہے۔ ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/۲۱۷﴾

الغرض اس قسم کی بیشمار قربانیاں ہیں جنھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتوں کا پرچم بلند کر دیا ہے، اسی لئے تو حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا ہے لوگو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور فرمایا ہے کہ میرے صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں، تم جس کسی کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

باب دوم

سالِ اول کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابن سلام کا قبول اسلام:

منقول ہے کہ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، ان کا بیان ہے کہ جب حضور پیغمبر نور ﷺ تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ لوگ کارواں در کارواں آپ کی زیارت کیلئے آ رہے تھے، میں بھی آپ کی بارگاہ عرش پناہ میں حاضر ہوا اور جونہی میری نگاہ آپ کے جمال نبوت پر پڑی، میرے دل نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا، پھر حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

⊙...... **ایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام**، اے لوگو! سلام کو خوب پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو۔

پس آپ کے دیدار اور کلام حق شعار کی برکت سے میرے دل کی دنیا تبدیل ہوگئی اور میں مشرف بہ اسلام ہو گیا، ﴿بخاری شریف، مدارج النبوۃ: ۶۶/۲﴾ ایک روایت میں یہ واقعہ کچھ اس طرح درج ہے، جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام یہودی امتحاناً آپ سے کچھ سوالات پوچھنے آئے، کہنے لگے، میں آپ سے تین باتیں پوچھتا ہوں، ان کو نبی کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا: قیامت قائم ہونے سے پہلے کون سی نشانی ظاہر ہوگی، اہل جنت پہلے کون سا کھانا کھائیں گے، لڑکا باپ یا ماں کی شکل پر کیوں ہوتا ہے، آپ نے فرمایا: ان کے متعلق جبریل علیہ السلام نے مجھے ابھی آ کر خبر دی ہے، عبداللہ بن سلام بولے، یہ فرشتہ تو یہودیوں کا دشمن ہے، آپ نے فرمایا: قیامت قائم ہونے سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی اور اہل جنت کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہے، جب مرد کا نطفہ رحم میں پہلے داخل ہوتا ہے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے، بصورت دیگر ماں کی شکل پر ہوتا ہے، یہ جواب سن کر عبداللہ بن سلام پکار اٹھے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ دین حق لے کر آئے ہیں، نیز کہا، یہودی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ میں ان کا سردار ہوں اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں، ان کا عالم ہوں اور

ان کے عالم کا بیٹا ہوں، آپ انہیں بلائیں اور میرے اسلام کا علم ہونے سے پہلے ان سے میرے متعلق پوچھیں، اس لئے کہ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں اسلام لے آیا ہوں تو وہ مجھ پر ایسا الزام لگائیں گے جس سے میں بری ہوں، چنانچہ حضور سرور کونین، تاجدار مدینہ ﷺ نے یہود کو بلا بھیجا اور ان سے کہا: اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، اس خدا تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں اور تمہارے پاس سچا دین لایا ہوں، اس لئے اسلام لے آؤ، کہنے لگے، ہم نہیں جانتے، یہ بات انہوں نے تین بار کہی، آپ نے فرمایا: عبداللہ بن سلام کیسا آدمی ہے، کہنے لگے، وہ ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے، ہمارا عالم ہے اور ہمارے عالم کا بیٹا ہے، آپ نے فرمایا: اگر وہ اسلام لے آئے تو، بولے خدا کی پناہ وہ اسلام نہیں لائے گا، یہ تین بار مکالمہ ہوا، پھر آپ نے فرمایا: عبداللہ نکل کر ان کے سامنے آؤ، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آ کر پکار اٹھے: اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم جانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور دین حق لے کر آئے ہیں، وہ کہنے لگے، تم جھوٹ کہتے ہو، نیز کہنے لگے، یہ بڑا شریر ہے اور بڑے شریر کا بیٹا ہے اور ان کی مزید تنقیص کرنے لگے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے یہی ڈر تھا، پھر آپ نے گروہ یہود کو باہر نکال دیا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۹۸﴾ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ اتنا اہم تھا کہ یہودیوں کی صفوں میں ہلچل پیدا ہو گئی۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر:

حضرت امام زہری، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس جگہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی بیٹھی اور وہاں مسجد نبوی تعمیر ہوئی، پہلے بھی مسلمان یہاں نماز پڑھتے تھے، دراصل یہ جگہ انصار کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل بن عمرو کی تھی، اس جگہ سے کھجوریں خشک کرنے کا کام لیا جاتا تھا، قوی روایت کے مطابق وہ دونوں یتیم بچے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی زیر پرورش تھے، آپ نے فرمایا! ان شاء اللہ ہماری یہی منزل ہے، پھر آپ نے مسجد بنانے کیلئے ان بچوں سے یہ جگہ قیمتاً خریدی، پہلے تو ان بچوں نے کہا تھا: یارسول اللہ! ہم یہ زمین آپ کو ہبہ کرتے ہیں لیکن آپ نے اسے خریدنا ہی مناسب سمجھا، صحیح بخاری

شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے بنونجار کو بلا کر فرمایا: اپنے اس باغ کی قیمت مجھ سے وصول کرلو، وہ بولے! اللہ کی قسم ہم اس کا ثواب اللہ تعالیٰ سے لیں گے، ہم اس کی قیمت نہیں لیتے، اس وقت وہاں مشرکین کی قبریں، گڑھے اور کچھ کھجوریں تھیں، آپ کے حکم سے مشرکین کی قبریں اکھاڑ دی گئیں، گڑھے بھر دیئے گئے، کھجوریں کاٹ کر دیوار قبلہ کے آگے جمع کردی گئیں اور دروازے کی دونوں سردلیں پتھر کی بنائی گئیں، جب صحابہ کرام پتھر لاتے تو نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ تھے اور فرماتے تھے ۔

اللھم انہ لاخیر الاخیر الاخرہ

فانصر الانصار و المھاجرہ

اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں، تو انصار اور مہاجرین کی امداد فرما، ﴿ایضا: ۳۰۰﴾

حضرت امام زہری کی حدیث میں یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں، جتنی یہ مزدوری نتیجہ خیز ہے اتنی تو خیبر کی مزدوری بھی نتیجہ خیز نہیں، اے پروردگار! اس میں زیادہ نیکی ہے اور یہ زیادہ پاکیزہ عمل ہے اور کبھی یوں فرماتے: یا اللہ! آخرت کا اجر ہی بہترین اجر ہے اسلئے انصار اور مہاجرین پر رحم فرما، غرض کہ صحابہ کرام کا جوش و خروش دیدنی تھا، وہ پتھر اور کچی اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے، خود سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ ان کی قیادت فرما رہے تھے، ایک راوی کا بیان ہے کہ کام کے وقت حضور پیغمبر نور ﷺ نے اپنے زائد کپڑے ﴿چادر وغیرہ﴾ اتارے تو صحابہ کرام نے بھی اتار دیئے اور ساتھ ہی یہ اشعار پڑھنے لگے ۔

لئن قعدنا والرسول یعمل لذاک منا العمل والمضلل

لایستوی من یعمر المساجدا یداب فیھا قائماً وقاعدا

اگر اللہ کے رسول کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں تو یقیناً ہمارا عمل گمراہی کا عمل ہے، مسجدیں تعمیر کرنے اور ہمیشہ ان میں قیام وقعود کرنے والے اور مٹی سے بچ کر دور بھاگنے والے لوگ برابر نہیں ہو سکتے، ﴿ایضا: ۳۰۰﴾

مسجد نبوی شریف کا رخ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا اور اس میں تین دروازے رکھے گئے، ایک دروازہ باب الرحمہ کے نام سے مشہور تھا، ایک دروازہ قبلہ کی مخالف سمت تھا

اور ایک دروازہ باب آل عثمان تھا جس سے رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ میں آیا جایا کرتے تھے، مسجد کا طول دیوار قبلہ سے آخر تک شمالاً جنوباً سو ہاتھ تھا اور شرقاً غرباً بھی سو ہاتھ یا اس سے کچھ کم تھا، بنیاد تقریباً تین ہاتھ چوڑی تھی، ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، چھت کھجور کی چھڑیوں سے ڈالی تھی اور دروازے کی دونوں سر دلیں پتھر کی بنائی تھیں، کسی شخص نے کہا کہ چھت بہترین ہونی چاہئے تو آپ نے فرمایا: نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح چھپر ہی مناسب ہے، ﴿ایضاً:۳۰۱﴾ مسجد نبوی شریف کے متعلق مزید معلومات یہ ہیں:

⊙...... مسجد کی جگہ کی قیمت دس مثقال مقرر ہوئی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا فرمائی، یہ وہی رقم تھی جو آپ ہجرت کے وقت اپنے گھر سے لے کر چلے تھے، ﴿مدارج النبوۃ:۶۸/۲﴾

⊙...... حضرت امام صالحی اور حضرت امام زینی دحلان نے بھی لکھا ہے کہ جگہ کی قیمت دس دینار مقرر ہوئی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا فرمائی،

﴿سبل الھدیٰ:۵۰۱/۳، سیرت نبویہ:۲۳۰/۱﴾

⊙...... آمد مصطفیٰ سے پہلے اس میدان میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اہل اسلام کی امامت کروایا کرتے تھے۔

⊙...... مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو حضر موت کا ایک آدمی طلق بن علی وہاں آ گیا جو مٹی کا گارا بنانے میں بہت کاریگر تھا، آپ نے اس کے کام سے خوش ہو کر داد عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو اپنے کام کو اچھے طریقے سے سرانجام دیتا ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا: اس حنفی کو اسی کام کیلئے رہنے دو، یہ مٹی کے کام میں تم لوگوں سے زیادہ کاریگر ہے، ﴿وفاء الوفا:۳۳۴/۱﴾

⊙...... حضور پیغمبر نور ﷺ اس جانفشانی کے ساتھ کام سرانجام دے رہے تھے کہ آپ کے شکم انور پر گرد و غبار کی تہہ جم گئی، تمام لوگ یہ رجز بھی پڑھ رہے تھے، **لا عیش الا عیش الا خرہ ...... اللھم ارحم الانصار والمھاجرہ......** زندگی تو فقط آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ! انصار اور مہاجرین پر رحمت نازل فرما، آپ بھی ان کے اس رجز کا جواب عطا فرماتے تھے۔

⊙......حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے کہ حضرت اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ پتھر بھاری ہے، یہ میرے حوالے کر دیجئے، آپ نے فرمایا: جاؤ کوئی اور پتھر اٹھا لاؤ، تم مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں۔

⊙......تمام غلامان مصطفےٰ کے جذبات کا عالم ہی انوکھا تھا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے اور فرما رہے تھے، ایک اینٹ میری طرف سے ہے اور ایک اینٹ میرے محبوب کی طرف سے ہے، ایک مرتبہ صحابہ کرام نے ان پر کچھ زیادہ اینٹوں کا بوجھ لاد دیا تو وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! صحابہ کرام تو مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، دیکھئے خود تو ایک ایک اینٹ لاتے ہیں اور مجھ پر اتنی ساری اینٹیں لاد دی ہیں، آپ نے ان کے بالوں سے گرد و غبار جھاڑ کر فرمایا: اے سمیہ کے بیٹے! یہ لوگ تجھے قتل نہیں کریں گے بلکہ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا، یہ روایت صحیح مسلم، کتاب الجہاد میں بھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے سر کا غبار جھاڑتے ہوئے فرمایا: عمار کی اس حالت پر افسوس ہے کہ اس کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا، یہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو جہنم کی طرف بلائیں گے، یہ حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے کے لیے پیش کی جاتی ہے کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ انکے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے، امام ابن حجر اور امام عینی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے، ویح عمار تقتله الفئة الباغیه، عمار پر افسوس! کہ اسکو باغی گروہ قتل کرے گا کا جملہ روایت نہیں کیا، اس پر اشکال ہے کہ ہماری مطبوعہ بخاری میں تو یہ جملہ موجود ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اس دور کے چھاپنے والوں کی غلطی ہے کیونکہ امام جزری نے جامع الاصول میں امام بخاری کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کیا اور اس میں یہ جملہ نہیں ہے، ﴿جامع الاصول: ۱۱/۱۹۵﴾ یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں، راویوں نے ملا دیا ہے، ﴿فتح الباری: ۲/۱۱۲، عمدۃ القاری: ۴/۳۰۸﴾ اب باقی حدیث کہ عمار لوگوں کو اللہ تعالیٰ یا جنت کی

طرف بلائے گا اور وہ اسکو جہنم کی طرف بلائیں گے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر منطبق نہیں ہو سکتی کیونکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ عمار مشرکوں کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسکو جہنم کی طرف بلائیں گے۔

⊙ ...... ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا: اے سمیہ کے بیٹے! لوگوں کو ایک گنا اجر اور تمہیں دو گنا اجر ملے گا، تم اپنے آخری وقت دودھ نوش کرو گے، اور تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲۰۷/۳﴾

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کی خوش طبعی سے محظوظ ہوئے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر عطا فرمائی جسکا تعلق مستقبل بعید کے ساتھ تھا۔

⊙ ...... ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم ساتھ والا قطعہ زمین مسجد کے نام لگا دو اور اس کے عوض جنت کا محل لے لو، اس نے عیال داری کی وجہ سے معذرت کر لی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے دس ہزار درہم دے کر قطعہ زمین خرید لیا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: حضور! میں نے اس انصاری سے قطعہ زمین خرید لیا ہے لہذا آپ مجھ سے خرید لیں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے جنتی محل کے عوض ان سے اس قطعہ زمین کا سودا کر لیا۔

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ

⊙ ...... مسجد نبوی شریف اور حجرات میں راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے غلام سراج کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے روشنی کی جاتی، ہم قنادیل، روغن زیتون اور رسیاں لائے اور قندیلوں کو ستونوں پر لٹکا کر مسجد میں روشنی کی، آپ نے دیکھ کر پوچھا: ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے، تمیم نے کہا، میرے غلام نے، آپ نے پوچھا: اس کا کیا نام ہے، تمیم نے کہا، فتح، آپ نے فرمایا: بلکہ اس کا نام سراج ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے میرا نام سراج رکھ دیا، ﴿بخاری کتاب المناقب﴾

یہ مسجد نبوی شریف ہر قسم کے دنیاوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی، چھت پر مٹی کم تھی اور فرش خام تھا، اس لئے بارش میں کیچڑ ہو جایا کرتی تھی، ایک دفعہ رات کو بارش ہوئی تو جو نمازی آتا کپڑے میں کنکریاں ساتھ لاتا اور اپنی جگہ پر بچھا لیتا، جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ خوب ہے اور آپ نے کنکریوں کا فرش بنوا دیا، اول تو اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا مگر جب قبلہ بدل گیا تو مسجد کے شمال میں ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا، اس کے بعد مختلف زمانوں میں اس کی تجدید و توسیع ہوتی رہی، اسلام کے فرمانرواؤں نے اس کی خدمت کو اپنا شعار بنایا اور اسکی تزئین و آرائش کو اپنی زندگی کا مقصد عظیم قرار دیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب عمارت بوسیدہ ہوگئی تو انہوں نے پرانی طرز اور انداز پر ہی دوبارہ تعمیر کر دی، مسجد کا رقبہ بھی پہلے جتنا ہی رکھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رقبے میں اضافہ کیا لیکن عمارت کیلئے وہی سامان استعمال کیا جو عہد نبوی اور عہد صدیقی میں استعمال ہوا تھا یعنی کچی اینٹیں، کھجور کے ستون اور شاخوں کی چھت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسجد نبوی شریف کی از سر نو تعمیر شروع کی گئی تو رقبہ بھی بڑھا دیا گیا اور دیواریں بھی پتھروں سے استادہ کی گئیں، گارے کی بجائے چونا استعمال کیا گیا، ستون پتھر کے تراشے گئے، دیواروں اور ستونوں پر خوبصورت نقش و نگار بنائے گئے نیز چھت بھی ساگوان کی ڈالی گئی، پھر ان کے دور خلافت سے لے کر آج تک اس کی تعمیر و تشکیل میں گراں قدر اضافہ ہوتا رہا ہے، اب تو یہ ظاہری اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو دنیائے کائنات کی خوبصورت ترین عمارت ہے جس پر بے حساب سرمایہ خرچ کیا گیا ہے، مسجد نبوی شریف کے ایک کنارے پر ایک چبوترہ تھا جس پر کھجور کے پتوں سے چھت بنا دی گئی تھی، اسی چبوترے کا نام صفہ ہے، جو صحابہ کرام گھر بار نہیں رکھتے تھے، وہ اسی چبوترے پر سوتے بیٹھتے تھے، یہی لوگ اصحاب صفہ کہلاتے ہیں، ﴿مدارج النبوۃ: ۶۹/۲﴾ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ کے ستر ایسے اشخاص کو دیکھا جن کے پاس کچھ نہ تھا، بجز ایک تہبند یا کملی کے جسے وہ اپنے گلے میں باندھتے تھے، وہ کسی کی آدھی پنڈلی تک آتا اور کسی کے ٹخنوں تک پہنچتا تھا، وہ سجدہ کرتے وقت اسے لپیٹ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھلے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس

عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ ستر سے زیادہ تھے، بلاشبہ حدیث مبارک میں ہے کہ ایک وقت میں ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی، کبھی ان کی تعداد کسی کے انتقال کر جانے، نکاح کر لینے یا کسی اور وجہ سے کم بھی ہو جاتی تھی، کبھی زیادہ بھی ہو جاتی، ان میں سے ستر اصحاب صفہ تو بیر معونہ کے مقام پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید ہو چکے تھے، ﴿مدارج النبوۃ:۱۱۸/۲﴾ تعمیر مسجد نبوی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے پہلا خطبہ ان مبارک کلمات سے ارشاد فرمایا:

حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! موت سے پہلے زاد راہ تیار کر لو، اللہ کی قسم ایک روز تم پر موت کی مدہوشی ضرور طاری ہوگی اور تم اپنے ریوڑ کو نگہبان کے بغیر چھوڑ کر کوچ کر جاؤ گے، پھر اللہ سوال کرے گا جس کو کسی ترجمان اور کسی دربان کی کوئی حاجت نہیں، کیا تمہارے پاس میرا رسول نہیں آیا تھا جس نے تمہیں میرا پیغام عطا کیا اور کیا تم مال و متاع سے نہیں نوازے گئے تھے، لہذا جواب دو کہ تم نے اپنے فائدے کیلئے کیا کام سرانجام دیا ہے، اس وقت انسان حیرت و وحشت کے ساتھ ادھر ادھر دیکھے گا مگر کوئی بھی دکھائی نہیں دے گا، پھر وہ سامنے دیکھے گا تو اسے دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلے نظر آئیں گے، جو آگ سے بچنا چاہتا ہے وہ اپنے آپ کو بچا لے اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا راہ خدا میں صرف کر کے بچالے اور جو شخص اس کی بھی توفیق نہیں رکھتا تو وہ اچھی بات کر کے بچالے کیونکہ ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہوگا، ﴿سیرت ابن ہشام:۱۱۸/۲﴾

اس کے علاوہ ایک دوسرا خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ قرآن پاک کی عظمت اور منزلت بیان فرمائی، سب سے اچھا کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جس کے دل میں اس نے یہ کتاب اتاری وہ اس کے ذہن نشین ہوگئی اور جس کو اس نے دین اسلام میں داخل کر دیا وہ کامیاب ہوگیا، جس نے دنیا کی باتیں ترک کر کے اس کتاب کو اپنایا وہ نجات پا گیا، یہ بہترین کتاب ہے، تم اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں کو اپنا محبوب بنالو اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو جاؤ، تم اللہ تعالیٰ کے کلام اور ذکر سے اکتا نہ جانا، اس نے

سب سے افضل اپنا ذکر قرار دیا ہے، تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اس سے ڈرتے رہو، اچھی بات کرو اور اسے کر دکھاؤ، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک دوسرے کے دوست بن جاؤ، جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے، تم سب پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی رہے، ﴿سبل الھدی ۳/۴۹۰﴾

حجرات ازواج مطہرات:

مسجد نبوی شریف کی تعمیر و تشکیل سے فراغت پا کر حضور پیغمبر نور ﷺ نے ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر فرمائی، حجرات مقدسہ کی کل تعداد نو تھی لیکن یہ تمام ایک ساتھ ہی تعمیر نہیں کیے گئے بلکہ ضرورت کے مطابق تعمیر کیے گئے تھے، سب سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیلئے ایک حجرہ تعمیر کیا گیا، ہجرت کے سات آٹھ ماہ بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی تو ان کیلئے بھی پہلے ہی ایک حجرہ بنوایا، ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی شریف کے اردگرد بنوائے گئے تھے، ان کی اونچائی بہت کم تھی، بقول داود بن قیس حجرے کے دروازے سے اندرونی کمرے کے دروازے تک چھ یا سات ہاتھ کا فاصلہ تھا اور اندرونی کمرہ دس ہاتھ کا تھا، ارتفاع سات آٹھ ہاتھ کے درمیان تھا، حضرت امام حسن بصری کا بیان ہے کہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں مراہق تھا، ان مکانات کی چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا، ان کے دروازے مسجد کی طرف تھے اور مسجد سے اسقدر متصل تھے کہ آپ حالت اعتکاف میں مسجد سے سر مبارک نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر بیٹھی آپ کے بال مبارک دھو دیا کرتی تھیں، ان حجرات کی تعمیر میں کچی اینٹیں استعمال کی گئی تھیں اور ایسا سامان لگایا گیا جو زیادہ مضبوط نہیں تھا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳/۳۱۳﴾ دیواروں اور چھتوں پر کھجور کی شاخیں استعمال کی گئی تھیں اور دروازوں پر کالے بالوں سے بنے ہوئے پردے لٹکے ہوئے تھے گویا ہر طرف سادگی، سنجیدگی اور نفاست پسندی کے آثار دکھائی دیتے تھے، یہ تھی شہنشاہ کونین ﷺ کی رہائش گاہ جس کے ہر ذرے سے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی ہمیشگی کا احساس ہوتا تھا، ادھر اکثر امہات المومنین عرب کے سرداروں کی بیٹیاں تھیں اور انہوں نے کشادہ حویلیوں اور عالیشان محلوں میں آنکھ کھولی تھی، حضور پیغمبر نور ﷺ کی غلامی میں آئیں تو دنیا کی ہر آسائش و آرام کو یکسر بھلا دیا، بس اسی مجسم تسلیم و رضا کے اسوۂ حسنہ کو اپنا شعار زندگی بنا لیا،

ان حجرات مطہرات کے متعلق مزید معلومات مندرجہ ذیل ہیں:

⊙......حضرت مالک بن ابی رجا رضی اللہ عنہ اپنے دادا جان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حجرات مطہرات مسجد نبوی شریف کے بالمقابل نمازی کی بائیں جانب یعنی سمت مشرق میں موجود تھے، جب حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو آپ نے حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کو ان کی منزل میں ٹھہرایا:

⊙......ایک روایت کے مطابق حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات مسجد نبوی شریف کے قریب تھے، جب نبی اکرم ﷺ کسی خاتون کو شرف زوجیت عطا فرماتے تو وہ آپ کیلئے مکان خالی کر دیتے حتیٰ کہ ان کے سارے مکان آپ کی ازواج مطہرات کی ملکیت میں آ گئے۔

⊙......حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مکان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کرنے کی وصیت فرمائی اور حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کے ورثا نے ان کا مکان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ اسی ہزار درہم میں فروخت کر دیا تھا۔

⊙...... ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے وہ مکان خرید لیا، اس کی قیمت پانچ اونٹوں پر لدا ہوا ساز وسامان مقرر ہوئی تو آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ کے راستے میں بانٹ دی، عرض کیا گیا کہ کم از کم ایک درہم تو بچا لیتیں، آپ نے فرمایا: اگر اس وقت یاد دلاتے تو بچا لیتی۔

⊙......حضرت عطا خراسانی سے روایت ہے کہ جب ولید بن عبدالملک کا خط پہنچا کہ ازواج مطہرات کے مقدس حجرات کو مسجد نبوی شریف میں شامل کر دیا جائے تو میں نے اس دن لوگوں کو جس قدر روتے اور آنسو بہاتے دیکھا اس قدر کبھی روتے اور آنسو بہاتے نہیں دیکھا۔

⊙...... انہی سے روایت ہے کہ حضرت سعید ابن میسب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بخدا مجھے تو یہی امر مرغوب اور محبوب تھا کہ ان حجرات مطہرات کو اسی حالت پر رکھا جاتا حتیٰ کہ اہل مدینہ کی نئی نسل اور بیرونی لوگ ان کو دیکھتے اور تفاخرو

تکاثر سے گریز کرتے ہوئے حضور پیغمبر نور ﷺ کے زہد اختیاری کی اتباع کرتے۔ ﴿الوفا:۱/۳۰۸﴾

⊙......اہل بیت اطہار کے علاوہ مہاجرین کرام کی سکونت کیلئے بھی مسجد کے قریب مکانات کا انتظام کیا گیا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے بنوزہرہ کو مسجد کی ایک جانب خطہ عنایت فرمایا جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حصہ میں ایک خرماستان آیا، حضرت عبداللہ وعتبہ پسران مسعود ہذلی جو بنوزہرہ کے حلیف تھے، ان کیلئے مسجد کے پاس ایک خطہ معین کیا گیا جو انکے نام سے مشہور تھا، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بھی ایک وسیع قطعہ ملا جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں تھیں، وہ بقیع الزبیر کہلاتا تھا حضرت طلحہ بن عبید اللہ قرشی رضی اللہ عنہ کو ان کے گھروں کی جگہ ملی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی مسجد کے قریب زمین دی گئی، حضرت عثمان، مقداد بن اسود، طفیل بن حارث وغیرہم کو بھی رہائش کیلئے زمینیں دی گئیں، ان قطعات میں سے جو بے آباد و غیر مملوکہ تھے، وہ آپ نے خود تقسیم فرما دیئے اور جن قطعات پر انصار کے مکانات و منازل تھے وہ انہوں نے آپ کو ہبہ کر دیئے اور آپ نے مہاجرین کرام کو عطا فرما دیئے۔ ﴿سیرت رسول عربی:۸۱﴾

مسجد نبوی شریف کی افضلیت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفر کیلئے سواریوں پر پالان نہ باندھے جائیں مگر صرف تین مساجد کیلئے، مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ، میری مسجد میں نماز ادا کرنا مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد میں ہزار نماز ادا کرنے سے بھی افضل ہے، ﴿صحیح مسلم شریف، الوفا:۱/۳۰۶﴾ ایک روایت میں پچاس ہزار نماز کا اجرو ثواب بھی مرقوم ہے، حضرت علامہ سمہودی نے مسجد حرام اور مسجد نبوی دونوں کی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں احادیث نقل کر دی ہیں اور یہ دونوں حدیثیں بظاہر متعارض ہیں اور کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا مشکل ہے، اس سلسلہ میں آسان بات یہ ہے کہ علامہ عینی نے ابن ماجہ کے حوالے سے سند جید کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت

بیان کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلوٰة فی مسجد ی افضل من مأة الف صلوٰة فیما سواہ الا المسجد الحرام افضل من مأة الف صلوٰة فیما سواہ، میری مسجد میں نماز پڑھنا مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد کی بہ نسبت ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا باقی مسجدوں کی بہ نسبت ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے، ﴿عمدۃ القاری: ۲۵۶/۷﴾ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کیلئے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اللھم اجعل بالمدینة ضعفی ماجعلت بمکة من البرکة، اے اللہ! تو نے مکہ مکرمہ میں جتنی برکتیں رکھی ہیں مدینہ منورہ میں اس کی چوگنی برکتیں نازل فرما اور یہ دعا دین و دنیا کی تمام برکتوں کو شامل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے برکت کے لفظ کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں عموم اور شمول ہی مناسب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو مدینہ منورہ کیلئے مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہونے کی دعا فرمائی ہے اور اس کا بھی یہی تقاضا ہے، علامہ سمہودی، علامہ قسطلانی، علامہ زرقانی اور دیگر اہل محبت کا یہی نظریہ ہے، ﴿شرح مسلم سعیدی: ۵۸/۳ ۷﴾ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ آپ کے الفاظ مبارک ''مسجدی ھذا'' ﴿میری یہ مسجد﴾ میں اس امر پر واضح دلالت موجود ہے کہ یہ فضیلت و برتری اس مقدس خطہ کو حاصل ہے جو حضور سرور انبیا ﷺ کے زمانہ اقدس میں مسجد ہونے کے شرف سے مشرف تھا، وہ نہیں جو بعد میں اس کے اندر شامل کیا گیا ہے، یہی تصریح امام نووی نے شرح مسلم میں فرمائی ہے لیکن ابن تیمیہ اور محبّ طبری کا مختار یہ ہے کہ بعد میں جو اضافہ کیا گیا، یہ اجر و ثواب اس میں بھی ثابت ہے جیسا کہ روایت میں موجود ہے کہ اگر اس مسجد کو صنعائے یمن تک بڑھا دیا جائے تو بھی میری مسجد ہوگی اور امام محبّ طبری نے امام نووی کا اس قول سے رجوع بھی نقل کیا ہے اور شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں فرمایا کہ جمہور کے نزدیک مختار یہی ہے کہ اجر و ثواب اس حصہ میں بھی اتنا ہی ہے، جتنا کہ زمانہ نبوی میں موجود مسجد شریف کے اندر تھا، مسجد نبوی شریف میں بہت سے مقدس اور متبرک مقامات موجود ہیں، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جتنی جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، ﴿بخاری و مسلم﴾ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے بھی منقول

ہے، ایک روایت میں ہے کہ میرا منبر جنت کے ٹیلوں اور بلند مقاموں میں سے ایک سرسبز وشاداب ٹیلے پر ہے، ﴿الوفاء:۱/۴۰۸﴾ حضور اقدس ﷺ نے منبر کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے، منبر مبارک کی داستان بھی بہت ایمان افروز ہے، حضور اقدس ﷺ پچھواڑے کی دیوار کے متصل ہو کر صحابہ کرام کو خطبہ عالیہ سے مشرف فرمایا کرتے تھے، اگر کبھی زیادہ کھڑے ہونے کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس ہوتی تو آپ ایک لکڑی پر جواس جگہ نصب ہوتی تھی، تکیہ فرماتے، ایک شخص بعض دیار عرب سے مدینہ منورہ آیا اور صحیح روایت میں ہے کہ وہ مدینہ منورہ کا باشندہ تھا اور ایک انصاریہ کا غلام تھا، اس نے جناب رسالت مآب ﷺ میں عرض کی کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو آپ کے واسطے ایک منبر بناؤں جس پر کھڑا ہونا اور بیٹھنا آسان ہو، آپ نے اسکی التماس قبول فرمائی، اس نے ایک منبر تیار کیا جس کے تین درجے تھے، تیسرا درجہ بیٹھنے کا مقام تھا، صحیح روایت میں ہے کہ جب منبر شریف رکھا گیا جہاں آج رکھا ہے اور مقام اول سے آپ نے تبدیلی فرمائی تو وہ لکڑی کا تنا جس پر کبھی کبھی آپ تکیہ فرماتے تھے آپ کے فراق صحبت سے پھٹ گیا، رونا شروع ہوگیا، اونٹنی کی طرح چلانے لگا اور ایسا بیقرار ہوا کہ تمام حاضرین مجلس اس کا حال دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، پس حضور اقدس ﷺ منبر شریف سے اتر کر اپنا دست رحمت اس پر پھیرا اور فرمایا، اگر تو چاہے تو تجھے تیری جگہ پر چھوڑ دوں اور اگر چاہے تو تجھے بہشت بریں میں لے جاؤں، جہاں کی نہروں اور چشموں سے تو سیراب ہوگا اور خدا تعالیٰ کے دوست تیرا میوہ کھائیں گے، ایک لحظے کے بعد آپ نے فرمایا: اس لکڑی کے تنے نے دارالخلد کو اختیار کرلیا ہے، استن حنانہ کا رونا ہجرت کے سال میں واقعہ ہوا، ﴿مواہب لدنیہ:۱/۲۲۳﴾ روایت ہے کہ جب حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنتے تو بہت روتے اور فرماتے اے بندگان خدا! جب ایک لکڑی حضور پیغمبر نور ﷺ کے فراق میں روتی اور فریاد کرتی ہے تو کیا تم لوگ اس کے لائق نہیں ہو ﴿کہ یاد محبوب میں آنسو بہایا کرو﴾ ؎

سنگے وبناتے کہ دروے خاصیتے ہست

بہ ز آدمی کہ دراں معرفتے نیست

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث جزع حنین مشہور ہے بلکہ حد تواتر

تک پہنچ چکی ہے، بہت سے صحابہ کرام نے اسے روایت کیا ہے، وہ لکڑی صحابہ کرام کے پاس تھی، آخر بسبب طول مدت بوسیدہ ہوگئی، ایک اور روایت میں ہے کہ اسکو اسی جگہ آپ نے دفن کروا دیا تھا، قول صحیح کے مطابق منبر شریف کا طول دو گز اور عرض ایک گز تھا، ہر درجے کا عرض ایک بالشت تھا، یہ منبر شریف خلفائے راشدین کے زمانے تک اپنے حال پر رہا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جامہ وبطیہ سے اس کی پوشش بنوائی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنوائی، وہ اپنے زمانہ امارت میں ملک شام سے مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے چاہا کہ منبر شریف کو شام لے جائیں، ابھی اسے اپنی جگہ سے ہٹانا چاہا تھا کہ اسی وقت آفتاب سیاہ ہوگیا اور آسمان پر ستارے دکھائی دینے لگے پھر انہوں نے اپنا خیال ترک کر دیا، ﴿جذب القلوب: ۱۰۰﴾ صحابہ کرام اس منبر مبارک کو بہت ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ حصول برکت کیلئے اسے ہاتھ لگایا کرتے اور اپنے چہرے پر پھیر لیا کرتے تھے، مسجد نبوی شریف کے وہ اسطوانات ﴿یعنی ستون﴾ جن سے تبرک اور تیمن مندوب وماثور رہے، آٹھ ہیں، ستون حنانہ: وہی لکڑی کا تنا جو فراق محبوب میں گریہ زن ہوا تھا، اکثر علما کرام کے نزدیک استن مخلق بھی اسی کا نام ہے، ستون عائشہ: اس ستون کے نزدیک دعا مستجاب ہوتی ہے، ستون توبہ: اسکو ستون ابی لبابہ بھی کہا جاتا تھا، ستون سریر جس کے پاس کبھی آپ کا سریر وحصیر بچھایا جاتا تھا، ستون محرس: اسکو ستون علی ابن ابی طالب بھی کہا جاتا تھا اسلئے کہ وہ اکثر اس ستون کے قریب نماز پڑھا کرتے تھے، ستون وفود: اس ستون کے نزدیک وفود عرب آکر ٹھہرتے اور حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے شاد کام ہوتے تھے، ستون مربعۃ البعیر: جس کو مقام جبریل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اسی مقام پر وحی الٰہی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر کا دروازہ بھی اسی جگہ تھا، آپ اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے تو حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو مخاطب فرماتے، السلام علیکم اهل البیت، اے اہل بیت تم پر سلامتی ہو، پھر سورۃ الاحزاب کی آیت تلاوت فرماتے، بے شک اللہ کا ارادہ یہی ہے، اے نبی کے گھر والو، تمہیں ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھے اور ایسا

پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے، آٹھواں ستون: ستون تہجد کے نام سے موسوم ہے کیونکہ آپ ہر رات اس مقام پر چٹائی بچھا کر نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے، یہ ستون حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے پیچھے شمال کی طرف واقع تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ میں صحابہ کرام کو دیکھتا تھا کہ مغرب کے وقت ان میں سے ہر کوئی ایک ایک ستون سے مبازرت کرتا تھا، ریاض جنت میں بعض ستونوں پر ان کا نام بھی رقم ہے، ستون ابوبکر، ستون عمر، ستون عثمان، ستون علی، ستون سعید بن زید، مسجد نبوی شریف میں صفہ اصحاب رسول بھی بہت متبرک مقام ہے جہاں وہ عظیم درسگاہ قائم تھی جس کے عظیم شاگردوں نے اپنے اوصاف و اخلاق سے دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کر دیا، حضور پیغمبر نور ﷺ کو ان مشتاقان دید کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی، بسا اوقات یہ لوگ بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ کے دراطہر پر پڑ جاتے، آپ ان کے پاس تشریف لاتے، تسلی و تشفی سے نوازتے اور فرماتے، تم لوگ میرے ساتھ ہو، اگر تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت کو پہچانتے تو ضرور فقر و فاقہ کو دوست رکھتے اور کبھی ایک دو اصحاب کو غنی صحابہ کرام کے سپرد بھی فرما دیتے تا کہ وہ ان کے مہمان ہوں، جو باقی بچتے ان کو اپنے ساتھ شریک فرما لیتے، صدقات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، ان کے حوالے فرما دیتے اور ہدیات سے بھی ان کے حصے نکالتے، ان کو مسلمانوں کے مہمان کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، (جذب القلوب: ۱۰۷) ان کے وجود مقدس کی برکات اور حسنات سے آج بھی وہ مقام رشک فردوس بنا ہوا ہے، راقم نے عرض کیا ہے ؎

پہنچے جنت میں تو سب اہل نظر کہنے لگے
ہم نہ کہتے تھے کہ طیبہ کی فضا لگتی ہے
روح شاداب ہوئی اور کھلا غنچہ دل
یہ ترے شہر کی گلیوں کی ہوا لگتی ہے

صحابہ کرام کی علالت اور دعائے تاجدار رسالت:

مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار آ گیا، علالت کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کل امرئی مصبح فی اھلہ

والموت ادنی من شراک نعلہ

یعنی ہر مرد کو صبح بخیر کہا جاتا ہے مگر موت اس کی جوتی کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جس وقت بخاران کو چھوڑ دیتا وہ اپنی بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں وادی مکہ میں کب رات بسر کروں گا، میرے ارد گرد اذخر اور جلیل کی خوشبودار گھاس ہوگی، میں کس دن مجنہ کے چشمے پر نمودار ہوں گا اور شامہ اور طفیل کے پہاڑی چشمے میرے لئے ظاہر ہوں گے، اے میرے اللہ! تو شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کر اور انہیں اپنی رحمت سے خارج کردے اس لئے کہ انہوں نے ہمیں ہماری سرزمین مکہ سے اس وبا والی سرزمین کی طرف نکال دیا ہے، ﴿مواہب لدنیہ: ۲۱۸/۱﴾

امام ابن اسحاق نے امام زہری سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ منورہ آکر صحابہ کرام بہت بیمار ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بچالیا، بیمار صحابہ کرام نقاہت کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ انکے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اعلمو ان صلاۃ القاعد علی النصف من صلاۃ القائم، جان لو کہ بیٹھے ہوئے کی نماز کھڑے ہوئے کی نماز سے آدھی ﴿ثواب والی﴾ ہوتی ہے، راوی کا بیان ہے کہ باوجود نقاہت اور علالت کے صحابہ کرام فضیلت حاصل کرنے کے لیے کھڑے ہونے کی تکلیف بھی برداشت کرنے لگے، ﴿سیرت ابن ہشام: ۱۰۱/۲﴾

حضور اکرم ﷺ نے اپنے ان ماہ پاروں کی یہ حالت زار دیکھی تو مدینہ منورہ کیلئے دعائے کرم فرمائی، اے اللہ! جس طرح تو نے ہمارے نزدیک مکہ مکرمہ کو محبوب بنایا تھا اسی طرح مدینہ منورہ کو بھی محبوب بنادے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے اور ہمارے صاع ومد میں برکت ڈال دے اور اس کا بخار مقام جحفہ کی طرف بھیج دے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مدینہ منورہ ایسے حال میں آئے کہ اللہ تعالیٰ کی کل زمین سے یہاں

زیادہ وبا تھی اور وادی بطحان ایسے پانی کو جاری کرتی تھی جو رنگ و بو میں متغیر تھا، اس پانی کو تو سزا کہنا چاہئے، ﴿ایضا﴾ حضرت امام بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

⊙ ...... میں نے ایک کالے رنگ والی عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ مدینہ منورہ سے نکل کر معیعہ میں جا ٹھہری تھی، میرے اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ یہاں کی وبا معیعہ کی جانب بھیج دی گئی ہے ﴿معیعہ اور جفنہ ایک ہی علاقے کے دو نام ہیں﴾، ﴿صحیح بخاری، جامع ترمذی، سنن نسائی﴾

پھر حضور پیغمبر نور ﷺ کی برکت سے یہی شہر وبا ہمیشہ کیلئے شہر شفا بن گیا اور وہی صحابہ کرام اس میں شہادتوں کی التجا کرنے لگے اور اس کے ہر نظارے پر دیدہ و دل قربان کرنے لگے، آپ کی یہی برکت عالم اسلام کیلئے سرمایہ محبت ہے، صحابہ کرام کی علالت اور دعائے تاجدار رسالت بھی سال اول کا اہم واقعہ ہے۔

اہل بیت کا ورود مسعود:

سال اول کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے اہل بیت اطہار بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے، ان کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال نے بھی ہجرت فرمائی، ابھی آپ نے مدینہ منورہ کچھ دیر ہی قیام فرمایا تھا کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا، آپ نے انہیں دو اونٹ اور پانچ سو درہم بھی عطا فرمائے تا کہ ان کا سفر با عافیت گزرے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی عبد اللہ بن اریقط کو دو اونٹ دے کر ان کے ساتھ بھیجا تا کہ ان کا بیٹا عبداللہ بن ابوبکر بھی اپنی والدہ اور بہنوں کو مدینہ منورہ لے آئے، اس طرح اس قافلے میں حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا اور ان کا بیٹا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام رومان زوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما، حضرت ابوبکر کی والدہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، جیسے تقدس مآب افراد شامل تھے، ان کی نگہبانی پر حضرت زید، حضرت ابو رافع اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہم متعین تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ کی ایک شہزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے

شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حبشہ میں موجود تھیں اور ایک شہزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع نے ہجرت مدینہ کی اجازت نہ دی، ان کا شوہر ان کا خالہ زاد بھی تھا اور ابھی تک اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے غزوہ بدر کے بعد ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا، جب یہ خاندان نبوت اور خاندان صداقت کے افراد مدینہ منورہ پہنچے تو ابھی حجرات کی تعمیر جاری تھی اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ پر قیام فرمایا، وہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر آباد تھے، صحیح بخاری شریف میں موجود ہے، حضرت اسما رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبداللہ میرے شکم انور میں تھا، اور مدت پوری ہو چکی تھی، قبا میں بچہ پیدا ہوا اور مدینہ منورہ میں لاکر میں نے اس کو آپ کی گود میں رکھا، آپ نے کھجور منگوا کر چبائی اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا، یہ آپ کا لعاب ہی پہلی چیز تھی جو اس کے پیٹ میں داخل ہوئی، پھر آپ نے ایک اور کھجور منگوا کر اس کی گھڑتی دی اور اس کے حق میں برکت کی دعا کی، مہاجرین مدینہ میں یہ سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا تھا، یہی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا سب سے پہلا بچہ عبداللہ بن زبیر ہی پیدا ہوا تھا، ﴿بخاری شریف﴾ ان کی پیدائش پر تمام مسلمانوں میں مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی، بعد ازاں ایک حجرہ مبارکہ میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو منتقل فرمادیا گیا۔

نماز دو رکعات کا اضافہ:

رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہجرت کے ایک ماہ بعد ربیع الآخر کی تیرہ راتیں گزر گئیں، سہ شنبہ کا دن تھا، امام سہیلی کے نزدیک ہجرت کے ایک سال بعد نماز حضر میں دو رکعات زیادہ کی گئیں اور صبح کی نماز کو اپنی حالت پر برقرار رکھا گیا کیونکہ اس میں لمبی قرأت مستحب تھی، اس طرح مغرب کی نماز بھی بحالت خود چھوڑ دی گئی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں نماز دو دو رکعات فرض کی گئی تھی، ہجرت مدینہ کے بعد چار رکعات فرض ہو گئیں اور نماز سفر کو فرض تک رکھا گیا یعنی مسافر کیلئے چار چار رکعات والی نمازوں سے کمی کردی گئی، اس کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے: ان اللہ وضع عن المسافر شطر الصلوٰۃ، اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز ساقط کردی ہے، یہ روایت

صحیح بخاری شریف میں موجود ہے اور صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک پر نماز حضر میں چار رکعات اور نماز سفر میں دو رکعات فرض کی ہیں، ﴿مواہب لدنیہ: ۲۲۸/۱﴾ مذہب حنفی میں قصر کا وجوب ہے اور مذہب شافعی میں رخصت و اجازت ہے اور اگر چار پڑھے تو عزیمت ہے جبکہ احناف کے نزدیک رخصت کا اطلاق مجازاً ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۱۲۲/۲﴾

باشندگان مدینہ کے ساتھ معاہدہ:

مدینہ منورہ میں مختلف مذہبوں اور نسلوں کے لوگ آباد تھے، یہودیوں کے متعدد قبیلے خصوصاً بہت طاقتور تھے اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کرلیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف میں بھی قومیت کی وحدت قائم رہے اور سب کو تمدن و تہذیب میں ایک دوسرے سے مدد و اعانت ملتی رہے، اس معاہدے کے جستہ جستہ فقرات درج کئے جاتے ہیں:

⊙...... یہ تحریر ہے محمد النبی ﷺ کی جانب سے مسلمانوں کے درمیان جو قریشی یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان لوگوں کے درمیان جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور کاروبار میں ان کے ساتھ ہیں۔

⊙...... سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔

⊙...... بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں۔

⊙...... اور جو کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا تو اس کے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے، مسلمان اس کی نصرت کریں گے۔

⊙...... معاہدۂ اقوام کے باہمی تعلقات، باہمی خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے، یہ تعلقات ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔

⊙...... جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے۔

⊙...... یہودیوں کی دوست دار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے

جائیں گے۔

⊙...... کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا۔

⊙...... مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی۔

⊙...... مدینہ منورہ کے اندر کشت وخون کرنا اس معاہدہ کرنے والی سب قوموں پر حرام ہوگا۔

⊙...... زنہاری بھی ان قوموں جیسے سمجھے جائیں گے۔

⊙...... اس معاہدہ کی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہوجائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق سمجھا جائے گا، ﴿رحمۃ للعالمین:۹۶/۱﴾

⊙...... یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور ان کی مذہبی رسوم میں کوئی دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔

⊙...... کوئی فریق قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دے گا۔

⊙...... تمام قبائل میں خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا، اب بھی وہی قائم رہے گا۔

⊙...... کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف کسی کافر کی امداد کرے گا۔

⊙...... اللہ تعالیٰ کا ذمہ ایک ہے، ایک ادنیٰ مسلمان بھی کافر کو پناہ دے سکتا ہے۔

⊙...... اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

⊙...... یہودیوں میں سے جو کوئی ہماری اطاعت کرے گا اسے مساوات حاصل ہوگی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

⊙...... بنوعوف، بنونجار، بنوساعدہ، بنوجشم، بنوثعلبہ، بنوجفنہ، بنوشطیبہ اور بنو حارث کے یہودیوں کو یکساں مراعات حاصل ہوں گی اور ہر ایک پر اس دستاویز کی وفاداری لازم ہوگی اور جو کوئی عہد شکنی کرے گا وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو مشکل میں ڈالے گا۔

⊙...... جو خون ریزی کا ارتکاب کرے گا تو اس کا وبال اس کی ذات اور اس کے اہل خانہ کی ذات پر ہوگا، کسی قتل یا زخم کا انتقام لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔

⊙...... جو شخص مدینہ منورہ سے باہر چلا جائے مامون ہے اور جو یہاں رہے تو بھی وہ امن میں ہے۔

⊙...... تمام گروہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، مددگار اور وفادار ہوں گے، مظلوم کی حمایت کی جائے گی۔

⊙...... مدینہ منورہ پر کسی بھی حملہ آور کا مقابلہ تمام گروہ مل کر کریں گے اور تمام لوگ اپنی جانب کے علاقے کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

⊙...... جو شخص اس معاہدے کی پاسداری کرے گا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ذیشان ﷺ اس کا نگہبان ہوگا۔

ہم نے اس دستاویز کے اکثر مندرجات کا خلاصہ پیش کر دیا ہے، یہ دستاویز ریاست مدینہ کا دستور تھا جس پر تمام باشندگان مدینہ نے عمل پیرا ہونا تھا اور اسکی پاسداری کی ہر ممکن کوشش کرنی تھی، نامور مورخین کے نزدیک اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور قرار دیا گیا ہے، اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام اور حضور پیغمبر نور ﷺ کی نبوت کے پیغام سے کیا گیا اور جگہ جگہ ان کی حاکمیت کو منوایا گیا، یہ معاہدہ یا دستور العمل اس بات کا عکاس بھی ہے کہ اسلام دنیا میں امن وامان کا بہترین ضامن ہے اور اس میں دوسری اقوام کو برداشت کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، اس معاہدے میں حوالی اور موالی کی عزت وآبرو کو بھی یہود و نصاریٰ جیسی قوموں کے برابر مقام دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں رنگ و نسل اور خاندان کا کوئی امتیازی تصور نہیں پایا جاتا، سب انسان جان و مال اور عزت وآبرو کے اعتبار سے مساوی حقوق کے مستحق ہیں، اس دستور العمل میں حضور پیغمبر نور ﷺ کو ریاست مدینہ کا مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا گیا تھا جس میں یہود ونصاریٰ، مشرکین مدینہ اور منافقین مدینہ کی سیاسی شکست اور اہل اسلام کی عمرانی فتح کا تاثر ابھرتا ہے، اس دستور العمل کی روشنی میں پوری دنیا کے مسلمان ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکتے ہیں جس میں عرب وعجم، اسود واحمر،

شرق وغرب اور حسب ونسب کا ہر امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور جس میں داخلی فتنوں کا سد باب ہی موجود نہیں بلکہ بیرونی خطروں کا سامنا کرنے کی بھی پوری راہنمائی فراہم کی گئی ہے، جس میں ہر فرد بشر اور ہر قوم وقبیلہ کا انفرادی حق بھی محفوظ ہے اور اسکی رسوم ورواجات اور ذاتی معاملات کو بھی تحفظ حاصل ہے، ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی، شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اسکی قلیل لیکن بوقلمون اور کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچک دار اور قابل عمل دستور کے ماتحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا جو بعد میں ایشیا، یورپ، افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی وقت کے صدر مقام بھی بن گیا، ﴿عہد نبوی میں نظام حکمرانی:۹۹﴾

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

یہ معاہدہ ایک سیاسی کارنامہ ہے جسے آنحضرت ﷺ نے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر سرانجام دیا، اس کی رو سے افکار وعقائد کی آزادی اور مدینہ میں اہل مدینہ کی حفاظت کیلئے ایک نظام معرض وجود میں آ گیا، اس دور میں چہار سو ظلم وفساد اور جور وستم کا دور دورہ تھا، یہ معاہدہ اپنی حیثیت میں اپنی نظیر آپ ہے، اگرچہ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کے یہودیوں نے اس معاہدے میں شرکت نہیں کی تھی لیکن چند روز کے بعد انہوں نے بھی اسی قسم کا معاہدہ آنحضرت ﷺ سے کیا اور اس طرح مدینہ اور اطراف مدینہ اس کے باشندوں کیلئے امن وسلامتی کے مرکز ومحور بن گئے، معاہدین پر معاہدہ کی حفاظت اور جنگ کی صورت میں ان پر ایک دوسرے کی مدد لازم ہو گئی، ﴿سیرۃ الرسول:۲۹۲﴾

اس معاہدے کا یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں کو کچھ امن وسکون نصیب ہوا، مدینۃ الرسول مرکز شوکت اسلام کی حیثیت سے قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا، مدینہ منورہ کے غیر مسلموں کو یقین ہو چلا تھا کہ مسلمان طاقت میں ہم سے کہیں زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے ہیں، ان پر غالب آنا ہمارے بس کی بات نہیں کیونکہ ان کی طاقت کا سرچشمہ مادیت

نہیں بلکہ روحانیت ہے، وہ ایمان کی راہ میں مصائب وآلام کا پامردی سے مقابلہ کر چکے ہیں اور اب قدرت نے انہیں ان کے صبر وتحمل کا پھل دیا ہے اور انہیں یہ موقع دیا ہے کہ وہ آزادی سے اپنی دینی رسوم ادا کر سکیں، اسلام نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ کوئی شخص دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتا، عبادت صرف خدا کیلئے مخصوص ہے، بندے اس کے سامنے اپنے عجز و درماندگی کا ثبوت نہ دیں تو اور کہاں دیں، قدرت ان کے نیک و بد اعمال پر انہیں جزا وسزا بھی دیتی ہے، اس اثنا میں حضور پیغمبر نور ﷺ کو اپنی تعلیمات کے اظہار واعلان کے لئے خاص مواقع مل گئے اور آپ نے بذات خود ان تعلیمات کا نمونہ بن کر تمدن اسلام کی بنیادیں مستحکم کیں، تمدن اسلام کی بنیاد اخوت اور مساوات پر ہے، ارشاد مصطفوی ہے:

”تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے“

اس جذبے کے ماتحت خیر خواہی اور شفقت اندازی سے کام لے لیکن ذلت وخواری کی دلدل میں نہ پھنسے، کسی شخص نے پوچھا کہ کون سی تعلیم بہتر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھلائے اور ہر جانے پہچانے اور انجانے آدمی کو سلام کرے، آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام سے گفتگو کے دوران اور مسجد میں خطبات کے دوران اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے، آپ ﷺ کا کردار بھی اخوت ومساوات کا بہترین نمونہ تھا، آپ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے لیکن اس کے باوجود عظمت واقتدار کی نمود ونمائش سے آپ کو طبعی اور دلی نفرت تھی، آپ فرمایا کرتے تھے: لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم انما انا عبد الله فقولوا عبد الله ورسوله، میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں کیا، میں تو خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں، مجھے خدا تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو، گویا آپ نے اسلامی معاشرے میں عجز وانکسار کو رواج دیا اور تکبر وغرور کی جڑیں اکھاڑ دیں، آپ صحابہ کرام کے پاس تشریف لے جاتے تو مجلس کے آخر میں بیٹھ جاتے، دوستوں سے بلاتکلف ملتے، خوش طبعی سے گفتگو کرتے، ان کے بچوں سے کھیلتے، انہیں اپنی گود میں لیتے، ہر آزاد، غلام، لونڈی اور محتاج کی دعوت قبول فرماتے، مدینہ منورہ کے دور دراز کے مقامات میں پہنچ کر بیماروں کی عیادت فرماتے، جو کوئی عذر کرتا اس کا عذر

قبول فرماتے ، سلام میں پہل کرتے اور دوسرے کے ساتھ خوش دلی سے مصافحہ کرتے ، اگر کوئی قریب بیٹھا ہوتا تو نماز جلد ختم کردیتے اور اس سے اس کی حاجت دریافت فرماتے ، باتیں کرنے کے بعد دوبارہ نماز میں مصروف ہوجاتے ، آپ تمام لوگوں سے زیادہ خندہ جبین اور خوش مزاج تھے مگر جب آپ پر وحی نازل ہوتی یا آپ خطبے اور وعظ و نصیحت میں مشغول ہوتے تو چہرے پر سنجیدگی کے آثار نمودار ہوجاتے ، گھر والوں کا کام کاج میں ہاتھ بٹاتے ، اپنے کپڑے خود دھو لیتے ، بکری کا دودھ دوہتے ، پھٹے ہوئے کپڑوں کو پیوند لگاتے ، اپنے جوتے خود ہی گانٹھ لیتے ، اپنے اونٹ کی پچھاڑ خود باندھتے ، خادم کے ساتھ کھانا کھانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے ، محتاج ، نادار اور کمزور کی حاجت پوری کرتے ، لوگوں کی خاطر تواضع اور مہمان داری کے فرائض خود ہی سرانجام دیتے ، وفاداری کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ذکر آتا تو آپ ان کے بارے میں کلمات خیر ارشاد فرماتے ، آپ کی نرم دلی اور سادہ طبعی کا یہ عالم تھا کہ بچے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ سے کھیلتے رہتے اور آپ انہیں منع نہ فرماتے ، ایک بار آپ نے بہ حالت نماز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی کو اپنے شانے پر بٹھالیا تھا ، سجدے میں جاتے تو اسے زمین پر بٹھا دیتے اور اٹھتے تو پھر شانے پر بٹھالیتے ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی ایسا سلوک کئی بار دیکھنے میں آیا ، آپ کے حسن سلوک کا دائرہ صرف بنی نوع انسان تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ تو حیوانات پر بھی شفقت فرماتے ، اگر کوئی بلی پناہ کیلئے آتی تو خود اس کے لیے دروازہ کھول دیتے ، اگر کوئی مرغ بیمار پڑ جاتا تو خود اس کی ٹہل کرتے ، اپنے قمیض کی آستین سے گھوڑے کی مالش کرتے ، اونٹ پر نرمی فرماتے اور ہر کسی کو بھی سختی کرنے سے روکتے ، آپ کی مہربانیوں سے کوئی بھی محروم نہیں تھا ، آپ کی نرم دلی احساس مرعوبیت یا عجز و ناتوانی کا نتیجہ نہیں تھی ، نہ آپ کسی پر احسان جتانا چاہتے اور نہ نام و نمود کی کوئی خواہش رکھتے تھے ، ایک سادہ اور پرخلوص رشتہ اخوت تھا جو آپ کے اور صحابہ کرام کے درمیان قائم تھا ، ان حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمدن اسلام کی قدریں دوسرے ادیان کی اقدار تمدن سے مختلف ہیں ، اسلام میں اخوت و مساوات لازم و ملزوم ہے اور اس کی بنیاد عدل و انصاف کے بغیر استوار نہیں ہوسکتی ، اسلام کا اصول ہے ، جس نے تم پر زیادتی کی ہے ،

تم بھی اس پر اتنی زیادتی کر سکتے ہو، جتنی تم پر کی گئی ہے، ﴿سورۃ البقرہ:۱۷۹﴾ اور ایک جگہ ارشاد ہے: اے دانش مندو! قصاص میں تم لوگوں کیلئے زندگی کا راز مضمر ہے ﴿ایضاً:۱۷۹﴾ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اخوت کی بنیاد مہر و مروت، حسن سلوک اور آزادی پر ہونی چاہئے، یہ کام محض رضائے الٰہی کیلئے ہونا چاہئے اور اسے وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کے دل میں قوم کا درد ہو اور جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور سے خائف نہ ہو، جو ضعف و ناتوانی کو تقویٰ کے لباس میں چھپانے کی کوشش نہ کرے، وہ شخص جس کے اندر مستقل مزاجی نام کو بھی نہیں، جو دوسروں کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کیلئے تیار رہتا ہو اور جسے خواہشات تگنی کا ناچ نچاتی ہوں، اسے صاحب عزم انسان نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کی روح میں بالیدگی آسکتی ہے، آپ صلاح اور تقویٰ کا کامل نمونہ تھے اور نہ آپ کو یہ تردد تھا کہ کل کو کھانے پینے کا کیا بندوبست ہوگا، جو کچھ بھی ہوتا وہ حاجت مندوں کو عطا فرما دیتے، ایک صحابی کا قول ہے کہ جب آپ بخشش پر اتر آتے ہیں تو اپنی بے سروسامانی کا مطلق اندیشہ نہیں ہوتا، آپ کے زہد اور دنیا سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ بستر چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے چھلکے بھرے ہوئے تھے، کبھی آپ شکم سیر ہو کر طعام تناول نہیں فرماتے تھے، دو دن لگاتار آپ نے کبھی نان جوین بھی تناول نہیں فرمائی، آپ کے مدینہ منورہ میں آتے ہی جب اہل مدینہ نے آپ کے اسوہ حسنہ کی ایسی عظیم الشان مثالیں ملاحظہ کیں اور آپ کی لائی ہوئی تہذیب اسلامی کے جلیل القدر زاویے مشاہدہ کئے تو ہمیشہ کیلئے دامن کرم سے وابستہ ہو گئے اور آپ کے اخلاق واقدار کی بدولت اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

اسلامی مواخات کا قیام:

سال اول کا ایک یہ بھی اہم واقعہ ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر انصار اور مہاجرین کے درمیان عہد مواخات قائم کیا، وہ نوے آدمی تھے، ایک قول کے مطابق سو آدمی تھے، ان میں آدھے انصار اور آدھے مہاجر تھے، اس بھائی چارے کی بنیاد باہمی ہمدردی اور نیک سلوکی پر استوار کی گئی، مرنے کے بعد اپنے رشتہ داروں کی بجائے یہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے، یہ قانون جنگ بدر تک جاری رہا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض، یعنی رشتے

دار ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، ﴿سورۃ الانفال:۷۵﴾ تو عہد مواخات کی بنا پر قائم شدہ وراثہ رشتہ داری کی طرف پھیر دیا گیا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب ﴿جو ابھی حبشہ میں تھے﴾ اور حضرت معاذ بن جبل...... حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت خارجہ بن زید...... حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عتبان بن مالک...... حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع...... حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سلمہ بن سلامہ کے قول کے مطابق حضرت کعب بن مالک کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، حضرت عثمان غنی اور حضرت اوس بن ثابت...... حضرت سعید بن زید اور حضرت ابی بن کعب...... حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابوایوب...... حضرت ابوحذیفہ اور حضرت عباد بن بشر...... حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حذیفہ بن یمان...... اور بعض کے نزدیک حضرت ثابت بن قیس کے درمیان عہد مواخات قائم فرمایا...... اسی طرح حضرت ابوذر غفاری اور حضرت منذر بن عمرو، حضرت حاطب اور حضرت عویم بن ساعدہ...... حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو دردا...... حضرت بلال حبشی اور حضرت عبداللہ خثعمی کے درمیان اخوت قائم فرمائی، حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ آپس میں بھائی بھائی قرار دیئے گئے جبکہ حضرت ابوعبیدہ اور حضرت سعد بن معاذ کو رشتہ اخوت میں پرو دیا گیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے صحابہ کرام کے درمیان برادری کا رشتہ باندھ دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا، میرا بھائی کون ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارا بھائی میں ہوں اور فرمایا: انت اخی فی الدنیا والاخرۃ، تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو، ﴿مدارج النبوۃ:۱۲۲/۲﴾ حضور اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہوئے پانچ ماہ ہوئے تھے جب آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قرار دی، ﴿مواہب لدنیہ:۲۲۳/۱﴾ ایک قول کے مطابق نو ماہ کے بعد اور ایک قول کے مطابق ایک سال کے بعد یہ بھائی چارہ قائم کیا گیا، ایک قول کے مطابق مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے دوران یہ کام سرانجام دیا گیا، آخر الذکر قول ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور پیغمبر نور ﷺ مہاجرین کی آبادکاری اور ان کی دلجوئی میں سب سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے تاکہ ان کے احساس غریب الوطنی کو دور کیا جائے اور ان کو تقویت پہنچائی جائے، آپ کا یہ جملہ کتنا ایمان افروز ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے آپس میں بھائی بھائی بن

جاؤ، صحابہ کرام نے آپ کے اس فرمانِ عالیشان کی بھی اس طرح قدر کی جس طرح قدر کرنے کا حق ہوتا ہے، انصار اور مہاجرین اس طرح آپس میں پیوست ہو گئے کہ ایک دوسرے کا خیال خونی رشتہ داروں سے بھی زیادہ رکھنے لگے، صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تو انہوں نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا، میں تمام اہل مدینہ سے زیادہ مالدار ہوں، آپ میری ہر چیز کا آدھا حصہ وصول کر لیں، میری دو بیویاں ہیں، آپ کو جو پسند آ جائے مجھے بتائیے، میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں، پھر آپ عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لینا، حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ ان کے ایثار سے بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے، اللہ تعالیٰ آپ کو مال اور اہل وعیال میں برکت عطا فرمائے، آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیجئے، چنانچہ انہیں بازار کا راستہ بتا دیا گیا، انہوں نے وہاں تجارت کی اور نفع کمایا، پھر بازار جانا اور کاروبار کرنا ان کا معمول بن گیا، چند روز بعد وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو ان کے لباس پر زعفران کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا، یہ کیسا رنگ ہے، عرض کی، یارسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے شادی کر لی ہے، آپ نے دریافت فرمایا، اس خاتون کو مہر میں کیا دیا ہے، عرض کی کھجور کی ایک گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے، آپ نے فرمایا، ولیمہ بھی ادا کرو خواہ ایک بھیڑ ہی ذبح کر کے ادا کرو، ﴿صحیح بخاری: ۱؍۷۷﴾

ایک اور روایت میں انصار مدینہ کے جذبہ ایثار کا اس طرح ذکر آیا ہے کہ انہوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے باغات کو بھی ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم فرما دیجئے، آپ نے ان کی یہ گزارش قبول نہ فرمائی بلکہ فرمایا: مہاجر بھائی تمہارے پھلوں میں حصہ دار ہوں گے، وراثت وملکیت میں حصہ دار نہیں ہوں گے، انصار مدینہ نے یہ حکم بھی سمعنا واطعنا کے لفظوں سے حرز جاں بنا لیا، روایت میں ہے کہ انصار نے کہا، مہاجرین درختوں کو پانی وغیرہ دیا کریں

گے اور ہم ان کو پھلوں میں شریک کرلیں گے، اس پر سب نے کہا یہ بات بسر و چشم قبول ہے، ﴿صحیح بخاری کتاب الجہاد﴾ انصار مدینہ نے مہاجرین کی ضرورتوں اور رہائش گاہوں کا جس طریقے سے خیال رکھا اس کی مثال دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی، مہاجرین بھی ان کے تہہ دل سے شکر گزار تھے کہ انہوں نے اپنی والہانہ محبتوں سے ان کو اپنے وطن کی جدائی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا، ایک دن انہوں نے اس شکر گزاری اور احسان مندی کا اظہار بارگاہ رسالت میں بھی کردیا، یارسول اللہ! انصار جیسی قوم ہم نے کہیں نہیں دیکھی، یہ تو ہماری ہر چھوٹی بڑی ضرورت کو نہایت فیاضی اور دریا دلی کے ساتھ پورا کرتے ہیں، ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں یہ لوگ ہی سارا ثواب نہ حاصل کرلیں اور ہم تہی دامن رہ جائیں، آپ نے فرمایا: جب تک تم ان کی فیاضی کی قدر کرتے رہو گے، ایسا نہیں ہوگا، مہاجرین تجارت پیشہ تھے، ان کو باغات اور زراعات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ان امور کا کوئی تجربہ حاصل تھا، اسلئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو ان معاملات سے دور رکھا لیکن انصار مدینہ نے یہ کام کیا کہ اپنی باغبانی اور کاشتکاری سے حاصل ہونے والے ثمرات و فصلات کو ان میں برابر تقسیم کردیا، اس سے ان کے نان و نفقہ کے بہت سے مسائل کم ہوگئے، جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا تو آپ نے اس یہودی قبیلے کی ساری اراضی انصار مدینہ کے مشورے سے مہاجرین کو عطا فرمادی، انصار مدینہ نے اس مقام پر بھی کمال دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ بنو نضیر کی اراضی بھی اور ہماری اراضی بھی ہمارے مہاجرین بھائیوں کے درمیان تقسیم فرمادیں، گویا آپ کو ہماری جانوں اور مالوں میں مکمل اختیار ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک سائل رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اہل خانہ سے پوچھا، کچھ کھانے کو ہے، جواب آیا، صرف پانی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، کون ہے، جو اس کو اپنا مہمان بنائے، ایک انصاری نے کہا، میں حاضر ہوں، چنانچہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور بیوی سے کہا، رسول اللہ ﷺ کے مہمان کو کھانا کھلاؤ، وہ بولی کہ صرف بچوں کی خوراک موجود ہے، کہا تو پھر کھانا تیار کرلو اور چراغ روشن کرکے کھانے کے وقت بچوں کو سلا دو، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جب میاں بیوی اور مہمان کھانے پر بیٹھے تو بیوی نے بتی اکسانے کے بہانے اٹھ کر چراغ گل کردیا، میاں بیوی دونوں بھوکے رہے اور اس طرح

ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھانا کھا رہے ہیں، صبح کو وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اللہ تعالیٰ تمہارے نیک کام سے بہت راضی ہوا ہے اور تمہارے اس جذبہ ایثار کی قرآن پاک میں بھی تعریف فرمائی ہے۔

⊙...... ویوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ،اور وہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو خود شدید ضرورت ہو، ﴿سورۃ الحشر﴾

انصار کا ایثار بے مثال تھا تو مہاجرین نے بھی قابل تقلید کارنامہ سرانجام دیا، حضرت عبد الرحمٰن، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے بھی تجارت کا کاروبار شروع کر دیا، حضرت عبد الرحمٰن کی تجارت میں اتنا اضافہ ہوا کہ خود فرماتے ہیں: اگر میں مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے، حضرت عثمان غنی نے قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی تجارت شروع کر دی تو بہت زیادہ منافع ہوا، حضرت ابو بکر صدیق نے کپڑے کی تجارت سے بہت زیادہ خوشحالی حاصل کی، غرض ان لوگوں نے مہمان خانہ بن کر رہنا گوارا نہ کیا بلکہ کچھ کر گزرنے کی ٹھان لی۔

پھر انصار کی طرح یہ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بہت سخاوت پسند تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے کشائش پیدا فرمائی تو انہوں نے بھی اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہایت فراخدلی سے خرچ کیا، چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پانچ سو یا سات سو اونٹوں پر لدا ہوا ساز و سامان راہ خدا میں صدقہ فرما دیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دریادلی بھی اپنی مثال آپ تھی، الغرض دونوں طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایثار کے اعلیٰ نمونے پیش کیے اور حضور پیغمبر نور ﷺ کی برکات سے باہم شیر و شکر ہو گئے جیسا کہ قرآن عظیم نے فرمایا ہے، یاد کرو اللہ کی نعمت کو جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا فرما دی اور تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے کنارے پر کھڑے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، اقوام مدینہ سے معاہدات اور اسلامیان مدینہ کی باہمی مواخات سے یہ عقدہ کھلتا ہے کہ اسلام اپنے متوالوں کو اپنوں اور بیگانوں میں زندگی گزارنے کا کونسا اصول فراہم کر رہا ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ کی حکمت عملی نے صحابہ کرام اور قیامت تک کے اہل اسلام کیلئے ایک واضح راستہ

کھول دیا تھا، دنیا کے تمام معاشروں اور تہذیبوں میں اپنوں کے درمیان خود پسندی، انا پرستی اور مادیت فروشی کی قدریں پائی جاتی ہیں جبکہ بیگانوں کے ساتھ غارت گری اور تکبر مزاجی کی روشیں اپنائی جاتی ہیں، اس کا ثبوت آج کے نام نہاد مہذب ممالک کے رویے سے پوری طرح آشکار ہے، پھر تاریخ عالم گواہ ہے کہ جب بھی عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں یا دیگر غیر اسلامی قوتوں نے اسلامی علاقوں کو فتح کیا تو وہاں خون مسلم کی وہ ہولی کھیلی گئی اور عصمت دری کی وہ مثال قائم کی گئی جس سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، دوسری طرف جب بھی محمد عربی ﷺ کے غلام فاتح بن کر نمودار ہوئے، انہوں نے اپنے آقائے تاجدار ﷺ کے عطا کردہ اصولوں کے مطابق انسان تو انسان پودوں، کھیتوں اور جانوروں تک کو نقصان نہیں پہنچایا، یہ ہے اسلام اور دیگر اقوام میں فرق...... یہ ہے توحید ورسالت کے وفا شعاروں اور کفر وشرک کے علمبرداروں میں امتیاز

ہم وفا کرتے رہے اور تم جفا کرتے رہے
اپنا اپنا فرض تھا دونوں ادا کرتے رہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی:

سال اول کے آٹھویں مہینے یا نویں مہینے کے آغاز پر حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، ایک قول کے مطابق ہجرت کے اٹھارویں مہینے رخصتی ہوئی، زیادہ تر علما نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میری عمر چھ برس تھی تو آپ نے مجھ سے شادی کی، ہم مدینہ منورہ میں آئے تو ہم نے بنوالحارث بن خزرج کے محلے میں سکونت اختیار کی، میں اس قدر تیز بخار میں مبتلا ہوئی کہ میرے سر کے بال جھڑ گئے، صحت یاب ہونے کے بعد میں ایک دن اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے مجھے آواز دی، مجھے معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے مجھے کیوں بلایا ہے، میں آئی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور تھوڑی دیر کیلئے مجھے دروازے پر روکا کیونکہ دوڑنے بھاگنے کی وجہ سے میرا سانس پھولا ہوا تھا، جب سانس درست ہوا تو انہوں نے کچھ پانی لے کر میرا منہ اور میرا سر دھویا، پھر مجھے اندر لے گئیں، میں نے دیکھا وہاں انصار کی کچھ عورتیں بیٹھی ہیں، وہ مجھے

دیکھ کر کہنے لگیں، خیر و برکت ہو اور قسمت نیک ہو، میری ماں نے مجھے ان کے حوالے کر دیا انہوں نے مجھے نہلا دھلا کر اور کپڑے زیور پہنا کر تیار کیا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور انہوں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا، اس وقت میری عمر نو سال تھی، صحیح بخاری شریف میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً تین سال پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا، پھر تقریباً اڑھائی سال پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ان کی عمر نو سال ہوئی تو آپ ﷺ کے گھر ان کی رخصتی ہوئی، حضرت ابو عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کی شادی بھی ماہ شوال میں ہوئی اور رخصتی بھی ماہ شوال میں ہوئی اور وہ اس بات کو پسند فرماتی تھیں کہ انکی رشتہ دار عورتوں کو ماہ شوال میں خاوندوں کے گھر بھیجا جائے،

آنحضرت ﷺ کو اپنی سب بیویوں میں ان سے زیادہ محبت تھی، جب وہ کوئی فرمائش کرتیں تو آپ ضرور ان کی فرمائش پوری کرتے، آپ نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی، وہ آپ کے ساتھ نو سال رہیں، جب حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہوا، اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال تھی، آپ بہت عالمہ فاضلہ اور فصیح اللسان تھیں اور آپ ﷺ سے حدیث بیان کرنے میں کثیر الروایات تھیں، ﴿مختصر الرسول:۳۰۲﴾

ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ کوئی اونٹ یا بکری ذبح کر کے عروسی کھانا تیار نہ کیا گیا البتہ دودھ کا ایک پیالہ تھا جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے آیا ہوا تھا، حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! اس دن کوئی ولیمہ کا کھانا موجود نہیں تھا بجز دودھ کے ایک پیالے کے جس میں سے کچھ تو حضور اکرم ﷺ نے نوش فرمایا اور باقی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرما دیا، وہ پیالہ لینے سے شرما رہی تھیں، میں نے کہا، حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کو رد نہ کرو، تب انہوں نے شرماتے ہوئے لے لیا اور تھوڑا سا پی لیا، ﴿مدارج النبوۃ ۱۱۹:۲﴾ بعد ازاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حجرہ مبارکہ میں منتقل فرما دیا، یہ وہی حجرہ مبارکہ ہے جس میں حضور پیغمبر نور ﷺ آج بھی آرام فرما ہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ کی ابدی رحمتوں اور سرمدی برکتوں کا نزول جاری ہے، جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے قدسیان عرش اور عاشقان فرش کے قافلے محو سفر ہیں۔

اذان کی مشروعیت:

سن اول کے واقعات میں اذان کی مشروعیت بھی شامل ہے، بعض ارباب سیر نے اس کو سن دوم کے واقعات میں شمار کیا ہے، روایت میں آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کیلئے "الصلوٰۃ جامعۃ" کی آواز دے کر لوگوں کو بلایا کرتے تھے یا بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ نمازی بغیر اطلاع کے نماز کے اوقات میں جمع ہو جایا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ لوگوں کو نماز کیلئے کس طرح جمع کیا جائے، اس بارے میں مختلف تجاویز پیش کی گئیں:

⊙...... نصاریٰ کی طرح ناقوس پھونکا جائے۔

⊙...... جیسے یہود بوق پھونکتے ہیں اس طرح بوق پھونکا جائے۔

⊙...... آگ بھڑکا کر اسے بلند کیا جائے جس کو دیکھ کر لوگ نماز کیلئے آجائیں۔

یہ تمام باتیں دوسری قوموں کے ساتھ مخصوص تھیں اس لیے چاہیے تھا کہ اہل اسلام کے لیے کوئی جداگانہ طریقہ ہو، کوئی منفرد انداز ہو، اس لئے مختلف صحابہ کرام کو خوابوں میں اذان کیلئے راہنمائی کی گئی اور ان کو اذان اور اقامت کے الفاظ تعلیم کئے گئے، ان کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

⊙...... حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

⊙...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

⊙...... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت امام غزالی نے لکھا ہے کہ تیرہ صحابہ کرام کو خواب میں اذان کی تعلیم دی گئی، حضرت امام جیلی نے چودہ کی تعداد رقم کی ہے، بہر حال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں ایک مرد کو دیکھا، اس نے آپ کو اذان اور اقامت سکھلائی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے خواب میں دیکھا، بلکہ اگر کہوں کہ میں سو نہیں رہا تھا بلکہ بیدار تھا ﴿تو زیادہ مناسب ہے﴾ کہ ایک مرد جس نے دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے، اس نے رو بہ قبلہ ہو کر اللہ اکبر اللہ اکبر کہا.............. یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہو گیا، رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ یہ سچا خواب ہے، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور ان کو اذان کے الفاظ بتاؤ تا کہ وہ اذان دیں، اس لئے کہ بلال تم سے آواز میں احسن ہے اور اسکی آواز تمہاری آواز سے بلند ہے، ﴿مواہب لدنیہ ۱:۲۲۴﴾ یہ بھی روایت موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تمام صحابہ کرام کی مختلف تجاویز کو قبول نہ فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تجویز دی: اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰۃ، کیا یہ درست نہیں کہ نماز کے وقت کوئی شخص بلند آواز سے اعلان کر دیا کرے، آپ نے یہ تجویز قبول فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اٹھو اور نماز کا اعلان کرو، پھر اسی رات حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں دو سبز چادروں والا مرد کامل نظر آیا، اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا، انہوں نے کہا، اے اللہ کے بندے! کیا تم یہ ناقوس فروخت کرو گے، اس نے کہا، تم یہ ناقوس کیا کرو گے، انہوں نے کہا، اے اللہ کے بندے! ہم اس سے نماز کا اعلان کریں گے، اس نے کہا، میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں، انہوں نے کہا، کیوں نہیں، اس نے کہا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرو کہ لوگوں کو اس طرح نماز کی دعوت دیا کریں، اللہ اکبر اللہ اکبر...... پھر ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے صبح سویرے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کر دیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ زیادہ ضبط نہ کر سکے، رات ہی کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور واقعہ بیان کر دیا، آپ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا: یہ خواب سچا ہے، اسی رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا مگر وہ حضور اکرم ﷺ کے آرام کی خاطر رات کو حاضر نہ ہوئے، ادھر حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کی تعلیم دے دی تھی اور صبح سویرے جب اذانِ بلالی سے مدینہ منورہ کی فضا معمور ہوئی تو آپ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں نے بھی ایسا خواب دیکھا ہے، ﴿سبل الہدیٰ ۳:۵۱۰﴾ مسند بزار میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات ہی اپنے رسول اکرم ﷺ کو اذان کی تعلیم عطا فرما دی تھی، آپ نے عرش اعظم کے قریب ایک حجاب میں ایک فرشتے کو دیکھا جو اذان کے کلمات بلند کر رہا تھا، پھر اذان کی مشروعیت ہجرت مدینہ تک متاخر ہو گئی

یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا اور ان کا خواب حضور اکرم ﷺ کے مشاہدے کے مطابق تھا اس لئے آپ نے گواہی دی کہ یہ خواب سچا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خواب کی موافقت نے مزید قوت دے دی، ایک روایت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے نماز کیلئے اذان دی، اس اذان کو حضرت عمر فاروق اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہما نے سنا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: اے بلال! عمر نے تم سے سبقت اختیار کی ہے، معلوم ہوا کہ ان دونوں اصحاب نے بیداری کی حالت میں اذان سنی تھی، ﴿ملخصاً مواہب لدنیہ ۱:۲۲۵﴾ یاد رہے کہ اذان کی مشروعیت کا مدار حضرت عبد اللہ یا حضرت عمر کے خواب پر نہیں ہے کیونکہ اصحاب کے خواب وحی نہیں ہیں اور نہ وہ شارع ہیں، اذان کی مشروعیت رسول اللہ ﷺ کے اس حکم سے ہوئی ہے جو آپ نے حضرت عبد اللہ کو دیا کہ یہ کلمات بلال کو سکھا دو تا کہ وہ اذان دیں، اگر رسول اللہ ﷺ یہ حکم نہ دیتے تو ہزار صحابہ کرام بھی ان کلمات کو خواب میں سن لیتے تب بھی اذان ان خوابوں سے مشروع نہ ہوتی، علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ اس خواب کے ساتھ ہوسکتا ہے نبی اکرم ﷺ پر وحی کی گئی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے آپ نے اس خواب کے مقتضی کے مطابق اذان دینے کا حکم دیا ہو تا کہ آپ دیکھیں کہ آپ کو اس حکم پر برقرار رکھا جاتا ہے یا نہیں، یہ جواب اس نظریہ پر مبنی ہے کہ آپ احکام شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے نیز یہ وہم نہیں کرنا چاہئے کہ اس خواب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو ان کلمات کا علم نہیں تھا کیونکہ شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہے اور علامہ خوارزمی تحریر فرماتے ہیں کہ ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان کا ثبوت ﴿محض﴾ صحابہ کرام کی خوابوں سے نہیں ہوا بلکہ شب معراج جب آپ مسجد اقصیٰ پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان دی اور آپ نے تمام انبیا اور ملائکہ کو نماز پڑھائی، ﴿شرح مسلم سعیدی ۱:۱۰۷۶﴾

اذان کے مبارک کلمات میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور حضور رسول محتشم ﷺ کی مصطفائی کی گواہی دی جاتی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ پیغام حقیقت بھی سنایا جاتا ہے کہ

انسان کی اصل کامیابی دنیا کے عہدوں اور منصبوں میں پوشیدہ نہیں، خالقِ مطلق کی عبادت و اطاعت میں مضمر ہے، اللہ اللہ! چودہ سو اٹھائیس سال گزر چکے ہیں لیکن یہ پیغام حقیقت آج بھی گونج رہا ہے، دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس پیغام حقیقت سے تہی دامن ہو، اذان پڑھنے والوں کا بہت زیادہ مقام ہے، قیامت کے دن امت محمدیہ کے موذنوں کی گردنیں فخر سے بلند ہوں گی، ارشاد باری ہے: بھلا اس سے بہتر کون ہوسکتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔

رسالت محمدی ﷺ پر بھیڑیے کی گواہی:

سال اول کے واقعات میں بھیڑیے کا کلام کرنا بھی شامل ہے، منقول ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر ایک بھیڑیا ریوڑ سے ایک بکری لے کر بھاگا تو چرواہا اس کے تعاقب میں گیا اور اس سے بکری چھین لی، بھیڑیے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا تھا اور تم نے اسے چھین لیا، چرواہا حیران ہو کر کہنے لگا، تعجب ہے، بھیڑیا بھی بات کرتا ہے، بھیڑیے نے کہا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک شخص کریم مدینہ منورہ کے سنگستان اور نخلستان کے درمیان گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہا ہے اور تم اس کی تصدیق نہیں کرتے، اس کے بعد وہ چرواہا جو یہودی تھا، حضور مخبر صادق ﷺ کے پاس آیا اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کا قصہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جبکہ آدمی اپنے گھر سے نکلے گا اور ابھی گھر لوٹ کر نہ آئے گا کہ اس کی جوتیاں اور اس کا کوڑا اس کے جانے کے بعد جو کچھ گھر میں ہوا ہے سب خبر دے گا، اس واقعہ کو علما صدق نبوت کے معجزات میں بیان کرتے ہیں کیونکہ بھیڑیئے کا کلام کرنا حقیقت میں معجزہ ہے۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۱۲۳﴾

چار صحابہ کی وفات حسرت آیات:

سال اول میں اہل اسلام کو چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفات حسرت آیات کا جانکاہ صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا جنھوں نے اسلام کی سربلندی کیلئے بہت سی قربانیاں پیش کی تھیں، وہ چار صحابہ کرام مندرجہ ذیل ہیں:

⊙ ...... حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نقبائے انصار میں اہم مقام کے حامل تھے، آپ

خزرجی اور اسلمی تھے، آپ کا شمار ان مسلمانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے عقبہ ثانیہ کی رات بیعت کی تھی، یہی وہ شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے تہائی مال کی وصیت کی اور جنھوں نے نقبا میں سے سب سے پہلے وفات پائی، آپ انصار مدینہ کے سردار گنے جاتے تھے، کچھ اہل سیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے ایک مہینہ قبل وفات پائی اور آپ نے ان کی قبر کے کنارے نماز پڑھی نیز ان کیلئے دعا فرمائی، اللھم اغفرله وارحمه وارض عنه و قد فعلت۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۱۲۴﴾

⊙...... حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بھی نقبائے انصار میں اہم مقام کے حامل تھے، آپ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ دونوں مقام پر موجود تھے، یہ بنو ساعدہ کے نقیب تھے اور سب سے پہلے انہوں نے انصار مدینہ کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی تھی، ان کی سعی مشکور سے بہت زیادہ انصار نے اسلام قبول کیا تھا، انہوں نے کوئی گھر نہ چھوڑا جہاں جا کر اسلام کی تبلیغ نہ کی ہو، ان کی وفات سال اول کی ششماہی کی ابتدا میں تعمیر مسجد کے دوران واقع ہوئی اور بقیع الغرقد میں مدفون ہوئے، انصار کہتے ہیں کہ سب سے پہلے بقیع میں یہی مدفون ہوئے لیکن مہاجرین کہتے ہیں کہ عثمان بن مظعون مدفون ہوئے، ہوسکتا ہے انصار میں ان کو اور مہاجرین میں ان کو اولیت حاصل ہو۔

⊙...... حضرت کلثوم بن ہدم اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما بھی اسی سال دار فانی سے رخصت ہوئے، یہ دونوں صحابہ بھی بہت عزت و منزلت کے حامل تھے۔

اسی سال مکہ مکرمہ میں بھی ایک انقلاب آیا، مشرکین مکہ کے سردار عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ واصل جہنم ہوئے، ولید بن مغیرہ نزع کے عالم میں بہت چلا رہا تھا، ابوجہل نے پوچھا: چچا تم اتنا کیوں چلا رہے ہو، اس نے کہا، مجھے خدشہ ہے کہ ابن ابی کبشہ کا دین مکہ میں غالب ہو جائے گا، ابوسفیان نے کہا، چچا! تم فکر نہ کرو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ ان کا دین غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا، ابوسفیان کو کیا خبر تھی کہ ایک دن وہ بھی اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جائیں گے اور اسکی حفاظت میں جان تک قربان کر دیں گے۔

ریاست مدینہ کے اندرونی خطرات:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی تعلیمات لوگوں کے دل و دماغ میں گھر کر گئی تھیں اور لوگ

کثیر تعداد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا اقتدار اور طاقت کا معیار روز افزوں ترقی پر تھا، اسلام کی بڑھتی ہوئی شان و شوکت سے یہودیوں کو گہری تشویش ہوئی، حضور اکرم ﷺ سے معاہدہ کرتے وقت انہیں یہ توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنا حلیف بنالیں گے اور ان کی رو سے انہیں عیسائیوں پر غلبہ حاصل ہوگا لیکن اب حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں سے زیادہ اثر و رسوخ اور غلبہ و اقتدار کے مالک ہو گئے، اس غلبے اور قتدار نے انکا سکون برباد کر دیا تھا، چونکہ انکو اپنا صدیوں پرانا اقتدار پیوند خاک ہوتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اس لئے انہوں بغاوت کا راستہ اختیار کرنا شروع کر دیا، پھر ان کی دینی تعلیم کا تقاضا بھی تھا اور ان کی دلی خواہش بھی تھی کہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی خاندان کے فرد کی پیغمبری تسلیم نہ کریں، ﴿سیرۃ الرسول: ۳۰۱﴾ امام قسطلانی نے بھی لکھا ہے کہ یہود کا حسد اسلئے تھا کہ آخری بنی اسماعیل سے کیوں ہوئے ہیں، حالانکہ ان کی کتاب میں آپ کے متعلق علامات و واقعات درج تھے، محض دوسری نسل سے ہونے کے باعث وہ رحمت باری سے محروم رہے، ﴿مواہب لدنیہ ا: ۲۲۸﴾ اس فکر نارسا نے انہیں حسد اور عناد پر مجبور کر دیا تھا، یہ بغاوت اور حسد و عناد کا جذبہ کچھ اس قدر بڑھنے لگا کہ قریش مکہ کی آویزش اور کشمکش سے بھی زیادہ بڑھ گیا، یہودیوں کو انبیائے سابقین کے حالات از بر تھے اور ان کی تعلیمات سے بھی واقفیت تھی اس لئے وہ اکثر سوالات بھی کرنے لگے تا کہ ان کے سوالات کی وجہ مسلمانوں کے عقائد و نظریات کی بنیاد متزلزل ہو جائے، اسلام اور پیروان اسلام سے ان کی عداوت کچھ اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے تورات کے اس حصے کا بھی کھلم کھلا انکار کر دیا جس میں رسالت مصطفوی ﷺ کا ذکر موجود تھا، یہودیوں کی بغاوت اور عداوت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کو حضور پیغمبر نور ﷺ سے توقع تھی کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی طہارتوں کا انکار کریں گے، اس طرح وہ آپ کا سہارا لے کر عیسائیوں کو فکری طور پر شکست فاش دے سکیں گے لیکن جب آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور ان کی طہارتوں کا ذکر کیا تو گویا یہودیوں کے اوسان خطا ہو گئے، ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور ان کے دیرینہ ارادے مایوسیوں کی نذر ہو گئے، اس ناکامی اور نامرادی نے شدید دشمنی کا روپ اختیار کر لیا، عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خبر کے مطابق

نبی آخر الزمان ﷺ کے منتظر تھے، اور توقع رکھتے تھے کہ نبی موعود ان کے ظلموں کا بدلا لینے والا، عیسائیوں کو جلال بخشنے والا اور حضرت مسیح کی صداقت کو ظاہر کرنے والا ہوگا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضور نبی آخر الزمان ﷺ نے تشریف لا کر عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل، ابنیت، تثلیث، کفارہ، رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اقتدارات کا رد کیا ہے تو وہ بھی دشمنی پر اتر آئے، ان نظریات کے ساتھ ان کے معاشی اور معاشرتی مفادات وابستہ تھے لہذا انہوں نے اسلام کی حقیقی اور ابدی صداقتوں اور راحتوں کو ٹھکرا کر ان جاہلی نظریات کو سینے سے لگائے رکھا، مدینہ منورہ کی ریاست میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان سے بھی زیادہ خطرناک گروہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف عمل تھا، اسے منافقین مدینہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس گروہ کا سالار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، اوس اور خزرج کے قبائل پر اس کا رعب قائم تھا اور اس کو توقع تھی کہ ان طاقتور قبائل کی مدد سے وہ مدینہ منورہ کی سب سے اعلیٰ طاقت اور افضل شخصیت بن جائے گا، جب اس نے دیکھا کہ یہ قبائل مشرف بہ اسلام ہو کر حضور تاجدار نبوت ﷺ کی غلامی قبول کر چکے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن جب یہودیوں کی مخالفت اسلام نکھر کر سامنے آ گئی تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ یہودیوں پر بھی اپنا پہلا اثر و رسوخ قائم رکھا جائے اور مسلمان ہونے والے قبائل پر بھی بدستور اس کا اقتدار جاری رہے، اس فکر نارسا نے اسے اس منافقانہ روش پر گامزن کر دیا کہ مسلمانوں میں بیٹھ کر ان سے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کفر کے سامنے ان کا وفادار کہلاتا، چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اسلام نے اس کی تمام آرزوؤں کو پامال کر دیا ہے اسلیئے جب بھی موقع ملتا اسکی ضرر رسانی میں کوئی دریغ نہ کرتا، یہودیوں کی دیکھا دیکھی منافقین بھی عجیب و غریب قسم کے سوالات کر کے اہل اسلام کی دل آزاری کا سامان بنتے رہے، مثلاً اگر خدا نے مخلوق کو پیدا کیا تو پھر خدا کا خالق کون ہے، حضور اکرم ﷺ ان سوالات کے جواب میں سورۃ الاخلاص کی تلاوت فرماتے، فرما دیجئے اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا والد ہے اور نہ وہ کسی کا مولود ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں، قرآن پاک نے اس گروہ کی سب سے زیادہ مذمت بیان کی ہے اور اسے سب سے زیادہ عذاب کا حقدار قرار دیا ہے، ان تینوں گروہوں کے ساتھ کچھ ایسے افراد بھی شامل تھے جنھوں نے ابھی تک اسلام کی

حقانیت کو تسلیم نہیں کیا تھا، یہ تمام مخالفین اسلام اس قدر مخالفت پر اتر آئے کہ معمولی باتوں کو بھی طعنہ زنی اور الزام تراشی کا بہانہ بنا لیتے تھے، مثلاً یہودی کہنے لگے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے، ان کی عورتیں بانجھ ہو جائیں گی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور بتایا کہ نظام قدرت یہودیوں کے ہاتھ میں نہیں، خدائے واحد کے دست قدرت میں ہے، ﴿زرقانی ۱: ۴۶۰﴾ اس طرح جب چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفات پائی تو یہودیوں اور منافقوں نے بہت خوشی منائی اور کہا کہ اگر یہ پیغمبر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اتنے صدمات سے کیوں دوچار کرتا، خدا تعالیٰ کی شان کہ ٹھیک اسی زمانے میں کفار مکہ کے دو بہت بڑے سردار بھی مردار ہو گئے، گویا قدرت نے بتا دیا کہ تم اپنے آپ کو برحق سمجھتے ہو تو تم کیوں مرتے ہو، مدینہ منورہ کی اس حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت اور منادی کیلئے اس جگہ بھی بہت سی دشواریوں کا سامنا تھا، ایک منصف اور غور کرنے والی طبیعت فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان سب مواقع پر غالب آنا اسلام کی صداقت کی عمدہ دلیل ہے، اشاعت اسلام میں جو کامیابی حضور نبی اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ میں بمقابلہ مکہ معظمہ ہوئی اس کا ذکر قرآن پاک نے پہلے سے بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا کہ آنے والی گھڑی آپ کیلئے پہلی گھڑی سے بہتر ہوگی، ان اندرونی خطرات کے متعلق یہ چند واقعات آپ کی معلومات میں مزید اضافہ کریں گے، مطالعہ کیجئے اور ان گروہوں کی بد فطرتی اور عاقبت نااندیشی کا اندازہ لگایئے:

......﴿1﴾......

حضرت امام ابن اسحاق نے روایت درج کی ہے کہ شاس بن قیس ﴿یہودی﴾ بہت بوڑھا، کفر کا سرغنہ اور مسلمانوں سے بہت کینہ اور حسد رکھنے والا تھا، اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے لوگ ایک جگہ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، اس نے اسلام کی بدولت ان کے تعلقات کی خوشگواری دیکھی تو جل گیا اور کہنے لگا کہ بنی قیلہ کے سردار تو ان شہروں میں اکٹھے ہو گئے ہیں، ان کے اس اجتماع سے ہمیں تو چین نہیں آئے گا، اس نے یہودیوں کے ایک کم سن نوجوان کو حکم دیا کہ تم بھی انکے ساتھ مل جل کر بیٹھا کرو اور ان کے سامنے جنگ بعاث اور اس سے پہلے کے واقعات کا تذکرہ کیا کرو اور انہیں وہ اشعار سنایا کرو جو انہوں

نے ایک دوسرے کے مقابلے میں کہے تھے، اس نوجوان نے ویسا ہی کیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اوس اور خزرج کے درمیان تکرار شروع ہوگئی، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک شخص حملے کیلئے نیم استادہ ہوگیا، ان میں سے ایک نے اپنے مدمقابل سے کہا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اس جنگ کی پھر ابتدا کردیتے ہیں، غرض دونوں گروہ غصے سے بھر گئے اور کہنے لگے، ہتھیار لاؤ، ہتھیار لاؤ اور سب کے سب میدان کی طرف نکل کھڑے ہوئے، اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے مہاجرین صحابہ کو ہمراہ لیا اور ان کے پاس تشریف لائے، آپ نے ایک رقت آمیز خطبہ ارشاد فرمایا:

اے گروہ اسلام! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، کیا تم جاہلیت کے دعووں پر لڑتے ہو حالانکہ میں تم میں جلوہ فرما ہوں، ذرا غور کرو اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی، تمہیں عزت دی اور اسلام کے ذریعے جاہلیت کے امور الگ کر دیئے اور کفر سے نجات دلائی اور تمہارے درمیان الفت پیدا کردی۔

آپ کے اس قلب وجگر کو زیروزبر کردینے والے خطبے سے ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ تو ایک شیطانی جھگڑا تھا اور ان کے دشمن کی ایک گھناؤنی چال تھی، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ گلے ملنے لگے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری میں واپس چلے آئے، ﴿سیرت ابن ہشام ۲:۵۹﴾ شاس بن قیس یہودی کی اس خطرناک سازش کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

⊙ ......قل یا اهل الکتاب لم تکفرون بآیات الله............ عما تعملون ○

اے محبوب! فرمایئے اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو، حالانکہ اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے، فرمایئے اے اہل کتاب تم ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے کیوں پھیرتے ہو اور ان کو ٹیڑھا چلانا چاہتے ہو اور تم گواہ ہو کہ اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

پھر اوس اور خزرج کے جو افراد نادانستہ طور پر یہودیوں کی سازش کا شکار ہونے لگے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان آیات مبارکہ میں مزید ہدایات سے سرفراز فرمایا، ارشاد باری ہے:

⊙......یاایھاالذین امنوا ....اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی مانو گے تو وہ لوگ تمہیں ایمان کے بعد کفر کی حالت میں لوٹا دیں گے اور تم کس طرح کفر اختیار کرتے ہو حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور تم میں اس کا رسول موجود ہے اور جس نے اللہ کا دامن رحمت پکڑ لیا تو بے شک اسکی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی ہوگئی، اے ایمان والو اللہ سے ایسے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہوتا ہے اور نہ مرو مگر مسلمان رہ کر، ﴿سورۃ آل عمران﴾

ان تمام آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کے جذبات کی ترجمانی فرمائی ہے اور اہل اسلام کو اپنی نعمت کی یاددہانی کروائی ہے کہ تم لوگ کیوں ایسے عظمت والے محبوب کے ہوتے ہوئے گمراہ لوگوں کی باتوں پر کان دھرتے ہو، کیا تمہیں ان کی راہنمائی اور صراط مستقیم کی بھلائی کافی نہیں، انہیں آیات مبارکہ کے آگے ارشاد فرمایا: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ بازی نہ کرو، گویا قرآن پاک کا یہ سرمدی پیغام ہر مسلمان کو اسلام دشمن طاقتوں سے خبردار رہنے کی تلقین فرما رہا ہے اور ایک دوسرے سے محبت رکھنے اور حمایت کرنے کا احساس دلا رہا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

......﴿2﴾......

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے عبادت خانے میں گئے تو دیکھا کہ یہودی اپنے عالم فخاص اور اشیع کے پاس جمع تھے، آپ نے فخاص سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام اختیار کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسم! تم اس بات کو جانتے ہو کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے حق لے کر تشریف لائے ہیں جس کا ذکر تم لوگوں نے تورات اور انجیل میں پڑھا ہے، فخاص نے کہا، اے ابوبکر! ہمیں اللہ کی کوئی احتیاج نہیں بلکہ وہی ہمارا محتاج ہے، ہم اس کے آگے عاجزی اور زاری نہیں کرتے جس طرح وہ ہمارے آگے عاجزی اور زاری کرتا ہے، ہم اس سے بے نیاز ہیں اور

وہ ہم سے بے نیاز نہیں ہے، اگر وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسا کہ تمہارے دوست کا دعویٰ ہے، وہ ہمیں سود سے منع کرتا ہے اور خود وہی سود ہمیں دیتا ہے اور اگر وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا، اس کے یہ گستاخانہ کلمات سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا اور آپ نے اس کے منہ پر زور سے ایک تھپڑ دے مارا اور فرمایا: اس ذات مقدس کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اگر ہمارے اور اور تمہارے درمیان عہد و پیمان نہ ہوتا تو میں تمہارا سر اڑا دیتا، فخاص حضور پیغمبر نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، اے محمد مصطفیٰ! دیکھو آپ کے دوست نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے، آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ماحملک علی ماصنعت، جو کام تم نے کیا اس کا کیا سبب تھا، انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس دشمن خدا نے بہت نازیبا بات کہی، اس نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا محتاج ہے اور یہ لوگ اس سے غنی ہیں، اس پر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا، فخاص نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں کہا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیات مقدسہ نازل فرمائیں، ارشاد باری ہے:

⊙......لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقير ونحن اغنياء ......

اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ تو محتاج ہے اور ہم بے نیاز ہیں ﴿یعنی زیادہ مالدار ہیں﴾ ہم ابھی لکھتے ہیں ان کے اس قول کو اور ان کے ناحق قتل انبیا ﴿کے جرم کو﴾ اور ان سے کہیں گے چکھو جلا دینے والے عذاب کا مزا، ﴿آل عمران:۱۸۱﴾

⊙......جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، ان سے اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا ہے، ان سے ضرور تمہیں بہت سی تکلیف دہ باتیں سننا ہوں گی اور اگر تم صبر کرو اور احتیاط سے کام لو تو یہ قطعی عزم والے کاموں میں سے ہے۔

⊙......اور یاد کرو وہ وقت جب ان لوگوں سے عہد لیا گیا جن کو کتاب دی گئی کہ تمہیں لوگوں سے اسکو کھلم کھلا ضرور بیان کرنا ہوگا اور اسے تم چھپاؤ گے نہیں،

تو انہوں نے اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے ذرا سی قیمت لے لی تو کس قدر برا تبادلہ ہے جو وہ لوگ کر رہے ہیں، جو لوگ خوش ہو رہے ہیں اپنے اس کیے پر اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا اس کی تعریف کی جائے، ان کے متعلق خیال نہ کرو ﴿کہ وہ سدھر جائیں گے﴾ پس ان کے متعلق یہ بھی خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کیلئے درد ناک عذاب ﴿تیار﴾ ہے۔

ان آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودی سوچ سے پردہ اٹھا دیا ہے اور ان کے گھناؤنے کردار کی مذمت فرمائی ہے، یعنی فخاص اور اشیع جیسے یہودی عالموں نے گمراہی کو لوگوں کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے اور اس کے عوض کچھ دنیوی فوائد اور مفادات حاصل کر رہے ہیں اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ اس افسوسناک عمل پر بھی ان کی خوب تعریف کی جائے، لوگ ان کو عالم فاضل سمجھا کریں اور کہا کریں کہ انہوں نے تورات کے احکام کو تبدیل کر کے واقعی اچھا کام سر انجام دیا ہے، پھر قرآن پاک نے بتایا کہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی میں ہی بے ہودہ گوئی سے کام نہیں لیا، وہ تو اس کے معصوم انبیا کرام کو بھی شہید کیا کرتے تھے، چونکہ یہودی اپنے آبا و اجداد کے اس فعل قتل کی مذمت نہیں کرتے اس لئے ان کو بھی اسمیں برابر کا شریک ٹھہرایا گیا اور قتل کے جرم کی نسبت ان کی طرف کی گئی، معلوم ہوا کہ کسی جرم کے متعلق خاموش رہنا اور اس کی مذمت نہ کرنا اس میں شریک ہونے کے مترادف ہے، پھر حضور پیغمبر نور ﷺ کے غلامان بے ریا کو بھی حکم فرمایا گیا کہ وہ ان کی بیہودہ گوئیوں اور طعنہ بازیوں پر کان نہ دھریں اور احتیاط سے کام لیں اور دین کے راستے پر عزم و استقامت کے ساتھ گامزن رہیں، یہ تمام باطل پرست صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے اور تمہارا نام و نشان رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا۔

......﴿3﴾......

صحابہ کرام بہت فیاضی، دریا دلی اور سخاوت پسندی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے، یہودیوں کی کنجوس فطرت اس سخاوت سے بہت نالاں اور پریشان ہوئی تھی، چنانچہ ان کے سرکردہ افراد کردم بن قیس، اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع، بحری بن عمرو، حی بن اخطب

اور رفاعہ بن زید بن تابوت وغیرہ انصار مدینہ کے پاس آیا کرتے اور کہا کرتے تھے، تم اپنا مال خرچ نہ کیا کرو کیونکہ مال چلا جائے تو آدمی محتاج ہو جاتا ہے، تمہیں کیا خبر کہ آئندہ کیا حالت ہونے والی ہے، گویا ان کا یہ کردار انصار مدینہ کو اسلام اور ایثار سے برگشتہ کرنے کیلئے تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مقدسہ نازل فرمائی، ارشاد باری ہے:

⊙......الذین یبخلون ویأمرون الناس بالبخل ویکتمون مااتاھم اللہ من فضلہ، جو لوگ ﴿خود﴾ کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی کا حکم دیتے ہیں اور چھپاتے ہیں اسے جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے۔

......﴿4﴾......

سیرت ابن اسحاق میں مرقوم ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ بن سعید اور حضرت اسد بن عبید رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، مسلمان ہوئے، ایمان لائے، تصدیق کی اور اسلام سے محبت کرنے لگے تو یہودیوں کے منکر علما نے کہا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے لوگ بدترین ہیں، اگر وہ ہم سے بہتر ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین نہ چھوڑتے اور دوسرے دین کی طرف نہ جاتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙...... لیسوا سواء من اھل الکتاب ...... وھم لسجدون ٥ سب لوگوں کی حالت ایک سی نہیں، اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو سیدھے راستے پر ﴿چلا﴾ ہے، یہ لوگ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔

......﴿5﴾......

قبیلہ بنو سلمہ کے دو نوجوان حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بشر میں برا رضی اللہ عنہما یہود کے پاس گئے اور انہوں نے فرمایا: اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ، تم وہی لوگ ہو جو ہم اوس وخزرج پر فتح حاصل کرنے کیلئے نبی آخر الزمان محمد مصطفےٰ ﷺ کے نام پاک کا وسیلہ دے کر دعا کیا کرتے تھے، ہم اس وقت

مشرک تھے اور تم ہمیں بتایا کرتے تھے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کی بعثت ہونے والی ہے اور تم ہمیں ان کی علامات سے بھی آگاہ کیا کرتے تھے، گروہ یہود اس حقیقت کا انکار تو نہ کر سکا لیکن اسلام قبول کرنے کیلئے بھی تیار نہ ہوا، حضرت امام ابن جریر نے ایک نومسلم جو پہلے یہودی تھا، کا بیان نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم! ہم اپنے بیٹوں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے تھے، آپ کی صفات ہماری کتابوں میں مرقوم تھیں لیکن اپنے بیٹوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ کیا خبر ہماری بیویوں نے ہماری عدم موجودگی میں کیا کام سرانجام دیا ہے، ﴿سبل الهدیٰ: ۵۴۹/۳﴾

﴿6﴾

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت منقول ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ابو یاسر یہودی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس نے کچھ دیر آپ کی گفتگو سنی اور واپس جا کر اپنی قوم سے کہنے لگا، اے قوم! میری بات تسلیم کرلو، خدا تعالیٰ کی قسم! تمہارے پاس وہی نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لائے ہیں جن کا تم انتظار کر رہے تھے، تم ان کی اطاعت کرلو اور مخالفت سے باز آجاؤ، ابو یاسر کا بھائی حی بن اخطب یہودی قبائل کا سردار تھا، اس نے بھی اپنے بھائی کی باتیں سن کر حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی اور واپس آکر اپنی قوم سے کہنے لگا، میں تو اس شخص کا ہمیشہ دشمن رہوں گا، ابو یاسر نے اسے بہت سمجھایا اور یہاں تک کہا کہ تم میری صرف یہی بات مان لو، اس کے بعد ساری زندگی کوئی بات نہ ماننا، اس نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لے آؤ، اس ازلی بد نصیب نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ کی قسم میں کبھی تمہاری اطاعت نہیں کروں گا، چنانچہ وہ اسلام کی دشمنی میں خود بھی غرق ہو گیا اور اپنی قوم کو بھی غرق کر دیا، ﴿سبل الهدیٰ: ۴۴۹/۳﴾

﴿7﴾

یہودی قبائل کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے نکاح میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا، آپ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتی ہیں، میں اپنے ابا ابن اخطب اور چچا ابو یاسر کی آنکھوں کا تارا تھی، جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر قبا میں تشریف لائے تو ان دونوں نے آپ سے ملاقات کی،

غروب آفتاب کے بعد واپس آئے تو بہت زیادہ افسردہ دکھائی دے رہے تھے، میں حسب معمول ان کے استقبال کیلئے آگے بڑھی لیکن ان دونوں نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی، اس وقت میں نے سنا، میرا چچا ابو یاسر کہہ رہا تھا، کیا یہ وہی ہیں، میرے باپ حی بن اخطب نے کہا، ہاں یہ وہی ہیں، اس نے پوچھا، کیا تم نے ان کو صفات اور علامات کے ذریعے پہچان لیا ہے، میرے باپ نے کہا، ہاں خدا کی قسم میں نے پہچان لیا ہے، اس نے کہا، پھر تمہارا کیا خیال ہے، میرے باپ نے کہا، خدا کی قسم! میں جب تک زندہ رہوں گا، ان سے دشمنی کرتا رہوں گا، ﴿سبل الهدیٰ ۳:۴۴۹﴾

﴿8﴾

سیرت ابن ہشام میں ہے، عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے پاس جو چیز نازل ہوئی ہے، اس پر صبح کو ایمان لائیں اور شام کو اس کا انکار کر دیں تاکہ ان کیلئے دین میں شبہات پیدا ہو جائیں اور وہ بھی ایسا ہی رویہ اختیار کر کے اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جائیں، ان کی اس سازش کی تردید میں یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں، ارشاد باری ہے:

⊙ ...... اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور تم جان بوجھ کر حق کو کیوں چھپاتے ہو،

⊙ ...... وقالت طائفة من اهل الكتاب...... اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان پر جو چیز اتاری گئی ہے اس کو دن کے ابتدائی حصے میں مان لو اور آخری حصے میں انکار کر دو، شاید کہ وہ پلٹ جائیں اور حقیقت میں اس شخص کے سوا جو تمہارے دین کی پیروی کرے کسی اور کو نہ مانو، اے محبوب! آپ فرمایئے بے شک ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔

﴿9﴾

یہود و نصاریٰ اور منافقین مدینہ حضور پیغمبر نور ﷺ اور آپ کے اطاعت گزاروں کو ذہنی تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، کفار مکہ کے بڑے بڑے

سرداروں کی جگہ ان کے بڑے بڑے سرداروں نے سنبھال لی تھی بلکہ لحہ بہ لحہ مدینہ مبارکہ کا ماحول زیادہ خطرناک ہوتا جارہا تھا، مکہ مکرمہ میں تو صرف کفار مکہ برسرپیکار تھے، لیکن یہاں پہنچ کر ان تینوں گروہوں کا مقابلہ درپیش تھا، یہود میں سے بالخصوص ابو یاسر بن اخطب، حی بن اخطب، جدی، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع، کعب بن اشرف، عبداللہ بن صوریا، ابن صلوبہ وغیرھم وہ بدبخت انسان تھے جنھوں نے ابوجہل اور ابولہب کا گھناؤنا کردار اپنا رکھا تھا، جبکہ منافقین میں سے عبداللہ بن ابی، زید بن عمرو، حارث بن عمرو، زوی بن حارث، زید بن لصیت، رافع بن حریملہ، نعمان بن اوفی، جلاس بن سوید، نبتل بن حارث وغیرھم وہ شقی القلب انسان تھے جن کی زہریلی سازش سے شیطان کا فریب بھی حیرت زدہ تھا، یہ تمام لوگ پرلے درجے کے گستاخ، بے ادب اور زبان دراز تھے، نبتل بن حارث کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے، اس کے متعلق ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بھی آکر عرض کیا تھا، یارسول اللہ! اس فربہ جسم، پراگندہ مو، زرد چہرہ، سرخ چشم انسان سے محتاط رہیے، اس کا جگر گدھے کے جگر سے بھی زیادہ سخت ہے اور یہ آپ کی گفتگو سن کر منافقوں کو اطلاع کرتا ہے، ﴿الاکتفا:۱/۴۷۸﴾ زید بن لصیت ہی وہ زبان دراز منافق تھا جس نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے عطائی علم غیب پر حملہ کیا تھا، ایک مرتبہ آپ کی ناقہ گم ہوگئی تو اس نے طنزیہ انداز سے کہا، یوں تو ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس آسمانی خبر آتی ہے، ادھر یہ حال ہے کہ اپنی ناقہ کی بھی خبر نہیں، حضور مخبر صادق ﷺ نے اس طعن اور طنز کا یہ جواب دیا، اللہ کی قسم میں اس ہر چیز کو جانتا ہوں جسکا علم مجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے، اللہ نے مجھے ناقہ کے متعلق بتا دیا ہے کہ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی ٹہنی کے ساتھ الجھ گئی ہے، اس لیے وہاں رکی ہوئی ہے، چنانچہ چند مسلمانوں نے اس گھاٹی میں جاکر ناقہ کو برآمد کرلیا، البتہ جلاس بن سوید کے بارے میں ہے کہ ایک دفعہ اس سے نفاق ظاہر ہوا تھا، اس کے بعد مرنے تک اس سے سوائے بہتری، درستی اور اسلام کے کوئی اور چیز نہیں ظاہر ہوئی، ابن اسحاق نے کہا ہے کہ وہ نفاق اس کے اس قول پر مبنی تھا جو اس نے بیان کیا کہ اگر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بات برحق ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: اللہ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں

کہی، حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے، ﴿سورۃ التوبہ﴾ پھر لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے توبہ کرلی تھی اور اس کی توبہ بھی بہت اچھی ثابت ہوئی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۱۸﴾ یہود و نصاریٰ اور منافقین مدینہ کے واقعات اپنے اپنے مقامات پر آتے رہیں گے، ان کے خطرناک منصوبے واشگاف ہوتے رہیں گے، اصل میں بتانا یہ مقصود ہے کہ ان گروہوں سے ریاست مدینہ کو جو اندرونی خطرات لاحق تھے، ان کا مقابلہ کرنے کے۔لیے حضور اکرم ﷺ نے مکمل تیاری کر رکھی تھی، قرآن کریم بھی نازل ہو کر ان گروہوں کی سیاہ کرتوتوں سے پردے چاک کر رہا تھا اور ان کے ہر اعتراض کا جواب بیان کر رہا تھا، سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ المائدہ، سورۃ النسا، سورۃ المنافقون اور پھر سورۃ التوبہ میں انہی گروہوں کے عقائد، اعمال اور افسوسناک کردار کو آشکار کیا گیا ہے، مثلاً ایک مرتبہ یہودیوں کے سرکردہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم آپ کا کلمہ پڑھ لیں گے اور ہمارے ساتھ تمام یہودی بھی آپ کے اطاعت گزار بن جائیں گے، ہماری صرف یہ شرط ہے کہ ہمارے جو مختلف افراد کے ساتھ تنازعات ہیں آپ ان کو حل کرنے کیلئے ہمارے حکم بن جائیں لیکن وعدہ کریں کہ ان کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا، یہ چال از حد خوفناک تھی لیکن ان کو شاید معلوم نہ تھا کہ یہ عزیمت و استقامت کا وہ روشن مینار ہے جس کے پائے استقلال میں لغزش پیدا کرنے کیلئے کفار مکہ نے بھی ہر حربہ استعمال کیا تھا اور وہ ہمیشہ کیلئے ناکام ہو گئے تھے، دنیا کا یہ فانی طمطراق بھلا اس اولوالعزم رسول کو کیسے متاثر کر سکتا تھا، آپ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا، جس کا دل چاہتا ہے اسلام قبول کرے اور جس کا نہیں چاہتا نہ قبول کرے، ہم سے کسی قسم کی بے انصافی کی توقع نہیں رکھنی چاہئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق ﷺ کے اس فرمان کی توثیق کرتے ہوئے قرآن پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

⊙...... اور آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کی ہرگز پیروی نہ کریں، آپ ان سے محتاط رہیں کہ کہیں آپ کو برگشتہ نہ کردیں اس کے بعض حصے سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو بے شک اللہ تعالیٰ نے ارادہ کرلیا ہے کہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دیں اور بے شک ان

میں اکثر لوگ بہت ہی نافرمان ہیں، ﴿سورۃ المائدہ:۴۹﴾

اس طرح یہودیوں کا ایک اور گروہ آپ کے پاس آکر کہنے لگا، آپ کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر سنائی: فرمادیجئے! ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف، جو کچھ دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو کچھ دیا گیا نبیوں کو ان کے پروردگار کی جانب سے، ہم ان میں سے کسی پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور ہم ہی اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں، اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مبارک سن کر یہودی بہت چراغ پا ہوئے اور بولے، ہم عیسیٰ بن مریم کو بھی نہیں مانتے اور نہ اس کو مانتے ہیں جو اس پر ایمان لاتا ہے، اس سے ان کا مقصد نہایت واضح ہو گیا تھا کہ آپ انبیاء کرام کی فہرست سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مبارک نکال دیں ورنہ ہم آپ کو بھی تسلیم نہیں کریں گے، گویا یہ احمقوں کا گروہ اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کو بھی اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتا تھا، قرآن پاک نے ان کے اس زعم فاسد کا رد یوں بیان کیا ہے:

⊙...... آپ فرمائیے، اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم اللہ کے ساتھ ایمان لائے اور جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ہم سے پہلے نازل کیا گیا ﴿اس پر ایمان لائے﴾ اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ بہت فاسق ہیں، ﴿سورۃ المائدہ:۶۵﴾

یہ بہت عجیب لوگ تھے، ایک دفعہ کہنے لگے، آپ کا دعویٰ ہے کہ جس کلام کی آپ تلاوت کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، ہمیں اس میں کوئی حسن ترتیب دکھائی نہیں دیتا جو تورات میں دکھائی دیتا ہے، آپ نے ان کی اس بیہودہ گفتگو کے جواب میں فرمایا: اے یہودیو! اللہ کی قسم! تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ کتاب حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور اسکی تصدیق تمہاری کتاب تورات میں مرقوم ہے، اگر سارے انسان اور جن بھی اکٹھے ہو کر اس جیسا کلام پیش کرنا چاہیں تو ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے، ﴿سیرت ابن ہشام،۲/۲۰۱﴾ ایک دفعہ اعتراض کرنے لگے، آپ کو یہ کلام کوئی جن سکھاتا ہے یا کوئی انسان سکھاتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ

اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور میں اس کا رسول ہوں، تمہاری تورات میں یہ سارا کچھ مرقوم ہے،
﴿ایضاً﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ان ایام میں یہودیوں کو ایک مسئلہ درپیش آیا، ان کے ایک شادی شدہ مرد نے ان کی ایک شادی شدہ عورت سے فعل حرام کا ارتکاب کرلیا، یہود نے آپ سے فیصلہ کروانا چاہا تو آپ ان دونوں کو لے کر یہود کے علما کی مجلس میں آگئے، آپ نے ان کے ایک بہت بڑے عالم عبداللہ بن صوریا کو الگ کر کے پوچھا، میں تمہیں خدائے واحد کا واسطہ دیتا ہوں اور تمہیں اس کے انعامات یاد کرواتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تورات میں شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کے ارتکاب کی سزا رجم ہے، اس نے کہا، اے ابو القاسم! اللہ کی قسم یہی سزا ہے، اس کے ساتھ اس نے اقرار کرلیا کہ اے ابوالقاسم! یہ تمام علما جانتے ہیں کہ آپ ہی نبی آخرالزمان ہیں لیکن آپ سے حسد کرتے ہیں، اس لئے تسلیم نہیں کرتے، پھر آپ مجلس میں تشریف لے آئے اور ان مجرموں کو رجم کی سزا سنائی، انہیں مسجد کے دروازے کے سامنے رجم کیا گیا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۱۹۳/۲﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو تورات کی تلاوت کرنے کا حکم دیا تاکہ مذکورہ فیصلہ تورات کی روشنی میں حل کرلیا جائے اور کسی کو مجال انکار نہ رہے، ان کا ایک عالم تلاوت کرتے کرتے جب آیت رجم پر پہنچا تو اس پر ہاتھ رکھ لیا تاکہ کسی کو نظر نہ آئے، قریب ہی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، انہوں نے اس کا ہاتھ پیچھے جھٹک کر کہا، اے اللہ کے نبی! یہ ہے آیت رجم جس کی یہ شخص آپ کے سامنے تلاوت نہیں کرنا چاہتا، آپ نے یہودیوں سے اس انکار اور انحراف کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا، ایک دفعہ ہمارے ایک شاہی فرد نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تو بادشاہ نے اس سے یہ حد ساقط کردی، کچھ عرصے کے بعد ایک عام آدمی مرتکب ہوا تو بادشاہ نے رجم کا حکم صادر کردیا، اس بے انصافی پر عوام برہم ہوگئے، چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ رجم کو ساقط کردیا جائے اور اس کی جگہ تجبیہ کی سزا قائم کی جائے ﴿یعنی مرتکب گناہ کو گدھے پر سوار کر کے بازار میں پھرایا جائے﴾ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: میں پہلا شخص ہوں جو اللہ تعالیٰ کے اس متروک حکم کو نافذ کر رہا ہوں، چنانچہ آپ نے ان مجرموں کو مسجد کے دروازے کے قریب رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا،

﴿ایضاً﴾ ایک دفعہ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا کہ ہمارے لئے آسمان سے کوئی تحریر لاؤ جس کو ہم پڑھیں یا نہریں پھاڑ کر دکھاؤ تا کہ ہم تمہاری تصدیق کریں، اس پر قرآن پاک نے فرمایا: کیا تم لوگ اپنے رسول سے ایسے سوال کرنا چاہتے ہو جیسے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے تھے، ﴿سورۃ البقرۃ:۱۰۸﴾ اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی فطرت میں حسد بازی، نافرمانی، ہٹ دھرمی اور عناد پرستی کے جراثیم موجود تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ٹھکرانے کے عادی ہو چکے تھے، صدیوں کا ادبار اور انحطاط بھی ان کی اس فطرت وعادت کو تبدیل نہیں کر سکا تھا، واقعی وہ ''اشد من القسوہ'' کے صحیح مصداق تھے، ان سنگدل لوگوں نے حضور محبوب خدا ﷺ پر جادو چلانے، زہریلا کھانا کھلانے اور دیوار کے اوپر سے پتھر لڑھکا کر شہید کرنے کے ہولناک منصوبے بھی تیار کئے لیکن اللہ تعالیٰ کا نور زمانے کی تاریکیوں کو کافور کرتا چلا گیا اور یہ کافر برا مناتے ہی رہ گئے۔

ریاست مدینہ کے بیرونی خطرات:

ایک جزیرہ نما عرب ہی نہیں، اردگرد کے مختلف ملکوں میں بھی قریش مکہ کا کافی اثر ورسوخ تھا، قیصر اور نجاشی کے درباروں میں تو ان کی سفارتیں جاتی رہتی تھیں، ان کے تجارتی قافلوں سے تمام چھوٹی بڑی شاہراہیں آباد تھیں، پھر ریگستان عرب کے بادیہ نشینوں اور قبائلی سرداروں پر بھی ان کا مکمل رعب ودبدبہ قائم تھا کیونکہ وہ کعبہ مشرفہ کے وارث بنے ہوئے تھے اور ہر کسی کو ان کے ساتھ واسطہ تھا، حج کے دوران وہ مختلف قوانین لوگوں پر مسلط کرتے رہتے اور ان کو طوہا کرہا سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا، اب اسلام کیا نمودار ہوا ان کے صدیوں پرانے پندار شاہی کو ہولناک زلزلوں نے آلیا، ان کی جاہلیت کی شب تاریک میں آفتاب نبوت کیا طلوع ہوا، روشنیوں کے ہجوم سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں، انہوں نے ہر قسم کی کوشش کی کہ روشنی پر جاہلیت کے دبیز پردے گرا دیئے جائیں، آفتاب نبوت کو اندھیروں میں بند کر دیا جائے، فرزندان توحید کو وحشت ناک سزاؤں کا نشانہ بنایا جائے لیکن ہر حربے اور ہر اقدام کے باوجود شکست فاش سے دوچار ہوئے کیونکہ یہ وہ نشہ نہیں تھا جسے ترشی اتار دیتی، اور تو اور بلال، خباب اور عمار جیسے کمزور انسان بھی استقامت کا ایسا کوہ گراں ثابت ہوئے کہ ان کے تشدد کی آندھیاں خود ہی ٹکرا ٹکرا کر بکھر گئیں، پھر یہ تمام

اسلامیان نبوت ان کی تمام سفلی آرزوؤں کو پامال کرتے ہوئے چلے گئے، یہ کوئی غیر نہیں تھے، اپنے بھائی تھے، باپ تھے، چچا تھے، اپنے قریبی اور خونی رشتہ دار تھے، دوست اور غمگسار تھے، ان کو کیا ہو گیا تھا، انہوں نے ہر رشتے، ہر ناطے اور ہر جذبے کو اپنے محبوب بیمثال کے ایک ارشاد پر قربان کر دیا تھا، پھر یہ بھی کیا قیامت تھی کہ اوس وخزرج کے قبیلے قریش مکہ سے برگشتہ لوگوں کو پناہ ہی نہیں بلکہ اپنے تمام سامانِ حیات کا مالک بنا چکے تھے اور خود ان کی عزت و ناموس کے پاسدار بن کر کھڑے تھے، کیا اس طرح سے ان کی ساکھ تباہ نہیں ہو گئی تھی، ان کا رعب اور دبدبہ قعر مذلت میں نہیں گر گیا تھا، ان کی انا کے بت چکنا چور نہیں ہو گئے، اس جاہلی سوچ نے ان کی راتوں کا آرام اور دنوں کا چین غارت کر کے رکھ دیا اور وہ ریاست مدینہ کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹانے کیلئے کوشاں ہو گئے، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل جیسے سرداروں کے مرتے وقت کے حسرت آلود آنسوؤں نے جلتی پر تیل کا کام دیا، ان کے جذبات کچھ اور بھڑک اٹھے، انہوں نے ریاست مدینہ کے لیے مستقل خطرہ بننے کا فیصلہ کر لیا اور اس نوخیز پھول کو مسل کر صحراؤں میں اڑا دینے کا منصوبہ بنالیا، امام زہری نے عبدالرحمٰن بن کعب سے روایت کی اور انہوں نے ایک صحابی رسول سے سنا کہ قریش مکہ نے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی اور اوس وخزرج کے کچھ بت پرستوں کو ایک غضب ناک خط لکھا، تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دے رکھی ہے، اللہ کی قسم! تم خود اس سے جنگ کرو اور اس کو وہاں سے نکال دو ورنہ ہم ایک لشکر جرار لے کر تم پر چڑھائی کر دیں گے، تمہارے جوانوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے، یہ پیغام سن کر عبداللہ بن ابی اور اس کے گماشتوں نے پروگرام بنا لیا کہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی جائے، یہ اطلاع پا کر حضور اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، اگر تم قریش مکہ سے مرعوب ہو کر ہم سے جنگ کرو گے تو تمہیں بہت زیادہ نقصان ہوگا، اس سے بہتر ہے کہ تم قریش مکہ سے جنگ کرو کیونکہ وہ تمہارے قرابت دار نہیں، کیا تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کرو گے، سوچ لو تمہارے لئے کونسا راستہ آسان ہے، انہوں نے آپ کی بات سنی تو آپس میں متفرق ہو گئے، ﴿سنن ابی داؤد ۲: ۶۷﴾ گویا حضور اکرم ﷺ کی حکمت افروز گفتگو سے قریش مکہ کی سازش اور منافقین مدینہ کی کاوش دم

توڑ گئی، قریش مکہ کو سکون کہاں تھا، وہ دھمکیوں کی صورت میں اپنے اندر کا وبال نکالتے رہتے تھے، ایک دفعہ انصار مدینہ کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے اور انہوں نے اپنے درینہ دوست امیہ بن خلف کے ہاں قیام کیا کیونکہ امیہ بھی سفر تجارت کے دوران جب مدینہ منورہ پہنچتا تو ان کے ہاں قیام کیا کرتا تھا، انہوں نے امیہ سے فرمایا، میں ذرا اس وقت طواف کرنا چاہتا ہوں جب حرم کعبہ میں زیادہ ہجوم نہ ہو، امیہ دوپہر کے وقت انہیں حرم کعبہ میں لے گیا، ابوجہل وہاں موجود تھا، اس نے پوچھا، امیہ یہ کون ہے، اس نے جواب دیا، یہ انصار مدینہ کے سردار سعد بن معاذ ہیں، ابوجہل نے کہا، میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم امن وسکون کے ساتھ طواف کر رہے ہو حالانکہ تم نے ہمارے باغیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے، تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ان کی امداد کر سکو گے، خدا کی قسم! اگر یہ امیہ بن خلف نہ ہوتا تو تم زندہ واپس نہ جا سکتے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بہت بہادر انسان تھے، انہوں نے بھی اسی طمطراق سے جواب دیا، اللہ کی قسم! اگر تم مجھے طواف سے روکو گے تو میں تمہیں مدینہ منورہ کے راستے سے روک دوں گا، قریش مکہ کے قافلے مدینہ منورہ کے راستے پر سفر کرتے تھے، ان قافلوں پر پابندی لگانے سے ان کی معیشت برباد ہو جاتی، اس تصور ہی نے ابوجہل جیسے زبان دراز کا منہ بند کر دیا، امیہ بن خلف نے کہا، اے سعد اپنی آواز بلند نہ کرو، ابوالحکم وادی مکہ کا سردار ہے، انہوں نے امیہ بن خلف کو بھی جھاڑ دیا: تم بھی رہنے دو، اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ تمہیں قتل کر دیں گے، یہ جملہ امیہ بن خلف پر بجلی بن کر گرا، اس نے اپنی بیوی سے کہا، اے ام صفوان! سعد بن معاذ نے خبر دی ہے کہ محمد مصطفیٰ مجھے قتل کر دیں گے، خدا کی قسم! آج کے بعد میں کبھی مکہ مکرمہ سے باہر نہیں جاؤں گا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳۸۵/۲﴾

قریش مکہ کی کینہ توزیوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا، انہوں نے یہود مدینہ سے بھی رابطے بڑھائے بلکہ خود مسلمانوں کو براہ راست یہ خط لکھا، تم اتنے خوش نہ ہو جاؤ کہ ہمارے نرغے سے نکل چکے ہو، ہم تمہارے شہر پر حملہ آور ہو کر سب کو قتل کر دیں گے، کفار مکہ نے صرف انہی دھمکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ وہ مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے اور مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنانے لگے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ ان کے تحفظ کیلئے

راتوں کو جاگ کر بسر کرتے تھے اور صحابہ کرام آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے، گویا ان بیرونی دشمنان اسلام کا خطرہ بھی سر پر منڈلا رہا تھا، دیگر قبائل بھی قریش مکہ کے دست نگر تھے، وہ کسی وقت بھی ان کے ساتھ مل کرنا قابل تلافی نقصان پہنچا سکتے تھے، اس اندرونی اور بیرونی صورت حال سے عہدہ براہونے کیلئے حضور پیغمبر نور ﷺ نے اپنی جامع حکمت عملی کا مظاہرہ کیا اور ایسے بروقت اور دوررس فیصلے کیئے کہ عقل ودانائی کی دنیا آج بھی عش عش کرتی نظر آتی ہے، آپ نے اندرون ریاست کی کشمکش کو ختم کرنے کیلئے پہلے تو باشندگان مدینہ کو ایک میثاق اور دستور العمل کے تحت زندگی گزارنے کا پیغام دیا جسے ایک مخلصانہ کوشش کا نام دیا گیا، اس پیغام سے ساری دنیا پر صحیح واضح ہو گیا کہ اسلام امن اور آشتی کا مذہب ہے اور دوسروں کو بھی جینے کے حقوق عطا کرتا ہے، پھر بیرون ریاست کے مختلف قبائل جہینہ، بنوصبرہ اور بنو مدلج وغیرہ سے دوستی کا معاہدہ کر کے ان کے وسائل واسباب کو اپنے خلاف استعمال ہونے سے روک دیا، یہ قبائل تجارتی شاہراہ پر موجود تھے، اس لئے بہت زیادہ اہمیت کے حامل تھے، ان کو ایک معاہدے میں پابند کرنا حضور پیغمبر نور ﷺ کی بڑی کامیابی تھی، بیرونی خطرات سے نپٹنے کیلئے آپ نے تجارتی شاہراہ پر بھی مکمل قابو پالیا جس پر مکہ مکرمہ، طائف اور دوسرے قبائل کے تجارتی قافلے گامزن رہتے تھے، صرف مکہ مکرمہ کا تجارتی سامان اڑھائی لاکھ پونڈ کے لگ بھگ ہوتا تھا، یہ تجارتی شاہراہ اہل مکہ اور قبائل عرب کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند تھی جس پر ان کی معاشرت اور معیشت کا وجود برقرار تھا، آپ نے دشمنان اسلام کو مرعوب کرنے کیلئے صحابہ کرام کے چھوٹے چھوٹے لشکر بھی بھیجنا شروع کر دیئے جن کی تعداد دس بارہ یا تیس چالیس افراد پر مشتمل ہوتی تھی، ان فوجی مہمات سے اسلام کی سیاسی اور عسکری حالت مضبوط ہوتی تھی کیونکہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر واضح ہوتا تھا کہ جن کو ہم خدا مست اور فاقہ کش تصور کرتے ہیں وہ وقت آنے پر تلوار کے دھنی اور شجاعت کے مجسمے دکھائی دیں گے، ان فوجی مہمات نے ایک تو مجاہدین اسلام کو ذہنی اور جسمانی اعتبار سے تیاری کا موقع فراہم کیا تو دوسری طرف باطل قوتوں سے ٹکرا جانے کا تجربہ پیدا کیا، ان حالات میں حضور اکرم ﷺ کو حفاظت خود اختیاری کیلئے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی ضروری تھی تا کہ انصار ومہاجرین اور خود اپنی زندگی کی بقا اور سلامتی کا سامان ہو جائے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان فوجی مہمات سے مسلمان کفار مکہ سے جنگ چھیڑنا چاہتے تھے اور ان سے دیرینہ مظالم کا انتقام لینا چاہتے تھے نیز تجارتی شاہراہ پر قبضہ کر کے اپنے مکانوں اور جائیدادوں کو سرداران مکہ کے تسلط سے آزاد کروانا چاہتے تھے جبکہ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان دستوں کی ترتیب وتشکیل سے یہ مقصد تھا کہ قریش متوجہ ہوں اور مسلمانوں سے مصالحت ومفاہمت کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کریں تاکہ دشمنی اور تلخی کا سرے سے وجود ہی ختم ہو جائے، ایک طرف تو مسلمان اپنے دینی معاملات میں آزاد ہو جائیں اور دوسری طرف قریش کی راہ تجارت بھی محفوظ ہو جائے، اس دور میں مکہ اور طائف کے مابین تجارت زوروں پر تھی، جنوبی علاقے سے مکہ مکرمہ میں بہت سا سامان تجارت آتا تھا، بعض قافلوں میں دو دو ہزار اونٹ ہوتے تھے اور ان کی مالی حیثیت پچاس ہزار دینار سے زیادہ ہوتی تھی، مشہور مستشرق سپرنگر نے ایک لاکھ ساٹھ ہزار لیرہ طلائی کے قریب مالیت کا اندازہ لگایا ہے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر قریش کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ان کی تجارت مہاجرین سے دشمنی کے باعث خطرہ میں ہے تو وہ ضرور مصالحت ومفاہمت کیلئے کوشاں ہوتے، اسی وجہ سے آپ اپنے دستے راہ تجارت کی سمت بھیجتے تھے کہ لڑائی تو نہ ہو البتہ دشمن کو اندیشہ ضرور لاحق ہو جائے، ان دستوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہوتی تھی کہ یہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ لڑنے کے ارادے سے جاتے تھے، راہ تجارت سے متصل قبائل سے معاہدے کا مقصد بھی یہی تھا کہ قریش اس معاہدے کی اطلاع پا کر مرعوب ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ مصالحت پر آمادہ ہوں، ان تمام مورخین کے مختلف اقوال کے درمیان اسی طرح تطبیق ممکن ہے کہ اسلام نے کبھی جارحیت پسندی اور فتنہ انگیزی کا راستہ اختیار نہیں کیا، یہ خیر خواہی اور امن وآشتی کا دین ہے، اس میں کوئی جبر نہیں، کوئی تشدد نہیں، لیکن اس کے باوجود اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ اسلام کو درپیش مسائل وخطرات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے اور آئے روز ملنے والی قتل کی دھمکیوں اور بڑھتی ہوئی سازشوں سے آنکھ بند کر لی جائے، تاریخ انسانیت گواہ ہے کہ امن وامان کو قائم کرنے کیلئے بھی طاقت وقدرت کی ضرورت ہوتی ہے، کمزور اور بزدل لوگ ہرگز یہ کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتے، اسلام چونکہ امن عالم کا ضامن ہے اس لئے اس کے پرستاروں اور جان

نثاروں کو اپنی سرحدوں پر گھوڑے دوڑانے اپنی صفوں کو مضبوط رکھنے اور دشمنان اسلام کی حرکتوں سے خبردار رہنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض عیسائی مورخین کا خیال ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ان فوجی مہمات کا مقصد تجارتی قافلوں کو لوٹنا تھا، اول تو آپ کا مقصد کفار مکہ، منافقین مدینہ اور یہود و نصاریٰ کے سامنے اسلام کی طاقت و غیرت کا مظاہرہ کرنا تھا جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے وجود کو نہ تسلیم کرنے کیلئے تیار تھے اور نہ برداشت کرنے کیلئے رضامند تھے، یہ چھوٹے چھوٹے لشکر کبھی کفار مکہ کا پتہ لگانے کیلئے جاتے تھے اور کہیں بعض قبائل سے امن وامان کا معاہدہ کرنے کیلئے روانہ ہوتے تھے اور کہیں اس مقصد کیلئے بھی جاتے تھے کہ کفار مکہ کی شامی تجارت کا راستہ بند کر کے انہیں مسلمانوں کی اہمیت اور قوت کا احساس دلایا جائے، ویسے جن کفار مکہ نے مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ جما رکھا تھا کیا ان سے اپنی مقبوضہ جائیدادوں اور مغصوبہ مالوں کو واپس لینا قانونی اور اخلاقی حق نہیں تھا، ان اسباب وعلل کی وجہ سے حکیم مطلق جل شانہ نے اپنے محبوب اعظم، رحمت عالم ﷺ کو جہاد کا حکم دیا اور آپ نے اس انداز سے جہاد کیا کہ زمانہ گواہ ہے کہ آپ کا جہاد بھی انسانیت کیلئے پیغام رحمت بن بھی نمودار ہوا، جس طرح طبیب حاذق اپنے تیز دھار نشتر سے فاسد مادوں کو نکال کر انسانی جسم کو صحت وشفا کا مژدہ جانفزا سناتا ہے اس طرح پیغمبر رحمت و رافت کی تلوار نے بھی انسانی معاشرے کے وجود کو ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے ناسوروں سے پاک کر دیا۔

غزوات وسریات:

مذکورہ تجزیات میں ہم نے جن فوجی مہمات کے آغاز کا ذکر کیا ہے ان فوجی مہمات کو غزوات اور سریات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، سرفروشی کی ان عظیم الشان داستانوں سے عالم اسلام کا گوشہ گوشہ آباد تھا اور آج بھی ان کی راہنمائی سے ملت اسلامیہ کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتی ہے، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات کا ذکر قرآن پاک کی سورتوں کی طرح سکھایا جاتا تھا، حضرت محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما اپنے فرزند ارجمند کو نصیحت فرمایا کرتے تھے، بیٹا یہ غزوات تمہارے آباو اجداد کا شرف ہیں، ان کے تذکار جمیل کو فراموش نہ کر دینا، ﴿سبل الہدیٰ: ۴/۲۰﴾ جن لشکروں نے رسول

اللہ ﷺ کی قیادت میں جنگ کے ارادے سے سفر کیا یا کسی اور مقصد کیلئے نکلے، ان کو غزوات کہا جاتا ہے اور اگر حضور ﷺ بذات شریف شامل نہ ہوں بلکہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو دشمن کے مقابلے میں بھیج دیں تو وہ لشکر سریات کہلاتے ہیں، غزوات کی تعداد میں اختلاف ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد انیس ہے اور میں نے سترہ غزوات میں شرکت کی ہے، امام ابن کثیر نے بھی اسی تعداد پر اتفاق کیا ہے، امام ابن سعد اور امام واقدی، امام قسطلانی نے ستائیس کا عدد بیان کیا ہے، امام زرقانی نے فرمایا کہ بعض کے نزدیک اکیس، بعض کے نزدیک چوبیس، بعض کے نزدیک پچیس اور بعض کے نزدیک چھبیس غزوات واقع ہوئے، ﴿زرقانی علی المواہب:۱/۳۸۸﴾ نو غزوات میں قتال ہوا اور وہ یہ ہیں، بدر، احد، مریسیع، خندق، قریضہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف، بعض مورخین نے غزوہ مکہ کو قتال میں شمار نہیں کیا کہ وہ صلح سے فتح ہوا تھا، حضرت امام بخاری نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ابوا اور سب سے آخری غزوہ تبوک ہے اور سب سے پہلا سریہ جو مدینہ منورہ سے جنگ کیلئے روانہ ہوا وہ سریہ حمزہ ہے، ہجرت کے بعد کا تقریباً کل زمانہ غزوات و سریات کے انتظام میں گزرا، اس لیے اگر غزوات کی کم سے کم تعداد جو روایات میں آئی ہے یعنی انیس اور سریات کی کم سے کم تعداد جو روایت میں بیان ہوئی ہے یعنی سنتالیس شمار کر لی جائے تو نو سال میں حضور اقدس ﷺ کو چھوٹی بڑی چھیاسٹھ لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا لہذا یہ عنوان سیرت مصطفےٰ کا بہت ہی عظیم الشان حصہ ہے۔

یاد رہے کہ کفار عرب کے خلاف جہاد کا اعلان کرنا صحابہ کرام کا دیرینہ مطالبہ تھا، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت مقداد بن اسود، حضرت قدامہ بن مظعون اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم نے کفار کی ایذا رسانیوں اور مسلمانوں کی استقامتوں کو دیکھ کر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو عزت و ناموس کی زندگی گزارتے تھے، ایمان لے آئے ہیں تو ان لوگوں نے ہمیں رسوا کر دیا ہے، آپ ہمیں ان کے ساتھ قتال کا حکم دیجئے، آپ نے ارشاد فرمایا: اپنے ہاتھوں کو روکو، ابھی تک مجھے ان کے ساتھ قتال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، ﴿سیرت نبویہ از دحلان:۱/۳۵۴﴾ بعض دیگر صحابہ

کرام بھی ظلم وتشدد کا نشانہ بن کر آتے اور عرض کرتے، حضور! ہمیں بھی ہتھیار اٹھانے کا حکم دیجئے، ہم ایسی زندگی سے مرجانا بہتر سمجھتے ہیں، کئی مرتبہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہما جیسے بہادروں کی تلواریں نیاموں میں تڑپ کر رہ جاتیں لیکن حضور پیغمبر حکمت ﷺ کی طرف سے اذن جہاد موصول نہ ہوتا، آپ ہر بار یہی فرماتے! اصبروا فانی لم اومر بالقتال، ابھی صبر کرو کیونکہ مجھے قتال کا حکم نہیں ملا، ریاست مدینہ کے قیام اور استحکام کے بعد وہ چاہتے تھے کہ اب دشمنان اسلام کے مزید حملے اور ہتھکنڈے برداشت نہیں کئے جائیں گے۔

ابھی زندہ ہیں پروانے شبستان محمد ﷺ کے
ہوا سے چھین لیں گے حوصلہ شمعیں بجھانے کا

جب اہل اسلام میں جمعیت پیدا ہوگئی اور ان میں قوت وتوانائی آگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دشمنوں سے لڑائی کرنے کی اجازت دے دی لیکن ابھی فرض نہیں کی، چنانچہ فرمایا:

⊙......اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا، یعنی ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے، کیونکہ ان پر بڑے بڑے ظلم ہوئے ہیں، ﴿سورۃ الحج:۳۹﴾

حضرت ابن عباس، مجاہد، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان اور قتادہ جیسے بہت سے سلف صالحین رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی، سنن نسائی اور جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا؛ انہوں نے اپنے نبی کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے، انا للہ و انا الیہ راجعون، اب یہ ضرور ہلاک ہوکر رہیں گے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، امام احمد نے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں، یہ لڑائی کے بارے میں، سب سے پہلی آیت ہے، حضرت امام زہری کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے، جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اتاری وہ ہے: وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم، اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، ﴿سورۃ البقرہ﴾ ابتدا میں یہ اجازت مشروط تھی یعنی صرف

ان کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں، مسلمانوں کو ابھی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں لیکن حق واضح ہونے اور باطل ظاہر ہو جانے کے بعد چونکہ تبلیغ حق اور احکام الٰہی کی نشر و اشاعت حضور اکرم ﷺ پر فرض تھی اس لئے ان تمام کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، جہاد کا حکم نافذ ہو گیا خواہ وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کریں یا نہ کریں، ﴿سیرت مصطفٰی: ۱۶۰﴾، جب آپ نے ہجرت کی تو آپ کو ستر سے زیادہ آیتوں میں لڑائی کی اجازت دی گئی، ابن اسحاق کہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان کیلئے لڑائی اس لئے حلال کی ہے کہ ان پر بڑے ظلم ہوئے ہیں اور ان کا اس کے سوا کوئی ''جرم'' نہیں تھا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ غالب آئے تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالائیں گے، اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنة ویکون الدین کلہ للہ، یعنی کفار سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ وفساد کا نام و نشان نہ رہے اور دین سارا اللہ تعالیٰ کا ہو جائے، ﴿سورۃ الانفال: ۳۹﴾ یعنی کسی مسلمان کو دین کی وجہ سے ظلم کا تختہ مشق نہ بنایا جائے اور سارا دین اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جائے یعنی وہ کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اجازت مکہ میں مل گئی تھی اور یہ سورت مکی ہے، مگر یہ خیال متعدد وجوہ سے غلط ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں لڑائی کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ مکہ مکرمہ میں ان کو اتنی طاقت تھی کہ وہ لڑائی کر سکیں، آیت کا سیاق وسباق اس بات کا متقاضی ہے کہ اجازت ہجرت اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کے بعد ہوئی ہے کیونکہ آیت میں بالصراحت مذکور ہے، یعنی ان کو اجازت دی گئی جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے صرف اس جرم میں کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں ان کو یا ایھا الذین امنوا کے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا ہے اور ان الفاظ کے ساتھ جملہ خطاب مدینہ منورہ میں ہوا ہے، ایک قول کے مطابق کفار سے جہاد کرنا فرض عین ہے یا مشہور قول کے مطابق فرض کفایہ ہے مگر حق یہ ہے کہ نفس جہاد فرض عین ہے، دل سے اور

زبان سے یا مال سے اور ہاتھ سے، اس لئے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ان چاروں قسم کے جہاد سے کوئی نہ کوئی ضرور اختیار کرے، جہاد بالنفس تو فرض کفایہ ہے، رہا جہاد بالمال تو اس کے وجوب میں دو قول ہیں، صحیح قول میں واجب ہے کیونکہ قرآن حکیم میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس دونوں کا حکم یکساں ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۳۱۰﴾

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر جان مال اولاد سے پیارا
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

کچھ اور ضروری باتیں:

بعض محققین نے لکھا ہے کہ ابتدائی سریات یعنی سریہ حضرت امیر حمزہ ہجرت کے سات ماہ بعد، سریہ عبداللہ بن حارث آٹھ ماہ بعد اور سریہ سعد بن ابی وقاص نو ماہ بعد وقوع پذیر ہوئے، یہ عرصہ تو سال اول میں داخل ہے، امام عمر الواقدی امام قسطلانی اور امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، جبکہ امام ابن اسحاق کے نزدیک یہ تینوں سریات سال دوم میں واقع ہوئے، ان کا بیان ہے کہ سب سے پہلے غزوہ ودان اور ابوا واقع ہوا، اس کے بعد ان سریات کی باری آئی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے اور ان کو سال دوم کے واقعات میں درج فرمایا ہے، ایک قول کے مطابق ۱۲ صفر المظفر ۲ ہجری تاریخ اسلام میں وہ یادگار دن ہے جس میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کی اجازت عطا فرمائی، علامہ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے، حضرت امام بخاری نے بھی ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے ابوا پھر بواط اور پھر عشیرہ کا غزوہ فرمایا، ﴿صحیح بخاری کتاب المغازی﴾ دراصل ابوا اور ودان میں کوئی اختلاف نہیں، یہ دونوں مقام قریب قریب ہیں، کسی نے ایک کا نام اور کسی نے دوسرے کا نام لے لیا ہے، سریہ وہ لشکر ہے جو رات کو نکلے، اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اسکا جانا مخفی ہوتا ہے، یہ معنی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ لفظ سریہ سِرّ سے نکلا ہے، سریہ جیش کا ایک قطعہ ہوتا ہے جو جیش سے نکالا جاتا ہے، اور وہ جیش کی طرف عود کر

کے آتا ہے، یہ ایک سو سے پانچ سو آدمیوں تک مشتمل ہوتا ہے، پانچ سو سے زیادہ کو منسر کہتے ہیں، آٹھ سو سے زیادہ کا لشکر ہو تو اس کا نام جیش ہے، چار ہزار سے زیادہ کا لشکر ہو تو اس کا نام خمیس ہے، خمیس جیش عظیم کو کہتے ہیں، بعث وہ حصہ ہے جو سریہ سے جدا ہوتا ہے، سار یہ وہ لشکر ہے جو دن میں نکلے، رسول اللہ ﷺ کا اول بعوث آغار رمضان میں تھا، ایک روایت یہ ہے کہ سن دو ہجری ربیع الاول میں واقع ہوا تھا، ﴿مواہب لدنیہ:۲۲۹/۱﴾ ان تمام محققین کی مختلف آرا میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ سریات کا آغاز سال اول کے آخر میں ہوا جبکہ غزوہ ابوا سے غزوات کا آغاز سال دوم کے شروع میں ہوا، جبکہ جہاد کی ابتدائی حالت سال اول کے آخر میں نازل فرمادی گئی، حقیقت حال کا علم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے پاس ہے۔

ابتدائی سریات صحابہ کا تذکرہ:

ابتدائی طور پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مندرجہ ذیل سریات ارسال فرمائے: باقی سریات صحابہ کا ذکر ان کے مقامات پر کیا جائے گا۔

......﴿1﴾......

آپ نے اپنے چچا جان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین کرام پر امیر بنا کر بھیجا، انصار مدینہ نے آپ سے یہ طے کیا تھا کہ وہ آپ کو اپنے گھر میں دشمن سے بچائیں گے اور وہ دشمن کو روکیں گے، انہوں نے آپ کے ساتھ رہ کر بدر میں غزا کیا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے نکلے تاکہ ابوجہل کی قیادت میں آنے والے تین سو شتر سواروں پر مشتمل قافلے سے مزاحمت کریں، حضور اکرم ﷺ نے اس لشکر کا پرچم اپنے دست مبارک سے باندھا، پرچم کا رنگ سفید تھا اور اس کا علمبردار حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، جب قریش مکہ کا تجارتی قافلہ شام سے مراجعت کرتے ہوئے العیص کی طرف ساحل سمندر کے نزدیک پہنچا تو دونوں گروہوں کا سامنا ہو گیا، جنگ کیلئے صف آرائی ہونے لگی، پھر جنگ شروع ہونے ہی والی تھی کہ قبیلہ جہینہ کا سردار مجدی بن عمرو الجہنی دونوں گروہوں کے درمیان آ گیا، چونکہ اس کے دونوں گروہوں کے ساتھ اچھے مراسم تھے اس لئے اس نے اپنے اثر ورسوخ سے جنگ رکوادی، اس کوشش کیلئے اسے کئی مرتبہ فریقین کے ٹھکانوں کے

چکر کاٹنے پڑے، بعدازاں ابوجہل اپنے قافلے کو لے کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں مجدی بن عمرو الجہنی کے کردار کی بہت تعریف کی، پھر چند روز بعد جب اس کے قبیلے کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے تو آپ نے ان کو بہت نوازا، نئی خلعتوں سے سرفراز کیا اور مجدی بن عمرو الجہنی کے متعلق ارشاد فرمایا: مجدی بہت بابرکت انسان ہے، امام ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ سریہ ہجرت کے سات ماہ بعد رمضان المبارک میں بھیجا گیا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سرفروش غازیوں نے انتہائی قلیل التعداد ہونے کے باوجود کفر کے سب سے بڑے سرغنے ابوجہل اور اس کے کثیر التعداد حواریوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اب فرزندان توحید کبھی ترنوالہ ثابت نہیں ہوں گے، اب اگر کسی دشمن خدا نے ان بندگان خدا کو تنگ کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام عبرتناک ہوگا۔

﴿2﴾

مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر رابغ وادی میں ایک چشمہ تھا، وہاں ابو سفیان اور عکرمہ بن ابوجہل اپنے دوسو آدمیوں کے ساتھ فروکش تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ان کی طرف ساٹھ مہاجرین کرام کا ایک دستہ روانہ کیا جس کے سالار حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور پرچم سفید کا علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا گیا، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ ثنیۃ المرہ کے پاس جا ٹھہرے، جب دونوں گروہ سامنے ہوئے تو بس تیر برسانے پر ہی اکتفا کیا، اس روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلامی جہاد کا پہلا تیر چلایا، بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ترکش کے سارے تیر کفار مکہ کی طرف چلا دیئے، ہر تیر کا نشانہ درست تھا جس سے کوئی نہ کوئی دشمن ضرور زخمی ہوا، بعد ازاں دونوں گروہ اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو گئے، اس سریہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ کفار مکہ کے لشکر سے مقداد بن عمرو اور عتبہ بن غزوان نکل کر اہل اسلام میں آ گئے، ویسے تو انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن کفار مکہ کے تسلط سے آزاد نہ ہو سکے تھے، انہوں نے ابوسفیان کے لشکر میں اس لئے شمولیت اختیار کی کہ شاید انہیں کوئی موقع میسر آ جائے اور وہ مدینہ منورہ پہنچ جائیں، اب وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے منزل مراد تک جا

پہنچے اور ان کو امیدوں کا سہارا حاصل ہو گیا، امام ابن اسحاق نے سریہ عبیدہ کا ذکر پہلے اور سریہ حمزہ کا ذکر بعد میں کیا ہے، بعض روایات کے مطابق یہ سریہ ہجرت کے آٹھ ماہ بعد شوال المکرّم میں ارسال کیا گیا، امام ابن اسحاق نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اسلام کا پہلا پرچم حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ اسلام کا پہلا پرچم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا ہے، پھر لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان دونوں کو ایک ہی وقت ساتھ ساتھ بھیجا تھا اس لئے لوگوں کو یہ گمان ہوا ﴿اور انہوں نے یہ متعارض روایات بیان کر دیں﴾ امام قسطلانی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ساتویں مہینے کے آغاز میں اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا لشکر آٹھویں مہینے کے آغاز میں بھیجا گیا تھا لہذا اس میں گمان نہیں ہو سکتا لیکن یہ احتمال ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے پرچم ساتھ ساتھ ایک ہی وقت میں قائم فرمائے ہوں اور پھر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی آٹھویں مہینے کے آغاز تک کسی وجہ سے دیر کا سبب بن گئی ہو ﴿مواہب لدنیہ:۲۳۱/۱﴾

......﴿3﴾......

قریش مکہ کا ایک اور تجارتی قافلہ محو سفر تھا، اس کی مزاحمت کیلئے حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سیادت میں بیس مہاجرین کرام کو الخرار کی طرف روانہ فرمایا اور نصیحت کی کہ قافلے کے تعاقب میں الخرار سے آگے نہ بڑھیں، ...راصل جحفہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جائیں تو بائیں جانب خم کے قریب کچھ کنویں ہیں جن کو الخرار کہا جاتا تھا، ﴿طبقات ابن سعد: ۷/۲﴾ یہ لشکر پیدل ہی روانہ ہوا، اس کا پرچم بھی سفید رنگ کا تھا جس کو اٹھانے کی سعادت حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی جو سریہ عبیدہ کی بدولت کفار کے نرغے سے نکلے تھے، یہ غازیانِ اسلام دن کو آرام کرتے اور رات کو گامزن ہوتے، آخر پانچ دن کے بعد صبح کے وقت مقام الخرار تک جا پہنچے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ قریش مکہ کا قافلہ ایک دن پہلے یہاں سے چلا گیا تھا، چونکہ اس سے آگے جانے کا حکم نہیں تھا اسلئے فوراً مدینہ منورہ لوٹ آئے ﴿ایضاً﴾ یہ سریہ ہجرت کے تقریباً نو ماہ بعد ذوالقعدہ میں روانہ ہوا، اس مہم سے بھی کفار مکہ پر سرفروشانِ اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

......⊙......

باب سوم

سال دوم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عاشورہ محرم الحرام کا روزہ:

تاریخ عالم میں دس محرم الحرام کا دن بہت اہم ہے، اس دن بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی نجات کا واقعہ بھی مشہور ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہود کو دیکھا کہ وہ عاشور کا روزہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے شر سے نجات پائی اور تمام قبطی لشکر دریائے نیل میں غرق ہوا، اس نعمت کے شکرانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی تمام عمر اس دن کا روزہ رکھتے رہے، اس پر حضور سید المر سلین ﷺ نے فرمایا: ہم اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو زندہ رکھنے اور اسکا اتباع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، پھر منادی کو بلا کر حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ اس دن روزہ رکھا کریں، اس کے بعد آپ نے بھی روزہ رکھا اور تمام صحابہ کرام نے بھی روزہ رکھا، علما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو یہودیوں کی اس خبر کی سچائی کا علم وحی کے ذریعے تھا، جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو عاشور کا روزہ رکھنے میں جو اہتمام برتا جاتا تھا باقی نہ رہا، آپ نے فرمادیا: اب جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے، بعض کتابوں سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے عاشور کا روزہ فرض تھا لیکن رمضان المبارک کی فرضیت کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، بخاری، مسلم، موطا، ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشور کا روزہ رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ بھی یہ روزہ رکھا کرتے تھے، علما فرماتے ہیں کہ قریش کا عاشور کے روزے کی پابندی کرنا غالباً شرائع سابقہ کی تلقین کے سبب ہوا اسی لئے وہ اس دن کی عظمت کرتے تھے اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے، حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا اور ان کے دلوں میں اسکا خوف بیٹھ گیا تھا، تب ان سے کہا گیا کہ عاشور کا روزہ رکھو تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے، یہ روایت فتح الباری شرح صحیح بخاری میں مذکور ہے، سفر السعادۃ میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ عاشور کا روزہ پابندی

سے رکھا کرتے تھے، اور جامع الاصول میں نسائی سے منقول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو حضور اکرم ﷺ کبھی ترک نہ فرماتے تھے، عاشور کا روزہ، عشرہ ذی الحجہ کے روزے، ایام بیض کے روزے اور فجر کی دو سنتیں، علما کرام عاشور کے روزے کے مراتب میں فرماتے ہیں کہ اسکی تین صورتیں ہیں، افضل واکمل صورت یہ ہے کہ تین روزے رکھے جائیں یعنی نویں، دسویں اور گیارھویں کے روزے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں کے روزے رکھے جائیں، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صرف دسویں کا روزہ رکھا جائے، فتح مکہ کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر میں نے آئندہ سال پایا تو نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا، اس سے اہل کتاب کی مخالفت مقصود تھی، مسند احمد اور بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یوم عاشور کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت اس سے پہلے اور اس کے بعد روزہ رکھ کر کرو، یوم عاشور کی فضیلت میں وارد ہے کہ اس دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ اس سے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں دو سال کے برابر واقع ہوا ہے، بعض علما نے اس ضمن میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ یوم عاشور کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے ہے اور یوم عرفہ کا روزہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت سے ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۴۴﴾ عاشور کے روزے کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا حکم ہجرت کے پہلے سال ہی دے دیا گیا تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ ربیع الاول ﴿بارہ تاریخ﴾ کو قبا میں تشریف لائے تھے، اس لئے محرم الحرام تک تقریباً گیارہ ماہ کا عرصہ گزرا تھا، پورا سال نہ ہونے کی وجہ سے اسکو سال اول کے واقعات میں شمار کیا گیا ہے، اگر سن ہجری کا آغاز پہلے محرم الحرام ہی سے کیا گیا تھا تو پھر اس روزے کا واقعہ سال دوم کے واقعات میں شمار ہوتا ہے۔ اس روزے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی یاد منانا اور ان کے تذکار جمیل کو زندہ رکھنا خود پیغمبر اسلام ﷺ کی مبارک سنت ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا معمول جہاد:

سال دوم کے واقعات میں حضور پیغمبر نور ﷺ کے غزوات کا ذکر شروع ہونے والا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے معمول جہاد کے متعلق اور

بعد ازاں آپ کے بیان کردہ فضائل جہاد کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے، اس تحریر سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے جہاد کے مقاصد کا بخوبی علم ہو جائے گا کیونکہ ہمارے اس پر آشوب دور میں مغربی اقوام نے لفظ جہاد پر دہشت گردی اور انتہا پسندی کا لیبل لگا کر اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش شروع کر رکھی ہے، حالانکہ اسلام کا فلسفہ جہاد امن عالم کا بہترین سفیر ہے۔

﴿1﴾

حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے، پھر آپ فرماتے: اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے راستے میں جہاد کرو، جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، کسی شخص کے اعضا کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو، جب تمہارا اپنے مشرک دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا، وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں تو اس کو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا، پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آ جائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان کو وہ سہولتیں ملیں گی جو مہاجرین کو ملتی ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کریں تو ان کو یہ خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا، اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو، اگر وہ تسلیم کر لیں تو تم بھی اس کو قبول کر لو اور ان کے ساتھ جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ﴿کسی عہد پر﴾ ضامن بنانا چاہیں تو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بنانا بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ضامن بنانا کیونکہ تمہارے لئے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے عہد سے پھر جانا اس سے آسان ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

کے عہد کو توڑو، جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرلو اور ان کا یہ ارادہ ہو کہ تم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قلعہ سے نکالو تو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب نہ نکالو بلکہ ان کو اپنے حکم کے مطابق نکالو کیونکہ تم اس بات کو نہیں جانتے کہ تمہاری رائے اور اجتہاد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں، ﴿صحیح مسلم، کتاب الجہاد﴾ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ کرام میں سے کسی شخص کو کسی مہم پر روانہ کرتے تو اس سے ارشاد فرماتے: بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا، لوگوں کو خوش کرو، ان کو متنفر نہ کرو، آسانی پیدا کرو، مشکل پیدا نہ کرو، ﴿ایضاً﴾ حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا، ﴿مجمع الزوائد: ۳۱۵/۵﴾ حضرت ایوب نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدوروں اور غلاموں کو قتل کرنے سے منع فرمایا، ﴿ایضاً﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد شکنی کرنے، خیانت کرنے، کسی کو مثلہ کرنے، بچوں کو قتل کرنے، گرجے کے راہبوں کو مارنے، عورت اور بوڑھے آدمی کو قتل کرنے سے منع فرمایا، اس کو امام احمد، امام ابو یعلیٰ، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے، ﴿ایضاً﴾ آپ ﷺ نے آگ کا عذاب دینے سے روکا، ﴿بخاری کتاب الجہاد﴾ دشمن سے مقابلے کی تمنا کرنے سے منع کیا لیکن مقابلے کی صورت میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی، ﴿ایضاً﴾ رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے فلسفہ جہاد کا مقصد قتل و غارت کے بازار گرم کرنا نہیں بلکہ انسانیت کی اصلاح اور تربیت ہے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے، ﴿بخاری شریف، کتاب الجہاد﴾ خود حضور اکرم ﷺ کا معمول مبارک تھا، جس طرح آپ شروع دن میں سفر کرنا پسند کرتے تھے اسی طرح شروع دن میں لڑائی کرنا بھی پسند فرماتے تھے، جب شروع دن میں نہ لڑتے تو لڑائی کو موخر کردیتے یہاں تک کہ سورج ڈھل جاتا، ہوائیں چلنے لگتیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد اتر پڑتی، لڑائی کے وقت آپ صحابہ کرام سے یہ بیعت لیتے کہ وہ میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے اور بعض اوقات مرنے پر بیعت کرلیتے، جس طرح آپ اسلام پر بیعت لیتے تھے اسی طرح جہاد پر بھی بیعت لیتے تھے، فتح مکہ سے پہلے آپ ہجرت پر بیعت لیتے تھے،

آپ جہاد میں اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے کہ کیمپ کہاں لگایا جائے اور دشمن کا مقابلہ کیسے کیا جائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اپنے دوستوں سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا، آپ سفر میں سب سے پیچھے چلتے تھے تاکہ کمزور کو ساتھ لائیں اور جس کی سواری ہلاک ہوگئی ہے اس کو اپنے پیچھے سوار کرلیں، آپ سفر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہایت ہمدردی کا سلوک کرتے تھے، دشمن کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے جاسوس بھیجتے تھے، جنگ کا ارادہ کرتے تو اکثر توریہ سے کام لیتے ﴿یعنی جس طرف جانا ہو اس کی مخالف طرف کو مشہور کرنا﴾ اور فرماتے، الحرب خدعہ، لڑائی دھوکا ہے، اپنے کیمپ کے اردگرد محافظ اور پہرہ دار متعین فرماتے تھے، لڑائی کیلئے جاتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے جس میں اس سے مدد طلب کرتے، آپ اور آپ کے صحابہ کرام کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، اپنی آوازوں کو پست رکھتے، شوروغل سے پرہیز کرتے، دشمن کے مقابلے میں لشکر کو ترتیب دیتے اور ہر سمت ایسے آدمی مقرر کرتے جو ادھر کے حالات سے واقف ہوتے اور بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتے، آپ بوقت جنگ جنگی لباس اور جنگی ہتھیار پہنتے، بعض اوقات نیچے اوپر دو زرہیں پہنتے، مختلف سپہ سالاروں کو دینے کیلئے متعدد جھنڈے استعمال فرماتے، جب کسی قوم پر فتح پاتے تو اس مقام پر تین دن ٹھہرتے اور پھر واپس آتے، آپ کبھی دشمن پر شب خون مارتے اور کبھی دن کو اپنے قومی جھنڈے تلے لڑنے کا حکم فرماتے، لڑائی کے وقت اکثر یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! کتاب کو اتارنے والے، بادلوں کو چلانے والے، فوجوں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دے اور ان میں افراتفری ڈال دے، اللہ اے! مدد نازل فرما، اے اللہ! تو ہی میرا بازو ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے، میں تیری ہی طاقت کے ساتھ دشمنوں سے لڑتا ہوں، جب معاملہ خوفناک ہوتا، لڑائی تیز ہوتی اور دشمن آپ کی طرف بڑھنے لگتے تو آپ چھپنے کی بجائے اعلان کرتے اور فرماتے، انا النبی لاکذب...... انا ابن عبد المطلب، میں ہی نبی ہوں، کوئی جھوٹ نہیں اور میں ہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، جب لڑائی شدت اختیار کرتی تو لوگ آپ کے ذریعے اپنے آپ کو بچاتے اور بہ نسبت دوسروں کے آپ ہی دشمن کے قریب ہوتے، آپ شب خون کے ذریعے کوئی شعار مقرر کرتے تھے تاکہ وہ اندھیرے میں ایک

دوسرے کو پہچان سکیں، آپ لڑائی میں فخر کو پسند فرماتے اور ارشاد فرماتے، بعض ایسے فخر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور بعض ایسے فخر ہیں جن کو پسند کرتا ہے، وہ لڑائی میں دشمن کے مقابلے میں فخر کرنا ہے یا صدقہ خیرات کرتے وقت فخر کرنا ہے اور جس فخر کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ ظلم و نافرمانی کے وقت فخر کا مظاہرہ ہے، ایک دفعہ آپ نے منجنیق استعمال فرمائی، آپ بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے، امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کو ضروری قرار دیتے جب تک معصیت کا حکم نہ دے، ﴿بخاری﴾ اور فرماتے جنت تلواروں کے سائے میں ہے ﴿مسلم﴾ آپ لوٹ ڈالنے سے منع فرماتے، آپ کا ارشاد ہے جو شخص لوٹ ڈالے وہ ہم سے نہیں اور آپ نے حکم دیا کہ غنیمت سے لوٹے ہوئے جانوروں کے گوشت والی ہانڈیاں الٹادی جائیں، ﴿ملخصاً مختصر سیرۃ الرسول: ۳۱۰﴾

......﴿2﴾......

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، رضامندی، دین اسلام کی سرفرازی اور عالم کفر کی فتنہ طرازیوں کی بیخ کنی کے لئے جہاد کرنا بہت افضل کام ہے، قرآن پاک نے متعدد مقامات پر اس کا حکم صادر فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙...... بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس کے بدلے پر کہ ان کیلئے جنت ہے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں، اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ قول و اقرار کا پورا کون ہے تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے، توبہ کرنے والے، سجدہ کرنے والے، بھلائی بتانے والے، سراہنے والے، روزے رکھنے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں پر نگاہ رکھنے والے اور خوشخبری سناؤ ایمان والوں کو، ﴿سورۃ التوبہ: ۱۱۱، ۱۱۲﴾

اس آیت کریمہ سے جہاد کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ لگایئے، یہ وہ عمل ہے جس سے بندۂ مومن کو ہمیشہ کیلئے جنت کا حقدار بنادیا جاتا ہے، پھر اس عمل کے ذریعے وہ اعلان کرتا ہے کہ میرا مال، میری جان اور میری اولاد میرے پروردگار کے نام پر قربان ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: نماز کا وقت پر پڑھنا، میں نے عرض کیا، پھر کونسا، آپ نے ارشاد فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا، میں نے عرض کیا، اس کے بعد کونسا، آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، اس کے بعد میں خاموش ہو گیا، اگر رسول اللہ ﷺ سے مزید دریافت کرتا تو آپ اور بھی امور بیان فرما دیتے، ﴿صحیح بخاری کتاب الجہاد﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجاہد کا گھوڑا اپنی رسی سے بندھا ہوا چرنے کیلئے جتنے قدم اٹھاتا ہے تو ہر قدم کے بدلے نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ﴿ایضاً﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ کے راستے میں صبح سے دوپہر تک یا دوپہر سے شام تک نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے، انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں جسے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس اچھی جگہ ملے اور پھر بھی دنیا میں لوٹنا پسند کرے خواہ اسے دنیا و ما فیہا سب کچھ دے دیا جائے، سوائے شہید کے کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت ﴿ذائقہ اور ثواب﴾ دیکھ چکا ہے، لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ دنیا میں واپس جائے اور راہ خدا میں دوبارہ قتل ہو جائے ﴿ایضاً﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میری تو یہی آرزو ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، ﴿صحیح مسلم، کتاب الجہاد﴾ حضرت ابو الرحمٰن بن جبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کے قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہوں اور پھر اسے جہنم کی آگ چھوئے، ﴿صحیح مسلم کتاب الجہاد﴾

دہشت گرد کون ہے؟

مکہ مکرمہ کی انتہائی وحشت ناک زندگی کے متعلق آپ نے پڑھا کہ حضور پیغمبر نور ﷺ اور ان کے فدا کار ساتھیوں نے کن قیامتوں کا سامنا کیا تھا، ان کے تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا ہے لیکن انہوں نے تمام غم و آلام کو حوصلہ مندی اور جوانمردی کے ساتھ برداشت کیا، جب مدینہ منورہ آ گئے تو قریش مکہ، یہود و نصاریٰ اور منافقین مدینہ جیسے رذیل دشمنوں

نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا، دھمکیوں کے نئے نئے انداز اختیار کیئے، ذہنی اور جسمانی اذیتوں سے دوچار کیا اور کلمہ حق کو ملیا میٹ کرنے کے درپے ہوئے، آخر یہ تاریخ کا شرمناک تشدد کیوں جاری تھا، کیا جرم تھا ان قدسی صفات لوگوں کا، یہی کہ انہوں نے عزیٰ، لات، منات اور ہبل کی جھوٹی خدائی کو ٹھکرا کر ایک پروردگارِ عالم کی کبریائی کا پرچم اٹھایا تھا اور اپنی جبین نیاز مختلف چوکھٹوں پر جھکانے کی بجائے ایک چوکھٹ پر رکھ دی تھی اور لوگوں کو بھی اسکی دعوت دی تھی کہ آؤ دیکھو، اس چوکھٹ پر جبین سائی کا کیا لطف ہے، تم کیوں صورت حال سے غافل ہو، تم نے کیوں اپنے فطری تقاضے کو فراموش کر دیا ہے، جس خالق عظیم نے تمہیں وجود بخشا، جس مالک جلیل نے تمہیں پروان چڑھایا، جس قادر کریم نے تمہیں انسانیت کی معراج عطا کی، جس فیاض رحیم نے تمہیں روشنی، پانی، ہوا اور رزق کی فراوانی عطا فرمائی، سب کچھ اسی سے لے کر، سب کچھ اسی کا کھا کر ان بے جان مجسموں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو جو خود اپنی تخلیق میں تمہارے محتاج ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام نے ہمیشہ خدائے واحد کی بندگی کا اعلان کیا تھا، تم نے ان کو خدا کا شریک ٹھہرا لیا اور تشبیہ و تجسیم سے پاک ذات کا حصہ بنا دیا، یہ کیسی توحید ہے، یہ کیسی وحدت پرستی ہے پھر کچھ لوگوں کو مخاطب کیا کہ تم کیا صداقت کا اقرار کر کے بھی صداقت کے دشمنوں کا ساتھ دیتے ہو، سچائی کے راستے کو سمجھ کر بھی اس میں کانٹے بچھاتے ہو، کبھی ادھر ہوتے اور کبھی ادھر ہوتے ہو، کیا اسی کا نام صداقت پسندی ہے، کیا کائنات کی ان سب سے بڑی حقیقتوں سے آشنا ہونا اور دوسروں کو آشنا کروانا جرم تھا جس کی اتنی خوفناک سزا دی گئی، چودہ سال تک ظلم و ستم کے پہاڑ برداشت کرنے والے مظلوموں نے اب اپنی سالمیت کیلئے، اپنے ایمان کی بقا کیلئے، اپنے دین کے تحفظ کیلئے، کائنات کی سب سے بڑی حقیقتوں کے فروغ کیلئے جب میدان عمل میں سرگرم ہونے کا فیصلہ کر لیا تو انصاف کا خون کرنے والے مستشرق پھر بھی ان کی دفاعی کارروائیوں کو قزاقی، دہشت گردی اور انتہا پسندی کا نام دینے لگے، ہمارا سوال ہے کہ چودہ سال کفار مکہ کی طرف سے جو کردار اپنایا گیا، آپ اس کو انسانیت اور آدمیت کا کونسا پہلو قرار دیتے ہیں، جن کو یہ لوگ دہشت گرد قرار دیتے ہیں، انہوں نے تو عین قتال کے عالم میں بھی عورتوں، بوڑھوں، بچوں، معذوروں، مزدوروں،

راہبوں، جانوروں، فصلوں اور سرسبز درختوں کو نقصان پہنچانے سے روکا ہے، بس اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے جو تلوار اٹھا کر سامنے آجائے، جو مفرور ہو جائے اس کے متعلق بھی عفو و درگزر کا حکم دیا گیا ہے، اس کے برعکس جن لوگوں نے لاکھوں انسانوں کے خون کی ہولی کھیلی آپ ان کو امن عالم کا ضامن اور انسانی حقوق کا علمبردار سمجھتے ہیں، ذرا غور تو کیجئے کہ اگر حضور اکرم ﷺ اپنے وفادار ساتھیوں کے ساتھ قبائل کے ساتھ معاہدے نہ کرتے، قریش مکہ کو مصالحت کے راستے پر چلانے کیلئے تجارتی شاہراہ کو روک کر دباؤ نہ ڈالتے، مختلف علاقوں میں مہمات بھیج کر جغرافیائی معلومات اکٹھی نہ کرتے اور انکی اصلاح کا بیڑا نہ اٹھاتے، سریات و غزوات کے ذریعے اپنے ساتھیوں میں سیاسی، عسکری، معاشی اور معاشرتی صلاحیتیں اجاگر نہ کرتے تو کلمہ حق کا نام ونشان تک مٹ جاتا اور اپنی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کا خواب چکنا چور ہو جاتا، اگر اس ساری کشمکش میں باطل قوتوں کو کامیابی مل جاتی تو ہدایت کا یہ عالمگیر اجالا کیسے نمودار ہوتا رنگ و نسل، قوم و قبیلہ، حسب و نسب، عرب و عجم، اسود و احمر کے جو امتیازات قائم تھے کس طرح اخوت و مساوات کا رنگ اختیار کرتے، عرب کی طوائف الملوکی کا تاریک دورانیہ کیسے انجام پذیر ہوتا، معمولی معمولی باتوں پر صدیوں سے کشت و خون کا بازار گرم کرنے والے ایک ہی جبل متین میں کیونکر پروئے جاتے، عدل و انصاف کا ایک عالیشان نظام کیسے قائم ہوتا جس میں اگر سربراہ کی بیٹی بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دینے کا حکم صادر ہو جاتا، شاہ اور فقیر راہ ایک ہی صف میں کس طرح کھڑے ہوتے، ان تمام مقاصد حیات کی تکمیل کیلئے انسانی خون کو ہرگز ارزاں نہیں کیا گیا، بلکہ اعلان کیا گیا جو کسی ایک انسان کو ناحق قتل کرتا ہے ایسے ہے جس طرح اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جو کسی ایک انسان کو بچاتا ہے ایسے ہے جس طرح اس نے سارے انسانوں کو بچا لیا اور عین حالت جنگ میں بھی حکم دیا گیا کہ لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور ان پر بھی زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، ﴿سورۃ البقرۃ: ۱۹۰﴾ ذرا تاریخ اسلام کا مطالعہ تو کیجئے، ابتدائی سریات و غزوات میں کوئی انسانی جان ہلاک نہیں ہوئی، باقی دونوں فریقوں کے مقتول جو جزیرہ عرب کے باشندے تھے ان کی تعداد چار سو چالیس ہے، ان مقتولوں میں وہ لوگ بھی شمار کیے گئے ہیں جنہیں

دھوکے اور غدر سے قتل کیا گیا تھا یا غلطی سے قتل ہوئے تھے، ان میں آپ چھ سو یا سات سو یہودیوں کو بھی شمار کرلیں جنھیں قتل کرنے کا حکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، جنہیں خود یہودیوں نے اس قضیہ میں اپنا حکم تسلیم کیا تھا، فریقین کے تمام مقتولوں کی تعداد ایک ہزار چالیس یا گیارہ سو چالیس بنتی ہے، ان قلیل جانی قربانیوں اور نقصانات سے نوع انسانی کو جو فائدہ پہنچا وہ بے مثال اور بے عدیل ہے، کوشش بسیار کے باوجود اقوام و ممالک کی جنگوں کی تاریخ میں آپ کو اس کی مثال نہیں ملے گی، ہرگز نہیں ملے گی، ﴿ضیاء النبی: ۲۸۲/۳، بحوالہ بدر الکبریٰ ۱۹/۱﴾ اب جدید تہذیب کے عالمی محافظوں کا کردار دیکھئے، جس کی بدولت نوع انسانی کو نصف صدی سے بھی کم عرصے میں دو عالمگیر جنگوں کا تحفہ نصیب ہوا، ان جنگوں میں پرامن شہری آبادیوں، ہسپتالوں، درسگاہوں اور مذہبی عبادتگاہوں کو بھی اپنی وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا گیا، صرف دوسری جنگ عظیم میں صرف اتحادیوں کا جانی نقصان ایک کروڑ چھ لاکھ پچاس ہزار ہے، دونوں فریقوں کا مجموعی طور پر جانی نقصان دو کروڑ کے قریب ہے، صرف روس کے پچھتر لاکھ فوجی مارے گئے، جاپان کے پندرہ لاکھ پچاس ہزار جوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، جرمنی کے اٹھائیس لاکھ پچاس ہزار فوجی ہلاک ہوئے، عوام کا تو شمار ہی کوئی نہیں، ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹمی تجربے سے تو انسان ہی کیا لاکھوں جانور بھی لقمہ اجل بن گئے، کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنے بوڑھے والدین کی کمریں ٹوٹیں، کتنے سہاگ اجڑے، کتنے خواب اپنی موت آپ مر گئے، انسانوں کو کس طرح حیوانوں کی طرح ہانک کا جنگ کی بے رحم بھٹی میں جونکا گیا، کونسا انصاف پسند مستشرق اس کا حساب کرے گا اور جواب دے گا، اتنی عالمگیر خون ریزی کے بعد صرف "دیوار برلن" کا مقصد سامنے آیا، اس سے پہلے، بہت پہلے صلیبی جنگوں میں کس طرح مسلمان شہید کئے گئے، ان کے پرامن ممالک پر کس طرح شب خون مارے گئے، حرمین شریفین اور شام و عراق پر قبضے کے خوابوں نے کس طرح پورے یورپی ممالک کو جنگی جنون میں مبتلا کیا اور آج ایک مرتبہ پھر امریکہ، روس، برطانیہ، اسرائیل اور ہندوستان جیسے عالمی دہشت گردوں نے کسطرح لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا ہے، عراق، کشمیر، افغانستان، بوسینیا، چیچنیا کے نہتے توحید پرستوں کو کس طرح سچائی کی عبرتناک سزا دی ہے، ان کی معدنی دولتوں کو کس طرح خونخوار ہاتھوں سے لوٹا ہے، ان کی عزتوں آبروؤں اور

عصمتوں کے کس طرح چراغ گل کیے ہیں، کون فیصلہ کرے گا کہ دہشت گرد اور انتہا پسند کون ہے، جبکہ روشن خیال اور اعتدال پسند کون ہے، کاش کوئی اتنا ہی مشاہدہ کرے کہ کتنے اسلامی ممالک کی فوجوں نے غیر اسلامی ممالک کی سرزمینوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور کتنے غیر اسلامی ممالک کی فوجوں نے اسلامی ممالک کی سرزمینوں پر تسلط جمایا ہوا ہے، ان کے کتنے علاقے ہمارے ''پنجۂ بیداد'' میں تڑپ رہے ہیں اور ہمارے کتنے علاقے ان کے جور وستم کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں، ہم ان کے وسائل کو کس قدر استعمال کر رہے ہیں اور وہ ہمارے اسباب کا کس قدر جنازہ نکال رہے ہیں، ان کے اور ہمارے درمیان اتنا فرق ہے کہ انہوں نے ہمیشہ فتنہ وفساد کو عام کرنے کیلئے جنگ کی اور ہم نے ہمیشہ فتنہ وفساد کو ختم کرنے کیلئے جنگ کی، ہمارے پروردگار کا حکم ہے:

⊙ ......اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ فتنہ وفساد بالکل ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے، پس اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر سختی جائز نہیں مگر ظالم لوگوں پر ﴿ تاکہ وہ بھی سیدھے راستے پر آجائیں یا ان کے وجود سے معاشرہ پاک ہو جائے ﴾، ﴿سورۃ البقرہ: ۱۹۳﴾

⊙ ......پس جو تم پر سختی کرے، تم اس پر سختی کر لو لیکن اتنی ہی جتنی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے، ﴿ایضا: ۱۹۴﴾

ان آیات میں ان صبر ورضا کے پیکروں کو جہاد کی اجازت دی گئی جنھوں نے چودہ سال تک کفر وشرک اور نفاق کے پرستاروں کی طرف سے آنے والے مصائب ومہالک کا سامنا کیا تھا مگر پھر بھی ان کو حد اعتدال میں رہنے کا درس دیا، ہمارا مہربان خدا اور غمخوار نبی چاہتا ہی نہیں کہ ہمارے ایماندار ناحق کسی انسان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر لیں، سکندر، چنگیز، ہلاکو، نپولین اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے جرنلوں کا فاتحانہ انداز بھی دیکھئے اور رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے سپہ سالاروں کا فاتحانہ انداز بھی دیکھئے، کون دہشت گرد تھے اور کون امن پسند تھے، اگر اسلام کی سربلندی اور اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے راہ اعتدال پر چلتے ہوئے جہاد کا پرچم بلند کرنا جرم ہے تو عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا خیال ہو

گا جنھوں نے اعلان فرمایا تھا: یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں، ﴿متی باب ۱۰ آیت:۳۴﴾ اور یہودیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یوشع علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق کیا جواب ہو گا، جنھوں نے اسلام کی سربلندی اور ایمان کی سلامتی کیلئے جہاد کا پرچم بلند کیا تھا اور خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کی تھی، جو مقصد ان انبیاء کرام علیہم السلام کے جنگ و جہاد میں کارفرما تھا وہی حضور پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی معرکہ آرائیوں میں موجزن تھا کیونکہ یہ سب ایک ہی راستے کے مسافر تھے، اب یہ الگ بات ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے پیدائشی تعصب وعناد نے ان پاکیزہ ہستیوں کے درمیان بھی خودساختہ خلیج پیدا کر دی ہے جس کا حقیقت حال سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ہمارے پیغمبر آخرالزمان ﷺ ان انبیا کرام علیہم السلام کی تصدیق کرنے اور ان کے مقصد عظیم کو ساری کائنات میں عام کرنے کیلئے تشریف لائے اور انہوں نے ہمیں ان کی عزت و ناموس کا خیال رکھنے کا حکم صادر فرمایا، ہمارا ایمان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے، پھر دنیا آپ ہی اندازہ لگائے کہ تمام انبیا کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا احترام کرنے والے دہشت گرد نہیں یا ان کے درمیان تفریق پیدا کر کے فضاؤں کو انتشار سے آلودہ کرنے والے دہشت گرد ہیں۔

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ہمارے ان مباحث سے کوئی شخص یہ اندازہ بھی نہ لگائے کہ ہم خدانخواستہ کسی طرح تحریک طالبان کے خودکش بمباروں یا پاکستان میں کالعدم گروہوں کے دہشت گردوں کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں، یہ لوگ تو خود شب تاریک کے بھٹکے ہوئے مسافر ہیں جو اسلامی جہاد کا نام لے کر دراصل غیر اسلامی قوتوں کا مشن پورا کر رہے ہیں، اسلامی جہاد میں اپنے بے گناہ بھائیوں کو قتل کرنا کہاں لکھا ہے اور خودکشی کا کیا جواز ہے۔

ابتدائی غزوات کا تذکرہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے مجاہدین اسلام کی عسکری تعلیم کیلئے اور ان کی صفوں کو ''بنیان مرصوص'' کا مصداق بنانے کیلئے پہلے چند چھوٹے چھوٹے غزوات کا رخ کیا جن کا

مقصد اخیار کی تربیت اور اغیار کی ہدایت تھا، ان کا جامع تذکرہ حسب ذیل ہے:

……﴿1﴾……

حضور پیغمبر نور ﷺ نے ماہ صفر المظفر میں ابوا کی جانب پہلا جہادی سفر اختیار فرمایا، اس کو غزوۂ ودان بھی کہا گیا ہے، اس سفر میں بھی صرف مہاجرین کرام شریک ہوئے، آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور لشکر اسلام کا پرچم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، ابوا اور ودان بحر احمر کے ساحل پر واقع ہیں جن کے درمیان تقریباً آٹھ میل کا فاصلہ ہے، اس غزوہ کا مقصد بھی قریش مکہ کے تجارتی قافلے پر چھاپا مارنا تھا، جب لشکر اسلام مقام ابوا پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ تجارتی قافلہ نکل چکا تھا، پھر آپ نے ایک اور اہم مقصد کو تکمیل تک پہنچایا، آپ نے اس علاقے میں آباد بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ساتھ دوستی اور امن پسندی کا معاہدہ کیا جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے:

> اللہ کے نام سے شروع جو بہت زیادہ رحم اور مہربانی فرمانے والا ہے، یہ معاہدہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنوضمرہ کیلئے لکھا جا رہا ہے، وہ امن و امان کے ساتھ رہیں گے تو ان کی جان اور مال کو امن و امان حاصل ہوگا اور جو کوئی ان پر حملہ آور ہوگا تو ان کو حملہ آور کے مقابلے میں امداد دی جائے گی بجز اس کے کہ وہ دین خدا میں لڑائی کرے، جب تک سمندر کا پانی اون کو بگوتا رہے گا، یہ معاہدہ بھی برقرار رہے گا، یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی دعوت پر ان کی امداد کیلئے بھی کمر بستہ رہیں گے، یہ اللہ اور اسکے رسول کا ذمہ ہے، جو ان پر حملہ آور ہوگا تو ان کی ﴿ہر صورت میں﴾ امداد کی جائے گی اگرچہ وہ نیک اور متقی ہو۔ ﴿سبل الہدیٰ: ۲۵/۴﴾

بنوضمرہ ابھی مشرک تھے، گویا رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس معاہدے کی زنجیر میں باندھ کر انکے ہم مذہب مشرکین مکہ کی اعانت و نصرت سے روک دیا تھا، یہ تجارتی قافلے پر قبضہ کرنے سے بھی بڑی کامیابی تھی جو اہل اسلام کو حاصل ہوئی، پھر آپ اپنے لشکر اسلام کو لے کر مدینہ منورہ تشریف لائے، اس سفر میں پندرہ راتیں بسر ہوئیں، غزوہ ابوا ہجرت کے تقریباً بارہ ماہ بعد معرض وجود میں آیا جو سیاسی اور عسکری اعتبار سے بہت کارآمد تھا، اس کے بعد صفر المظفر کے باقی ماندہ دن اور ربیع الاول کے ابتدائی دن اپنے

کاشانۂ نبوت پر ہی گزارے، ابن اسحاق کے نزدیک اس سفر کے بعد آپ نے حضرت عبیدہ اور حضرت حمزہ کے سریات کو تیار کیا، جبکہ سبل الھدیٰ میں ان سریات کا ذکر غزوہ ابوا سے پہلے مذکور ہے، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

﴿2﴾

سال دوم کے ماہ ربیع الآخر میں حضور پیغمبر نور ﷺ نے بواط کا سفر اختیار فرمایا، بواط جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو رضویٰ پہاڑ کے نزدیک ہے، امام ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ سفر ربیع الاول میں فرمایا گیا، دوسو مہاجرین کرام آپ کے ہمرکاب تھے، علمبرداری کا منصب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، مدینہ منورہ میں ایک قول کے مطابق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جبکہ دوسرے قول کے مطابق حضرت صائب بن عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، اس لشکر اسلام کا مقصد بھی قریش کے تجارتی قافلے کو روکنا تھا جس کی قیادت امیہ بن خلف کے ذمے تھی، اس تجارتی قافلے میں آدمیوں کی تعداد ایک سو اور اونٹوں کی تعداد اڑھائی ہزار کے قریب تھی، جب آپ اپنے غازیان صف شکن کو ساتھ لے کر بواط پہنچے تو آگے یہ قافلہ بھی نکل چکا تھا، آپ ربیع الآخر کے آخری اور جمادی الاول کے ابتدائی دن وہاں رہے، پھر واپس آگئے اور لڑائی نہیں ہوئی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۲۹﴾

﴿3﴾

پھر رسول اللہ ﷺ جمادی الآخر میں ایک سو پچاس اور بروایت دیگر دو سو مہاجرین کرام کو لیکر روانہ ہوئے، آپ کا علم جہاد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور مدینہ منورہ پر حضور ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا، ان کے پاس تیس اونٹ تھے جن پر باری باری سوار ہوتے تھے، قریش کے ایک کاروان شام کو پکڑنا مقصود تھا کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ قافلہ قریش کا بہت سا سامان لے کر مکہ سے روانہ ہو گیا ہے، آپ ینبع کی جانب مقام عشیرہ[1] پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ چند دن پہلے گزر چکا ہے، یہ وہی قافلہ تھا جس

---

[1] عشیرہ کو ذوالعشیرہ بھی کہا جاتا ہے، یہ ینبع اور ذوالمروہ کے درمیان ایک قلعہ نما قصبہ ہے، یہاں کھجوروں کے بہت خوبصورت باغات ہیں، یہاں کا پھل خیبر اور مدینہ منورہ کی برنی اور عجوہ کھجوروں کے علاوہ نہایت رغبت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

کی شام سے واپسی پر آپ نے حملے کا ارادہ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا، اس تجارتی قافلے میں تمام اہل مکہ نے بڑھ چڑھ کر سرمایہ کاری کی تھی حتیٰ کہ جس قریشی مرد یا عورت کے پاس مثقال کے برابر بھی سونا تھا اس نے تجارت کیلئے خرچ کر دیا، ﴿سیرت حلبیہ: ۵۱۳/۱﴾ اس قافلے کی سرداری ابوسفیان کے پاس تھی، چونکہ کفار مکہ مدینہ منورہ کی سالمیت کو برباد کرنے کیلئے وسیع پیمانے پر تیاریاں کر رہے تھے، لہذا اس قافلے کا یہ مقصد تھا کہ ان تیاریوں پر آنے والے اخراجات کو اس کی آمدنی سے پورا کیا جائے گا، مورخین کے نزدیک پچاس ہزار سنہری اشرفیوں کی حیرت انگیز سرمایہ کاری اس قوم کی اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیا حضور پیغمبر نور ﷺ اہل اسلام کی سالمیت پر حملہ آور ہونے والی اس عسکری اور معاشی قوت کو نظر انداز کر دیتے، آپ نے جمادی الاخر کے کچھ دن وہاں گزارے اس دوران آپ نے ایک اور سیاسی اور عسکری نوعیت کا کارنامہ سرانجام دیا، عشیرہ کے مقام پر بنو مدلج قبیلے کے لوگ آباد تھے اور بنو ضمرہ کے حلیف تھے، آپ نے ان کے ساتھ بھی بنو ضمرہ کی طرز پر معاہدہ فرمایا تاکہ قریش مکہ کو انکی حمایت اور اعانت سے محروم کر دیا جائے، ان دونوں عظیم قبیلوں کی دوستی کی وجہ سے اہل اسلام کی حالت اس علاقے میں بہت مستحکم ہو گئی جو شاہراہ کے قرب و جوار میں رہائش پذیر تھے، اگر یہ قبیلے قریش مکہ کی حمایت کا اعلان کرتے اور اپنی نگرانی میں تجارتی قافلوں کو گزرنے دیتے تو بہت سی مشکلات جنم لے سکتی تھیں، جن میں ایک مشکل تو یہ ہوتی کہ تجارتی سفر کامیابی سے جاری رہتے اور ان کی تمام تر آمدنی اہل اسلام کے خلاف ہتھیاروں اور افرادی قوتوں پر صرف کی جاتی کیونکہ کفار مکہ کی جان مال اور اولاد کا ایک ہی مقصد تھا کہ عزیٰ اور لات کی صدیوں پرانی ساکھ کو بحال کیا جائے اور توحید و رسالت کے پیغام نور کو عرب کے سنگلاخ صحراؤں میں دفن کر دیا جائے، اس غزوہ پر روانگی کے وقت جب آپ بطحا ابن الازہر کے مقام پر پہنچے تو ایک درخت کے نیچے نماز ادا فرمائی، وہاں مسجد تعمیر کر دی گئی اور اسی مقام پر آپ کیلئے کھانا بھی تیار کیا گیا، جس چولہے پر کھانا تیار کیا گیا تھا اس کے پتھر جوں کے توں رہے اور صدیوں بعد بھی لوگ ان کی زیارت کرتے رہے، اس غزوہ میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ''ابوتراب'' کی شہرہ آفاق کنیت سے سرفراز فرمایا، یہ واقعہ کچھ اس

طرح ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غزوہ عشیرہ میں کھجور کے ایک درخت کی جڑ میں سو رہے تھے، وہ زمین ریتلی تھی اور ہم گرد آلود ہوگئے تھے، پھر حضور پیغمبر نور ﷺ ہمارے سرہانے تشریف لائے اور ہمیں جگایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''یا ابا تراب'' اے مٹی کے باپ، اس کے بعد فرمایا: اے علی! کیا میں تمہیں اسکی خبر نہ دوں کہ تمام لوگوں میں بد بخت کون ہے، عرض کیا، یارسول اللہ! ضرور خبر دیجئے، آپ نے فرمایا: تمام لوگوں میں دو شخص سب سے زیادہ بد بخت ہیں، ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور دوسرا وہ جو تمہارے محاسن ﴿یعنی داڑھی﴾ کو گلگوں کرے گا اور خون سے رنگے گا، آپ یہ فرماتے جاتے اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر اور چہرے سے گرد و غبار جھاڑتے جاتے تھے، اس سے زیادہ معروف روایت وہ ہے جسے امام مسلم نے بیان کیا ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو پوچھا: تمہارے ابن عم علی المرتضیٰ کہاں ہیں، انہوں نے عرض کیا، میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہوگئی ہے اور وہ غصے کے عالم میں باہر چلے گئے ہیں، انہوں نے میرے پاس قیلولہ نہیں کیا، بعد ازاں حضور اکرم ﷺ نے کسی سے فرمایا کہ دیکھو، وہ کہاں ہیں، اس شخص نے آکر بتایا کہ وہ مسجد میں آرام فرما ہیں، حضور اکرم ﷺ ان کے سرہانے تشریف لائے اور ان کو پہلو پر ہوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا، ان کے پہلو پر نشانات پڑے ہوئے تھے اور بدن شریف خاک آلود ہوگیا تھا، اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''قم ابا تراب'' ابوتراب اٹھو، اس روز سے ان کی کنیت ابوتراب ہوگئی، اور وہ حضور اکرم ﷺ کی رکھی ہوئی یہ کنیت اپنی اصل کنیت ابوالحسن کے مقابلے میں بہت محبوب اور گرامی تر جانتے تھے، ان کے مخالفین و معاندین اس کنیت کو بغرض تحقیر بولتے تھے حالانکہ اس میں ان کی کمال تعظیم و تکریم ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۱۳۶/۲﴾

﴿4﴾

امام ابن اسحاق کے مطابق ابھی رسول اللہ ﷺ غزوہ عشیرہ سے واپس آنے کے بعد مدینہ منورہ میں دس رات بھی نہیں ٹھہرے تھے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں پر حملہ کر دیا، یہ جانور الجما نامی چراگاہ میں چر رہے تھے، کفار مکہ نے

اپنی دھمکیوں پر عمل کرتے ہوئے کرز بن جابر فہری کو ڈاکوؤں کی ایک جماعت کے ساتھ اس مقصد کیلئے روانہ کیا تھا، ان ڈاکوؤں نے چراگاہ کے کچھ درخت بھی کاٹ دیئے اور بے گناہ چرواہے کو اپنی بربریت کا نشانہ بناتے ہوئے قتل کر دیا اور ان جانوروں کو ہانک کر لے گئے، رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرما کر انکی تلاش میں نکلے اور بدر کی طرف وادی صفوان تک جا پہنچے، اس غزوہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پرچم جہاد عطا فرمایا گیا، اس غزوہ میں بھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی کیونکہ ڈاکو اپنے ساتھیوں سمیت دور نکل گیا تھا، آپ اپنے مجاہدین اسلام کو لے کر واپس آ گئے، وادی صفوان بدر کے قریب واقع ہے اس لئے بعض مورخین نے اس غزوہ کو "غزوہ بدر اولیٰ" کے نام سے یاد کیا ہے، یاد رکھنا چاہئے کہ غزوہ صفوان اور غزوہ بدر اولیٰ ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں، امام ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ، غزوہ عشیرہ سے پہلے ماہ ربیع الاول کی دس تاریخ کو وقوع پذیر ہوا تھا۔

﴿5﴾

ان غزوات کے بعد رسول اللہ ﷺ تین مہینے جمادی الاخر، رجب اور شعبان مدینہ منورہ میں رہے اور ہجرت کے سولہویں مہینے رجب المرجب میں آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بارہ مہاجرین کرام کے ایک سریہ پر امیر مقرر کر کے قریش مکہ کے ایک قافلے کی تلاش میں مقام نخلہ کی طرف بھیجا، اس سریہ میں چھ اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر دو دو آدمی باری باری سوار ہوتے تھے، یہ قافلہ کی تلاش میں بطن نخلہ تک پہنچے، اسی سریہ میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو "امیر المومنین" کہا گیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک ملفوف مکتوب دے کر حکم دیا تھا کہ اس کو دو دن سفر کرنے کے بعد کھولنا اور اس میں درج شدہ ہدایات پر عمل کرنا، دو دن کے بعد جب انہوں نے یہ مکتوب کھولا تو اس میں درج تھا، میرا یہ مکتوب پڑھ کر سفر جاری رکھو، مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں قریش کے قافلے کی دیکھ بھال کرو اور اس کے پورے حالات معلوم کر کے ہمیں اطلاع دو، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر "سمعاً و طاعة" کہا اور اپنے رفقا کو اس کی خبر دی، نیز کہا کہ وہ ان کو مجبور نہیں کرتے جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ چلے اور جو موت سے ڈرتا ہے وہ واپس چلا جائے لیکن سب اپنے سفر پر روانہ ہو گئے، راستے میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ گم ہو گیا اور وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آگے چلے گئے اور مقام نخلہ میں پہنچ کر قیام کیا، قریش کا قافلہ بھی منقہ، چمڑہ اور تجارت کے دوسرے سامان سے لدا ہوا وہاں پہنچ گیا، اس قافلے میں عمرو بن حضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دونوں بیٹے عثمان اور نوفل اور بنو مغیرہ کے غلام حکم بن کیسان قافلہ سالار تھے، مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج حرام مہینے رجب المرجب کا آخری دن ہے، اگر لڑتے ہیں تو مہینے کی حرمت ٹوٹتی ہے اور لڑتے نہیں تو وہ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے، آخر انہوں نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ کسی آدمی نے عمرو بن حضرمی پر تیر پھینکا اور اسکو قتل کر دیا، عثمان اور حکم کو قیدی بنالیا جبکہ نوفل بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ یہ دو قیدی اور تجارتی قافلہ لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، جو غنیمت ہم نے حاصل کیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کا حصہ خمس ہے، اسلام میں یہ پہلا خمس، پہلا مقتول اور پہلا ہی قیدی تھا، جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: میں نے تمہیں حرمت والے مہینے میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا، اسلئے آپ نے قافلہ اور دونوں قیدی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس سلسلے میں توقف اختیار کیا، اس پر اہل سریہ بہت نادم ہوئے اور سمجھے کہ وہ حرمت والے مہینے کی حرمت توڑ کر ہلاک ہو گئے ہیں، ان کو دوسرے مسلمانوں نے بھی سخت ملامت کی اور قریش کی سختی اور تشدد کی تو کوئی انتہا نہ رہی، ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر طعن کرنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا کہ انہوں نے حرمت والے مہینے کی حرمت کو توڑا ہے اور اس میں خون ریزی کو حلال جانا ہے، ادھر یہود مدینہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف فالیں نکالنی شروع کر دیں، وہ کہنے لگے "عمرو بن حضرمی قتلہ واقد بن عبداللہ" یعنی عمرو سے لڑائی کا جوان ہونا، حضرمی سے لڑائی کا حاضر ہونا اور واقد سے لڑائی کی آگ جلانا ثابت ہوتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو ان کے حق میں ہونے کی بجائے ان کے خلاف کر دیا ہے، جب اس سلسلے میں لوگوں کی قیل وقال حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:

⊙...... یسئلونک عن الشهر الحرام.......... یعنی آپ سے شہر حرام میں

لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے، اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے
لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام کی بے
حرمتی کرنا اور اس سے اس کے رہنے والوں کو نکالنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور
فتنہ برپا کرنا قتل سے سخت برا ہے۔ ﴿سورۃ البقرہ: ۲۱۷﴾

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جس امر کا تم نے مسلمانوں پر انکار کیا ہے اگرچہ بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا، اس کے راستے سے روکنا، مسجد حرام سے اس کے رہنے والوں کو نکالنا، شرک کرنا اور ملک میں فتنہ وفساد برپا کرنا جس کا تم ارتکاب کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے سے بڑھ کر سنگین جرم ہے، اکثر سلف صالحین نے یہاں فتنہ کا معنی شرک کیا ہے لیکن اسلام لانے پر مسلمانوں کو عذاب میں مبتلا کرنا اور ان کو مار پیٹ کر دین سے برگشتہ کرنا بھی اس کا معنٰی اور تفسیر ہے، غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان عدل وانصاف کی بات کی ہے، اس نے اپنے دوستوں کو حرمت والے مہینے میں لڑائی کے جرم سے بری نہیں کیا بلکہ کہا ہے کہ انہوں نے بڑا گناہ کیا ہے لیکن جن گناہوں کا ارتکاب اس کے دشمن مشرک کرتے ہیں وہ کہیں زیادہ سنگین اور بدرجہا بڑے ہیں، اس لئے مذمت اور سزا کے زیادہ مستحق ہیں، امام ابن اسحاق لکھتے ہیں، جب قرآن حکیم میں یہ آیت اتری تو مسلمانوں کا غم دور ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے تجارتی قافلہ اور دونوں قیدی وصول کر لئے، قریش نے دونوں قیدیوں کا فدیہ ادا کیا، حکم بن کیسان نے اسلام قبول کیا اور مخلص مسلمان ثابت ہوئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے اور واقعہ بئر معونہ میں جام شہادت نوش کیا لیکن عثمان بن عبداللہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور وہیں حالت کفر میں مرا، جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا غم واندیشہ دور ہو گیا تو وہ جہاد کے ثواب کے طلبگار ہوئے اور کہنے لگے، یارسول اللہ! کیا ہمیں اس غزوہ میں مجاہدین کا ثواب ملے گا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

⊙...... ان الذین امنوا والذین هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله اولئک یرجون رحمة الله، بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے

اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت اور جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں، ﴿سورۃ البقرہ:۲۱۸﴾

اس واقعہ کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے ؎

تعدون قتلا فی الحرام عظیمة	واعظم منه لویری ذاک راشد
صدود کم عما یقول محمد	وکفربه والله راء وشاهد
واخراجکم من مسجد الله اهله	لئلا یری لله فی البیت ساجد
فانا وان عیر لتمونا بقتله	وارجف بالاسلام باغ وحاسد
سقینا من ابن الحضرمی رماحنا	بنخلة لما اوقد الحرب واقد
دماً وابن عبد الله عثمان بیننا	ینا زعه غل من القدعاند

تم لوگ ماہ حرام کے قتل کو بڑا گناہ شمار کررہے ہو حالانکہ اگر سیدھی راہ پر چلنے والا سیدھی راہ کو دیکھے تو اس سے بڑے گناہ تو یہ معلوم ہوتے ہیں، یعنی تمہارا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے فرمان سے رک جانا، اس کے ساتھ کفر کرنا جب کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مسجد سے اس کے باسیوں کو نکال دینا تاکہ اس کے گھر میں اس کو سجدہ کرنے والا کوئی نہ رہے، اس سے بڑھ کر عظیم جرم ہے، اگرچہ تم اس کے قتل پر ہمیں عار دلاتے ہو اور حاسد اور باغی بھی اسلام کے خلاف خوب پراپیگنڈہ کرتے ہیں، ہم نے بھی مقام نخلہ میں جب واقد نے لڑائی کی آگ روشن کی، ابن حضرمی کے خون سے اپنے نیزوں کو سیراب کیا اور عثمان بن عبداللہ کو بحالت قید ہمارے درمیان چمڑے کے مضبوط طوق کھینچتے رہے، ﴿سیرت ابن ہشام:۱۱۶/۲، ۱۱۷، مختصر سیرۃ الرسول:۳۳۱﴾

تحویل قبلہ کا عالی شان واقعہ:

ہجرت مدینہ کے اٹھارویں مہینے شعبان المعظم کی ابتدا میں تحویل قبلہ کا عالیشان واقعہ پیش آیا، یہ امام ابن اسحاق، امام طبری اور امام ابن اثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے، بعض علما کا قول ہے کہ سولہ ماہ بعد اور بعض علما کا قول ہے کہ سترہ ماہ بعد نیز امام بخاری کی روایت

میں نماز عصر کے وقت اور امام نسائی کی روایت میں نماز ظہر کے وقت پیش آیا، حضور اقدس ﷺ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، مدینہ منورہ میں حکم ہوا کہ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنالیں چنانچہ کچھ عرصہ آپ اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، کچھ علما کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ میں بھی آپ ﷺ کا قبلہ بیت المقدس تھا لیکن آپ ﷺ نماز میں اس طرح رخ فرماتے تھے کہ کعبہ مشرفہ درمیان میں ہوتا اور قبلہ بیت المقدس ہوتا، آپ ﷺ اسی حال پر قائم رہے یہاں تک کہ ہجرت واقع ہوئی، نیز آپ ﷺ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ آپ کا قبلہ کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا جائے، ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ یہودیوں کے قبلے سے منہ پھیر لوں، انہوں نے عرض کی، میں تو حکم کا بندہ ہوں، اپنے آپ کچھ نہیں کرسکتا، آپ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے، اس کے بعد آپ کا معمول ہوگیا کہ آپ اس انتظار میں اکثر آسمان کی طرف اپنا منہ اٹھاتے رہے، چنانچہ ایک دن بنوسلمہ کی مسجد میں نماز ظہر ادا فرمارہے تھے کہ حالت نماز ہی میں وحی نازل ہوئی اور آپ نے بیت المقدس سے مڑکر خانہ کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کرلیا اور تمام مقتدیوں نے بھی آپ کی پیروی کی، اس مسجد کو مسجد قبلتین کہتے ہیں اور آج بھی یہ تاریخی مسجد زیارت گاہ خواص وعوام ہے جو شہر مدینہ سے تقریباً دو کلومیٹر دور جانب شمال مغرب واقع ہے، تحویل قبلہ کے متعلق یہ آیت مبارک نازل ہوئی:

⊙ ......قدنریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃً ترضھا فول وجھک شطر المسجد الحرام...... یعنی اے محبوب! ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا دیکھتے ہیں، سو ہم ضرور تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں تمہاری رضا ہے تو ابھی تم پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف، ﴿سورۃ البقرہ:۱۴۴﴾

صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور آپ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو، چنانچہ آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف عصر کی نماز پڑھی، ایک آدمی جس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی ایک مسجد کے قریب سے گزرا، وہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے، اس

نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، وہ یہ سن کر اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے، تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانے میں بہت سے آدمی فوت ہو چکے تھے، صحابہ کرام نے کہا، معلوم نہیں، ہم ان کے متعلق کیا کہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، وما کان اللہ لیضیع ایمانکم، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان ضائع نہیں کرے گا، نماز ظہر اور نماز عصر میں تحویل قبلہ کے تعارض کا یہ حل ہے کہ ہوسکتا ہے حکم نماز ظہر کے دوران موصول ہوا ہو اور بتمام وکمال جو نماز کعبہ مشرفہ کی طرف پڑھی وہ نماز عصر تھی جیسا کہ روضۃ الاحباب میں منقول ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۱۳۶﴾ آیت میں مذکور لفظ ایمان سے مراد نماز ہے کیونکہ یہ ایمان کے اعمال میں اقوی اور اعظم ہے، ﴿ایضاً﴾ صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ایک دفعہ لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: آج رات حضور نبی محتشم ﷺ پر قرآن اترا ہے اور آپ کو کعبہ مشرفہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے تم بھی اس کی طرف منہ کرلو، پہلے ان کے منہ شام کی طرف تھے، یہ سن کر انہوں نے اپنے منہ کعبہ مشرفہ کی طرف پھیر لئے، بعض علما نے کہا ہے کہ ناسخ پر عمل کرنا معلوم ہونے کے بعد واجب ہے خواہ اس کا نزول پہلے ہی ہو چکا ہو کیونکہ ان کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، صاحب الہدیٰ کہتے ہیں، پہلے بیت القدس کو قبلہ مقرر کرنے اور پھر اس کو کعبہ مشرفہ کی طرف پھیرنے میں عظیم حکمتیں پوشیدہ ہیں اور مسلمانوں، مشرکوں، اہل کتاب اور منافقوں کا امتحان ہے، مسلمانوں نے یہ تو حکم سن کر ''سمعنا واطعنا'' کہا اور کہا کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں کہ دونوں حکم ہی ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس لئے ان پر قبلہ کا بدلنا گراں نہیں گزرا، مشرکوں نے کہا، جس طرح یہ ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آیا ہے، تھوڑے دنوں تک ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ آئے گا، یہودیوں نے کہا، اس نے انبیا کرام کے قبلے کی مخالفت کی ہے، منافقوں نے کہا، محمد مصطفےٰ ﷺ کو تو اتنا بھی پتا نہیں کہ کدھر منہ کرے، اگر پہلا قبلہ برحق تھا تو اس نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور اگر دوسرا برحق ہے تو پہلے باطل پر تھا، غرض بیوقوفوں نے اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر باتیں کیں اور یہ قبلہ ان کے

حق میں اسی طرح ثابت ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

⊙...... وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین ھدی اللہ ، یعنی ہدایت یافتہ لوگوں کے علاوہ تحویل قبلہ سب پر شاق ہے، ﴿سورۃ البقرہ:۱۴۳﴾

دراصل تحویل قبلہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا امتحان لیا ہے رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کون کرتا ہے اور اس سے انکار کون کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بیوقوفوں کو جواب دیا:

⊙......قل للہ المشرق والمغرب یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ، آپ فرما دیجئے کہ مشرق اور مغرب اللہ کا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے، ﴿سورۃ البقرہ:۱۴۲﴾

یعنی حکم اور تصرف سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ جدھر ہمارا منہ کر دے گا، ہم اپنا منہ اُدھر ہی کر لیں گے اگر چہ وہ ہمیں ہر روز کئی مرتبہ مختلف جہتوں کی طرف پھیر دے کیونکہ ہم اس کے بندے اور خادم ہیں اور اس تصرف کے تحت ہیں اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھاتا ہے، اس نے ان کو اس قبلہ کی ہدایت کی ہے کہ یہ ان کا قبلہ ہے اور یہی اس کو ماننے والے ہیں کیونکہ یہ سب سے افضل امت ہے اور یہ سب قبلوں سے افضل قبلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے افضل قبلہ افضل امت کیلئے اختیار کیا ہے، جس طرح ان کیلئے افضل رسول اور افضل کتاب پسند فرمائی ہے، ان کو بہتر زمانے میں پیدا کیا ہے اور ان کو سب شریعتوں سے افضل شریعت کے ساتھ خاص کیا ہے، ان کو بہترین اخلاق عطا فرمائے ہیں، بہترین زمین میں آباد کیا ہے اور جنت میں ان کیلئے بہترین گھر بنائے ہیں، جنت میں ان کے ٹھہرنے کی جگہ سب سے بہتر جگہ ہے، یہ اونچے اور بلند ٹیلے پر ہوں گے اور دوسرے لوگ ان سے نیچے ہوں گے، پس وہ ذات پاک ہے جو اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے خاص کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے، حضرت امام احمد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: یہودی ہم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا جمعۃ المبارک پر حسد کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی

ہدایت کی ہے اور یہ اس سے گمراہ ہوئے ہیں اور اسی طرح جتنا حسد قبلہ پر کرتے ہیں اور کسی چیز پر نہیں کرتے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی ہے اور وہ گمراہ ہوئے ہیں، امام کے پیچھے آمین کہنے پر بھی وہ ہم سے حسد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے، اس نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ رہے لیکن ظالم اور باغی لوگ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا اور رسولوں کا معارضہ اسی قسم کی باطل دلیلوں سے کیا جاتا ہے، مزید بتایا ہے تا کہ ان پر اپنی نعمت کی تکمیل کرے اور ان کو سیدھی راہ دکھائے، پھر اس نے ان کو اپنی یہ نعمت یاد کرائی کہ ان کی طرف اپنا رسول بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی تا کہ ان کو پاک کرے، کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو ان باتوں سے آگاہ کرے جو وہ نہیں جانتے، پھر اس نے ان کو اپنے ذکر اور شکر کا حکم دیا ہے اور ان کو بتایا ہے کہ یہ چیز ان کو صبر اور نماز کے ساتھ حاصل ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۳۳﴾

تحویل قبلہ میں ایک یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور پیغمبر نور ﷺ کی رضا بہت محبوب ہے، ''ترضھا'' کے مبارک الفاظ میں اس بات کی روشن دلیل ہے ۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

یہ واقعہ اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان بھی امتیاز کا باعث ہوا، منافقین مدینہ جو نمائشی مسلمان بن کر نماز پڑھا کرتے تھے، وہ قبلہ کے بدلتے ہی بدل گئے اور اسلام سے منحرف ہو گئے، اس طرح ظاہر ہو گیا کہ کون صادق الایمان ہے اور کون منافق ہے، تحویل قبلہ پر یہودیوں نے ایک یہ بھی اعتراض کیا، حضور اقدس ﷺ اپنے آبائی شہر کے مشتاق ہو گئے ہیں اور اس عمل سے آپ اپنی قوم کو خوش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت رہتے تو ہم امید کرتے کہ آپ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کا ہم انتظار کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

⊙...... وان الذین او تو الکتاب لیعلمون انه الحق من ربهم اور جن لوگوں کو

کتاب دی گئی وہ ضرور جانتے ہیں کہ وہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔
یعنی وہ اپنے انبیا کرام کی کتابوں کے ذریعے یہ خبر رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبہ مشرفہ کی طرف متوجہ فرمائے گا، ﴿ملخصاً مواہب لدنیہ: ۲۳۶/۱﴾ اور اب وہ خواہ مخواہ اس حقیقت سے انحراف کر رہے ہیں، جب تحویل قبلہ ہوئی تو مسجد نبوی شریف اور مسجد قبا شریف کی دوبارہ تعمیر ہوئی، حضور اکرم ﷺ بنفس نفیس اور صحابہ کرام پتھر اٹھاتے تھے، ﴿مدارج النبوۃ: ۱۲۷/۲﴾

فرضیت رمضان المبارک:

امام ابن سعد اور امام واقدی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضور پیغمبر نور، شافع یوم النشور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے اٹھارہ ماہ بعد شعبان المعظم میں بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی طرف قبلہ کی تبدیلی واقع ہوئی اور اس کے ایک مہینہ بعد رمضان المبارک فرض ہوا اور عید سے دو دن پہلے صدقہ فطر واجب ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے، آزاد، غلام، مرد اور عورت کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو یا ایک صاع منقہ صدقۂ فطر ادا کیا جائے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے مرد اور عورت، آزاد اور غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقۂ فطر مقرر کیا تھا پھر لوگوں نے ایک صاع کے بدلے گندم کا نصف صاع دینا شروع کر دیا، امام دمیاطی فرماتے ہیں کہ یہ مال کی زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی اسی سال فرض ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ زکوٰۃ ہجرت سے پہلے فرض ہوئی تھی، حضرت امام احمد نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے دیا تھا، رمضان المبارک کا روزہ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے، ارشاد خداوندی ہے: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تا کہ تم متقی بن جاؤ، حضور اکرم، نبی محتشم ﷺ نے فرمایا: جب رمضان المبارک دنیا میں داخل ہوتا ہے، آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں

میں جھکڑ دیا جاتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، ﴿بخاری و مسلم﴾ ایک اور حدیث مبارک میں فرمایا: جو آدمی رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھتا ہے تو اس کے سابقہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے، ﴿بخاری و مسلم﴾ یہ ماہ انعام ہے، ماہ اکرام ہے، ماہ رحمت ورافت ہے، ماہ بخشش و مغفرت ہے، ماہ عظیم ہے، ماہ مبارک ہے، اس میں ایک رات ایسی بھی ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، یہ ماہ مواسات ہے، ماہ صبر ہے، اس میں ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ پھر تمام عمر اس مہینے کا خاص اہتمام فرماتے رہے اور غلامان صفا کیش کو بھی اس کا التزام کرنے کی تلقین فرماتے رہے۔

خاتون جنت کا نکاح مبارک:

سال دوم کے اہم واقعات میں ایک واقعہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح مبارک بھی ہے، ان کا نکاح مبارک حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ماہ رمضان المبارک میں ہوا اور اسکی بنا ماہ ذوالحجہ میں ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ ماہ رجب المرجب میں اور بعض کے نزدیک ماہ صفر المظفر میں نکاح ہوا، جامع الاصول میں ہے کہ غزوہ احد کے بعد نکاح ہوا، امام ابن حجر نے رقم کیا ہے کہ نکاح ماہ رجب ایک ہجری میں ہوا اور رخصتی غزوہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ہوئی، ﴿الاصابہ: ۳۶۶/۴﴾ نکاح مبارک کے وقت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک سولہ سال اور بعض کے مطابق اٹھارہ سال تھی، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اکیس سال پانچ ماہ تھی، روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا مگر حضور اقدس ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا کہ میں اس معاملے میں وحی الٰہی کا انتظار کر رہا ہوں، مشکوۃ شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ وہ ابھی خورد سال ہیں، پھر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی، روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے ہیں، آپ نکاح زہرا کیلئے پیغام بھیجئے تو انہوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو جواب دے دیا تو میرا پیغام کیوں قبول فرمائیں گے، مجھے اس بارے میں شرم بھی محسوس

ہوتی ہے، صحابہ کرام نے اصرار کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سلام نیاز عرض کیا، حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ نے فرمایا: اے ابن ابی طالب! کیا بات ہے، کیسے آنا ہوا، انہوں نے عرض کیا کہ میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا خواستگار ہوں، آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: مرحباً و اھلاً، اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کچھ بھی عرض نہ کیا، بالکل خاموش رخ والضحیٰ کی زیارت کرتے رہے، آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا: لعلک جئت تخطب فاطمۃ، لگتا ہے کہ تم فاطمہ کے رشتے کیلئے آئے ہو، انہوں نے عرض کیا، ہاں یارسول اللہ، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کیلئے کچھ ہے، عرض کیا، اللہ کی قسم کچھ نہیں ہے، فرمایا جو میں نے تمہیں زرہ پہنائی تھی، وہی بطور مہر ادا کردو، پھر آپ کا نکاح پڑھا گیا اور رخصتی بعد میں ہوئی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں اس وقت حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا، آپ پر نزول وحی الٰہی کی کیفیت طاری ہوئی اور آپ اس میں مستغرق ہو گئے، بعد ازاں آپ نے فرمایا: اے انس! اللہ رب العرش کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے یہ پیغام حق دیا کہ فاطمہ کا نکاح علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردیا جائے، اب تم فوراً جاؤ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور جماعت انصار کو بلا لاؤ، جب تمام حضرات حاضر خدمت ہو گئے تو آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نکاح کی ترغیب دی، اس کے بعد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار سو مثقال چاندی حق مہر کے عوض نکاح پڑھا دیا، آپ نے فرمایا: اے علی! تم قبول کرتے ہوئے اور راضی ہو، انہوں نے عرض کیا، میں قبول کرتا ہوں اور راضی ہوں، پر آپ نے کھجوروں کا ایک طباق لیا اور جماعت صحابہ پر بکھیر کر لٹایا، اسی بنا پھر فقہا کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عقد نکاح کی ضیافت میں شکر و بادام وغیرہ کا بکھیر کر لٹانا مستحب ہے، مواہب لدنیہ میں مندرجہ ذیل خطبہ نکاح مرقوم ہے:

الحمد لله المحمود بنعمته المبعود بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه و سطوته النافذامره فى سماء ه وارضه الذى خلق الخلق بقدرته و مينرهم باحكامه واعزهم بدينه واكرمهم بنبيه محمد

صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تبارک اسمہ و تعالیٰ عظمۃ جعل المصاھرۃ سباً لا حقاً وامراً مفترضاً وشبح بہ الارحام واکرم الا نام فقال عزمن قال وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً وصھراً وکان ربک قدیراً، فامر اللہ تعالیٰ یجری الیٰ وقضائہ وقضاء یجری الیٰ قدرۃ ولکل قضاءِ قدر ولکل قدرا جل ولکل اجلِ کتاب یمحو االلہ ما یشاء ویثبت عندہ ام الکتاب ثم ان اللہ امرلی ان ازوج فاطمۃ من علی ابن ابی طالب:

اہل تشیع کے امام علامہ علی بن عیسیٰ اربلی نے بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح مبارک کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، ان کے مطابق یہ داستان وفا کچھ اس طرح ہے کہ ایک روز حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم مسجد نبوی شریف میں موجود تھے، ان کے درمیان حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے رشتے کی بات ہونے لگی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بڑے بڑے سرداروں نے ان کے رشتے کی درخواست کی ہے مگر حضور اقدس ﷺ نے یہی فرمایا ہے کہ جیسے اللہ چاہے گا ویسے ہوگا، ہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابھی تک درخواست نہیں کی، شاید وہ اپنی مالی حالت کی وجہ سے درخواست نہ کر سکیں، میرا خیال ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس رشتے کو ان کیلئے ہی روکا ہوا ہے، چلو چل کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بات کریں اور پوچھیں کہ اگر آپ غربت وعسرت کی وجہ سے خاموش ہیں تو ہم آپ کی مدد کرنے کیلئے تیار ہیں، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس خواہش پر وہ سب لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکل پڑے، ان کی رہائش گاہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ تو ایک انصاری کے باغ کو سیراب کرنے کیلئے گئے ہوئے ہیں، جب وہاں ملاقات ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدعا بیان کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا، آپ حضور اقدس ﷺ سے درخواست تو کریں، ان کی چشمان مبارک سے آنسو گرنا شروع ہو گئے، انہوں نے گلوگیر ہو کر فرمایا، میرا دل بھی بہت زیادہ چاہتا ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو لیکن کیا کروں، تہی دامن ہوں، عرض مدعا کی جرأت نہیں ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا، آپ پرواہ نہ کریں، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک دنیاوی مال

و دولت کی کوئی حیثیت نہیں، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر نہایت حیا آمیز لہجے میں درخواست کی تو حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے چمکنے لگا، آپ نے مہر کے متعلق سوال کیا تو عرض گزار ہوئے، میرے والدین آپ پر قربان ہوں، میری کوئی حالت آپ سے پوشیدہ نہیں ہے، میرے پاس ایک تلوار، ایک زرہ اور ایک اونٹنی ہے، آپ نے فرمایا، تلوار تمہاری ضرورت ہے اور اونٹنی روزی کا ذریعہ ہے، میں زرہ کے بدلے تمہارا نکاح اپنی شہزادی کے ساتھ پڑھا دیتا ہوں، یہ دل افروز خبر سن کر وہ باہر آئے اور اپنے یارانِ گرامی کو بھی بشارت سنائی، وہ سب حضرات بھی بہت زیادہ خوش ہوئے، پھر آپ نے انصار اور مہاجرین کو جمع فرما کر نکاح مبارک کا انعقاد فرمایا، یہ بھی مرقوم ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ حضور اقدس ﷺ کے فرمان کے مطابق فروخت کر دی، اسکی قیمت چار سو درہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ادا فرمائی اور بعدہٗ فرمایا کہ یہ زرہ مجھ سے بطور تحفہ قبول فرمالیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ رقم اور زرہ بارگاہ نبوت میں پیش کر دی تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ حسن سلوک دیکھ کر ان کے حق میں خیریت و برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ضروری اشیا خریدنے کیلئے بازار بھیجا، حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہما کو بھی ان کے ساتھ روانہ فرمایا تاکہ وہ سامان اٹھا کر لے آئیں، سامان جہیز کی ترتیب و تزئین میں حضرت سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اہم کردار ادا کیا۔

علامہ اربلی کی یہ روایت واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ ان قدسی صفات ہستیوں کے نکاح مبارک میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے نہایت مخلصانہ کردار ادا کیا، نیز معلوم ہوا کہ حضرت نبی المصطفٰے ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی ان حضرات پر بہت زیادہ اعتماد تھا اور وہ قرآن پاک کے فرمان کے مطابق رحماء بینھم کی عملی تفسیر تھے، حضور اقدس ﷺ نے اپنی شہزادی کونین رضی اللہ عنہا کو یہ سامان جہیز عطا فرمایا، بان کی چٹائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کی بجائے کھجور کے پتے تھے،، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے، (سیرت النبی از شبلی: ۲۶۸/۱) شیخ محقق نے لکھا ہے، دو چادریں، دو کتان کی نہالی، چار

بالشت کپڑا، دو چاندی کے بازو بند، گدا، تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور کچھ مشروبات۔ ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۳۰﴾

جب حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے کاشانہ محبت میں رونق انداز ہوئیں تو حضور پیغمبر نور ﷺ وہاں تشریف لائے اور وضو فرما کر پانی دم کیا اور ان دونوں ہستیوں پر چھڑک کر دعا کی:

⊙...... اللھم بارک فیھما وبارک علیھما وبارک لھما فی نسلھما، اے اللہ! ان دونوں میں برکت ڈال دے، ان دونوں پر برکت نازل فرمادے اور ان دونوں کیلئے ان کی اولاد میں بھی برکت جاری فرمادے۔ ﴿الاصابہ:۴/۳۶۶﴾

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمۃ الزہرا ﷺ کے سینہ مقدسہ اور پشت انور پر اپنے لعاب دہن والا آب رحمت مآب چھڑک کر دعا کی: اے اللہ! میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود سے، پھر فرمایا، بسم اللہ والبرکۃ، کہہ کر زندگی کا آغاز کرو، بعض روایات میں مرقوم ہے کہ آپ نے پانی میں اپنا لعاب دہن ملایا اور معوذتین پڑھ کر دعا فرمائی اور ان مقدس ہستیوں کو نوشِ جان کرنے کا حکم دیا، پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے اللہ! یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں ان کا ہوں، اے اللہ! تو نے جس طرح مجھے ہر پلیدی سے دور کر کے پاک بنایا ہے، اس طرح ان دونوں کو بھی پاک بنا، اے اللہ! ان دونوں کے درمیان محبت و الفت کو شامل فرما، ان میں اور ان کی اولاد میں برکت پیدا فرما، ان کی ہر پریشانی کو دور فرما، ان کی قسمت اچھی کر دے، ان سے بکثرت پاک اولاد پیدا فرما۔ ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۲۹﴾

خطیب بغدادی نے یہ روایت بھی رقم کی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اس کاشانہ محبت کی عسرت پر گریہ زن ہوئیں تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر دو شخصوں کو برگزیدہ فرمایا ہے، ایک تمہارا باپ ہے اور دوسرا تمہارا شوہر ہے، امام حاکم نے روایت نقل کی ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو مسلم اول ہے، علم کے اعتبار سے دانا ترین ہے اور تم اس امت کی عورتوں میں سب سے بہترین ہو جس طرح

حضرت مریم علیہا السلام اپنی قوم میں بہترین تھیں، امام طبرانی نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اس شخص سے تمہارا نکاح پڑھایا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور آخرت میں صالحین کی جماعت سے ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۱۳۰/۲﴾ حضور اکرم ﷺ نے امور خانہ داری کو اس طرح مقرر فرمایا کہ گھر کے کام مثلاً روٹی پکانا، جھاڑو دینا، چکی پیسنا وغیرہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا انجام دیں اور باہر کے کام مثلاً اونٹ کو چارہ دینا اور بازار سے سودا وغیرہ خرید کر لانا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کریں، مروی ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خود آگ کے آگے بیٹھ کر روٹی پکاتی، گھر میں جھاڑو دیتی اور چکی پیستی تھیں جس سے ان کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا تھا اور ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے اور ان کے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے، ایک مرتبہ کسی خادمہ کی طلب میں حضور اقدس ﷺ کے پاس پہنچیں تو آپ نے فرمایا، میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں جو خادمہ سے بہتر ہے، جب تم سونے کا ارادہ کرو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صفین کی رات کے سوا کبھی اس ورد کو نہ چھوڑا، ﴿مدارج النبوۃ:۱۳۰/۲﴾ الغرض اہل بیت اطہار کا یہ مقدس گھرانہ اپنی تمام تر برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ سایہ گیسوئے مصطفےٰ میں اقامت پذیر ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس مقدس گھرانے کو حضرت امام حسن مجتبیٰ، حضرت امام حسین، حضرت سیدہ زینب اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہم جیسے گلہائے فردوس برین عطا فرمائے جن کی خوشبوؤں سے کاشانہ نبوت کا ایک ایک گوشہ مہکنے لگا، یہی وہ مقدس گھرانہ ہے جس کی مودت فرض ہے، جس کی مثالی کشتی نوح کی طرح ہے، جو کتاب اللہ کے بعد نور و ہدایت کا عظیم سرچشمہ ہے ؎

بے اجازت جن کے گھر جبریل بھی آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت

﴿غزوہ بدر الکبریٰ﴾

۲ ہجری کا سب سے مشہور واقعہ غزوہ بدر الکبریٰ ہے جس کو حق و باطل کے عظیم معرکے کی حیثیت سے ایک عالمگیر شہرت نصیب ہوئی، اس واقعہ کو قرآن مقدس نے بھی بہت تزک و احتشام کے ساتھ بیان کیا ہے:

⊙...... ولقد نصر كم الله ببدرو انتم اذلة ......اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بدر میں نصرت عطا کی حالانکہ تم کمزور تھے، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ، ﴿سورہ آل عمران:۱۲۳﴾

سورۃ الانفال میں بھی اس واقعہ کو حسن تمام اور شان کمال کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے، بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا، وہ مدینہ منورہ سے تقریباً اسّی میل اور ساحل سمندر سے ایک رات کی مسافت پر واقع ہے، امام شہاب الدین یاقوت حموی لکھتے ہیں، بدر کا لغوی معنیٰ ہے بھرنا، چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے کہ وہ بھرا ہوا اور مکمل ہوتا ہے، یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک وادی ﴿صفرا﴾ میں مشہور کنواں ہے، ایک قول کے مطابق بنوضمرہ کے ایک شخص کے نام پر اس وادی کا نام مشہور ہوگیا، ﴿معجم البلدان:۳۵۷﴾ امام نووی لکھتے ہیں، یہاں پانی کی مشہور جگہ اور ایک بستی تھی، یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھی، ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ بدر ایک شخص کا کنواں تھا، اس شخص کا نام بھی بدر تھا، اسی کے نام پر اس کنوئیں کا نام بدر رکھ دیا گیا، ابویقظان نے کہا ہے کہ بنوغفار کے ایک شخص کا کنواں تھا، غزوہ بدر سترہ رمضان دو ہجری کو جمعۃ المبارک کے دن واقع ہوا، صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہوا کہ وہ سخت گرم دن تھا، ﴿شرح مسلم:۲/۹۳﴾

ابوسفیان کا قافلہ:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی مہم کے بعد حضور پیغمبر نور ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان بن حرب شام سے تجارتی مال لے کر مکہ مکرمہ واپس آرہا ہے، اس کے ساتھ تیس یا چالیس آدمی ہیں اور مال واسباب سے لدے ہوئے ہزاروں اونٹ ہیں، اس قافلے میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص جیسے سرکردہ لوگ بھی شامل ہیں، ایک روایت میں آتا ہے کہ اس قافلے میں حویطب بن عبدالعزیٰ کا مال اور کوئی آدمی نہیں تھا، شاید اس لئے کہ وہ جنگ بدر کا مخالف تھا، امام ابن اسحاق نے مستند حوالوں سے رقم کیا ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ نے اس تجارتی قافلے پر نگاہ رکھنے کیلئے ایک عسکری دستہ روانہ فرمایا مگر آپ کی منشا یہ تھی کہ کوئی ایسا واقعہ رونما نہ ہو پائے جس سے اہل مدینہ کے خلاف قریش مکہ کو بدر جیسی کوئی جنگ چھیڑنے کا موقع مل جائے، آپ کی ہدایت یہ تھی کہ اگر اس طرف سے کوئی

چھیڑ چھاڑ ہو تو پھر مسلمانوں کے اس عسکری دستے کو جوابی کارروائی کی اجازت ہوگی، ابو سفیان نے ایک شخص ضمضم ابن عمرو غفاری کو کچھ اجرت دے کر مکہ مکرمہ روانہ کردیا کہ وہ قریش مکہ کو اطلاع دے کہ ہمیں اہل مدینہ سے مقابلے کا اندیشہ ہے جو حضور پیغمبر نور ﷺ کے حکم سے تجارتی قافلے کی طرف بڑھتے جارہے ہیں، ﴿البدایہ والنہایہ:۳/۲۶۳﴾ پھر وہ خود راستہ تبدیل کر کے قافلے کو سمندر کی جانب لے کر روانہ ہوگیا، ادھر ضمضم ابن عمرو غفاری جب مکہ مکرمہ پہنچا تو دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ کر اور اونٹ کی پشت پر کھڑے ہو کر زور زور سے چلانے لگا کہ اہل مکہ! تمہارا سامان تجارت ابوسفیان کے قافلے میں ہے، مسلمانوں نے قافلے کا راستہ روک کر اس کو لوٹ لینے کا ارادہ کرلیا ہے لہذا تم جلدی کرو اور اپنے سامان تجارت کو بچانے کیلئے دوڑ پڑو، ﴿زرقانی:۱/۴۱۱﴾ الغوث الغوث، فریاد کو پہنچو، فوراً امداد کو پہنچو، ﴿کتاب الوفا:۷۰۴﴾

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ضمضم ابن عمرو غفاری کی آمد سے تین روز قبل حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ تین اشخاص اپنے اونٹوں پر سوار خانہ کعبہ کے عقب میں پہنچے، ایک شخص سامنے سے خانہ کعبہ میں داخل ہوا تو اس کے بعد اس کے بے شمار ساتھی مکہ مکرمہ میں داخل ہوگئے، پھر انہوں نے مکہ مکرمہ کے ہر گھر کو گھیر لیا، ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک شتر سوار کو وادی ابطح میں دیکھا جو پکار رہا تھا، اے دھوکے بازو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف دوڑو، لوگ اس شتر سوار کے اردگرد جمع ہوگئے، پھر وہ مسجد میں داخل ہوگیا، پھر اس کا اونٹ کعبہ مشرفہ کی چھت پر کھڑا دیکھا، وہاں بھی اس نے وہی نعرہ بلند کیا، اس کے بعد اس نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر وہی اعلان کیا، وہاں سے اس نے ایک چٹان شہر مکہ کی طرف لڑھکا دی، وہ اچانک ریزہ ریزہ ہوگئی، مکہ مکرمہ کے ہر گھر میں اس کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا ضرور گرا، حضرت عاتکہ نے یہ خواب اپنے برادر عزیز حضرت عباس بن عبدالمطلب سے بیان کیا، بعد ازاں اس کے چرچے ہر طرف ہونے لگے، پھر قریش کے چند سر برآوردہ لوگوں نے آپس میں صلاح مشورہ بھی کیا کہ حضرت عاتکہ کا یہ خواب سچا ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ اپنے لشکر اسلام کے

ساتھ ضرور مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوں گے، تاہم ابو جہل نے کہا، بنو عبد المطلب خواہ مخواہ اپنی عورتوں کی باتوں کو قریش کے مردوں پر ترجیح دینے لگے ہیں، اس نے یہ بھی کہا کہ کیا اب بنو عبد المطلب کی عورتوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا، قریش مکہ نے حضرت عاتکہ کے خواب کو جھوٹا قرار دے کر یہ بھی کہا کہ وہ عرب میں بنو عبد المطلب کے جھوٹے ہونے کی خبر عام کر دیں گے، حضرت عباس نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ محض الزام ہے لیکن اتنی بڑی خبر انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی، ﴿البدایہ والنہایہ: ۲۶۴/۳﴾

قریش مکہ کا جوش وخروش:

جب مکہ مکرمہ میں یہ واقعات نمودار ہوئے تو وہاں کا امن وامان تباہ ہو گیا، تمام قبائل قریش اپنے گھروں سے نکل پڑے، ابولہب اپنی بیماری یا بہانہ سازی کی وجہ سے تیار نہ ہوا، لیکن اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روانہ کیا، دوسرے کفار میں سے بھی اگر کوئی جنگ میں شریک نہ ہو سکتا تھا تو اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے کو ضرور بھیجا، روسائے قریش عوام کو خوب مشتعل کر رہے تھے، سہیل بن عمرو نے اعلان کیا کہ جس شخص کو دولت اور اسلحے کی ضرورت ہو تو وہ مجھ سے حاصل کر سکتا ہے، عبد اللہ بن ابی ربیعہ نے پانچ سو اور حویطب بن عبد العزیٰ نے تین سو اشرفیاں پیش کیں، طیمہ بن عدی نے بیس اونٹ پیش کئے اور اہل جنگ کے اہل وعیال کے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا، قبیلہ بنو ہاشم کے سرکردہ افراد حضرت عباس، نوفل بن حارث، طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب کو بھی جنگ میں شرکت کرنے کیلئے مجبور کیا، امیہ بن خلف نے جنگ میں نہ جانے کا فیصلہ کیا تو عقبہ بن ابی معیط نے اسے طعنہ دیا کہ تم مرد نہیں، عورت ہو، لہذا بیٹھ کر دھونی رماتے رہو، پھر ابو جہل نے اسے ترغیب دلائی کہ تم علاقے کے سردار ہو، اب لشکر کفر کے ساتھ چلو، بیشک ایک دو روز کے بعد واپس چلے آنا، ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا، دراصل وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دھمکی سے خوفزدہ تھا، روایت ہے کہ امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ، زمعہ بن اسود، عمیر بن وہب اور حکیم بن حزام وغیرہ سردارانِ عرب اپنے بڑے بت ہبل کے پاس فال نکالنے کیلئے جمع ہوئے تو فال کا وہ تیر نکلا جس میں جنگ میں شریک ہونے سے روکا گیا تھا، چنانچہ انہوں نے شریک نہ ہونے کا فیصلہ کیا لیکن ابو جہل بن ہشام کے طعن وتشنیع نے

انہیں شریک ہونے پر مجبور کر دیا، یہ لشکرِ کفر اس کروفر کے ساتھ روانہ ہوا کہ وادی مکہ میں زلزلے کی کیفیت تھی، رقص کرنے والی لونڈیاں دف بجا کر نوجوانوں کا خون گرمانے کیلئے جنگی ترانے گا رہی تھیں، مسلمانوں کی ہجو کر رہی تھیں اور سرداران عرب کے جاہ وجلال کو چمکا رہی تھیں، اللہ کریم نے بھی ان کے تکبر ونخوت کا نقشہ یوں بیان کیا ہے:

⊙...... ولاتکونوا............ اور تم نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے تھے محض لوگوں کے دکھاوے کیلئے اور وہ ﴿لوگوں کو﴾ اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے عملوں کو گھیرے ہوئے ہے، ﴿سورۃ الانفال: ۴۷﴾

لشکر کفار میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے، نیز سب لوگوں کے پاس دوہرے ہتھیار تھے، قریش کے مالدار سردار عباس بن عبدالمطلب، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، باری باری روزانہ دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کی خوراک کا انتظام کرتے تھے، عتبہ بن ربیعہ سارے لشکر کفر کا سالار اعلیٰ تھا، اور صائب بن یزید علمبردار تھا، یہ بعد میں مسلمان ہو گئے اور انہی کی اولاد سے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، قریش مکہ نے مکہ مکرمہ کے آس پاس بسنے والے قبائل کو بھی اپنی امداد کے لیے جمع کیا تھا، صرف عدی بن کعب کے قبیلے نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا، قریش مکہ کہتے تھے کہ کیا حضرت محمد مصطفیٰ اور ان کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ یہ لشکر بھی ابن حضرمی کے قافلے کی طرح تر نوالہ ہے جس کو وہ آسانی کے ساتھ نگل لیں گے۔

ابلیس لعین کی سازش:

قریش مکہ کی تمام جنگی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں، روانگی کے وقت ایک عجیب واقعہ رونما ہوا، ان کو اچانک خیال آیا کہ انہوں نے بنو کنانہ کے ایک بوڑھے آدمی کو قتل کر دیا تھا، پھر بنو کنانہ نے ان کے ایک خوبصورت نوجوان کو قتل کر دیا، کچھ عرصے کے بعد اس مقتول قریشی نوجوان کے بھائی نے بنو کنانہ کے سردار عامر کو قتل کر دیا جو وادی مرالظہر ان سے گزر رہا تھا، پھر اس نے عامر کی تلوار غلاف کعبہ کے ساتھ لٹکا دی، جب صبح ہوئی تو قریش مکہ نے تلوار پہچان لی اور صاحب تلوار کے قاتل کو بھی پہچان لیا، اب

انہیں یہ پریشانی تھی کہ کہیں بنو کنانہ ان کی عدم موجودگی میں مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہو کر ان کے گھر بار نہ لوٹ لیں، ایسے خطرناک حالات میں ان کا بیرونی مہم پر روانہ ہونا حکمت و دانش کے خلاف ہوگا، لہذا یہ مہم ترک کر دی جائے، اس موقعہ پر شیطان سراقہ بن مالک بن جشعم مدلجی کی شکل میں نمودار ہوا اور انہیں یقین دہانی کروائی، میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ بنو کنانہ تمہارے بعد کوئی ایسا کام نہ کریں گے جو تمہیں ناپسند ہو، بنو کنانہ تو تمہاری امداد کیلئے کمربستہ ہیں، تم خواہ مخواہ ان سے پریشان ہو رہے ہو، قرآن پاک نے بھی ابلیس لعین کی اس سازش کا ذکر فرمایا ہے:

⊙...... واذ زین لھم الشیطٰن ....اور یاد کرو جب شیطان نے ان کیلئے ان کے اعمال آراستہ کر دیئے اور کہا کہ آج تم پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا اور میں تمہارا نگہبان ہوں، ﴿سورۃ الانفال:۴۸﴾

اس اطمینان کے بعد وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ چل پڑے، ہر مشرک کلمہ حق کو مٹا دینا چاہتا تھا، یہ لشکر کفر کیا تھا، ایک طوفان بلاخیز تھا جو چراغ ہدایت کو بجھا دینا چاہتا تھا، لشکر کفار کے جوش خروش کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ اپنی دھار اور تلوار لے کر، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے خار کھا کر جوش انتقام سے چور اور جذبہ حمیت و غضب سے مخمور ہو کر نکلے ہیں، ﴿الرحیق المختوم:۲۸۶﴾

ابوسفیان کا مشورہ:

ابوسفیان اپنی ہوشیاری اور چابکدستی کی وجہ سے تمام تجارتی قافلے کو لے کر ساحل سمندر کی طرف نکل گیا تو اس نے ایک قاصد قریش مکہ کی طرف بھیجا کہ ان کا تجارتی قافلہ اب محفوظ ہے لہذا اہل مدینہ پر لشکر کشی کی کوئی ضرورت نہیں، تم لوگ واپس مکہ مکرمہ چلے جاؤ، جب اس کا قاصد پہنچا تو لشکر کفر وادی عسفان اور قدید سے گزر کر جحفہ کے مقام پر خیمہ زن تھا، ابوجہل بن ہشام نے ابوسفیان کا پیغام سن کر نہایت تکبر کے ساتھ جواب دیا:

ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں، ہم وہاں تین روز ٹھہریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، سارے لشکر کو کھانا کھلائیں گے، شراب کے جام نوش کریں گے، ہماری لونڈیاں راگ اور رنگ کی محفل سجائیں

گی، سارا عرب ہمارے لشکر کے متعلق خبر سنے گا اور ہم سے ہمیشہ ہراساں رہے گا، اے لشکریو! آگے بڑھو۔

لشکر کفر میں کئی سرکردہ افراد ایسے بھی تھے جنھوں نے ابوسفیان کے مشورے کو درست سمجھا اور ابوجہل کی مخالفت کی، بنوزہرہ کے حلیف اخنس بن شریق ثقفی نے بنوزہرہ سے کہا کہ تمہارے مال بھی محفوظ ہیں اور تمہارا آدمی مخرمہ بن نوفل بھی صحیح سلامت واپس آچکا ہے لہذا میری رائے ہے کہ تم واپس چلے جاؤ، اگر کوئی تمہیں بزدل کہے تو یہ الزام مجھ پر لگا دینا، اخنس کو یقین تھا کہ ابوجہل کے دل میں بنوہاشم کی کدورت ہے، یہ فتنہ ساز شخص جان بوجھ کر قتل و غارت کا بازار گرم کرنا چاہتا ہے، اس کی رائے پر عمل کر کے بنوزہرہ کے افراد واپس چلے گئے، بعدؐ جب بدر کے میدان میں کفار مکہ کا عبرتناک انجام سامنے آیا تو بنوزہرہ اخنس کی رائے پر بہت زیادہ خوش ہوئے اور انکے اندر اسکی تعظیم و اطاعت ہمیشہ برقرار رہی، بنو عدی کے افراد مرالظہر ان سے ہی چلے گئے تھے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بھائی طالب بن ابی طالب کو ایک قریشی نوجوان۔ نے طعنہ دیا کہ بنوہاشم بظاہر ہمارے ساتھ ہیں لیکن ان کی ہمدردیاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہیں، چنانچہ وہ بھی اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے گئے، باقی افراد کو ابوجہل نے روک لیا، ابتدا میں تو کفار قریش کی تعداد تیرہ سو تھی مگر مذکورہ لوگوں کے نکل جانے سے ایک ہزار یا نو سو پچاس ہوگئی، اُدھر ابوسفیان کو ابوجہل کی ہٹ دھرمی اور سرداران قریش کی ناعاقبت اندیشی کی خبر ملی تو اس نے کہا، میری قوم کی بدبختی! یہ سب ابوجہل کا عمل ہے، یہ بھی روایت ہے کہ جب قریش جحفہ میں اترے تو جہیم بن الصلت نے خواب دیکھا کہ ایک گھڑ سوار نے عتبہ، شیبہ، ابوالحکم، امیہ بن خلف وغیرہم کے قتل کی خبر سنائی، پھر اس نے اپنے اونٹ کو ضرب لگا کر خیموں میں چھوڑ دیا جس کے خون کے قطرے تمام خیموں کو تر کر گئے، ابوجہل نے یہ خواب سن کر کہا کہ یہ بنومطلب کا دوسرا نبی ہے، کل معلوم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہوتا ہے، ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲﴾

مجاہدین اسلام کا جذبہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے قریش مکہ کے تجارتی قافلے کے تعاقب کیلئے اہل اسلام کو دعوت دی کہ ابوسفیان اپنے قافلے کے ہمراہ واپس آرہا ہے، تم نکلو، شاید اللہ

تعالیٰ تمہیں اس کے مال سے نفع عطا کرے، آپ کی دعوت پر کچھ صحابہ کرام تیار ہو گئے اور کچھ رہ گئے، ان کے خیال کے مطابق سب صحابہ کرام کا نکلنا کوئی اتنا ضروری نہیں تھا، پھر آپ نے بھی تمام صحابہ کرام کو اس عسکری دستے میں شمولیت کا حکم نہیں دیا تھا، مشروط حکم تھا کہ جن کے پاس سواری ہے وہ اس پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ نکلیں اور جن کی سواریاں نہیں تھیں آپ نے ان کا انتظار بھی نہیں فرمایا، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں غزوہ بدر میں شامل نہیں ہو سکا اور نہ ہی حضور اقدس ﷺ نے اس میں شامل نہ ہونے والوں پر اظہار غضب فرمایا کیونکہ اس لشکر کے سامنے ابوسفیان کے قافلے کا تعاقب تھا تو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے دونوں گروہوں کو مدمقابل کر دیا، جس کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں تھا، ﴿صحیح بخاری﴾ آپ ﷺ نے ۱۲ رمضان المبارک بروز ہفتہ کوچ فرمایا تو ہمراہ تین سو آٹھ یا تین سو تیرا مجاہدین اسلام کا دستہ تھا جس میں مہاجرین کچھ ساٹھ سے اوپر تھے اور باقی انصار تھے، آٹھ صحابہ کرام اور تھے جو بوجہ عذر شامل نہ ہو سکے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو بھی مال غنیمت سے پورا حصہ دیا اور وہ بھی اصحاب بدر کہلائے، اس مختصر سے لشکر میں ایک یا دو گھوڑے تھے، چھ زرہیں تھیں، آٹھ شمشیریں تھیں، ستر یا اسی اونٹ تھے، دوران سفر تین صحابہ کرام کیلئے ایک اونٹ درکار تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے رہے، خود حضور پیغمبر نور ﷺ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عمر فاروق اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما شریک سفر تھے، جب آپ کے پیدل چلنے کی باری آئی تو دونوں فدا کارِ نبوت عرض کرنے لگے، حضور! آپ سوار رہیں، ہم آپ کی جگہ پیدل چلیں گے، اس پر آپ نے فرمایا:

⊙ ...... ما انتما باقوىٰ منی وما انا اغنیٰ عنکما عن الاجر، تم دونوں مجھ سے قوی نہیں ہو اور نہ میں تم دونوں سے زیادہ اجر سے بے پرواہوں،

﴿انساب الاشراف: ۲۸۹/۱﴾

حضور اکرم ﷺ نے اپنی جگہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو امام مقرر فرمایا تھا، جب روحا کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت و خلافت کیلئے مدینہ منورہ

بھیج دیا، لشکر مدینہ کا پرچم سفید تھا جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں لہرا رہا تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ کے سامنے دو پرچم تھے، ایک پرچم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اور دوسرا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یا ایک روایت کے مطابق حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳۸۷/۲﴾ ان دونوں پرچموں کا رنگ سیاہ تھا، لشکر کے دائیں طرف کے امیر حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ تھے، بائیں طرف کے امیر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے اور آخری حصے کے امیر حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ تھے

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

مجاہدین اسلام نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں پہلا پڑاو مدینہ منورہ سے باہر مرج الظبیہ ﴿یا عرق الظبیہ﴾ میں بئر ابی عنبہ کے مقام پر کیا اور لشکر کا جائزہ لیا تا کہ کم سن بچوں کو واپس بھیج دیا جائے، پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسامہ بن زید، حضرت رافع بن خدیج، حضرت براء بن عازب، حضرت اسید بن حضیر، حضرت زید بن ارقم اور حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہم کو واپس چلے جانے کا حکم صادر فرمایا، حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی حکم دیا تو وہ رو پڑے، آپ نے انہیں جہاد کی اجازت مرحمت فرما دی، بلکہ ان پر خود اپنی تلوار کا پرتلہ لگا دیا، بعدہ وہ جام شہادت نوش کر کے شہیدان بدر میں شامل ہوئے تو ان کی عمر مستعار سولہ سال تھی، ﴿سبل الهدیٰ: ۳۸/۴﴾ مرج الظبیہ کا ہی ایک واقعہ ہے کہ وہاں اہل اسلام کی ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی، اس سے لشکر کفار کے متعلق پوچھا تو اس نے لاعلمی کا مظاہرہ کیا، پھر لوگوں نے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرو، اس نے کہا کہ کیا تم میں کوئی اللہ کا رسول بھی ہے، لوگوں نے کہا، ہاں تم ان کو سلام کرو، پھر وہ حضور اقدس ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا، اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو بتائیے میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے، حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کا جواب دیا کہ یہ سوال تم رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھو، میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم نے اپنی اونٹنی کے ساتھ برائی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تمہارا بچہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے تو اس کو ذلیل کر دیا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳۹۰/۲﴾ حضور اقدس ﷺ نے بئر سقیا سے پانی پیا،

صحابہ کرام نے بھی پانی پیا اور وہاں نماز ادا کی، پھر آپ نے مدینہ منورہ کیلئے دعا فرمائی:

اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے برگزیدہ بندے، خلیل اور پیغمبر تھے، انہوں نے مکہ والوں کیلئے دعا فرمائی تھی، میں محمد مصطفےٰ بھی تیرا برگزیدہ بندہ اور پیغمبر ہوں، میں مدینہ والوں کیلئے دعا مانگتا ہوں، تو ان کیلئے ان کے صاع اور مد میں اور ثمرات میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ منورہ کو محبوب بنادے اور اسکی وبائی امراض کو خم کی طرف بھیج دے، اے اللہ! میں نے اس کے دو کناروں کے درمیانی علاقے کو حرم بنادیا ہے جس طرح تیرے خلیل علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا۔ ﴿سبل الهدیٰ: ۳۸/۴﴾

راستے میں خبیب بن اساف جیسا جفاکش انسان اپنی قوم خزرج کی امداد کیلئے آیا اور جنگ میں حصہ لینے کی اجازت طلب کی، صحابہ کرام اسکی حمایت پر بہت خوش ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر انکار کردیا کہ ہم کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے جو ہمارے دین پر گامزن نہ ہوگا، اس طرح آپ نے صحابہ کرام کیلئے یہ رقت انگیز دعا بھی فرمائی: اے اللہ! یہ پیدل ہیں، انہیں سواریاں عطا فرما، یہ ننگے بدن ہیں، انہیں لباس عطا فرما، یہ فاقہ مست ہیں، انہیں کھانا عطا فرما، یہ نادار ہیں، انکو اپنے فضل سے غنا عطا فرما۔

لشکر اسلام حضور اقدس ﷺ کی قیادت میں نقب المدینہ، العقیق، ذوالحلیفہ اولاۃ الجیش، تربان، ملل، غمیس، الحام، صخیرات الیمامہ، السیالہ فج الروحا، اور شنوکہ کی منزلوں سے اور مختلف وادیوں اور سنگستانوں سے ہوتے ہوئے ذفران پہنچا تو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ قریش مکہ کا ایک لشکر جرار بہت جاہ وجلال کے ساتھ بڑھ رہا ہے، اہل اسلام کیلئے یہ صورتِ حال بالکل نئی تھی، آپ نے اطلاع کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کرلیا کہ اب ایک خون ریز ٹکراؤ کا وقت آگیا ہے اور ایک ایسا اقدام ناگزیر ہوگیا ہے جو شجاعت وبسالت پر مبنی ہو، کیونکہ یہ بات قطعی تھی کہ اگر لشکر کفار کو اس علاقے میں یوں ہی دندناتا ہوا پھرنے دیا جاتا تو اس سے قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی قوت پہنچ جاتی اور انکی سیاسی بالادستی کا دائرہ دور تک پھیل جاتا، مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہوجاتی اور اس کے بعد اسلامی دعوت کو ایک بے روح جسم سمجھ کر ہر کس ناکس شر پر آمادہ ہوجاتا پھر ان تمام باتوں کے علاوہ آخر اس کی کیا ضمانت تھی

لشکر کفر مدینہ منورہ کی جانب پیش قدمی نہیں کرے گا اور اس معرکے کو اسکی چار دیواری تک منتقل کر کے مسلمانوں کو ان کے گھروں میں تباہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، اگر لشکر اسلام کی طرف سے ذرا بھی گریز کیا جاتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا، اگر یہ سب کچھ نہ بھی ہوتا تو مسلمانوں کی ہیبت اور شہرت پر اس کا بہت برا اثر پڑتا، اس ساری صورتحال کو پرکھنے کے لیے آپ نے صحابہ کرام کی مجلس مشاورت طلب فرمائی جس میں اوس وخزرج کے انصار اور مہاجرین مدینہ کے فدا کار موجود تھے، سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور آپ کے نام ہر چیز قربان کرنے کی قسم اٹھائی، پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، حضور! ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ جایئے آپ اور آپ کا خدا جنگ کیجئے، ہم تو یہاں آرام کریں گے، ہم کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جنگ کیجئے اور ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے، آپ کو مبعوث کرنے والی ذات بابرکات کی قسم! اگر آپ ہمیں برک الغماد تک بھی جانے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلیں گے اور آپ کے ہمراہ دشمن سے لڑیں گے، حضور اقدس ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا فعل دیکھا ہے کہ اگر وہ مجھے حاصل ہوتا تو میں اسے دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ عزیز سمجھتا، وہ یہ الفاظ تھے جو انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں ادا کئے تھے اور ان کو سن کر حضور اقدس ﷺ کا چہرہ دمک اٹھا تھا، ﴿بخاری کتاب المغازی﴾ پھر حضور اکرم ﷺ نے مزید فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو، حضرت سعد[1] بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے، حضور! ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے آپ ہم انصار مدینہ کی رائے پوچھنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں، پھر انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور اس

---

[1] عیون الاثر میں لکھا، مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تھی لیکن مشہور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تقریر ہے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بدر میں حاضر ہونے کے متعلق اختلاف ہے، ابن عقبہ اور ابن اسحٰق نے ان کو بدر میں شریک صحابہ میں شمار نہیں کیا جبکہ واقدی، مدائنی اور کلبی نے ان کو شمار کیا ہے۔

بات کی شہادت دی ہے کہ آپ جو دین لائے ہیں وہ برحق ہے اور اس سلسلہ میں ہم آپ کی اطاعت کرنے کی بیعت کر چکے ہیں، یارسول اللہ! جو آپ کا ارادہ ہو وہ بے دھڑک ہو کر کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اگر آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے، ہم میں سے کوئی آدمی پیچھے نہیں رہے گا، اگر آپ ہمیں دشمن سے لڑنے کا حکم دیں گے تو ہمیں یہ بات ہرگز شاق نہیں گزرے گی، ہم لڑائی میں صبر کرنے والے اور دشمن سے صدق دل کے ساتھ مقابلہ کرنے والے ہیں، ان شاء اللہ ہمارے کردار سے اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کردے گا، آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلئے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۲۳۹، سیرت ابن ہشام ۲: ۳۹۲﴾

حضور اکرم، سرور دو عالم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ان پاکیزہ جذبات پر بہت مسرت وانبساط کا اظہار فرمایا اور لشکر اسلام کو حکم دیا: چلو اور تمہیں بشارت ہو، اللہ کریم نے مجھے دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں قوم کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں، گویا اگر تجارتی قافلہ بچ کر نکل گیا ہے تو دوسرے لشکر قریش پر ضرور کامیابی نصیب ہوگی، تقدیر عرب کے نامی گرامی سرداروں کو گھیر کر میدان بدر میں لا رہی ہے، کفر و شرک کے بھیڑیئے اسلام کے شیر دل جوانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہونے والے ہیں، صحابہ کرام کے ذوق جہاد کا نظارہ قابل دید تھا، ان کے دل و دماغ میں بس ایک ہی سودا سمایا تھا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عزت و ناموس پر اپنی ہر متاع عزیز قربان کردی جائے ؎

نبی کے نام لیوا جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پرواہ نہیں کرتے
نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسا تھا فقط سادہ سی کالی کملی والے پر

ایک شیخ عرب سے گفتگو:

حضور پیغمبر نور ﷺ اپنے غلامان وفا کیش کو ساتھ لے کر ذفران سے روانہ ہوئے

اور چند اصافر نامی پہاڑی موڑوں سے گزر کر وادی دیت میں اترے اور حنان نامی پہاڑی تودے کو دائیں طرف چھوڑ کر بدر کے قریب جا کر اترے، پھر وہاں سے آپ اور آپ کے ایک صحابی ﴿بقول ابن ہشام حضرت ابوبکر صدیق﴾ سوار ہوئے اور چلتے چلتے عرب کے ایک شیخ کے پاس پہنچے، آپ نے اس شیخ عرب سے قریش، محمد مصطفےٰ ﷺ اور ان کے اصحاب کے متعلق پوچھا کہ وہ ان کے بارے میں کیا جانتا ہے، وہ بولا، آپ کون ہیں، آپ نے فرمایا: پہلے تم ہمارے سوال کا جواب دو، پھر ہم تمہیں بتائیں گے کہ ہم کون ہیں، وہ کہنے لگا، اچھا یہ بات ہے، آپ نے فرمایا: ہاں، وہ کہنے لگا، میں نے سنا ہے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ اور ان کے ساتھی فلاں فلاں دن نکلے ہیں، اگر خبر دینے والے نے سچ کہا ہے تو وہ آج فلاں جگہ پر پہنچ گئے ہیں ﴿یعنی اس جگہ کا نام بتایا جہاں آپ اترے تھے﴾ اور مجھے خبر ملی ہے کہ قریش فلاں فلاں دن نکلے ہیں، اگر خبر دینے والے نے سچ کہا ہے تو قریش آج فلاں جگہ پر پہنچ گئے ہیں ﴿اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش اترے ہوئے تھے﴾ پھر اس نے پوچھا، اب آپ بتائیں کہ کہاں سے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: ہم ﴿پانی کے کنوئیں﴾ سے آئے ہیں، پھر آپ واپس چلے آئے، راوی کا بیان ہے کہ وہ شیخ عرب حیران ہو کر کہتا تھا پانی ﴿کے کنوئیں﴾ سے آئے ہیں، کیا عراق کے پانی ﴿کے کنوئیں﴾ سے آئے ہیں، ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲﴾ آپ اپنے صحابہ کرام کے پڑاؤ میں آگئے، شام کے وقت آپ نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور چند دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دشمن کے حالات معلوم کرنے کیلئے بدر کے کنوئیں کی طرف بھیجا، ان حضرات کو قریش کے پانی لانے والے دو غلام اسلم ﴿بنو حجاج کا غلام﴾ اور عریض بن یسار ﴿بنو العاص کا غلام﴾ ملے، یہ ان دونوں کو پکڑ کر لے آئے اور ان سے پوچھنے لگے، تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو، انہوں نے کہا، ہم قریش کے پانی لانے والے غلام ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لانے کیلئے بھیجا ہے، اس وقت حضور پیغمبر نور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ کرام نے ان غلاموں کے جواب کو غلط سمجھا اور خیال کیا کہ ابوسفیان کے آدمی ہیں اور غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں، اس لئے وہ ان کو مارنے لگے، انہوں نے کہا، ہاں ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں، یہ سن کر صحابہ کرام نے انہیں چھوڑ دیا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر کے سلام پھیرا اور فرمایا: جب یہ سچ

بولتے ہیں تو تم ان کو مارتے ہو اور جب جھوٹ کہتے ہیں تو ان کو چھوڑ دیتے ہو، یہ سچ سچ قریش کے آدمی ہیں، پھر آپ نے ان سے قریش کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا، وہ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جو وادی کے نزدیک والے کنارے پر نظر آ رہا ہے، آپ نے پوچھا، تعداد میں کتنے ہیں، وہ بولے، بہت ہیں، آپ نے پوچھا! ان کی گنتی کیا ہے، کہنے لگے، یہ ہمیں معلوم نہیں، آپ نے پوچھا: وہ روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں، انہوں نے کہا، ایک دن نو اونٹ اور ایک دن دس اونٹ ذبح کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ نو سو اور ہزار کے درمیان ہیں، پھر آپ نے پوچھا: سرداران مکہ میں سے کون کون آئے ہیں، وہ بولے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود، آپ نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: مکہ مکرمہ نے تمہارے آگے اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیئے ہیں، ﴿صحیح مسلم ۱۰۲/۲، سیرت ابن ہشام جلد ۲، مختصر سیرۃ الرسول ص ۳۴۱، عیون الاثر وغیرہ﴾

بدر میں نزول اجلال:

حضور سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ وہاں سے چل کر پہلے بدر میں پہنچ گئے اور بدر کے کنوؤں میں سے نزدیک ترین کنوئیں پر ڈیرا لگایا، قریش کو پہلے پہنچنے سے زبردست بارش نے روک دیا جو ارد گرد اللہ تعالیٰ نے برسائی، مسلمانوں کو اس بارش سے یہ فائدہ پہنچا کہ اس سے میدان کی ریت جم گئی اور ان کیلئے چلنا آسان ہو گیا، حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نزول اجلال فرمایا ہے کہ ہمیں اس سے پیچھے نہیں ہونا چاہئے یا کسی جنگی تدبیر کے پیش نظر ایسا کیا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں، یہ جنگی تدبیر ہے، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر یہ جگہ مناسب نہیں، ہمیں قریش کے نزدیک والے کنوئیں پر اترنا چاہئے اور اس کے پیچھے جتنے کنوئیں ہیں سب کو مٹی سے بھر دینا چاہئے، پھر ہم تالاب کھود کر پانی سے بھر لیں گے، ایسا کرنے سے ہمارے پاس پینے کیلئے وافر پانی ہوگا اور ان کیلئے پانی نہیں ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور اس

کے مطابق عمل کیا، خدا تعالیٰ کی شان کہ بارش بھی ہوگئی، مسلمانوں نے بارش کا پانی روک کر جا بجا حوض بنا لئے تا کہ غسل اور وضو کیلئے پانی دستیاب رہے، اس احسان کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح فرمایا ہے:

⊙...... وینزل علیکم من السماء ماءً لیطھر کم به ،اور خدا تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی برسایا تا کہ تم لوگوں کو پاک کرے۔ ﴿سورۃ الانفال:۱۱﴾

جس جگہ قریش خیمہ زن تھے وہاں بارش کی وجہ سے کیچڑ ہی کیچڑ تھا، وہ رات بھر اپنے خیموں میں محصور رہے، یہ موقع دیکھ کر مسلمانوں نے اس میدان پر قیام کیا جس کو بارش نے ہموار کر دیا تھا، مسلمانوں اور کافروں کی قیام گاہوں کے درمیان ریت کا ایک بہت بڑا ٹیلہ تھا، حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو کفار کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا تو انہوں نے خبر دی کہ وہاں تو موسلا دھار بارش شروع ہے اور لوگ انتہائی پریشانی کے عالم میں ہیں، اللہ اکبر! یہ بارش ایک ہی وقت میں اہل اسلام کیلئے بارانِ رحمت تھی اور اہل اصنام کیلئے طوفانِ زحمت تھی۔

عریش بدر کی تعمیر:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ کیلئے ایک عریش ﴿سایہ دار چھپر﴾ کا انتظام کر دیں، جہاں آپ آرام کریں اور قریب ہی سواری کے جانور تیار کھڑے ہوں، پھر ہم دشمن سے جنگ کریں، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دشمن پر غلبہ عطا فرمائے اور ہم فتح یاب ہوں تو یہ ہمارا مقصد ہے اور یہ ہی ہم چاہتے ہیں، اگر خدانخواستہ کوئی دوسری بات ہوئی تو آپ سواری پر بیٹھ کر ہماری قوم میں پہنچ جائیں، ہمارے پیچھے بہت سے لوگ رہ گئے ہیں، ہماری محبت آپ کے ساتھ ان سے زیادہ نہیں ہے، یارسول اللہ! اگر انہیں علم ہوتا کہ دشمن کے ساتھ ہماری لڑائی ہوگی تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کو ہر قسم کی پریشانی سے بچائے گا، وہ آپ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ دوش بدوش دشمنوں سے جہاد کریں گے، یہ بات سن کر حضور اقدس ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تحسین فرمائی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ اب آپ کیلئے میدان بدر کے شمال مشرق میں ایک سایہ دار چھپر کا انتظام کیا گیا جس میں

آپ آرام فرما ہوئے، ایک دفعہ آپ وہاں سے نکل کر آئے اور صحابہ کرام کے ساتھ میدان جنگ کا چکر لگایا اور ان کو کفار کے سرداروں کی لاشیں گرنے کی ایک ایک جگہ دکھائی، آپ نشاندہی کرتے تھے اور فرماتے تھے، ان شاء اللہ یہاں فلاں گرے گا، ان شاء اللہ یہاں فلاں گرے گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے، آپ نے جس کافر کی جس جگہ گرنے کی نشاندہی فرمائی تھی، وہ اسی جگہ گرا، ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں ہوا، ﴿صحیح مسلم، مختصر سیرۃ الرسول: ۲۴۲﴾ عریش ایک ٹیلے پر بنایا گیا جہاں سے سارے میدان جنگ کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا، اس عریش مبارک میں حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قیام فرما تھے، خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ تلوار سجا کر آپکی دربانی کیلئے کمر بستہ تھے، ﴿سبل الھدیٰ ۴۹/۴﴾ مسلمانوں پر میٹھی نیند کا غلبہ تھا تاکہ اس جانکاہ سفر کی ساری تھکاوٹ دور ہو جائے، جیسا کہ قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے، جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا...... ﴿سورۃ الانفال: ۱۱﴾ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صرف حضور پیغمبر نور ﷺ بیدار تھے اور رات بھر ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح نمودار ہوگئی، ﴿ایضاً﴾

حضور سرور کائنات ﷺ علی الصبح میدان بدر میں پہنچ گئے، پھر قریش مکہ کا لشکر جرار بھی طوفان بلاخیز کی طرح آنا شروع ہو گیا، آپ نے ان کا غیظ و غضب اور جوش وخروش دیکھ کر بارگاہ الوہیت میں اپنے رحمتوں والے ہاتھ پھیلا دیئے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دعا مانگی:

⊙...... اللھم ھذہٖ قریش قدا قبلت بخیلاء ھا و فخرھا تحادک و تکذب رسولک اللھم فنصرک الذی وعدتنی اللھم احنھم الغداۃ، اے اللہ! یہ قریش ہیں جو بڑے فخر وغرور کے ساتھ بڑھ رہے ہیں تاکہ تیرے ساتھ ٹکر لیں اور تیرے پیارے رسول کو جھٹلائیں، اے اللہ! اپنی امداد نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اے اللہ! کل ان کو تباہ کر دے۔

لشکر قریش کا سالار اعلیٰ عتبہ بن ربیعہ سرخ اونٹ پر سوار ہو کر گزر رہا تھا تو حضور

اکرم ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا، لشکر قریش میں سے صرف اس سرخ اونٹ والے سے خیر کی امید کی جا سکتی ہے، اگر وہ اس کی بات مان لیں تو فلاح یاب ہوں گے، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت لشکر قریش کے قریب تھے، انہوں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ قریش کو جنگ و جدل سے باز آنے کی تلقین کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے میری قوم تم بزدلی کا طعنہ دے کر واپسی کا الزام مجھ پر عائد کر دینا لیکن اس کام سے باز آ جاؤ، ابو جہل اس کی اس تجویز کو رد کر رہا تھا۔ ﴿سبل الهدیٰ: ۵۰/۴﴾

صاحب کوثر کا حوض:

جب کفار مکہ میدان بدر میں اترے تو ان میں سے چند آدمی پانی پینے کیلئے حضور اقدس ﷺ کے حوض پر آئے، ان میں حکیم بن حزام بھی تھے، صحابہ کرام نے ان کو روکنے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا، ان کو پانی پینے دو، پانی سے نہ روکو، حکیم بن حزام کے سوا جن لوگوں نے پانی پیا وہ سب بدر میں قتل ہو گئے، حکیم بن حزام قتل سے بچ گئے، بعد میں اسلام لائے اور اسلام کا حق ادا کر دیا، جب انہیں کبھی قسم اٹھانی پڑتی تو فرماتے، لا و الذی نجانی من یوم بدر، اس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے مجھے جنگ بدر میں قتل ہونے بچایا تھا۔

لشکر اسلام...... کفار کی نظر میں:

قریش مکہ نے عمیر بن وہب جمحی کو کہا، اندازہ کر کے آؤ کہ محمد مصطفےٰ ﷺ کے ہمراہ کتنے آدمی ہیں، اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر اسلام کے گرد چکر لگایا اور واپس آ کر بتایا کہ تین سو یا کچھ زیادہ یا کچھ کم ہوں گے، ذرا ٹھہرو مجھے دیکھ لینے دو، کہیں ان کے آدمی چھپے نہ ہوں، یا ان کیلئے کوئی امدادی فوج نہ آئی ہو، چنانچہ وہ میدان میں دور تک نکل گیا، کچھ نظر نہ آیا تو آ کر کہنے لگا، میں دیکھ آیا ہوں، کوئی امدادی فوج اور پوشیدہ آدمی نہیں ہیں، مگر اے گروہِ قریش! میں نے مصیبتیں دیکھی ہیں جن پر موت سوار ہے، یثرب کے آب پاشی کے اونٹ موت اٹھا کر لائے ہیں، ان لوگوں کے پاس اپنی حفاظت کیلئے تلواروں کے بغیر کوئی ہتھیار نہیں ہیں، بخدا میرا اندازہ ہے کہ جتنے آدمی ان کے قتل ہوں گے، تمہارے بھی اتنے آدمی ضرور قتل ہو جائیں گے، جب وہ اپنے جتنے تمہارے آدمی قتل کر جائیں گے تو پھر زندگی

میں کیا لطف باقی رہ جائے گا، اب آگے تم سوچ سمجھ لو۔ ﴿سبل الھدیٰ: ۵۱/۴، مختصر سیرۃ الرسول: ۳۴۴﴾
اس کے بعد قریش مکہ نے ایک اور آدمی ابو سلمہ جشمی کو اندازہ لگانے کیلئے بھیجا، اس نے واپس آ کر ان الفاظ میں دہائی دی، خدا کی قسم! میں نے ان کے پاس کوئی قوت نہیں دیکھی، نہ کوئی اسلحہ دیکھا ہے اور نہ گھوڑوں کے دستے دیکھے ہیں، ہاں ایسی قوم ضرور دیکھی ہے جو اپنے گھروں کو واپس جانا نہیں چاہتی، وہ قوم جان قربان کرنے پر تلی ہوئی ہے، ان کے پاس تلواروں کے سوا کوئی طاقت اور پناہ گاہ نہیں ہے، ان کی آنکھیں نیلگوں ہیں جس طرح چمڑے کی ڈھال کے نیچے کنکریاں ہوتی ہیں، اب تم خود غور کر لو۔ ﴿ایضاً﴾

ابن حزام کی مخلصانہ کوشش:

قریش مکہ میں حکیم بن حزام ایک زیرک اور دانشمند انسان تھے، انہوں نے ان لوگوں کی یہ باتیں غور سے سنیں اور مختلف لوگوں سے ملاقات کی تا کہ جنگ کو روکا جا سکے، انہوں نے سالار لشکر عتبہ بن ربیعہ سے کہا، اے ابو ولید! تم قریش مکہ میں بزرگ آدمی ہو، ساری قوم کے سردار ہو، کیا تم ایسا کارنامہ سرانجام دینے کیلئے تیار ہو جس سے تمہیں اچھے الفاظ سے یاد کیا جاتا رہے، عتبہ کے استفسار پر انہوں نے کہا، اپنی قوم کو میدان جنگ سے واپس لے جاؤ، مقتول عمرو بن الحضرمی تمہارا حلیف تھا، تم اس کے خون کا بوجھ خود اٹھا لو تا کہ ہم مزید خون ریزی سے بچ جائیں، اس نے وعدہ کر لیا اور کہا کہ تم ابو جہل کے پاس جا کر بات کرو، مجھے خطرہ ہے کہ وہ خون ریزی کروا کر دم لے گا، حکیم بن حزام اسے چھوڑ کر ابو جہل کے پاس گئے تو اس نے سارا ماجرہ سن کر جواب دیا، عتبہ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر گھبرا گیا ہے، ہم تو ہرگز واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ خدا ہمارے اور محمد مصطفٰے ﷺ کے درمیان فیصلہ نہ کر دے، ادھر عتبہ نے ساری قوم کو جمع کر کے تقریر کی کہ اے گروہ قریش! تم محمد مصطفٰے ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کر کے کیا حاصل کرو گے، وہ لوگ تمہارے رشتہ دار ہیں، پھر تم ساری زندگی ایک دوسرے کا سامنا نہ کر سکو گے، میرا مشورہ ہے کہ جنگ کے بغیر ہی واپس چلے جاؤ اور ان کو عرب کے دوسرے قبیلوں سے جنگ کرنے دو، اگر قبیلوں نے ان کو شہید کر دیا تو تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی اور اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو تمہیں ان سے ملتے وقت عار محسوس نہ ہو گی کیونکہ تم نے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا ہو

گا، ان لوگوں نے جان قربان کرنے کا عزم کر رکھا ہے، تم اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، تم مجھے بزدلی کا طعنہ دے لو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں بزدل نہیں ہوں، عتبہ کے الفاظ قوم کے رگ و ریشہ میں سما رہے تھے، قریب تھا کہ لوگوں کی رائے بدل جاتی، ابو جہل نے عمرو بن الحضرمی مقتول کے بھائی عامر بن الحضرمی کو واویلہ کرنے کیلئے تیار کرلیا، اس نے کھڑے ہو کر دہائی مچانا شروع کردی، ہائے عمرو، ہائے عمرو، اس کا یہ واویلہ سن کر لوگ آگ بگولہ ہوگئے، یہ منظر عتبہ کے بس سے باہر تھا، اس نے بھی ابو جہل کا طعنہ سن کر جواب میں کہہ دیا، بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر میں گھبرایا ہوں یا ابو جہل گھبرایا ہے۔

معرکہ حق و باطل کے واقعات:

چشم فلک دیکھ رہی تھی، دو لشکر صف آرا تھے، ایک طرف ختم نبوت کے پروانے تھے اور دوسری طرف جور و جہالت کے دیوانے تھے، ایک طرف مناجات الٰہی کے ترانے دلوں کو گرما رہے تھے اور دوسری طرف خرابات کے دور نگاہوں کو بہکا رہے تھے، اہل حق کی بے سروسامانی کا عالم دیدنی تھا لیکن ان کے جذبے جوان تھے، وہ آج کچھ کر گزرنے کی قسم کھا کر آئے تھے، اسلحے کی قلت نے بھی ان کو ذرہ برابر پریشان نہیں کیا تھا، انہیں اپنے محبوب ﷺ کی دعاؤں پر کمال درجے کا یقین حاصل تھا، آیئے حق اور باطل، صداقت اور جہالت کے اس حیرت ناک ٹکراؤ کے واقعات دیکھئے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد کیجئے، بہت سے قلیل التعداد لشکر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سے کثیر التعداد لشکروں پر غالب آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿سورۃ البقرہ:۲۴۹﴾

......﴿1﴾......

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب مصطفیٰ نے مجھے بتایا ہے بدر کی لڑائی میں شمولیت فرمانے والے حضرات کی تعداد ان اصحاب طالوت کے برابر تھی، جنہوں نے ان کے ساتھ نہر کو پار کیا تھا، ان کی تعداد تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی، حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قسم ان کے ساتھ نہر کو مومن کے سوا کوئی دوسرا پار کر ہی نہیں سکا تھا، ﴿صحیح بخاری کتاب المغازی﴾ فرماتے ہیں، جنگ بدر کیلئے مجھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کم

سن شمار کیا گیا تھا، ﴿ایضا﴾

﴿2﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قبلہ رو ہو کر قریش مکہ کے کچھ افراد کی ہلاکت کیلئے دعا فرمائی، یعنی عتبہ، شیبہ، ولید اور ابو جہل کیلئے، پس میں خدا تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے میدانِ بدر کے اندر ان کو پڑے ہوئے دیکھا کہ دھوپ سے ان کی لاشیں پھول گئی تھیں اور وہ واقعی گرم ترین دن تھا، ﴿صحیح بخاری، کتاب المغازی﴾ حضور اقدس ﷺ ساری رات نوافل پڑھتے رہے اور مسلمانوں کی کامیابی کی دُعائیں مانگتے رہے اور رحمت خداوندی کے حصول کیلئے آنسو بہاتے رہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس قوت وشدت کے ساتھ حضور اقدس ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدر کے روز واسطہ دیا تھا، میں نے کبھی ایسے کسی کو واسطہ دیتے ہوئے نہیں سنا، حضور اکرم ﷺ یہ عرض کرر ہے تھے:

⊙...... اللھم ان تھلک ھذاالعصابة لا تعبد فی الارض، اے اللہ! اگر تو اس گروہ حق وصداقت کو ختم کر دے گا تو پھر کبھی زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی، ﴿سیرت ابن اسحاق﴾

دعا کے بعد آپ نے رخ انور پھیرا تو یوں لگا جیسے چاند کی طرح چمک رہا تھا، پھر آپ نے فرمایا، میں کفار مکہ کی قتل گاہوں کو مشاہدہ کر رہا ہوں جہاں وہ پیوند خاک بن جائیں گے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر یہ الفاظ ادا فرمائے، اے اللہ! میری التجا ہے کہ تو اپنا وعدہ پورا فرما، اے اللہ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری کبھی عبادت نہ ہو، اتنا کہنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست رحمت تھام کر عرض کیا، حضور! بس اتنا ہی کافی ہے، آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرنے میں بہت الحاح فرمایا ہے، یاد رہے کہ حضور اقدس ﷺ کا مقام، مقام حمد ہے، آپ کا یقین ہر ایک کے یقین سے بڑھ کر ہے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقام رجا میں تھے، یعنی ان کو وعدہ خداوندی پر بھروسا تھا اور حضور اقدس ﷺ مقام خوف میں تھے، اس میں شک نہیں کہ آپ کا خوف ان کی رجا سے اعلیٰ تھا، آپ کو اس حالت میں خوف پر اٹھانے

والی وہ شفقت تھی جو اپنے اصحاب پر تھی، چنانچہ آپ نے توجہ اور ابتہال میں مبالغہ فرمایا تاکہ اس سے ان کے دلوں کو تسکین ہو جائے، ﴿مواہب لدنیہ: ۲۴۳/۱﴾ پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے:

⊙...... سیھزم الجمع ویولون الدبر، اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور یہ لوگ اپنی پشت پھیر دیں گے بلکہ ان کے وعدے کا وقت قیامت کا دن ہے اور قیامت بہت وحشت ناک اور تلخ حقیقت ہے، ﴿سورۃ القمر: ۴۵، ۴۶﴾

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ چھپر میں تھے، آپ کو اونگھ آ گئی، پھر تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا: اے ابو بکر! خوش ہو جاؤ، یہ جبریل علیہ السلام ہماری امداد کیلئے آ گئے ہیں، ان کے سامنے کے دو دانتوں پر غبار جما ہوا ہے، پھر آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے چھپر سے باہر نکل آئے: سیھزم الجمع ...... امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے، اے ابو بکر خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی ہے، یہ جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میدان بدر میں مشرکین مکہ کی کثرت کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھ اٹھائے اور اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے، الٰہی! جو تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما، آپ دیر تک دعا میں مصروف رہے، حتیٰ کہ آپ کے کندھوں سے چادر گر گئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے کندھوں پر چادر ڈالی اور آپ کو اپنی بغل میں لے کر عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے بہت دعا ہو چکی، وہ آپ سے کیا ہوا وعدہ جلد پورا فرما دے گا، اس وقت یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں:

⊙...... اذ تستغیثون ربکم ...... وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے رب تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اور اس نے تمہاری مدد فرمائی کہ میں تمہاری مدد کیلئے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیجوں گا، اور یہ تو اللہ نے نہ کیا مگر تمہاری خوشی کو، اس لئے کہ تمہارے دل چین پائیں اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے، جب اس نے تم پر اونگھ مسلط کی جو اس کی

طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمہیں اس سے پاک کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرمائے اور تمہارے دلوں کو تسلی دے اور اس سے تمہارے دل جمائے، جب اے محبوب! تمہارا رب تعالیٰ فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ، یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی ہے اور جو اللہ اور اسکے رسول سے مخالفت کرے تو بیشک ﴿اس کیلئے﴾ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے، ﴿سورۃ الانفال: ۹ تا ۱۳﴾

اس طرح سورۃ آل عمران میں بھی تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کی امداد کا ذکر موجود ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت تھی تا کہ اہل ایمان کے دل سکون واطمینان سے لبریز ہو جائیں، واقعی کامیابی تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو سب ﴿جہانوں پر﴾ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

﴿3﴾

حضور پیغمبر نور ﷺ نے مجاہدین اسلام کو صف آرا فرمایا تو جوش جہاد کی وجہ سے ایک مجاہد اسلام آگے نکلنے لگا، آپ نے فرمایا، ہمارے ساتھ مل کر آگے بڑھو، ایک ایمان افروز روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے روز اپنے اصحاب کرام کی صفیں درست فرمائیں، آپ کے دستِ مبارک میں ایک تیر تھا جس سے آپ لوگوں کی صف بندی کر رہے تھے، جب آپ بنو عدی بن نجار کے حلیف سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ صف سے آگے نکلے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تم صف سے آگے نکلے ہوئے ہو، اے سواد! برابر ہو جاؤ، آپ نے ان کے پیٹ میں ذرا سا تیر چبھویا، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق وانصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آپ مجھے اس کا بدلہ دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے اپنا شکم انور کھول دیا اور فرمایا: اچھا بدلہ لے لو، وہ آپ کے ساتھ لپٹ گئے اور آپ کے شکم

انور کو بوسہ دیا، آپ نے فرمایا: ماحملک علی هذا یا سواد، اے سواد! تم نے یہ کام کیوں سرانجام دیا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! جو واقعات درپیش ہیں، ان کو آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں، اس لئے میں نے چاہا کہ آپ سے آخری ملاقات ایسی ہو کہ آپ کی جلد مبارک سے میری جلد مس کرے، اس جذب فراواں پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعائے خیر سے سرفراز فرمایا، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲، تاریخ طبری، عیون الاثر وغیرہ﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ اپنے فداکاران نبوت کو داد شجاعت دینے اور منظم کرنے کے بعد عریش مبارک میں تشریف لے آئے، اس وقت آپ کے ہمراہ صرف اور صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲/۴۱۰﴾ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس شان بسالت کی گواہی حضرت شیر خدا، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی فراہم کی ہے، فرماتے ہیں، جب ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے عریش بنایا تو اعلان کیا کہ کون آپ کی حفاظت کا فریضہ ادا کرے گا، بخدا کوئی بھی اس فریضے کی ادائیگی کیلئے آگے نہ بڑھا، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو اپنی تلوار لہراتے ہوئے کھڑے ہوگئے تاکہ آپ کا دفاع کرسکیں، تو یہ ہیں تمام انسانوں سے زیادہ بہادر انسان۔

﴿4﴾

جنگ چھڑنے کو تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسلام کے غیور اور جسور مجاہدوں سے ایک عالیشان خطاب فرمایا جس کے ایک ایک لفظ سے عزم واستقامت کا سرچشمہ پھوٹتا ہے، فرمایا:

حمد وثنا کے بعد میں تمہیں اس امر پر اکساتا ہوں جس پر تمہیں اللہ نے اکسایا ہے اور اس امر سے روکتا ہوں جس سے تمہیں اللہ نے روکا ہے، اللہ کی شان بہت ہی عظمت والی ہے، وہ حق کا حکم فرماتا ہے اور صدق کو محبوب رکھتا ہے، وہ نیکوکار انسانوں کو اپنی بارگاہ کی منزلوں پر فائز فرماتا ہے، اسی کے ساتھ ان کا ذکر ہوتا ہے، اسی کے کرم سے انہیں عظمت ملتی ہے، آج تم ایک منزل حق پر موجود ہو، اس منزل پر اللہ وہی عمل قبول کرے گا جو محض اس کی خوشنودی کیلئے کیا گیا ہو، بیشک جنگ کے دوران صبر ہی ایسی نعمت ہے جس کی برکت سے وہ غم و آلام سے نجات بخشتا ہے اور اسی صبر کی برکت سے تم آخرت میں سرخرو ہوگے،

تم میں اللہ کے نبی اعظم ﴿ﷺ﴾ جلوہ افروز ہیں جو تمہیں بعض امور سے روکتے ہیں اور بعض امور کا حکم دیتے ہیں، لہذا تمہیں ہر اس کام سے حیا کرنی چاہیے جس سے وہ تم پر ناراض ہو جائے اور اللہ کی تم سے بیزاری بہت سخت ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے، اس نے جس امر کا اپنی کتاب میں حکم فرمایا ہے، اس پر غور کرو اور اپنی نشانیاں تمہیں دکھائی ہیں، ﴿ان میں فکر کرو﴾ اس نے تمہیں ذلت کے بعد عزت عطا فرمائی ہے، اس کتاب حکمت کو اچھی طرح پکڑ لو، اس کام سے تمہارا پروردگار تم پر خوش ہوگا، ان مواطن میں اپنے رب تعالیٰ کو آزما دیکھو، تبھی اس کی رحمت و مغفرت کے حقدار ہو گے جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے، بے شک اس کا وعدہ برحق ہے، اس کا فرمان درست ہے، اس کا عذاب بہت شدید ہے، بے شک ہم اور تم حی و قیوم خدا کی امداد کے طلب گار ہیں، وہی ہمارا پشت پناہ ہے، ہم اسی سے وابستہ ہیں، ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اللہ ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو مغفرت عطا فرمائے، ﴿سبل الہدیٰ: ۵۵/۴﴾

آپ ﷺ اس حکمت افروز خطاب کے بعد عریش مبارک میں تشریف لے گئے اور مناجات میں مشغول ہو گئے، اپنے دست مبارک آسمان کی طرف بلند کر کے دعا مانگتے رہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محبت سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمادے گا، پھر آپ کو اونگھ آ گئی، آنکھ کھولی تو فرمایا: مبارک ہو اللہ تعالیٰ کی امداد آ گئی، یہ جبریل علیہ السلام ہیں اور ان کے گھوڑے کے پاؤں گرد آلود ہیں، ﴿سیرت ابن کثیر: ۴۲۰/۲﴾

﴿5﴾

میدان بدر میں کفار مکہ نے بھی اپنی صفوں کو درست کیا، اس وقت مسلمانوں کی بے سروسامانی اور اپنی قہرمانی قوت کو دیکھ کر جہالت کا باپ للکارنے لگا، لات و عزیٰ کی قسم! ہم ان تھوڑے سے مسلمانوں کو پہاڑوں میں بکھیر دیں گے، ان کو قتل کرنے کی بھی ضرورت نہیں، بس پکڑتے جاؤ اور رسیوں سے جکڑتے جاؤ، اس مغرور لب و لہجہ کے مقابلے میں اہل اسلام کو اپنے خدائے واحد کی قوت پر بھروسا تھا، وہ اپنے پیغمبر برحق ﷺ

کی قیادت میں زمین و آسمان کے پروردگار، دعا کو قبول کرنے والے اور بلا کو ٹالنے والے کردگار کے حضور التجا کر رہے تھے، اس کے بعد اسود بن عبد الاسد مخزومی جو ایک بدطینت انسان تھا، نکل کھڑا ہوا اور للکار کر بولا، میں خدا سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ان لوگوں کے حوض سے پانی پیوں گا، اسکو توڑ ڈالوں گا یا اس کیلئے مرجاؤں گا، اس کے مقابلے میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، جب دونوں مقابل ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایک ہی خوفناک وار سے اسکی ٹانگ آدھی پنڈلی کے پاس سے کٹ گئی، وہ ابھی حوض کے پاس پہنچا بھی نہیں تھا کہ پشت کے بل جا گرا اور اسکے پاؤں سے خون کی دھاریں نکل کر اس کے ساتھیوں کی طرف بہنے لگیں، پھر وہ رینگتا ہوں حوض کی طرف بڑھنے لگا تا کہ اپنی قسم پوری کر سکے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے ہو گئے اور وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا، ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲، تاریخ طبری، تاریخ الکامل﴾

﴿6﴾

حسن اتفاق کی بات تھی کہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو حسیل رضی اللہ عنہما کہیں سے آرہے تھے کہ راستے میں کفار مکہ نے ان کو روک کر کہا، تم میدان بدر میں رسول اللہ ﷺ کی امداد کیلئے جا رہے ہو، ان دونوں نے انکار کیا اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا وعدہ کر لیا، پھر کفار مکہ نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کو لڑائی سے دور رہنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ ہم ہر حالت میں وعدے کی پابندی کریں گے، ہمیں اللہ تعالیٰ کی امداد کافی ہے، ﴿صحیح مسلم: ۱۰۶/۲﴾

ناظرین کرام! غور کیجئے، دنیا جانتی ہے کہ جنگ کے موقعہ پر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ دشمنوں کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ ہو، ایک ایک سپاہی کتنا قیمتی ہوتا ہے، تاجدار دو عالم ﷺ نے اپنی فوج کو دو بہادر اور جانباز مجاہدوں سے محروم رکھنا تو پسند فرمایا مگر کوئی مسلمان کسی کافر سے بھی بدعہدی اور وعدہ خلافی کرے، اس کو گوارا نہیں فرمایا، اللہ اکبر! اے اقوام عالم کے بادشاہو، للہ ہمیں بتاؤ کہ کیا تمہاری تاریخ زندگی کے بڑے بڑے دفتروں میں کوئی ایسا چمکتا ہوا ورق بھی ہے، اے چاند اور سورج کی دوربین نگاہو، کیا تمہاری

آنکھوں نے کبھی صفحہ ہستی پر پابندی عہد کی کوئی ایسی مثال دیکھی ہے، ﴿سیرت المصطفیٰ ص ۱۷۸﴾

......﴿7﴾......

اب حق و باطل کے درمیان معرکہ ترک و تاز گرم ہوا چاہتا ہے، قرآن پاک نے فرمایا:

⊙...... قد کان لکم ایة فی فئتین التقتا فئة تقاتل فی سبیل الله و اخریٰ کافرة ، بے شک جو دو گروہ آپس میں لڑے، ان میں تمہارے لئے نشانی ہے، ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑا اور دوسرا گروہ اس کا منکر تھا، ﴿سورۃ آل عمران﴾

جنگ کی ابتدا میں عامر بن الحضرمی اپنے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے جوش انتقام میں آگے بڑھا تو اس کے مقابلے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے، پھر حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ حوض سے پانی نوش جان کر رہے تھے کہ ایک ناگہانی تیر لگنے سے شہید ہو گئے، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲﴾ ان کی والدہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ میرا بیٹا حارثہ کہاں ہے، اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کا مظاہرہ کروں گی، اگر وہ وہاں نہیں تو نوحہ کروں گی، آپ نے فرمایا: تیرا بھلا ہو، بے شک آٹھ جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں موجود ہے، ﴿صحیح بخاری، صحیح مسلم﴾ لشکر کفار کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹے ولید بن عتبہ کے ہمراہ میدان جنگ میں نکلا اور مقابلے کی دعوت دینے لگا، لشکر اسلام کی طرف سے حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم میدان میں آئے، عتبہ نے ان کا نام و نسب پوچھا، جب اسے معلوم ہوا کہ یہ انصار مدینہ ہیں تو اس نے کہا، ہمیں تم لوگوں سے کوئی سروکار نہیں، پھر اس نے للکار کر کہا، اے محمد مصطفیٰ ﷺ! یہ لوگ ہمارے ہم پلہ نہیں، اشراف قریش کو ہمارے مقابلے میں روانہ کیجئے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت حمزہ، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ میدان جنگ میں نکلیں تو یہ تینوں فدا کاران نبوت ان کے مقابلے میں اتر آئے، ان کے سروں پر خود تھے جن کی وجہ سے چہرے چھپے ہوئے تھے، عتبہ ان کو پہچان نہ سکا اس لئے بولا، تم کون ہو، تینوں نے اپنا تعارف کروایا تو اس نے کہا، ہاں یہ ہمارے مقابلے کے لوگ ہیں، پھر ان لوگوں میں جنگ شروع ہوگئی، دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے جا رہے تھے، بدر کی سرزمین دہل

رہی تھی اور دونوں لشکروں کی نگاہیں رزم گاہ کی جانب اٹھی ہوئی تھیں، پھر یکا یک کیا ہوا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہمت وشجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حریف شیبہ بن ربیعہ کو واصل جہنم کر دیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کے پرخچے اڑا دیئے، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ، عمر رسیدہ تھے، انہوں نے بہت پامردی سے سالار کفار عتبہ بن ربیعہ کا مقابلہ کیا، اسے زخمی کیا اور پھر خود اس کے ہاتھوں شدید زخمی ہوکر زمین پر بیٹھ گئے تو حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر ان کے حریف کا بھی کام تمام کر دیا اور انکو اٹھا کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے، انکی پنڈلی ٹوٹ چکی تھی اور اس کا گودا باہر نکل رہا تھا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا میں جام شہادت سے محروم رہا ہوں، آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، تم ضرور سرفراز شہادت ہو گے، پھر انہوں نے آپ کے قدموں پر رخسار رکھ کر عرض کیا، یارسول اللہ! اگر آپ کے چچا جناب ابوطالب زندہ ہوتے تو وہ تسلیم کر لیتے کہ ان کے اشعار کا مصداق میں ہوں ؎

كذبتم و بيت الله نبذى محمداً
ولما نا عن حولهٗ ونناضلُ
ونسلمه حتىٰ نصرع حولهٗ
ونذهل عن ابناءنا والحلائل

اے کافرو! تم جھوٹ بول رہے ہو کہ ہم حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ دیں گے اور ان کے اردگرد تیروں کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے، ہاں سن لو، ہم ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتے جب تک ہماری لاشیں ان کے اردگرد نہ گر جائیں، ہاں ہم ان کی حفاظت کیلئے اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے۔ ﴿سیرت ابن کثیر: ۲/ ۴۱۴﴾

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، قیامت کے دن میں اپنے پروردگار کے حضور جھگڑے چکانے کیلئے سب سے پہلے دوزانو بیٹھوں گا، قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آیت: هذان خصمان اختصموا فی ربهم، یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑے، ﴿سورۃ الحج: ۱۹﴾ اس سلسلے میں نازل ہوئی، راوی کا بیان ہے کہ وہ لوگ تھے

جنھوں نے جنگ بدر میں پہل کی، یعنی اہل اسلام کی طرف سے حضرت حمزہ، حضرت علی المرتضی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم جبکہ اہل اصنام کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ آیت قریش کے ان چھ افراد کے متعلق نازل ہوئی، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ آیت ہمارے ہی حق میں نازل ہوئی، ﴿صحیح بخاری کتاب المغازی﴾

﴿8﴾

قریش مکہ کے تینوں سرداروں کو فی النار ہوتے دیکھ کر ابوجہل بن ہشام نے اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھانے کیلئے نعرہ بلند کیا، ہمارا مددگار عزیٰ ہے، تمہارے لئے عزیٰ نہیں، حضور اکرم ﷺ کے حکم سے اہل اسلام نے نعرہ توحید بلند کیا: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارے لئے کوئی مولانہیں، ہمارے شہید جنتی ہیں اور تمہارے مردار دوزخ میں ہیں، حضور پیغمبر نور ﷺ لوگوں کی طرف نکلے اور ترغیب دی:

> اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی جان ہے، آج جو شخص بھی ان کافروں سے جنگ کرے گا اور صبر کے ساتھ ثواب سمجھ کر قتل ہو جائے گا، آگے بڑھتا ہوا ہوگا اور پشت نہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔

بنو سلمہ کے عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چند کھجوریں تھیں، وہ انہیں تناول فرما رہے تھے، بولے: آہا، آہا، کیا میرے اور جنت کے درمیان بس اتنا ہی فاصلہ ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں، پھر انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور اپنی تلوار اٹھا کر خوب جنگ کی، اس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے، اے میری جان! اللہ کی طرف تیزی سے چل، اس کے راستے میں بہترین سفر تقویٰ، حسن عمل اور جہاد میں صبر ہے، ان چیزوں کے سوا ہر زاد سفر ختم ہونے والا ہے اور جام شہادت نوش کر گئے، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲﴾ اسی طرح حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ما یضحک الرب من عبدہ، رب تعالیٰ کو اپنے بندے کی کونسی بات خوش کرتی ہے، آپ نے فرمایا: غمسہ یدہ فی العدو حاسراً، ننگے سر اپنا ہاتھ دشمن ﴿کے خون﴾ میں ڈبو دینا، انہوں نے اپنی زرہ اتار ڈالی اور اسے پرے پھینک

دیا، پھر تلوار اٹھا کر اس شان سے جنگ کی کہ جام شہادت نوش کر گئے، پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک میں حکم نہ دوں، ان پر حملہ نہ کرنا اور اپنے تیروں کو بچا کر رکھنا، جب وہ تیروں کی زد میں آ جائیں تو تیر پھینکنا، ابو جہل بن ہشام نے بددعا کی کہ یا خدا! ہم میں سے جو شخص بھی رشتوں کو زیادہ توڑنے والا ہے اور ہمارے سامنے غیر معروف بات پیش کرتا ہے، اسے آج ضرور ہلاک کر دے، اس بددعا سے وہ خود اپنی ہی بربادی کا راستہ کھولنے والا تھا، ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲﴾ امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کنکروں کی ایک مٹھی لی اور قریش مکہ کی طرف منہ کر کے ''شاھت الوجوہ'' چہرے بد شکل ہو جائیں، فرمایا اور ان کی طرف پھینک دی، پھر اپنے صحابہ کرام کو عام حملے کا حکم دیا، اس طرح گھمسان کا رن پڑا کہ چشم فلک دیکھتی رہ گئی، مسلمان کفار مکہ کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع بھی کر رہے تھے اور انہیں نقصان بھی پہنچا رہے تھے، انکی پاک زبانوں پر بطور شعار احد احد کا ورد جاری تھا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا: اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت کبھی نہیں ہو گی، اور کبھی دعا فرماتے، اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور تیرے وعدے کا سوال کرتا ہوں، اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، مٹی کی ایک مٹھی لیجئے، پھر آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور کافروں کے چہروں پر پھینک دی، ان میں کوئی آدمی ایسا نہیں رہا جس کی آنکھ نتھنے اور منہ میں مٹی نہ پڑی ہو، چنانچہ وہ شکست فاش کھا کر بھاگ گئے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۴۸﴾

﴿9﴾

قریش مکہ کے کچھ نوجوان جو ابھی اسلام کے بارے میں متذبذب تھے، بولے مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، شیطان ان کے ہمراہ تھا، کفار مکہ اس کو ہر منزل پر سراقہ بن مالک کی شکل میں دیکھتے تھے، پھر جب جنگ شروع ہوئی تو وہ دشمن خدا ان کو لڑائی کی بھٹی میں جھونک کر واپس چلا گیا، وہ فرشتگان نصرت کو دیکھ کر چلا رہا تھا، انی اری ما لا ترون ...... جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے، میں تو اللہ سے ڈرتا

ہوں اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے، ﴿سورۃ الانفال: ۴۸﴾

اس کے متعلق حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے:

ترجمہ: ہم چلے اور وہ بھی مرنے کیلئے بدر میں آئے، اگر انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہوتا تو کبھی نہ آتے، شیطان نے ان کو دھوکے سے موت کے کنوئیں میں لٹکا دیا اور انکی مدد چھوڑ کر بھاگ گیا، یہ خبیث اپنے دوستوں کو دھوکہ ہی دیتا ہے، ان سے کہتا رہا، میں تمہارا حامی ہوں اور ان کو ایسے گھاٹ میں دھکیلا جس میں ذلت اور شرمندگی ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾

جنگ بدر میں فرشتگان نصرت بھی کفار مکہ کے خلاف برسر پیکار تھے، ایک روایت میں مرقوم ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا، اچانک اس نے اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی، اس نے مشرک کی طرف دیکھا تو وہ زمین پر چت پڑا، اسکا چہرہ پھٹ چکا تھا، اس مسلمان نے رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، یہ آسمان سے امداد آئی تھی، ﴿تفسیر کبیر: ۳۵۵/۶﴾ بنو غفار کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں اور میرے چچازاد بھائی نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر میدان حرب کا منظر دیکھا، اس وقت ہم مشرک تھے اور منتظر تھے کہ یہ آفت کس پر نازل ہوتی ہے تاکہ ہم بھی لوٹ مار میں شریک ہوسکیں، ہم پہاڑ پر تھے کہ ایک ابر کا ٹکڑا ہمارے قریب ہوا، ہم نے اس میں گھوڑوں کی آواز سنی اور ایک کہنے والے کی پکار سنی، حیزوم! آگے بڑھو، میرے چچازاد بھائی کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور وہ اسی مقام پر مر گیا، میں بھی ہلاکت کے قریب تھا کہ مشکل سے دل کو تھاما، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲، تاریخ طبری، تاریخ الکامل﴾ حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر میری بینائی ہوتی تو میں تمہیں وہ گھاٹی بتاتا جس میں سے فرشتے نکلے تھے اور اس میں مجھے کوئی شک و شبہ نہیں ہے، حضرت ابوداؤد مازنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر میں میں نے ایک مشرک کا پیچھا کیا کہ اسے واصل جہنم کردوں، یکایک میں نے دیکھا کہ اس کا سر کٹ کر گر چکا ہے قبل اس کے کہ میری تلوار اس تک پہنچے، آخر میں نے جان لیا کہ اس کو میرے سوا کسی اور نے قتل کیا ہے، ﴿ایضاً﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کے نشان سفید عمامے تھے جن ﴿کے شملوں﴾ کو انہوں نے اپنی پشتوں پر چھوڑ رکھا تھا اور حنین کے روز

ان کے نشان سرخ عمامے تھے، انہیں سے روایت ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا اور کسی جنگ میں قتال نہیں کیا، دوسری جنگوں میں وہ تعداد کو بڑھانے اور امداد کرنے والوں کی حیثیت سے نمودار ہوتے تھے، وہ کسی کو مارا نہیں کرتے تھے، ﴿ایضاً﴾ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمامے اہل عرب کے تاج ہیں، جنگ بدر میں فرشتوں کے نشان سفید عمامے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام کے سر اقدس پر زرد عمامہ تھا، امام سہیلی کا بیان ہے کہ یوم بدر میں سر اور ہر جوڑ پر ضرب واقع ہوئی تھی، مسلمان ملائکہ کے اور اپنے قتل کیے ہوئے کفار کو پہچانتے تھے، ﴿مواہب لدنیہ: ۲۴۵/۱﴾ کیا جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا تھا، امام رازی فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی نصرت کی کیفیت میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ فرشتوں نے مومنوں کے ساتھ مل کر قتال کیا تھا اور بعض نے کہا کہ صرف مسلمانوں کے دل کو تقویت دی تھی اور انکو یہ خبر تھی کہ انکی نصرت ہوگی، اور کافروں کے دلوں پر رعب ڈال دیا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ اگر ضرورت پڑتی تو وہ لشکر کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے، ہوسکتا ہے کہ جنگ میں انکی ضرورت پیش نہ آئی ہو اور مسلمانوں کے دلوں کی تقویت کے لیے ان کا میدان میں حاضر ہونا کافی ہو، زیادہ تر مفسرین کا یہ زعم ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتال کیا تھا اور کسی جنگ میں قتال نہیں کیا، ﴿تفسیر کبیر: ۴۵/۳﴾

......﴿10﴾......

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے یہاں تک جنگ کی کہ ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی، وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں ایک لکڑی عطا کر دی اور فرمایا: اے عکاشہ! تم اسی سے جنگ کرو، جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے لکڑی حاصل کی تو وہ فوراً چمکدار اور مضبوط تلوار بن چکی تھی، پھر انہوں نے خوب جنگ کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار کر دیا، اس تلوار کا نام "العون" تھا اور وہ ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی، پھر وہ مختلف جنگوں میں اس تلوار کے ساتھ بہادری کے جوہر دکھاتے رہے اور جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے، ان کو طلیحہ بن خویلد اسدی نے شہید کیا تھا، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا بہت اونچا مقام ہے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک ہے: میری امت میں سے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی

طرح روشن ہوں گے، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! دعا کیجئے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی شامل فرمادے، آپ نے فرمایا: تم بھی ان میں شامل ہو، یا کہا: اے اللہ! اس کو بھی ان میں شامل فرمادے، انصار مدینہ میں سے ایک آدمی عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کردے، آپ نے فرمایا: اس کے متعلق عکاشہ تم پر بازی لے گیا اور دعا ٹھنڈی ہوگئی۔ ﴿صحیح بخاری، صحیح مسلم، سیرت ابن ہشام جلد۲﴾ حدیث مبارک ہے: عرب کا بہترین شہسوار عکاشہ بن محصن ہے، جنگ بدر میں ایک مجاہد اسلام حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تو حضور اقدس ﷺ نے انہیں کھجور کی شاخ عطا کردی، جب انہوں نے شاخ سنبھالی تو وہ ایک تیز دھار تلوار بن چکی تھی، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲/ ۴۴۷﴾

......﴿11﴾......

جنگ بدر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو للکارا کیونکہ وہ اس دن مشرکین مکہ کے ساتھ تھا، آپ نے فرمایا: میرا مال کہاں ہے، عبدالرحمٰن نے کہا ؎

لم یبق غیر شکة و یعبوب
وصارم یقتل ضلال الشیب

سوائے ہتھیار اور تیز رفتار گھوڑے اور تلوار کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا جو بوڑھے گمراہوں کا سر قلم کرتی ہے، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲﴾

ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن نے بعد میں مسلمان ہو کر کہا، اے ابا جان! آپ جنگ بدر میں کئی مرتبہ میرے نرغے میں آئے لیکن میں نے باپ سمجھ کر معاف کردیا، آپ نے فرمایا: اگر تم ایک مرتبہ بھی میرے قابو میں آجاتے تو میں کبھی معاف نہ کرتا کیونکہ تم میرے رسول مقدس ﷺ کے دشمن تھے ؎

محمد ﷺ ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر جان مال اولاد سے پیارا

......﴿12﴾......

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب جنگ بدر خوب گرم ہوئی تو میں کچھ وقت تک مصروف پیکار رہا، پھر میں برق رفتاری سے عریش مصطفےٰ ﷺ کی جانب لوٹا

کہ دیکھوں حضور اکرم ﷺ کس عالم میں ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ سربسجود تھے اور زبان رسالت پر "یا حیی یا قیوم" کا ورد جاری تھا، میں دوبارہ میدان جنگ میں کود پڑا، پھر کچھ دیر بعد عریش مصطفےٰ ﷺ کی طرف آیا اور دیکھا کہ آپ اسی حالت ذکر میں تھے، اس طرح میں کئی مرتبہ آیا اور گیا مگر آپ ﷺ اسی طرح مشغول مناجات رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح عطا فرما دی۔

حضور اقدس ﷺ کی دعاؤں کے صدقے شاہین صفت جوانانِ اسلام، لشکر کفار پر برق آسا حملے کر رہے تھے، سرداران قریش کا غرور لحہ بہ لحہ دم توڑتا جا رہا تھا، مکہ مکرمہ کے جگر کے ٹکڑے ہوائے بدر میں خزاں رسیدہ پتوں کی صورت اڑ رہے تھے، تاریخ عالم نے ایسا معرکہ بھی کہاں دیکھا ہوگا، رسول اللہ ﷺ اپنے سائبان کرم میں جلوہ انداز تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دربانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، اچانک آپ نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نمودار ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا: اے سعد! میں تمہارے چہرے پر ان لوگوں کے متعلق ناپسندیدگی کے آثار دیکھ رہا ہوں، انہوں نے عرض کیا، جی ہاں، یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ پر جو آفت نازل کی ہے، مجھے ان پر رحم کھانے اور انکو قیدی بنانے کی بجائے ان کو خوب قتل کرنا زیادہ پسند ہے، حضور سراپا نور ﷺ نے مجاہدین اسلام کو حکم دیا تھا' مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنو ہاشم اور بعض دوسرے افراد کو زبردستی جنگ میں لایا گیا ہے لہذا بنو ہاشم کا کوئی فرد ملے تو اسے قتل نہ کرنا، ابوالبختری بن ہشام ملے تو اسے قتل نہ کرنا، رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب ملیں تو انہیں قتل نہ کرنا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ جملہ ادا ہو گیا، ہم اپنے خاندان کے لوگوں کو قتل کریں اور عباس بن عبدالمطلب کو چھوڑ دیں، واللہ! اگر میں ان سے ملا تو ضرور ان کو قتل کر دوں گا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوحفص! کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا جان کے چہرے پر بھی تلوار ماری جائے گی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابو حذیفہ کی گردن اڑا دوں، واللہ وہ منافق ہو چکا ہے، حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، میں اس جملے سے بے خوف نہیں ہوں، اس کی سنگینی

کا مجھے ہمیشہ دھڑکا لگا رہے گا، اس کا کفارہ میری شہادت ہی ہو سکتی ہے، آخر وہ جنگ یمامہ میں شمع ختم نبوت پر قربان ہو گئے، ﴿تاریخ طبری، تاریخ الکامل، عیون الاثر وغیرہ﴾

......﴿13﴾......

ابو البختری عاص بن ہشام کے قتل سے اس لئے روکا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ کے دوران لوگوں کو آپ سے روکا کرتا تھا اور کبھی آپ کی ایذ رسانی کی جسارت نہیں کرتا تھا، اس نے اس نوشتے کی بھی مخالفت کی تھی جسے قریش مکہ نے بنو ہاشم کے خلاف رقم کیا تھا، اس کو حضرت مجذر بن زیاد بلوی رضی اللہ عنہ نے گھیر لیا، حضرت مجذر بن زیاد بنو سالم بن عوف کی شاخ سے تھے اور انصار مدینہ کے حلیف تھے، انہوں نے ابو البختری سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تمہارے قتل سے روکا ہوا ہے، اس کے ساتھ اس کا ہمرکاب جنادہ بن ملیحہ بن زہیر بھی تھا، اس نے کہا، کیا تم میرے ہمرکاب کو بھی قتل نہ کرو گے، انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! ہم تمہارے ہمرکاب کو نہیں چھوڑیں گے، اس نے کہا، پھر ہم دونوں ہی مریں گے، مکہ مکرمہ کی عورتیں میرے متعلق کیا کہیں گی کہ میں نے اپنے ہمرکاب کو اپنی زندگی کی حرص کی وجہ سے تنہا چھوڑ دیا، پھر اس نے یہ رجز پڑھا:

ترجمہ: ایک شریف عورت کا بیٹا اپنے ہمرکاب کو ہرگز حوالے نہ کرے گا یہاں تک کہ وہ خود مر جائے یا اپنے ہمرکاب کیلئے کوئی راستہ نکالے،

پھر ان دونوں میں سخت مقابلہ ہوا اور حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کے متعلق کہا ہے، اگر تم میرے نسب سے ناواقف ہو تو اس کو خوب جان لو کہ بنو بلی کا فرد ہوں، جو یزنی نیزوں سے جنگ آزما ہوتے ہیں اور سردار قوم پر اس وقت تک وار کرتے ہیں جب تک وہ زمین بوس نہ ہو جائے، البختری کو اپنے باپ کی جدائی کی خوشخبری سنا دو یا میرے بچوں کو یہ خوشخبری سنا دو، میں ہی وہ جوانمرد ہوں جسکی اصل بنو بلی ہے، میں یہاں تک نیزے کے وار کرتا رہتا ہوں کہ وہ مڑ جائے، میں اپنے دشمن کو مشرفی تلوار سے قتل کرتا ہوں اور موت کیلئے اونٹنی کی طرح کراہتا ہوں جس کا دودھ اس کے تھن میں رُک گیا ہو، یعنی تو مجذر کو عجیب باتیں کرتا ہوا نہ دیکھے گا، گویا وہ جو کہتا ہے کر گزرتا ہے، اس کارنامے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رسالت میں حاضر

ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے اس ذات کریم کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے بہت کوشش کی کہ وہ گرفتار ہو جائے لیکن اس نے جنگ کے سوا کوئی بات نہ مانی، لہذا میں نے اسے قتل کر دیا، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲، تاریخ طبری، تاریخ الکامل﴾

﴿14﴾

امیہ بن خلف بہت زیادہ بدفطرت اور کمینہ خصلت دشمن اسلام تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق یہ پیش گوئی فرمائی تھی کہ اسے ہم قتل کریں گے، ایک دفعہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے اس پیش گوئی کے بارے میں بتایا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی [1]، وہ میدان بدر میں بھی بادل نخواستہ آیا تھا، اب حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ اور اس کے بیٹے علی کو گرفتار کیا تو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی نظر پڑ گئی، انہوں نے کہا، یہ کفر کا امام امیہ بن خلف ہے، اگر یہ آج بچ کر نکل گیا تو میں زندہ نہیں رہوں گا پھر انہوں نے انصار مدینہ کی ایک جماعت کو اپنی مدد کیلئے بلایا، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بچانے کی بہت کوشش کی مگر حضرت بلال اور ان کے ساتھیوں نے تلواریں مار مار کر قتل کر دیا، قتل سے پہلے اُمیہ نے پوچھا، تم میں جس آدمی کے سینے پر شتر مرغ کے پیروں کا نشان تھا، وہ کون تھا،

---

[1] صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ آئے اور امیہ بن خلف کے مہمان بنے کیونکہ وہ بھی سفر مدینہ کے دوران ان کا مہمان بنتا تھا، جب وہ طواف کیلئے نکلے تو ابوجہل نے کہا، تم محمد مصطفے ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دینے کے بعد بھی امن وسکون کے ساتھ طواف کر رہے ہو، انہوں نے کہا، ہاں، پھر وہ آپس میں جھگڑنے لگے، انہوں نے کہا، اگر تم مجھے طواف کعبہ سے روکو گے تو میں تمہارے لئے تجارت شام کا راستہ بند کر دوں گا، امیہ ان کو بار بار روک رہا تھا کہ یہ ابوالحکم علاقے کا سردار ہے، اس کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کرو، اس پر ان کو مزید غصہ آ گیا، انہوں نے کہا، امیہ! تم بھی پیچھے ہٹ جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ تمہیں قتل کر دیں گے، اس نے کہا، بخدا محمد مصطفےٰ ﷺ جھوٹ نہیں بولتے، کیا وہ مجھے مکہ میں قتل کر دیں گے، انہوں نے فرمایا: یہ مجھے معلوم نہیں، پھر امیہ نے خوفزدہ ہو کر اپنی بیوی سے بات کی تو اس نے بھی صداقت مصطفوی کا اقرار کیا جب جنگ بدر کی تیاری ہونے لگی تو اسکی بیوی نے کہا کیا تمہیں اپنے یثربی بھائی کی بات یاد نہیں، اس نے سفر بدر کا ارادہ ترک کر دیا مگر ابوجہل کے اکسانے پر مجبوراً اپنی قتل گاہ کی طرف جانا پڑا، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ پر مستقبل کے اسرار فاش کر دیئے تھے اور آپ کی اس وسعت نگاہ کو آپ کے جانی دشمن بھی تسلیم کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، وہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے، اس نے کہا، اس جوانمرد نے ہماری تباہی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، پھر اس نے کہا، آج سے زیادہ تباہ کن دن میں نے کبھی نہیں دیکھا، کیا تمہیں نرمی برتنے کی کوئی ضرورت نہیں، جب انصار مدینہ کی جماعت نے اسے قتل کر دیا تو حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بولے: اللہ تعالیٰ حضرت بلال پر رحم فرمائے، انہوں نے میری زرہیں بھی ضائع کر دیں اور میرے قیدی بھی مار دیئے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۵۰﴾ حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کو اس لئے بچانا چاہتے تھے کہ وہ مکہ مکرمہ میں آپ کا گہرا دوست تھا، آپ اپنی زرہوں کو لے کر جا رہے تھے کہ اس نے آواز دی، کچھ میرا بھی دھیان کرو، میں ان زرہوں سے تو بہتر ہوں، پھر آپ نے اس کو پناہ دی، دراصل صحابہ کرام کے ایسے افعال سے مراد یہی ہوتا تھا کہ شاید کوئی ان کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ کا غلام بن جائے اور اپنی آخرت سنوار لے۔

﴿15﴾

صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عبیدہ بن سعید بن عاص کے ساتھ ہوا، عبیدہ کا سارا بدن ہتھیاروں میں ڈھکا ہوا تھا، صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور تاک کر اسکی آنکھ میں نیزہ مارا جس سے وہ واصل جہنم ہو گیا، اب نیزہ اسکی زرہ میں پھنس گیا تھا جس کو انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے نکالا، اس زور آزمائی سے نیزے کی دونوں دھاریں مڑ گئیں، بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے وہ نیزہ طلب فرمایا تو انہوں نے پیش کر دیا، آپ کے وصال کے بعد انہوں نے دوبارہ حاصل کر لیا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طلب فرمایا تو انہیں بھی پیش کر دیا، جب ان کا بھی وصال ہو گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طلب فرمایا، ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے طلب فرمایا، پھر وہ نیزہ آل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، ان سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے طلب فرمایا اور ان کے پاس رہا حتیٰ کہ وہ فتنہ حجاج بن یوسف کے دوران شہید ہو گئے، اتنی جلیل القدر شخصیات کی نسبت نے اس نیزے کو ایک تاریخی حیثیت عطا کر دی تھی، بعد ازاں وہ نیزہ بنو امیہ کے پاس چلا گیا اور پھر گم ہو گیا۔

......﴿16﴾......

جنگ بدر میں کچھ ایسے لوگ بھی قتل ہو گئے جو حضور اقدس ﷺ کے قیام مکہ کے دوران مسلمان ہو گئے تھے، ان کے آباؤ اجداد نے انکو ہجرت مدینہ کا شرف نہ حاصل کرنے دیا اور دباؤ ڈال کر اسلام سے منحرف کر دیا، جب یہ کفار کے ساتھ مل کر اہل اسلام سے مقابلہ کرنے کیلئے نکلے تو سب کے سب مارے گئے، قرآن پاک نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

ان الذین توفھم .... بے شک وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، ان سے فرشتوں نے پوچھا کہ تم کس مذہب میں تھے، انہوں نے جواب دیا، ہم ﴿مکہ مکرمہ کی﴾ زمین میں بہت کمزور تھے، فرشتوں نے کہا، کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی تا کہ تم اس میں ہجرت کرتے پس یہی لوگ ہیں جن کا انجام دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے، ﴿سورۃ النساء: ۹۷﴾

ان لوگوں کے نام یہ ہیں:

⊙...... حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب، یہ بنو اسد کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔

⊙...... ابو قیس الفاکہ بن مغیرہ، یہ بنو مخزوم کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔

⊙...... ابو قیس بن ولید بن مغیرہ

⊙...... علی بن امیہ بن خلف، یہ بنو جمح کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔

⊙...... عاص بن منبہ، یہ بنو سہم کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔

......﴿17﴾......

جنگ بدر کے دوران حضور سرور کائنات، فخر موجودات، محور ارض و سماوات ﷺ بارگاہ الوہیت میں از حد مناجات و معروضات پیش کرنے کے بعد بنفس نفیس جہاد میں شریک ہوئے، آپ کے یار غار نبوت، کلیم طور رسالت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنی تلوار سے لشکر کفار پر حملے کرنے لگے، اس طرح ان دونوں صاحبان صدق وصفا نے یہ

دونوں مقام حاصل کیئے، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کان اشد الناس باسایومئذوما کان احد اقرب الی المشرکین منہ ،یعنی اس روز سب سے شدید جنگ حضور اقدس ﷺ نے فرمائی، آپ ہی سب سے زیادہ مشرکین مکہ کے نزدیک تھے، ﴿سبل الھدیٰ:۴/۷۱﴾

﴿18﴾

انتہائی کینہ توز دشمن اسلام ابوجہل بن ہشام تھا، اس نے بددعا کی تھی، اے خداوند! زیادہ قطع رحمی کرنے والے اور غیر معروف چیزیں لانے والے کو ہلاک کردے اور اپنے زیادہ محبوب بندے کی مدد فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قطع رحمی کرنے والے ابوجہل کو ہلاک کردیا اور اپنے محبوب بندے محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد فرمادی، میدانِ بدر سے اس کے تمام وفادار ساتھی بھاگ رہے تھے، قتل ہو رہے تھے یا گرفتاریاں پیش کررہے تھے، قرآن پاک نے فرمایا:

ترجمہ: اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے تھے تو آ گیا ہے تمہارے پاس فیصلہ، اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سزا سے دوچار کریں گے اور تمہارا گروہ تمہارے کسی کام نہ آ سکے گا، اگرچہ اسکی تعداد کثیر ہو، بے شک اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے ﴿سورۃ الانفال:۱۹﴾

جنگ بدر میں اس امت کے فرعون ابوجہل کی موت نہایت عبرتناک واقع ہوئی، صحیح بخاری شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں دوران جنگ ایک صف میں کھڑا تھا کہ دائیں بائیں انصار کے دو نوعمر لڑکوں کو دیکھ کر اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کیا، میں نے ایک بڑے لڑکے سے سنا جو پوچھ رہا تھا، چچا جان! ذرا مجھے ابوجہل دکھانا، میں نے کہا، بھتیجے، تم اس کو دیکھ کر کیا کرو گے، وہ بولا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو گالی دیتا ہے، خدا تعالیٰ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے اسکو دیکھ لیا تو جب تک ہم دونوں میں سے پہلے مرنے والا موت کے گھاٹ نہ اتر جائے گا، میں اس سے ہرگز علیحدہ نہ ہوں گا، میں اسکی یہ جرأت مندانہ بات سن کر تعجب کرنے لگا کہ دوسرے لڑکے نے بھی میرا بازو دبایا اور یہی بات کہی، چند لمحوں کے بعد میں نے ابوجہل کو

صفوں کے درمیان چکر لگاتے دیکھا، میں نے ان سے کہا کہ وہ ابو جہل ہے، جس کے متعلق تم پوچھ رہے تھے، میرا یہ کہنا تھا کہ وہ دونوں تلواریں لے کر ایک دوسرے سے آگے بھاگے اور آن واحد میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر ان دونوں نے آ کر حضور اقدس ﷺ کو خبر دی تو آپ نے پوچھا: تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے، ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ میں نے قتل کیا ہے، پھر آپ نے ان کی تلواریں دیکھ کر فرمایا: واقعی تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے، مگر آپ نے اسکا سلب معاذ بن عمرو کو دیا، یہ دونوں لڑکے ﷺ معاذ اور معوذ ﷺ بن عفرا تھے، مختصر سیرۃ الرسول میں روایت ہے کہ ابو جہل کو اس پر بھی افسوس تھا کہ اس کو دو کسان زادوں نے قتل کیا ہے، امام ابن ہشام اور امام ابن اسحاق نے روایت لکھی ہے کہ اس روز ابو جہل یہ رجز پڑھ رہا تھا، جن جنگوں میں بار بار معرکے ہوتے ہیں، ایسی جنگیں بھی مجھ سے انتقام نہیں لے سکتیں، میں اونٹ کا دو سالہ جوان بچہ ہوں، میری ماں نے مجھے ایسے ہی کاموں کیلئے جنا ہے، حضرت معاذ بن عفرا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو جہل درختوں کے جھنڈ میں لپٹے ہوئے درخت کی طرح تھا، میں نے لوگوں سے سنا کہ اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، میں نے یہ بات سن کر اسی کو اپنا مقصود بنا لیا، پھر میں نے وہاں پہنچ کر حملہ کر دیا اور اسکی ٹانگ آدھی پنڈلی کے پاس سے اڑا دی، اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر وار کیا تو میرا بازو کٹ کر کھال سے لٹکنے لگا، اس طرح میرے لئے جنگ بڑی دشوار ہوگئی، پھر تنگ آ کر میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور توڑ کر پھینک دیا، ایک روایت میں ہے کہ جب جنگ ختم ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے بازو پر لعاب دہن لگایا تو وہ بالکل تندرست ہو گیا، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہے، بعد ازاں حضرت معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہ ابو جہل کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ وہ لنگڑا زمین پر پڑا ہوا تھا، انہوں نے اس پر شدید وار کئے اور اس طرح چھوڑ گئے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کٹ گیا تھا جس کو لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے لعاب دہن لگا کر اسے دوبارہ جوڑ دیا اور وہ ایک بار پھر مصروف جہاد ہو گئے اور آخر کار جام شہادت نوش کر لیا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جنگ بدر کے روز ابو جہل کی لاش کے پاس پہنچا جبکہ اس

میں زندگی کی کچھ رمق ابھی باقی تھی، پس وہ کہنے لگا، جن لوگوں کو تم نے قتل کیا ہے، کیا ان میں مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو دیکھے کہ ابو جہل کا کیا بنا، پس حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور دیکھا کہ اسے عفراء رضی اللہ عنہا کے دونوں بیٹوں نے اتنا زخمی کیا ہے کہ وہ سسکیاں لے رہا ہے، انہوں نے کہا، تو ابو جہل ہے، پھر انہوں نے اس کی داڑھی پکڑ لی، ﴿صحیح بخاری﴾ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ابو جہل کے گرد ایک چکر کاٹا اور اسکی چھاتی پر چڑھ گئے، اس نے کہا، اے چرواہے! تم نے بڑے مشکل زینے پر قدم رکھا ہے، انہوں نے اپنی تلوار سے اسکے سر پر ضربیں لگانی شروع کر دیں، اس وقت انہیں یہ خیال بھی آیا کہ یہ وہی ظالم ہے جو ان کے بال کھینچا کرتا تھا، اس نے جان کنی کے عالم میں سر اٹھا کر پوچھا، کس کیلئے فتح و نصرت ہے، انہوں نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول کیلئے، پھر اس کی داڑھی پکڑ کر کہا، اے اللہ کے دشمن، اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں ذلیل و رسوا کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ آواز کہاں سے آ رہی تھی جسکو میں سن رہا تھا اور بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا، انہوں نے جواب دیا، وہ کسی فرشتے کی آواز تھی، اس نے کہا، پھر فرشتوں نے ہمیں شکست دی ہے نا کہ تم لوگوں نے، ﴿تفسیر کبیر:۶/۵۵۳﴾ بہر حال انہوں نے پھر اس کا خود ہٹا کر گردن کاٹی اور اسکے ساز و سامان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اسکا منحوس سر پیش کیا، آپ نے دیکھ کر تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

"الحمد لله الذى اعز الاسلام واهله، تمام تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت عطا فرمائی"

پھر آپ نے سجدۂ شکر ادا فرمایا اور اعلان کیا، ہر امت کا ایک فرعون ہوتا تھا، اس امت کا فرعون ابو جہل ہے، ایک روایت کے الفاظ ہیں، اللہ اکبر، سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، اپنے عبد خاص کی امداد کی اور اکیلئے تمام لشکروں کو شکست فاش سے دوچار کر دیا، ابو جہل بہت کینہ پرور انسان تھا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے موت کے شکنجے میں کراہتے ہوئے بھی یہی کہا، اپنے نبی سے کہہ دینا کہ میں ساری زندگی ان کا

دشمن رہا اور اس وقت بھی ان کے ساتھ میری شدید عداوت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں تمام امتوں کے انبیاء کرام سے افضل ہوں، میری امت تمام امتوں کی سردار ہے اور اس امت کا فرعون تمام امتوں کے فرعونوں سے زیادہ کینہ پرور ہے، بیشک امت موسیٰ کے فرعون نے بحر احمر کی موجوں کا سامنا کیا تو پکار اٹھا، میں اس خدا پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، لیکن اس امت کا فرعون مرتے وقت بھی اپنی اسلام دشمنی سے باز نہیں آیا، ﴿محمد رسول اللہ ﷺ: ۳/۴۳۱﴾ ایک روایت ہے کہ آپ نے چل کر اس کی لاش دیکھی اور فرمایا: یہ اس امت کا فرعون ہے۔

﴿19﴾

امت مصطفیٰ کے فرعون ابوجہل کو مار گرانے والے دو غیور نوجوان ایک عظیم خاتون حضرت عفرا رضی اللہ عنہا کے لخت جگر تھے، حضرت عفرا رضی اللہ عنہا کو بیعت عقبہ کا شرف حاصل تھا، ان کے پہلے شوہر حارث بن رفاعہ سے تین فرزند پیدا ہوئے، عوف، معاذ اور معوذ، ان کو حضرت عفرا رضی اللہ عنہا سے منسوب کیا جاتا تھا، حضرت عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت بیان ہو چکا ہے، دوسرے شوہر بکیر بن یالیل سے چار فرزند پیدا ہوئے، ایاس، عاقل، خالد، عامر، ان فرزندان عفرا نے بھی جوان ہو کر اسلام کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا، ایک دفعہ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رسالت میں کھجوروں کا تھال پیش کیا تو آپ نے خوش ہو کر انہیں والی بحرین کی طرف سے بھیجے گئے طلائی زیور کا تحفہ عطا کیا اور فرمایا، اس کو زیب تن کیا کرو، حضور اکرم ﷺ ان کی شادی میں بھی شریک ہوئے، ایک دفعہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حلیہ مصطفیٰ ﷺ کے متعلق دریافت کیا تو فرمانے لگیں: اے بیٹے! اگر تم حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرتے تو ایسے لگتا ہے جیسے سورج طلوع ہو رہا ہے، غرضکہ خاندان عفرا پر رسول اللہ ﷺ از حد مہربان تھے اور اس کو اپنی عطاؤں سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔

﴿20﴾

جنگ بدر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا جس سے آنکھ کا ڈھیلا ان کے رخسار پر بہنے لگا، وہ اس دردناک حالت میں حضور سید دو عالم ﷺ کے پاس آئے تو آپ

نے ڈھیلا اس کی جگہ پر رکھ کر اوپر دست رحمت پھیرا، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفا عطا فرما دی، ان سے روایت ہے کہ معلوم نہیں ہوتا، دونوں آنکھوں میں کونسی سے آنکھ نکلی تھی، یہ معجزہ بہت مشہور تھا، ایک دفعہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو ان الفاظ میں اپنا تعارف کروایا ۔

انا ابن الذی سالت الخدّ عینه

وردت بکف المصطفیٰ ایما ردّ

میں اس مجاہد کا لخت جگر ہوں جس کی آنکھ اسکے رخسار پر بہنے لگی تھی اور مصطفیٰ کریم ﷺ کے دست رحمت نے اسے لوٹا دیا تھا تو یہ منظر کتنا خوبصورت تھا۔

جنگ بدر سترہ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک معرض وجود میں آئی اور طلوع آفتاب سے لے کر زوال آفتاب تک جاری رہی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کفار مکہ میدان جنگ سے فرار اختیار کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ دست مبارک میں تلوار پکڑے ان کا تعاقب فرما رہے تھے، اس وقت زبان نبوت پر یہ آیات جاری تھیں:
سیھزم الجمع ویو لون الدبر بل الساعة موعدھم والساعة ادھیٰ وامر، فرماتے ہیں، مجھے ان آیات کا مفہوم اس روز معلوم ہوا تھا، ﴿سبل الهدیٰ:۴/۸۳﴾ جب رسول اللہ ﷺ کارزار جنگ سے فارغ ہوئے تو کسی پروانہ نبوت نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس تجارتی قافلے پر حملہ کر دیا جائے، اب اسمیں کوئی آڑ نہیں، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس وقت جنگی قیدی کی حیثیت سے موجود تھے، انہوں نے عرض کیا، یہ فیصلہ درست نہیں، آپ نے فرمایا: کیوں درست نہیں، انہوں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ پر غلبہ عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا، سو وہ پورا ہو چکا ہے، آپ نے فرمایا: آپ سچ کہتے ہیں۔

……﴿21﴾……

جنگ بدر میں کفار مکہ کے ستر افراد عبرتناک موت سے دوچار ہوئے جن میں ان کے سرکردہ لوگ بھی شامل تھے، رسول اللہ ﷺ نے جس جس جگہ پر ان کے گرنے کی نشاندہی فرمائی تھی، وہ اس جگہ پر زمین بوس ہوئے تھے، آپ نے ان ازلی دشمنوں کی لاشوں کو بھی پردہ عطا فرما کر اپنے اعلیٰ کردار کا ایک اور ثبوت فراہم کیا، آپ مقتولوں کی

لاشوں کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا، تم اپنے نبی کی بری برادری ہو، تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ دوسروں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے بے یارومددگار چھوڑا جبکہ دوسروں نے میری مدد کی، تم نے مجھے گھر سے نکالا جبکہ دوسروں نے مجھے جگہ دی، پھر آپ نے حکم دیا کہ کفار مکہ کی سب لاشیں گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دی جائیں، صحیح بخاری میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے قریش مکہ کے چوبیس سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈلوادیں، آپ کی عادت تھی کہ جب کسی قوم پر فتح حاصل کرتے تو اس جگہ تین دن قیام فرماتے، پھر وہاں سے مراجعت فرماتے، جب میدان بدر میں تیسرا دن ہوا تو آپ نے اپنی ناقہ مبارکہ پر زین کسنے کا حکم دیا، زین کسی گئی تو آپ سوار ہو کر ایک طرف چل پڑے، صحابہ کرام بھی آپ کے پیچھے چلے، ان کا بیان ہے، ہم سمجھتے تھے کہ آپ کسی کام کیلئے جا رہے ہیں، آپ اس کنوئیں پر آکر رکے جس میں مشرکین مکہ کی لاشیں ڈالی گئی تھیں، آپ نے ان کو ان کے باپوں کے نام لے کر پکارا، اے فلاں ابن فلاں! کیا اب تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، ہم سے ہمارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا، کیا تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ ان بے جان لاشوں سے کیا بات کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: جو میں بات کر رہا ہوں، اس کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تا کہ ڈانٹ، انتقام، حسرت اور ندامت کیلئے آپ کی بات ان کو سنادے اور اسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، خدا کی قسم! **الذین بدلو انعمة الله،** سے کفار قریش مراد ہیں اور **نعمة الله** سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں، **واحلوا قومهم دار البوار** سے آگ مراد ہے جس میں وہ بدر کے دن گرے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۵۴﴾

امیہ بن خلف کو کنوئیں میں نہ پھینکا گیا کیونکہ وہ لحیم شحیم تھا اور سڑ کر پھول گیا تھا، اس نے زرہ پہنی ہوئی تھی، جب اسے زرہ سے کھینچنے لگے تو اس کا گوشت اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہونے لگیں، لہٰذا اسکو وہیں پڑا رہنے دیا گیا اور وہیں اس کی بدبودار لاش پر مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے، چونکہ امیہ بن خلف بھی بدر کے کنوئیں کے قریب ہی پڑا تھا، اسلئے وہ بھی

دیگر سرداران قوم کے ساتھ پکارا گیا، مذکورہ صدر صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ لوگ اپنی قبروں میں سنتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کے برعکس منقول ہے کہ وہ نہیں سنتے، لیکن یاد رہے کہ یہ ان کا موقف اول ہے، مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سند حسن کے ساتھ روایت ہے کہ **ماانتم باسمع لما اقول منهم**، یعنی میری بات کو تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا موقف ثانی یہی ہے کہ وہ اپنی قبروں میں سنتے ہیں، امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس ﴿پہلے﴾ ارشاد سے اس وجہ سے رجوع کیا ہے کہ وہ اس قصہ میں موجود نہیں تھیں، ان کے نزدیک صحابہ کرام سے یہ ﴿عقیدہ﴾ ثابت ہو گیا۔ ﴿مواہب لدنیہ:۱/ ۲۴۹﴾ اس کے بعد انہوں نے بہت سے دلائل سے سماع موتی کا نظریہ ثابت کیا ہے اور اشکال کی تردید فرمائی ہے، امام ابن کثیر اور ابن قیم الجوزیہ جیسے لوگوں نے بھی سماع موتی پر علمائے امت کا اجماع نقل کیا ہے، شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن اوشبہ نیست۔ ﴿فتاویٰ عزیزیہ:۱/ ۹۲﴾

﴿22﴾

جنگ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت بڑی آزمائش سے سرخرو ہوئے تھے، انہوں نے اپنی خارہ شگاف تلواروں سے اغیار کو نہیں اخیار کو موت کے گھاٹ اتارا تھا، کسی نے اپنے باپ کو قتل کیا تو کسی نے اپنے بھائی کو، کسی نے اپنے چچا کو مارا تو کسی نے اپنے ماموں کو، انہوں نے تمام رشتے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قربان کر دیئے، اب ان لوگوں کا اپنے عزیز و اقارب کی لاشوں کو ٹھکانے لگانا مزید امتحان تھا، جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش گھسیٹی جا رہی تھی تو اس کے مسلمان بیٹے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر غم و آلام کا سایہ لہرا رہا تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ نے اسے محبت سے پوچھا، اے ابوحذیفہ! اپنے باپ کی لاش دیکھ کر تیرے دل میں کوئی اندیشہ تو نہیں، انہوں نے عرض کیا، اللہ کی قسم نہیں، مجھے اپنے باپ کے انجام کے متعلق کوئی اشکال نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ میرا باپ صاحب رائے، صاحب حلم اور صاحب فضل انسان تھا، مجھے امید تھی کہ یہ خوبیاں اسے اسلام کی طرف مائل کریں گی مگر

اب اس کا یہ انجام دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا ہے، آپ نے انہیں دعائے رحمت سے سرفراز فرمایا۔ روایات میں آتا ہے کہ مقتولین بدر شدید عذاب میں مبتلا کیے گئے، طبرانی اوسط کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ بدر کے مقام پر ایک شخص کو دیکھا کہ شدید عذاب میں مبتلا تھا اور پانی مانگ رہا تھا، ایک حبشی اس پر مسلط تھا اس نے کہا، عبداللہ! اس کو پانی نہ دینا، یہ مشرک ہے، ﴿مواہب لدنیہ:۱/۲۵۳﴾

مال غنیمت اور اہل حراست:

فراغت جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام مال غنیمت جمع کیا جائے، جب سارا مال غنیمت جمع ہو گیا تو اختلاف کی نوبت آ گئی، امام ابن اسحٰق نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے سورۃ الانفال کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ سورت ہم اصحاب رسول کے متعلق نازل ہوئی جب ہم نے مال غنیمت کے بارے میں اختلاف کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے ہم سے چھین کر رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں دے دیا اور آپ نے ہمارے درمیان برابر تقسیم کر دیا، یوم بدر میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار کل چودہ مسلمان شہید ہوئے تھے، چھ انصار کا تعلق قبیلہ خزرج سے اور دو انصار کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا، مشرکین مکہ کے ستر افراد مارے گئے اور ستر گرفتار کئے گئے، اسیران بدر میں عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بھی شامل تھے، بعدازاں یہ سب دولت اسلام سے مشرف ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسیران بدر کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ لیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں پر قدرت دی ہے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ان لوگوں کی گردن مار دیجئے، آپ نے دوبار پھر وہی کلمات ارشاد فرمائے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا، ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا، ہر قیدی کو اس کے مسلمان رشتے دار کے سپرد کیا جائے اور حکم دیا جائے کہ اسکی گردن اڑا دے کیونکہ یہ تمام کفر کے سرغنے ہیں، پھر یہ اسلام کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکیں گے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ تمام جنگی قیدیوں کو زندہ جلا دیا جائے، حضور رحمت دو عالم ﷺ ان کے اس مشورے سے اعراض کرتے

رہے، یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! ان کو قتل نہ کیجئے بلکہ معاف فرما دیجئے اور فدیہ قبول کر لیجئے، فدیہ سے جو سرمایہ جمع ہو گا وہ اہل اسلام کی قوت وحشمت کا باعث بنے گا اور پھر رحمت خداوندی سے کوئی بعید نہیں کہ ان لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب ہو جائے، یہ مشورہ آپ کے مزاج رحمت کے عین مطابق تھا، آپ نے اسے قبول فرما لیا، ایک مشہور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے بعض لوگوں کے دلوں کو مکھن سے زیادہ نرم اور بعض لوگوں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت بنایا ہے، اے ابوبکر! تمہارا حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند ہے جنھوں نے کہا تھا: اے اللہ! جو میری پیروی کرے تو وہ میرا ہے اور جو نافرمانی کرے تو بیشک تو ہی معاف کرنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے، اور اے عمر! تمہارا حال حضرت نوح علیہ السلام کی مانند ہے کہ انہوں نے کہا، اے پروردگار! روئے زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۱۷۰﴾ دوسرے دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گریہ زن دیکھا، استفسار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے دوستوں نے جو فدیے کا مشورہ دیا تھا اس کے باعث ان کو دیا جانے والا عذاب اس درخت سے بھی نزدیک میرے سامنے پیش کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

> ما کان للنبی ان یکون له اسری............ یعنی نبی کو مناسب نہیں کہ خونریزی کیے بغیر قیدیوں کو فدیے لے کر چھوڑ دے، اے مسلمانو! تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ عزت وحکمت والا ہے، ﴿سورۃ الانفال: ۶۷﴾

گویا قرآن پاک کا حکم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق نازل ہوا، حضرت امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سوا تمام حاضرین نے مال غنیمت کو پسند کیا تھا، ان دونوں نے اسیران بدر کے قتل کا مشورہ دیا تھا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اگر عذاب نازل ہوتا تو عمر اور سعد کے بغیر کوئی محفوظ نہ رہتا، علما کرام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے جو طریقہ اختیار کیا تو وہ اسیران بدر کے اسلام لانے پر انتہائی رغبت وشوق کی بنا پر تھا کہ شاید وہ مسلمان ہو جائیں، اسی کی

وجہ سے وہ درجہ شہادت کی طرف گئے یا پھر قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے نرمی اور مہربانی کا سلوک اختیار کیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، لولا کتاب من اللہ...... اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہوتا تو جو تم نے فدیہ لیا اس میں تمہیں بڑا عذاب پہنچتا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۱۷۱﴾ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا، اپنے اصحاب کو اختیار دیں، اگر چاہیں تو قیدیوں کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں مگر آئندہ سال ان کے اتنے ہی آدمی شہید ہو جائیں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا، ہم فدیہ پسند کرتے ہیں خواہ ہم میں سے اتنے آدمی شہید ہو جائیں، اس کو ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا، اگلے سال غزوہ احد میں ستر اصحاب کرام شہید ہو گئے، جن میں حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بھی شامل تھے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۱۷۰﴾ غرض اس مسئلے میں بہت طویل مباحث پائے جاتے ہیں، کچھ علما نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کو اور کچھ علما نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی ہے کیونکہ آخر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو برقرار رکھا گیا ہے، پھر قرآن پاک نے بھی اس کو حلال فرما دیا، نیز اس رائے میں رحمت اور شفقت کا پہلو بھی اجاگر ہے، جس سے بہت سے اسیران بدر دامن اسلام سے وابستہ ہوئے اور ان کی پاکیزہ نسلوں سے امت کے جلیل القدر انسانوں نے جنم لیا۔

مدینہ منورہ میں فتح کی بشارت:

فتح بدر کے بعد حضور نور علیٰ نور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جانب مشرق کے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جانب مغرب کے دیہات میں فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے روانہ کیا، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں فتح بدر کی بشارت اس وقت ملی جب ہم آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین سے فارغ ہوئے، یہی زیادہ صحیح قول ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور پر نور ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دفن کے وقت موجود تھے، آپ ان کی قبر مبارک پر تشریف فرما رہے اور اشک مبارک بہاتے رہے، ﴿مدارج النبوۃ، ۲:۱۷۲﴾ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں، مجھے حضور پر نور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی

تیمارداری کے لیے چھوڑا تھا، میرے والد محترم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ میں فتح کی خوشخبری سنائی تو میں ان کے پاس آیا، اس وقت وہ عیدگاہ میں کھڑے تھے اورلوگ ان کے اردگرد جمع تھے، وہ فرمارہے تھے، عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابوالبختری، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ ومنبہ بن حجاج جیسے سرداران قریش قتل ہوچکے ہیں، میں نے پوچھا، ابا جان! کیا یہ سچ ہے، انہوں نے فرمایا، ہاں بیٹا! یہ سب سچ ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۲۵۵﴾ منقول ہے کہ جس دن میدان بدر میں مسلمان فتح یاب ہوئے اس دن رومیوں نے فارسیوں پر فتح حاصل کی، یہ واقعہ بھی اہل اسلام کے لیے خوشی کا موجب تھا کیونکہ اس کے لیے قرآن پاک کی پیش گوئی برحق ثابت ہوگئی تھی، فتح بدر کی بشارت جہاں مسلمانوں کے لیے انتہائی جان فزا تھی وہاں منافقوں کے لیے انتہائی جانکاہ تھی، ایک منافق نے کہا، یہ زید بن حارثہ تو حضور اقدس ﷺ کی ناقہ قصویٰ پرسوار ہے، لگتا ہے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور حضور اقدس ﷺ بھی شہید ہوچکے ہیں، خود زید بن حارثہ میدان جنگ سے فرار اختیار کر کے یہاں پہنچا ہے، یہود بھی اس پروپگنڈے کو ہوا دینے لگے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس منافق سے فرمایا! تم جھوٹ بول رہے ہو، جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائیں گے تو میں تم کو ان کی بارگاہ میں پیش کروں گا، اس پروہ گھبرا کر کہنے لگا نہیں نہیں میں نے تو ویسے ہی بات کی تھی، اس سرورکن بشارت کے بعد خود سراپا بشارت، پیکر رسالت ﷺ بھی عازم مدینہ ہوگئے، آپ کے ہمراہ اسیران بدر کا گروہ تھا اور اموال غنیمت سے مالا مال اونٹ تھے، اموال غنیمت کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، ایک سو پچاس اونٹ، دس گھوڑے، کثیر تعداد میں ہتھیار، چمڑے کے دسترخوان، بہت زیادہ مقدار میں رنگا ہوا چمڑا، ابوجہل کا اونٹ آپ نے اپنے پاس رکھ لیا اور غزوات میں اس پر سواری فرمائی، عصر کے وقت یہ کاروان نصرت مقام اثیل پر پہنچا اور آپ نے نماز عصر ادا فرمائی، فراغت جنگ کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے پر سوار حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی، اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا ہے کہ جب تک آپ راضی نہ ہوں تو واپس نہ آنا، کیا آپ راضی ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں میں راضی ہوں اور تمہیں واپسی کی اجازت عطا کرتا ہوں، مقام صفرا پر پہنچ کر مال غنیمت تقسیم فرمایا، اور نضر بن

حارث کو واصل جہنم کیا، جب مرج الظبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کی گردن اڑا دی، قتل کے وقت عقبہ نے پوچھا، میرے بچوں کا کفیل کون ہو گا، آپ نے فرمایا: ان کا کفیل آگ ہو گی، اس بدفطرت انسان کو حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ یا بروایت دیگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فی النار کیا، نضر اور عقبہ حضور پیغمبر اسلام ﷺ کے بدترین دشمن تھے، گویا یہ معاشرے کے وہ ناسور تھے جن کا ختم ہو جانا معاشرے کی بھلائی کا ضامن تھا، الروحا کے مقام پر مدینہ منورہ کے سرکردہ افراد استقبال کے لیے پہنچ گئے اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں گلہائے تبریک پیش کیے، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے نہایت خوبصورت الفاظ میں نذرانہ محبت پیش کیا:

''تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے آپ کو فتح یاب کیا اور آپ کی آنکھوں کو راحت پہنچائی، اللہ کی قسم! میرے پیچھے رہنے کا سبب یہ تھا کہ میں سمجھا کہ آپ صرف تجارتی قافلے کا تعاقب کرنا چاہتے ہیں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں تو میں کبھی پیچھے نہ رہتا، آپ نے فرمایا: اے اسید! تم نے سچ کہا ہے، ﴿سیرت ابن کثیر، ۲:۴۷۲﴾

اسی مقام پر حضور اکرم ﷺ کے حجام حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے حلوے کا تحفہ پیش کیا جو کھجور، ستو اور گھی سے تیار کیا گیا تھا، آپ نے اس تحفے کو بصد محبت قبول فرمایا اور فرمایا ابو ہند انصار میں سے ہیں، اس لئے ان ﴿کی لڑکیوں﴾ سے نکاح کرو اور اپنی ﴿لڑکیاں﴾ ان کے نکاح میں دو، اہل مدینہ مبارک باد پیش کر رہے تھے، حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! تم ہمیں کس بات کی مبارک باد دے رہے ہو، اللہ کی قسم! ہم نے صرف چند بوڑھوں سے مقابلہ کیا جو قربانی کے اونٹوں کی طرح زانو بندھے ہوئے تھے اور ہم نے ان کی قربانی کر دی، رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرما کر کہا: بھتیجے وہی تو سرگروہ تھے، ﴿تاریخ طبری، تاریخ الکامل﴾ پھر ۲۴ رمضان المبارک جمعۃ المبارک کا دن یا آخر رمضان کا دن تھا جب آپ رونق افروز مدینہ ہوئے، انصار کی بچیوں نے دف بجا کر اور وہی مشہور نعتیہ اشعار گا کر آپ کا استقبال کیا

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　　　ما دعا للہ داع

اسلام کی اس فتح مبین سے دشمنان اسلام پر لرزہ طاری ہوگیا، بہت سے افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور انہی دنوں میں عبداللہ بن ابی نے بظاہر مسلمان ہونے کا اعلان کیا، یہود مدینہ نے بھی اعتراف کیا کہ واقعی یہ تو وہی پیغمبر ہے جس کی شان وعظمت تورات میں بیان کی گئی ہے۔

اسیران بدر کے کچھ واقعات:

مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمانے کے بعد حضور تاجدار مدینہ ﷺ نے اسیران بدر کے طعام وقیام کا بندوبست فرمایا، آپ نے ان کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم فرما دیا اور ان کو ہدایت کی کہ ان لوگوں سے بہت اچھا سلوک کرو، نیز دستور العمل تشکیل دیا کہ ان میں سے جو آدمی چاہے فدیہ دے کر رہائی اختیار کرلے یا اہل مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے تو اسے آزاد کر دیا جائے گا، کتنے افراد ایسے بھی تھے جنھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل اسلام کا حسن اخلاق دیکھ کر دنیا کی آزادی کو اسلام کی غلامی پر قربان کر دیا اور ہمیشہ کیلئے ساحل ہدایت سے ہمکنار ہوگئے، آیئے اسیران بدر کے کچھ واقعات پڑھ کر قلب ونگاہ کو سیراب اور شاداب کیجئے:

﴿1﴾

حضرت امام طبرانی اور حضرت امام بزار نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کیا، وہ مردِ جسیم تھے، ان سے کسی آدمی نے کہا کہ آپ کو ابوالیسر نے کیسے گرفتار کرلیا، حالانکہ وہ تو پست قد آدمی ہیں، اگر آپ چاہتے تو انہیں اپنی ہتھیلی میں لے لیتے، انہوں نے جواب دیا، ایسی کوئی بات نہیں، میں ابوالیسر سے ملا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے خندمہ پہاڑ کی طرح ظاہر ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے ابو الیسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے حضرت عباس کو کس طرح اسیر کیا تو انہوں نے جواب دیا، میری مدد ایک اجنبی شخص نے کی تھی، وہ بہت زیادہ ہیبت وعظمت والا تھا، آپ نے فرمایا: وہ عزت والا فرشتہ تھا جس نے تمہاری مدد کی۔ ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۱۶۸﴾ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اسیران بدر کو باندھنے کا حکم دیا گیا تھا، انہوں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو نہایت

سختی سے باندھا تا کہ وہ اسلام قبول کر لیں، حضور اکرم ﷺ نے ان کے کراہنے کی آواز سنی تو ساری رات آرام نہ فرما سکے، انصار کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کی خوشنودی کے لیے ان کو کھول دیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا حضرت عباس کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے آپ نے کوئی جواب نہ دیا، ایک روایت ہے کہ جب حضرت عباس سو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، کیا بات ہے میں ان کے کراہنے کی آواز نہیں سن رہا، صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ان کے بندوں کو ڈھیلا کر دیا گیا ہے، اس پر آپ نے فرمایا تمام اسیران بدر کے بند ڈھیلے کر دیئے جائیں۔ ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۶۹﴾ امام ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا: آپ اپنے آپ کا، اپنے برادر زاد عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کریں، انہوں نے کہا، میں مسلمان تھا لیکن میری قوم نے کراہت دلائی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زیادہ عالم ہے، جو بات آپ کہتے ہیں اگر وہ حق ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت میں جزا دے گا لیکن آپ کا امر ظاہر یہ ہے کہ آپ ہمارے مخالف تھے، پھر آپ نے ان پر سو اوقیہ اور عقیل بن ابی طالب پر اسی اوقیہ سونا بطور فدیہ قرار دیا، انہوں نے کہا، کیا رشتے داری کی وجہ سے یہ فدیہ قرار دیا ہے، آپ نے فرمایا: اس لئے کہ آپ بڑے مالدار تھے، پھر قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی، **یاایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاساری ان یعلم اللہ** .... یہ آیت سن کر حضرت عباس نے کہا، کاش مجھ سے اس کا دو چند موصول کیا جاتا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یوتیکم خیرا مما اخذ منکم**، گویا اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں اس سے دو چند دے گا اور آخرت میں تمہیں ثواب ملے گا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عباس کے ایمان لانے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے بدر کیلئے سونے کے بیس اوقیہ نکالے تھے تاکہ مشرکوں کو کھانا کھلائیں لیکن قید ہونے پر وہ ان سے لے لئے گئے، انہوں نے فدیہ طلب کئے جانے پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یہ بیس اوقیہ ان کے فدیہ کے حساب میں رکھ دیئے جائیں، آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز نہیں جس کو لے کر آپ نکلے تھے اور جس سے ہم مسلمانوں پر کفار کو مدد دی تھی، لہٰذا یہ آپ کیلئے نہیں چھوڑے جا سکتے، انہوں نے عرض کیا، آپ نے مجھے ایسے حال پر چھوڑ دیا ہے کہ غربت کے

باعث قریش کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گا، آپ نے فرمایا: چچا! آپ کا وہ سونا کہاں ہے جو آپ نے مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت اپنی زوجہ ام الفضل کو دیا تھا، انہوں نے حیرت سے پوچھا، آپ کو کیونکر معلوم ہوا، آپ نے فرمایا: میرے پروردگار نے مجھے خبر دی ہے، اس پر حضرت عباس نے صمیم قلب سے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بالکل سچے ہیں، اس سونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک آپ اس کے عبد خاص اور رسول اعظم ہیں۔ ﴿مواہب لدنیہ جلدا﴾

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کے متعلق مختلف اقوال ہیں، مثلاً وہ قدیم مسلمان تھے اور اپنا اسلام پوشیدہ رکھتے تھے، یا یہ کہ وہ یوم بدر میں مسلمان ہوئے، یا یہ کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنا اسلام ظاہر کیا، اس فتح کے ساتھ ہجرت ختم ہوگئی، یا یہ کہ وہ یوم خیبر میں مسلمان ہوئے، ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جنگ بدر سے پہلے کے مسلمان تھے، رسول اللہ ﷺ کو مشرکین مکہ کی خبریں بھیجا کرتے تھے اور خود آپ کے حضور پہنچنے کو دوست رکھتے تھے، ان اقوال کی تفصیلات مواہب لدنیہ میں مرقوم ہے۔

﴿2﴾

حضور اکرم ﷺ نے نوفل بن حارث سے فرمایا کہ جدہ میں رکھے ہوئے اپنے نیزے بطور فدیہ ادا کردو تو ہم تمہیں آزاد کردیں گے، نوفل یہ گفتگو سن کر حیران ہوگیا اور بولا ان نیزوں کا تو فقط مجھے علم تھا، اگر آپ کو ان کے متعلق علم ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر برحق ﷺ ہیں، پھر انہوں نے ایک ہزار نیزے بطور فدیہ ادا کر کے آزادی حاصل کی، ﴿سبل الھدیٰ:۴/۱۰۵﴾

﴿3﴾

اسیران بدر میں ابو وداعہ سہمی بھی موجود تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اسکا بیٹا بہت مالدار ہے، وہ اس کا فدیہ لے کر جلد آجائے گا، ادھر قریش مکہ نے کہا کہ ہم مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں کا فدیہ دے کر جلد آزاد نہیں کروائیں گے، اس نے کہا، بالکل ٹھیک ہے، لیکن خود خفیہ طور پر مدینہ منورہ پہنچ گیا اور چار ہزار درہم بطور فدیہ ادا کر کے اپنے باپ کو آزاد کروالیا، اس کو فتح مکہ کے روز اسلام کی دولت نصیب ہوگئی، ﴿ایضاً:۴/۱۰۶﴾

﴿4﴾

ابوسفیان کا بیٹا عمرو بھی قیدی تھا، لوگوں نے کہا کہ تم فدیہ ادا کر کے اسے چھڑالو تو اس نے کہا کہ عمرو کو قیدی ہی رہنے دو، جب مسلمان اس سے تنگ آجائیں گے تو خود بخود آزاد کر دیں گے، اتفاق سے ان دنوں حضرت سعد بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ عمرہ کیلئے چلے گئے، ابوسفیان نے ان کو گرفتار کر کے ان کے عوض اپنے بیٹے کی آزادی کا مطالبہ کر دیا، جب ان کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کو معلوم ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا، آپ نے عمرو بن ابوسفیان کو چھوڑ دیا جس کے بدلے میں حضرت سعد بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کو بھی آزاد کر دیا گیا، ﴿ایضاً: ۴/ ۱۰۸﴾

﴿5﴾

ابوعزیز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا، بدر کے دن جب حضرت کعب انصاری رضی اللہ عنہ اس کے بازو باندھ رہے تھے تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا، اس کے بازوؤں کو مضبوطی کے ساتھ باندھ لو کیونکہ اسکی والدہ بہت مالدار خاتون ہے، تمہیں قیمتی معاوضہ دے کر چھڑا لے گی، پھر اسے ایک انصاری کے حوالے کر دیا گیا، ابوعزیز کا بیان ہے کہ وہ انصاری مجھے تو روٹی دیتے لیکن خود کھجوروں کے چند دانوں پر کفایت کرتے تھے، مجھے اس حسن سلوک پر بہت شرم آتی اور میں روٹی کا ٹکڑا اس کو واپس کر دیتا تو وہ پھر مجھے عنایت کر دیتے ابوعزیز ایک اہم آدمی تھا، آخر اس کی والدہ نے چار ہزار درم ادا کر کے اس کو آزاد کروالیا، بعد ازاں وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، ﴿ایضاً﴾

﴿6﴾

فدیہ کے لئے کوئی خاص مقدار مقرر نہیں تھی، قیدی کی مالی حیثیت کو سامنے رکھ کر فدیے کا مطالبہ کیا جاتا تھا، کسی سے چار ہزار، کسی سے دو ہزار اور کسی سے ایک ہزار درہم ہی قبول کر لئے گئے، کئی افراد نادار تھے تو ان سے کچھ بھی نہ وصول کیا گیا، چنانچہ ابوالعاص، مطلب بن حنطب، صیفی بن ابورفاعہ، ابوعزہ اور عمرو بن عبداللہ کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا، ابوعزہ جمحی کئی بچیوں کا باپ تھا، اس نے اپنی ناداری اور عیالداری کا رونا رویا تو محض اس وعدے پر آزاد کر دیا گیا کہ وہ کبھی اسلام دشمنوں کی امداد نہیں کرے گا، اس نے حضور

اقدس ﷺ کی بارگاہ میں ایک قصیدہ پیش کیا جس میں اپنے ان جذبات کا اظہار کیا:

''کوئی ہے جو محمد مصطفےٰ ﷺ کو میرا پیغام دے کہ آپ رسول برحق ہیں اور آپ کا مالک ہر حمد کے لائق ہے، آپ حق وہدایت کے داعی ہیں۔

اور اس امر عظیم پر خود رب عظیم شاہد ہے، ہم میں آپ نے وہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ جس کی سیڑھیوں پر چڑھنا نہایت آسان بھی ہے اور مشکل بھی، آپ جس سے نبرد آزما ہوں وہ بدنصیب دشمن ہے اور جس سے صلح کریں وہ خوش نصیب ہے، لیکن مجھے بدر والوں کی یاد دلائی جاتی ہے تو حسرت گھیر لیتی ہے، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲﴾

ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور ایک مرتبہ پھر اسلام دشمنوں کی امداد کی، وہ گرفتار ہو کر حضور اقدس ﷺ کے پاس پہنچا اور دوبارہ معافی کا خواستگار ہوا لیکن آپ نے فرمایا: اب تو یہ نہ کہہ سکے گا کہ میں نے محمد مصطفےٰ کو دوبار دھوکا دیا ہے، اس کے بعد حضرت زبیر نے اس کی گردن اڑا دی، صیفی بن ابی رفاعہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ جا کر اپنا فدیہ بھیج دے گا مگر اس نے ایسا نہ کیا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق اپنے اشعار میں یوں کہا، صیفی ایسا شخص تھا نہیں کہ امانت پوری کرتا، وہ تو لومڑی کی گردن کی مانند تھا جو پانی پینے کے کسی مقام پر تھک گئی تھی، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲﴾

حضرت ابوالعاص کا واقعہ:

اسیران بدر میں حضرت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بھی موجود تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، ان کو بنو حرام کے ایک فرد حضرت خراش بن الصمہ رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا، حضرت ابوالعاص کا شمار مکہ مکرمہ کے ان لوگوں میں ہوتا تھا جو مال امانت اور تجارت کے لحاظ سے مشہور تھے، یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد کے فرزند تھے، اسلئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت زینب بنت رسول رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا جائے اور آپ ان کی مخالفت نہیں فرمایا کرتے تھے، یہ واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے، چنانچہ آپ نے ﴿ان سے﴾ ان کا نکاح کر دیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کو اپنے فرزند دلبند کی طرح تصور کرتی تھیں، پھر جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی

صاحبزادیوں سمیت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں اور آپ کی تصدیق کردی مگر حضرت ابو العاص اپنے کفر وشرک پر ہی جمے رہے، ادھر قریش مکہ نے ان کو اکسایا کہ تم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دو، ان کے عوض تمہاری شادی کسی خوبصورت عورت کے ساتھ کردی جائے گی، انہوں جواب دیا، مجھے یہ سودا قبول نہیں، رسول اللہ ﷺ ان کی دامادی کی تعریف کیا کرتے تھے، قریش مکہ کا یہ مطالبہ عتبہ بن ابولہب نے مان لیا اور اس نے ایک صاحبزادی کو طلاق دے دی، اس کے عوض اس کا نکاح اس کے مطالبے پر سعید بن العاص کی بیٹی سے کردیا گیا، حضرت زینب اور حضرت ابوالعاص کے درمیان اسلام نے تفریق تو کردی تھی لیکن ان کو الگ الگ کرالینے کا اختیار ابھی رسول اللہ ﷺ پر نازل نہیں ہوا تھا، جب ہجرت ہوئی اور قریش مکہ بدر کی جانب بڑھے تو حضرت ابوالعاص بھی ان کے ہمراہ تھے اور بالآخر قیدی ہوگئے، جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی آزادی کیلئے فدیے روانہ کئے تو ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی ان کی آزادی کیلئے کچھ مال روانہ کیا اور اسمیں اپنی ایک مالا بھی روانہ کی جس کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رخصت کرتے وقت انہیں پہنا کر حضرت ابوالعاص کے پاس روانہ کیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے اس مالا کو ملاحظہ فرمایا تو آپ کا دل بہت بھر آیا اور فرمایا:

ان رایتم ان تطلقوا لھا اسیرھا وتردوا علیھا مالھا فافعلوا، اگر تمہیں مناسب معلوم ہو تو اس کے قیدی کو تم اس کیلئے آزاد کردو اور اس کا مال اسے لوٹا دو۔

صحابہ کرام نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوالعاص کو رہا کردیا نیز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مال بھی واپس بھیج دیا، ﴿تاریخ طبری، تاریخ الکامل، سیرت ابن ہشام جلد۲﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ نے ان سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ حضرت زینب کو مدینہ منورہ بھیج دیں گے، وہ مکہ مکرمہ چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی کو اس ارادے سے روانہ کیا کہ تم بطن یاجج کے مقام پر ٹھہرو، جب تمہارے پاس سے حضرت زینب گزریں تو ان کو لے کر میرے پاس آجاؤ، پس وہ دونوں اسی وقت نکل گئے، یہ واقعہ جنگ بدر کے ایک مہینے بعد کا یا اس سے کچھ کم زیادہ کا تھا، حضرت ابوالعاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے والد کریم سے جا کر ملنے کی اجازت دے دی تو وہ روانگی کا

سامان تیار کرنے لگیں، تیاری کے دوران ہند بنت عتبہ نے امداد کی پیشکش کی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا، پھر ان کا دیور کنانہ بن ربیع اونٹ لایا اور وہ اس پر سوار ہو گئیں، اس نے اپنی کمان اور ترکش لیا اور اونٹ کی نکیل کھینچ کر چل پڑا، وہ اپنے ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں، قریش مکہ کو معلوم ہوا تو ان کی تلاش میں دوڑے یہاں تک کہ ذی طویٰ میں آ پکڑا، ان تک پہنچنے والا پہلا شخص ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ الفہری تھا، وہ اپنے ہودج میں تھیں کہ ہبار نے برچھی سے ڈرایا دھمکایا، لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حاملہ تھیں، اس وقت ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا، ان کا دیور بیٹھ گیا اور بولا جو شخص نزدیک آئے گا میں اسے اپنے تیر کا نشانہ بنا لوں گا، آخر لوگ ان سے دور ہو گئے، ابوسفیان قوم کے کچھ بڑوں کے ساتھ آیا اور کہا، اے شخص! اپنے تیروں کو روک لے، ہم تجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، پھر وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا، تو نے سیدھی راہ اختیار نہیں کی، تو اس خاتون کو لے کر دن دیہاڑے عازم سفر ہوا ہے اور تجھے ذلت و مصیبت کا بھی علم ہے، تو اگر اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ واقعہ ہماری کمزوری کی وجہ سے ہوا ہے، مجھے اپنی عمر کی قسم! ہم اس کو اس کے باپ سے نہیں روکتے اور نہ ہمیں کوئی انتقام مطلوب ہے لیکن اس وقت تو واپس ہو جا، جب آوازیں خاموش ہو جائیں تو اسے لے کر روانہ ہو جانا، پھر اس نے ویسا ہی کیا، چند روز گزر گئے اور آوازیں خاموش ہو گئیں تو وہ انہیں رات کے وقت لے کر چل پڑا اور راستے میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کے حوالے کر دیا، وہ دونوں ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، ﴿تاریخ طبری، سیرت ابن ہشام جلد ۲﴾ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اس ہجرت کے متعلق حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت ابوخیثمہ نے بہت جاندار اشعار کہے۔

اتانی الذی لایقدر الناس قدرہ ۔۔۔ لزینب فیھم من عقوق و مأثم

واخراجھا لم یخز فیھا محمد ۔۔۔ علی ماقط و بیننا عطر منشم

وامسیٰ ابو سفیان من خلف ضمضم ۔۔۔ ومن حبنا فی رغم انف و مندم

قرنا بنہ عمراً و مولیٰ یمینہ ۔۔۔ بذی حلقٍ جلد الصلاصل محکم

فابلغ ابا سفیان اما لقیتہ ۔۔۔ لئن انت لم تخلص سجوداً و تسلم

فابشر بخزيٍ في الحياة معجل   وسربال قار خالداً في جهنم

ترجمہ: میرے پاس وہ شخص آیا جس کی جیسی قدر کرنی چاہئے لوگ ویسی قدر نہیں کرتے، وہ شخص زینب سے تعلق رکھنے والا ہے جو ان لوگوں کے خلاف اور ان کی دانست میں گناہ تھا، وہ زینب کا نکال لانا تھا جس میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی کسی طرح رسوائی نہیں ہوئی باوجود اس کے کہ جنگی احکام نافذ تھے اور ہم اور ان کے درمیان منحوس عطر مہک رہا تھا، ابوسفیان اپنے حلیف ضمضم کے متعلق اور ہم سے لڑائی مول لینے کے سبب ذلیل اور نادم ہو چکا تھا، ہم نے اس کے بیٹے عمرو اور اس کے حلیف کو بڑے حلقوں والی زنجیر میں جکڑ دیا، اگر تو ابو سفیان سے ملے تو اس کو یہ پیغام پہنچا دے کہ اگر وہ اخلاص کے ساتھ نہ جھکا اور بات نہ مانی تو اسے زندگی میں فوری رسوائی اور جہنم میں روغن قار کے ابدی لباس کی بشارت ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے ہبار بن اسود کے متعلق بہت جلال کا مظاہرہ فرمایا، آپ نے ایک جماعت روانہ فرمائی جس کو حکم تھا کہ تم ہبار اور اس کے ساتھی پر قابو پاؤ تو ان دونوں کو آگ میں جلا دو، وہ دوسرا شخص نافع بن عبد قیس تھا، جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے کہلا بھیجا: بے شک میں نے تمہیں ان دونوں آدمیوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا، اس کے بعد میری یہ رائے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کیلئے یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ آگ کی سزا دے، اگر تم ان کو پاؤ تو قتل کر دینا، ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲﴾

حضرت ابوالعاص کا قبول اسلام:

اس واقعے کے بعد حضرت ابوالعاص مکہ مکرمہ میں رہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں رہیں، اسلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی تھی، وہ اپنے مال کے لحاظ سے بھی بے فکر تھے، فتح مکہ سے کچھ پہلے حضرت ابوالعاص شام کی جانب تجارت کیلئے نکل گئے، قریش مکہ کا سامان تجارت بھی ان کے ساتھ تھا، جب وہ واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کی روانہ کی ہوئی جماعت نے انہیں گھیر لیا اور سامان تجارت حاصل کر لیا جبکہ وہ بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے، جب وہ جماعت واپس مدینہ منورہ پہنچ گئی تو وہ بھی رات

کی تاریکی میں آکر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پناہ گزین ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز شروع کی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عورتوں کے چبوترے سے آواز دی، لوگو! میں نے حضرت ابو العاص کو پناہ دی ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا: کیا تم نے بھی سنا جو میں سنا تھا، لوگوں نے کہا، ہاں، آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد مصطفےٰ ﷺ کی جان ہے، مجھے اس بات کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ میں نے وہ آواز سنی جس کو تم نے بھی سن لیا، بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابل ان میں سے کوئی ادنیٰ شخص بھی کسی کو پناہ دینے کا حق رکھتا ہے، پھر آپ بیت الشرف میں تشریف لائے اور فرمایا: بیٹی اس کی خاطر داری کرنا اور اسکو اپنی خلوت میں نہ آنے دینا کیونکہ تم اس کیلئے حلال نہیں ہو، پھر آپ نے جماعت صحابہ کو کہلا بھیجا، یہ شخص ہم سے تعلق رکھتا ہے اور تم نے اس کا مال لے لیا، اگر تم اس کا انکار کرتے ہو تو اس کا تم کو زیادہ حق ہے کیونکہ وہ مال اللہ کی راہ میں آیا ہے جو اس نے تمہیں بطور غنیمت عطا فرمایا ہے، ان لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ! ہم ان کا مال انہیں واپس کر دیں گے، یہاں تک کہ کوئی شخص ڈول لانے لگا، کوئی مشک، کوئی لوٹا اور کوئی ٹیڑھے سر والی لکڑی لانے لگا، جو گھٹڑیوں کے اٹھانے کیلئے لگائی جاتی ہے، ان کا تمام سامان واپس کر دیا گیا کہ کوئی چیز گم نہ ہوئی، پھر وہ سامان تجارت لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے اور ہر سامان والے کو اس کا سامان دے دیا، بعد میں کہنے لگے، اے گروہ قریش! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے پاس رہ گیا ہے، انہوں نے کہا، اللہ تمہیں جزائے خیر دے، کچھ باقی نہیں رہا اور ہم نے تمہیں پورا حق ادا کرنے والا شریف انسان پایا، پھر انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے عبد خاص اور رسول ہیں، واللہ مجھے آپ کے پاس اسلام اختیار کرنے میں کوئی امر مانع نہیں تھا سوائے اس خوف کے تم خیال کرنے لگو کہ میں نے صرف تمہارا مال کھا جانا چاہا، اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال تم تک پہنچا دیئے اور مجھے فراغت مل گئی تو میں نے اسلام قبول کر لیا، بعد ازاں وہ نکلے اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رسالت میں پہنچ گئے، ﴿سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، طبقات کبریٰ﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی زوجیت میں پہلے ہی نکاح کے لحاظ سے دے دیا اور کسی طرح

کی تجدید نہیں کی، ﴿مستدرک حاکم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی وغیرہ﴾ ایک روایت ہے کہ شام سے واپسی پر کسی نے حضرت ابو العاص سے کہا کہ تمہیں اسلام سے رغبت ہے تو اسلام اختیار کر کے یہ تمام مال رکھ لو کیونکہ یہ مشرکین کا مال ہے، اس پر انہوں نے جواب دیا، میں اپنے اسلام کا آغاز امانت میں خیانت کر کے کروں تو کس قدر برا ہوگا۔

سہیل بن عمرو کا حال:

قریش مکہ نے اسیران بدر کی آزادی کیلئے آدمی بھیجے تو مکرز بن حفص سہیل بن عمرو کی رہائی کیلئے آیا، اس کو بنو سالم بن عوف کے ایک فرد حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے اسیر کیا تھا، ان کے اشعار کچھ اسطرح ہیں:

ترجمہ: میں نے سہیل بن عمرو کو اسیر کیا ہے اور اس کے عوض میں تمام اقوام میں سے کسی کو بھی اسیر نہیں بنانا چاہتا اور بنو خندف جانتے ہیں کہ جوان مردان کے قبیلے میں صرف سہیل بن عمرو ہی ہے جبکہ وہ ظلم کا بدلہ لینا چاہے، میں نے اسی پر تلوار ماری حتیٰ کہ وہ جھک پڑا اور ہونٹ کٹے پر میں نے اپنے آپ کو مجبور کیا۔

سہیل بن عمرو کا نچلا ہونٹ کٹا ہوا تھا، بعض علمائے شعر نے اشعار کی نسبت حضرت مالک رضی اللہ عنہ کی طرف کرنے سے انکار کیا ہے، بہر حال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیں، میں سہیل بن عمرو کے سامنے والے دو دانت بھی توڑ دوں کہ اس کی زبان لٹک جائے اور آپ کے خلاف کسی جگہ تقریر نہ کر سکے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اسکو مثلہ نہ کروں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی مثلہ کر دے اگر چہ میں نبی ہوں، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **انه عسیٰ ان یقوم مقاماً لا تذمه**، بے شک عنقریب وہ اس مقام پر کھڑا ہوگا کہ تم اس کی مذمت نہ کرو، ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲﴾ اس حدیث مبارک میں گویا حضور مخبر صادق ﷺ نے سہیل بن عمرو کے روشن مستقبل کی خبر عطا فرما دی، پھر زمانے نے دیکھا کہ وہ دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا اور حضور مخبر صادق ﷺ کی خبر بالکل درست ثابت ہوئی اور وہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے مدحت سرا بن گئے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ساکنان مکہ کی حالت زار:

ریگزار بدر میں کفار مکہ کی عبرتناک شکست سے وادی مکہ کی رونقیں ویران ہوگئیں، ہر طرف قیامت صغریٰ کا منظر دکھائی دینے لگا، عام الفیل کے خونی لمحات میں قدرت خداوندی نے کعبہ مشرفہ کے دشمن اصحاب فیل کا جو حشر کیا تھا بالکل اسی طرح حضور کعبہ دو عالم ﷺ کے دشمن ارباب کفر کو **کعصف ماکول** بنا دیا، ہر گھر سے صدائے ماتم اٹھ رہی تھی، ہر خاندان زخموں سے چور لگتا تھا، قریش مکہ کے آفت زدہ افراد میں سے پہلا شخص جو مکہ مکرمہ پہنچا وہ جیسمان بن عبداللہ ﴿یا ریاس﴾ الخزاعی تھا، لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس اس طرف کی کیا خبر ہے، اس نے جواب دیا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، حجاج کے دونوں بیٹے اور ابو البختری بن ہشام قتل ہو چکے ہیں، جب وہ ان شرفائے قریش کے نام شمار کر رہا تھا تو صفوان بن امیہ مقام حجر میں بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا، واللہ! اگر یہ شخص عقل رکھتا ہے تو اس کو میرے متعلق پوچھو، لوگوں نے کہا، اچھا صفوان بن امیہ کے متعلق کیا خبر ہے، اس نے کہا، وہ تو مقام حجر میں بیٹھا ہوا ہے، بے شک میں نے اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے مشاہدہ کیا ہے، بعد میں اس قاصد کو بھی اسلام کی دولت نصیب ہوگئی، حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، حضرت عباس، حضرت ام الفضل زوجہ عباس اور میں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عباس اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، وہ بہت مالدار تھے اور ان کا مال لوگوں میں پھیلا ہوا تھا، جب بدر کے آفت زدہ لوگوں کی ہولناک خبر موصول ہوئی تو ہم نے خود میں ایک قوت و اعزاز کا احساس کیا، میں ایک کمزور شخص تھا، تیر بنانے کا کام کرتا تھا، میں اس وقت چاہِ زمزم کے قریب تیر سازی میں مصروف تھا اور میرے پاس ام الفضل زوجہ عباس بھی بیٹھی ہوئی تھیں، ابولہب جنگ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا، اچانک وہ اپنے پیر گھسیٹتا ہوا آیا اور خیمے کے کنارے بیٹھ گیا، اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی، اتنے میں لوگوں نے کہا، لو ابو سفیان مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب آ گیا، ابولہب نے کہا، اس کو میرے پاس لاؤ، اپنی عمر کی قسم! تم کو تو سب کچھ معلوم ہوگا، آخر وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور دیگر افراد اسکے گرد کھڑے ہو گئے، ابولہب

نے پوچھا، بھتیجے! مجھے بتاؤ ان لوگوں کی کیا حالت رہی، اس نے جواب دیا، واللہ! واقعہ تو سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ہم ان لوگوں کے مقابل ہوئے اور اپنے شانے ان کے حوالے کر دیئے، وہ ہمیں جس طرح چاہتے قتل کرتے اور جس طرح چاہتے قیدی بنا لیتے، اللہ کی قسم! اس کے باوجود میں نے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں کی، ہم ایسے لوگوں کے مقابل ہو گئے تھے جو گورے گورے تھے اور ابلق گھوڑوں پر سوار زمین و آسمان کے درمیان کھڑے تھے، واللہ! وہ کسی چیز کو نہ چھوڑتے اور نہ کوئی چیز ان کے مقابلے میں قائم رہتی تھی، پھر میں نے خیمے کی طنابیں اپنے ہاتھوں سے اٹھا لیں ﴿اور بھاگ کھڑا ہوا﴾ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، میں نے کہا کہ واللہ! وہ فرشتے تھے، ابولہب نے میرے چہرے پر زور سے تھپڑ مار دیا، میں نے بھی اس کا بدلہ لیا، پھر اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور میرے اوپر بیٹھ کر مارنے لگا، حضرت ام الفضل نے اس کے سر پر خیمے کی ایک لکڑی اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور بولیں، اس کا سردار اس کے پاس نہیں ہے، تم اس لئے اس کو کمزور سمجھ رہے ہو، بعد ازاں وہ ذلیل و خوار ہو کر چلا گیا، اللہ کی قسم! اس کے بعد وہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہا، اسے عدسہ کی بیماری لگ گئی، اس بیماری نے اس کی جان لے لی، ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲، تاریخ طبری، عیون الاثر﴾ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، عدسہ طاعون کی طرح کے ایک پھوڑے کو کہتے ہیں، اس پھوڑے کو عربوں کے نزدیک بہت منحوس تصور کیا جاتا تھا، روایت ہے کہ جب مکہ مکرمہ کے اس امام الکفر کے پھوڑا نکلا تو سب لوگ اس سے دور ہٹ گئے، چنانچہ اسکی بے پناہ تکلیف کی وجہ سے وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا، تین روز تک اسکی لاش بے گور و کفن پڑی رہی، جس کی بدبو سے اہل شہر کا جینا حرام ہو گیا، ایک شخص نے اس کے بیٹوں کو غیرت دلائی کہ تمہارے باپ کی لاش سے بدبو اٹھ رہی ہے اور تم اسے دفن بھی نہیں کر سکتے، انہوں نے جواب دیا، ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ یہ بیماری ہمیں نہ پکڑ لے، پھر انہوں نے لکڑیوں سے اس کی لاش کو گھسیٹ کر ایک گڑھے میں پھینکا اور اوپر پتھر ڈال دیئے، اللہ اکبر! رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کا کتنا خوفناک انجام ہوا تھا، اسی طرح دیگر گستاخوں اور کینہ طرازوں کی کیفیت تھی، ان کے گھروں اور خاندانوں سے دلدوز چیخوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، عورتوں نے اپنے

سر منڈوا لئے تھے اور اپنے عزیزوں کی سواریوں کے گرد حلقہ بنا کر سینہ کوبی کر رہی تھیں، ان کو گلیوں اور بازاروں میں گھما کر نوحہ طرازی سے سارا ماحول سوگوار بنا رہی تھیں، بال نوچ رہی تھیں، چہروں پر طمانچے مار رہی تھیں، گریبان چاک کر رہی تھیں، غم واندوہ کا یہ منظر ایک ماہ تک جاری رہا، ایک روایت ہے کہ جس روز میدان بدر میں کفار مکہ کو عبرتناک شکست ہوئی، اس روز ایک ہاتف غیبی نے شہر مکہ میں یہ اشعار پڑھے:

ترجمہ: کیا ملت حنیفہ کے تابعداروں نے میدان بدر کا واقعہ دیکھا ہے جس سے قیصر و کسریٰ کے محلات کی دیواریں بھی منہدم ہوگئی ہیں، اس واقعہ نے خاندان لوئی کے بہت سے مرد ہلاک کر دیئے اور اب بہت سی پردہ دار عورتیں بھی ننگے سینوں کو کوٹ رہی ہیں، پس حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا دشمن بھی کتنا بدنصیب ہے کہ اس نے ہدایت کا راستہ چھوڑ دیا اور حیران و پریشان ہوگیا۔

ہاتف غیبی کے یہ الفاظ اہل مکہ پر برق و باران کی طرح نازل ہوئے جس نے ساری قوم کے خرمن امید کو برباد کر دیا، منقول ہے کہ ابوسفیان اموی بدر سے لوٹنے کے بعد قریش کو رونے پیٹنے اور اظہار مصیبت کرنے سے روکتا تھا تاکہ اہل اسلام کی خوشی کا موجب نہ ہو، باوجودیکہ اسکا ایک بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا اور ایک بیٹا عمرو گرفتار ہوا تھا، اس نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک اپنی بیویوں کے پاس جانے سے اجتناب کریگا، نہ سر میں تیل لگائے گا اور نہ زینت والے کپڑے پہنے گا جب تک کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور ان کے اصحاب کرام سے جنگ بدر کا انتقام نہ لے لے گا، اسکی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے بھی اپنے باپ عتبہ اور اپنے بیٹے حنظلہ کے مارے جانے پر انتقام کی قسم کھائی تھی، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی غمناک شہادت اسی قسم انتقام کا نتیجہ تھی، ایک مہینے کے بعد کہیں جا کر قریش مکہ کے ہوش ٹھکانے آئے، انہوں نے کہا کہ اس طرح نوحہ خوانی کریں گے تو مسلمانوں کو بہت زیادہ مسرت ہوگی، اپنے قیدیوں کی آزادی کیلئے اتنی جلدی کسی شخص کو نہ بھیجیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان فدیے میں سختی کرنے لگیں، کفار مکہ میں اسود بن مطلب اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، ایک دفعہ اسکی ایذارسانیوں سے تنگ آ کر حضور پیغمبر اسلام ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کیا تھا، مولا اس کو اندھا کر دے اور وہ اپنے

بیٹوں پر آنسو بہائے، آپ ﷺ کی دعا کے ظہور قبولیت کا وقت بھی آ گیا، اسکے دو جوان سال لڑکے زمعہ اور عقیل اور ایک خوبرو پوتا حارث بن زمعہ جنگ بدر میں لقمہ اجل بن گئے، اب وہ آہ و فغان کرنا چاہتا تھا لیکن قوم نے آہ و فغاں پر پابندی لگا دی تھی، ایک دن اس نے کسی نوحہ طراز عورت کی آواز سنی، اسکی بینائی ختم ہو چکی تھی، اس لئے اپنے غلام سے کہنے لگا، معلوم تو کرو، کیا اپنے غریب الدیار مقتولوں پر آہ و فغان کی اجازت مل گئی ہے تا کہ میں بھی زمعہ کے غم کو اتار سکوں، غلام نے آکر اطلاع دی کہ سردار! ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے لہذا اس کی جدائی پر نوحہ کر رہی ہے، اس خبر پر اس کا کلیجہ منہ کو آ گیا اور اس نے کچھ اشعار کہے جو اس کی اندر کی قیامتوں کے ترجمان تھے:

ترجمہ: کیا وہ عورت اپنے اونٹ کے گم ہو جانے پر روتی ہے اور بے خوابی اسکو آرام کرنے سے روکتی ہے، اے عورت! تو جوان اونٹ کے گم ہو جانے پر نہ آنسو بہا بلکہ واقعہ بدر پر آنسو بہا جس کا نصیب پھوٹ گیا ہے، بدر پر آنسو بہا، بنو ھصیص کے سردار پر آنسو بہا، بنو مخزوم پر آنسو بہا اور ابوالولید کے گروہ پر آنسو بہا، اگر تجھے رونا ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا، تو ان سب پر آنسو بہا اور آنسو بہانے سے بیزار نہ ہو جانا، ابوحکیمہ زمعہ پر آنسو بہا جس کا کوئی مدمقابل نہ تھا، آہ اگلے لوگوں کے بعد ایسے لوگ سردار بن چکے ہیں کہ اگر جنگ بدر نہ ہوتی تو وہ کبھی سردار نہ بن سکتے۔ ﴿سیرت ابن ہشام جلد ۲﴾

مجاہدین بدر کے مناقب:

جن مجاہدین اسلام کو غزوہ بدر میں شرکت کا موقع نصیب ہوا، ان کے فضائل و مناقب میں بہت سی احادیث نبویہ منقول ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

⊙...... **قد اطلع علیٰ اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم و فی روایة فقد وجبت لکم الجنة،** اللہ تعالیٰ اصحابِ بدر کو باخبر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو بلاشبہ میں نے تم کو بخش دیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے،

﴿مدارج النبوۃ: ۲/۱۷۳﴾

⊙......حضور اکرم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی ایک سنگین خطا صرف اس لئے معاف کر دی تھی کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، یہ واقعہ بخاری شریف میں مرقوم ہے۔

⊙......امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لایستوی القاعدون من المومنین عن بدر الخارجون الیٰ بدرٍ** ،یعنی بدر سے رہ جانے والے اور بدر کی طرف جانے والے مسلمانوں کے درمیان برابری نہیں ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۷۴﴾

⊙......ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! آپ اپنے صحابہ میں اہل بدر کو کس طرح شمار کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں تمام مسلمانوں میں ان کو زیادہ فضیلت والے شمار کرتا ہوں، اس پر انہوں نے عرض کیا، ہم بھی ان فرشتوں کو جو بدر میں حاضر ہوئے افضل ملائکہ شمار کرتے ہیں۔ ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۷۳﴾

یہاں یہ وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ ٹھہرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، پھر کمال عنایت سے ان کو شرکائے بدر کے برابر حصہ عطا فرمایا اور ان کے برابر اجر و ثواب کی بشارت سنائی، اسی لئے ان کو اصحاب بدر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے، حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما بغرض تجارت شام گئے ہوئے تھے، اس وجہ سے جنگ بدر سے غائب رہے، آپ نے ان کو بھی غنیمت کا حصہ عطا کیا اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۳۶۲﴾ یا بروایت دیگران دونوں کو حضور اقدس ﷺ نے روانگی سے دس روز پیشتر قافلہ قریش کی خبر لانے کیلئے بھیج دیا تھا اور وہ آپ کی روانگی کے بعد مدینہ منورہ میں واپس آئے تھے، پانچ انصار صحابہ کو بھی پورا حصہ ملا اور ان کو شریک بدر تصور کیا گیا، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا گیا تھا، عاصم بن عدی جوروحا سے شدید ضرب کے سبب واپس کر دیئے گئے اور مدینہ منورہ کی بالائی آبادی کے حاکم بنائے گئے، حارث بن حاطب کو کسی خاص کام کیلئے بنو عمرو کے پاس بھیجا گیا، حارث

بن العمہ کو بھی روحا سے شدید ضرب کی وجہ سے لوٹا دیا گیا اور اس طرح خوات بن جبیر کو بھی ساق پر پتھر لگنے کے سبب مقام صفرا سے واپس کر دیا گیا، اس طرح غزوہ بدر کے عظیم المرتبت شہدا رضی اللہ عنہم کا بھی بہت زیادہ مقام ہے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سے فرمایا کہ تمہارا لخت جگر جنت الفردوس میں ہے، میدان بدر میں چودہ مجاہدین اسلام نے جام شہادت نوش کیا تھا، ان کے مبارک اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

- ......حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے تو انہوں نے واپسی پر مقام صفرا میں وصال فرمایا ...... حضرت عمیر بن ابی وقاص ......حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد......حضرت عاقل بن ابی بکیر......حضرت مہجع ...... حضرت صفوان بن بیضا......حضرت سعد بن خیثمہ...... حضرت مبشر بن عبد المنذر......حضرت حارثہ بن سراقہ ......حضرت معوذ بن عفرا......حضرت عوف بن عفرا......حضرت عمیر بن حمام ......حضرت رافع بن معلیٰ ......حضرت یزید بن حارث ......رضوان اللہ علیہم اجمعین الی یوم الدین۔

سورۃ الانفال کا نزول:

جب جنگ بدر کا معاملہ اختتام پذیر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں پوری سورۃ الانفال نازل فرمائی، اس کا نام اس لئے الانفال ہے کہ اس کا آغاز اموال غنیمت کے احکام بیان کرنے کیلئے کیا گیا ہے، اس کی آیتوں کی تعداد پچھتر اور کلمات کی تعداد ایک ہزار پچھتر ہے، اگر چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسکی سات آیتیں اذیمکربک الذین ....مکی ہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ سورۃ "بتمامھا" مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ ﴿ضیاء القرآن:۲/۱۲۳﴾

اس سورت مبارکہ میں غزوہ بدر کے واقعات، متعلقات اور اثرات پر کھل کر بات کی گئی ہے، اس میں صحابہ کرام کے خروج کی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے، فرمایا: جس طرح تیرے پروردگار نے تجھے تیرے گھر سے امر حق کے ساتھ نکالا حالانکہ ایمان والوں کا ایک گروہ اسے ناپسند کر رہا تھا، اور فرمایا: اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ دو گروہوں میں سے ایک بلاشبہ تمہارے لئے مقرر کر دیا گیا ہے اور تم چاہتے تھے کہ قوت نہ

رکھنے والا گروہ تمہارے لئے ہو، پھر اس سورت مبارکہ میں امداد خداوندی کا تذکرہ بھی موجود ہے اور فرشتوں کے ورود اور باران رحمت کے نزول کا بھی ذکر ہے، فرمایا: عنقریب میں ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، جنھوں نے کفر کیا، پس گردنوں پر مارو اور ان کے ایک ایک جوڑ بند پر مارو، پھر حضور اکرم ﷺ کے ایک عالیشان معجزے کا بھی ذکر ہے، فرمایا: اور جب تم نے کنکریاں ماریں تو تم نے نہیں ماریں بلکہ اللہ نے ماریں، نیز اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا سبق بھی پڑھایا گیا ہے اور منافقین مدینہ کی عادات سے اجتناب کا درس بھی دیا گیا ہے، فرمایا: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ کوئی بات نہیں سنتے، اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی دیکھتا تو ان کو سنا دیتا اور اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنی پشت پھیر دیتے کہ وہ ہے ہی روگردانی کرنے والے، اس سورت مبارکہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو قبول کرنے میں دو جہان کی زندگی پوشیدہ ہے، نیز انعامات الٰہی کا خوبصورت ذکر بھی مذکور ہے، فرمایا: تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں چٹ نہ کر جائیں تو اس نے تمہیں پناہ دی اور اپنی امداد سے تمہاری تائید فرمائی اور تمہیں اچھی چیزیں عطا کیں تاکہ تم قدردان بن جاؤ، پھر قریش مکہ کی بے وقوفیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے، فرمایا: یاد کرو جب ان لوگوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہی بات حق ہے جو تیری طرف سے آئی ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا کوئی تکلیف دہ عذاب وارد کر، اور اللہ کو زیبا نہیں کہ انہیں ایسی حالت میں عذاب دے کہ اے حبیب! تم ان میں موجود ہو، اس سورت مبارکہ میں جہاد فی سبیل اللہ کے دوام کا حکم بھی جاری کیا گیا، فرمایا: اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو جائے اور اللہ کا دین سب کا سب قائم ہو جائے، سورت مبارکہ کے آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان بھی بیان فرما دی جن کی سرفروشیوں، قربانیوں، جانبازیوں، پیہم جدوجہد اور مسلسل سعی و عمل سے دین اسلام کو کامیابی اور عروج نصیب ہوا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اسی اخلاص، اسی للّٰہیت، اسی ایثار اور اسی جانفروشی سے پرچم اسلام کو بلند سے بلند تر کرنے کیلئے ہمہ تن مصروف جہاد رہیں، ''یہی لوگ سچے ایماندار ہیں'' کے کلمات سے ان حضرات قدسی صفات کے سچے اور کامل ایماندار ہونے کی خود خداوند علیم و خبیر نے شہادت

دے دی ہے اور پہلے ہی ان تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کر دیا جو یاران مصطفیٰ کے متعلق اسلام کے ظاہری اور باطنی دشمن قیامت تک اٹھانے والے تھے تاکہ کوئی جان بوجھ کر ان شکوک وشبہات کا شکار بننا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے لیکن بے علمی اور بے خبری کی وجہ سے کوئی مبتلا نہ ہو، ﴿ضیاء القرآن:۲/۱۴۸﴾

غزوۂ بدر کے اثرات:

غزوۂ بدر اسلام کے عظیم الشان غزوات میں سے ہے کیونکہ اس سے اسلام کا ظہور ہوا اور اسکے بعد آفاق عالم پر اس کا نور چمکنے لگا، اس کے وقوع سے کفار مکہ ذلیل وخوار ہوئے اور مسلمانوں سے جو بھی اس میں حاضر ہوا وہ سب سے افضل و اعلیٰ ہو گیا، ﴿مواہب لدنیہ:۱/۲۳۷﴾ کفار مکہ کی ہر قسم کی غلط فہمی اور تکبر مزاجی کو شدید دھچکے لگے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نحیف ونزار اور غریب الدیار مسلمانوں کو ہم جہاں چاہیں گے گھیر کر ختم کر دیں گے، اس جنگ نے ثابت کر دیا کہ وہ حقیقت میں عظمت وعزیمت کے کوہسار ہیں جن سے ٹکرا کر کفر وجہالت کی تمام آندھیاں دم توڑ جائیں گی مگر ان میں ذرا برابر بھی لرزش پیدا نہیں ہوگی، اس واقعہ سے اس پیش گوئی کا بھی ظہور ہوا جو یسعیاہ نبی علیہ السلام کی کتاب، ﴿۲۱/۱۷،۱۶﴾ میں ان الفاظ سے درج ہے۔ ''ایک سال میں جو مزدور کے برس جیسا ہوگا، قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور بہادران بنو قیدار کے کمان اندازوں کی تعداد گھٹ جائے گی'' اور اس پیش گوئی کا بھی ظہور ہوا جو قرآن پاک میں مسلمانوں کو اس جنگ کی اجازت کا حکم دیتے ہوئے فرمائی گئی تھی، جو اسطرح ہے، **ان اللہ علی نصرھم لقدیر**، اللہ کو ان مظلوموں کی نصرت پر قدرت ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اس جنگ کا نام یوم الفرقان ہے کیونکہ اہل کتاب اور اہل اسلام کو ان پیش گوئیوں کی وجہ سے اسلام کی صداقت پر ایک عمدہ دلیل مل گئی تھی، ﴿رحمۃ للعالمین:۱/۱۰۱﴾ جنگ بدر کے بعد کفار مکہ نے مزید زور وشور کے ساتھ محاذ آرائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے تمام وسائل واسباب خرچ کرنے پر کمربستہ ہو گئے، اس کے نتیجے میں اگلے سال ہی غزوہ احد کا عظیم مرحلہ رونما ہوا، جنگ بدر کے اثرات نے یہود ونصاریٰ اور منافقین مدینہ کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا، اوس اور خزرج کی کثیر تعداد دامن اسلام میں پناہ گزین ہو گئی تو ان کینہ توز دشمنوں کو اپنا مستقبل تاریک ہوتا

ہوا نظر آ گیا، عبداللہ بن ابی خزرجی منافقین کا سردار تھا، اس نے بنو نضیر کے یہودیوں کو ابھارا کہ تم اہل اسلام کے خلاف ڈٹ جاؤ، ہم تمہارا ساتھ دیں گے، اس سازش کا قرآنِ مقدس میں بھی ذکر ہے۔

⊙ ...... ﴿منافقین نے کہا کہ﴾ اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری امداد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، ہاں سن لو! اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے اور اگر ان کے ساتھ جنگ ہوئی تو یہ ان کی امداد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے امداد کی بھی تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی امداد نہیں جائے گی، ﴿سورۃ الحشر: ۱۲﴾

منافقین مدینہ کا گروہ بہت فتنہ طراز تھا، اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو ختم کر دیا جائے اور ان کے راستے میں مسائل کی بڑی دیوار تعمیر کر دی جائے، وہ مسجد نبوی شریف میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پھیلا کر مسلمانوں کو پریشان کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے علم مبارک پر زبان طعن دراز کر دی، آپ نے فرمایا: اس قوم کو کیا ہو گیا کہ وہ میرے علم میں شک کرتی ہے، پھر فرمایا، پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو، میں تمہیں ہر چیز کا علم عطا کرنے کیلئے تیار ہوں، یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک ایک منافق کا نام لے کر مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا تو مسلمانوں نے اپنے آقائے نامدار ﷺ کے حکم سے سب کو نکال دیا، قرآن پاک نے اہل اسلام کو یہود و نصاریٰ اور منافقین مدینہ کے گروہوں سے خبردار رہنے کی تلقین فرمائی جس پر سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی متعدد آیات گواہ ہیں، چونکہ یہ غزوہ بہت عالیشان واقع ہوا تھا اس لئے جلیل القدر صحابہ نے اس کے ایک ایک پہلو کو اپنے اشعار میں محفوظ کر لیا تا کہ قیامت تک پہلی امت مسلمہ کا غیرت ایمانی سے خون گرم رہے، ان اشعار میں خداوند تعالیٰ کی حمد وثنا، رسول اکرم ﷺ کی شان وعظمت اور صحابہ کرام کی شجاعت و ایثار کا خوبصورت بیان ہے، اصحاب سیر نے ان کو پورے اہتمام سے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، دوسری طرف قریش مکہ نے بھی اپنے سرداروں کے مرثیے کہے اور ان کی نوحہ خوانی کا حق ادا کیا۔

چند احکام شریعت کا نفاذ:

روز بروز دائرہ اسلام میں وسعت پیدا ہو رہی تھی، جہاد کی برکات سے مختلف علاقوں پر فرزندان توحید کا تسلط قائم ہو رہا تھا لیکن اس کے ساتھ نو بہ نو مسائل بھی جنم لے رہے تھے، حضور اکرم ﷺ نے اذن خداوندی سے کچھ احکامات نافذ فرمائے جن کی بدولت اسلامی ریاست کا نظم و نسق صحیح خطوط پر استوار رہا، ہجرت کے دوسرے سال رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے تو ساتھ عیدالفطر کا صدقہ بھی واجب کر دیا گیا تا کہ مفلس و نادار لوگوں کی خوشیاں بھی دوبالا ہو جائیں، یکم شوال المکرّم کو عید گاہ میں نماز عید کی ابتدا کی گئی تا کہ اسلام کی اجتماعیت کو فروغ نصیب ہو اور دشمنان اسلام ان کی کثرت سے لرزہ براندام ہوں نیز اہل اسلام کو خوشی اور مسرت کے اظہار کا صحیح اسلوب بتا دیا گیا، اسی سال میں زکوٰۃ کی فرضیت نافذ ہوئی جس میں ملت اسلامیہ کے اغنیا کو اپنے مال خرچ کرنے اور غربا و فقرا کی امداد کرنے کی ترغیب دلائی گئی، قصاص کا قانون اور دیتوں کا نصاب و نظام نافذ ہوا، جس سے معاشرے میں امن و امان کی فضا ہموار ہوئی، لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کا تحفظ ہوا تا کہ کسی سرکش انسان کو کسی مفلوک الحال اور کمزور انسان کی خون ریزی سے روکا جائے، قرآن پاک میں اعلان ہوا:

⊙...... پس جس کو معاف کی جائے اس کے بھائی ﴿مقتول کے وارث﴾ کی طرف سے کوئی چیز تو چاہئے کہ طلب کرے ﴿مقتول کا وارث﴾ خون بہا دستور کے مطابق اور ﴿قاتل کو چاہئے﴾ کہ اسے ادا کرے اچھی طرح، یہ رعایت ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے تو جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿سورۃ البقرہ:۱۷۸﴾

⊙...... **ولکم فی القصاص حیٰوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقون o**

اور تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے، اے عقل والو! تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ ﴿یعنی دوسروں کی جان کے پیاسے نہ بنو﴾، ﴿سورۃ البقرہ:۱۷۹﴾

عمیر بن وہب کا قبول اسلام:

قریش مکہ کا ایک فرد عمیر بن وہب جمحی رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کو بہت

تکالیف پہنچایا کرتا تھا، غزوہ بدر کے چند دن بعد وہ اپنے دوست صفوان بن امیہ کے ساتھ مقام حجر میں بیٹھا تھا کہ صفوان نے کہا، واللہ! ان لوگوں کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں، عمیر نے کہا، واللہ! تم نے سچ کہا ہے، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جس کو ادا کرنے کی میرے پاس کوئی صورت نہیں اور اہل وعیال نہ ہوتے جن کے برباد ہو جانے کا مجھے خوف ہے تو میں سوار ہو کر محمد مصطفےٰ ﷺ کو شہید کرنے کیلئے چلا جاتا کیونکہ مجھے ان کے پاس جانے کیلئے ایک یہ سبب بھی ہے کہ میرا بیٹا ﴿وہب بن عمیر﴾ ان کے پاس قید ہے، صفوان نے موقع غنیمت جان کر کہا، میں تمہارا قرض ادا کر دیتا ہوں اور تمہارے اہل وعیال کی کفالت کا وعدہ بھی کرتا ہوں، تم یہ کام ضرور کرو، عمیر نے کہا، اچھا لیکن تم میری اور اپنی اس حالت کو صیغہ راز میں رکھنا، اس نے کہا، میں ایسا ہی کروں گا، اس نے اپنی تلوار تیز کروائی، اسے زہر آلود کیا اور مدینہ منورہ کی جانب چل پڑا، جب وہ منزل مقصود پر پہنچا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کچھ مسلمانوں کے درمیان جنگ بدر ہی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، اچانک انہوں نے ملاحظہ کیا کہ عمیر بن وہب اپنا اونٹ مسجد نبوی کے دروازے پر بٹھا رہا تھا اور اس کی تلوار حمائل تھی، انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ اللہ کا دشمن کوئی بدی لئے بغیر نہیں آیا، یہ وہی دشمن ہے جس نے ہمارے درمیان ﴿جنگ کو﴾ ابھارا اور جنگ بدر کے روز ہماری تعداد کا اندازہ لگایا تھا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور سارا ماجرا بیان کر دیا، آپ نے فرمایا: اسے میرے پاس لے آؤ، وہ باہر آئے، عمیر کو گریبان سے پکڑا اور انصار مدینہ سے کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو، وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے، آپ نے اسے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو تلوار کی حمائل سمیت پکڑا ہوا ہے تو فرمایا: اے عمر! اسکو چھوڑ دو، اے عمیر میرے نزدیک آ جاؤ، وہ نزدیک ہو گیا اور کہا، انعموا صباحاً، آپ کا دن اچھا گزرے گا، یہ دور جاہلیت کا سلام تھا، آپ نے فرمایا: اے عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دعا سے عزت عطا فرمائی ہے جو تمہاری دعا سے بہتر ہے اور وہ سلام ہے جو جنت والوں کی دعا ہے، اس نے کہا، واللہ! میں اس سے بہت کم آشنا ہوں، آپ نے فرمایا: اے عمیر! تمہیں کونسی چیز لائی ہے، اس نے کہا، میں اپنا قیدی آزاد کروانے آیا ہوں، آپ اس کے متعلق احسان فرمائیے، آپ نے فرمایا: پھر یہ تلوار تمہارے گلے میں کیوں ہے، اس نے کہا، اللہ ان تلواروں

کا ستیاناس کرے، یہ تو ہمارے کچھ کام بھی نہ آئیں، آپ نے فرمایا: تم مجھے سچی بات بتاؤ کہ تم کس کام کیلئے آئے ہو، اس نے کہا، مجھے اور کوئی کام نہیں ہے، آپ نے فرمایا:

"کیوں نہیں، تم صفوان بن امیہ کے ساتھ مقام حجر میں بیٹھے تھے اور تم لوگوں نے مقتولان بدر کا تذکرہ کیا تھا، اس کے بعد تم نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جس کے ادا کرنے کی میرے پاس کوئی صورت نہیں اور اہل وعیال نہ ہوتے جن کے برباد ہو جانے کا مجھے خوف ہے تو میں سوار ہو کر محمد مصطفےٰ ﷺ کو شہید کرنے کیلئے چلا جاتا، پھر صفوان نے تمہارا قرض اور اہل وعیال کا ذمہ اٹھا لیا، اس شرط پر کہ تم مجھے شہید کر دو، حالانکہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے اس ارادے کے درمیان حائل ہے"

اس پر عمیر بن وہب نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے رسول ہیں، یارسول اللہ! ہم آپ کو آسمانی خبروں کے نزول پر جھٹلایا کرتے تھے، یہ بات تو ایسی تھی کہ اس وقت میرے اور صفوان کے سوا کوئی اور نہیں تھا، واللہ! میں جانتا ہوں کہ یہ خبر آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، پس اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے جس نے مجھے اسلام کا راستہ دکھایا اور مجھے آپ کے دامانِ کرم میں ہانک لایا، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو فقہ کی تعلیم دو، اسے قرآن پڑھاؤ اور اس کی خاطر اس کا قیدی آزاد کر دو، سب نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں نور خدا کو بجھانے میں کوشاں تھا اور دین خدا پر چلنے والوں پر بہت سخت تھا، اب میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت دیں تا کہ میں ساکنانِ مکہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دوں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے پر گامزن کر دے ورنہ میں ان کو ویسی ہی تکالیف پہنچاؤں جیسی آپ کے اصحاب کو پہنچایا کرتا تھا، آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرما دی اور وہ مکہ مکرمہ چلے گئے، اُدھر جب یہ اپنے اس ناپاک ارادے کے ساتھ نکلے تھے تو صفوان لوگوں سے کہا کرتا تھا، اب چند دن کی بات ہے، ایک ایسی خبر موصول ہونے والی ہے کہ تمہیں جنگ بدر کا واقعہ بھلا دے گی، صفوان مدینہ منورہ سے آنے والے قافلوں سے اس کے متعلق دریافت کرتا رہتا تھا، حتیٰ کہ ایک سوار آیا اور اس نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام

کی خبر سنائی، پھر اس نے قسم اٹھالی کہ وہ ان سے نہ کبھی بات کرے گا اور نہ کوئی نفع پہنچائے گا، خدا کی شان کہ یہ صفوان خود بھی ۸ ہجری میں مسلمان ہو گیا، ﴿طبری﴾ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں تبلیغ اسلام شروع کر دی، اگر کوئی شخص ان کی مخالفت کرتا تو وہ اسے ایذائیں دیتے، ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام اختیار کیا، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲، تاریخ طبری، اسد الغابہ، انساب الاشراف﴾ غزوۂ بدر کے درمیان کئی غزوات اور سریات واقع ہوئے، سیرت نگاروں کا ان کی تعداد اور ترتیب میں معمولی سا اختلاف ہے، اب ان غزوات اور سریات کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

غزوۂ بنی سلیم:

آنحضرت والا درجت ﷺ شوال المکرّم کے شروع میں، ایک قول کے مطابق بدر کے سات دن بعد اور ایک قول کے مطابق نصف محرم الحرام ۳ ہجری میں بنو سلیم کے مقابلے کیلئے نکلے اور ''قرقرۃ الکدر'' نامی تالاب پر پہنچے، قرقرہ دراصل ہموار زمین اور کدر خاکستری رنگ کے پرندے کو کہتے ہیں، آپ وہاں تین یا دس دن ٹھہرے لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی، اس غزوے پر آپ مدینہ منورہ سے پندرہ دن غائب رہے اور مدینہ منورہ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا، اس جنگ میں آپ کے علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور علم کا رنگ سفید تھا، بعض کہتے ہیں کہ آپ نے بنو سلیم کے پانچ سو سے زائد اونٹوں اور ایک غلام ''یسار'' پر قبضہ کیا جس کو بعد میں آزاد کر دیا اور بغیر لڑائی کے واپس تشریف لے آئے، دراصل آپ کو اطلاع ملی تھی کہ یہاں بنو سلیم اور بنو غطفان کی ایک بھاری جمعیت آپ کے خلاف جنگ کرنے کیلئے تیار ہے، آپ وہاں گئے تو وہ منتشر ہو گئے اور اس جگہ کسی کو موجود نہ پایا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۳۸۴﴾ بعد ازاں آپ شوال المکرّم کے باقی دن اور ذو القعد کا پورا مہینہ مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے اور یہ عرصہ جنگی قیدیوں کے معاملات میں بسر کیا، اس غزوہ میں صحابہ کرام کی تعداد دو سو تھی، تقسیم اموال کے وقت پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک ایک صحابی کے حصے میں دو دو اونٹ آئے، معارج میں ہے کہ بعضوں نے تعداد زیادہ بتائی ہے، اس روایت کے بموجب یا تو صحابہ کی تعداد دو سو سے کم ہو گی یا اونٹوں کی تعداد

پانچ سو سے زیادہ ہو گی، غلام یسار حضور سرور کائنات ﷺ کے حصے میں آیا تو آپ نے اسے آزاد فرما دیا، آپ کے آزاد کردہ غلاموں میں یسار بہت مشہور ہے، مروی ہے کہ آپ نے اسے صحابہ کرام کے ساتھ مشغول نماز دیکھ کر آزاد فرما دیا تھا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۷۸﴾

سریہ سالم بن عمیر:

مواہب لدنیہ میں غزوہ قرقرۃ الکدر کے بعد سریہ سالم بن عمیر کا ذکر ہے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ابی عفکہ یہودی کے پاس بھیجا، یہ یہودی بوڑھا تھا اور اسکی عمر ایک سو بیس سال کو پہنچ گئی تھی، یہ حضور اکرم ﷺ کے برخلاف لوگوں کو ورغلاتا اور ابھارتا تھا اور ایسے اشعار پڑھتا تھا جس میں لوگوں کو آپ سے منحرف ہو جانے کی ترغیب ہوتی تھی، جب اس کی شرارتیں از حد بڑھ گئیں تو آپ نے فرمایا، کون ہے جو اس خبیث کی زبان بند کرے، حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں، اب وہ رہے گا یا میں رہوں گا، آپ نے اجازت عطا فرما دی، گرمیوں کے موسم میں ایک رات وہ اپنے صحن میں آرام کر رہا تھا کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اپنی تلوار اس کے جگر کے نیچے گھونپ اور چرخ دیا، وہ دشمن خدا چیخا اور جان دیدی، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۷۸، سیرت نبویہ از دحلان:۲/۱۵﴾

ایک گستاخ عورت کا خاتمہ:

ہجرت کے انیسویں ماہ کے آغاز میں یہ واقعہ ہوا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، یزید بن خطمی یہودی کی بیوی عصما بنت مروان بہت بے حیا اور یہودی عورتوں میں مشہور زبان دراز تھی، ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی برائیاں کرتی اور رسول اللہ ﷺ کو برابر ایذا پہنچاتی رہتی تھی، حضور اقدس ﷺ نے اس ملعون عورت کے خاتمے کیلئے حضرت عمیر بن عدی خطمی رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر بھیجا، اس عورت کا گھر مدینہ منورہ سے باہر تھا، آپ کے ارشاد کے بموجب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اس کے گھر داخل ہو گئے، اس وقت وہ اپنے ایک بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور باقی بچے اس کے قریب تھے، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے بچے پیچھے ہٹائے اور اس کا خاتمہ کر کے اسی رات واپس آ گئے، صبح ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: مروان کی لڑکی کو قتل کر دیا، انہوں نے عرض کیا، ہاں، آپ نے فرمایا: **لا ینتطحان فیھا**

غـــــزان، انتطاح بکریوں اور مینڈھوں کا سینگوں سے لڑنا ہے، علما کرام نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام مفرد و مختصر ہے اور آپ سے پہلے کسی نے ایسا بلیغ کلام نہیں کیا ہے، اس کا مطلب کہ عصما کے قتل کے بارے میں کوئی جھگڑا نہ کرے، اس کا خون معاف کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ دشمن خدا اور دشمن رسول تھی، ﴿مواہب لدنیہ:۱/۲۶۰﴾ مواہب میں ہے کہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نابینا تھے، معارج النبوۃ میں کہا گیا ہے کہ وہ نابینا قدیم الاسلام تھے، محبت الٰہی میں خلوص نیت اور صفائے عقیدت رکھتے تھے اور حضور سید عالم ﷺ کی محبت میں بہت مشہور تھے، انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حق تعالیٰ اپنے حبیب اکرم ﷺ کو بسلامت مدینہ منورہ واپس لے آیا تو میں اس ملعون عورت کو قتل کروں گا، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نور بصر نہ رکھنے کے سبب سفر بدر میں حضور اکرم ﷺ کی ہمرکابی سے رہ گئے تھے، جب حضور اکرم ﷺ اپنی اقامت گاہ میں تشریف لائے تو وہ اسی رات سحر کے وقت اس ملعونہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہو کر اسے ٹٹول کر دیکھا کہ ایک بچہ اس کی چھاتی سے دودھ پی رہا تھا، انہوں نے اس بچے کو اس سے جدا کیا اور تلوار اس کے سینے پر رکھ کر پشت سے گزار دی، پھر انہوں نے اس خوف سے کہ کہیں کوئی معصیت تو نہیں ہوئی، حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ اس فعل سے مجھ پر کچھ واجب تو نہیں ہوتا، آپ نے وہی جملہ ارشاد فرمایا، نیز صحابہ کرام سے فرمایا: اگر تم محبوب رکھتے ہو کہ اس شخص کو دیکھو جس نے اللہ اور اسکے رسول کی بن دیکھے مدد کی تو عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو دیکھو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، اس نابینے کو دیکھو کہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں کیسا کام کر گزرا ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اعمیٰ ﴿یعنی نابینا﴾ نہ کہو بلکہ بصیر ﴿بینا﴾ کہو، مخفی نہ رہنا چاہئے کہ معارج النبوۃ کے سلسلہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل کو حسبۃ للہ بغیر رسول اللہ ﷺ کے فرمائے کیا ہے، اسی بنا پر انہوں نے سریہ عمیر بن عدی کا عنوان بھی نہیں دیا جس طرح کہ روضۃ الاحباب میں عنوان قائم کیا ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۲/۱۷۷﴾ یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک شاتم رسول کی سزا قتل ہے، امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں! حضور اکرم ﷺ کی تنقیص کرنے والے اور آپ کو گالی دینے والے کے قتل پر ساری امت کا اجماع و اتفاق ہے، ﴿کتاب الشفا:۲/۳۰۴﴾ امام ابو بکر بن منذر نیشاپوری نے بھی یہی فرمایا ہے، ﴿ایضا:۲/۳۰۷﴾ علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہی فتویٰ صادر کیا

ہے بلکہ انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام الصارم المسلول ہے۔

غزوہ بنی قینقاع:

۱۵ شوال المکرم ۲ ہجری میں غزوۂ بنی قینقاع کا واقعہ درپیش ہوا، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد یہود کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا، اس کے متعلق آپ کی پوری کوشش اور خواہش تھی کہ وہ پوری طرح نافذ رہے، چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا جو اس معاہدے کی عبارت کے کسی ایک حرف کے خلاف ہو لیکن یہود جن کی تاریخ غدر و خیانت اور عہد شکنی سے پُر ہے وہ بہت جلد اپنے قدیم مزاج کی طرف پلٹ گئے اور مسلمانوں کی صفوں میں دسیسہ کاری اور ہنگامہ خیزی کی کوششیں شروع کر دیں، اس کی زندہ مثال شاش بن قیس کا واقعہ ہے جس کی سازشوں سے ایک مرتبہ پھر اوس اور خزرج کے جوان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے، یہ تو رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار کا اعجاز تھا کہ نکلی ہوئی تلواریں نہ چل سکیں اور یہودیوں کے تمام منصوبوں پر اوس پڑ گئی، واضح رہے کہ یہود نے یہ ساری حرکتیں بدر سے پہلے ہی شروع کر دی تھیں اور اس معاہدے کے علی الرغم شروع کر دی تھیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا، ادھر اہل اسلام کا یہ حال تھا کہ وہ ان کی ہدایت یابی کی امید میں ان ساری باتوں پر صبر کرتے جا رہے تھے، اس کے علاوہ یہ بھی مطلوب تھا کہ اس علاقے میں امن و سلامتی کا ماحول برقرار ہے، پھر جب یہود نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی زبردست مدد فرما کر انہیں عزت و شوکت سے سرفراز فرمایا ہے اور ان کا رعب و دبدبہ دور و نزدیک کے لوگوں پر قائم ہو گیا ہے تو ان کی عداوت و حسد کی ہانڈی پھٹ پڑی، انہوں نے کھلم کھلا شرارت و عداوت کا مظاہرہ کیا اور علی الاعلان بغاوت اور ایذا رسانی پر اتر آئے، اس طرح تینوں یہودی قبائل میں سب سے زیادہ بدمعاش بنو قینقاع کا قبیلہ تھا، یہ لوگ مدینہ منورہ ہی کے اندر رہتے تھے اور ان کا محلہ انہی کے نام سے موسوم تھا، یہ لوگ پیشے کے لحاظ سے سنار، لوہار اور برتن ساز تھے، ان کے ہر آدمی کے پاس وافر مقدار میں سامان جنگ موجود تھا، ان کے جنگ آزمودہ مردوں کی تعداد سات سو تھی اور وہ مدینہ منورہ کے سب سے بہادر یہود تھے، انہی لوگوں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی، ہوا یوں کہ انہوں نے اپنی

شرارتوں میں وسعت اختیار کرتے ہوئے خلفشار پیدا کرنا شروع کر دیا، جو مسلمان ان کے بازار میں جاتا اس سے مذاق و استہزا کرتے اور اسے اذیت پہنچاتے حتیٰ کہ مسلمان عورتوں سے بھی چھیڑ چھاڑ کرتے، اس طرح صورت حال زیادہ سنگین ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے انہیں جمع فرما کر وعظ و نصیحت فرمائی اور ظلم و بغاوت کے انجام سے ڈرایا لیکن ان کے غرور میں کچھ اور ہی اضافہ ہو گیا، حضرت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جنگ بدر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جماعت یہود! اس سے پہلے اسلام قبول کرلو کہ تم پر ویسی ہی مار پڑے جیسے قریش مکہ پر پڑ چکی ہے، انہوں نے جواب دیا، اے محمد مصطفیٰ! آپ کو اس بنا پر خود فریبی میں نہیں پڑنا چاہئے کہ آپ کی مڈبھیڑ قریش مکہ کے اناڑی اور ناآشنائے جنگ لوگوں سے ہوئی اور آپ نے انہیں مارلیا، اگر ہماری اور آپ کی لڑائی ہوئی تو پتا چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں اور ہمارے جیسے لوگوں سے آپ کو پالا نہ پڑا تھا، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الیٰ جھنم وبئس المھاد...... ان کافروں سے فرمادو کہ عنقریب تم مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے، جن دو گروہوں میں ٹکر ہوئی اور ان میں تمہارے لئے نشانی ہے، ﴿سنن ابی داؤد: ۳/ ۱۱۵﴾

بہرحال بنو قینقاع کے جواب کا مطلب سراسر اعلان جنگ تھا لیکن حضور اقدس ﷺ نے پھر بھی درگزر سے کام لیا، مسلمانوں نے بھی صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے، ان کی جرأت رندانہ بڑھ چکی تھی، چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں ہنگامہ برپا کر دیا، ابو عون کی روایت ہے کہ ایک عرب عورت بنو قینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی اور بیچ کر ایک یہودی سنار کے پاس بیٹھ گئی، یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا، اس پر اس سنار نے چپکے سے اسکے کپڑے کا نچلا کنارا پچھلی طرف باندھ دیا اور اسے کچھ خبر نہ ہوئی، جب وہ اٹھی تو بے پردہ ہوگئی، اس پر یہودیوں نے قہقہ لگایا، اس عورت نے چیخ و پکار کی تو ایک مسلمان نے اس سنار پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا، جواباً یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا، بعد ازاں مقتول مسلمان کے گھر والوں نے شور مچایا اور یہودیوں

کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور بنو قینقاع کے یہودیوں کے درمیان بلوہ ہوگیا، ﴿ابن ہشام جلد ۲﴾ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس شریر قبیلے کو سزا دینے کا فیصلہ کرلیا، آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا انتظام سونپا اور خود حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سفید رنگ کا پھریرا دے کر اللہ کے لشکر کے ہمراہ بنو قینقاع کا رخ کیا، انہوں نے آپ کو دیکھا تو گھڑیوں میں قلعہ بند ہوگئے، آپ نے سختی سے محاصرہ کرلیا، یہ جمعۃ المبارک ۱۵ شوال المکرّم کا دن تھا، پندرہ روز تک ﴿یعنی ہلال ذی القعدہ کے نمودار ہونے تک﴾ محاصرہ جاری رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اہل اسلام کا رعب ڈال دیا جیسا کہ اسکی سنت ہے، جب وہ کسی قوم کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرنا چاہتا ہے تو ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے، چنانچہ انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جان و مال، آل و اولاد اور عورتوں کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہوگا، اس کے بعد آپ کے حکم سے ان سب کو باندھ لیا گیا، اس موقعہ پر عبداللہ بن ابی نے اپنا منافقانہ کردار ادا کرتے ہوئے سخت اصرار و الحاح کیا کہ آپ ان کے بارے میں معافی کا حکم صادر فرمادیں، اس نے کہا کہ آپ میرے معاہدین کے متعلق احسان کریں، واضح رہے کہ بنو قینقاع خزرج کے حلیف تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے تاخیر کی، اس نے اپنی بات پھر دہرائی مگر آپ نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا، اس شخص نے آپ کے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو اور ایسے غضبناک ہوئے کہ لوگوں نے آپ کے چہرہ انور پر جلال کی پرچھائیاں دیکھیں، وہ پھر اپنی بات پر اڑا رہا اور کہنے لگا، اللہ کی قسم! میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ میرے معاہدین کے بارے میں احسان فرمادیں، چار سو کھلے جسم کے جوان اور تین سو زرہ پوش جنھوں نے مجھے سرخ و سیاہ سے بچایا تھا، آپ انہیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے، واللہ! میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کررہا ہوں، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اس منافق کے ساتھ ﴿جس کے اظہار اسلام پر ابھی ایک مہینہ گزرا تھا﴾ رعایت کا معاملہ فرمایا اور اس کی خاطر سے ان کی جان بخشی کردی، البتہ انہیں حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ سے نکل جائیں اور آپ کے پڑوس میں نہ رہیں، چنانچہ یہ سب اذرعات شام کی طرف چلے گئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں اکثر کی موت واقع ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے اموال ضبط

کر لئے جن سے تین کمانیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے اپنے لئے منتخب فرمائے اور مال غنیمت میں سے خمس بھی نکالا، غنائم جمع کرنے کا کام، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، ﴿زاد المعاد:۲/۹۱، الرحیق المختوم ۳۲۵، ابن ہشام جلد۲﴾

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عبداللہ بن اُبی کے اصرار و الحاح کو دیکھ کر فرمایا: ''ان کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے ساتھ پر لعنت کرے،'' گویا یہ اس دعائے ضرر کا اثر تھا کہ انہیں اذرعات شام میں جا کر بھی سکون نصیب نہ ہوا ؎

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بہ در یونہی خوار پھرتے ہیں

اس غزوہ میں حضرت منذر بن قدامہ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی مشکیں باندھنے کا فریضہ سرانجام دیا، بنو قینقاع عبداللہ بن اُبی اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان کی دوستی سے بیزاری ظاہر کر دی اور کہا، یا رسول اللہ! میں کفار کے حلف اور دوستی سے بیزار ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اعلیٰ ﷺ کی دوستی کا عہد باندھتا ہوں، ان کے اور عبداللہ بن اُبی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

⊙...... یاایھا الذین امنوا لاتتخذوا الیھود والنصاریٰ............

اے ایمان والو! تم یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ کہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست رکھے گا، بیشک وہ انہیں میں سے ہوگا، بیشک اللہ راہ نہیں دکھاتا ہے بے انصاف لوگوں کو، پس تم ان کو دیکھو گے جن کے دلوں میں ﴿نفاق کی﴾ بیماری ہے وہ دوڑے جاتے ہیں، یہود و نصاریٰ کی دوستی میں، وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی مصیبت کے پھیر میں نہ آ جائیں تو ﴿یقین کرو﴾ وہ وقت قریب ہے کہ خدا تم کو فتح دے دے گا یا اسکی طرف سے ﴿کامیابی کی﴾ کوئی اور بات ظاہر ہو جائے گی، پھر یہ لوگ اس بات پر پشیمان ہوں گے جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھی۔ ﴿سورۃ المائدہ:۵۱، ۵۲﴾

پھر آگے چل کر فرمایا:

⊙......تمہارے دوست اللہ اس کا رسول اور ایمان والے ہیں کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ﴿اللہ کے آگے﴾ جھکے ہوئے ہیں، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی طرح جو شخص مخالف اسلام لوگوں کی دوستی سے بیزار ہے، اللہ اور اس کے رسول اور نماز و زکوٰۃ پر قائم رہنے والے پکے مسلمان سب ایسے شخص کے دوست رفیق ہیں، اور یہ اللہ کا گروہ کہلاتا ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ یہ گروہ مخالفوں پر غالب رہے گا، اللہ سچا ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، ﴿مظہر القرآن:۱/۳۴۹﴾

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جو حضور اقدس ﷺ نے اپنا مخصوص حصہ خمس لے کر باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیئے، یہ بدر کے بعد پہلی غنیمت ہے جو اہل اسلام میں تقسیم ہوئی، صاحب عیون الاثر لکھتے ہیں کہ اس روایت میں ہے کہ آپ نے اپنا مخصوص حصہ خمس لے لیا حالانکہ مشہور یہ ہے کہ آپ کا مخصوص حصہ "صفی"[1]، خمس کے علاوہ ہے، چنانچہ امام شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک مخصوص حصہ جس کو "صفی" کہا جاتا ہے، خمس سے پہلے نکالا جاتا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو غنائم خیبر سے آپ نے اپنے صفی حصہ میں لیا تھا، معلوم نہیں اس روایت میں لفظ خمس سے پہلے واؤ گر گیا ہے، دراصل "صفیہ والخمس" تھا اور معنی یہ ہے کہ آپ نے اپنا صفی اور خمس لے لیا، یا پھر ایسا صفی کہ حکم سے پہلے ہوا کرتا تھا، روضۃ الاحباب میں ہے کہ یہ خمس ہے جو آپ کے حکم سے جدا کیا گیا ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۰۸﴾ بنو قینقاع کی جلاوطنی کا پورا کام حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی انجام پایا، آپ نے غنائم سے ملنے والی زرہیں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیں، یہ حضور اکرم ﷺ کے اندازِ سخاوت کا ایک اور حسین منظر ہے۔

نماز عید الاضحیٰ اور قربانی:

جب آپ غزوہ بنی قینقاع سے واپس تشریف لائے تو نماز عید الاضحیٰ ادا فرمائی اور اغنیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قربانی کی، قربانی اسلام کا ایک ایسا حسن عمل ہے جس سے

---

[1]: "صفی" سے مراد یہ ہے کہ آپ مال غنیمت کے مال سے اپنی پسند کی ایک چیز غلام، گھوڑا یا لونڈی وغیرہ وصول کرلیں

انسانی دل میں خوف خدا، اخلاص و وفا اور ایثار و مروت کے روپہلے جذبات پروان چڑھتے ہیں، عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی وہ سنہری اصول ہیں جن سے اسلامی روایات کا ''انسان دوست'' ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز اسلام کے اسلوب مسرت کا اندازہ قائم ہوتا ہے، ان دونوں نشاط انگیز موقعوں پر مفلوک الحال لوگ بھی مالدار لوگوں کے شانہ بشانہ خوشیوں کے ثمرات وصول کرتے ہیں اور ہر طرف درد دل سے لبریز تہذیب وتمدن کا عالمگیر مظاہرہ دکھائی دیتا ہے، قربانی کے متعلق قرآن وحدیث کے بہت سے ارشادات موجود ہیں، مثلاً فرمان باری ہے:

ہم نے تمہارے لئے قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے کہ اللہ کی نشانیوں میں سے کئے، تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے، تم ایک پاؤں بند ہے اور تین پاؤں سے کھڑا کر کے ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہو، پھر جب وہ کسی پہلو گر جائیں، ﴿حرکت بند ہو جائے﴾ تو اس ﴿کے گوشت میں﴾ سے کھاؤ اور بے سوال والوں اور مانگنے والے محتاجوں کو بھی کھلاؤ، ہم نے اسی طرح چوپایوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ تم شکر کرو، اللہ کو تو نہ ان کا گوشت ہی پہنچتا ہے اور نہ خون ان کا، لیکن تمہاری پرہیزگاری اس کے پاس پہنچتی ہے، اللہ نے اسی طرح ان کو تمہارے بس میں کر دیا تاکہ تم ﴿اللہ کی راہ میں ان کی قربانی کر کے﴾ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرو ﴿اسطرح قربانی کرنے﴾ ہدایت فرمائی، اے محبوب! نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنادو ﴿سورۃ الحج، ۳۶، ۳۷﴾

ایک اور غیر معمولی واقعہ:

سال دو ہجری میں امیہ[1] بن ابی الصلت شاعر فوت ہو گیا، یہ زمانہ جاہلیت میں دینی جذبہ رکھتا تھا اور خدا پرستی کا خواہاں تھا، اس نے پچھلی کتابیں پڑھ کر نصاریٰ کا دین پسند کر لیا اور اصنام پرستی سے کنارہ کشی کر لی، وہ نور نبوت کا منتظر تھا، پھر اپنی ذات کی خوبیوں کو محسوس کر کے نبوت و رسالت کو اپنا استحقاق سمجھنے لگا، جب حضور پیغمبر برحق ﷺ کے اعلان

---

[1]: امیہ بن ابی الصلت کا تفصیلی واقعہ جلد اول میں گزر چکا ہے۔

نبوت کا علم ہوا تو حسد و بغاوت کے راستے پر چل پڑا، آپ نے اس کے توحید خداوندی پر مشتمل اشعار سن کر فرمایا: امن لسانه و کفر قلبه، اس کی زبان تو ایمان لائی مگر دل نے کفر اختیار کیا، ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا: امن شعره و کفر قلبه، اس کے اشعار سے ایمان چھلکتا ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۱۸۱﴾ جب جنگ بدر میں کفر کے بڑے بڑے سرغنے واصل جہنم ہوئے تو اس نے ان کی یاد میں بڑے زوردار مرثیے رقم کیے، ایک مرثیے کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

شریفوں اور شریفوں کی اولاد پر جو مدح و ستائش والی ہے، تو نے اس طرح آہ وزاری کیوں نہ کی، جس طرح گھنے ڈالوں پر جھکی ہوئی ڈالیوں میں کبوتریاں آہ وزاری کرتی ہیں، وہ اندرونی سوزش کی وجہ سے بے بسی اور بیکسی کے ساتھ روتی ہیں اور شام کو واپس جانے والیوں کے ساتھ واپس جاتی ہیں، چیخ چیخ کر رونے والی اور نوحہ کرنے والی عورتیں بھی انہی جیسی ہیں، جو شخص بھی ان پر روتا ہے وہ غم ہی کی وجہ سے روتا ہے اور ﴿ان کی﴾ تعریف کرنے والا سچ کہتا ہے، بدر کے میدان میں ٹیلوں پر رئیسوں اور سرداروں کی کیا حالت غم ہوگی، مقام برقین کی نشیبی جگہوں اور مقام اُواشح کی بلندیوں پر کیا حال زار ہوگیا، ادھیڑ اور نوجوان سرداروں اور تیز مزاج قوت والے غارت گروں کا کیا بن گیا ـــ

الا ترون لما اریٰ

ولقد ابان لکل لا مح

کیا جو چیزیں میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے، حالانکہ وہ ہر دیکھنے والے پر ظاہر ہیں، وادی مکہ کی صورت ہی بدل گئی ہے اور اسکی کنکریلی نشیبی زمینیں وحشت ناک بن گئی ہیں، ان اکڑ کر چلنے والے سرداروں کی کیا حالت غم ہے جن کے گورے رنگ نہایت صاف تھے، ﴿سیرت ابن ہشام جلد۲﴾

یہ مرثیہ بہت طویل ہے، ابن ہشام فرماتے ہیں کہ ان اشعار میں سے دو شعر ہم نے چھوڑ دیئے ہیں جن میں اس نے صحابہ کرام کو گالیاں دی ہیں، بہر حال اس اسلام دشمن اور زبان دراز آدمی کا مرنا فرزندان اسلام کیلئے نیک شگون تھا۔

غزوہ سویق کے حالات:

امام ابن اسحاق کے مطابق غزوہ سویق ماہ صفر میں اور ایک قول کے مطابق ماہ ذوالحج کی پانچ راتیں گزرنے کے بعد واقع ہوا، ﴿مواہب:۱/۲۶۳، زاد المعاد:۲/۹۰﴾ ابوسفیان نے نذر مانی تھی کہ وہ جب تک حضور پیغمبر نور ﷺ سے انتقام نہ لے گا غسل جنابت نہیں کرے گا، اس لئے اپنی نذر پوری کرنے کیلئے قریش مکہ کے دوسو سوار لے کر نکلا اور مدینہ منورہ سے تقریباً بارہ میل دور واقع پہاڑ نیب ﴿یا تیب﴾ کے نزدیک "صدر قناۃ" نامی جگہ میں اترا، پھر رات کے اندھیرے میں بنونضیر کے محلے میں آیا اور حی بن اخطب ﴿یہودی﴾ کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر وہ ڈر گیا اور اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا، وہاں سے سلام بن مشکم کے پاس آیا، یہ بھی اس وقت بنونضیر کا ایک مشہور سردار تھا اور خزانچی تھا، اس نے اسکو اندر بلا لیا اور خوب مہمانی کی نیز مسلمانوں کی صورتحال سے مطلع کیا، ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے سلام بن مشکم سے کہا کہ میں تم سے مسلمانوں کے خلاف امداد لینے آیا ہوں جس کا تم نے وعدہ کیا تھا، اس نے کہا، ہم اپنے وعدے پر آج بھی قائم ہیں لیکن تم تو بہت جلدی آگئے، آج ہم تیار نہیں، گویا وہ مدینہ منورہ پر حملے کی نیت سے آیا تھا مگر یہودیوں نے فوری امداد نہ کی اس لئے ناکام ہو کر چلا گیا، ﴿نظرۃ جدیدۃ:۲۴۴﴾ پھر پچھلی رات اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور قریش مکہ کے چند سواروں کو مدینہ منورہ بھیجا جنھوں نے مدینہ منورہ کی ایک جانب عریض نامی مقام پر کھجوروں کا باغ جلا دیا اور انصار کے ایک آدمی حضرت سعد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک حلیف کو جو وہاں کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے، قتل کر دیا اور واپس چلے گئے، اس کے بعد ابو سفیان نے گمان کیا کہ اس نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے انتقام لے لیا ہے، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ دوسو مجاہدین اسلام کے ہمراہ ان کے تعاقب میں قرقرۃ الکدر تک پہنچے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی بھاگ گئے ہیں اور بوجھ ہلکا کرنے کیلئے جاتے ہوئے بہت سے ستو گراتے اور دوسرا سامان پھینکتے گئے ہیں، یہ سامان مسلمانوں کے کام آیا، اسی وجہ سے اس کا نام غزوہ سویق ﴿یعنی ستوں والا غزوہ﴾ مشہور ہو گیا، آپ لڑائی کئے بغیر بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے تو صحابہ کرام نے پوچھا، یارسول اللہ! جنگ تو نہیں ہوئی، کیا انہیں جنگ کا ثواب ملے گا، آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں

ضرور ملے گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۳۸۴﴾ اس غزوہ پر روانہ ہوتے ہوئے آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا، یہ خلافت وقتی اور نیابت عارضی حضور نبی اکرم ﷺ کی واپسی پر ختم ہو جاتی تھی، لہذا اس سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی خلافت مطلقہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ دوسرے صحابہ کرام کی خلافت مطلقہ پر جن کو وقتاً فوقتاً شرف نیابت بخشا گیا، ﴿حاشیہ الوفا:۷۱۲﴾ آپ اس غزوہ میں پانچ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب بھی کسی غزوہ پر نکلتے تو دعا کرتے:

اللھم انت عضدی و انت نصیری وبک اقاتل ،اے اللہ! تو ہی میرا دست و بازو ہے اور نصیر و مددگار ہے اور تیری ہی مدد سے میں قتال کرتا ہوں اور تیرے اعداء سے جہاد کر کے ان کا قلع قمع کرتا ہوں۔ ﴿کتاب الوفا:۷۰۲﴾

......⊙......

باب چہارم

سال سوم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور پرنور، نور علیٰ نور، شافع یوم نشور ﷺ کی قیادت وسیادت میں اسلامیان مدینہ عزم وہمت کی تابناک مثالیں قائم کر رہے تھے، ہر طرف سے کفر اور جاہلیت کی آندھیوں کا سامنا تھا، ہر جانب ظلم اور بربریت کی دیواریں استادہ تھیں، قدم قدم پر سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے، نظر نظر میں منزلوں کا راستہ انتہائی کٹھن تھا، اُدھر یہ کاروانِ ہدایت تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دور گراں خوابی

سرشکِ چشم مسلم میں نیساں کا اثر پیدا ہو رہا تھا، خلیل اللہ کے دریائے عزم میں گوہر شاداب جنم لے رہے تھے، ملت بیضا کی تشکیل وتعمیر کا سلسلہ جاری تھا، شاخ ہاشمی پر برگ وبر مسکرانے لگے تھے، صبائے چمن گل ولالہ کی خوشبو سے اپنا ہمسفر پیدا کر رہی تھی، اگرچہ اسلامیوں پر کوہِ غم ٹوٹ رہا تھا لیکن کیا تھا، صد ہزار انجم کے خون سے ہی تو سحر جانفزا کا اجالا پھوٹتا ہے، ضمیر لالہ میں چراغِ آرزو روشن کرنے کیلئے اور گلستان کے ہر ذرے کو شہید جستجو کرنے کیلئے اور جہانبانی اور اس سے بھی مشکل ترین کار جہاں بینی کیلئے جگر کا خون ہو تو پھر چشم دل میں نظر بیدار ہوتی ہے، مسلمان کا وجود کائنات کا مقصد اور مقصود ہے، اس کا خون دل حنا بند عروس لالہ ہے، اس کی نسبت سرمدی معمار جہاں ہے، اس کی فطرت ممکنات زندگی کی امین ہے اور وہی زمانے کے جوہر مضمر کا امتحان ہے، سب مکان ومکین فانی ہے مگر وہ خدائے لم یزل کا آخری پیغام بن کہ زندہ وجاوید ہے، اسکی منزل مراد چرخ نیلی فام سے بھی اس طرف ہے، یہ وہ قافلہ ہے، ستارے جس کی گرد راہ بننے کیلئے بیقرار دکھائی دیتے ہیں، یہ قافلہ یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کی چمکدار تلواروں کے ساتھ جہاد زندگانی میں مصروف پیکار تھا اور نگاہ مومن سے موجودات کی قسمت تبدیل ہو رہی تھی۔

یقین افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

غزوہ غطفان کا مرحلہ:

یہ غزوہ مزید دو ناموں سے بھی مشہور ہے، غزوہ ذی امر...... غزوہ انمار، یہ غزوہ نجد کے ناحیہ میں ہجرت کے پچیسویں مہینے ربیع الاول کی بارہ راتیں گزری تھیں، جب واقع ہوا، ﴿مواہب لدنیہ: ۱/۲۶۹﴾ یعنی بارہ ربیع الاول کو معرض وجود میں آیا، ایک روایت میں ہے کہ معرکہ بدر و احد کے درمیانی عرصے میں رسول اللہ ﷺ کے زیر قیادت یہ سب سے بڑی فوجی مہم تھی جو محرم ۳ھ میں پیش آئی، ﴿الرحیق المختوم: ۳۳۰﴾ آنحضرت والا درجت ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کی ایک متحدہ جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ رکھتی ہے اور اس کو ایک مشہور بہادر سردار دعثور بن حارث محاربی نے جمع کیا ہے، اس کا نام خطیب نے غورث اور دوسروں نے عورک لکھا ہے، آپ چار سو پچاس سوار لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے، مدینہ منورہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا، دشمن کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں میں منتشر ہو گئے، مسلمانوں نے ان کا ایک آدمی جبار پکڑ لیا، اس کا تعلق قبیلہ بنو ثعلبہ سے تھا، آپ نے اسے دعوت اسلام دی تو اس نے قبول کر لی، پھر اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہم نشین بنا دیا، اتفاق سے بارش ہو گئی جس سے حضور اکرم ﷺ کا لباس اطہر بھیگ گیا، آپ نے کپڑے خشک کرنے کیلئے ایک درخت پر پھیلائے اور خود اس کے نیچے سو گئے، دشمن کے کچھ آدمی دیکھ رہے تھے، انہوں نے دعثور سے کہا کہ حضرت محمد ﷺ تنہا ہیں، امید ہے تم ان پر قابو پا لو گے، دعثور شمشیر عریاں اٹھا کر آپ کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، آج کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا، آپ نے فرمایا: اللہ، وہی میرا محافظ ہے، اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور ایک ہاتھ دعثور کے سینے پر مارا تو وہ گر پڑا، آپ نے اس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور فرمایا: کون ہے جو تمہیں مجھ سے بچائے گا، اس نے کہا، کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے اسے تلوار عطا کر دی اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا، قوم نے کہا، تمہیں کیا ہو گیا تھا، ان کے سرہانے بھی پہنچ گیا مگر کوئی وار نہ کر سکا، اس نے جواب دیا، میں نے ایک مرد سفید رنگ کو دیکھا تھا جو بہت بلند و بالا تھا، اس نے ایک ہی ہاتھ میرے سینے پر مارا کہ میں زمین پر گر گیا،

اس کے بعد اس نے اپنی قوم کو دعوت اسلام پیش کی، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

یاایھا الذین امنوا......... ایدیھم عنکم، اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر ہاتھ اٹھانے چاہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے، ﴿سورۃ المائدہ: ۱۱﴾

بعض علما کرام کا خیال ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کے دوران پیش آیا تھا، جیسا کہ مواھب لدنیہ میں مرقوم ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ جو واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف کی حدیث کے ضمن میں صحیح بخاری میں ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم، نور مجسم ﷺ ایک درخت کے نیچے محوخواب تھے اور آپ کی تلوار شاخ سے آویزاں تھی، اس وقت ایک اعرابی آیا اور آپ کی تلوار کھینچ کر سرہانے کھڑا ہو گیا، حضور بیدار ہو گئے تو اعرابی نے کہا، **من یمنعک منی،** مجھ سے آپ کو کون بچائے گا، حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: اللہ، اس کے بعد حضور پرنور ﷺ نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اسے دھکا دے دیا، صحیح بخاری میں اس کے ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے مگر امام قسطلانی نے امام واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ اسلام لے آیا اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا، پھر اس کے ذریعے ایک خلق عظیم نے راہ ہدایت پائی، اس کا مفصل تذکرہ غزوہ ذات الرقاع میں ان شاء اللہ آئے گا، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۱۸۳﴾

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تبصرے سے معلوم ہوا کہ غزوہ غطفان اور غزوہ ذات الرقاع کے دوران پیش آنے والے دونوں واقعات جدا جدا ہیں، چونکہ دونوں کی نوعیت ایک جیسی ہے اس لئے بعض علما کرام نے ان کو ایک ہی واقعہ تصور کر لیا ہے اور اسے غزوہ ذات الرقاع کے ضمن میں بیان کیا ہے، بہرحال اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ کو بے بہا قوت و ہیبت سے سرفراز کیا تھا، اس طرح کے اچانک حملے سے بڑے مضبوط اعصاب کا مالک انسان بھی ہو، ہراساں ہو کر رہ جاتا ہے لیکن آپ کے پائے استقلال اور زبان باکمال میں کوئی لغزش واقع نہیں ہوئی، اس طرح کی بےمثال استقامت آپ کا اعجاز نبوت ہے جس کو دانشوران اسلام نے دلیل نبوت قرار دیا ہے۔

اللہ اللہ شاہ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

اس واقعہ کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے، اس سفر کی مدت گیارہ روز تھی۔

کعب بن اشرف کا قتل:

یہود مدینہ میں کعب بن اشرف وہ شخص تھا جس کو اسلام اور اہل سلام سے نہایت زیادہ دشمنی تھی، وہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے خلاف جنگ کی کھلم کھلا دعوت دیتا پھرتا تھا، اس کا تعلق قبیلہ طے کی شاخ بنونبھان سے تھا اور اسکی ماں قبیلہ بنی نضیر سے تھی اس لئے اس نے یہودی مذہب اختیار کرلیا، وہ بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا، عرب میں اس کے حسن و جمال کا شہرہ تھا اور ایک معروف شاعر بھی تھا، اس کا قلعہ مدینہ منورہ کے جنوب میں بنونضیر کے عقب میں واقع تھا، جب اسے جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح ونصرت اور کفار مکہ کے سرداروں کے قتل و ہزیمت کی خبر ملی تو بے ساختہ پکار اٹھا، کیا واقعتاً ایسا ہوا ہے، یہ عرب کے اشراف اور لوگوں کے بادشاہ تھے، اگر محمد مصطفےٰ نے ان کو مار دیا ہے تو روئے زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے، پھر جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو وہ حضور پیغمبر اسلام ﷺ اور اسلامیان مدینہ کی ہجوگوئی اور دشمنان اسلام کی مدحت سرائی پر اتر آیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اکسانے لگا، اس فتنہ انگیزی سے بھی اس کے جذبات سرد نہ ہوئے تو قریش مکہ کے پاس پہنچا اور مطلب بن وداعہ سہمی کا مہمان ہوا، پھر اس نے وہاں مشرکین کی غیرت بھڑکانے، ان کی آتش انتقام تیز کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کیلئے اشعار کہے اور سرداران قریش کا ماتم کیا جنہیں میدان بدر میں واصل جہنم کر کے تاریک کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف صرف تنہا مکہ مکرمہ نہیں آیا تھا بلکہ اس کے ہمراہ حی بن اخطب، سلام بن حقیق اور ابورافع جیسے سرکردہ افراد بھی تھے، ﴿سیرت دحلان: ۲/ ۲۵﴾ انہوں نے کفار مکہ کے بتوں کو سجدہ بھی کیا تاکہ ان کو ان کی وفاداری پر یقین آجائے، جب حضور اقدس ﷺ کو اس کی ان سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو دعا کی، مولا ہمیں ابن اشرف کے شر سے محفوظ فرما، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۱۸۵﴾ مکہ مکرمہ میں ابو سفیان اور دیگر مشرکین مکہ نے اسے سوال کیا کہ کیا تمہارے نزدیک ہمارا دین زیادہ

پسندیدہ ہے یا حضرت محمد ﷺ کا اور ان کے ساتھیوں کا دین زیادہ پسندیدہ ہے اور ان دونوں میں کونسا گروہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے، کعب بن اشرف نے عدل وانصاف کا خون کرتے ہوئے جواب دیا، تم لوگ زیادہ ہدایت یافتہ اور فضیلت مآب ہو، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

الم ترالی الذین اوتو انصیباً من الکتب یومنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھولا اھدیٰ من الذین امنوا سبیلا، کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا حصہ دیا گیا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ﴿سورۃ النساء:۵۲﴾

اہل مکہ کو خوب مشتعل کرنے کے بعد یہ اخبث انسان مدینہ منورہ آ گیا اور قریش مکہ کے حملوں کا انتظار کرنے لگا، مزید یہ کہ اس نے مسلمان عورتوں کے متعلق انتہائی بیہودہ اشعار بھی کہے، اس کا یہ کردار تو انتہائی نا قابل معافی تھا اس لئے رسول غیرت وحمیت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرما دیا، حضرت امام بخاری نے روایت بیان کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کعب بن اشرف کو کون سنبھالے گا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف دی ہے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں، آپ نے فرمایا! ہاں، انہوں نے کہا، پھر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا: اچھا کہہ لینا، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک دن کعب بن اشرف کے پاس آئے اور کہنے لگے، اس آدمی نے ہمیں تنگ کر رکھا ہے، ہم سے صدقہ مانگتا ہے اور ہمارے پاس دینے کو کچھ نہیں، میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ ہمیں قرض دلوا دو، وہ کہنے لگا کہ یہ شخص تمہیں اور بھی تنگ کرے گا، انہوں نے کہا، ہم اس کی اطاعت جو کر چکے، اب چھوڑنا مناسب نہیں لیکن موقع کی تلاش میں ہیں، دیکھئے حالات کیا ہوتے ہیں، تم ہمیں ایک دو وسق ﴿من﴾ کھجوریں قرض دے دو، پس کعب نے کہا، کچھ رہن رکھو، انہوں نے کہا، تم کیا چیز چاہتے ہو، اس نے کہا، اپنی عورتیں گروی رکھ جاؤ، انہوں نے کہا، ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں حالانکہ تم سارے

عرب میں حسین ترین آدمی ہو، اس نے کہا، چلو اپنے بیٹے گروی رکھ دو، انہوں نے کہا، ایسا کرنے سے ہر کوئی گالی دے گا کہ تم دو وسق کھجوروں کے بدلے گروی رکھے گئے تھے لہذا ہم ایسا کرنے سے شرم محسوس کرتے ہیں، ہاں اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں، پھر انہوں نے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا، پھر یہ رات کے وقت گئے تو ان کے ساتھ کعب کا بھائی ابو نائلہ بھی تھا، اس نے انہیں قلعہ میں بلا لیا اور ان کے پاس نیچے آنے لگا، اس کی بیوی نے کہا، تم اس وقت کہاں جا رہے ہو، اس نے کہا، محمد بن مسلمہ اور اپنے بھائی ابو نائلہ سے ملنے اس کی بیوی نے کہا، اس آواز سے تو خون ٹپک رہا تھا، اس نے کہا محمد بن مسلمہ گویا میرا حقیقی اور ابو نائلہ کا رضائی بھائی ہے، کریم آدمی کو اگر نیزے کی مار کی طرف بلایا جائے تو اس پکار پر بھی وہ جاتا ہے، اس کے بعد وہ باہر آ گیا، وہ خوشبو میں بسا ہوا تھا، اس کے سر سے خوشبو کی لہریں پھوٹ رہی تھیں، محمد بن مسلمہ کے ساتھ دو آدمی بھی تھے، انہوں نے کہا، میں کعب کے بال پکڑ کر سونگھوں گا، جب دیکھو کہ میں نے اس کے بال مضبوطی سے پکڑ لئے ہیں تو اس کا کام تمام کر دینا، کعب اپنے بدن پر چادر لپیٹے ہوئے بالا خانہ سے اترا کہ اس کے بدن سے خوشبو آ رہی تھی، محمد بن مسلمہ نے کہا، میں نے آج تک ایسی بہتر خوشبو نہیں سونگھی، کعب نے کہا، میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ عطر استعمال کرنے والی عورت ہے اور حسین بھی بہت ہے، انہوں نے کہا، اگر اجازت ہو تو میں تمہارے سر سے خوشبو سونگھ لوں، کہنے لگا، سونگھ لو، چنانچہ انہوں نے اس کا سر پکڑ کر خود بھی خوشبو سونگھی اور اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھائی، پھر بولے، اجازت ہو تو ایک دفعہ پھر سونگھ لوں، اس نے کہا، ہاں! اجازت ہے، پھر جب انہوں نے اس کے بال اچھی طرح قابو کر لئے تو کہا، اس گستاخ رسول کا کام تمام کر دو، یہ سنتے ہی دونوں ساتھیوں نے اس کو واصل جہنم کر دیا اور ﴿ پھر سب نے ﴾ رسول اللہ ﷺ کو آ کر اطلاع دی، ﴿ صحیح بخاری کتاب المغازی ﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کچھ لوگوں کو اس کے قتل کے لیے بھیجو، یا فرمایا کون ہے جو اسکے شر سے محفوظ کرے، بہر حال صحیح بخاری شریف کی روایت پر اکثر علماء نے اعتماد کیا ہے کیونکہ اس کی عداوت ہم پر ظاہر ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا ہے، امام ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ جب وہ اس کو قتل کر کے بقیع پہنچے تو بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا، حضور اکرم ﷺ اس رات جاگتے اور

نماز پڑھتے رہے، جب آپ ﷺ نے نعرہ تکبیر سنا تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر، اور جان لیا کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا ہے، جب وہ آپ کی خدمت اقدس میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہ چہرے کامیاب رہے، وہ بولے، یارسول اللہ! آپ کا چہرہ بھی کامیاب ہے، اور اس کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا، آپ اس فتنہ انگیز شخص کے قتل پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳/ ۱۰﴾ اس واقعہ میں حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو تلوار کی دھار لگی جس سے وہ زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا، آپ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن مبارک لگایا جس سے خون رک گیا اور تکلیف زائل ہوگئی، ابن اسحاق نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہودی ہم ﴿مسلمانوں﴾ سے ڈرنے لگے، خدا کی قسم! مدینہ منورہ کا ہر یہودی خوفزدہ رہنے لگا، ادھر رسول اللہ ﷺ نے حکم جاری فرمایا کہ جس ﴿فتنہ ساز﴾ یہودی کو پاؤ، اسکو قتل کر دو، یہ حکم اس لئے ہوا کہ یہودیوں نے سارے کے سارے معاہدے یکسر فراموش کر دیئے تھے، یہ فرمان سن کر حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مشہور یہودی تاجر ابن سبینہ کو قتل کر دیا، وہ ان کے پاس اکثر آتا اور خرید و فروخت کرتا تھا، اس وقت حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کا بڑا بھائی حریصہ مسلمان نہیں ہوا تھا، اس نے کہا، اے دشمن خدا، تم نے اسے قتل کر دیا، تیرے پیٹ کی چربی اس کا مال کھانے سے پیدا ہوئی ہے، انہوں نے جواب دیا، خدا تعالیٰ کی قسم! اس کو قتل کرنے کا حکم مجھے اس شخصیت نے دیا ہے کہ اگر وہ مجھے تمہارے قتل کا حکم دیتے تو میں تمہاری گردن بھی اڑا دیتا، یہ دھمکی حریصہ کے اسلام لانے کا سبب بنی، اس نے کہا، خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ تم ایسا ہی کرتے، انہوں نے کہا، ہاں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ایسا ہی کرتا، اس نے کہا یہ دین جس نے تمہارے اندر ایسا جذبہ پیدا کر دیا ہے عجیب دین ہے، پھر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۹۲، سیرت ابن کثیر ۳/ ۱۶﴾

اہل مغرب کا اعتراض اور جواب:

اہل مغرب نے نضر، عقبہ اور کعب جیسے فتنہ انگیز لوگوں کے قتل کا حکم صادر کرنے پر زیادہ اعتراض کیا ہے کہ اسلام نے خون آشامی کی اجازت دی ہے، اور اپنی دو ہزار سالوں پر محیط تاریخ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، کاش وہ ذرا سا تامل کرتے کہ اگر یہ لوگ پر امن شہریوں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے اور دوسروں کی عزت و آبرو اور جان و مال پر

دست اندازی کا ارتکاب نہ کرتے تو حضور پیغمبر نور ﷺ جیسے انتہائی شفیق، رحم دل اور بردبار سربراہ ریاست ان کو کیوں موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیتے، آپ کا فیصلہ بالکل برحق تھا کہ ایسے چند فتنہ طراز لوگوں کے خاتمے سے اگر سینکڑوں ہزاروں انسانوں کو سکون کی زندگی نصیب ہوتی ہے تو ضرور ہونی چاہیے، پھر شاید یورپ اور امریکہ کا غیرت نا آشنا ماحول تو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ شریف اور پاکباز عورتوں کی عزت و ناموس کو گندے اشعار میں اچھالا جائے اور پھر اس پر آزادی حقوق نسواں کا لیبل لگایا جائے مگر اسلام کا ایک خاص مزاج ہے، اس میں غیرت و حمیت کے نازک آبگینوں کا اپنی متاع جان سے بھی زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، اگر نضر، عقبہ اور کعب کے قتل کا موازنہ ان خونی واقعات سے کیا جائے جن سے عیسائیت کی تاریخ کے صفحات رنگین ہیں تو اس قتل کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رہتی، ان کی خون ریزیوں کے مقابلے میں یہ واقعات انتہائی معمولی ہیں کہ ان کی طرف کسی کی نظر بھی نہیں اٹھنی چاہیے، ہنگامہ زار حیات میں اس کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں، فرانس اور مغربی ممالک کے انقلابی ہنگاموں میں جو قتل و غارت کا بازار گرم ہوا ہے اس پر نظر ڈالنے سے یہ قتل پردہ اخفا میں چلا جاتا ہے، مہر و مروت اور عدل و انصاف کے مدعی عیسائیوں نے اپنے مخالفین سے جو وحشیانہ سلوک کیا اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا اپنے دشمنوں سے برتاؤ سراسر رحمت و رافت پر مبنی ہے، سان بارتلمی کی خونریزی اور اس قسم کے دوسرے بے رحمانہ واقعات نے تاریخ عیسائیت کے صفحات پر کالک کا پچارا پھیر دیا ہے، ایسی وحشت سامانیوں کی مثال اسلام کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، سان بارتلمی کی خونریزی کے سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس کے اسباب ایک رات میں پیدا ہو گئے تھے، کیتھولک فرقے کے عیسائیوں نے پیرس اور انواح کے کثیر التعداد پروٹسٹنٹ فرقے کے عیسائیوں کو مکر و فریب سے تہ تیغ کر دیا تھا، اگر مسلمانوں نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں اپنے مخالفین کے ہاتھوں ظلم و ستم اور جبر و تشدد برداشت کرنے کے بعد اسیران بدر میں سے دو انتہائی شقی القلب انسانوں کو قتل کر دیا اور مدینہ منورہ میں امن و امان کے متعلق ہر ممکن قربانی دینے اور ہر ممکن کوشش کرنے کے بعد ایک دو انتہائی ژولیدہ فکر آدمیوں کو اڑا دیا تو کون سی قیامت آ گئی، افسوس! ایک مورخ کو تو تاریخ کا خون نہیں کرنا چاہیے، حضرت شیخ دہلوی فرماتے ہیں، مشرکوں کو قتل کرنا اور ان کے

شر وفساد کو دور کرنا اصلاح عالم کے قصد سے اور اہل خیر کی بھلائی کیلئے ایسے ہے جیسے میوہ دار درختوں کی اصلاح وافزائش کیلئے بے کار اور زائد شاخوں کو چھانٹا جاتا ہے، کیا اس کے حق ہونے میں کوئی شک ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۱۸۷﴾ کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے بعد یہودی بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے، وہ اکثر اپنے گھروں میں محصور رہنے لگے، چونکہ حضور اقدس ﷺ نے فتنہ باز یہودیوں کی خون ریزی جائز قرار دے دی تھی اس لئے ان پر اور بھی زیادہ خوف چھایا ہوا تھا، ایک دن کچھ یہودی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ کعب بن اشرف کو بے جرم وقصور قتل کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا:

اس نے ہمیں اذیتیں دیں اور ہماری ہجو میں مذمت آمیز اشعار پڑھے اگر وہ دوسرے ﴿پرامن﴾ یہودیوں کی طرح رہتا تو اسے کوئی گزند نہ پہنچ سکتا تھا، ﴿سیرۃ الرسول: ۳۶۱﴾

پھر دیر تک یہودیوں اور مسلمانوں کے عام برتاؤ کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی، آخر رسول اکرم و اعظم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا معاہدہ کیا جائے جس کا فریقین احترام کریں گے، اس طرح ان کی سمجھ میں آگیا کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ محسوس کریں گے کہ امن وامان کے ساتھ کھیلنے والوں، ہنگامے اور اضطرابات پیدا کرنے والوں اور عہد و پیمان کا احترام نہ کرنے والوں پر نصیحت کارگر نہیں ہو رہی ہے تو آپ طاقت کے استعمال سے گریز نہیں کریں گے اس لئے انہوں نے اپنے طاغوت کے قتل پر چوں نہ کیا بلکہ ایک دم دم سادھے پڑے رہے، ایفائے عہد کا مظاہرہ کیا اور ہمت ہار بیٹھے، یعنی سانپ تیزی کے ساتھ اپنی بلوں میں جا گھسے، ادھر ایک مدت تک کیلئے رسول اللہ ﷺ بیرون مدینہ سے پیش آنے والے متوقع خطرات کا سامنا کرنے کیلئے فارغ ہو گئے اور مسلمان ان بہت سی اندرونی مشکلات کے بار گراں سے سبکدوش ہو گئے جن کا اندیشہ ان کو محسوس ہو رہا تھا اور جن کی بو وہ وقتاً فوقتاً سونگھتے رہتے تھے، ﴿الرحیق المختوم ص ۳۳۵﴾

غزوۂ نجران کا واقعہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ ماہ ربیع الآخر ۳ ھ میں نجران ﴿یا بحران﴾ نامی علاقے کی طرف تشریف لے گئے، نجران حجاز مقدس کے اندر فرع کے اطراف میں ایک معدنیاتی

مقام ہے، آپ کے ہمراہ تین سو صحابہ کرام تھے، آپ کو معلوم ہوا تھا کہ بنو سلیم کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے جمع ہو رہی ہے، آپ جب اس جماعت کی سرکوبی کیلئے پہنچے تو وہ اپنے پانیوں میں منتشر ہوگئی، ابن ہشام کے مطابق آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور آپ اس سفر میں دس دن باہر رہے، بعض روایات کے مطابق ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے دو مہینے وہیں قیام فرما رہے، ابن اسحاق کے مطابق یہ سفر آپ نے قریش مکہ پر حملے کے ارادے سے کیا، بعدازاں آپ بغیر جنگ کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ ﴿زاد المعاد: ۹۱/۲﴾

سریّہ زید بن حارثہ:

جمادی الآخر میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کا ایک لشکر دے کر قردہ کے مقام کی طرف بھیجا، یہ نجد کے پانیوں میں سے ایک پانی کا نام ہے، واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ قریش مکہ جنگ بدر کے بعد قلق واضطراب میں تو مبتلا تھے ہی مگر جب گرمی کا موسم آ گیا اور ملک شام کے تجارتی سفر کا وقت آن پہنچا تو انہیں ایک اور فکر دامن گیر ہوئی، اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ صفوان بن امیہ نے جسے قریش کی طرف سے اس سال ملک شام جانے والے تجارتی قافلے کا میر کارواں منتخب کیا گیا تھا، قریش سے کہا کہ محمد مصطفیٰ اور اس کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی شاہراہ ہمارے لیے صعوبت بنا دی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ان کے ساتھیوں سے کیسے نمٹیں، وہ ساحل چھوڑ کر ہٹتے ہی نہیں اور باشندگان ساحل نے ان سے مصالحت کر لی ہے، عام لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے ہیں، اب ہم کونسا راستہ اختیار کریں، اگر ہم گھروں میں بیٹھے رہیں تو اپنا اصل مال بھی کھا جائیں گے اور کچھ بھی باقی نہیں بچے گا، کیونکہ مکہ مکرمہ میں ہماری زندگی کا دارومدار اس پر ہے کہ گرمی اور سردی میں حبشہ سے تجارت کریں، صفوان کے اس سوال پر غور وخوض شروع ہو گیا، آخر اسود بن مطلب نے مشورہ دیا کہ تم ساحل کا راستہ چھوڑ کر عراق کے راستے سفر کرو، واضح رہے کہ یہ راستہ بہت لمبا ہے، نجد سے ہو کر شام جاتا ہے اور مدینہ منورہ کے مشرق میں خاصے فاصلے سے گزرتا ہے، قریش اس راستے سے بالکل ناواقف تھے اس لیے اسود بن مطلب نے مزید مشورہ دیا کہ راستہ بتانے کے لیے وہ اپنے ساتھ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک فرد فرات بن حیان کو رکھ لے، وہ مکمل راہنمائی فراہم کرے گا، اس

انتظام کے بعد قریش کا کارواں صفوان بن امیہ کی قیادت میں نئے راستے پر گامزن ہوا تو اس پورے سفر کی خبر مدینہ منورہ بھی پہنچ گئی، ہوا یوں کہ سلیط بن نعمان جو مسلمان ہو چکے تھے، نعیم بن مسعود کے ساتھ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ایک مجلس بادہ نوشی میں جمع ہوئے، یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے، جب نعیم پر نشے کا غلبہ ہوا تو انہوں نے اس سفر کے پورے منصوبے کو ان کے سامنے واشگاف کر دیا، پھر حضرت سلیط رضی اللہ عنہ برق رفتاری کے ساتھ حضور پیغمبر نور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فوراً حملے کی تیاری کی اور سو سواروں کا ایک رسالہ حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کی کمان میں دے کر روانہ کر دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نہایت تیزی سے راستہ طے کیا اور قریش کے بے خبر قافلے کو قردہ نامی چشمے کے قریب جا لیا جو ابھی پڑاؤ ڈالنے کی تیاری کر رہا تھا، انہوں نے اچانک یلغار کر کے سارے قافلے پر قبضہ کر لیا، صفوان بن امیہ اور دیگر محافظان قافلہ راہ فرار اختیار کر گئے، قافلے کا راہنما فرات بن حیان اور دیگر دو آدمی گرفتار ہوئے اور ایک لاکھ درہم کی چاندی بطور مال غنیمت ہاتھ آئی، رسول اللہ ﷺ نے خمس نکال کر باقی مال غنیمت رسالے کے افراد میں تقسیم فرما دیا جبکہ فرات بن حیان نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا، (ابن ہشام ۲: ۵۰، الرحیق المختوم ص ۲۴۴) غزوہ بدر کے بعد اس معرکے نے بھی قریش مکہ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور وہ مزید سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اب ان کے پاس دو ہی راستے ہیں، مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لیں یا پھر ان کے ساتھ اس قوت کے ساتھ جنگ کریں کہ وہ دوبارہ نبرد آزما ہونے کے قابل نہ رہیں، آخر اپنے فطری تعصب اور عناد کی وجہ سے انہوں نے دوسرا راستہ ہی اختیار کیا اور اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کے لیے پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی، اس طرح پچھلے واقعات کی طرح یہ واقعہ بھی غزوہ احد کا خاص سبب بن کر نمودار ہوا اور چشم فلک ایک اور معرکہ حق و باطل کا نظارہ کرنے کے لیے بیقرار دکھائی دینے لگی۔

کچھ اور اہم واقعات:

ہجرت کے سال سوم میں کچھ اور اہم واقعات بھی نمودار ہوئے، مثلاً پندرہ رمضان المبارک کو سبط رسول، ریحان مشموم، امام مسموم، نور دیدۂ مصطفےٰ حضرت امام حسن مجتبےٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی، جب آپ کی ولادت کا وقت آیا تو حضور

اکرم ﷺ نے حضرت اسما بنت عمیس اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے آیۃ الکرسی اور معوذتین کا دم کیا، پھر عظیم شہزادے کی ولادت ہوئی تو ان کا جسم مبارک ہر قسم کی آلائش سے پاک تھا، آپ نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر پڑھی، پھر حضور اکرم ﷺ نے ساتویں دن دو دنبے ذبح کر کے عقیقہ ادا کیا، شہزادے کا سر منڈوا کر بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی اور نام مبارک تجویز فرمایا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نام حرب تجویز کیا تھا، مگر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا نام حسن ہے، ایک روایت میں ہے کہ انکا نام جبریل علیہ السلام نے حسن رکھا، ﴿گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نام پسند کیا گیا تھا﴾ ﴿تاریخ الخمیس ۱: ۴۱۸﴾ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل و خصائص ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ سراپا ہمشکل رسول تھے۔

اسی سال حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کی ہمشیرہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ منعقد ہوا، امام ابن کثیر کے مطابق نکاح ربیع الاول ۳ ہجری میں اور رخصتی جمادی الثانی میں ہوئی، ﴿سیرت ابن کثیر ۳: ۱۲۰﴾ حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا بہت مقام اور مرتبہ ہے، اس شہزادی محبوب کائنات کی برکت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ذوالنورین کے مبارک لقب سے مشرف ہوئے۔

اسی سال رسول اللہ ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے عقد نکاح میں لائے، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۱۹۱﴾

اسی سال وراثت کا قانون بھی نافذ ہوا اور ذوی الارحام کا حصہ متعین فرمایا گیا، پہلے مسلمان مشرک عورتوں کے ساتھ شادی کر لیا کرتے تھے، اس سال اس عمل کی حرمت بھی نازل ہوئی، ﴿سیرت النبی از شبلی ۱: ۳۶۵﴾

......﴿غزوہ احد﴾......

غزوہ بدر اور دیگر سریات میں شدید ناکامیوں کے بعد قریش مکہ نے ایک خوفناک جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ ان کے گلی کوچوں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، اپنے اشراف وصنادید کے قتل پر ان کے سینے غیظ وغضب سے پُر تھے، جب انہیں محسوس ہوا کہ اس طرح کی آہ وفغاں سے مسلمانوں کے دل خوش ہونگے تو انہوں نے اس آہ وفغاں کو روک دیا نیز فدیہ کی ادائیگی میں جلد بازی سے بھی اجتناب کیا تا کہ مسلمانوں کو ان کی شدت آلام کا اندازہ نہ ہو سکے، اس کے ساتھ انہوں نے جنگ کی تیاریاں بھی شروع کر دیں، ان کے نامور سردار عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب، اور عبداللہ بن ربیعہ بہت زیادہ جوش اور جذبہ کا مظاہرہ کر رہے تھے، ان سب نے ابوسفیان بن حرب سے کہا کہ تم جس قدر مال تجارت اپنے قافلے کے ہمراہ لائے ہو، ہم چاہتے ہیں کہ اسکو محمد مصطفیٰ کے خلاف جنگ میں صَرف کرو تا کہ بہت بڑے پیمانے پر جنگ کا سامان جمع کر کے ان سے اپنا بدلہ لیں اور اپنے غمزدہ دلوں کو راحت پہنچائیں، ابوسفیان اور باقی تمام سوداگروں نے اس مشورے کو قبول کیا، اس مال تجارت کی تعداد ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار ﴿یا مثقال﴾ تھی، اس کا نفع بیس ہزار مثقال تھا چنانچہ انہوں نے رأس المال تو مالکوں کو لوٹا دیا اور نفع کو لشکر کی تیاری کے لیے روک لیا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۹۴﴾ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں انہیں لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

⊙...... **ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ .... والذین کفرو الیٰ جھنم یحشرون**، بے شک کفار اپنا مال اس واسطے خرچ کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو اسلام سے روکیں، پس قریب ہے کہ تمام مال خرچ کر دیں گے، پھر پچھتائیں گے اور حسرت کریں گے، پھر مغلوب ہو جائیں گے اور کفار جہنم کی طرف اکھٹے کیے جائیں گے، ﴿سورۃ الانفال:۳۶﴾

ابوسفیان کی رضامندی پر تمام قریش مکہ، اہل تہامہ اور بنو کنانہ وغیرہ اسلامیان مدینہ سے معرکہ آرائی کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ ﴿سیرت ابن ہشام:۲/۲۸۹﴾

ابوعزہ کی احسان فراموشی:

ابوعزہ عمرو بن عبداللہ جمحی ایک مفلس و عیال دار شخص تھا، اس نے حضور پیغمبر نور ﷺ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ اسے بغیر فدیہ جنگ کے آزاد کر دیا جائے تو آپ نے خصوصی احسان فرما کر اسکو آزاد کر دیا اور ساتھ ہی یہ عہد لیا کہ آئندہ تم ہمارے دشمنوں کا ساتھ نہیں دو گے، وہ آزاد ہو کر جب مکہ مکرمہ آیا تو صفوان بن امیہ نے کہا کہ اے ابو عزہ! تم ایک شاعر ہو، تمہیں ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہونا چاہیے، اس نے جواب دیا کہ محمد مصطفےٰ نے مجھ پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے، میں ان کے خلاف کسی معرکے میں حصہ نہیں لینا چاہتا، صفوان نے کہا تم دوسروں کو آمادہ کرو اور خود بھی چلو، اگر تم صحیح سلامت واپس آ گئے تو میں تم کو غنی کر دوں گا، اگر مارے گئے تو تمہاری اولاد کی اپنی اولاد کی طرح پرورش کروں گا، یہ تمہارے ساتھ میرا عہد صمیم ہے، ابوعزہ صفوان کے ساتھ چل پڑا اور اہل تہامہ کو پُر جوش شعر سنا کر قریش مکہ کی امداد کے لیے ابھارا، اس طرح اس نے اپنی چرب زبانی سے بنو کنانہ کو بھی جنگ پر آمادہ کیا،، جنگی جنون بیدار کرنے والوں میں عمرو بن العاص بھی شامل تھا، عورتوں کی ایک جماعت بھی ان کے ہمراہ تھی جو قبائل عرب میں نوحہ طرازی اور نغمہ بازی کے ذریعے جوش انتقام پیدا کر رہی تھیں، قریش مکہ کے سر پر عجیب جنون سوار تھا، جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی سے کہا کہ تم بھی جنگ میں شرکت کرو اور اپنے حربے سے حمزہ بن عبدالمطلب کو نشانہ بناؤ کیونکہ انہوں نے میرے چچا طعیمہ بن عدی کو قتل کیا، اگر تم نے یہ کام سرانجام دے لیا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا، راوی کا بیان ہے کہ وحشی کے پاس حبش کا ایک خوفناک حربہ تھا جو بہت کم خطا کرتا تھا، جس کے لگ جاتا اسکی موت واقع ہو جاتی تھی، ﴿ایضا: ۲/۲۹۰﴾

لشکر کفار میں عورتوں کی شرکت:

سارا سال ان تیاریوں اور سرگرمیوں میں گزر گیا، قریش مکہ کے اپنے افراد کے علاوہ حلیفوں اور احابیشوں کو ملا کر مجموعی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی، سرداران مکہ نے مشورہ کیا کہ اپنے ساتھ عورتوں کو لے چلیں تا کہ حرمت و ناموس کی حفاظت کا احساس کچھ

زیادہ ہی جذبہ جان سپاری کا سبب بن جائے، لہذا پندرہ عورتوں نے بھی ان کے لشکر میں شمولیت اختیار کی، جن کی قیادت ہند زوجہ ابوسفیان کر رہی تھی، مدارج النبوۃ میں ہے کہ عورتوں کے پندرہ سو ہودج موجود تھے، یہ روایت محل نظر ہے، ہند کے علاوہ عکرمہ بن ابو جہل کی بیوی ام حکیم بنت حارث، حارث بن ہشام کی بیوی فاطمہ بنت ولید، صفوان کی بیوی برزہ بنت مسعود، طلحہ بن ابی طلحہ کی بیوی سلافہ بنت سعد وغیرہ بھی پورے کروفر کے ساتھ شریک جنگ تھیں، ہند زوجہ ابوسفیان جب وحشی کے پاس آتی یا وہ اس کے پاس سے گزرتا تو اسے کہتی کہ اے ابودسمہ! کوئی ایسا کام کرو جس سے ہمارے دلوں کو آرام پہنچے، ایک روایت میں ہے کہ جب لشکر کفار مقام ابوا میں پہنچا جہاں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا مزار اقدس موجود تھا تو انہوں نے چاہا کہ اس مزار اقدس کو اکھاڑ کر ان کا وجود اقدس اپنے پاس رکھ لیں، اگر جنگ میں ہماری عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائیں تو ہم کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا وجود اطہر ہمارے پاس ہے، لامحالہ وہ اس کے بدلے میں ہماری عورتیں واپس کر دیں گے، اگر عورتیں گرفتار نہ ہوئیں تو پھر بھی ان سے مال کثیر حاصل کیا جا سکتا ہے، ابوسفیان نے اس تجویز کو سختی سے مسترد کر دیا اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو بنو بکر اور بنو خزاعہ جو اہل اسلام کے حلیف ہیں وہ ہمارے مردوں کی ہڈیاں قبروں سے نکال لیں گے، پھر لشکر کفار اسی شوکت و حشمت کے ساتھ چلتا ہوا ذوالحلیفہ پہنچا جو مدینہ منورہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں تین دن قیام کیا، بعد ازاں مدینہ منورہ کے مقابل بطن سنجہ میں ایک وادی ﴿قناۃ﴾ کے کنارے مقام عینین پر فروکش ہوا، لشکر کفار کے پاس سواری اور بار برداری کے لیے تین ہزار اونٹ اور رسالے کے لیے دو سو گھوڑے تھے، ﴿زاد المعاد ۲:۹۲﴾ ایک روایت میں گھوڑوں کی تعداد ایک سو بتائی گئی ہے، ﴿فتح الباری ۷:۳۴۶﴾ بہر حال پہلی روایت زیادہ مشہور ہے، حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زرہیں تھیں، پورے راستے میں گھوڑوں پر سواری نہیں کی گئی تا کہ وہ تازہ دم رہیں اور جنگ میں بہتر کارکردگی کا ثبوت دیں، ابوسفیان پورے لشکر کفار کا سپہ سالار تھا، رسالے کی کمان خالد بن ولید کے پاس تھی، عکرمہ بن ابوجہل اس کا معاون خاص تھا، جبکہ پرچم جنگ مقررہ دستور کے مطابق قبیلہ بنو عبدالدار کے ہاتھ میں دیا گیا۔

اطلاع جنگ اور خواب مصطفےٰ ﷺ:

حضرت عباس قریش مکہ کی ان وحشت ناک تیاریوں اور سرگرمیوں کا مشاہدہ کرتے رہے اور جونہی ان کا لشکر اشرار حرکت میں آیا انہوں نے تمام تفصیلات ایک خط میں لکھ کر ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ارسال کر دیں، قاصد نے سارا فاصلہ تین دن میں طے کیا اور وہ خط آپ کی بارگاہ میں پیش کر دیا، اس وقت آپ مسجد قبا میں جلوہ انداز تھے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر سنایا تو آپ نے انہیں راز داری کا حکم دیا اور خود مدینہ منورہ پہنچ کر انصار اور مہاجرین کے سرکردہ لوگوں سے مشاورت فرمائی، آپ نے حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب عزم و رزم صحابی کو لشکر کفار کی تعداد اور کیفیت معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا، چنانچہ حضرت عباس نے جو کچھ لکھا تھا، وہ بھی وہی خبر لائے، اس پر حضور اکرم نے فرمایا:

حسبنا اللہ و نعم الوکیل، اللھم بک حول و بک اصول، ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہی بہتر وکیل ہے، اے اللہ! میں تجھ سے ہی طاقت اور رعب و دبدبہ کا طلب گار ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کوئی ایسی خبر ملے جس میں کسی دشمن وغیرہ کی طرف سے خوف وہراس ہو تو چاہیے کہ وہ بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرے اور اس پر توکل رکھے اور اس سے استعانت واستمداد کی کوشش کرے، جب جمعۃ المبارک کی رات گزار کر فریقین ہفتہ کے روز ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور بعض مشاہیر صحابہ مثلاً حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم کی جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی پاسبانی کا فریضہ سرانجام دیا، اس رات حضور مخبر صادق ﷺ نے ایک خواب دیکھا، جب صبح ہوئی تو فرمایا کہ میں نے خواب میں گایوں کو ذبح کیا ہے اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے اور میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو زرہ میں مضبوطی سے ڈال لیا ہے، (مواھب لدنیہ، مدارج النبوۃ ۱۹۵/۲) معارج النبوۃ میں ہے کہ میں نے ایک زرہ پہن رکھی ہے اور ذوالفقار[1] میں رخنے پڑ

[1] ذوالفقار منبہ بن حجاج سہمی کی تلوار کا نام ہے جو غزوہ بدر میں بطور غنیمت ہاتھ آئی اور اسے حضور اکرم ﷺ نے اپنے

گئے ہیں اور گایوں کو مار ڈالا ہے اور اس کے پیچھے ذبح کیا ہوا دنبہ ہے، صحیح بخاری شریف میں مطلقاً تلوار کا ذکر ہے لیکن امام قسطلانی نے فرمایا کہ مراد ذوالفقار ہے، صحیح بخاری شریف میں یہ خواب کچھ اس طرح مرقوم ہے کہ میں تلوار کو گھما رہا ہوں تو صدر یعنی درمیان سے ٹوٹ گئی ہے، اس سے یہ تعبیر نکلی کی مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی ،فرماتے ہیں کہ میں تلوار کو دوبارہ گھمایا تو وہ پہلے سے بہتر ہوگئی، اس کی یہ تعبیر تھی کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح واجتماع سے بہرہ ور فرمایا، باقی رہی وہ بات جو خواب کی بقیہ تعبیر کے سلسلے میں بیان ہوئی تو وہ زرہ محکم سے مراد مدینہ طیبہ ہے، ذوالفقار کے رخنے سے مراد وہ مصیبت ہے جو آپ کو پہنچی، چنانچہ آپ کے لب، دندان اور رخسار شریف مجروح ہوئے، ارباب سیر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ تلوار کے رخنے سے مراد اہل بیت رسول میں سے کسی شخص عظیم کا شہید ہونا ہے، چنانچہ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت واقع ہوئی اور گایوں سے مراد صحابہ کرام کی شہادت ہے، بعض نے لکھا ہے کہ کبش ﴿دنبہ﴾ سے مراد لشکر کفار کا کوئی بڑا آدمی ہے جو اس جنگ میں مارا جائے گا چنانچہ ایک بڑا کافر کبش الکتبہ مارا گیا، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس مسکین کے ذہن میں ایسا آتا ہے کہ بقر یعنی گایوں سے عام صحابہ کرام مراد ہوں گے اور کبش یعنی دنبے سے مراد خاص صحابی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حملہ کرنے میں مینڈھے کی مانند تھے، واللہ اعلم'' ﴿مدارج النبوۃ ۲:۱۹۶/۲﴾

جنگ احد میں صحابہ کرام کی شان وفاداری اور عزم جان سپاری بھی دیکھنے کے قابل تھا، انصار مدینہ کے وہ افراد جو جنگ بدر میں حاضر نہ ہوئے تھے وہ عدم حاضری پر حسرت وافسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ کوئی ایسا معرکہ پیش آئے جس میں اس غیر حاضری کی تلافی کرسکیں، اب ان کا شوق عروج پر تھا، صحابہ کرام کے دستے مدینہ منورہ کے مختلف راستوں میں متعین ہوگئے کہ کہیں غفلت کی حالت میں اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے اور چند دیگر دوستوں نے دشمن کی نقل وحرکت کا پتا لگانے کے لیے طلایہ

دشمنوں کے لیے لیا، پھر غزوہ خندق میں آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کو عطا فرما دی اور انہوں نے اس تلوار کے ساتھ بہادری کے عالیشان کارنامے دکھائے جن پر تاریخ اسلام کو بہت زیادہ ناز ہے۔

گردی شروع کر دی۔

جنگ کہاں لڑی جائے:

حضور نبی اکرم ﷺ نے لشکر کی دفاعی مجلس شوری کا انعقاد فرمایا تاکہ کوئی حکمت عملی تشکیل دی جائے، سب سے پہلے آپ نے اپنی رائے پیش فرمائی کہ مدینہ منورہ سے باہر نہ نکلیں بلکہ شہر کے اندر ہی قلعہ بند ہو جائیں، اب اگر مشرکین مکہ اپنے پڑاؤ میں قیام رکھتے ہیں تو یہ قیام بے مقصد ہوگا اور اگر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچوں کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے ان پر خشت باری کریں گی، یہی صحیح رائے تھی، اس رائے سے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے بھی اتفاق کیا جو اس مجلس میں قبیلہ بنوخزرج کے سرکردہ نمائندہ کی حیثیت سے موجود تھا، اس کے اتفاق کا مقصد کوئی جنگی حکمت عملی نہیں تھی بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اس طرح وہ جنگ سے دور بھی رہے گا اور کسی کو اسکا احساس بھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ منافق اپنے ساتھیوں سمیت سرعام ذلیل وخوار ہو جائے اور اس کے کفر ونفاق کا پردہ چاک ہو جائے، چنانچہ صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت نے مشورہ دیا کہ میدان جنگ میں نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے اور اس رائے پر انہوں نے بہت زیادہ اصرار کیا، بعض صحابہ کرام نے کہا، یارسول اللہ! ہم تو اس دن کی آرزو کیا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے موقع فراہم کیا ہے تو ضرور اس جنگ میں چلیں گے تاکہ کفار مکہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان سے خوفزدہ ہو گئے ہیں، ان گرم جوش حضرات میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے جن کی ہر رائے کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں درجہ محبوبیت حاصل تھا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ پر کتاب حکیم نازل فرمائی ہے، میں کچھ نہ کھاؤں گا یہاں تک کہ مدینہ منورہ سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان مشرکوں کے ساتھ دو ہاتھ نہ کر لوں، ﴿سیرت حلبیہ:۲/۱۴﴾ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارے لیے دونوں صورتیں اچھی ہیں کامیاب ہوں یا شہادت یاب ہوں، ہمیں دونوں صورتیں محبوب ہیں، حضرت مالک بن نعمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپکی خواب میں جو گایوں کا ذبح ہونا دکھایا گیا ہے، وہ میرا ہی قتل ہے، میں جنت میں جاؤں گا، آپ نے فرمایا، وہ کس

سبب سے، عرض کیا، وہ اس سبب سے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں اور جنگ سے منہ نہیں موڑتا ہوں، آپ نے فرمایا، تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، چنانچہ وہ شہید ہوئے، معلوم ہوا کہ اگر کوئی مومن صادق قسم کھائے اور یقین رکھے کہ میں جنت میں جاؤں گا تو درست ہوگا، یہ درحقیقت امید کا غلبہ، ذات خدا پر وثوق اور حسن ظن ہے، رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی مشاورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لیے آپ نے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کھلے میدان جنگ میں معرکہ آرائی کا فیصلہ فرمالیا، آپ نے جمعۃ المبارک کی نماز پڑھائی اور وعظ ونصیحت میں جہاد کی ترغیب دی اور بتایا کہ دشمن پر صبر واستقامت ہی سے غلبہ حاصل ہوسکتا ہے، پھر آپ نے جنگ کی تیاریوں کا حکم فرمایا جس سے شمع رسالت کے پروانوں میں مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی۔

ترتیب لشکر اسلام اور پیش قدمی:

جمعۃ المبارک کے روز ہی ایک انصاری صحابی حضرت مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، بعدازاں نماز عصر ادا کرلی تو آپ حجرہ شریف میں داخل ہوئے، حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت بجالانے کے لیے حجرہ شریف میں حاضر ہوئے، انہوں نے آپ کے سر مبارک پر دستار شریف کو درست کیا، زرہ کو زیب تن اقدس کرایا اور تمام اسلحہ جسم اطہر پر لگایا، حجرہ شریف کے باہر ایک خلق کثیر صف باندھے آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں کھڑی تھی، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے کہا، حضور پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ زمام اختیار آپ کے دست اقدس میں رہنے دی جائے اور آپ کو مجبور نہ کیا جائے بلکہ اصرار و مبالغہ کیا جائے، یہ گفتگو کر رہے تھے کہ حضور سرور کائنات ﷺ حجرہ مبارک سے مسلح زرہ پہنے، سر مبارک پر دستار شریف رکھے، کمر پر پٹکا باندھے، تلوار حمائل کیے اور نیزہ ہاتھ میں لیے خراماں خراماں تشریف لائے، جب صحابہ کرام نے آپ کو اس ہیت میں دیکھا تو سب حیران اور پشیمان ہوگئے، سب نے بیک زبان عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ آپ کی رائے کے خلاف کچھ کہیں، جو آپکی مرضی ہوگی ہم وہی کریں گے، ہم نے اصرار کر کے غلطی کی ہے، آپ نے فرمایا، پہلے میں تم سے کہہ رہا تھا مگر تم برابر اصرار کرتے رہے، اب سزاوار

نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نبی سلاح پہن لے تو اسے اتارے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ فرما دے، اب میرا یہی حکم ہے کہ صبر و استقامت سے کام لو گے تو فتح تمہاری ہوگی، اس غزوہ کی ابتدائے کار ہی اختلاف پر تھی اور بالآخر آپ کو یہی اختیار فرمانا پڑا کہ باہر نکلیں، اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے، فاذا عزمت فتوكل على الله، پس جب تم عزم کرلو تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو، اس وقت تین علم مرتب کیے گئے، مہاجرین کرام کا علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور بروایت دیگر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا، قبیلہ اوس کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اور قبیلہ خزرج کا علم حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر کیا اور میدان احد کی جانب متوجہ ہوئے، لشکر اسلام بھی حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ روانہ ہو گیا، لشکر اسلام میں ایک سو زرہ پوش تھے، کل تعداد ایک ہزار اور بروایت دیگر نو سو افراد پر مشتمل تھی، پچاس شہسوار تھے، ﴿زاد المعاد: ۲/۹۲﴾ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ فاش غلطی ہے، موسیٰ بن عقبیٰ نے بیان کیا ہے کہ غزوہ احد میں کوئی گھوڑا تھا ہی نہیں، واقدی کا بیان ہے کہ صرف دو گھوڑے تھے، ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا اور ایک حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ﴿فتح الباری: ۷/۳۵۰﴾ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پوش تھے اور آپ کے آگے چل رہے تھے، سارا لشکر شمال کی طرف گامزن تھا، جب منزل شیخین پر پہنچے تو لشکر کا ایک غول دیکھا، اس کی آواز سن کر آپ نے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں، بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودی ہیں، فرمایا شرک والوں کے ساتھ شرک والوں پر مدد نہ لو، یہ واقعہ ابن سعد نے بیان کیا ہے اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ بنو قینقاع کے یہودی تھے، ﴿طبقات ابن سعد: ۲/۳۴﴾ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ بنو قینقاع کو جنگ بدر کے کچھ دن بعد جلا وطن کر دیا گیا تھا، ﴿الرحیق المختوم: ۳۴۴﴾ ہمارے خیال میں ممکن ہے کہ بنو قینقاع کے یہ لوگ عبداللہ بن ابی کی حمایت میں اس کی اطلاع پر آئے ہوں لیکن آپ جانتے تھے کہ ان کے سینوں میں اسلام کی عداوت ہے لہٰذا ان کی کوئی حاجت نہیں، قرآن پاک نے بھی فرمایا ہے: اے ایمان والو! اپنا رازدار نہ بناؤ غیروں کو، وہ تمہیں خرابی پہنچانے کی کوئی کسر نہ چھوڑیں گے، ﴿آل عمران: ۱۱۸﴾

اسی مقام پر حضور پیغمبر نور ﷺ نے لشکر اسلام کی گنتی کی اور صحابہ کے بچوں کے

ایک گروہ کو ملاحظہ کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم کو ان کی صغرسنی کی وجہ سے فرمایا کہ تم واپس چلے جاؤ، آپ سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ! رافع تیرانداز ہے، آپ نے ان کو شامل لشکر رہنے کی اجازت دے دی، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! رافع کو تو اجازت مل گئی حالانکہ میں انکو کشتی میں بچھاڑ سکتا ہوں، فرمایا: اچھا تم دونوں کشتی کر کے دکھاؤ، جب کشتی ہوئی تو واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو بچھاڑ دیا، اس پر حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت مل گئی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی منت کی کہ تم کو تو اجازت مل گئی ہے، اب تم جان بوجھ کر شکست کھا جاؤ تاکہ مجھ کو بھی اجازت مل جائے، اللہ اکبر! کیا وفادار لوگ تھے اور کس طرح رسول اللہ ﷺ کی ناموس رسالت پر جان قربان کرنے کے لیے کوشاں تھے، جب آفتاب افق مغرب میں روپوش ہو گیا تو مؤذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی اور سب صحابہ کرام کی پیشانیاں سب سے بڑے علمبردار توحید کی امامت میں بارگاہ الوہیت میں سجدہ ریز ہو گئیں، پھر آپ نے منزل شیخین میں رات بسر فرمانے کا ارادہ کر لیا، آپ قبیلہ بنونجار میں قیام فرما ہوئے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو پچاس افراد کے ساتھ لشکر اسلام کی پاسبانی کا فریضہ عطا فرمایا، جبکہ خاص بارگاہ نبوی کی پہرہ داری کا شرف حضرت ذکوان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، ادھر مشرکین مکہ قریب آ کر دیکھتے رہے کہ لشکر اسلام کیا کر رہا ہے، ان کی پاسبانی کے لیے عکرمہ بن ابو جہل کو مقرر کیا گیا تھا، رات کے پچھلے پہر آپ بیدار ہوئے اور راہبر ابوحثمہ حارثی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا کہ وہ دشمن کے سر پر عمدہ راستے سے لے جائے، بعدازاں آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور انکی راہنمائی میں میدان احد کی جانب چل پڑے، راستے میں ایک منافق مربع بن قیظی کے احاطے سے گزر ہوا جو ظاہر و باطن سے اندھا تھا، اس نے لشکر اسلام پر خاک اچھالنا شروع کر دی اور آپ سے کہنے لگا، اگر آپ اللہ کے رسول ہوتے تو داخل ہو کر میرے احاطے کو خراب نہ کرتے، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ رسول کے کمان ماری اور اس کا سر پھوڑ دیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دعه فانه الاعمی اعمی القلب، اسے

چھوڑ دو یہ اندھا ہے، دل کا اندھا، مقام شوط پر پہنچ کر یا بروایت دیگر احد کی گھاٹی میں نماز فجر ادا کی اور آپ دشمن کے بالکل قریب ہو گئے، سامنے لشکر کفار دکھائی دے رہا تھا، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے بغاوت کر دی، وہ ایک تہائی افراد کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف یہ کہہ کر چل دیا کہ ہم لوگ خواہ مخواہ اپنے آپ کو قتل کیوں کروائیں، اسکا ہمیں کیا فائدہ ہوگا، نیز اس بات پر بھی احتجاج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری بات نہیں مانی، دوسرے افراد کی بات کو ترجیح دی ہے، اگر اس کا احتجاج واقعی کچھ معنیٰ رکھتا تو مدینہ منورہ سے چلتے وقت اس کا اظہار کرتا، عین دشمنوں کے سامنے اس کے اظہار کا اور کیا مطلب ہو سکتا تھا کہ اس نازک موڑ پر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا جائے، عام سپاہی ساتھ چھوڑ دیں اور باقی رہنے والوں کے حوصلے پست ہو جائیں، دشمن یہ منظر دیکھ کر مزید جوش اور جذبے کا مظاہرہ کریں اور سلطنت مدینہ کا خاتمہ کر دیں، قریب تھا کہ یہ منافق اپنی اس سازش میں کامیاب ہو جاتا کیونکہ قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑ چکے تھے اور وہ واپسی کی سوچ رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور یہ دونوں گروہ حالت اضطراب سے باہر نکل آئے اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں ثابت قدم ہو گئے، اس سارے منظر کا ذکر قرآن مجید نے اس طرح فرمایا ہے:

⊙...... اذ ھمت طایفتٰن منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ فلیتوکل المومنون، جب تم میں سے دو گروہوں نے کم دلی کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے ﴿تو اللہ تعالیٰ نے انکی مدد فرمائی﴾ اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ ﴿سورۃ آل عمران:۱۲۲﴾

اس نازک موقعہ پر حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے قوم! کیا تم خدا تعالیٰ کو فراموش کر گئے جو تم اس کے پیغمبر برحق ﷺ اور اپنی قوم سے بے وفائی کا ارتکاب کرتے رہے ہو، انہوں نے کہا کہ ہم نہ سمجھے تھے کہ تم لوگ لڑائی کے لیے نکلے ہو، اگر ہمیں علم ہوتا تو ہم کبھی تمہارے ساتھ نہ آتے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے دشمنان خدا جاؤ، خدا تعالیٰ تمہیں دور کرے، عنقریب وہ اپنے نبی اکرم ﷺ کو تم جیسے بے وفاؤں سے بے پرواہ کر دے گا۔ ﴿سیرت ابن ہشام:۱۹۱/۲﴾ ایک قول کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے

خود منافقین مدینہ کو واپس کر دیا تھا کہ کہیں ان کی بے وفائی کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان نہ اٹھانا پڑے، بہر حال اس مقام پر قرآن پاک نے ارشاد فرمایا:

⊙......اور تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دیکھے ﴿آزمائے﴾ جنہوں نے منافقت اختیار کی اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرو یا دفاع کرو تو بولے اگر ہم قتال کرنا جانتے تو ضرور تمہاری اطاعت کرتے، آج کے دن یہ لوگ ایمان کہ بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں، وہ بات منہ سے نکال رہے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور وہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بخوبی جانتا ہے، ﴿سورۃ آل عمران: ۱۶۷﴾

⊙......یہ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ چھوڑ رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو، جب تک جدا جدا نہ کر دے پلید کو پاک سے، ﴿ایضاً: ۱۷۹﴾

میدان احد میں نزول اجلال:

حضور پیغمبر نور ﷺ اپنے سات سو جاں نثاروں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور وادی کے آخری سرے پر واقع احد کی گھاٹی میں نزول اجلال فرمایا اور وہیں اپنے لشکر ابرار کو پڑاؤ کا حکم دیا، اس حال میں سامنے مدینہ منورہ تھا اور عقب میں احد کا پہاڑ تھا، اس طرح دشمن کا لشکر اہل اسلام اور مدینہ منورہ کے درمیان حد فاصل بن گیا، دشمن کا لشکر احد کے درمیان کئی سمتوں سے حائل تھا، یہاں آ کر آپ نے دفاعی منصوبے کا آغاز فرمایا، لشکر کی تنظیم و ترتیب فرمائی، اسے کئی صفوں میں ترتیب دیا جبکہ پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب فرمایا اور اسے حضرت عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر متعین فرمایا، یہ پہاڑی اسلامی لشکر کے پڑاؤ سے تقریباً ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق کی جانب واقع تھی، اب اسے جبل رماۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، آپ نے ان کو متعین فرماتے وقت کہا کہ تم کفار کے سواروں کو تیر اندازی کی وجہ سے ہم سے دور رکھنا، کہیں وہ پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہو جائیں، ہمیں شکست ہو یا فتح تم اپنی جگہ پر برقرار رہنا، تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے، ایک روایت میں ہے کہ اگر تم دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو پھر بھی تم ہمارے ساتھ شامل نہ ہونا، ﴿فتح

﴿الباری:۷/۳۵۰﴾ صحیح بخاری میں روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اٹھا کر لے جا رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمہیں بلاؤں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے قوم کفار کو شکست دے دی ہے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمہیں بلاؤں، ﴿کتاب الجہاد:۱/۴۲۶﴾

پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے ان کو سمجھانے میں پورا فرض ادا کر دیا ہے، ﴿سیرت ابن ہشام﴾ ان شدید جنگی احکامات کے ذریعے آپ نے اس دستے کو متعین فرما کر وہ راستہ بھی بند کر دیا جس کی وجہ سے اہل اسلام کے عقب سے حملے کا امکان موجود تھا اور مشرکین مکہ کا کوئی رسالہ ان کی صفوں تک پہنچ سکتا تھا، جبل احد اور مدینہ منورہ کے درمیان زیادہ سے زیادہ تین میل کا فاصلہ ہے اور اس میں کئی چھوٹی بڑی آبادیاں اور محلے آتے ہیں، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ جب مقام شیخین سے روانہ ہوئے تو آپ نے ایک زرہ پہنی ہوئی تھی، جب میدان احد میں وارد ہوئے تو اوپر ایک اور زرہ زیب تن فرمائی اور سر انور پر خود بھی سجا لیا، آپ ﷺ نے سرفروشان اسلام کے سامنے ایک تاریخی خطبہ بھی ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں تمہیں اس چیز کی وصیت کرتا ہوں جس کا مجھے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ میں اس کی اطاعت کروں اور حرام چیزوں سے باز رہوں، پھر آج تم اجر و ثواب کے میدان میں کھڑے ہو جس نے اپنے اس مقام کو یاد کیا اور اپنی جان کو صبر و یقین اور جہد و نشاط کا عادی بنایا ﴿تو وہ کامیاب ہوا﴾ کیونکہ دشمن کے ساتھ جنگ کرنا بہت مشکل کام ہے اور تھوڑے لوگ اس پر آشوب مرحلے میں ثابت قدم رہتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ راہ ہدایت پر مضبوط کر دیتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندے کا ساتھی ہے اور شیطان اس کے نافرمان بندے کا ساتھی ہے، آج اپنے عملوں کی ابتدا جہاد پر صبر سے کرو اور اس صبر سے فتح و نصرت کا وہ انعام حاصل کرو جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرو کیونکہ میں تمہاری کامرانی کا بہت زیادہ طلبگار ہوں، اختلاف، تنازعہ اور کم ہمتی تو عجز و ضعف کی علامت ہے، ان

کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، ان کی وجہ سے کسی کو کامیاب نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں یہ امر ودیعت فرمادیا ہے کہ جو شخص بھی حرام کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان جدائی پیدا کر دیتا ہے اور جو شخص اس کی خوشنودی کے لیے حرام سے اجتناب کرتا ہے تو وہ اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے، جو شخص میری ذات اقدس پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے اس پر دس بار درود نازل کرتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان یا کافر پر احسان کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر لازم ہوتا ہے، اس دنیا میں بھی اور روز آخرت میں بھی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر یقین کامل رکھتا ہے تو اس پر جمعۃ المبارک فرض ہے، بجز نابالغ بچے، عورت، بیمار اور غلام کے، جو شخص نماز جمعۃ المبارک سے لاپرواہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہی کرے گا اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے، میں نے تمہیں ہر وہ عمل بتادیا ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردے گا، میرے دل مبارک میں روح الامین نے یہ اٹل حقیقت ڈال دی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا کہ جب تک وہ اپنے رزق کا آخری لقمہ بھی حاصل نہ کرلے گا، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور رزق کے لیے اچھے ذرائع اختیار کرو اور رزق میں تاخیر تمہیں اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ ذریعے کے انتخاب پر برانگیختہ نہ کرے کیونکہ جو چیز اس کے پاس ہے وہ اسکی اطاعت ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے، ان کے علاوہ کچھ مشتبہ چیزیں بھی ہیں جو ان کا ارتکاب کرتا ہے، وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو کسی چراگاہ کے کنارے پر ہو اور قریب ہے کہ اس کے اندر داخل ہو جائے، کوئی ایسا بادشاہ نہیں جس کی کوئی چراگاہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی چراگاہیں اس کے محارم ہیں اور ایک مومن دوسرے مومنوں کے لیے ایسے ہے جیسے جسم کا سر، جب سر بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم بیمار ہوتا ہے اور تم پر سلامتی ہو۔ (سبل الهدیٰ: ۲۸۲/۴)

ان روشن تعلیمات نے صحابہ کرام کے احساسات اور جذبات کو اور بھی گرما دیا، بعد ازاں آپ نے لشکر اسلام کے دائیں بازو کی قیادت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

بروایت دیگر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو اور بائیں بازو کی قیادت حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ یا بروایت دیگر حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی، ہراول دستے پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو امیر بنایا، ساقہ پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، پھر آپ نے پوچھا کہ کفار مکہ کا علمبردار کون ہے، بتایا گیا کہ طلحہ بن ابی طلحہ، آپ نے فرمایا، ہم بھی بنوعبدالدار کے ایک فرد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا علمبردار نامزد کرتے ہیں، اس روز مسلمانوں کا شعار جنگ تھا، اَمِتْ اَمِتْ یعنی اے اللہ! اہل کفار کو تباہ کردے۔ ﴿سبل الهدیٰ:۴/۲۸۳﴾

ابوسفیان کی جنگی اور سیاسی کارروائی:

کفار مکہ نے میدان احد میں اپنی صفیں درست کیں، تین ہزار کا لشکر اشرار مختلف حصوں میں منقسم تھا، دائیں بازو کی قیادت خالد بن ولید کے پاس تھی جبکہ بائیں بازو کی قیادت عکرمہ بن ابی جہل کر رہا تھا، تیر اندازوں کا کمانڈر عبداللہ بن ربیعہ اور پیدل چلنے والوں کا سالار صفوان بن امیہ تھا، سالار اعظم ابوسفیان تھا جو لشکر اشرار کا چل پھر کر معائنہ کر رہا تھا اور اپنے جنگجو سپاہیوں کو اہل اسلام کے خلاف خوب بھڑکا رہا تھا، اسی دوران وہ علمبردار لشکر طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس آیا اور اسکا جذبہ غیرت مزید بڑھانے کے لیے بولا، اے عبدالدار کے فرزندو! تم جانتے ہو کہ جنگ بدر میں بھی پرچم تمہارے پاس تھا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہاں ہمارا حشر کیا ہوا تھا لشکر کی شکست و ہزیمت اس کے پرچم کی وجہ سے ہوتی ہے، اگر پرچم سرنگوں ہو جائے تو سارا لشکر راہ فرار اختیار کر لیتا ہے، آج بھی یہ ذمہ داری تم پر آپڑی ہے اگر تم یہ نبھا سکتے ہو فبہا، ورنہ پرچم ہمارے حوالے کر دو، ہم خود اس کا ایسا حق ادا کریں گے کہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے، یہ الفاظ بنوعبدالدار کے کلیجے چیر گئے، وہ بھڑک کر بولے کیا ہم اپنا پرچم تمہارے سپرد کریں، عنقریب تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم اس کا حق کس طرح ادا کرتے ہیں، اس جنگی کارروائی سے فارغ ہو کر اس نے اہل اسلام کے خلاف سیاسی جال پھیلایا، وہ یہ کہ اس نے اوس اور خزرج کو یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان بہت سے معاشی تعلقات ہیں، ہم تمہارے ساتھ جنگ وجدل کا بازار گرم نہیں کرنا چاہتے لہذا پیچھے ہٹ جاؤ اور ہمارے رشتہ داروں کو ہمارے ساتھ نبرد آزما ہونے

دو، اس سیاسی سازش سے ابو سفیان کا مقصد یہ تھا کہ شاید انصار مدینہ کے دونوں قبیلے مہاجرین اسلام کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور اہل اسلام کی طاقت پارہ پارہ ہو جائے گی مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہ جام وحدت کے میخوار ہزار جان سے اپنے محبوب دلربا پر قربان ہو چکے ہیں، انہوں نے بازار محبت میں اپنی جانوں اور مالوں اور اولادوں کا سودا کر لیا ہے، وہ محبوب دلربا کی ایک نگاہ التفات پر ہر متاع عزیز کو وار نا زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تصور کرتے ہیں، ان کا عقیدہ بن چکا ہے ۔

محمد ﷺ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر ، مادر ، برادر ، جان ، مال ، اولاد سے پیارا

انصار مدینہ نے مشرکوں کے سردار کو ایسا جواب دیا کہ وہ شرمسار ہو کر رہ گیا، اس طرح اسکی سیاسی کارروائی بالکل ناکام ہو گئی۔ ﴿تاریخ الکامل: ۱۵۱/۲﴾

پیغمبر نور ﷺ کی حکمت عملی:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے بھی اپنے لشکر ابرار کی صفیں درست فرمائیں اور مجاہدین اسلام کے حوصلے بڑھائے، اگلی صفوں میں ان ممتاز اور بہادر سرفروشوں کو جگہ دی جنھیں ہزاروں کے برابر سمجھا جاتا تھا، یہ منصوبہ بڑی باریکی اور حکمت عملی پر مبنی تھا جس سے نبی کریم ﷺ کی فوجی قیادت اور عبقریت کا پتا چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کمانڈر کیسا ہی بالیاقت کیوں نہ ہو آپ سے زیادہ باریک اور پر حکمت منصوبہ تیار نہیں کر سکتا، کیونکہ آپ باوجودیکہ دشمن کے بعد یہاں تشریف لائے تھے لیکن آپ نے اپنے لشکر ابرار کے لیے وہ مقام منتخب کیا جو جنگی نقطہ نظر سے میدان جنگ کا سب سے بہترین مقام تھا، یعنی آپ نے پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا اور بائیں بازو پر دوران جنگ جس واحد شگاف سے حملہ کر کے پشت پر پہنچا جا سکتا تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعے بند کر دیا اور پڑاؤ کے لیے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھاگنے اور تعاقب کرنے والوں کی قید میں جانے کی بجائے کیمپ میں پناہ لی جائے اور اگر دشمن کیمپ پر قبضے کے لیے پیش قدمی کرے تو اسے نہایت سنگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے، اس کے برعکس آپ نے دشمن کو اپنے کیمپ کے لیے ایک ایسا نشیبی مقام قبول

کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ غالب آ جائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے اور مسلمان غالب آ جائیں تو تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے، اس طرح آپ نے ممتاز بہادروں کی ایک جماعت منتخب کر کے فوجی تعداد کی کمی پوری کر دی، یہ تھی حضور نبی اکرم ﷺ کے لشکر کی ترتیب و تنظیم جو سات شوال المکرم تین ہجری یوم ہفتہ کی صبح عمل میں آئی ﴿الرحیق المختوم: ۳۴۹﴾ ایک قول کے مطابق شوال کی گیارہ راتیں گزرنے کے بعد اور ایک قول کے مطابق نصف شوال کو یہ معرکہ سرگرم ہوا، مالک سے منقول ہے کہ بدر کے ایک سال کے بعد واقع ہوا اور انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ہجرت کے اکتیسویں مہینہ کے آغاز میں واقع ہوا۔ ﴿مدارج النبوۃ: ۱۹۱/۲﴾

غزوہ احد کے ہوش رُبا واقعات:

آتش انتقام ایک سال سے قریش مکہ کے سینوں میں جل رہی تھی، آج اسکو ٹھنڈا کرنے کا سامان موجود تھا، ادھر محمدی جانباز بھی کفر و شرک کے طوفانوں کے ساتھ ٹکرانے کے لیے پوری طرح تیار تھے، یہ غزوہ بھی غزوات عظیمہ میں سے ہے، غزوات اسلام اور قوت دین میں یہ غزوہ بدر کی مانند ہے بجز اس بات کے کہ بدر میں حسن و جمال اور فضل و کمال تھا اور احد میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کرشمہ بھی نظر آتا ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۱۹۱/۲﴾ معارج النبوۃ میں ہے کہ وحشت میں مبتلا کرنے والا غزوہ احد ہے اور آخر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو فتح و نصرت اور عزت و رفعت نصیب ہوئی، مواھب لدنیہ میں بعض علمائے کرام سے منقول ہے کہ جو آدمی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کو شکست و ہزیمت ہوئی، اس سے توبہ کرائی جائے، اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ یقین کامل پر گامزن تھے لہذا ہزیمت کی نسبت آپ کی طرف کرنا یقین کامل کی نفی کو مستلزم ہے اور یہ موجب کفر ہے، جبل احد مدینہ منورہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہ ''توحد'' سے بنا ہے، اس بنا پر کہ یہ دیگر پہاڑوں سے علیحدہ، منفرد اور منقطع ہے، پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے اس لیے اسکا نام احد ہے، یہ اہل ایمان و توحید کی نصرت کا مقام ہے، اس نکتہ سے معلوم ہوا کہ اس پر اس نام کا اطلاق اہل اسلام کی شہرت اور فضیلت کی وجہ سے ہوا لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس پر اس نام کا اطلاق ظہور اسلام سے بھی پہلے کا ہے، احادیث کریمہ میں اس پہاڑ کے

بکثرت فضائل وارد ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

⊙......'احد جبل یحبنا ونحبہ' احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، ایک روایت ہے کہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے۔ ﴿مدارج النبوۃ:۲/۱۹۲﴾

حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور میں جانبین سے محبت حقیقت پر محمول ہے لہذا جبل احد جنت میں داخل ہوگا، جہاں حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہوں گے۔ حدیث پاک میں ہے: المرء مع من احبہ ، جو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا، آپ اکثر اس پہاڑ پر جلوہ افروز ہوتے تھے، ایک مرتبہ یہ وفور عشق ومحبت سے جھوم اٹھا تو زبان رسالت نے فرمایا: اے احد ٹھہر جا، تیرے سینے پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید رونق آرا ہیں، ان الفاظ میں بھی محبت کے کتنے جذبے موجزن ہیں، اس محبوب ترین مقام پر لڑی جانے والی جنگ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے، ذیل میں اس جنگ کے کچھ ایمان افروز اور کچھ ہولناک واقعات سپرد قلم کرتے ہیں، پڑھیے اور انکی روشنی میں اپنی حیات مستعار کے راستوں کو استوار کیجئے۔

......﴿1﴾......

حضور پیغمبر نور ﷺ کے دست مبارک میں جو شمشیر بے نیام تھی اس پر یہ شعر کندہ تھا:

فی الجبن عار وفی الاقبال مکرمہ

والمر بالجبن لا ینجو من القدر

یعنی بزدلی میں عار ہے اور دشمن کا سامنا کرنے میں وقار ہے، آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نجات نہیں پا سکتا۔ ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۰۱﴾

آپ نے فرمایا: کون ہے جو اس شمشیر بے نیام کا حق ادا کرے، بہت سے لوگ اس کے حصول کے لیے کوشاں ہوئے مگر آپ نے کسی کو عطا نہ فرمائی، آخر میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے، آپ نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ اس کو دشمنوں پر اتنا چلایا جائے کہ یہ گھس کر خم کھا جائے، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اس کا حق ادا کروں گا، آپ نے انکو وہ تلوار عطا فرما دی، انہوں

نے اپنا سرخ رنگ کا دوپٹہ اپنے سر پر لپیٹا جسے لوگ عصابۃ الموت یعنی موت کا دوپٹہ کہتے تھے اور میدان کارزار میں فخریہ انداز سے چلنے لگے، آپ نے انکا یہ انداز دیکھ کر فرمایا: اس قسم کے موقعکے علاوہ یہ انداز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ ﴿سیرت ابن ہشام﴾

……﴿2﴾……

کفار مکہ کی طرف سے ابو عامر فاسق[1] نے جنگ کا آغاز کیا، وہ پہلے نبی آخر الزمان ﷺ کا منتظر تھا، جب آپ تشریف لائے تو اس نے انکار کر دیا، پھر اپنے پچاس آدمیوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور کفار مکہ کی آتش انتقام کو مزید بھڑکانے لگا، اس نے انہیں یقین دلایا کہ جب اسکی قوم بنی اوس اسے دیکھے گی تو حضور اکرم ﷺ کو چھوڑ کر اس کے پاس آجائے گی، چنانچہ اس نے اپنی قوم بنی اوس کو پکارا، یا معشر الاوس انا ابو عامر، اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں، قوم اوس نے فوراً اس کو دھتکارتے ہوئے جواب دیا، اے فاسق! دور ہو جا، خدا تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے، قوم اوس کا جواب سن کر اس کے جذبوں پر اوس پڑ گئی اور وہ کفار مکہ کے سامنے بہت زیادہ ذلیل وخوار ہو کر رہ گیا، بعد ازاں اس نے اپنے گروہ کے ساتھ مل کر لشکر اسلام پر تیروں کی برسات کر دی، جب ترکش تیروں سے خالی ہو گئے تو یہ گروہ فاسقان عرب سنگ باری کرنے گا، اس کے ساتھ کفار عرب نے پورے جوش وخروش کے ساتھ حملہ کر دیا، قریش مکہ کی عورتیں اپنے اعلیٰ حسب و نسب کے جملہ تقاضوں کو پس پشت ڈال کر دفیں بجا رہی تھیں اور رقص کر رہی تھیں اور رزمیہ گانوں سے اپنے جوانوں کا خون گرما رہی تھیں، سپہ سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی اور مقتول بدر عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی اپنے باپ کے انتقام میں ڈوب کر پڑھ رہی تھی ؎

ویحاً بنی عبد الدار　　　ویحاً وحماۃ الادبار

ضرباً بکل بتار

---

[1] ابو عامر فاسق جیسے اور بھی بہت سے یہودی اور عیسائی ہمارے حضور نبی آخر الزماں ﷺ کا انتظار کر رہے تھے لیکن جب آپ ﷺ اپنی تمام تر عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گئے تو وہ سب قبول حق کی بجائے دشمنی پر اتر آئے اور حسد وعناد کا شرمناک مظاہرہ کرنے لگے، قرآن پاک نے بھی انکے اس رویے کی بھرپور مذمت کی ہے۔

واہ اے عبدالدار کے فرزندو! اے پشتوں کے محافظو! ہر تیز تلوار خون آشام سے دشمن پر ضرب کاری لگاؤ، اس کے ہمراہ دیگر عورتیں مل کر یہ نغمہ آلاپ رہی تھیں

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق

الدر فی المخانق والمسک فی المفارق

ان تقبلوا نعانق او تدبروا نفارق

فراق غیر وامق

ہم معزز افراد کی بیٹیاں ہیں، ہم نرم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں، ہمارے گلوں میں موتی اور مانگوں میں کستوری ہے، اگر تم تیز حملے کرو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی، اگر راہ فرار اختیار کرو گے تو تم سے جدا ہو جائیں گی، وہ جدائی ایسی ہو گی جس پر ہمیں کوئی افسوس نہ ہوگا۔

ان ہیجان انگیز اشعار نے کفار مکہ کے جوانوں کو شعلہ جوالہ بنا دیا، وہ اہل اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے سیل رواں کی طرح آگے بڑھے مگر نہیں جانتے تھے کہ ان کے سامنے مستان چشم نبوت کی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کھڑی تھی، جس سے ٹکرا کر باطل کا سیل رواں دم توڑنے والا تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ نے دعا فرمائی: اے پروردگار عالم! میں تیری قوت کے ساتھ حملہ کرتا ہوں اور تیری رضا مندی کے لیے جنگ آزما ہوتا ہوں، مجھے اللہ ہی کافی ہے اور وہی میرا کارساز ہے، پھر آپ نے کفار مکہ کے مقابلے کا حکم صادر فرمایا تو اہل اسلام شاہینوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا۔

......﴿3﴾......

جب حضور پیغمبر نور ﷺ نے اپنی تلوار شجاعت کا اعلان فرمایا تھا تو اس وقت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی اس کے امیدوار تھے، جب تلوار حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مل گئی تو انہیں بہت افسوس ہوا، انہوں نے سوچا کہ میں آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا فرزند ہوں، تلوار تو مجھے ملنی چاہیے تھی، اب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بہادری کے کون سے کارنامے سرانجام دیتے ہیں، وہ بیان فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا، وہ اپنا سرخ دوپٹہ سر

پر باندھے، تلوار لہراتے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھتے میدان کارزار میں نمودار ہوئے

انا الذی عاهد نی خلیلی ونحن بالسفح لدی النخیل

الا اقوم الدهر فی الکیول اضرب بسیف الله والرسول

مجھے دیکھو! جس کے ساتھ میرے دوست نے دامن کہسار میں کھجوروں کے پاس معاہدہ کیا کہ میں ساری زندگی پچھلی صفوں میں نہیں رہوں گا بلکہ آگے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کی تلوار سے جہاد کرتا رہوں گا۔

پھر کیا تھا، میدان کارزار کا نقشہ پلٹنے لگا، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جدھر سے گزرتے صفوں کو الٹ کر رکھ دیتے، جو سامنے آتا اسے لقمہ اجل بنا دیتے، اتنے میں ایک مشرک گرجتا ہوا اور مسلمانوں کو شہید کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، وہ اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے، میرے دل میں تمنا بیدار ہوئی کہ کاش اب دونوں کے درمیان جنگ ہوتا کہ میں اس شیر محمدی کے جوہر دیکھ سکوں، آخر یہ تمنا بھی پوری ہوگئی، اس مشرک نے ان پر ایک زوردار وار کر دیا جسے انہوں نے اپنی ڈھال پر روک لیا، پھر وہ اس پر برق آسمانی بن کر گرے اور اپنی تلوار آبدار سے ایک ہی وار میں اسے واصل جہنم کر دیا۔ ﴿سبل الهدیٰ: ۲۸۶/۴﴾ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میدان احد میں ایک مشرک غرا کر حملہ آور ہوا، ایک سرفروش اسلام بھی سر پر خود پہنے اور زرہ زیب تن کیے اس کے مقابلے میں تیار تھا، میں آگے بڑھ کر اس کے عقب میں کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کافر اس مسلمان سے طاقتور بھی ہے اور اس کے پاس اسلحہ بھی زیادہ ہے، جب مقابلہ شروع ہوا تو اس پیکر شجاعت نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنے حریف کی گردن پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کی پشت کو چیر کر ٹانگوں سے نکل گئی اور اسکے جسم کو دو لخت کر دیا، پھر اس مرد میدان نے اپنا نقاب اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا، اے کعب! کیسا ولولہ انگیز منظر تھا جو تم نے مشاہدہ کیا، میں ابو دجانہ ہوں۔ ﴿ایضا: ۲۸۶/۴﴾

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے تلوار مصطفیٰ ﷺ کی عزت وحرمت کا ایسا خیال رکھا کہ دوران جنگ وہ ابوسفیان کی زوجہ ہند بنت عتبہ کے سر پر پہنچ گئے جو کفار مکہ کے دلوں کو گرما رہی تھی، آپ نے یہ سوچ کر اپنا ہاتھ روک لیا کہ حضور ﷺ کی مقدس تلوار سے ایک عورت

کو قتل کرنا مناسب نہیں جو اس وقت بالکل بے یار و مددگار ہے۔ ﴿زرقانی:۲۹/۲﴾

﴿4﴾

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی شجاعت اور بسالت کا عظیم پیکر تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک شتر سوار مشرک میدان جنگ میں للکار رہا تھا کہ ہے کوئی جو میرا مقابلہ کرے، جب اس نے تیسری بار پکارا تو وہ مقابلے کے لیے چھلانگ لگا کر نکلے اور اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے، اس طرح اونٹ کی پشت پر دونوں کی جنگ ہونے لگی، حضور پیغمبر نور ﷺ یہ سارا منظر مشاہدہ فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا، ان دونوں میں سے جو بھی زمین پر گرے گا مارا جائے گا، پھر کیا دیکھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک زوردار ضرب اس کے رسید کی اور اونٹ سے نیچے گرا دیا، بعد ازاں اس کے اوپر چھلانگ لگا دی اور اس کا سر فوراً تن سے جدا کر کے پھینک دیا، ان کی اس عظیم بہادری پر حضور اکرم ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا:

''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، میرا حواری زبیر بن عوام ہے، اگر زبیر اس کی دعوت مبازرت کو قبول نہ کرتے تو میں خود اس کے مقابلے کے لیے نکلتا''

﴿5﴾

صحابہ کرام پوری جانفشانی کے ساتھ سرگرم جہاد تھے، حضرت ابو دجانہ، حضرت امیر حمزہ، حضرت طلحہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعد بن ربیع اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہم نے تو بہادری کی مثالیں قائم کر دیں، کفار مکہ کے گھڑ سواروں نے تین بار عقب سے حملہ آور ہونے کی کوشش کی مگر کوہ عینین پر متعین پچاس تیر اندازوں نے ان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، یہ مجاہدین اسلام بھی کمال جان سپاری کے ساتھ اہل اسلام کے عقب کی حفاظت کر رہے تھے جس پر ساری جنگ کا دارومدار تھا، جنگ میں تیزی آ رہی تھی، تلواریں ابھر اور گر رہی تھیں، تیر ہواؤں کے سینوں کو چیر کر اہل میدان کے سینوں میں پیوست ہو رہے تھے، نیزوں اور ڈھالوں کے ٹکراؤ سے خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں، اس اثنا میں کفار مکہ کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ نے پنجہ آزمائی کی دعوت دی اور کہنے لگا اے اصحاب مصطفیٰ! تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے مقتول جنت میں اور ہمارے مقتول جہنم میں جائیں گے، لات کی قسم! اگر تم سچ کہتے ہو تو میرے مقابلے کے لیے نکلو، اس پیکر نخوت کی

للکار سن کر اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ کی کبریائی کا ذکر کرتے ہوئے نبرد آزما ہوئے اور کفار مکہ کی صفوں کے درمیان گھس کر تلوار کے ایک ہی وار سے اسے پیوند خاک بنا دیا، روایت ہے کہ انہوں نے اس پر دوسرا وار نہیں کیا کیونکہ زمین پر تڑپتے ہوئے اس کی شرم گاہ ننگی ہو گئی تھی، انہوں نے محسوس کیا کہ ایسی حالت میں اس پر دوبارہ حملہ نہیں کرنا چاہیے، بہر حال ان کی ضرب واحد ہی اس کی جہنم رسانی کے لیے کافی ہو گئی، ﴿ایضاً: ۲۸۷/۱۴﴾ طلحہ بن ابی طلحہ کے مرتے ہی کفار مکہ کا جھنڈا اس کے بھائی ابو شیبہ عثمان بن ابی طلحہ نے اٹھایا تو اسے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے دو ٹکڑے کر دیا، پھر اس کا بھائی ابو سعد بن ابی طلحہ نے یہ علمبرداری کے فرائض سرانجام دیئے مگر جلد ہی وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حولناک تیر سے واصل جہنم ہو گیا، اس کے بعد طلحہ بن ابی طلحہ کے بیٹے مسافح بن ابی طلحہ نے جھنڈا پکڑا تو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے تیر سے ہلاک کر دیا پھر اس کے بھائی حارث ابی طلحہ نے جھنڈے کو سہارا دینے کی کوشش کی لیکن حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے بھی اڑا کر رکھ دیا، طلحہ بن ابی طلحہ کی بیوی سلافہ بنت سعد نے اپنے دونوں بیٹوں کو لقمہ اجل بنتے دیکھا تو اس نے نذر مانی کہ اگر مجھے عاصم بن ثابت کا سر مل جائے تو میں اس میں شراب پیوں گی اور جو آدمی اسکو پکڑ کر میرے پاس لائے میں اسکو سو اونٹ عنایت کروں گی، اب طلحہ بن ابی طلحہ کا تیسرا بیٹا کلاب آگے بڑھا، جونہی اس نے جھنڈا الہرایا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آن واحد میں اسے قتل کر دیا، اس کے بعد جلاس بن طلحہ کی باری آگئی، اس نے جھنڈا اٹھایا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا، اپنی قوم کے جھنڈے پر طلحہ بن ابی طلحہ کا خاندان ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا مگر جاہلی تعصب کو آنچ نہ آنے دی، بعد ازاں ارطاۃ بن شرجیل نے جھنڈا پکڑا تو حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا، ایک روایت کے مطابق اسے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، پھر شریح بن قارظ نے جھنڈا سنبھالا تو کسی نامعلوم مجاہد کے ہاتھوں مارا گیا، پھر اسے اٹھانے کی جدو جہد میں ابوزید بن عمیر اور قاسط بن شرجیل یکے بعد دیگرے قزمان[1] کے ہاتھوں انجام کو پہنچے،

---

[1] قزمان نامی آدمی کی داستان بھی بہت عجیب ہے، وہ انصاری قبیلے بنی ظفر کا حلیف تھا، جب لشکر اسلام مدینہ منورہ سے نکلا تو

اس کے بعد ایک صواب نامی حبشی نے جھنڈا اٹھالیا تو کفار مکہ کہنے لگے خبردار! تمہاری وجہ سے ہماری بے عزتی نہ ہو، چنانچہ اس نے بہت بہادری کا ثبوت دیا، جب اسکا دایاں ہاتھ کٹ کر گرا تو اس نے بائیں ہاتھ میں اسے پکڑ لیا اور جب بایاں ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تو اس نے سینے اور گردن سے اسے پکڑے رکھا، بالآخر اس کی زبان سے نکلا کہ اے اللہ! کیا میں نے اپنی قوم کی عزت رکھ لی ہے، لوگوں نے گواہی دی کہ ہاں واقعی تم نے اپنی قوم کی عزت رکھ لی ہے، پھر قزمان کے تیر سے وہ بھی چل بسا، اس طرح کفار مکہ کے گیارہ علمبردار یکے بعد دیگرے جہنم میں اترتے چلے گئے، ﴿الامتاع: ۱/۱۱۲﴾

﴿6﴾

جنگ احد کے پہلے مرحلے کا ایک جان گداز واقعہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ہے جن کو سید الشہداء کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے، آپ پورے میدان میں تلوار آبدار سے کفار مکہ کے پرخچے اڑا رہے تھے، ان کے ایک نامی گرامی علمبردار عثمان بن ابی طلحہ کو بھی انہوں نے یہ نعرہ بلند کر کے قتل کیا کہ "انا ابن ساقی الحجیج" میں حاجیوں کو سیراب کرنے والے سردار عرب حضرت عبد المطلب کا لخت جگر ہوں، پھر انہی لمحات میں آپ کی شہادت واقع ہوگئی، آپ کی شہادت کا واقعہ آپ کے قاتل وحشی کی زبانی نقل کیا جاتا ہے، اس کا بیان ہے کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور اس کا چچا طیمہ بن عدی

عورتوں نے اسے عار دلائی کہ تم تو بہت بہادر بنتے ہو، آج کیوں گھر میں بیٹھ گئے، چنانچہ یہ میدان میں پہنچا اور اگلی صف میں جا کھڑا ہوا، جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے اس نے پہلا تیر چھوڑا، تیر اندازی کے بعد شمشیر زنی کے ایسے جوہر دکھائے کہ سات کافروں کو تباہ کر کے رکھ دیا، پھر جب خود بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے زخموں سے چور ہو کر گر پڑا تو حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے اسے شہادت کی مبارکباد دی، اس نے جواب دیا، اے ابو عمر! میں نے اسلام کی سربلندی کے لیے جنگ نہیں کی، اپنی قومی غیرت کے لیے جنگ کی ہے، پھر جب اسکی بہادری کا ذکر بارگاہ رسالت ﷺ میں ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہے، صحابہ کرام یہ فرمان سن کر حیران ہو گئے، بعد ازاں معلوم ہوا کہ اسے زخمی حالت میں قبیلہ بنوظفر میں لایا گیا تو اس نے وہاں درد کی شدت کی وجہ سے خودکشی کر لی، آپ ﷺ نے اسکی خودکشی کی خبر سن کر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کبھی کسی فاسق آدمی سے بھی اپنے دین کی امداد کرادیتا ہے، ﴿سیرت ابن ہشام: ۳/۳۸﴾

جنگ بدر میں مارا جا چکا تھا، اس نے مکہ مکرمہ سے چلتے وقت مجھے کہا کہ اگر تم میرے چچا کے قتل کے بدلے محمد مصطفیٰ کے چچا کو قتل کر دو تو تمہیں آزاد کر دوں گا، میں ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گیا، پھر جب جنگ گرم ہوئی تو میری نگاہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں سر گرداں تھیں، میں نے انھیں ایک گروہ میں دیکھ لیا، وہ خاکستری اونٹ کی طرح لوگوں کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے، اتنے میں سباع بن عبدالعزیٰ ان کے قریب ہوا تو وہ للکار کر بولے، او ختنہ کرنے والی عورت کے بیٹے، یہ میرا وار برداشت کر، پھر انھوں نے اس زور سے تلوار چلائی کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا، بعد ازاں میں نے چھپ کر ان پر نیزے کا وار کر دیا جو ان کی ناف کے نیچے دونوں پاؤں کے درمیان پار ہو گیا، انہوں نے میری طرف لپکنا چاہا لیکن موت نے موقع نہ دیا، جب وہ اچھی طرح ٹھنڈے ہو گئے تو میں نے آگے بڑھ کر اپنا نیزہ نکال لیا اور لشکر گاہ میں جا بیٹھا، گویا میرا کام ختم ہو چکا تھا، میں نے تو ان کو اپنی آزادی کے لیے قتل کیا تھا جو مکہ مکرمہ پہنچتے ہی نصیب ہو گئی، ﴿سیرت ابن ہشام: ۶۹/۲﴾ صحیح بخاری شریف میں بھی یہ واقعہ قدرے اختصار کے ساتھ مرقوم ہے، [1] حضرت امام حسین بن محمد دیار بکری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی غمناک شہادت جنگ احد کے ابتدائی مرحلے میں واقع ہوئی، ﴿تاریخ الخمیس: ۴۲۵/۱﴾ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ وحشی نے آپ کو شہید کر کے آپ کا کلیجہ باہر نکالا اور ہند کے پاس لے گیا، اس نے چبایا اور نگلنے

---

[1] وحشی کا بیان ہے کہ جنگ احد کے بعد اس نے مکہ مکرمہ میں رہائش اختیار کر لی، پھر جب فتح مکہ معرض وجود میں آئی تو وہ بھاگ کر طائف چلا گیا، جب طائف والوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تو اس کی امید دم توڑ گئی، وہ یمن اور شام کی طرف جانے کا ارادہ باندھ رہا تھا کہ کسی نے مشورہ دیا کہ رسول اکرم ﷺ اسلام قبول کرنے والے آدمی کو قتل نہیں کرتے بلآخر وہ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا، صحابہ کرام نے اسے پکڑا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسے چھوڑ دو، ایک ہزار کفار کو مارنے سے مجھے ایک آدمی کا مسلمان ہونا زیادہ محبوب ہے، پھر اس نے حضور ﷺ کے سامنے کلمہ طیبہ پڑھا اور آپ نے اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ سماعت فرمایا اور فرمایا، تجھ پر افسوس! اپنا چہرہ مجھ سے چھپائے رکھنا، پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ شروع ہوئی تو وحشی نے اسی حربے سے اس کذاب کو واصل جہنم کر دیا، چنانچہ اب وہ کہا کرتے تھے کہ لوگو! اگر میں نے بہترین آدمی کو شہید کیا تھا تو شریر ترین آدمی کو بھی میں ہی نے قتل کیا ہے۔

کی کوشش کی مگر نہ نگل سکی، پھر اس نے اپنے زیورات اتار کر وحشی کو بطور انعام دیئے اور آپ کی لاش مقدس دیکھنے کا مطالبہ کیا، وحشی اسے لے کر مقام شہادت پر آیا تو اس نے آپ اور دیگر شہدائے اسلام کے کان کاٹ کر کڑے، بازوبند اور پازیب بنائے اور یہ زیور پہن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی، ﴿ایضاً:۱/۴۲۶﴾

انہی سرفروش مجاہدوں میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بھی شمار ہوتا ہے، آپ ابو عامر فاسق کے بیٹے تھے جو حضور پیغمبر نور ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی میں بہت مشہور تھا اور اپنے مخصوص آدمیوں کے ساتھ قریش مکہ کے ہم رکاب تھا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شب زفاف تھی کہ جنگ احد کا نقارہ بج اٹھا، آپ اپنی زوجہ کو چھوڑ کر شمع رسالت پر قربان ہونے کے لیے دوڑ پڑے، آپ پر غسل فرض تھا لیکن نہ کیا کہ کہیں حکم رسالت کی سرتابی نہ ہو جائے، جنگ گرم ہوئی تو دشمن کی صفیں چیر کر سالار قریش ابوسفیان کے پاس پہنچ گئے اور اس پر زوردار حملہ کر دیا، ابوسفیان اپنی سواری سے زمین پر گر پڑا، اس سے پہلے کہ آپ اسکا کام تمام کرتے، ایک کافر اسود بن شداد تیزی سے آگے بڑھا اور اپنے نیزے سے آپ کو زخمی کر دیا، آپ زخمی شیر کی طرح اس کی طرف لپکے لیکن قسمت ناز میں جام شہادت تھا، اسود نے دوسرے وار سے آپ کو شہید کر دیا، آپ کی شہادت کی خبر حضور پر نور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا، میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو زمین و آسمان کے درمیان غسل دے رہے ہیں، یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کی زوجہ حضرت جمیلہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں، جب وہ غزوہ احد کی طرف نکل گئے تو انہوں نے اپنے خاندان کے چار آدمیوں کو بلا کر گواہ بنالیا کہ ان کے خاوند نے ان کے ساتھ رات بسر کی ہے، جب اس تکلف کا سبب دریافت کیا گیا تو بتایا، میں نے دیکھا ہے کہ آسمان کا دروازہ کھل گیا ہے اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہو گئے ہیں، مجھے یقین کامل ہو گیا کہ اب وہ شہید ہو جائیں گے، بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ تھا، یزید پلید کے زمانے میں اہل مدینہ نے انہی عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کی قیادت میں اس کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا، ﴿سبل الھدیٰ:۴/۲۱۴﴾ اسی طرح حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ نے سرکار مدینہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ! میں بدر سے بھی محروم رہا کیونکہ میرا بیٹا چلا گیا تھا اور اس نے شہادت بھی

حاصل کرلی تھی، اب وہ مجھے خواب میں ملا ہے اور اس نے کہا ہے کہ میں تو جنت میں ہوں، آپ بھی آجائیں تا کہ ہم جنت میں اکھٹے زندگی بسر کریں، میں اپنے بیٹے کے پاس جانے کے لیے بیقرار ہوں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت عطا فرمائی اور غزوہ احد میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۲۳/۱۴﴾ حضرت سید الشہد رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام کا بہت بڑا نقصان تھی لیکن اس کے باوجود جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضٰی، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سعد بن معاذ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس پامردی اور جانبازی سے جنگ کی کہ مشرکین کے چھکے چھوٹ گئے، حوصلے ٹوٹ گئے اور ان کی قوت بازو جواب دے گئی، گیارہ علمبرداروں کی پے در پے موت سے ان کے اندر سراسیمگی پھیل چکی تھی، عورتیں چیخ رہی تھیں لیکن ان کی آہ و فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا، بالآخر وہ بھی پنڈلیاں ننگی کیے اور پائنچے چڑھائے راہ فرار اختیار کرنے لگیں، اہل اسلام کو افق احد پر فتح و کامیابی کے آثار دکھائی دینے لگے، صواب حبشی کے بعد کسی سردار مکہ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنا جھنڈا اٹھا کر مسلمانوں کے مد مقابل کھڑا ہوتا، امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر اپنی امداد نازل فرمائی اور اپنا وعدہ پورا کر دیا چنانچہ مسلمانوں نے مشرکوں کو اس طرح قتل کیا کہ بلاشبہ ان کو شکست فاش ہوئی، صحیح بخاری شریف میں ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کفار مکہ سے ہماری ٹکر ہوئی تو ان کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی، میں نے دیکھا کہ عورتیں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے دوڑ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں، ﴿صحیح بخاری: ۵۷۹/۲﴾ اب اہل اسلام مشرکین مکہ کا تعاقب کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ مال غنیمت جمع کر رہے تھے، پھر عین اس وقت جب ایک مختصر سا لشکر اسلام اہل مکہ کے خلاف ایک تاریخ ساز کامیابی حاصل کر رہا تھا، تیر اندازوں کی ایک خوفناک خطا نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا، ہوا یوں کہ رسول اللہ ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ جن تیر اندازوں کو کوہ عینین پر مقرر فرمایا تھا اور انہوں نے اپنی جانفشانی کے ساتھ کفار کے گھڑ سواروں کے تابڑ توڑ حملے بھی روکے تھے وہ اب مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھ کر نہ رہ سکے، چنانچہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تمہارے ساتھی جیت چکے ہیں، اب کس بات کا انتظار ہے، جلدی بڑھو اور

مال غنیمت حاصل کرلو، اس آواز پر ان کے کماندار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات یاد دلائے مگر اکثر نے کوئی پرواہ نہ کی اور کہا کہ خدا کی قسم! ہم بھی ان لوگوں کے پاس جا کر ضرور مال غنیمت حاصل کریں گے، ﴿صحیح بخاری:۴۲۶/۱﴾ اس طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے نو ساتھی وہاں برقرار رہے، کفار مکہ کے گھڑسواروں کا سالار خالد بن ولید عرب کا مشہور مرد میدان تھا، اس نے مسلمانوں کے عقب کو خالی دیکھا تو ایک بار پھر چکر کاٹ کر اس شدت کے ساتھ حملہ آور ہوا کہ جنگ کا نقشہ بدل دیا، ان دس سر فروشوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر جام شہادت نوش کر گئے، خالد بن ولید اور اس کے دستے نے مسلمانوں کے عقب پر قبضہ کر کے ایک نعرہ بلند کیا جس سے بھاگتے ہوئے لشکر کفار کے قدم رک گئے، ادھر ایک اور واقعے نے جلتی پر تیل کا کام دکھایا، عمرہ بنت علقمہ قریش کی ایک جوان قد، خوبصورت اور بے باک خاتون تھی، اس نے اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ سر کے بال کھول کر واویلہ کیا اور سرپٹ دوڑتے مشرکوں کو غیرت دلائی کہ بزدلو! تم لڑنے کے قابل نہیں تو خیمہ گاہوں میں گھس جاؤ، ہم قریشی عورتیں اپنے خداؤں پر اپنی جانیں قربان کر دیں گی، پھر اس نے بڑھ کر قریش کے زبوں حال جھنڈے کو اٹھا لیا اور اس انداز سے میدان جنگ کی طرف نکلی کہ منتشر لشکر کفار یکجان ہو کر دوبارہ برسر پیکار ہو گیا، اب مسلمان دونوں طرف سے گھر چکے تھے۔

﴿7﴾

اہل اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے پرچم ہدایت انتہائی جرأت و مردانگی سے تھام رکھا تھا، وہ کوہ استقامت بن کر کفار مکہ کے حملوں کو روک رہے تھے تاکہ وہ سرنگوں نہ ہو جائے، آخر ایک زوردار حملے میں آپ کا دایاں بازو کٹ گیا تو آپ نے فوراً بائیں ہاتھ میں پرچم کو اٹھا لیا اور یہ آیت مبارکہ تلاوت کرنے لگے۔

'ما محمد الا رسول' حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

بعد ازاں جب آپکا بایاں بازو بھی کٹ گیا تو آپ نے عزیز از جاں پرچم کو اپنے سینے سے لگا لیا یہاں تک کہ اپنی جان نام خدا پر قربان کر دی، ان کی شہادت کے بعد حضور سراپا نور ﷺ نے پرچم ہدایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور دشمنان

خدا پر حملے کرنے کا حکم دیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نعرہ شجاعت بلند کیا، انا ابو القصم، میں باطل کی کمر توڑنے والا ہوں، اور دشمنان خدا پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ صورت و سیرت میں بہت حد تک حضور سراپا نور ﷺ کے مظہر کامل تھے، آپکے قاتل ابن قمیہ نے خیال کیا کہ شاید اس نے حضور سراپا نور ﷺ کو شہید کر دیا ہے، چنانچہ اس نے اپنے لشکر میں جا کر دہائی دے دی، قتلت محمداً، میں نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو شہید کر دیا ہے، اس وقت جنگ احد قیامت کا منظر پیش کر رہی تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''احد کے روز پہلے مشرکوں کو شکست فاش ہوئی، اس کے بعد ابلیس نے آواز لگائی کہ اے اللہ کے بندو! پیچھے، اس پر اگلی صف پلٹی اور پچھلی صف سے گتھ گئی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ پر حملہ ہو رہا ہے وہ بولے اللہ کے بندو! میرے والد ہیں لیکن خدا کی قسم لوگوں نے اپنا ہاتھ نہ روکا یہاں تک کہ انہیں مار دیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بولے، اللہ تمہاری مغفرت کرے، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ہمیشہ خیر غالب رہی یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔ ﴿صحیح بخاری: ۵۳۹/۱﴾

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیت دینا چاہی تو انہوں نے عرض کیا، میں نے دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی، اس واقعہ سے آپ کے نزدیک ان کی خیر میں مزید اضافہ ہو گیا، ﴿مختصر سیرت الرسول: ۲۴۶﴾ مسلمانوں کی ترتیب و تنظیم اکھڑ چکی تھی، بہت سے لوگ حیران و سرگردان تھے کہ کدھر جائیں، رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پورے میدان میں گردش کر رہی تھی جس سے اہل اسلام کا لشکر تین حصوں میں تقسیم ہو گیا، کچھ لوگ تو وہ تھے جو میدان جنگ سے نکل کر مدینہ منورہ چلے گئے یا پہاڑ پر چڑھ گئے، کچھ لوگ لشکر کفار پر ٹوٹ پڑے اور ان سے لڑتے رہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ دنیا میں موجود نہیں تو ہمارا یہاں کیا رکھا ہے اور کچھ لوگ فرط غم سے نڈھال ہو کر بیٹھ گئے، ان وحشت ناک حالات میں رسول اللہ ﷺ نے ایک پر خطر اور جرأت افروز فیصلہ فرمایا جس سے آپکی بے نظیر اور بے مثال شجاعت کو سلام کرنا پڑتا ہے۔

﴿8﴾

حضور پیغمبر نور ﷺ کے ہمراہ صرف نو صحابہ تھے، جن میں سات انصار اور دو قریشی تھے، ﴿صحیح مسلم: ۱۰۷/۲﴾ ایک روایت کے مطابق پندرہ صحابہ کرام تھے، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، یہ آٹھ مہاجرین کرام تھے، باقی سات انصار کرام کے نام یہ ہیں، حضرت خباب بن منذر، حضرت ابو دجانہ، حضرت عاصم بن ثابت، حضرت حارث بن الصمہ، حضرت سہل بن حنیف، حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ یا حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم، یہ تمام سرفروشان اسلام یہ نعرہ بلند کر رہے تھے، میرا چہرہ حضور ﷺ کے چہرے پر قربان ہو، میری جان حضور ﷺ کی جان پر قربان ہو، میری گردن حضور ﷺ کی گردن پر قربان ہو، آپ پر سلام ہو آپ ہمیشہ خیریت سے رہیں، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۹۲/۴﴾ باقی صحابہ کرام ادھر ادھر بکھر کر مصروف جہاد تھے، آپ نے دیکھا کہ خالد بن ولید اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور باقی کفار مکہ بھی اپنے جوشیلے حملہ آوروں کی وجہ سے واپس لوٹ آئے ہیں اور ایک مرتبہ پھر گھمسان کا رن شروع ہو چکا ہے تو آپ کے سامنے دو ہی راستے تھے، آپ اپنے ان مختصر سے رفقائے اسلام کے ساتھ بھاگ کر کسی محفوظ پناہ گاہ میں چلے جاتے یا اپنی جان خطرے میں ڈال کر صحابہ کرام کو آوازیں دیتے اور کافی تعداد جمع کر کے دوبارہ محاذ جنگ منظم کرتے اور اس کے ذریعے کفار مکہ کا لمحہ بہ لمحہ تنگ ہوتا ہوا دائرہ توڑ کر احد کی بلندی پر چڑھ جاتے، آپ نے عزم و ہمت کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرے راستے کا انتخاب کیا، چنانچہ آپ نے صحابہ کرام کو آواز دی، اللہ کے بندو! ادھر آؤ، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے، فرمایا: والرسول یدعوکم فی اخراکم ، اور رسول رحمت تمہارے عقب سے تمہیں آوازیں دے رہے تھے، یہ آوازیں سن کر کفار مکہ کو معلوم ہو گیا کہ آپ زندہ و جاوید ہیں اور یہیں موجود ہیں لہذا ان کا ایک دستہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی آپ تک پہنچ گیا، اب کفار مکہ اور آپ کے مختصر جانثاروں کے درمیان ایک خون ریز جنگ شروع ہو گئی، ان مختصر جان نثاروں نے عزم و وفا کی ایسی داستان رقم فرمائی کہ ایمان جھوم اٹھتا ہے ۔

﴿9﴾

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں لوگ حضور پیغمبر نور ﷺ کے پاس سے بکھر گئے تو میں نے آپ کو مقتولوں میں تلاش کیا، آپ نہ ملے تو میں نے سوچا کہ آپ راہ فرار اختیار کرنے والے نہیں ہو سکتے لہذا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری خطا سے ناراض ہو کر اپنے رسول رحمت ﷺ کو اپنے پاس اٹھا لیا ہے، اب میرے لیے زندگی بے معنی ہے، میں نے اپنی نیام توڑ ڈالی اور کفار مکہ پر حملہ کر دیا، وہ سب ادھر ادھر ہٹ گئے تو میں نے دیکھا کہ حضور سراپا نور ﷺ نرغے میں مصروف پیکار ہیں، اس وقت عزم و ہمت کے پیکر عظیم کی کیا حالت تھی، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ کے انتہائی نزدیک حضرت طلحہ اور حضرت سعد کے سوا اور کوئی نہ رہ گیا تھا، ﴿صحیح بخاری: ۵۲۷/۱﴾ روایت ہے کہ کفار مکہ کی ایک جماعت آپ کی طرف حملہ آور ہوئی، آپ نے فرمایا، اے علی! اس جماعت کو روکنا، حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ اس جماعت کی طرف متوجہ ہوئے اور کئی آدمیوں کو واصل جہنم کر دیا، اس طرح وہ جماعت متفرق ہو گئی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کمال بہادری دکھائی اور آپ کی نصرت کا حق ادا کر دیا، اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کمال بہادری کا مظاہرہ کیا ہے، آپ نے فرمایا، بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ کمال اتحاد و اخلاص کا اظہار ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، میں آپ دونوں سے ہوں، روایت ہے کہ غیب سے آواز آ رہی تھی 'لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذو الفقار' کوئی علی جیسا جوانمرد نہیں اور کوئی ذو الفقار جیسی تلوار نہیں، ﴿مدارج النبوۃ: ۲۱۱/۲﴾ اگرچہ یہ روایت سیرت نگاروں نے رقم کی ہے لیکن امام ذہبی میزان الاعتدال میں اسکی تکذیب کرتے ہیں، اس نازک ترین موقع پر کفار مکہ نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، انہوں نے اپنے حملے کا مرکز سرکار ابد قرار ﷺ کی ذات پر انوار کو بنایا، عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر مارا جو آپ کے دہن مبارک پر لگا، اس سے اوپر اور نیچے کے دو دو دندان مبارک ٹوٹ گئے، نچلے ہونٹ پر زخم آ گیا[1] آپ کے

---

[1] حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے دندان مبارک کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ ظلم کس نے کیا ہے، آپ نے فرمایا، عتبہ بن ابی

رخ والضحیٰ پر عبداللہ بن شہاب زہری نے ضرب لگائی جس سے ساری ریش اطہر خون سے رنگین ہوگئی، بنو ہذیل کے عبداللہ بن قمئہ نے رخسار دل نشین کو زخمی کر دیا، خود کی دو کڑیاں اندر گھس گئیں، اس کے دوسرے خطرناک وار کو روکتے ہوئے آپ ایک گڑھے میں گر پڑے، اس طرح کے اور بھی کئی گڑھے ابو عامر فاسق نے جابجا کھود دیئے تھے تاکہ مسلمان دوران جنگ میں گر جائیں اور کفار مکہ کو غلبہ حاصل ہو جائے، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت طلحہ نے سہارا دے کر آپ کو باہر نکالا، آپ کے گھٹنوں پر خراشیں آگئیں، روایت ہے کہ عبد اللہ بن قمئہ نے آپ کے کندھے مبارک پر تلوار سے ضرب لگائی جس کی تکلیف آپ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک محسوس کرتے رہے، البتہ آپ کی دوہری زرہ نہ کٹ سکی، اس کی دوسری ضرب سے رخسار زخمی ہوا تو اس نے کہا میں قمئہ ﴿توڑنے والے﴾ کا بیٹا ہوں، آپ نے جواباً ارشاد فرمایا، اللہ تجھے توڑ ڈالے، چنانچہ ابن عائذ سے روایت ہے کہ جنگ سے واپسی پر ابن قمئہ اپنی بکریوں کی دیکھ بھال کے لیے پہاڑی پر چڑھا تو ایک پہاڑی بکرے نے اس پر حملہ کر دیا اور اپنے نوکیلے سینگ مار مار کر اسے پہاڑی کی چوٹی سے گرا دیا، ﴿فتح الباری: ۳۷۳/۷﴾ طبرانی کی روایت ہے کہ پہاڑی بکرے نے سینگوں سے پاش پاش کر دیا، امام بخاری سے روایت ہے کہ آپ زخمی حالت میں خون پونچھتے ہوئے فرمارہے تھے:

''وہ قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر مہربان کے چہرے کو زخمی کر دیا اور دانت توڑ دیا حالانکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا تھا''

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، آپ کو ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں ﴿اللہ چاہے تو﴾ انہیں توبہ کی توفیق دے دے اور چاہے تو عذاب میں مبتلا کر دے کہ وہ واقعی بہت ظالم لوگ ہیں، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۲/۲﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے خون

وقاص نے، چنانچہ وہ اس کے پیچھے گئے اور اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دیا، آپ نے خوش ہو کر دعا دی، رضی اللہ عنک، تم سے اللہ راضی ہو گیا، روایت ہے کہ عتبہ کی اولاد سے جو بھی بچہ پیدا ہوتا اس کے سامنے والے چار دانت نہیں ہوتے تھے اور اس کے منہ سے بو نکلتی تھی، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۹۳/۴﴾ روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی آرزو تھی کہ وہ اپنے بھائی عتبہ کو قتل کریں گے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور یہ سعادت حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو مل گئی۔ ﴿الرحیق المختوم: ۳۷۱﴾

کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر پڑا تو ان پر آسمان سے عذاب اتر پڑے گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۰۰﴾ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس قوم پر اللہ کا شدید عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبر برحق کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا، پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

''اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون '' اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دے، وہ نہیں جانتے کہ میری شان کیا ہے، ﴿فتح الباری: ۷/ ۳۷۳﴾

مسلم شریف میں ہے کہ آپ بار بار یہی دعا فرما رہے تھے کہ اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دے، انہیں میری شان کا علم نہیں ہے، ﴿صحیح مسلم: ۲/ ۱۰۸﴾ شمع نبوت کا یہ غمناک عالم دیکھ کر پروانے کس طرح چین سے بیٹھ سکتے تھے، انہوں نے بھی اپنی سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

......﴿10﴾......

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضور اقدس ﷺ کے قریب ہی محاذ جنگ پر کفار مکہ کے ساتھ نبرد آزما تھے، انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بہادری کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا کہ احد کا سارا دن طلحہ کے نام ہے، ﴿فتح الباری: ۷/ ۳۶۱﴾ یعنی انہوں نے حفاظت مصطفیٰ ﷺ کا حق ادا کر دیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کفار مکہ نے آپ کو جا لیا تو آپ نے فرمایا، کون ہے جو ان کا مقابلہ کرے گا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں ان کا مقابلہ کروں گا، پھر انصار مدینہ کے کچھ سرفروش مجاہد جام شہادت نوش کر گئے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کفار مکہ کے گیارہ سورماؤں کا تن تنہا مقابلہ شروع کر دیا، تلوار کی ضرب سے ان کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں، اس پر ان کے منہ سے حس کی آواز نکلی تو آپ نے فرمایا، اگر بسم اللہ پڑھتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور لوگ دیکھتے ہی رہ جاتے، پھر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو پلٹا دیا، ﴿سنن نسائی: ۲/ ۵۲﴾ امام حاکم کی روایت ہے کہ احد کے دن انہیں پینتیس یا انتالیس یا ستر زخم آئے اور ہاتھ کی انگلیاں بھی شل ہو گئیں، امام بخاری نے حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جو حضور اکرم ﷺ کی حفاظت میں شل ہو گیا تھا، ﴿صحیح بخاری: ۱/ ۵۲۷﴾ وہ حضور اکرم ﷺ کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے ہاتھ اور باقی جسم سے روکتے رہے، حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں لوٹ کر آپ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص آپ کا دفاع کر رہا تھا، میں نے محسوس کیا کہ یہ طلحہ ہی ہو سکتے ہیں، ان کا سارا جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا، ان کے سر پر تیروں کے بہت زیادہ زخم تھے جن سے بہت زیادہ خون رس رہا تھا، پھر وہ بیہوش ہو گئے تو میں نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا اور ہوش دلایا، انہوں نے آنکھ کھولتے ہی پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟ انہیں بتایا کہ آپ ﷺ عافیت کے ساتھ ہیں تو انہوں نے بے ساختہ کہا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، آپ موجود ہیں تو کسی مصیبت کی پرواہ نہیں، ﴿سبل الهدیٰ: ۲۹۶/۴﴾ حضور سراپا نور ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی کتنے دل افروز الفاظ میں شان بیان فرمائی ہے:

''جو آدمی کسی شہید کو زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے،

﴿مشکوٰۃ: ۵۶۶/۲ ، ابن ہشام: ۸۶/۲﴾ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے ؎

یاطلحة ابن عبید الله وجبت لک الجنان و بوات المها العینا

یعنی اے طلحہ! تمہارے لیے جنتیں واجب ہوگئی ہیں اور تم نے حور عین کو بھی حاصل کر لیا ہے، ﴿مختصر تاریخ دمشق: ۸۲/۷﴾

......﴿11﴾......

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے رخسار پر انوار میں خود کے حلقے گھس گئے ہیں تو میں نے انہیں نکالنے کا ارادہ کیا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے میری منت سماجت کی کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دو، میں نے انہیں اجازت دے دی تو انہوں نے اپنے ہاتھ کی بجائے اپنے دانتوں سے حلقے باہر نکالے جس کی وجہ سے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے، ان ٹوٹے ہوئے دانتوں کے باوجود ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا، حضور اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس سے خون بہنے لگا جسے حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ رکھ کر چوس لیا، آپ نے فرمایا جس کا خون میرے خون کو چھوئے گا اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

﴿12﴾

حضرت عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہا اپنے والد بزرگوار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا، جب غزوہ احد میں افراتفری پھیل گئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ میں نہ ہتھیار پھینکوں گا اور نہ راہ فرار اختیار کروں گا یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں یا پھر نجات حاصل کرلوں، میں نے اچانک سرخ رنگت والے ایک آدمی کو دیکھا جس کے گرد کفار مکہ جمع تھے، اس نے مٹھی بھر مٹی ان کی طرف پھینکی تو میں نے پہچان لیا کہ وہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کہا، اے سعد! یہ رسول اللہ ہیں اور آپ کو یاد فرما رہے ہیں، مجھے یوں لگا کہ حیات نو نصیب ہوگئی ہے، میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور کفار مکہ پر تیر چلانے شروع کر دیئے، میں ہر تیر پر یہ دعا مانگتا تھا، اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے، اس سے اپنے دشمن کو نشانہ بنادے، جواب میں آپ ارشاد فرماتے:

"اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما، اے اللہ! سعد کا تیر درست نشانے پر لگا، اے سعد! میرے والدین تیری جان پر قربان ہوں"

روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے کسی اور آدمی کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے کہ اس پر میرے والدین قربان ہوں، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۱/۲﴾ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر تیر پر مجھے آپ کی طرف سے یہی دعا نصیب ہوئی، یہ بھی روایت ہے کہ اس دن انہوں نے کفار مکہ پر ایک ہزار تیر برسائے، گویا ہزار مرتبہ اس دعا سے مشرف ہوئے، کیا شان مقدر ہے، کیا مقام محبت ہے، جب ان کے تیر ختم ہو گئے تو حضور ﷺ نے اپنے تیر ان کے سامنے بکھیر دیئے اور وہ ان کے ساتھ دشمنان خدا کے سینے گھائل کرتے رہے یہاں تک کہ کفار مکہ کے حملوں کی شدت دم توڑ گئی۔

لشکر کفار کی جانب سے حبان بن عرقہ اور ابو سلمہ جشمی تیر اندازی کر رہے تھے، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا پانی کا مشکیزہ لا رہی تھیں کہ اچانک حبان بن عرقہ کا تیر ان کے دامن میں آ لگا جس سے ان کا پردہ اٹھ گیا، یہ منظر دیکھ کر حبان تمسخر اڑانے لگا تو حضور اکرم ﷺ نے فوراً سعد کو ایک تیر چلانے کا حکم دیا جس پر پھل نہیں تھا، انہوں نے نشانہ باندھ کر تیر چلایا تو سیدھا حبان کے گلے میں جا لگا جس سے وہ زمین بوس ہو گیا، تڑپتے

تڑپتے جب اس کا بھی ستر کھل گیا تو حضور اکرم ﷺ ہنس پڑے یہاں تک دندان مبارک ظاہر ہو گئے، آپ نے فرمایا:

''سعد نے ام ایمن کا بدلہ لے لیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری ہر دعا قبول فرمائے اور تمہارے ہر تیر کو نشانے پر لگائے''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے دن حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ آؤ دعا کریں، چنانچہ میں نے دعا کی کہ یا اللہ! میدان احد میں میرا سامنا کفار کے کسی نامور آدمی سے ہو اور میں اس پر غلبہ حاصل کرلوں تو انہوں نے کہا آمین اور پھر دعا فرمائی کہ یا اللہ! میرا مقابلہ بھی بڑے قوی ہیکل کافر سے ہو اور وہ مجھے شہید کر دے اور میرے ناک اور کان کاٹ دے، قیامت کے دن میں اسی حالت میں تیرے دربار میں حاضر ہوں تو تو مجھ سے پوچھے، میرے بندے! تیرے ناک اور کان کس جرم میں کاٹے گئے، میں جواب دوں، میرے مولا تیری اور تیرے محبوب کی راہ میں کاٹے گئے تو تو فرمائے اے میرے بندے تو نے سچ کہا ہے، ان کی دعا میری دعا سے بہتر تھی، ﴿سبل الھدیٰ﴾ روایت میں ہے کہ وہ اس جوانمردی سے لڑے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے تو آپ نے ان کو کھجور کی ایک شاخ پکڑا دی جو فوراً تلوار آبدار بن گئی، اس تلوار سے وہ خوب داد شجاعت دیتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے، ان کی تلوار ان کی اولاد میں بطور تبرک منتقل ہوتی رہی، ان کی تلوار کا نام العرجون رکھا گیا جسے بہت بعد میں ہارون الرشید کے ایک امیر سلطنت نے خرید لیا۔

﴿13﴾

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا بیان نقل فرمایا کہ کفار مکہ نے ہمارا قتل عام کر کے ہمیں بہت اذیت پہنچائی اور رسول اکرم ﷺ کو بھی اذیت پہنچائی، اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپ ایک بالشت بھی پیچھے نہ ہٹے بلکہ ان کے مدمقابل کھڑے رہے، صحابہ کرام کی ایک جماعت آپ کی طرف آتی تو دوسری جماعت کفار مکہ پر حملہ آور ہو جاتی، میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کفار مکہ کی جانب دو کمانوں سے تیر چلا رہے تھے اور کبھی پتھر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ دشمن آنکھوں سے دور ہٹ

گئے ،آپ بالکل ثابت قدم رہے گویا کہ آپ کے نزدیک طاقت ور جوانوں کا گروہ ہے، ﴿دلائل النبوۃ:۳/۲۶۴﴾ آپ نے اس زور سے تیر اندازی کی کہ کمان کا چلہ کئی جگہ سے ٹوٹ گیا، اس دوران حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر آپ کے آگے جھڑے رہے تا کہ کوئی تیر آپ تک نہ پہنچ سکے، کمان ٹوٹنے کے بعد آپ نے کفار مکہ کی جانب پتھر چلانا شروع کر دیئے، صحابہ کرام سینکڑوں کی تعداد میں پریشان اور کبیدہ خاطر ہو کر پھر رہے تھے، یا درد فراق رسول سے نڈھال ہو کر بیٹھے ہوئے تھے، چند واقعات نے انہیں دوبارہ برق بداماں بنا دیا مثلاً حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نگاہ محبت نے حضور اکرم، شفیع دو عالم ﷺ کو مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے دیکھ لیا تو فوراً بلند آواز سے اعلان کرنے لگے:

یا معشر المسلمین ابشر و هذا رسول الله ﷺ ﴿اے گروہ اسلام تمہیں مبارک ہو، اللہ تعالیٰ کے رسول تو ادھر جلوہ افروز ہیں﴾

آپ نے انہیں خاموش رہنے کا حکم صادر فرمایا اور ان کا خود اپنے سر اقدس پر جبکہ اپنا خود ان کے سر پر رکھ دیا، وہ فرماتے ہیں، پھر کافروں نے سمجھا کہ میں ہی اللہ کا رسول ہوں، اسطرح ان کے حملے میری طرف بڑھنے لگے اور مرے جسم پر بیس سے زیادہ ضربیں لگیں، سبحان اللہ! کیا انداز وفا شعاری ہے، محبوب حسن ازل کا ہر غلام اپنی جان قربان کرنے کے لیے بیقرار دکھائی دیتا تھا ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اعلان نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بجلیاں دوڑا دیں، وہ ایک بار پھر قہر الٰہی بن کر کفر کے حاشیہ برداروں پر برسنے لگے، مستانہ وار دوڑے اور یکجان ہو کر ناموس رسالت کی حفاظت کرنے لگے، حضرت ابو دجانہ جنگ کے مختلف مقامات پر لڑ رہے تھے، انہیں معلوم ہوا کہ کفار مکہ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے حملوں کا مرکز بنا لیا ہے تو فوراً آپ کو تلاش کر کے قریب پہنچ گئے اور آپ کی ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے، ان کی ساری پشت تیروں سے زخمی ہو گئی مگر ایک تیر بھی آفتاب رسالت تک نہ پہنچنے دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی چاروں طرف سے ہونے والے زہرہ گداز حملوں کا جواب دے رہے

تھے، سامنے کے دانت بھی ٹوٹ گئے اور ٹانگ بھی شدید زخمی ہوگئی ﴿جس کی وجہ سے ساری زندگی لنگڑا کر چلتے رہے﴾ اور مزید بیس زخموں نے سارے جسم کو درد وغم کا مجسمہ بنادیا مگر دفاع محبوب خدا ﷺ میں کوئی فرق نہ آنے دیا، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ نے حضور اقدس ﷺ کا گھیراؤ کرلیا ہے تو دیوانہ وار دوڑیں اور اپنی شمشیر خارہ شگاف سے برسر پیکار ہوگئیں، جو کافر بھی آپ پر حملہ آور ہوتا تو اس کا مقابلہ کرکے اس کو پیچھے ہٹادیتیں، موقع ملتا تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کرتیں، حتیٰ کہ نہایت پامردی اور مردانگی کے ساتھ ابن قمئہ جیسے بدطینت کافر کے ساتھ ٹکراگئیں، اس پر پے در پے کئی وار کئے مگر دو زرہوں کی وجہ سے کارگر ثابت نہ ہوئے، ابن قمئہ کے جوابی وار سے انہیں شدید زخم لگ گیا ﴿بعد میں وہ ٹھیک تو ہوگیا مگر اسکا گہرا نشان باقی رہا﴾ حضور مخبر صادق ﷺ نے ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ عنہا کا انداز جنگ دیکھ کر فرمایا کہ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا مقام فلاں فلاں سے بلند تر ہے، میں جدھر بھی نگاہ کرتا تھا مجھے ام عمارہ رضی اللہ عنہا ہی جنگ کرتی دکھائی دیتی تھی[1] حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں کافر کی تلوار سے زخمی ہوگیا، خون بند نہیں ہوتا تھا، میری والدہ نے اپنا کپڑا پھاڑ کر زخم پر باندھ دیا اور فرمایا، بیٹا اٹھو اور جہاد کرو، اتفاقاً وہی کافر حضور ﷺ کے سامنے آگیا تو حضور ﷺ نے فرمایا، ام عمارہ دیکھ یہی ہے تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا، میری والدہ نے اس پر حملہ کرکے اس کی ٹانگ کاٹ دی تو وہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا بھاگا، اسے دیکھ کر آپ ہنس پڑے اور فرمایا، ام عمارہ! خدا کا شکر ادا کر اس نے تجھے جہاد کی طاقت عطا فرمائی، ﴿مدارج النبوۃ: ۱۲۶/۲﴾ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بہت عظیم صحابی رسول تھے، غزوہ بدر میں شامل نہ ہونے کا انہیں بہت زیادہ رنج تھا، ہمیشہ یہ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو وہ دیکھے گا کہ میں اس کے نام پر کیسے کارنامے سرانجام دیتا ہوں، میدان احد میں شریک ہوئے اور پھر وہ خوفناک مرحلہ بھی آگیا جسمیں مسلمانوں کی

---

[1] ایک دن حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں آپ کا ہمسایہ بنائے تو آپ نے دعا فرمائی، اے اللہ! ان سب ﴿اہل خانہ﴾ کو جنت میں میرا ہمسایہ بنادے، یہ دعا سن کر کہنے لگیں، اب دنیا میں آنے والی کسی بھی تکلیف کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ ﴿سبل الہدی: ۲۹۸/۴﴾

صفیں درہم برہم ہوگئیں، رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی تو انہوں نے دعا مانگی، اے اللہ! جو کچھ مسلمانوں نے کیا اس سے میں معذرت خواہ ہوں اور جو کچھ کافروں نے کیا اس سے میں بیزار ہوں، اس دوران انہوں نے دیکھا کہ کچھ مہاجر اور انصار ناامید ہو کر بیٹھے ہیں، انہوں نے پوچھا، کیا بات ہے، تم اس طرح کیوں بیٹھے ہو، جواب ملا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے ہیں، انہوں نے ڈانٹ کر کہا کہ پھر تم آپ کے بغیر زندہ رہ کر کیا کرو گے، اٹھو اور آپ کے مقصد وحید پر جان قربان کردو اور پھر آگے بڑھے اور جبل احد کے قریب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا اے انس! میں تمہارے ہمراہ ہوں، پھر وہ کفار کی صفوں میں گھس گئے اور یہ رجز پڑھنے لگے، واہ وا نضر کے رب کی قسم! احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، اب ایک طرف کفار کا بپھرا ہوا ہجوم تھا اور دوسری طرف یہ مست بادہ قیوم تھا، اس شان سے جنگ کی کہ اپنے اور بیگانے عش عش کر اٹھے، آخر جسم اقدس پر اسی سے زیادہ تیروں، نیزوں اور تلواروں کے گہرے زخم کھا کر سرخرو ہوگئے اور اپنے پروردگار سے کیا ہوا وعدہ پورا کر گئے، کفار مکہ نے ان کے جسم اقدس کا مثلہ بنا دیا، آنکھیں نکال لیں، ناک اور کان جدا کر دیئے، یہاں تک کہ ان کی پہچان مشکل ہوگئی، قرآن پاک کی یہ آیت غالباً انہی کی شان میں نازل ہوئی تھی:

''من المومنین رجال صدقو اماعاهدوا الله علیه'' مومنوں میں کچھ ایسے بھی مردان حق ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ وفا کر کے دکھا دیا ﴿سورۃ الاحزاب:۲۱﴾

اسی طرح حضرت عباس بن عبادہ، حضرت خارجہ بن زید، حضرت اوس بن ارقم رضی اللہ عنہم جیسے بہادروں نے اہل اسلام سے للکار کر کہا، اے گروہ اسلام! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ، یہ مصیبت تمہیں اس لیے آئی ہے کہ تم نے اپنے نبی کا فرمان نہیں مانا، انہوں نے تمہارے ساتھ کامیابی کا وعدہ کیا تھا، بشرطیکہ تم صبر کرتے، حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ میری خود اور زرہ رکھ لو، انہوں نے جواب دیا، میں بھی اسی چیز کا طالب ہوں جس کے تم طالب ہو، پھر وہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑے کہ ہم اپنے پروردگار کے ہاں کیا عذر پیش کریں گے، جب حضور

اکرم ﷺ کو تکلیف پہنچے اور ہم میں سے کوئی آنکھ ابھی تک پھڑک رہی ہو، یعنی آپ کے نام نامی اسم گرامی پر اب تک ہم کیوں قربان نہیں ہو گئے، پھر وہ تینوں سربکف مجاہد اہل کفرو طغیان پر حملہ آور ہو گئے اور لڑتے لڑتے راہی ملک بقا ہو گئے، روایت ہے کہ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کے آخری سانس تھے، آنتیں پیٹ سے نکلی ہوئی تھیں، قریب سے حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو وہ کہنے لگے، اب خود کو موت کے نرغے میں پھنسانے کا کیا مقصد، حضور اکرم ﷺ تو شہید ہو چکے ہیں، انہوں نے فرمایا، محمد رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو ﴿کیا ہوا﴾ اللہ تعالیٰ حی لایموت ہے، آپ نے جو دین تمہیں عطا کیا ہے اس کے لیے جنگ کرو، پھر وہ ایک اور بسمل عشق رسول حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے جو زخموں سے چور چور تھے، انہوں نے بھی آپ کی شہادت کی خبر سن کے جواب دیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا، اب تم اس کے دین کی حفاظت پہ کمر بستہ ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ حی لایموت ہے ﴿سبل الھدیٰ: ۳۰۶/۴﴾ اسی طرح حضرت ثابت بن وحداح رضی اللہ عنہ نے کچھ انصار مدینہ سے کہا کہ اگر آپ شہید بھی ہو گئے ہیں تو ہمت نہ ہارو، اللہ تعالیٰ حی لایموت ہے، پھر انہوں نے ان انصار مدینہ کو ساتھ لیا اور نہایت بہادری سے لڑنے لگے اور آخر خالد بن ولید کی تلوار سے جام شہادت نوش کر لیا، ﴿اصابہ فی معرفۃ الصحابہ﴾ بعد ازاں باقی انصار مدینہ بھی شہید ہو گئے، ﴿سیرت حلبیہ: ۲۲/۲﴾ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ حضور پرنور ﷺ کے چہرہ انور کو بچانے کے لیے اپنا چہرہ دشمنوں کے آگے کیے ہوئے تھے، ناگہاں ایک تیر ان کی آنکھ میں لگ گیا، آنکھ نکل کر رخسار پر آ گئی، حضور سراپا نور ﷺ نے آنکھ اس کے حلقے میں رکھی اور دعا فرمائی، اے اللہ! تو قتادہ کی آنکھ کو بچا جس طرح اس نے تیرے رسول کے چہرے کو بچایا ہے، مشہور ہے کہ انکی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہو گئی، ﴿زرقانی: ۴۲/۲﴾

اس طرح کچھ مسلمان میدان جنگ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے سامنا ہو گیا، انہوں نے خاک اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینکی اور کہا، تم چرخہ لے کر بیٹھ جاؤ اور سوت کاتا کرو، اپنی تلوار مجھے دو، میں تمہاری جگہ لڑائی کرتی ہوں، اس طرح کے تابناک اور ولولہ انگیز جملوں نے مسلمانوں کو برسر پیکار ہونے پر آمادہ

کر دیا اور وہ سرکار مدینہ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو کر داد شجاعت دینے لگے، ایک گروہ تیزی سے حملہ آور ہو رہا تھا، آپ نے دیکھ کر فرمایا، ہے کوئی مرد میدان جو ہمارے لیے اپنی جان کا سودا کرے، حضرت زیاد بن شکن رضی اللہ عنہ اٹھے اور دیوانہ وار اس گروہ میں گھس گئے یہاں تک کہ اس ریلے کا رخ موڑ دیا، انہیں بھی چودہ ایسے زخم لگے کہ جن کی وجہ سے چلنا مشکل ہو گیا، آپ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ، جب پاس لایا گیا تو انہوں نے آپ کے قدم رحمت پر اپنا رخسار رکھ دیا اور جان اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دی۔

آفریں داغ تجھے ، خوب نبھائی تو نے
مرحبا کوچۂ دلدار سے مر کر نکلا

﴿14﴾

اس کشمکش حق و باطل کے دوران جہاں مسلمانوں کے نامی گرامی افراد شہید ہوئے وہاں کفار مکہ کو بھی بڑے بڑے کافروں کا نقصان اٹھانا پڑا، ایک مشرک عبداللہ بن حمید بن زہیر اپنا گھوڑا آگے بڑھاتا ہوا نکلا، وہ سراپا لوہے میں غرق تھا اور کہتا جا رہا تھا، میں زہیر کا بیٹا ہوں، مجھے محمد مصطفیٰ کا پتا بتاؤ، خدا کی قسم! ان کو قتل کر دوں گا یا خود قتل ہو جاؤں گا، اس کی ہرزہ سرائی کو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے سن لیا اور پورے جلال کے ساتھ جواب دیا، پاگل پہلے ان کے غلام زار سے تو مقابلہ کر، پھر اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور دوسرے وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا، حضور اکرم ﷺ یہ سارا منظر مشاہدہ فرما رہے تھے، آپ نے دعا فرمائی!

''اے اللہ! میں ابو دجانہ سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا''

اس طرح عثمان بن عبداللہ مخزومی اپنے فن سپاہ گری پر فخر کرتا ہوا، طاقتور گھوڑے پر سوار ہو کر سرکار ابد قرار ﷺ کی طرف بڑھا، اس وقت وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا، اگر آپ زندہ رہے تو میں زندہ نہ رہوں گا، حضور اکرم ﷺ بذات خود اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے حالانکہ آپ بہت زیادہ زخم خوردہ تھے، اچانک اس کے گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا، حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے، دونوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی، آخر حضرت

حارث رضی اللہ عنہ نے اپنی تیز تلوار سے اس کی ٹانگ کاٹ دی، جب وہ گر پڑا تو انہوں نے جلدی سے اسکی چھاتی پر سوار ہو کر اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا خود اور زرہ اپنے قبضے میں لے لی، حضور اکرم ﷺ نے یہ سامان حرب حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہنے دیا، گویا یہ ان کی قابل فخر شجاعت کا انعام تھا، بعد ازاں آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی کہ اس کی امداد سے ایک بہت بڑا مشرک کیفر کردار کو پہنچ گیا ہے، امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف بھی بہت کینہ توز مشرک تھا، اس نے اپنے بھائی کے انتقام کے لیے ایک گھوڑا پالا اور کہا کہ میں اس پر سوار ہو کر محمد مصطفےٰ کو شہید کروں گا، جب یہ خبر حضور اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: انشاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا، چنانچہ ابی بن خلف اسی گھوڑے پر سوار ہو کر ہی میدان احد میں آیا تھا، جب حضور اکرم ﷺ کفار مکہ کے نرغے میں آگئے تو اس ملعون نے بھی آگے بڑھ کے حملہ کر دیا، آپ نے حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے وہ بری طرح تلملا اٹھا، گردن پر معمولی زخم آیا تھا مگر درد اتنا ہوا کہ وہ بھاگ گیا اور اپنے لشکریوں کو بتانے لگا اور بے پناہ تکلیف کی شکایت کرنے لگا اور کہنے لگا، واللہ مجھے محمد مصطفےٰ نے قتل کر دیا ہے، انہوں نے کہا، یہ تو معمولی سا زخم ہے، تم اس قدر پریشان کیوں ہو، اس نے کہا، تم نہیں جانتے کہ ایک مرتبہ محمد مصطفےٰ نے کہا تھا کہ میں تم کو قتل کروں گا، اس لیے یہ تو بہر حال زخم ہے، میرا تو اعتقاد ہے کہ اگر میرے اوپر تھوک دیتے تو بھی میری موت واقع ہو جاتی، اس طرح وہ واپسی پر بھی تڑپتا رہا، یہاں تک کہ مقام سرف پر جا کر واصل جہنم ہو گیا، ﴿زرقانی: ۴۵/۲﴾ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن خلف مرتے وقت بیل کی آواز نکالتا تھا اور کہتا تھا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو تکلیف مجھ کو ہے اگر وہ ذوالمجاز کے سارے باشندوں کو ہوتی تو وہ سارے کے سارے مر جاتے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۵۰﴾

......﴾15﴿......

جنگ احد کے اس خون آشام ہنگامے میں ایک بہادر مسلمان نہایت بے پرواہی کے ساتھ کھجوریں کھا رہا تھا، ایک دم آگے بڑھا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر میں اس وقت شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، آپ نے فرمایا، تم جنت میں جاؤ

گے، وہ اس فرمان بشارت کو سن کر مست و بیخود ہو گیا اور کفار مکہ کے ہجوم میں کود پڑا اور ایسی شجاعت کے ساتھ لڑنے لگا کہ کافروں کے دل دہل گئے، پھر وہ اسی طرح جنگ کرتے کرتے شہید ہو گیا، ﴿صحیح بخاری: ۵۷۹/۲﴾

حضرت عمرو بن جموع انصاری رضی اللہ عنہ لنگڑا کر چلتے تھے، گھر سے نکلتے وقت انہوں نے دعا کی تھی کہ مولا! مجھے اپنے اہل و عیال میں آنا نصیب نہ ہو، ان کے چار فرزند بھی میدان احد میں موجود تھے، لوگوں نے انہیں معذور ہونے کی وجہ سے روکا تو وہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! مجھے بھی جنگ کی اجازت دیجئے، میں چاہتا ہوں کہ میں بھی لنگڑاتا ہوا گلستان بہشت میں چلا جاؤں، ان کی اس بیقراری سے آپ کا قلب مبارک بہت متاثر ہوا اور آپ نے انہیں جنگ کی اجازت عطا فرما دی، وہ اپنے ایک فرزند کا سہارا لے کر میدان جنگ میں کود پڑے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ اس وقت فرما رہے تھے، خدا کی قسم! میں جنت کا مشتاق ہوں، پھر وہ دونوں باپ بیٹا نام خدا اور نام مصطفیٰ پر نچھاور ہو گئے، جب جنگ ختم ہوئی تو ان کی زوجہ محترمہ میدان میں آئی اور ایک اونٹ پر اپنے بیٹے، بھائی اور شوہر کی لاشیں لاد کر مدینہ منورہ لے جانے کی کوشش کی مگر اونٹ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا، وہ احد کی طرف ہی بھاگ کر جاتا تھا، جب یہ ماجرا حضور پیغمبر نور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا تو آپ نے پوچھا، عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ نے گھر سے نکلتے وقت کونسی دعا کی تھی، عرض کیا کہ وہ یہ دعا کرتے ہوئے گھر سے نکلے تھے، مولا! مجھے اپنے اہل و عیال میں آنا نصیب نہ ہو، آپ نے فرمایا، بس اسی وجہ سے اونٹ مدینہ منورہ کی جانب نہیں جا رہا، ﴿مدارج النبوۃ: ۱۲۴/۲﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ کے نزدیک سات انصار اور دو مہاجر تھے، جب حملہ آور بالکل آپ کے نزدیک آ گئے تو آپ نے فرمایا، کون ہے جو انہیں دفع کرے ہم بشارت سناتے ہیں کہ وہ جنت میں ہمارا رفیق ہوگا، ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، پھر کفار مکہ نے یلغار کر دی تو آپ نے ایسے ہی فرمایا، پھر وہ سات انصار ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تو آپ نے اپنے قریشی ساتھیوں سے فرمایا، ہم نے اپنے انصار کے ساتھ انصاف نہیں کیا، ﴿صحیح مسلم: ۱۰۷/۲﴾ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں انہی دو

قریشی صحابہ نے بھی جوانمردی کے جوہر دکھائے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب سے دعائیں وصول کیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احد کے روز لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے مگر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے، وہ ماہر تیر انداز تھے، بہت کھینچ کر تیر چلاتے تھے، چنانچہ اس دن دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں، نبی اکرم ﷺ کے پاس سے کوئی آدمی تیروں کا ترکش لے کر گزرتا تو آپ فرماتے انہیں ابو طلحہ کے لیے بکھیر دو، جب نبی اکرم ﷺ قوم کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تو ابو طلحہ عرض کرتے، میرے والدین آپ پر قربان ہوں، آپ اپنا سر نہ اٹھائیں کہیں کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینے کے لیے ڈھال ہے، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۱/۲﴾ انہی سے روایت ہے کہ وہ بہت اچھے تیر انداز تھے، وہ اپنا اور نبی اکرم ﷺ کا ایک ہی ڈھال سے دفاع کر رہے تھے، جب وہ تیر چلاتے تو آپ گردن اٹھا کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں گرا ہے، ﴿ایضاً﴾ حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ بھی بڑے جانباز تیر انداز تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے موت کی بیعت کی اور مشرکین سے نہایت زور و شور کے ساتھ دفاع کیا، ﴿الرحیق المختوم: ۳۷۱﴾ اس نازک ترین موقعے پر اللہ تعالیٰ نے غیب سے بھی امداد فرمائی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احد کے روز میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک دو سفید پوش آدمی کھڑے تھے اور آپ کی طرف سے زوردار جنگ کر رہے تھے، میں نے اس کے بعد انہیں کبھی نہ دیکھا، ایک اور روایت میں ہے کہ وہ دونوں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل تھے، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۰/۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حضرت جبریل اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں اور انہوں نے لڑائی کے ہتھیار پہنے ہوئے ہیں۔ ﴿صحیح بخاری﴾

......﴿16﴾......

حوصلہ افزا اور ولولہ انگیز کارناموں سے اہل اسلام کی اجتماعی قوت بحال ہو گئی چنانچہ وہ ایک خونریز جنگ کے بعد گھیرا توڑ کر نرغے سے نکلنے اور ایک مضبوط مرکز کے گرد جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے، اسلامی لشکر کا ایک گروہ جو اگلی صفوں میں جہاد کر رہا تھا، حضور اکرم ﷺ کے گھیراؤ کی خبر سنتے ہی آپ کے قریب آ گیا، ان میں سرفہرست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، ابن حبان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، احد کے روز سارے لوگ نبی اکرم ﷺ سے پلٹ گئے تھے، ﴿یعنی محافظین کے علاوہ تمام صحابہ کرام آپ کو آپ کی قیام گاہ میں چھوڑ کر اگلی صفوں میں چلے گئے تھے، پھر گھیراؤ کے حادثے کے بعد﴾ میں پہلا شخص تھا جو آپ کے پاس پلٹ کر آیا، ﴿زادالمعاد: ۹۵/۲﴾ آگے حضرت طلحہ اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے حوالے سے واقعہ بیان ہو چکا ہے، ان کے بعد حضرت ابودجانہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سہل بن حنیف، حضرت مالک بن سنان، حضرت ام عمارہ، حضرت قتادہ بن نعمان، حضرت عمر بن خطاب، حضرت حاطب بن بلتعہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہم بھی آگئے، ان تمام افراد کے کارنامے آپ مطالعہ کر چکے ہیں، صحابہ کرام میں ایک مرتبہ پھر جذبہ شجاعت پوری طرح بیدار ہو چکا تھا، وہ جوق در جوق اپنے مرکز مہر و وفا کے گرد جمع ہو رہے تھے، جب ان کی تعداد تقریباً تیس افراد پر مشتمل ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے جبل احد کی طرف ہٹنا شروع کر دیا، چونکہ اس واپسی کے یہ معنی تھے کہ مشرکین نے مسلمانوں کو نرغے میں لینے کی جو کارروائی کی تھی وہ بے نتیجہ رہ جائے اس لیے انہوں نے اس واپسی کو روکنے کے لیے اپنے تابڑ توڑ حملے جاری رکھے مگر آپ نے ان کا ہجوم چیر کر راستہ بنا ہی لیا، شیران اسلام کی شجاعت و بسالت کے سامنے ان کا ہر حربہ ناکام ہوگیا، کرشمہ قدرت دیکھئے کہ اس مار دھاڑ کے دوران مسلمانوں کو نیند کی جھپکیاں بھی آرہی تھیں، جیسا کہ قرآن پاک نے بھی ذکر فرمایا ہے:

> ”ثم انزلنا علیکم من بعد الغم امنة نعاساً یغشیٰ طائفة منکم “یعنی پھر اتاری اللہ نے تم پر راحت غم کے بعد اور تم میں سے ایک گروہ پر غنودگی طاری ہونے لگی، ﴿آل عمران: ۱۵۴﴾

یہ غنودگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن و طمانیت کا پیغام تھی، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا جن پر نیند چھا رہی تھی، یہاں تک کہ میرے ہاتھ سے تلوار کئی بار گر گئی، حالت یہ تھی کہ وہ گرتی تھی اور میں پکڑتا تھا، پھر گرتی تھی اور میں پکڑتا تھا، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۲/۲﴾

اس طرح جانبازی اور جانسپاری کے ساتھ ایک دستہ پہاڑ کی گھاٹی میں جا پہنچا اور باقی لشکر کے لیے محفوظ مقام تک پہنچنے کا راستہ بنا دیا، چنانچہ باقی لشکر بھی آپ کے پاس

آ گیا اور خالد بن ولید کی فوجی عبقریت رسول اللہ ﷺ کی فوجی عبقریت کے سامنے ناکام ہوگئی، بعض روایات میں آتا ہے کہ ابی بن خلف کا واقعہ گھاٹی میں پہنچنے کے بعد پیش آیا جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے، پہاڑ کی طرف واپسی کے دوران ایک چٹان آ گئی، آپ بھاری بدن، دوہری زرہ اور سخت چوٹوں کی وجہ سے نہ چڑھ سکے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے اور آپ کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے، اس طرح آپ چٹان پر پہنچ گئے، آپ نے خوش ہو کر فرمایا: طلحہ نے جنت واجب کر لی ہے، ﴿سیرت ابن ہشام: ۸۶/۲﴾ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب آپ گھاٹی میں پہنچ گئے تو ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں ایک تیز رفتار دستہ اوپر چڑھ آیا، آپ نے دعا فرمائی، اے اللہ! تیرے سوا ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں اور ان لوگوں کے بغیر اس شہر میں تیرا کوئی عبادت گزار نہیں، تو ان مسلمانوں کو ختم نہ ہونے دے اور ان کافروں کو اوپر نہ چڑھنے دے، ﴿سبل الھدیٰ: ۳۱۱/۴﴾ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کرام کی جماعت نے لڑ کر انہیں نیچے اترنے پر مجبور کر دیا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۸۶/۲﴾ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ ﴿کچھ لوگ﴾ پہاڑ پر چڑھنے لگے تو آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا، ان کے حوصلے پست کر دو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں تنہا ان کے حوصلے کیسے پست کروں، اس پر آپ نے تین بار یہی بات دہرائی، بالآخر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک تیر نکالا ﴿یہ بھی ایک ہی تیر تھا﴾ اور ایک شخص کو مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اس طرح اسی تیر کو حاصل کر کے ایک اور شخص کو نشانہ بنایا تو وہ بھی وہیں دم توڑ گیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ تیر مبارک ہے، اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا پھر یہ تیر ساری زندگی ان کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد کے پاس رہا، ﴿زادالمعاد: ۹۵/۲﴾ بعد ازاں سب کافر پہاڑ سے نیچے اترے، یہ آخری حملہ تھا جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ذات پر کیا تھا، چونکہ انہیں آپ کے انجام کا صحیح علم نہ تھا، ابوسفیان آپکی شہادت کی تصدیق کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے گروہ قریش سے پوچھا، تم میں سے کس نے محمد مصطفےٰ کو شہید کیا ہے، ابن قمئہ نے کہا، میں نے، اس نے کہا جس طرح اہل عجم کے سربراہ اپنے بہادروں کو سونے کے کڑے پہناتے ہیں، ہم بھی تمہیں سونے کے کڑے پہنائیں گے، پھر اس نے ابو عامر

فاسق کے ہمراہ سارے میدان احد کا چکر لگایا اور مقتولین میں آپ کے جسم اقدس کو تلاش کیا مگر آپ نہ ملے تو کہنے لگا، ابن قمئہ جھوٹ بولتا ہے، پھر اس نے خالد بن ولید سے پوچھا تو اس نے کہا، ابھی کچھ دیر پہلے میں نے انہیں اپنے صحابہ کے ہمراہ پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس نے کہا، خالد! تمہارا بیان درست ہے، ابن قمئہ واقعہ ہی جھوٹ بولتا ہے کہ اس نے ان کو شہید کر دیا ہے۔ ﴿الامتاع: ۱/۱۴۷﴾

......﴿17﴾......

حضور اکرم ﷺ محفوظ پناہ گاہ میں تشریف فرما ہوئے تو سب جان نثاران نبوت بھی ادھر ادھر سے سمٹ کر آپ کی بارگاہ میں پہنچ گئے، آپ کا چہرہ انور زخمی تھا، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جو کہ مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں، آپ کے پاس پہنچ گئیں، آپ کے گلے لگیں اور بعد ازاں آپ کے زخم دھونے لگیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانی ڈال رہے تھے اور وہ خون صاف کر رہی تھیں، خون تیزی سے بہتا جا رہا تھا، حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا اجلا کر راکھ زخموں پر چھڑکی تو خون بند ہو گیا، ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۸۴﴾ زخموں کی شدت کی وجہ سے آپ نے نماز ظہر بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ کرام نے بھی آپ کی امامت میں بیٹھ کر پڑھی کیونکہ وہ بھی تو زخموں سے نڈھال تھے، ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چشمہ احد سے پانی لا کر پیش کیا تو آپ نے قدرے ناگوار بو کی وجہ سے پانی نہ پیا، البتہ اس سے چہرے کا خون دھولیا اور کچھ اپنے سر اقدس پر ڈال لیا، اس حالت میں آپ نے فرمایا، اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہو جس نے اس کے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا، ﴿ایضاً﴾ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خوش ذائقہ پانی پیش کیا تو آپ نے نوش فرمایا اور خوش ہو کر دعا عطا فرمائی، ﴿سیرت حلبیہ: ۲/۳۰﴾ کچھ مسلمان عورتیں بھی میدان احد میں پہنچی ہوئی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشکیزہ لا کر زخمیوں کے منہ میں پانی ڈال رہی تھیں، ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۸۱﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احد کے روز حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا ہمارے لیے مشکیزے بھر بھر کر پانی لا رہی تھیں، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا لافانی کردار بھی ناقابل فراموش ہے۔

﴿18﴾

جب جنگ ختم ہوگئی تو کفار مکہ کی وحشی عورتیں شہدائے اسلام کے مثلے میں مشغول ہوگئیں ، انہوں نے شہدائے اسلام کے کان ، ناک وغیرہ کاٹ لیے ، پیٹ چاک کر دیئے ، اور بھی بے حرمتی کرتی رہیں جسطرح ہند بنت عتبہ کا واقعہ گزر چکا ہے ، بعدازاں کفار مکہ نے واپسی کی تیاری شروع کر دی ، اس موقعہ پر ابوسفیان جبل احد پر نمودار ہوا اور بلند آواز سے بولا ، کیا تم میں محمد مصطفےٰ موجود ہیں ، لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا ، اس نے پوچھا کیا تم میں ابوقحافہ کا فرزند ابوبکر موجود ہے ، لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا ، اس نے تیسری بار چلا کر پوچھا ، کیا تم میں عمر بن خطاب موجود ہے ، لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے روک دیا تھا ، اس نے مکمل خاموشی دیکھی تو بولا ، چلو یہ تینوں تو رخصت ہوئے ، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا ، انہوں نے گرج کر جواب دیا ، اے اللہ کے دشمن ! یہ تینوں زندہ اور موجود ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے ، ابو سفیان نے کہا ، تمہارے مقتولوں کا مثلہ ہو چکا ہے لیکن میں نے اس کام کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کا برا منایا ہے ، پھر اس نے نعرہ لگایا ، اعل ھبل ھبل سر بلند ہو ، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ، تم لوگ جواب نہیں دیتے ، صحابہ کرام نے عرض کیا ! ہم کیا جواب دیں ، آپ نے فرمایا ، تم کہو کہ اللہ اعلیٰ و اجل ، اللہ ہی بلند و برتر ہے ، ابوسفیان نے نعرہ لگایا ، لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم ، ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے عزیٰ نہیں ، آپ نے فرمایا : تم جواب دو ، اللہ مولانا ولا مولا کم ، اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ، بعد ازاں ابوسفیان نے کہا ، آج کا دن بدر کے دن کا انتقام ہے اور لڑائی ڈول ہے ﴿یعنی کبھی ایک فریق فتح یاب ہوتا ہے اور کبھی دوسرا جیسے ڈول کبھی ایک کھینچتا ہے اور کبھی دوسرا﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ، یہ معاملہ ایک جیسا نہیں کیونکہ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں ہیں ، ابوسفیان کہنے لگا ، اے عمر ! میرے قریب آؤ ، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچ گئے ، اس نے کہا ، اے عمر ! میں خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ کیا واقعی ہی ہم نے محمد مصطفےٰ کو شہید کر دیا ہے ، انہوں نے جواب دیا ، اللہ کی قسم نہیں ، بلکہ وہ تمہاری گفتگو کو سماعت فرما رہے ہیں ، ابوسفیان نے کہا ، تم میرے

نزدیک ابوقمیہ کے بدلے زیادہ راست باز ہو، ﴿سیرت ابن ہشام: ۹۴/۲﴾ پھر اس نے کہا کہ آئندہ سال میدان بدر میں جنگ کا وعدہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا، تم اس کو سنا دو کہ بالکل ٹھیک ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان یہ وعدہ طے رہا، ﴿ایضاً﴾ اس باہمی گفتگو کے بعد ابوسفیان نے روانگی کا حکم صادر کر دیا، مشرکین مکہ بزعم خود فتح یاب ہو کر میدان احد سے نکلنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا بروایت دیگر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا کہ جا کر دیکھو وہ کیا کر رہے ہیں، اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں تو سمجھنا ان کا ارادہ مکہ مکرمہ کی طرف ہے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو سمجھنا وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، پھر فرمایا کہ مجھے اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ مدینہ منورہ کی طرف گئے تو میں ان سے جنگ کروں گا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جا کر دیکھا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہیں اور مکہ مکرمہ کا رخ ہے، ﴿ایضاً﴾ اس موقعہ پر حضور مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد قریش کبھی ہم پر کامیاب نہ ہو سکیں گے، ان شاء اللہ ہمیں مکہ مکرمہ کی فتح نصیب ہو گی، ﴿مدارج النبوۃ: ۲۲۷/۲﴾ ابن اسحاق کے مطابق کفار کے مقتولین کی تعداد بائیس تھی لیکن دیگر اہل مغازی کے حساب سے تعداد سینتیس ۳۷ کے قریب ہے۔

شہیدان احد کی ناز برداری:

وہ پیکران محبت ہزار ہا عزت واحترام کے لائق تھے جنہوں نے محبوب خدا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس رسالت پر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی خبر گیری اور ناز برداری کا حکم صادر فرمایا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ نے مجھے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی تلاش کے لیے بھیجا اور فرمایا اگر وہ دکھائی دیں تو انہیں میرا سلام پہنچا کر کہنا، اللہ کے رسول نے پوچھا ہے کہ تمہارا کیا حال ہے، جب میں نے مقتولان احد کے درمیان ان کو تلاش کر لیا اور دیکھا کہ ان کے جسم پر ستر زخم لگے ہوئے تھے اور آخری سانس لے رہے تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ کا سلام اور پیغام پہنچا دیا تو فرمانے لگے، حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں میرا بھی سلام عرض کرنا اور پیغام پہنچانا کہ میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور قوم انصار سے کہنا کہ اگر تمہاری ایک آنکھ

بھی ہلتی رہی اور دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا، پھر اسی وقت ان کی روح پرواز کر گئی، ﴿زاد المعاد:۲/۹۶﴾

مسلمانوں نے اپنے زخمیوں میں اصیرم عمرو بن ثابت کو بھی دیکھا تو بہت حیران ہوئے کیونکہ ان کو پہلے دعوت اسلام دی جاتی تھی تو وہ قبول نہیں کرتے تھے، اس لیے انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آگئے، ہم نے تو تمہیں دین اسلام کا منکر چھوڑا تھا، اب تمہیں یہاں قوم کی حمایت لے آئی ہے یا اسلام کی رغبت لے آئی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ اسلام کی رغبت لے آئی ہے، دراصل میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور پھر یہاں آکر جنگ کی اور اب اس حالت زار سے دوچار ہوں، پھر روح بھی پرواز کر گئی، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا، وہ اہل جنت میں سے ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک بھی نماز نہیں پڑھی تھی، ﴿ایضاً﴾ یعنی ادھر اسلام قبول کیا اور جنگ کی نوبت پیش آگئی کسی نماز کا وقت آیا ہی نہ تھا کہ شہید ہوگئے۔

شدید زخمی ہونیوالوں میں بنو ثعلبہ کا ایک یہودی مخیریق بھی تھا، جب جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے تو اس نے اپنی قوم سے کہا، اے گروہ یہود! خدا کی قسم! تم پر محمد مصطفےٰ ﷺ کی مدد فرض ہے، یہودیوں نے کہا آج یوم سبت ہے، اس نے کہا، تمہارے لیے کوئی سبت نہیں، پھر اس نے اپنا سامان جنگ لیا اور کہا کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرا سارا مال محمد مصطفےٰ ﷺ کی ملکیت ہوگا، وہ اس کو جیسے چاہیں گے استعمال کریں گے، پھر وہ میدان جنگ میں پہنچا اور لڑتے ہوئے مارا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا، مخیریق یہود میں اچھا انسان تھا۔ ﴿ابن ہشام:۲/۸۸﴾

اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی شہدائے اسلام کا معائنہ فرمایا اور فرمایا کہ میں ان عظیم لوگوں کے حق میں گواہ رہوں گا، جو شخص بھی راہ خدا میں زخمی ہوا، اسے خدا تعالیٰ اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون جاری ہوگا اور اس سے مشک کی خوشبو آرہی ہوگی۔

کچھ صحابہ کرام اپنے شہدا کو اٹھا کر مدینہ منورہ لے گئے اور آپ نے ان کو واپس لاکر ان کی شہادت گاہ پر دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ ان کے ہتھیار اور پوستین

کے لباس اتار لو اور بغیر غسل کے قبروں میں اتار دو، آپ ایک قبر میں دو دو اور تین تین شہدا کو دفن کر رہے تھے، دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹ رہے تھے، حضرت عبداللہ بن جحش اور امیر حمزہ، حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں اتارا گیا۔

حضرت امیر حمزہ کا حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ بہت غمگین ہوئے، ان کی ہمشیرہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا ان کو دیکھنے کے لیے آئی تو آپ نے ان کے بیٹے حضرت زبیر سے فرمایا، اپنی والدہ کو واپس لے جاؤ، وہ اپنے بھائی کا یہ حال برداشت نہیں کر سکیں گی،، حضرت صفیہ نے کہا، آخر ایسا کیوں، مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کے جسم اقدس کا مثلہ کیا گیا ہے، لیکن سب کچھ اللہ کے راستے میں ہوا ہے، ہم اس پر راضی ہیں، میں ثواب سمجھتے ہوئے ضرور صبر و استقامت کا مظاہرہ کروں گی، بعد ازاں وہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب آئیں، زیارت کی، انا للہ پڑھا اور مغفرت کی دعا مانگی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسقدر روتے کبھی نہیں دیکھا کہ جتنا وہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ پر روئے، یہاں تک کہ آپ کی آواز بلند ہوگئی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۵۵﴾ آپ نے ان کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا، آپ پر رحمت خدا نازل ہو، آپ نیکیاں اور صلہ رحمی کرنے والے تھے اور پھر فرمایا کہ مبارکباد ہو ابھی جبریل نے آکر بتایا ہے کہ آسمانوں میں امیر حمزہ اللہ اور اس کے رسول کے شیر کے نام سے مشہور ہے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک سیاہ دھاری دار چادر کے سوا کوئی کفن نہ مل سکا، یہ چادر سر پر ڈالی جاتی تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں پر ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا، بالآخر سر کو ڈھانپ کر پاؤں کو اذخر گھاس سے ڈھانپ دیا گیا، ﴿مشکوٰۃ: ۱/۱۴۰﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ان کے لیے دو چادریں لائی تھیں، ایک چادر ایک انصاری بھائی کو دے دی گئی، جس کی لاش بے کفن پڑی ہوئی تھی، اس لیے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی چادر میں کفنایا گیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۷۹﴾ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا اور ان کا لقب غسیل الملائکہ مشہور ہو گیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات سروری سے نوازا گیا ہے، ان کو مردہ کہنا تو کجا مردہ گمان کرنا بھی حرام ہے، ان کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت

سنائی گئی ہے، یہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے، میدان احد میں ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا، ان میں بھاری اکثریت انصار مدینہ کی تھی، ۴۱ افراد خزرج اور ۲۴ افراد اوس سے تعلق رکھتے تھے، چار افراد کا تعلق مہاجرین سے تھا جبکہ ایک آدمی یہود سے قتل ہوا۔

عالی شان خطاب اور مراجعت:

شہدائے اسلام کی خبر گیری اور ناز برداری کے بعد حضور سراپا نور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع ہونے کا حکم دیا تا کہ اللہ بزرگ و برتر کی حمد بیان کی جائے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے عالی شان خطاب فرمایا:

''اے اللہ! تمام تعریف تیرے لیے ہے، جس چیز کو تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا، جس شخص کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جس شخص کو تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، جس چیز کو تو روک دے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز کو تو قریب کر دے اسے کوئی دور نہیں کر سکتا، اے اللہ! تو ہمارے اوپر اپنی رحمت، برکت، فضل اور رزق وسیع کر دے، اے اللہ! میں تجھ سے لازوال نعمت کا سوال کرتا ہوں، جو نہ ٹلے اور نہ ہی ختم ہو سکے، اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرمایا اور جو کچھ عطا نہیں فرمایا، دونوں کے شر سے تیری پناہ کا طلبگار ہوں، اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دے، اسے ہمارے دلوں میں خوش نما بنا دے اور کفر و فسق اور نافرمانی کو ناگوار بنا دے اور ہمیں اپنے ہدایت یافتہ بندوں میں شمار فرما دے، اے اللہ! ہمیں مسلمان رکھتے ہوئے وفات دے اور مسلمان رکھتے ہوئے زندگی دے، رسوائی اور فتنہ انگیزی کے بغیر ہی صالحین میں شامل فرما، اے اللہ! تو ان کافروں کو مار، ان پر سختی اور عذاب نافذ کر جو تیرے پیغمبر کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے راستے سے روکتے ہیں اور ان کافروں کو بھی مار جن کو کتاب دی گئی ہے، اے خدائے برحق! اس دعا کو قبول فرما، ﴿مسند احمد: ۴۲۴/۳ ۔ سبل الہدیٰ: ۲۳۳/۴﴾

بعد ازاں آپ نے صحابہ کرام کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی، دوران راہ صحابیات سے جان سپاری کے بہت عجیب واقعات ظہور میں آئے، راستے میں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی تو انہیں ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی، انہوں نے انا للہ کی تلاوت کی اور دعائے مغفرت مانگی، پھر ان کے ماموں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو ایسا ہی کیا، اس کے بعد جب ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو بہت غمناک انداز سے رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، واقعی عورت کا شوہر اس کے نزدیک ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ ﴿ابن ہشام: ۹۸/۲﴾

مراجعت کے دوران بنو دینار کی ایک خاتون سے صحابہ کرام کی ملاقات ہوئی جسکا شوہر، بھائی اور والد جام شہادت نوش کر چکے تھے، جب اسے ان قریبی رشتوں کی جدائی کی خبر سنائی گئی تو اس نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے، لوگوں نے جواب دیا، اے ام فلاں! حضور بخیر ہیں اور خدا کا شکر ہے جیسے تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں، خاتون نے کہا، ذرا مجھے زیارت تو کرادو، میں بھی آپ کا وجود مبارک دیکھ لوں، لوگوں نے اشارے سے بتایا تو زیارت رخ مصطفےٰ ﷺ سے شادکام ہوتے ہیں کہنے لگی کل مصیبۃ بعدک جلل آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے، ﴿سیرت ابن ہشام: ۹۶/۲﴾ اسی طرح ایک اور انصاریہ خاتون کے الفاظ ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ میرے والدین آپ پر قربان ہوں، جب آپ بخیریت ہیں تو مجھے کوئی فکر نہیں ہے کہ کون دنیا سے رخصت ہوا ہے، ﴿سبل الھدیٰ: ۳۳۵/۴﴾ ایک خاتون نے بتایا کہ تمہارے خاوند اور بیٹے نے جام شہادت نوش کیا ہے تو اس نے کہا، انہیں چھوڑ دو پہلے یہ بتاؤ کہ حضور محبوب خدا کا کیا حال ہے، انہوں نے کہا، آپ تو بالکل خیریت سے ہیں، اس نے جواب دیا، پھر مجھے کسی کا غم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو شہادت عطا فرمایا کرتا ہے، ﴿ایضاً﴾

محمد ﷺ ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر ، مادر برادر ، جان مال اولاد سے پیارا

راستے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ دوڑ کر آپ کی خدمت اقدس میں

حاضر ہوئیں، اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی، وہ کہنے لگے، یارسول اللہ! یہ میری والدہ ہیں، آپ نے فرمایا، ان کو خوش آمدید کہو، اس کے بعد ان کے استقبال کے لیے ٹھہر گئے، پھر آپ نے ان کے لخت جگر حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تعزیت فرمائی، انہیں تسلی آمیز کلمات سے نوازا اور صبر و ہمت کی تلقین فرمائی، وہ بولیں، یارسول اللہ! جب میں نے آپ کی زیارت کر لی ہے اور آپ کو بخیر و سلامت دیکھ لیا ہے تو اب میرے لیے ہر مصیبت ہیچ ہے، آپ نے شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا، اے ام سعد! تم خوش ہو جاؤ اور سب لوگوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان کے شہدا کرام جنت میں ہیں اور اپنے اہل خانہ کے متعلق ان کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے، وہ بولیں، یارسول اللہ! ان کے لواحقین کے لیے بھی دعا کیجئے، آپ نے دعا فرمائی، اے اللہ! ان کے دلوں کا غم دور فرما، ان کے دکھ کا بدل عطا فرما اور پسماندگان کی بہترین نگہداشت فرما۔ ﴿سیرت حلبیہ: ۲/۴۷﴾

مدینہ منورہ کے احوال:

تمام اہل مدینہ کی نگاہیں غزوہ احد پر مرکوز تھیں، وہ بہت بیقراری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ انہیں احد کے قیامت خیز لمحات کی خبر ہو چکی تھی، جب آپ کا مرکب اقدس بنو عبد الاشہل کی آبادی سے گزرا تو ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اپنے شہدا کرام کے درد فراق کی وجہ سے گریہ زن تھے کیونکہ اس قبیلے کے زیادہ لوگ شہادت سے سرفراز ہوئے تھے، حضور رحمت عالمیان ﷺ کی چشمان مبارک بھی آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، آپ نے فرمایا، میرے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں، انصار مدینہ نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے، انہوں نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدۂ نبوت پر جا کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے گریہ زنی کرو، پھر جب آپ اپنے دولت کدۂ نبوت پر پہنچ گئے تو دیکھا کہ دروازے پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی اور وہ سب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے نوحہ زنی کر رہی تھیں، آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور فرمایا، میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں لیکن فوت شدگان پر اس طرح نوحہ زنی جائز نہیں، عرب میں دستور تھا کہ مردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں، کپڑے پھاڑ لیتی تھیں، گال نوچتی تھیں، گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں، یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی

اور فرمایا گیا، آج سے کسی فوت شدہ پر نوحہ نہ کیا جائے، ﴿مسند احمد: ۸۲/۲﴾ یہ بھی بعد میں ارشاد ہوا کہ اس طرح کا ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں، ﴿صحیح بخاری﴾ ۷ اور ۸ شوال المکرم یعنی ہفتے اور اتوار کی درمیانی رات بہت ہنگامی حالات میں بسر ہوئی، آپ سر شام ہی اپنے کاشانہ رسالت میں جلوہ افروز ہوئے اور اپنی تلوار حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمائی اور حکم دیا، بیٹی، اس پر لگا ہوا خون دھوڈالو، خدا کی قسم! یہ میرے لیے بہت صحیح ثابت ہوئی ہے، پھر حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار پکائی اور کہا، فاطمہ! اسکو بھی دھوڈالو، خدا تعالیٰ کی قسم! یہ بھی بہت صحیح ثابت ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے علی! اگر تم نے جنگ کرنے کا حق ادا کر دیا ہے تو تمہارے ساتھ سہل بن حنیف اور ابو دجانہ نے بھی حق ادا کر دیا ہے، ﴿ابن ہشام: ۱۰۰/۲﴾ ایک روایت میں حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت حارث بن صمہ کے اسما بھی مذکور ہیں کہ انہوں نے بھی شجاعت کے جوہر دکھائے ہیں، ﴿سبل الھدیٰ: ۳۳۶/۴﴾

نماز مغرب کے لیے آپ تشریف لائے تو حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لے رکھا تھا، بعد ازاں حجرہ مقدسہ میں واپسی ہوئی تو عورتوں نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کی اور آنسو بہائے، پھر نماز عشاء تک آپ نے آرام فرمایا، طبیعت مبارکہ میں کافی افاقہ محسوس ہونے لگا حتیٰ کہ آپ سہارے کے بغیر نماز عشاء کے لیے تشریف لائے اور انصار کی عورتوں کو یہ دعا دے کر رخصت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہاری اولاد پر راضی ہوا، ساتھ ہی اس طرح کی نوحہ طرازی پر ہمیشہ کے لیے پابندی عائد فرما دی جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، نماز عشاء ادا فرمائی تو صحابہ کرام نے دورویہ صفیں تیار کر لیں اور آپ درمیان سے گزر کر اپنے کاشانہ رسالت میں تشریف لے گئے، پھر ساری رات اوس و خزرج کے عظیم افراد آپ کے دروازے پر بیٹھ کر پہرہ دیتے رہے، اسی طرح انہوں نے راستوں اور گزرگاہوں کی بھی حفاظت کی کہ کہیں کفار مکہ کی جانب سے اچانک حملہ نہ ہو جائے۔

اہل اسلام کے گھروں میں درد و آلام کے سائے تھے مگر یہودیوں اور منافقوں کے گھروں میں مسرت کا سماں تھا، انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق طرح طرح کی ہرزہ سرائی کرنا شروع کر دی تھی، عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا، اسکا بیٹا عبداللہ صحیح

مسلمان تھا، وہ اس جنگ میں شدید زخمی ہو کر گھر پہنچا تو اس نے طعنہ زنی شروع کر دی کہ مجھے اس جنگ کے انجام کا علم تھا، افسوس انہوں نے نادان بچوں کی بات مان لی مگر میرے جیسے دانشور کا مشورہ قبول نہ کیا، تم نے ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہو کر عقلمندی نہیں کی اور اس کے گھر والے رات بھر آگ جلا کر اس کے زخموں کو سہلاتے رہے اور وہ طعن و تشنیع کے پتھر برساتا رہا، مگر مومن برحق بیٹا اس کی ہر ہرزہ سرائی کا یہی جواب دیتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق ﷺ اور ان کے غلاموں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس میں کوئی بہتری پائی جاتی ہے، ادھر یہودیوں نے بھی خوب تماشا لگا رکھا تھا، وہ مسلسل کہے جا رہے تھے کہ اگر یہ نبی برحق ہوتے تو ان کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا، نہ یہ خود زخمی ہوتے اور نہ ہی ان کے صحابہ قتل ہوتے، یہ تو بادشاہت کے طلبگار دکھائی دیتے ہیں، ورنہ خدا تعالیٰ ان کی ضرور امداد کرتا اور مشرکین مکہ کے ہاتھ روک لیتا، منافقوں کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا جائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان تمام ہرزہ سرائیوں اور سازشوں کو دیکھ کر جلال میں آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے ان گستاخ یہودیوں اور منافقوں کے قتل کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا کیونکہ یہودیوں سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے اس لیے میں ان کے قتل کا حکم نہیں دیتا، انہوں نے عرض کیا کہ منافقوں کے ساتھ تو ہمارا کوئی معاہدہ نہیں ہے، لہٰذا ان کے قتل کی اجازت دیجیے، آپ نے فرمایا، وہ زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں، انہوں نے عرض کیا وہ دل سے تو کلمہ نہیں پڑھتے، ان کے دلوں کا بغض اور عناد اب ظاہر ہو چکا ہے، آپ نے فرمایا، عمر! مجھے کلمہ پڑھنے والوں کے قتل سے روکا گیا ہے، آج کے بعد کفار ہمیں اس طرح کا نقصان نہ پہنچا سکیں گے، (سبل الہدیٰ: ۲۲۸/۴) تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضور مخبر صادق ﷺ کی یہ خبر غیب حرف بحرف پوری ہو کر رہی، اس کے بعد مسلمان ہر میدان میں سرخرو رہے اور کفار کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

معرکہ احد پر تبصرہ:

معرکہ احد کے حوالے سے بعض سیرت نگاروں نے کچھ غیر محتاط رویے کا اظہار کرتے ہوئے صحابہ کرام کے لیے ''بھگوڑے'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور بعض نے طویل

مباحث کا سلسلہ شروع کیا ہے کہ کیا مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے یا نہیں، ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جو صحابہ رسول اکرم ﷺ کے ہمرکاب میدان احد میں داخل ہوئے ان میں کوئی بھی جان نثاری اور وفا شعاری کے اعتبار سے کم نہیں تھا، سب کے سب عشق ومحبت کے روشن مینار تھے، جبل رماۃ کے تیراندازوں سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا تو جنگ کی نوعیت قدرے تبدیل ہوگئی لیکن اس مرحلے کے حقائق وآثار کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا نامناسب ہوگا کہ مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا یا صحابہ کرام راہ فرار اختیار کر گئے، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی بالکل غیر متوقع خبر سنی تو عشق ومحبت کے ان مستانوں کی دنیا اندھیر ہوگئی، بعدازاں وہ سب دوبارہ سنبھل گئے اور اپنے مرکز محبت کے اردگرد جمع ہوگئے اور جانوں کے نذرانے پیش کیے، کفار مکہ میں جرأت نہیں تھی کہ وہ مسلمانوں کے کیمپ پر قبضہ کر سکتے، کوئی مسلمان قیدی نہیں بنا، کفار نے کوئی مال غنیمت حاصل نہیں کیا، ان میں مزید حملے یا میدان جنگ میں دو، تین دن ٹھہرنے کی سکت نہ ہوسکی، حالانکہ اس زمانے میں فاتحین کا یہی دستور تھا، انہوں نے مسلمانوں کا تعاقب بھی نہیں کیا بلکہ خود واپس مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے اور مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ خالی کر دیا، انہیں مدینہ منورہ کی طرف میلی آنکھ کر کے دیکھنے کی جرأت نہ ہوسکی حالانکہ یہ شہر بالکل تھوڑے فاصلے پر تھا اور ایک دم کھلا پڑا تھا، فوج سے خالی تھا اور راستے میں بھی کوئی رکاوٹ نہ تھی، ان ساری باتوں کا ماحصل یہی ہے کہ قریش مکہ کو زیادہ سے زیادہ یہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ایک وقت موقعے سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ذرا سخت قسم کی زک پہنچا دی ورنہ اسلامی لشکر کو نرغے میں لینے کے بعد اسے کلی طور پر قتل یا قید کر لینے کا فائدہ انہیں جنگی نقطہ نظر سے لازماً حاصل ہونا چاہیے تھا اس میں وہ ناکام رہے اور اسلامی لشکر قدرے بڑے خسارے کے باوجود نرغہ توڑ کر باہر نکل گیا اور اس طرح کا خسارہ تو بہت سی دفعہ خود فاتحین کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس لیے اس معاملے کو مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ واپسی کے لیے ابوسفیان کی عجلت اس بات کی غماز ہے کہ اسے خطرہ تھا کہ اگر جنگ کا تیسرا دور شروع ہوگیا تو اس کا لشکر سخت تباہی اور شکست سے دوچار ہوسکتا ہے، ﴿الرحیق المختوم: ۳۹۰﴾ اس معرکے کے متعلق قرآن پاک کا تبصرہ نہایت حقیقت افروز ہے:

تم قوم مشرکین کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو، اگر تم تکلیف محسوس کر رہے ہو تو وہ بھی تمہاری طرح تکلیف محسوس کر رہے ہیں اور تم جس چیز کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہو اس کی وہ امید نہیں رکھتے، ﴿سورۃ النساء:۱۰۴﴾

اس آیت کریمہ میں دونوں لشکروں کی یکساں تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے لہذا کسی ایک لشکر کو شکست و ہزیمت کا شکار قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ امید مغفرت کے حوالے سے مسلمان یہاں بھی کامیاب و کامران رہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مواہب میں بعض علما سے منقول ہے کہ جو کہے کہ حضور اکرم ﷺ کو شکست و ہزیمت ہوئی اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے کیونکہ آپ یقین کامل پر گامزن تھے، لہذا ہزیمت کی نسبت آپ کی طرف کرنا یقین کی نفی کو مستلزم ہے اور یہ موجب کفر ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۱۹۱/۲﴾ اس طرح معرکہ احد کی آڑ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تنقید کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ جن چند صحابہ کرام سے خطائے اجتہادی نمودار ہوئی تو ان کو خدا تعالیٰ نے معاف فرما دیا جسکا ذکر واضح طور پر موجود ہے:

"ولقد عفا عنكم والله ذو فضلٍ على المومنين"

اور بے شک اس نے تمہیں معاف فرما دیا اور اللہ مومنوں پر بہت فضل کرنے والا ہے، ﴿آل عمران:۱۵۲﴾

قرآن پاک میں معرکہ احد میں پوشیدہ حکمتوں کو بھی واشگاف کیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"ما كان الله ليذر المومنين علىٰ ما انتم عليه حتّٰى يميز الخبيث من الطيب"

ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ایسی حالت پر چھوڑ دے کہ جس پر تم ہو، یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ ﴿لوگوں﴾ سے الگ کر دے، ﴿آل عمران:۱۷۹﴾

گویا اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا ہے کہ اس معرکہ حق و باطل سے منافقین مدینہ کی اندرونی منافقت کھل کر سامنے آ گئی اور وہ اہل اسلام کی پاکیزہ جماعت سے بالکل جدا ہو گئے، حضرت امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید حکمتوں پر روشنی ڈالی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو پیش آنے والی تکلیف میں بڑی عظیم حکمتیں اور فوائد موجود تھے، مثلاً ان کو

ارتکاب نہی کی نحوست سے آگاہ کیا گیا کیونکہ تیراندازوں کو اپنے مرکز پر ڈٹے رہنے کا جو حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا انہوں نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چھوڑ دیا، پھر اس تکلیف میں پیغمبروں کی تکلیف کا اظہار بھی ہوا کہ ابتدا میں ان کو تکلیف اٹھانا پڑتی ہے مگر آخر کار وہی کامیاب ہوتے ہیں، اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ہی کامیابی حاصل ہو تو اہل ایمان کی صفوں میں وہ لوگ بھی گھس آئیں گے جو صاحب ایمان نہیں، پھر صادق اور کاذب میں تمیز نہ ہو سکے گی اور اگر صرف ابتلا ہی سے دوچار ہوں تو ان کی بعثت کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا، اس لیے حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتیں پیش آئیں تا کہ صادق اور کاذب میں تمیز ہو جائے، منافقوں کا نفاق پوشیدہ تھا، جب یہ واقعہ پیش آیا اور انہوں نے اپنے قول و فعل کا اظہار کیا تو اشارہ صراحت میں بدل گیا، لہذا مسلمان ان سے نمٹنے کے لیے مستعد ہو گئے اور ان کی طرف سے محتاط رہنے لگے، یہ بھی حکمت کارفرما تھی کہ کچھ درجات ایسے ہوتے ہیں جہاں تک اعمال کی رسائی نہیں ہوتی، ان درجات تک رسائی ابتلا کے اسباب کی وجہ سے مقرر ہے، یہ حکمت بھی کارفرما تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو شہادت کے اعلیٰ منصب پر فائز کرنا چاہتا تھا، یہ حکمت بھی کارفرما تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا لہذا ان کے لیے اس کے اسباب بھی فراہم کر دیئے، یعنی کفر و ظلم اور اولیا اللہ کی ایذاء رسانی میں حد سے بڑی ہوئی سرکشی پھر ان کے اسی عمل کے نتیجے میں اہل ایمان کو گناہوں سے پاک وصاف کر دیا اور کافروں کو ہلاک و برباد کر دیا، ﴿ملخصا فتح الباری: ۳۴۷/۷﴾

جنگ احد میں مسلمانوں کی اس اذیت و پریشانی کی وجہ سے بعد کے واقعات و حالات پر بھی بہت سے اثرات مرتب ہوئے جن کی بدولت ان کی داخلی اور خارجی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا، مدینہ منورہ پر ہر طرف سے خطرات منڈلانے لگے، یہودی، منافقین اور عرب قبائل کھل کر عداوت کا اظہار کرنے لگے اور ہر کوئی مسلمانوں کو ہزیمت سے دوچار کرنے کی کوشش کرنے لگا، جیسا کہ بنو اسد نے مدینہ منورہ پر چھاپہ مارنے کی تیاری کی، بنو عضل اور بنو قارہ نے دس صحابہ کرام اور بنو عامر نے ستر صحابہ کرام شہید کر دیئے، بنو نضیر بھی سرعام دشمنی پر کمربستہ ہو گئے یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی

کوشش کی،، بنو غطفان نے بھی مدینہ منورہ پر چڑھائی کا منصوبہ تیار کیا، ان تمام طوفانوں اور آندھیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حضور پیغمبر نور ﷺ نے خداداد حکمت عملی کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ دشمنوں کے تمام ارادے خاک میں مل گئے اور مسلمانوں کی پہلے جیسی ہیبت دوبارہ برقرار ہوگئی، آپ کے ان اقدامات کا تفصیل کے ساتھ ذکر اگلے عنوانات کی صورت میں رقم کیا جائے گا، جنگ احد سے بہت سے فقہی مسائل بھی اخذ ہوئے، جن کی روشنی میں اہل اسلام اپنے ہنگامی حالات کو بہتر طریقے سے نپٹا سکتے تھے:

⊙...... اسلامی مملکت کا سربراہ جب ایک مرتبہ اعلان کردے تو پھر میدان جہاد میں داد شجاعت دیئے بغیر اس اعلان کو واپس لینا درست نہیں ورنہ دشمن کی نگاہوں میں مسلمانوں کی قوت وشوکت کا رعب باقی نہیں رہے گا، خود ملت اسلامیہ کا اپنے قائد کی قوت فیصلہ پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

⊙...... میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے وہ ہر راستے کو استعمال کرسکتا ہے، علاقے کے مالک کی اجازت ضروری نہیں۔

⊙...... نابالغ لڑکے جوش جہاد سے سرشار ہو کر اپنے آپ کو پیش کریں تو جو جنگ کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے قابل ہوں، انہیں اجازت دے ورنہ انہیں واپس بھیج دے۔

⊙...... مسلم خواتین ضرورت کے وقت جہاد میں حصہ لے سکتی ہیں، وہ زخمیوں کی مرہم پٹی، ان کی تیمارداری اور مجاہدین کو پانی پلانے کا کام سرانجام دے سکتی ہیں۔

⊙...... گھمسان کے رن میں کوئی مجاہد گھس کر داد شجاعت دے سکتا ہے۔

⊙...... انسان اپنے لیے شہادت کی دعا مانگ سکتا ہے۔

⊙...... مسلمان مجاہد خودکشی کرے گا تو جہنم کا مستحق ہوگا۔

⊙...... شہدا کو وہاں ہی دفن کیا جائے جہاں انہوں نے شہادت پائی ہو۔

⊙...... ایک قبر میں دو دو تین تین شہدا کو دفن کیا جاسکتا ہے، جو قرآن کریم کے زیادہ حصے کا حافظ ہوگا اس کو سب سے آگے رکھا جائے گا، ﴿ملخصاً ضیاء النبی:۵۴۶/۳﴾

شہدائے احد کے مخصوص فضائل:

حضور اکرم ﷺ نے شہدائے احد کے بہت سے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جب یہ شہدا اس جہان سے منتقل ہو کر اس جہان میں پہنچے تو حق تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا، روزانہ یہ پرندے جنت کی نہروں میں آتے ہیں، پانی پیتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنتی مکانوں، محلوں، باغوں اور گلستانوں میں اڑتے ہیں، پھر جنت کی سیر کرنے کے بعد ساق عرش پر آویزاں طلائی قندیلوں میں آ کر شب گزارتے ہیں، جب وہ ان دولتوں سے سرفراز ہوتے ہیں تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہیں کہ کون ہے جو ہمارا پیغام ہمارے بھائیوں کو پہنچائے اور ہمارے اس قرب و حضور اور عیش و عشرت سے آگاہ کرے تا کہ وہ جہاد سے دست بردار نہ ہو جائیں، حق تعالیٰ نے فرمایا، میں تمہارا پروردگار ہوں، میں تمہارا پیغام ان تک پہنچاتا ہوں، پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

”ولا تحسبن الذين قتلو ا في سبيل الله امو اتا بل احياء عند ربهم
يرزقون،فرحين بما اتاهم الله من فضله“

ان لوگوں کو جو خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے تم مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو ان کو عطا کرتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ خوش ہیں۔ ﴿آل عمران﴾

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی اور فرمایا، اے میرے راستے میں جان قربان کرنے والو! مانگو جو چاہو، انہوں نے عرض کیا، اے ہمارے پروردگار! ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر دے اور ہمیں دنیا میں بھیج دے تا کہ وہاں تیری رضا میں دوبارہ شہید ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم جس کو قبض کر لیتے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۴۳﴾ مطلب یہ کہ شہدا کرام کو شہادت سے بڑھ کر کسی اور چیز کی خواہش اور تمنا نہیں ہوتی، وہ اس نعمت سے زیادہ کسی چیز کو بھی بالاتر اور خوشگوار نہیں جانتے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کیا میں یہ نہ بتاؤں کہ اللہ

تعالیٰ نے تمہارے والد کو کیا فرمایا، عرض کیا ضرور فرمایئے، فرمایا، اللہ تعالیٰ جب بھی کسی سے کلام فرماتا ہے تو پس پردہ کلام فرماتا ہے لیکن تمہارے والد سے اس نے بغیر پردے کے کلام فرمایا ہے، اے میرے بندے! تیری آرزو کیا ہے، انہوں نے عرض کیا مجھے دوبارہ دنیا میں زندہ کردے تاکہ میں دوبارہ تیرے نام پر شہید ہو جاؤں، اس نے فرمایا نہیں یہ میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ جو دنیا سے آ گئے انہیں وہاں نہیں بھیجا جائے گا، انہوں نے عرض کیا، پھر ہمارے پچھلوں کو ہمارے احوال سے آگاہ کردے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا'' ﴿جامع ترمذی، ابن ماجہ، زاد المعاد: ۹۱/۳﴾ ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہدا کی حیات حقیقی جسمانی ہے محض معنوی روحانی نہیں، قاضی ثناء اللہ مظہری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شہدا کرام کی روحوں کو جسموں کی قوت عطا فرماتا ہے، وہ زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور دشمنوں کو برباد کرتے ہیں، ﴿تفسیر مظہری﴾ حضور اکرم ﷺ شہدائے احد کے مزارات کی زیارت کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے، حضرت ابو فروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز آپ تشریف لے گئے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

> اے اللہ! تو ہی عبادت کا مستحق ہے، بے شک تیرا یہ بندہ اور تیرا یہ رسول گواہی دیتا ہے کہ یہ جماعت فقط تیری رضا میں شہید ہوئی ہے، بعد ازاں فرمایا، جو شخص ان کی زیارت کے لیے آتا ہے اور ان کی تحیت و سلام بجا لاتا ہے تو یہ قیامت تک سلام کا جواب دیتے رہیں گے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲۳۵/۲﴾

حضور اکرم ﷺ جب بھی ان کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے، السلام علیکم! 'بما صبرتم فنعم عقبی الدار' آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی اسی راہ پر گامزن رہے، ﴿دلائل النبوۃ: ۳۰۶/۳﴾ علاوہ ازیں حضرت ام سلمہ، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام بھی ان کی زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک روز صحرائے احد سے گزر رہی تھی، میں نے کہا 'السلام علیک یا عم رسول

اللہ، مجھے جواب موصول ہوا علیک السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ، حضرت عطاف بن خالد اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے شہدائے احد کو سلام پیش کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بے شک ہم تم کو پہچانتے ہیں، وہ ہیبت کی وجہ سے لرزہ براندام ہو کر گر پڑے، پھر جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے، بعض ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ چھیالیس سال کے بعد شہدائے احد کی قبروں کو کھولا گیا تو وہ ویسے ہی تروتازہ مثل غنچہ ہائے گل اپنے کفنوں میں تھے، بس یہی کہو گے کہ انہیں آج ہی دفن کیا گیا ہے، بعض شہدا کو دیکھا گیا کہ زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں، جب ہاتھ اٹھایا گیا تو تازہ خون بہنے لگا، دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک نہر کھدوائی گئی تھی جس کی وجہ سے ان قبروں کا انکشاف ہوا تھا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۳۳۶﴾

غزوۂ حمراء الاسد:

جنگ احد ۷ شوال بروایت دیگر ۱۴ شوال بروز ہفتہ واقع ہوئی، دوسرے دن بروز اتوار حضور اکرم ﷺ نے دشمن کے تعاقب کا اعلان فرمایا اور تاکید فرمائی کہ آپ کے ساتھ وہی لوگ جائیں جو میدان جنگ میں حاضر تھے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شریک نہیں ہوئے تھے مگر ان کو اجازت عطا فرمادی گئی، منافقین مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی نے اجازت طلب کی تو آپ نے انکار فرمادیا، تمام مسلمان شدید زخمی حالت میں بھی آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے چنانچہ آپ مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع مقام حمراء الاسد تک پہنچے تاکہ دشمن پر اہل اسلام کا رعب و دبدبہ قائم ہو سکے، آپ کے اس اقدام سے یہودیوں، منافقوں اور دیگر قبائلیوں کو بہت حیرت ہوئی اور وہ آپ کی ہمت و استقامت کو داد دینے پر مجبور ہو گئے، اس مقام پر معبد بن ابی معبد خزاعی آپ سے ملا، چونکہ قبیلہ خزاعہ کے افراد آپ کے ہمدرد اور بہی خواہ تھے اس لیے اس نے افسوس کرتے ہوئے کہا، بخدا آپ کو اور آپ کے صحابہ کو جو صدمہ پہنچا ہے، ہمیں اس سے بہت رنج ہوا ہے، ہم دل سے چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مصیبت سے دور رکھتا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے اسلام قبول بھی کر لیا لیکن دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنے شرک پر قائم رہا، لیکن چونکہ وہ اہل اسلام کا خیر خواہ تھا نیز خزاعہ اور بنو ہاشم کے درمیان دوستی کا معاہدہ بھی قائم تھا

اس لیے آپ نے اسے فرمایا، وہ ابو سفیان کے پاس جائے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے، ادھر رسول اللہ ﷺ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ مشرکین مکہ دوبارہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کریں گے تو وہ بالکل برحق تھا، مشرکین مدینہ منورہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر موجود مقام روحا پر پہنچے تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تم لوگوں نے اہل اسلام کو یوں ہی چھوڑ دیا ہے، ابھی ان کے سرکردہ افراد تو باقی ہیں جو تمہارے لیے پریشانی کا سبب بن سکتے ہیں لہذا واپس چلو اور انہیں بالکل ختم کردو، صفوان بن امیہ نے اس رائے سے اختلاف کیا کہ اے لوگو! تم ایسا ہرگز نہ کرو، مجھے خطرہ ہے کہ جو مسلمان غزوہ احد میں نہیں آئے تھے اب وہ بھی تمہارے خلاف کمربستہ ہو جائیں گے اور تم گردش دوراں میں پھنس جاؤ گے، اس فتح کے عالم میں مکہ پہنچ جاؤ، لشکر کفار کی بھاری اکثریت نے اس کی پرواہ نہ کی، پھر وہ سب حملے کی تیاری کرنے لگے، اس دوران معبد خزاعی ان کے پاس پہنچ گیا، ابوسفیان نے پوچھا کہ مدینہ منورہ کے کیا احوال ہیں تو اس نے بتایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اپنے جوانمردوں کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں، ان کی جماعت اتنی زیادہ ہے کہ میں نے پہلے اتنی جماعت کبھی نہیں دیکھی، تمام لوگ تمہارے خلاف غضب وجلال کا پیکر بنے ہوئے ہیں، احد میں پیچھے رہ جانے والے بھی ان کے ہمرکاب ہو چکے ہیں، ابوسفیان نے کہا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو، اس نے کہا، خدا تعالیٰ کی قسم! میرا خیال ہے کہ تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ان کا ہراول دستہ دیکھ لو گے، ابو سفیان نے کہا کہ ہم تو پلٹ کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ باندھ چکے ہیں، اس نے کہا، ایسا ہرگز نہ کرنا، میں تمہارا خیر خواہ ہوں، معبد خزاعی کی گفتگو نے مشرکین مکہ کے حوصلے توڑ دیئے، ان پر اہل اسلام کا رعب طاری ہو گیا اور انہیں اسی میں عافیت نظر آئی کہ مکہ مکرمہ کا راستہ لیا جائے، البتہ ابوسفیان نے بنو عبدالقیس کے ایک قافلے کے ہاتھ اہل اسلام کو پیغام بھیجا کہ ہم نے تمہاری جڑ کاٹنے کے لیے دوبارہ حملے کا فیصلہ کیا ہے اور ساتھ اس قافلے کو ایک اونٹ کشمش بطور معاوضہ دینے کا وعدہ کیا، وہ قافلہ جب مقام حمراء الاسد پر پہنچا تو اس نے اہل اسلام کو مشرکین مکہ کے لشکر جرار سے ڈرانے کی کوشش کی، آپ نے جواب میں کہا 'حسبنا اللہ و نعم الوکیل' اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، صحیح

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا، قرآن مجید میں ہے:

''ان الناس قد جمعو الکم فاخشوھم فزادھم ایماناً وقالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل'' ''بے شک لوگ بڑی جمعیت کے ساتھ آرہے ہیں ان سے ڈر جاؤ لیکن یہ بات سن کر اہل اسلام کا جذبہ اور زیادہ ہوا اور انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، ﴿آل عمران:۱۷۳﴾

ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ لشکر کفار نے دوبارہ حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے دست رحمت میں میری جان ہے، کافروں کے لیے پتھروں پر نشان لگالیے گئے ہیں، اگر وہ دوبارہ حملہ آور ہوئے تو ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا، صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آیت 'الذین استجابو اللہ والرسول ....تلاوت فرمائی تو انہوں نے فرمایا، بھانجے! اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان میں تمہارے والد حضرت زبیر اور نانا حضرت ابوبکر صدیق بھی شامل تھے، جب غزوہ احد میں مسلمانوں کو پریشانی لاحق ہوئی اور کفار واپس چلے گئے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ واپس آکر مدینہ منورہ پر حملہ نہ کر دیں، اس وقت آپ نے فرمایا، ان کے تعاقب میں کون جائے گا، یہ سن کر ستر آدمی آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوئے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت زبیر بھی شامل تھے، کہتے ہیں کہ آپ حمراء الاسد میں تین دن، سوموار، منگل اور بدھ فروکش رہے، جمعۃ المبارک کو مدینہ منورہ پہنچے، اسطرح کل پانچ دن باہر رہے، واپسی پر عبدالملک بن مروان کا نانا معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص نظر آیا جو اہل مدینہ کی جاسوسی کر رہا تھا، آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ فلاں مقام پر چھپا ہوا ہے، جاؤ اور اس کا سر قلم کر دو، چنانچہ انہوں نے تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا، ﴿ابن ہشام:۵۶/۳، زاد المعاد:۱۰۸/۲﴾ اس طرح واپسی کے دوران ابوعزہ جمحی آپ کی گرفت میں آگیا، یہ وہی شخص تھا جسے بدر میں صرف اس لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ فقر و فاقہ کا شکار ہے اور اس کے گھر میں لڑکیوں کی کثرت ہے، لہذا

آئندہ وہ رسول اللہ کے خلاف کسی کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا لیکن اس نے بدعہدی کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنے زہریلے اشعار کے ذریعے لوگوں کے جذبات اہل اسلام کے خلاف برانگیختہ کیے اور پھر خود بھی جنگ احد میں شریک ہونے کی جسارت کی، اب وہ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگا، مجھ پر احسان کرو اور مجھے میری لڑکیوں کی خاطر چھوڑ دو میں دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا، آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مکہ مکرمہ واپس جا کر اپنے رخسار پر ہاتھ پھیرو اور کہو کہ میں نے محمد مصطفےٰ کو دوبارہ دھوکہ دیا ہے، مومن ایک سوراخ سے دوسری مرتبہ ڈنگ نہیں کھا سکتا، پھر آپ نے حضرت زبیر یا بروایت دیگر حضرت عاصم بن ثابت کو حکم دیا تو انہوں نے اس عہد شکن انسان کی گردن کاٹ دی، غزوہ حمراء الاسد کا ذکر اگرچہ ایک مستقل عنوان کے تحت کیا گیا ہے مگر دراصل یہ غزوہ احد کا ہی ایک حصہ تھا، اس واقعے نے اہل اسلام کی پریشانی کو شوکت و ہیبت میں تبدیل کر دیا اور دشمنان اسلام ان کی مردانگی اور اولوالعزمی کو دیکھ کر نقش استعجاب بن گئے۔

حافظ مغلطائی لکھتے ہیں: اسی ماہ شوال میں شراب حرام ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ ۴ھ میں حرام ہوئی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۱۴﴾

......⊙......

باب پنجم

سال چہارم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۴ ہجری کے آغاز میں ہی اہل اسلام کو بہت اہم مہمات کا سامنا کرنا پڑا جو تاریخی اعتبار سے دوررس نتائج کی حامل ثابت ہوئیں، غزوہ احد کی وقتی پریشانی سے کفار عرب نے جو غلط نتیجہ اخذ کیا تھا ان مہمات نے ان کے ارادے ملیامیٹ کر کے رکھ دیئے، ادھر اہل اسلام کو بھی بہت سی تکالیف اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا جن کی بدولت رزم گاہ ہستی میں ان کے مشاہدات و تجربات کو مزید تقویت حاصل ہوئی اور وہ اور زیادہ عزم و ہمت کے ساتھ شاہراہ حیات پر گامزن ہو گئے، ان مہمات کا ذکر ان سطور میں مذکور ہے۔

سریّہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ :

غزوہ احد کے بعد سب سے پہلے قبیلہ بنو اسد نے اسلامیان مدینہ کے خلاف قدم اٹھایا، مدینہ منورہ میں اطلاع موصول ہوئی کہ خویلد کے دو بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنے اطاعت شعاروں کی جماعت تیار کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں پر شدید قسم کا حملہ کیا جائے اور انہیں جانی اور مالی نقصان پہنچایا جائے، محرم الحرام ۴ ہجری کا چاند نمودار ہوا تو حضور پیغمبر نور ﷺ نے فوراً ڈیڑھ سو صحابہ کرام پر مشتمل ایک سبک رفتار دستہ تیار کیا، جس میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت اسید بن حضیر، حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے اور حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن الاسد رضی اللہ عنہ کو علم عطا کر کے قیادت تفویض فرمائی، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے بنو اسد کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی ان پر اچانک حملہ کیا کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ منتشر ہونے پر مجبور ہو گئے، مسلمانوں نے ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور یہ مال غنیمت لے کر بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس آ گئے، اس طرح دو بدو جنگ کے بغیر ہی ان کو فتح نصیب ہو گئی، ایک روایت میں ہے کہ بنو اسد نے ان کا مقابلہ کیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو قتل کر کے نعرہ لگایا کہ ان پر حملہ کر دو پھر حضرت ابو سلمہ اور لشکر اسلام یکبارگی سے حملہ آور ہوئے اور لشکر کفار شکست کھا کر بھاگ گیا، اس سفر میں دس روز صرف ہوئے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۴۷﴾ غزوہ احد میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک بہت کاری زخم لگا تھا، اس سفر کے دوران وہ پھوٹ پڑا اور وہ تھوڑے عرصے کے بعد ﴿جمادی الاول کے مہینے میں﴾ دار فانی

سے کوچ فرما گئے، ﴿زاد المعاد:۲/۱۰۸﴾ جس آدمی نے بنو اسد کی منصوبہ سازی کی اطلاع اہل اسلام تک پہنچائی تھی، حضور اکرم ﷺ نے اسے مال غنیمت سے حظ وافر عطا فرمایا اور باقی مال احکام الٰہی کے مطابق تقسیم کر دیا، ﴿امتاع الاسماع:۱/۱۴۴﴾

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا کارنامہ:

۵ محرم الحرام ۴ھ کو اطلاع ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی اہل اسلام پر فوج کشی کی تیاریوں میں مصروف ہے اور اچانک حملے سے ان کو شدید نقصان پہنچانا چاہتا ہے، رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کی مہم پر روانہ فرمایا، چنانچہ وہ اٹھارہ روز باہر رہے اور ۲۳ محرم الحرام کو اس کا سر لے کر واپس آئے، حضور اکرم ﷺ نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اپنا عصا مرحمت فرما کر اعلان فرمایا کہ یہ عصا میرے اور تمہارے درمیان قیامت کے روز نشانی ہوگا، چنانچہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ عصا میرے ساتھ ہی کفن میں لپیٹ دیا جائے، ﴿سیرت ابن ہشام:۲/۲۱۹﴾

رجیع کا دردناک حادثہ:

صفر المظفر ۴ ہجری کے مہینے میں [1] عضل اور قارہ کے کچھ افراد حضور جان کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان کے قبیلوں میں اسلام کی رغبت پائی جاتی ہے لہذا آپ کچھ صحابہ کرام کو قرآنی اور دینی تعلیم کے لیے ہمارے ہمراہ روانہ کر دیں، آپ نے چھ صحابہ کرام جبکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق دس صحابہ کرام کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا جن کی قیادت حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ جبکہ بروایت دیگر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی، جب یہ افراد رابغ اور جدہ کے درمیان قبیلہ ہذیل کے چشمہ رجیع پر پہنچے تو عضل اور قارہ کے ان میزبانوں نے غداری کا ارتکاب کرتے ہوئے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو ان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے دی، بنولحیان

---

[1] عضل اور قارہ قبیلہ بنوہون بن خزیمہ بن مدرکہ کی ایک شاخ ہے، ابن درید لکھتے ہیں کہ قارہ ایک سیاہ ٹیلہ ہے، یہ لوگ اس کے نواح میں آباد ہونے کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہو گئے۔

کے ایک سو تیر اندازوں نے صحابہ کرام کا تعاقب شروع کر دیا، صحابہ کرام ایک ٹیلے پر پناہ گزین ہو گئے تو انہوں نے اردگرد گھیرا ڈال کر اعلان کیا کہ اگر تم لوگ ہمارے پاس آجاؤ تو ہم تمہارے کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے، بلکہ اہل مکہ کے ہاں فروخت کر کے مال حاصل کریں گے، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ٹیلے سے اترنے سے انکار کر دیا اور ان کے ساتھ جنگ شروع کر دی، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

ترجمہ: میں طاقتور ہوں، میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے، کمان مضبوط ہے اور چلہ بالکل صحیح ہے تو میرے لیے جنگ نہ کرنے کا کیا بہانہ ہے، اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ بھی کیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا اور سب انسانوں کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، اگر میں تمہارے ساتھ نبرد آزمانہ ہوں تو میری ماں کا لخت جگر مر جائے۔

پھر سات صحابہ کرام اپنے حوصلہ شعار قائد کی قیادت میں جام شہادت نوش کر گئے جبکہ حضرت زید بن دشنہ، حضرت خبیب اور حضرت عبداللہ بن طارق کو انہوں نے گرفتار کر لیا، یہاں ایک اور واقعہ بھی پیش آیا، حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں سلافہ بنت سعد کے دو بیٹوں کو قتل کیا تھا جب وہ کفار کا جھنڈا پکڑنے کے لیے نکلے تھے، اس وقت سلافہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی، اس واقعے کا علم بنولحیان کو بھی ہو چکا تھا، چنانچہ انہوں نے سوچا کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر سلافہ کے ہاتھ منہ مانگی قیمت پر فروخت کر دیا جائے، وہ اس نیت فاسد کے ساتھ جب آگے بڑھے تو حکم خداوندی سے شہد کی مکھیوں نے ان کی نعش مقدس کا محاصرہ کر لیا، جب کوئی کافر ان کے نزدیک آتا تو مکھیاں اس پر حملہ آور ہو جاتیں اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دیتیں، انہوں نے سوچا کہ یہ کام شام کو انجام دیا جائے جب مکھیاں اپنے ٹھکانے کو پہنچ جائیں گی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، شام ہوتے ہی وادی میں تیز سیلاب آ گیا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش مقدس اس میں بہہ گئی، بعد ازاں بھی اسکا کوئی نشان نہ مل سکا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص مبلغ اسلام کی حرمت وعظمت کی خود پاسبانی فرمائی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ کوئی مشرک ان کو ہاتھ نہ لگائے اور وہ کسی

مشرک کو ہاتھ نہیں لگائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کافروں کے ناپاک ارادوں سے محفوظ فرما لیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی زندگی میں جسطرح اس کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح اس کی وفات کے بعد بھی اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ﴿ابن ہشام﴾

گرفتار صحابہ کرام کو رسیوں سے باندھا گیا تھا، مقام ظہران پر پہنچ کر حضرت عبد اللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ رسی سے چھڑا لیا اور اہل کفر کو مقابلے کے لیے للکارا، ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ فرداً فرداً ان کا مقابلہ کرتا، سب پیچھے ہٹ کر پتھروں کی بارش کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے، پھر بنو ہذیل کے ان غداروں نے حضرت خبیب اور حضرت زید کو مکہ مکرمہ کے سرداروں کے ہاتھ فروخت کر دیا، ان دونوں عظیم ہستیوں کے واقعے بھی داستان محبت کا ایک اچھوتا باب ہیں:

......﴿1﴾......

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خریدا تا کہ ان کو شہید کر کے اپنے باپ امیہ بن خلف کا انتقام لے، چنانچہ اس مقصد کے لیے انہیں حدود حرم سے باہر مقام تنعیم پر لے جایا گیا، بہت سے مشرکین مکہ ان کی شہادت کا منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے جن میں ان کا سردار ابوسفیان بھی موجود تھا، اس نے آگے بڑھ کر ان سے سوال کیا، اے زید! کیا تم اس وقت پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ تمہارا محبوب ہو اور تم بخیریت اپنے اہل خانہ میں چلے جاؤ، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر جواب دیا، ابوسفیان! مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ میرے محبوب کے پائے نازنین میں کوئی کانٹا بھی پیوست ہو جائے اور میں اپنے اہل خانہ میں آرام سے بیٹھا رہوں، ابوسفیان ان کا یہ محبت افروز جواب سن کر پکار اٹھا، میں نے کسی انسان کو اپنے محبوب سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا، جتنی محبت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے صحابہ کرام ان سے کرتے ہیں، اس کے بعد صفوان بن امیہ کے غلام نسطاس نے اس پروانہ شمع رسالت کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔

......﴿2﴾......

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، جب اس کے

بیٹوں کو معلوم ہوا تو وہ ان کو خرید کر لے گئے تا کہ انتقام کی پیاس بجھا سکیں، پہلے تو ان کو کچھ دیر مکہ مکرمہ میں ایک کنیز ماویہ کے گھر قید رکھا گیا، اس کنیز کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ایسا برکت والا قیدی نہیں دیکھا، ایک بہت بڑا انگور کا خوشہ ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے تناول فرما رہے تھے حالانکہ یہ انگوروں کا موسم نہیں تھا، پھر انہیں بھی مقام تنعیم پر لایا گیا تا کہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے، آپ نے تختہ دار پر چڑھ کر ارشاد فرمایا، مجھے دو رکعت نفل ادا کرنے دو، انہوں نے اجازت دے دی، آپ نماز سے فارغ ہوئے اور کہا اللہ کی قسم! اگر تم لوگ یہ نہ خیال کرتے کہ میں گھبرا کر ایسا کر رہا ہوں تو میں اس نماز کو اور لمبا کر دیتا، اس کے بعد آپ نے دعا مانگی اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا ہے، اب ان کے برے عملوں کی خبر اپنے رسول تک پہنچا دے، ان کو ایک ایک کر کے گن لے، پھر انہیں الگ الگ کر کے مار دے، اور کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ، اس کے بعد آپ نے نہایت دردناک اشعار پڑھے:

ترجمہ: یہ لوگ میرے اردگرد جمع ہو گئے ہیں، اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی لے آئے ہیں، مجھے ایک لمبے ستون کے قریب کر دیا گیا ہے، میں اپنی بیکسی اور بے وطنی کا شکوہ اور اپنی قتل گاہ کے پاس آفتوں کی فریاد اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں، اے عرش مجید کے مالک! مجھے دشمنوں کے ناپاک ارادوں پر صبر جمیل عطا فرما، وہ مجھے پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں انہوں نے مجھے کفر کا اختیار دیا ہے حالانکہ میں موت اس سے زیادہ آسان سمجھتا ہوں، میری آنکھیں آنسوؤں کے بغیر ہی لبریز ہیں، میں مسلمان مارا جاؤں تو کوئی فکر نہیں چلو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوں گا، اللہ تعالیٰ چاہے تو جسم کے ایک ایک ٹکڑے میں برکت ڈال دے۔ ﴿الاکتفا: ۱۳۶/۲﴾

جب آپ کی شہادت کا وقت آیا تو ابوسفیان نے آپ سے سوال کیا کہ اگر تمہاری جگہ تمہارے محبوب کو شہید کر دیا جاتا اور تم اپنے اہل وعیال میں چلے جاتے تو کیا تمہیں یہ بات پسند آتی، آپ نے فرمایا، خدا کی قسم! مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ میرے محبوب کے پاؤں میں کانٹا بھی پیوست ہو جائے اور میں اپنے اہل وعیال میں آرام سے بیٹھا رہوں، اس کے بعد عقبہ بن حارث نے آپ کو شہید کر دیا، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت

خبیب رضی اللہ عنہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قتل کے موقع پر دو رکعت نماز ادا فرمائی ہے، بعض اہل مغازی نے لکھا ہے کہ حضرت زید اور حضرت خبیب کو ایک ہی دن شہید کیا گیا تھا، اس روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ میں فرمایا، اے خبیب تم پر یا تم دونوں پر سلامتی نازل ہو، خبیب کو قریش مکہ نے قتل کر دیا ہے، کفار مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا جسم مقدس ایک ستون کے ساتھ لٹکا رکھا تھا، وہ کافی دیر تک اسی طرح لٹکتا رہا مگر اس کی تازگی اور شگفتگی میں کوئی فرق نہ آیا، یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اس کو اتار لائیں چنانچہ انہوں نے رات کے وقت اس کو اتارا اور لے جا کر دفن کر دیا، ایک روایت کے مطابق حضرت زبیر اور حضرت مقداد اس خدمت کے لیے روانہ ہوئے، انہوں نے تنعیم کے مقام پر دیکھا کہ چالیس آدمی دار کے گرد سوئے ہوئے تھے، وہ حضرت خبیب کے جسم اقدس کو آہستگی کے ساتھ اتار لائے جو چالیس روز کے بعد بھی تر و تازہ تھا، زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی مانند مہک رہا تھا، صبح ہوئی، قریش کو علم ہوا کہ ان کا جسم اقدس غائب ہے، انہوں نے ستر سوار دوڑائے جو راستے میں ان کے ساتھ جا ملے، حضرت زبیر نے وہ جسم مقدس زمین پر رکھ دیا تو زمین نے اسے اپنے اندر سمو لیا، اسی لیے حضرت خبیب کو بلیغ الارض کہا جاتا ہے، پھر وہ کفار مکہ سے مخاطب ہوئے، ہم دو شیر جوان ہیں اور راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنا جانتے ہیں، اگر چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ چلو اور اگر چاہو تو واپس چلے جاؤ، کفار مکہ پیچھے مڑ گئے اور وہ دونوں بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے، اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام بھی وہاں حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کے ان دونوں صحابہ کی وجہ سے فرشتے مباہات کرتے ہیں، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۴۶﴾ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تمام صحابہ کرام کو ان دونوں جان نثاروں کے تمام حالات بیان فرمائے اور فرمایا یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو ان کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔﴿ایضاً﴾۔

عاشقانِ اوز خوباں خوب تر
خوش تر و زیبا تر و محبوب تر

روایت میں آتا ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے اکثر قاتل تھوڑے عرصے میں مختلف

بلاؤں سے دو چار ہو کر مر گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی وہاں موجود تھا، میرے باپ نے مجھے زمین پر لٹا دیا تا کہ میں ان کی بددعا سے بچ جاؤں۔ ﴿ایضاً﴾

بئر معونہ کا واقعہ:

بئر معونہ مکہ معظمہ اور عسفان ﴿گویا بنو عامر اور بنو سلیم کے حرہ﴾ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جنگ احد کے چار مہینہ بعد ماہ صفر میں یہ واقعہ پیش آیا جیسا کہ امام ابن اسحاق وغیرہ مورخین نے لکھا ہے، اسکا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ ابو براء عامر بن مالک المعروف مُلاعب الاسنہ یعنی نیزوں کے ساتھ کھیلنے والا حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اسے اسلام پیش کیا، اس نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ اس سے نفرت کا اظہار کیا بلکہ اس نے کہا، اے محمد مصطفیٰ! اگر آپ اپنے کچھ صحابہ نجد بھیجیں جو ان کو دین کی دعوت دیں تو ظن غالب ہے کہ وہ آپ کے دین کو قبول کر لیں گے، آپ نے فرمایا مجھے انہیں اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے، اس پر ابو براء نے کہا، میں ان کو پناہ دیتا ہوں، اہل نجد کچھ نہیں کہیں گے، آپ ان کو ضرور بھیجیں، اس کے یقین دلانے پر آپ نے حضرت منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کو ستر قاری دے کر ان کے ہمراہ روانہ کیا، بعض کہتے ہیں کہ چالیس قاری تھے اور بعض نے تیس بتائے ہیں، صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ وہ دن میں لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس کے عوض اصحاب صفہ کے لیے غلہ خریدتے، قرآن پاک پڑھتے پڑھاتے اور رات کو نماز پڑھنے میں گزارتے تھے، جب وہ چلتے چلتے بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ﴿حضرت ام سلیم کے بھائی اور حضرت انس کے ماموں﴾ کو آنحضرت ﷺ کا مکتوب مبارک دے کر اللہ تعالیٰ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، اس نے بجائے اس کے کہ مکتوب مبارک پڑھتا، الٹا حضرت حرام کو ﴿دھوکے سے﴾ شہید کروا دیا، صحیح بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نیزہ ان کے جسم اقدس سے پار ہو گیا تو انہوں نے کہا، اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، پھر عامر بن طفیل نے صحابہ کرام کے خلاف بنو عامر قبیلے کو اپنی مدد کے لیے پکارا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم ابو براء کے عہد کو نہیں توڑتے، اس نے انہیں پناہ دینے کا عہد کیا ہوا ہے، ان کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے بنو سلیم کی ﴿تین شاخوں﴾ بنو رعل، بنو ذکوان اور بنو عصیہ کو پکارا تو انہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہی، سب نے مل جل کر صحابہ کرام کا محاصرہ

کرلیا، وہ اپنے خیموں میں آرام سے بیٹھے تھے اور انہیں گمان تک نہیں تھا کہ ان کے ساتھ یہ کھیل کھیلا جانے والا ہے، پھر ان ظالم قبیلوں کو مسلح حالت میں للکارتے دیکھا تو صحابہ کرام بھی تلواریں لے کر ان کے مقابلے میں نکل آئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ بچے مگر وہ بھی زخموں سے نڈھال ہو چکے تھے، بالآخر انہوں نے بھی غزوہ خندق میں جام شہادت نوش فرمایا، حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قید ہوئے، جب انہوں نے بتایا کہ وہ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے ہیں تو عامر نے ان کو اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دیا جس نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی ہوئی تھی، حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اس سانحہ کی خبر لے کر مدینہ منورہ پہنچے [1] تو غزوہ احد کے زخم تازہ ہو گئے بلکہ دیکھا جائے تو یہ اس سے بھی بڑا حادثہ تھا کیونکہ اس میں ایک کھلی جنگ ہوئی تھی اور فریقین کا نقصان بھی ہوا تھا مگر اس میں یہ بے وطن صحابہ کرام ایک شرم ناک غداری کی نذر ہو گئے تھے، واقدی نے لکھا ہے کہ رجیع اور معونہ کے حادثوں کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی رات موصول ہوئی تھی، ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس قدر اہل بئر معونہ پر غمگین ہوئے، میں نے کسی اور پر آپ کو اتنا غمگین ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۴۱۹﴾

صحیح بخاری شریف میں حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بئر معونہ میں تمام قراء عظام شہید ہو گئے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قیدی بن گئے تو عامر بن طفیل نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں، انہوں نے جواب دیا، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اس پر وہ بولا، قتل ہونے کے بعد اس کو میں نے دیکھا کہ اس کا جسم آسمان کی طرف اٹھایا گیا حتیٰ کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا،

---

[1] واپسی پر حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ وادی قناۃ کے سرے پر واقع مقام قرقرہ پہنچے تو ایک درخت کے سائے میں بنو عامر کے دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں آدمیوں کو اس لیے قتل کر دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا بدلہ لے لیں گے، حالانکہ ان دونوں آدمیوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کا عہد تھا مگر حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اسکو نہیں جانتے تھے، جب مدینہ منورہ آکر اپنی اس کارروائی کا ذکر بھی کیا تو آپ نے فرمایا تم نے ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا جن کی دیت مجھے ادا کرنی پڑے گی، اس کے بعد آپ مسلمان اور ان کے حلیف یہودیوں سے دیت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے اور پھر یہ واقعہ غزوہ بنی نضیر کا سبب بن گیا، ﴿ابن ہشام:۱۸۸/۲﴾

پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہاں لاکر رکھا گیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک نہیں ملی، کافروں میں سے ایک آدمی جبار بن سلمیٰ بعد میں مسلمان ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرنے کی یہ وجہ بتائی کہ میں نے اس صحابی کے نیزہ مارا تو اس نے کہا، اللہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا ہوں، میں نے اس قول کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ میں نعمت شہادت کے حصول پر کامیاب ہوگیا ہوں، میں نے کہا بے شک اس نے سچ کہا، اس حادثہ کے بعد حضور اکرم ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام کو آگاہ کیا اور فرمایا، تمہارے سب دوست جام شہادت نوش کر گئے ہیں اور انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ الٰہی ہماری خبر ہمارے بھائیوں تک پہنچا دے اور ان کو یہ بھی بتادے کہ ہم تجھ سے راضی ہوگئے ہیں اور تو ہم سے راضی ہوگیا ہے، صحیح بخاری اور مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان شہدائے کرام کے متعلق قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی جسے ہم کافی عرصے تک تلاوت کرتے رہے، مگر بعد میں وہ منسوخ ہوگئی، فرمان خداوندی ہے:

بلغو عنّا قومنا .... یعنی ہماری طرف سے ہماری قوم کو اطلاع پہنچا دے کہ ہم اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے ہیں، وہ ہم سے راضی ہوگیا اور ہم اس سے راضی ہوگئے ہیں، ﴿الاکتفا: ۱۴۵/۲﴾

اس کے بعد حضور پیغمبر نور ﷺ نے یہ قنوت ترک فرما دی، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۸/۲﴾ اس قنوت ﴿دعائے ضرر﴾ سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ آپ نے اپنے قلب رحمت پر اس حادثے کا کس قدر اثر محسوس کیا اور آپ کس قدر غمگین اور دلفگار ہوئے، گویا یہ حادثہ آپ اور آپ کے صحابہ کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی، جسے نہایت صبر و رضا اور عزیمت و استقامت کے ساتھ برداشت کیا اور اسے ایک لمحے کے لیے بھی اشاعت اسلام اور فروغ ایمان کے راستے میں رکاوٹ نہیں بننے دیا، روایت میں آتا ہے کہ ان صحابہ کرام کا بے رحم قاتل عامر بن طفیل مرض طاعون کی وجہ سے واصل جہنم ہوگیا، جیسا کہ مدارج النبوۃ میں مرقوم ہے، اس مقام پر عقل عیار نے حضور مخبر صادق ﷺ کے عطائی علم غیب کے متعلق ایک اشکال بھی ایجاد کیا ہے کہ اگر آپ کو مستقبل کے حالات کی کچھ بھی خبر

ہوتی تو آپ ان صحابہ کرام کو رجیع اور معونہ کی جانب کیوں روانہ کرتے، اس اشکال پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کیونکہ عقل عیار نے مقام رسول کی عظمتوں اور بلندیوں کو بالکل سامنے نہیں رکھا اور اس سے اس کار عظیم کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی، اہل ایمان کی حفاظت ایمانی کے لیے عرض ہے کہ اس طرح کا اعتراض تو خود علیم وخبیر پروردگار پر بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر اس کو علم غیب ہوتا تو وہ ستر ہزار انبیا کرام علیہم السلام کو بنی اسرائیل جیسی نا عاقبت اندیش قوم کی طرف کیوں مبعوث کرتا جو بار بار ان کے خون معصوم سے اپنے ہاتھوں کو رنگتے رہے، اس اعتراض کا یہی جواب ہے کہ وہ پروردگار چاہتا تھا کہ اس کے انبیا کرام علیہم السلام رتبہ شہادت بھی حاصل کرلیں اور یہ نام حق کی خاطر جانوں کے نذرانے پیش کرنا بعد میں آنے والوں کے لیے ان کی سنت بھی بن جائے، یہی جواب اس اشکال کا ہے کہ رسول غیب دان ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مرتبہ شہادت کی طرف گامزن فرمایا اور ان کے نقش قدم کو تمام امت محمدیہ کے لیے مشعل راہ بنایا ہے، جہاں تک علم غیب کا تعلق ہے تو وہ آپ اپنی خداداد فراست وبصیرت سے فرما چکے تھے:

انی اخشی علیھم اھل النجد ،یعنی مجھے ان پر اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے

﴿کہ وہ ظالم ان صحابہ کرام کو نقصان پہنچائیں گے﴾

افسوس اتنی واضح خبر پر بھی آپ کے عطائی علم غیب اور فہم بصیرت پر شک کرنا ایمان کی کونسی نشانی ہے، یہ کام اگر کوئی غیر مسلم کرے تو کرے، کسی اسلام کے دعویدار کو ہرگز نہیں کرنا چاہیے، ہم عقل عیار سے سوال کرتے ہیں کہ جب عرب کے دستور کے مطابق ایک معتبر انسان ان صحابہ کرام کو پناہ فراہم کر رہا تھا تو پھر اشاعت اسلام کے لیے نہ نکلنا اور اپنی جانوں کو سنبھالتے رہنا کونسا کمال ہوتا، ان عظیم ہستیوں کا تو کمال ہی اسمیں ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنی جانوں اور مالوں کا سودا کرلیا تھا اور خدا تعالیٰ نے اپنی جنت ان کے نام الاٹ فرمادی تھی

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ایک اعرابی کا قبول اسلام:

ایک دن مکہ مکرمہ میں ابوسفیان اپنے یاران کفر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس نے ایک سازش تیار کی کہ حضور رسول دوجہان ﷺ محافظی دستوں کے بغیر ہی چلتے پھرتے ہیں، کوئی شخص اٹھے اور ان پر اچانک حملہ کر کے ان کو شہید کر دے تو ہمارا انتقام پورا ہو جائے گا، اہل مجلس سے تو کوئی آمادہ نہ ہوا مگر ایک اعرابی نے تنہائی کے عالم میں اس سے ملاقات کی اور انعام واکرام کے وعدے پر اس سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی حامی بھر لی اور کہا کہ میرے پاس ایک تیز دھار خنجر ہے، جس سے میں با آسانی یہ کام کر سکتا ہوں، ابوسفیان نے "اسے سواری کے لیے تیز رفتار اونٹ دیا اور زادراہ پیش کیا نیز انعام واکرام کا وعدہ کر کے تاکید کی کہ اس سازش سے کسی شخص کو بھی آگاہ نہ کرے، اس نے رازداری کا یقین دلایا اور رات کے تاریک لمحوں میں اس تاریک منصوبے پر عمل کرنے کے لیے روانہ ہو گیا، وہ مسلسل پانچ دن اور رات تک سفر کرتا رہا اور چھٹے دن مدینہ منورہ پہنچ گیا، حضور اکرم، رحمت دوعالم ﷺ بنو عبد الاشہل کے محلے مسجد میں تشریف فرما تھے، وہ بھی لوگوں سے پوچھتا ہوا وہاں پہنچ گیا، جب وہ مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو مخبر صادق ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

"یہ آدمی دھوکہ کرنے آیا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کام میں کامیاب نہیں ہونے دے گا"

اتنے میں وہ اعرابی بھی قریب آ گیا اور پوچھنے لگا، تم لوگوں میں ابن عبدالمطلب کون ہے، آپ نے فرمایا، میں ابن عبدالمطلب ہوں، پھر وہ سرگوشی کرنے کے انداز میں آپ پر جھک گیا تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسکے تہبند میں ہاتھ ڈال کر اسکو پیچھے ہٹا دیا، اس دوران وہ تیز دھار خنجر بھی برآمد ہو گیا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ غدار کسی ناپاک ارادے سے یہاں آیا ہے، اس للکار پر اسکا پسینہ چھوٹ گیا اور چلا کر اپنی جان کی امان طلب کرنے لگا، آپ نے فرمایا، سچ بتاؤ تم کون ہو اور ادھر کیوں آئے ہو، جھوٹ بولو گے تو تمہارا نقصان ہو گا، ویسے ہم تمہارے ارادے سے باخبر ہیں، اور پھر اس نے گھبرا کر ساری سازش بے نقاب کر دی تو آپ نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے، دوسرے روز آپ نے اس کو طلب فرمایا اور معاف کر دیا، مزید فرمایا

کہ ہماری طرف سے تم آزاد ہو، جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ، ہاں ایک تجویز ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ، اس نے بہت خوش ہو کر اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ اس سے پہلے میں کبھی کسی انسان سے اتنا خوفزدہ نہیں ہوا، آپ کے رخ اقدس کو دیکھا تو لرزنے لگا اور مجھے اس پر بھی حیرت ہوئی کہ آپ میرے انتہائی پوشیدہ راز سے بھی آگاہ تھے، میں تہہ دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں اور وہی آپ کا محافظ ہے، ابوسفیان کی جماعت تو شیطان کی جماعت ہے، یہ باتیں سن کر آپ تبسم فرمانے لگے، پھر وہ کچھ عرصہ آپ کے دربار کرم میں گزار کر روانہ ہو گیا۔ ﴿سیرت ابن کثیر:۱۳۵/۳﴾

......⊙......

......غزوۂ بنی نضیر......

ماہ ربیع الاول ۴ ہجری میں غزوہ بنی نضیر کا واقعہ پیش آیا جو تاریخ اسلام کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے، بنونضیر یہودیوں کا سب سے بڑا قبیلہ تھا، اس کے افراد بہت زیادہ مالدار بھی تھے اور حضور اکرم ﷺ کے خلاف بغض وعناد کا انبار بھی تھے، یہ غزوہ بئر معونہ کے ہولناک سانحہ کے بعد معرض وجود میں آیا جیسا کہ امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے، امام سہیلی کے نزدیک یہ غزوہ بدر کے چھ ماہ بعد اور غزوہ احد سے پہلے ہوا، امام بخاری بھی اسے غزوہ بدر کے آخری ابواب میں کعب بن اشرف اور ابورافع تاجر حجاز کے قتل کے ذکر اور غزوہ احد کے بیان سے پہلے لائے ہیں، مگر امام ابن اسحاق کا قول زیادہ صحیح ہے اور اکثر سیرت نگاروں نے اسے ہی قبول کیا ہے، ذیل میں غزوہ بنی نضیر کے اسباب اور واقعات کو کافی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

یہودیوں کی سازش:

مدینہ منورہ کے یہودیوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے ساتھ معاہدہ بھی کر رکھا تھا مگر ان کی ذات گرامی کو نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی تو وہ کہنے لگے یہی نبی آخر الزمان معلوم ہوتے ہیں اور جب غزوہ احد میں مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو کہنے لگے، یہ نبی آخر الزماں نہیں ہو سکتے، گویا حسد و بغاوت نے ان کے لیے ہدایت کا راستہ مسدود کر رکھا تھا، غزوہ احد کے بعد جب مسلمانوں پر پے در پے آزمائشوں اور ابتلاؤں کا ایک اور دور شروع ہوا تو یہ شقی القلب قوم اور بھی زیادہ دلیر ہوگئی اور معاہدے کی خلاف ورزی کو اپنا معمول بنالیا، ادھر کفار مکہ بھی ان کے ساتھ رابطے میں تھے، پہلے تو انہوں نے اوس اور خزرج کے مشرکین کو خط لکھا تھا کہ اہل اسلام کو مدینہ منورہ سے نکال دو ورنہ ہم تمہارا نام ونشان مٹا دیں گے، پھر حضور پیغمبر نور ﷺ کی بروقت حکمت عملی نے ان کے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا، اب انہوں نے یہودیوں کو استعمال کرنے کا منصوبہ تشکیل دیا اور ان کی طرف یہ اشتعال انگیز خط بھیجا:

''اے گروہ یہود! تمہارے پاس اسلحہ بھی بہت زیادہ ہے اور تمہارے قلعے بھی بہت مضبوط ہیں لہذا تم ہمارے آدمی کے خلاف خوب جنگ کرو اور اسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم تمہاری عورتوں کو کنیزیں بنالیں گے اور ہمیں کوئی چیز نہ روک سکے گی۔ ﴿سبل الھدیٰ: ۴/۳۵۱﴾

کفار مکہ کے اس خط نے ان کے اندرونی جذبہ بغاوت کو اور ہوا دی تو انہوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے خلاف ایک گھناؤنی سازش پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا، انہوں نے آپ کی بارگاہ میں پیغام بھیجا کہ آپ اپنے تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر ہمارے ہاں تشریف لائیں، ہمارے تیس علماء آپ سے گفتگو کریں گے، اگر وہ ایمان لے آئے تو ہم تمام ایمان لے آئیں گے، اس طرح ہمارا اور آپ کا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا، حضور سرور دو عالم ﷺ نے ان کی دعوت قبول فرمائی اور تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ان کے ہاں پہنچ گئے، انہوں نے ان افراد کو دیکھ کر آپس میں مشورہ کیا کہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں ہم اپنی سازش پر عمل نہیں کرسکتے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ دونوں فریقوں کی طرف سے صرف تین تین افراد شریک ہوں گے، جب یہ معاملہ بھی طے ہوگیا تو یہودیوں کے تین آدمی آگے بڑھے جنہوں نے اپنے پاس خنجر چھپا رکھے تھے، بنونضیر میں دو بہن بھائی حضور اکرم ﷺ کے وفادار غلام تھے، کلمے کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے، بہن کو یہودیوں کی سازش کا علم ہوگیا تو اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ فوراً حضور اکرم ﷺ کو ان کے ناپاک ارادے کی اطلاع پہنچا دو، جب اس نے اطلاع پہنچا دی تو آپ وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اس ایمان دشمن قبیلے کے خلاف فیصلہ کن اقدام کا ارادہ فرمالیا، کچھ مورخین اور محدثین نے اس واقعے کو غزوہ بنی نضیر کا باعث قرار دیا ہے۔ ﴿ملخصاً سبل الھدیٰ: ۴/۳۵۱﴾

ابن امیہ ضمری کا واقعہ:

بئر معونہ کے بیان میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا جاچکا ہے کہ انہوں نے وادی قناۃ میں بنو عامر کے دو افراد کو ستر صحابہ کرام کے انتقام کی نیت سے فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا حالانکہ وہ دونوں حضور سراپا نور ﷺ کے امان یافتہ تھے، جب یہ ساری

کارروائی آپ تک پہنچی تو آپ نے ان کے خون بہا کا انتظام فرمایا، یہودیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے میں یہ بھی مرقوم تھا کہ دونوں فریق کسی مقتول کی دیت کی ادائیگی میں ایک دوسرے کی امداد کریں گے، چنانچہ آپ اپنے آٹھ یا نو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے تا کہ انہیں مذکورہ دیت کی ادائیگی میں تعاون کی دعوت دی جائے پھر جب آپ نے تعاون کی دعوت دی تو بنونضیر نے بڑے ادب واحترام سے کہا کہ آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث افتخار ہے، ہم آپ کی ضرور امداد کریں گے، حضور اکرم ﷺ ایک مکان کے سائے میں جلوہ افروز تھے، یہودیوں نے ذرا پیچھے ہٹ کر آپس میں سرگوشی کی کہ اس سے اچھا موقعہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا، کون ہے جو اس مکان سے پتھر گرا کر انہیں شہید کر دے اور ہمیشہ کے لیے ان سے نجات دلا دے، عمر بن حجاش نے یہ کام اپنے ذمے لیا، امام ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سلام بن مشکم نے کہا، یہ کام نہ کرو، تمہارے سارے منصوبے کی انہیں اطلاع ہو جائے گی اور ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے، وہ بھی ٹوٹ جائے گا، امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک، صاحب لولاک ﷺ کو اس خطرناک منصوبے سے آگاہ فرما دیا تو آپ فوراً باہر نکل گئے، صحابہ کرام ﴿جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے﴾ وہیں بیٹھے رہے، آپ تیز چل کر مدینہ منورہ پہنچ گئے، دیر تک انتظار کرنے کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی اٹھ کر چلے آئے، آپ نے ان سب کو یہودیوں کے خطرناک منصوبے سے آگاہ کیا، اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

"یاایها الذین امنو اذکرو انعمت الله علیکم اذهم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیهم فکف ایدیهم عنکم ......" اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے ہاتھ بڑھا کر تمہیں قتل کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ روک لیے اور وہ کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ ﴿سورۃ المائدہ:۱۱﴾

روایات میں آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد ایک

یہودی عالم کنانہ بن صویرہ نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے، وہ کیوں چلے گئے ہیں، ایک یہودی نے کہا، باخدا ہمیں معلوم نہیں، اس نے کہا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارے منصوبے سے آگاہ کردیا ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ رسول برحق ہیں اور نبی آخر الزماں ہیں، تم صرف حسد کی وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے، اب تمہیں یہاں سے جلاوطن کردیا جائے گا، تم ان پر ایمان لے آؤ تو تمہارے مال واسباب محفوظ ہوجائیں گے یا ان کے حکم کو مانتے ہوئے جلاوطنی اختیار کرلو، انہوں نے کہا، ہمیں دوسری تجویز منظور ہے، کیونکہ ہم تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی بھی طرح چھوڑ نہیں سکتے۔ ﴿سبل الہدیٰ: ۱۴/۳۵۴﴾ متعدد مورخین کے نزدیک یہ واقعہ غزوہ بنی نضیر کا باعث ہے، جس نے ان کی تقدیر کا فیصلہ کردیا اور وہ مدینہ منورہ جیسے علاقے سے جلاوطن کردیئے گئے۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی آمد:

حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ آتے ہی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنونضیر کی جانب روانہ فرمایا کہ انہیں یہ پیغام دو کہ تم لوگ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے، لہذا تم لوگ مدینہ منورہ سے نکل جاؤ، تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس کے بعد کوئی شخص پایا گیا تو اس کی گردن ماردی جائے گی، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بنونضیر کے پاس پہنچے اور ان کو مخاطب کیا، میں رسول اللہ ﷺ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں مگر اس سے پہلے ایک درینہ بات یاد کروانا چاہتا ہوں، وہ بولے، کونسی بات یاد کروانا چاہتے ہو، انہوں نے کہا، رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے میں تمہارے پاس آیا تھا اور تم تورات سامنے رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے، تم نے مجھے کھانے کی اور یہودی بننے کی دعوت دی تھی، میں نے کھانا قبول کرلیا تھا اور تمہارا دین ٹھکرا دیا تھا، تم نے کہا تھا کہ تم ہمارا دین کیوں نہیں قبول کر رہے، کیا تمہیں دین ابراہیمی کی تلاش ہے، اس دین کا پیغمبر پیدا ہوچکا ہے، وہ مسکرانے والا ہے، دشمنان خدا کو مارنے والا ہے، اس کی چشمان دلنشیں میں سرخ ڈورے ہیں، وہ ﴿یہاں﴾ یمن کی جانب سے اونٹنی پر سوار ہوکر آئے گا، اس کے سر انور پر عمامہ ہوگا، وہ روٹی کے سخت ٹکڑے پر بھی کفایت کرلے گا، اس کی گردن میں تلوار حمائل ہوگی، وہ علم وحکمت کی باتیں ارشاد فرمائے گا، تمام یہودی تصدیق کرنے لگے کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس قسم کی گفتگو کی ہے

مگر یہ تمام علامات تمہارے پیغمبر میں نہیں پائی جاتیں، انہوں نے کہا، میں نے جو کہنا چاہا کہہ لیا، اب رسول اللہ ﷺ کا پیغام سن لو، آپ نے فرمایا ہے کہ تم لوگوں نے میرے خلاف یہ منصوبہ تیار کر کے معاہدہ توڑ دیا ہے لہذا تم لوگ مدینہ منورہ سے نکل جاؤ، یہ پیغام رسالت سن کر تمام یہودی سکتے میں آگئے، کیونکہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے فرد تھے اور اس قبیلے کے بنونضیر کے ساتھ پرانے تعلقات استوار تھے، انہوں نے تعجب سے کہا کہ قبیلہ اوس کا ایک فرد ہمیں جلاوطنی کا پیغام سنا رہا ہے،، انہوں نے جواب دیا اب دن تبدیل ہو چکے ہیں، پھر یہودیوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی اور اپنے چراگاہ ذوجدر سے اپنی سواری اور باربرداری کے جانور منگوانے لگے، امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے کچھ افراد کے ہاتھ یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ تم لوگ مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹے رہو اور صبر سے کام لو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر ان سے لڑیں گے اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، میری قوم کے دو ہزار جواں مرد جب تک زندہ ہیں، کوئی بھی تمہارے قریب نہیں آسکے گا، بنوقریظہ بھی اس مصیبت میں تمہارے ساتھ ہوں گے، پھر اس نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے مذہب کے افراد کی امداد کرو مگر اس نے صاف جواب دے دیا کہ جب تک میں موجود ہوں میرا کوئی آدمی معاہدہ نہیں توڑ سکتا، بنونضیر کے سردار حی بن اخطب کو اسکے ساتھی سلام بن مشکم نے مشورہ دیا کہ تم عبداللہ بن ابی کی باتوں میں نہ آؤ، اللہ کی قسم! تم خود جانتے ہو کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ رسول برحق ہیں اور ان کی صفت وثنا ہماری کتاب میں مرقوم ہے، ہم حسد کی وجہ سے ان کی اتباع نہیں کر رہے تو چلو ان کی اس پرامن پیش کش پر عمل کرتے ہوئے انکے شہر سے نکل جائیں، اگر انہوں نے محاصرہ کر لیا تو پھر صلح کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی، حی بن اخطب نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا، یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو سکیں، عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہماری امداد کرے گا، سلام بن مشکم نے کہا، اس کا وعدہ ناقابل اعتبار ہے، اس نے بنوقینقاع کے ساتھ بھی اس طرح کا وعدہ کیا تھا جو اس کے حلیف تھے، ہم تو اس کے حریف رہے ہیں پھر ہمارا وہ کیسے مددگار بنے

گا، حی بن اخطب نے کہا، میں تو ان کے ساتھ عداوت اور جنگ وجدال کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہتا ہوں، سلام بن مشکم نے کہا، خدا کی قسم! تمہارا یہی رویہ ہماری جلاوطنی اور مال و شرف کی بربادی کا سبب بنے گا، اب ہماری اولاد گرفتار ہوگی اور نوجوان قتل ہوں گے، اس طرح ایک دوسرے سردار ابن ابی حقیق کے نوجوان لڑکے ساموک نے کہا، حی بن اخطب تم بہت زیادہ منحوس ہو، تم بنونضیر کو تباہ کر کے رہو گے، وہ تلملا کر بولا، اب قبیلے کا ہر فرد مجھے نشانہ بنائے گا، پھر اس نے اپنے بھائی جدی بن اخطب کے ہاتھ حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں پیغام بھیجا، آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کرلیں، ہم اپنے مالوں اور گھروں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے، پھر اس نے تاکید کی کہ یہ پیغام پہنچا کر عبداللہ بن ابی کے پاس جانا اور اسے کہنا کہ اپنے دو ہزار جوانوں کا لشکر لے کر ہماری امداد کے لیے نکلو، ہم نے تمہارے مشورے پر عمل کیا ہے، جب جدی بن اخطب نے اپنے بھائی کا پیغام پہنچایا تو حضور پیغمبر نور ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا، صحابہ کرام نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا، پھر آپ نے فرمایا، اب قوم یہود سے جنگ ہو کر رہے گی، بعد ازاں جدی بن اخطب منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس گیا جو اپنے مخصوص ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران اہل اسلام کی طرف سے جہاد کی آواز بلند ہونے لگی تو اس کا اپنا بیٹا عبداللہ مسلح ہو کر دعوت جہاد پر لبیک کہتا ہوا گھر سے نکل گیا مگر وہ اسے روک نہ سکا، اس نے جدی بن اخطب کا مدعا سن کر صرف اتنا جواب دیا کہ میں اپنے حلیف قبیلے بنو غطفان کو بلاتا ہوں، وہ تمہارے ساتھ قلعہ بند ہو جائیں گے، جدی بن اخطب نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے تو اس شخص میں کوئی خیر نظر نہیں آتی۔

بنونضیر کا محاصرہ:

حضور اکرم ﷺ نے امامت کے لیے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں مقرر فرمایا اور خود صحابہ کرام کے ہمراہ بنونضیر کی طرف روانہ ہو گئے، آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا چمڑے کا بنا ہوا قبہ نما خیمہ دے کر بھیجا جو اگلے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بنو خطمہ کے کھلے میدان میں نصب کر دیا، آپ نے نماز عصر بنونضیر کے کھلے میدان میں ادا فرمائی، یہودی اپنے مضبوط قلعوں میں محصور ہو گئے اور دیوار پر چڑھ کر اہل اسلام پر تیر برساتے اور پتھر پھینکتے رہے، پھر آپ نے نماز عشاء تک وہیں قیام کیا، بعد ازاں آپ دس

صحابہ کرام کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ گئے، آپ کے بعد لشکر اسلام کی کمان حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد رہی، رات کو مسلمانوں نے محاصرہ جاری رکھا اور بلند آواز سے نعرے لگاتے رہے، اگلے روز آپ نے میدان بنی خطمہ میں نماز فجر ادا فرمائی اور خیمے میں جلوہ افروز ہو گئے، یہودیوں کے ایک تیرانداز عزوک نے آپ کے خیمہ مقدسہ پر تیراندازی شروع کر دی، آپ نے خیمہ ذرا اور ہٹا کر نصب کرنے کا حکم دیا، تاکہ یہودی کے تیروں سے بچا جا سکے، دوسرے دن بھی محاصرہ جاری رہا، حی بن اخطب کے ساتھی پوچھتے رہے کہ تمہارا عبداللہ بن ابی اور اس کے دو ہزار جوان کدھر چلے گئے، اس نے مایوس ہو کر جواب دیا، ہماری قسمت میں تباہی لکھی ہوئی تھی، نماز عشاء کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہودیوں کے تیر انداز عزوک کا سر کاٹ کر لے آئے کیونکہ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گھات لگا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بیٹھا ہوا تھا، پھر حضور اکرم ﷺ نے ان کے ہمراہ حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم جیسے بہادروں کو بھیجا کہ اس کے ساتھیوں کا صفایا کر دیں چنانچہ انہوں نے ان یہودیوں کے سر کاٹ کر بنو خطمہ کے ایک کنویں میں پھینک دیئے، محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا، آپ نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا حکم صادر کر دیا، ایک تو یہ حکم جنگی نقطہ نگاہ سے تھا کیونکہ وہ درختوں کی آڑ لے کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے تھے، دوسرا ان درختوں کے ساتھ یہودیوں کا خصوصی لگاؤ تھا، وہ ان کو برباد ہوتا دیکھ کر جلد ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہو جائیں گے، اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ صورتحال بہت نازک تھی کیونکہ ان کے لیے تاریخ کے اس نازک موڑ پر اس قسم کی جنگ کا انجام خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا، آپ دیکھ رہے تھے کہ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا اور ان کے دو تبلیغی وفود نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیے جا چکے تھے، پھر بنونضیر کے یہودی اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار پھینکنا آسان نہ تھا، ان سے جنگ کرنے میں طرح طرح کے خدشات تھے مگر بئر معونہ کے المیے سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات نے جو کروٹ لی تھی اس کی وجہ سے مسلمان قتل اور بدعہدی جیسے جرائم کے سلسلے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ انتقام فزوں تر ہو گیا تھا، لہذا انہوں نے طے کر لیا چونکہ بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا تھا، اس لیے ان

سے بہر حال جنگ لڑنی ہے خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں، درختوں کو کاٹنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابویعلی ماذنی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا، حضرت ماذنی رضی اللہ عنہ تو عجوہ کھجور کے درختوں کو کاٹنے لگے تاکہ بنو نضیر کو زیادہ سے زیادہ افسوس ہو اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ عام کھجور کے درختوں کو کاٹنے لگے کہ آخر یہ سب نخلستان مسلمانوں کو نصیب ہونے والے تھے، جب عجوہ کھجوروں کے درخت کٹ کر گر رہے تھے تو یہودی عورتیں غم واندوہ سے اپنے گریبان پھاڑ رہی تھیں اور اپنے رخساروں پر تھپڑ مار کر واویلہ کر رہی تھیں، حی بن اخطب نے پیغام بھیجا کہ آپ یہ درخت کیوں کٹوا رہے ہیں، آپ تو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکا کرتے ہیں، آپ نے جواب دیا ہم اس لیے درخت کٹوا رہے ہیں کہ تم جنگ وجدال سے باز آجاؤ، ادھر قرآن پاک نے بھی اعلان فرما دیا:

”ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علیٰ اصولها فباذن الله و لیخزی الفسقین“ ”تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے اور جنکو تنوں پر کھڑا رہنے دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ذلیل کرے،“ ﴿سورۃ الحشر: ۵﴾

اس آیت مبارکہ کی شان نزول میں کچھ مفسرین نے رقم فرمایا ہے کہ یہودیوں کی اس بات سے کچھ مسلمانوں کے دل میں پریشانی پیدا ہوئی کہ ہم کھجوروں کے درخت کیوں کاٹ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھا دیا کہ یہ کام ان کی رسوائی کے لیے کیا جا رہا ہے، یہاں اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ وہ لوگ تو حضور محبوب خدا، محسن انسانیت، چارہ ساز آدمیت، فخر آدم و بنی آدم ﷺ کو شہید کرنا چاہتے تھے، کائنات کے اس سب سے بڑے جرم کے مقابلے صرف درختوں کو کاٹنا کیا معنیٰ رکھتا ہے، آپ کی یہ جنگی حکمت عملی بہت کارگر ثابت ہوئی، چنانچہ یہودی چھ راتوں بروایت دیگر پندرہ راتوں کے محاصرے سے تنگ آگئے، اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اہل اسلام کا رعب ڈال دیا اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، آخر انہوں نے جلاوطنی کی پیشکش قبول کر لی، آپ نے بھی ان کی یہ درخواست منظور فرمالی کہ وہ اسلحہ کے سوا باقی جتنا ساز وسامان اونٹوں پر لاد سکتے ہوں سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں گے، پھر انہوں نے اپنے ہاتھ سے مکانات اجاڑ

ڈالے تاکہ دروازے اور کھڑکیاں بھی لاد کر لے جائیں بلکہ بعض یہودیوں نے تو دیواروں کی کھونٹیاں اور چھتوں کی کڑیاں بھی لادلیں، پھر عورتوں اور بچوں کو سوار کیا اور چھ سو اونٹوں پر لدلدا کر روانہ ہوگئے، قرآن پاک کی آیت کریمہ: 'ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل اللکتاب من دیارھم و قذف فی قلوبھم الرعب فا عتبروایا اولی الابصار' ﴿یعنی وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے نکالا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، پس اے اہل نظر خوب غور وفکر سے کام لو﴾ میں ان کی جلاوطنی کا تذکرہ ہے اور تورات میں مذکور ہے، باغی لڑکے دولت اور خزانہ لے کر اس قوم کے پاس جاتے ہیں جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، ﴿کتاب یسعیاہ: ۳۰/۲﴾ بعض روایات میں آتا ہے کہ روانہ ہوتے وقت وہ بہت خوشی کا اظہار کررہے تھے، ناچ رہے تھے، گا رہے تھے اور اپنے سونے چاندی کے زیورات کی نمائش کررہے تھے کہ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ ہمیں اس جلاوطنی کا کوئی غم نہیں ہے، ہم نے یہ مال و دولت ایسے ہی موقعوں کے لیے جمع کر رکھا ہے، ہمیں ان باغوں کی بھی کوئی فکر نہیں، خیبر میں ان سے اچھے باغات ہمارا راستہ دیکھ رہے ہیں، ان کی ان شرمناک حرکتوں سے اہل ایمان بالکل مشتعل نہ ہوئے بلکہ ان کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، جن مستان چشم نبوت نے حسن نبوت کا نظارا کرلیا تھا، وہ ان دنیوی نظاروں کو کیا سمجھتے تھے، یہودیوں کے اکابر حی بن اخطب اور سلام بن ابی حقیق وغیرہ نے خیبر کا رخ کیا جبکہ ایک جماعت ملک شام میں جا کر آباد ہوگئی، حدیث پاک ہے 'ان المدینۃ تنقی کما ینقی الکور خبث الحدید' ﴿بے شک مدینہ خباثت کو صاف کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کو صاف کر دیتی ہے، ﴿مدارج: ۲۵۸/۲﴾ صرف یامین بن عمرو اور ابوسعید بن وہب نے اسلام قبول کرلیا اور ہمیشہ کے لیے دامن رحمت سے وابستہ ہوگئے، عبداللہ بن ابی نے ان کی امداد نہ کی تو اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمادی:

"جیسے شیطان آدمی سے کہتا ہے کہ تم کفر اختیار کرو اور جب وہ کفر اختیار کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تم سے بری ہوں" ﴿سورۃ الحشر: ۱۶﴾

رسول اکرم ﷺ نے شرط کے مطابق بنونضیر کے ہتھیار، زمین، مکانات اور باغات اپنے قبضے میں لے لیے، ہتھیاروں میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس

تلواریں تھیں، یہ مکانات و باغات رسول اکرم ﷺ کا حق تھے، آپ کو مکمل اختیار تھا کہ آپ انہیں اپنے لیے محفوظ رکھیں یا تقسیم فرما دیں، چنانچہ آپ نے ان اموال کا خمس نہیں نکالا کیوں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور فے عطا فرمایا تھا، مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر بزور شمشیر فتح نہیں کیا تھا لہٰذا آپ نے خصوصی اختیارات کے ذریعے پورا مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر انصار مدینہ کے بے لوث فدا کاروں کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ اے انصار مدینہ! اگر تم چاہو تو تمہارے مکانات اور رقبہ جات جو تم نے مہاجرین کو دے رکھے ہیں، وہ تم کو واپس کر دیئے جائیں اور بنو نضیر کے مکانات اور اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں، انصار مدینہ کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یا بروایت دیگر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمارے اموال و اسباب بھی ان کے پاس ہی رہنے دیں اور بنو نضیر کے اموال و اسباب بھی انہیں عطا فرما دیں، پھر سارے انصار مدینہ نے بیک زبان ہو کر اعلان کیا، ہمیں یہ تجویز بسرو چشم قبول ہے، حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی، اے اللہ! میرے انصار پر رحم فرما، ان کی اولاد اور پھر ان کی اولاد پر رحم فرما، ﴿مدارج النبوۃ ۲/۲۶۰﴾ انصار مدینہ میں سے حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کچھ زیادہ نادار تھے، آپ نے ان کو بھی ان اموال سے حصہ عطا فرمایا، ابن ابی حقیق یہودی کی تلوار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی جو نہایت عمدہ اور نفیس تھی، آپ نے اپنے لیے زمین کا ایک چھوٹا سے قطعہ منتخب فرمایا، جس سے ازواج مطہرات کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے اور جو کچھ باقی بچتا وہ جہاد کے ہتھیاروں اور گھوڑوں کے لیے صرف کرتے تھے، ﴿صحیح بخاری شریف﴾ اس کے علاوہ جملہ اموال و اسباب اپنے مہاجرین کرام میں تقسیم کر دیئے، یہ واقعہ آپکی شہرہ آفاق سخاوت کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں ، در بے بہا دیئے ہیں

اللہ تعالیٰ نے غزوہ بنو نضیر کے تناظر میں سورۃ الحشر نازل فرمائی جسمیں یہودیوں

کی جلاوطنی، منافقوں کی بے وفائی، مال فے کی شرعی حیثیت اور مہاجرین وانصار کی پاکیزہ قلبی کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جنگی نقطہ نگاہ سے دشمن کے درخت کاٹے جاسکتے ہیں اوران میں آگ لگائی جاسکتی ہے، یہ کام فساد فی الارض کے زمرے میں داخل نہیں، پھر آخر میں اہل ایمان کوتقویٰ اور یوم آخرت کی نصیحت کی گئی ہے، ان تمام مضامین کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنہ کی کہکشاں سے اہل اسلام کے قلب ونگاہ کوخوب اجاگر کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ الحشر کوسورہ بنی النضیر کے نام سے یاد کرنے کا حکم صادر فرمایا کرتے تھے، ﴿سیرت ابن ہشام: ۱۹۲/۲﴾ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر غزوہ بنونضیر کی منظرکشی کررہا ہے ؎

وھان علیٰ سراۃ بنی لؤی　　　حریق بالبویرۃ مستطیر

ترجمہ: بنولوی ﴿قریش﴾ کے سرداروں کے نزدیک تو بویرہ کے باغات میں چاروں طرف پھیلی ہوئی آگ ایک معمولی واقعہ ثابت ہوئی۔

اس کے جواب میں ابوسفیان بن حارث نے کہا ؎

ادام اللہ ذلک من صنیع　　　و حرق فی نواحیھا السعیر

ستعلم اینا منھا بنزہ　　　و تعلم ای ارضینا تضیر

ترجمہ: خدا کرے یہ کام جاری رہے اوراس کے اطراف میں آگ بھڑکتی رہے، تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ ہم میں سے کون اس سے دور ہے اور ہم دونوں میں سے کس کی زمینوں کونقصان پہنچا ہے۔ ﴿مختصر سیرت الرسول: ۴۲۱﴾

غزوۂ نجد کا واقعہ:

غزوہ بنی نضیر کے بعد اہل اسلام کے رعب ودبدبہ میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا، یہودیوں کے ایک نامی گرامی قبیلے کے اخراج سے منافقین مدینہ پر بھی دہشت طاری ہوگئی، اب رسول اللہ ﷺ نے ان صحرائی بدوؤں کی خبر لینے کا فیصلہ کیا جوغزوہ احد کے بعد اہل اسلام کے لیے مسلسل دردسر بنے ہوئے تھے اور بہت سے پاک طینت مبلغین دین فطرت کوشہید کرچکے تھے اور مدینہ منورہ پرحملہ کرنے کی تیاری کررہے تھے، چنانچہ اس سے پہلے کہ آپ اس مقصد وحید کے لیے نکلتے، آپ کومعلوم ہوا کہ بنوغطفان کے دو قبیلے بنو

محارب اور بنو ثعلبہ جنگ کے لیے اعراب کی اچھی خاصی تعداد فراہم کر رہے ہیں، آپ نے فوراً حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ یا بروایت دیگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر علاقہ نجد پر یلغار فرمائی اور دور تک چلے گئے، اس سے سنگ دل نجدیوں پر خوف طاری ہو گیا اور ساتھ ہی صحرائی بدو جو لوٹ مار کی تیاری میں مصروف تھے، خوفزدہ ہو کر مفرور ہو گئے، اہل اسلام اپنی شوکت و سلطنت کا جلال دکھانے کے بعض مدینہ منورہ کی جانب لوٹ آئے، یہ غزوہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴ ہجری کو پیش آیا مگر کچھ سیرت نگاروں نے اسے ہی غزوہ ذات الرقاع کا نام دے دیا ہے حالانکہ یہ تحقیق کے خلاف ہے، اس موضوع پر غزوہ ذات الرقاع کے بیان میں گفتگو کی جائے گی، غزوہ نجد میں اہل اسلام کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے، مثلاً میدان بدر میں ابو سفیان کے ساتھ جس ہولناک جنگ کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ بھی قریب آ رہی تھی اور اس جنگ میں صحرائی اور نجدی اعراب اہل اسلام کو شدید نقصان پہنچا سکتے تھے، اس لیے آپ نے ان کے ممکنہ حملوں کا سدباب کرنے کے لیے یہ سفر اختیار فرمایا اور ان کی جرأت و جسارت کے سامنے اپنے عزم و ہمت کی ناقابل شکست دیوار کھڑی کر دی، اس سے آپ کے جنگی فہم و فراست کو سارا زمانہ سلام پیش کر رہا ہے۔

غزوہ بدر الصغریٰ:

جوں جوں وعدہ جنگ کے دن قریب آ رہے تھے، ابو سفیان کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اس نے جنگ رکوانے کے لیے ایک بہت بڑے افواہ طراز نعیم بن مسعود اشجعی کو بیس اونٹوں کے بدلے مدینہ منورہ بھیجا کہ وہاں جا کر کفار کی قوت و حشمت کے متعلق افواہیں پھیلائے جن سے مرعوب ہو کر مسلمان جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور بغیر کسی حیل و حجت کے میدان اس کے ہاتھ میں رہے، نعیم بن مسعود نے مدینہ منورہ پہنچ کر خوب افواہیں پھیلائیں جس سے منافقوں اور یہودیوں کے حوصلے قدرے بیدار ہو گئے، حضور اکرم ﷺ نے بھی حالات پر غور کرنے کے لیے مجلس مشاورت طلب فرمائی، جس میں جلیل القدر صحابہ کرام شریک ہوئے اور اپنے مشوروں کا اظہار کیا، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ اسلام اور پیغمبر اسلام کو عزت

دینے والا ہے، ہم نے قوم کفار سے جنگ کا وعدہ کیا ہے، اگر ہم نے وعدہ پورا نہ کیا تو وہ ہمیں بزدل سمجھیں گے، آپ وقت مقرر پر تشریف لے چلیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! اسی میں خیر موجزن ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں وقت مقرر پر ضرور جاؤں گا خواہ میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہ نکلے، حضور اکرم ﷺ جمادی الاولیٰ سے رجب المرجب تک مدینہ منورہ میں جلوہ افروز رہے، شعبان المعظم ۴ھ جنوری ۶۲۶ء میں حضرت عبداللہ بن رواحہ یا بروایت دیگر عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو نائب بنایا اور ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر میدان بدر کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ ابوسفیان سے جنگ کا وعدہ پورا کیا جائے، لشکر اسلام کے پاس دس گھوڑے تھے اور علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دست شجاعت میں تھا، آپ میدان بدر میں خیمہ زن ہو کر کفار مکہ کا انتظار کرنے لگے، ادھر ابوسفیان پچاس سواروں کے ساتھ دو ہزار مشرکوں کی جماعت لے کر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا اور صرف ایک مرحلہ دور وادی مر الظہر ان میں مجنہ نامی چشمے کے کنارے خیمہ زن ہو گیا، اس کے دل و دماغ پر اہل اسلام کی ہیبت طاری تھی اور اس کی ہمت جواب دے چکی تھی، اس نے واپسی کا بہانہ تراشتے ہوئے اپنی قوم سے کہا، لوگو! جنگیں شادابی اور خوشحالی کے دنوں میں موزوں ہوتی ہیں، جب جانور بھی چر سکتے ہیں اور تم بھی دودھ پی سکتے ہو، اس وقت خشک سالی ہے لہذا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی میرے ساتھ چلو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام کفار مکہ پر خوف و ہراس کا غلبہ تھا، کسی ایک فرد نے بھی اس کے ساتھ اختلاف نہ کیا اور سب اس کے ساتھ واپس چلے گئے، اہل اسلام نے آٹھ روز تک اپنے حریف کا انتظار کیا، اس دوران وہ اپنا سامان تجارت بھی ساتھ لے آئے تھے کہ چلو ساتھ خرید و فروخت بھی ہو جائے گی کیونکہ ان دنوں بدر کے قریب ایک تجارتی بازار لگایا جاتا تھا، اس سے اہل اسلام نے خوب مالی فائدہ حاصل کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، ربحت لدینار دینارا، مسلمان کامیابی کے پرچم لہراتے ہوئے عازم مدینہ ہوئے، ادھر اہل مکہ نے اپنے لشکر کو خائب و خاسر ہو کر واپس آتے دیکھا تو پکار اٹھے، یہ لوگ جنگ لڑنے کے لیے نہیں، ستو پینے کے لیے گئے تھے، اس طرح یہ لشکر جیش السویق کے نام سے مشہور ہو گیا، معبد بن ابی معبد خزاعی بھی بازار بدر میں موجود تھا، اس نے

ساری کارروائی ابوسفیان کو سنائی کہ اہل اسلام اپنے وعدے کے مطابق وہاں پہنچے تھے اور سارے بازار بدر میں ان کی کثرت تھی، صفوان بن امیہ نے کہا، میں نے اس دن تمہیں وعدہ جنگ سے منع کیا تھا مگر تم باز نہ آئے اور آج ہمیں شرمسار ہونا پڑا، اس غزوہ سے اہل اسلام سر بلند اور اہل کفر ذلیل و رسوا ہوئے، یہ غزوہ بدر الصغریٰ، بدر الموعد، بدر الثانیہ، بدر الآخر کے نام سے بھی معروف ہے، ﴿زاد المعاد: ۲/۱۱۲، سیرت ابن ہشام: ۲/۲۱۰﴾ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ کے متعلق کیا خوب فرمایا ہے

وعدنا اباسفیان بدراً ولم نجد لميعاده صدقاً وما كان وافياً

واقسم لو وافيتنا و لقيتنا لابت ذميماً وافتقدت المواليا

عصيتم رسول الله أفِ لدينكم وامر كم للسّى الذى كان غاويا

فانى وان عنّفتونى لقائل فدى لرسول الله اهلى و مواليا

اطعناه لم نعدله فينا بغيره شهاباً لنا فى ظلمة الليل هاديا

ترجمہ: ہم نے ابوسفیان کے ساتھ بدر کا وعدہ کیا مگر اسے وعدے میں سچا نہ پایا، وہ ایفائے عہد والا نہیں، خدا تعالیٰ کی قسم! اگر تم اس دن ہمارے سامنے آتے تو اس حال میں لوٹتے کہ تمہاری تذلیل کی جاتی اور تم اپنے بھائیوں کو گنوا دیتے، تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی، افسوس ہے تمہارے دین پر جو گمراہی پر قائم ہے، تم مجھے جو کچھ مرضی کہو مگر میری آرزو یہی ہے کہ میں، میرے اہل وعیال اور مال ومنال رسول اللہ ﷺ پر نچھاور ہو جائیں، ہم نے آپ کی اتباع کی ہے اور ہم کسی کو بھی آپ کا ہمسر نہیں سمجھتے، آپ تو روشن ستارے کی طرح تاریک رات میں سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں، ﴿سبل الہدیٰ: ۴/۲۸۱﴾

دیگر اہم واقعات:

۴ ہجری میں کچھ اور بھی اہم واقعات رونما ہوئے جن کی تاریخی اہمیت سب مورخین کے نزدیک مسلّم ہے، چند ایک واقعات کا ذکر حسب ذیل ہے۔

......﴿1﴾......

ماہ ربیع الثانی ۴ ہجری میں ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا،

آپ بہت غریب پرور خاتون تھیں، اسی صفت عظیم کی وجہ سے آپ کو ام المساکین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، آپ نے حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف آٹھ ماہ بسر کیے اور وصال کے بعد جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

﴿2﴾

حضرت رقیہ بنت رسول رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک صاحبزادہ ہوا جس کا نام عبداللہ تھا، اس کی وجہ سے ان کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہے، ۴ ہجری میں اس کی عمر چھ ماہ تھی کہ پرندے نے آنکھ میں چونچ ماردی اور اس زخم کی تکلیف سے راہی ملک بقا ہوگیا۔

﴿3﴾

۵ شعبان المعظم ۴ ھ کو کاشانہ فاطمۃ الزہرا میں حضرت امام عالی مقام حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، حضور اکرم ﷺ بہت زیادہ مسرور ہوئے، کھجور کا دانہ اپنے دھن اقدس میں چبا کر انہیں مبارک گھٹی سے نوازا، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، ساتویں دن عقیقہ کروایا اور بال منڈوائے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی اور نام حسین تجویز فرمایا، ساتویں دن ہی ختنہ فرمایا، حضرت امام عالی مقام سراپا حسن مصطفٰے کے مظہر تھے، محبوب خدا کے محبوب تھے، آپ کی شہادت کی خبر حضور اکرم ﷺ نے آپ کے بچپن ہی میں بیان فرمادی جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے، آپ کی جلوہ گری سے خاندان اہل بیت کی رونقوں میں اضافہ ہوگیا۔

﴿4﴾

۴ ھ میں حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا، وہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے، انہوں نے حضرت عثمان غنی، حضرت ابوعبیدہ، حضرت ارقم بن ابی ارقم کے ساتھ ایک ہی روز اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کے جان نثاروں میں شامل ہوگئے، ہجرت حبشہ سے مشرف ہوئے، بعد ازاں ہجرت مدینہ سے سرفراز ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ اور صاحبزادہ سلمہ نے ہجرت مدینہ کے سلسلے میں بہت زیادہ صدمے برداشت کیے، یہ سارا خاندان بے مثال قربانیوں

سے مالا مال ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے انا للہ پڑھا، صبر سے عدت گزاری اور شادی کے پیغامات آنا شروع ہو گئے، پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح بھیجا، میں نے انکار کر دیا، پھر حضور اکرم ﷺ کی طرف سے پیغام نکاح موصول ہوا تو میں نے کہا، میں رسول اللہ ﷺ کو مرحبا کہتی ہوں مگر تین اوصاف کی وجہ سے آپ کے قابل نہیں، اولاً، میرے اندر غیرت کا جذبہ بہت زیادہ ہے، ﴿جسکی وجہ سے دیگر ازواج مطہرات کو برداشت کرنا مشکل ہوگا﴾ ثانیاً، میری اولاد زیادہ ہے، ثالثاً، میرا ولی کوئی نہیں جو میری طرف سے ایجاب وقبول کرے، رسول اللہ ﷺ نے ان اوصاف کے متعلق ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری غیرت کا جذبہ دور کر دے گا، اولاد کا بھی وہ کفیل ہے، پھر ان کی طرف سے ولی کا فریضہ ان کے فرزند حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، انہیں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں ٹھہرایا گیا، جس میں ایک گھڑا، ایک چکی اور ایک ہانڈی تھی، مہر کی رقم دس درہم کے قریب تھی، انہوں نے سات سال رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گزارے، آپ کی دعا کی برکت سے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ ان کے بہت اچھے مراسم قائم تھے، وہ انہیں اپنی بہنوں سے بھی زیادہ محبت کرتی تھیں، وصال مصطفےٰ کے بعد اڑتالیس سال دنیا میں رہیں اور آخر ۶۰ ھ میں چوراسی سال کی عمر میں وصال فرمایا، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

﴿5﴾

۴ ہجری میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، خود ان کا اور ان کے شوہر حضرت ابوطالب کا تعلق ہاشمی خاندان سے تھا، آغاز اسلام ہی میں دامن اسلام سے وابستہ ہوگئیں، حضور اکرم ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں اور بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں، آپ بھی انہیں اپنی سگی ماں کی طرح چاہتے تھے، آپ نے انہیں اپنی قمیض پہنائی اور دیر تک قبر انور میں دراز رہے تا کہ انہیں جہان برزخ کی برکات کا خزانہ نصیب ہو جائے، آپ نے ان پر نو یا بروایت دیگر ستر تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جب انہیں دفن کر لیا تو فرمایا، میری ماں! اللہ تعالیٰ تجھے خیر عطا فرمائے، بے شک

تو بہترین ماں تھی، آپ نے ان کے لیے اپنے اور دیگر انبیاء کرام کے وسیلے سے بھی دعا فرمائی جو کتب کثیرہ میں مرقوم ہے، آپ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا، ضغطہ قبر سے کوئی شخص محفوظ نہیں سوائے فاطمہ بنت اسد کے، اور فرمایا، ابو طالب کے بعد ان کے سوا کوئی نہ تھا جس نے میرے ساتھ ﴿اتنی﴾ نیکو کاری کی ہو، میں نے ان کو اس لیے قمیض پہنائی تا کہ بہشتی حلہ انہیں حاصل ہو اور ان کی قبر میں دراز ہوا تا کہ وہ قبر کی مصیبتوں سے نجات پائیں۔ ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۶۲﴾

﴿6﴾

۴ ہجری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سریانی زبان صرف پندرہ ایام میں سیکھی تا کہ یہودیوں کے خط و کتابت کا جواب دیا جاسکے، وہ بہترین قوت حافظہ کے مالک اور قرآن کریم کے بہترین حافظ تھے۔

﴿7﴾

مشہور روایات کے مطابق ۴ ہجری میں غزوہ بنی نضیر کے بعد شراب کی حرمت نازل ہوئی، حرمت خمر کے لیے تدریجی مراحل کا اہتمام کیا گیا کیونکہ صدیوں سے لوگ اس ام الخبائث کے دلدادہ تھے، ایک دم اسے چھوڑنا طبیعتوں میں اضمحلال پیدا کرسکتا تھا، پہلے اس کے نقصان دہ پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی گئی تا کہ لوگ مزاج فطرت سے آشنا ہو جائیں، فرمایا گیا، وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ منافع بھی ہے لوگوں کے لیے ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے، ﴿سورۃ البقرہ: ۲۱۹﴾ اس آیت کریمہ نے لوگوں کی طبیعت کو ان کاموں سے متنفر کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور وہ جاننا شروع ہو گئے کہ ان کے محبوب حقیقی کو یہ عمل ناپسند ہے، اس آیت کریمہ کے نزول پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، یہ حرمت شراب کا پیش خیمہ ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی تو دعا مانگی، اے اللہ! ہمارے اوپر واضح فرمان نازل فرما، اس کے بعد دوسرے حکم میں فرمایا گیا کہ اے ایمان والو! نشے کی حالت میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ، ﴿سورۃ النساء: ۴۳﴾ اس حکم سے بھی لوگوں نے مزاج فطرت کو اچھی طرح جان لیا کہ آخر وہ کس بات کا متقاضی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر دعا

مانگی، اے اللہ! ہمارے لیے واضح فرمان نازل فرما، پھر آخر میں سورۃ المائدہ کی یہ آیات نازل ہوئیں جنہوں نے بالکل حرمت قطعی کا پیغام سنا دیا:

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک عمل ہیں اور شیطانی کام ہیں، پس تم ان سے مکمل اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، شیطان کا یہی پروگرام ہے کہ وہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں ذکر خدا اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔ ﴿سورۃ المائدہ: ۹۰، ۹۱﴾

یہ حکم کیا نازل ہوا اہل اسلام نے اپنی عادت بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر قربان کر دی اور وفا شعاری کا انمول کردار ادا کیا، روایات میں آتا ہے کہ شراب گلیوں اور بازاروں میں پانی کی طرح بہا دی گئی اور ہمیشہ کے لیے اس کی سرمستیوں سے جان چھڑا لی گئی، یہاں اسلام کا یہ عظیم مقصد بھی اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ وہ صرف اجتماعی احوال کی اصلاح کے لیے نہیں ایک فرد بشر کی ذاتی، قلبی اور روحی اصلاح کے لیے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کرتا ہے، وہ انسان کو جملہ بنی نوع انسانی کے لیے باعث رحمت بنانا چاہتا ہے، اس لیے اس کے تزکیہ نفس کا مکمل نصاب فراہم کرتا ہے۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب، جستجو، عشق، حضور، اضطراب

……﴿8﴾……

۴ ہجری میں رجم کی سزا نافذ کی گئی، ایک مرد نے یہودی عورت سے بدکاری کی تو حضور اکرم ﷺ نے شریعت مطہرہ کے مطابق رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم دیا، انہوں نے کہا کہ ہم اپنے دین پر عمل کریں گے، تورات میں بدکاری کی سزا ہے کہ دونوں کا منہ کالا کر کے شہر میں پھرایا جائے، آپ نے فرمایا، تم جھوٹ بولتے ہو، تورات میں بدکاری کی سزا رجم ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو جھٹلایا اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی کیونکہ وہ تورات کے بہت بلند پایہ عالم تھے، چنانچہ یہودی تورات لا کر پڑھنے لگے، جب آیت رجم پر پہنچے تو اس پر ہاتھ رکھ کر چھپا لیا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کے کتمان حق کی قلعی کھول دی، پھر ان کو رجم کیا گیا۔ ﴿ملخصا مدارج النبوۃ: ۲۶۵/۲﴾

﴿9﴾

۴ ہجری میں بنوظفر کے ایک فرد طعمہ بن ابیرق نے حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر چوری کی اور ایک یہودی زید بن سمین کے گھر سامان پھینک گیا، بروایت دیگر اس کے سپرد کر گیا، سامان ایک زرہ اور ایک چمڑے کی تھیلی تھی جسمیں آٹا رکھا جاتا تھا، جب مال برآمد ہوا تو زید یہودی نے ساری حقیقت کھول دی، یہودیوں کی ایک جماعت بھی اس کی گواہ بن گئی، طعمہ چوری سے انکار کر چکا تھا، لوگ اسے پکڑ کر بارگاہ مصطفےٰ ﷺ میں لائے اور خیال کرنے لگے کہ حضور اکرم ﷺ طعمہ کو مسلمان سمجھ کر چھوڑ دیں گے اور یہودی کو سزا دیں گے، اس پر قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی، بے شک ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگوں کے درمیان جو اللہ آپ کو دکھائے، فیصلہ فرمائیں، اس کے بعد آپ نے زید بن سمین سے دست کشی اختیار فرمائی اور طعمہ کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا، اس پر طعمہ بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا، وہاں بھی اس نے چوری کی اور اہل مکہ کے ہاتھوں قتل ہوا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے دیوار میں نقب لگائی تو اس پر گر پڑی اور وہ دب کر ہلاک ہو گیا، صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ وہ مرتد ہو گیا اور اس نے اپنی جان چوری میں برباد کر دی، ایک روایت ہے کہ وہ وہاں سے بھاگ کر کشتی میں بیٹھا، کشتی میں بھی اس نے کسی کی تھیلی چرا لی اور لوگوں نے پکڑ کر اسے سمندر میں پھینک دیا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۶۶﴾

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں

⊙

باب ششم

سال پنجم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہجرت کا سال پنجم بھی اپنی گوناں گوں کامرانیوں کے ساتھ نمودار ہوا اور اہل اسلام کے گلستان امید میں ہزاروں شگوفے کھلکھلا کر خوشبو بکھیر نے لگے، بعض علما کرام کے مطابق اس سال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنا زر مکاتبت ادا کر کے آزادی حاصل کی اور ہمیشہ کے لیے محبوب داور، شافع محشر، ہادی برحق ﷺ کی خدمت اقدس میں آگئے، سرکار انس وجاں ﷺ نے بھی کمال لطف کا مظاہرہ کرتے ہوئے مژدہ جانفزا سنایا، سلمان منا اھل البیت، سلمان بھی ہمارے اہل بیت اطہار میں شامل ہے۔

غزوہ دومۃ الجندل:

رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر الصغریٰ سے واپس آئے تو ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا، پوری سلطنت اسلامی میں سکون واطمینان کی فضا قائم تھی، اب آپ جزیرہ نمائے عرب کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے بالکل فارغ ہو چکے تھے، اس کی ضرورت بھی تھی تا کہ حالات پر مسلمانوں کا غلبہ رہے، چنانچہ آپ نے چھ ماہ تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، اس دوران آپ کو اطلاعات موصول ہوئیں کہ شام کے قریب سرحدی شہر دومۃ الجندل کے اردگرد کچھ قبائل آباد ہیں اور وہ مسافروں راہگیروں اور قافلوں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ لوٹ رہے ہیں، یہ بھی اطلاع موصول ہوئی کہ ان قبائل نے ایک جمعیت بھی تیار کر لی ہے تا کہ موقع ملتے ہی مدینہ منورہ پر حملہ کر کے اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے، حضور محسن انسانیت ﷺ نے ان انسان دشمن قبائل کی سرکوبی کے لیے ایک ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر تیار کیا اور حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر کے کوچ فرمایا، یہ ۲۵ ربیع الاول ۵ ھ کا واقعہ ہے، راستہ بتانے کے لیے بنوعذرہ کے ایک آدمی کی خدمات حاصل کی گئیں، اس سفر کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیصر روم کو اہل اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت سے آشنا کیا جائے، دومۃ الجندل کا علاقہ مدینہ منورہ سے پندرہ رات کی مسافت پر جبکہ دمشق سے پانچ رات کے فاصلے پر تھا، ﴿زاد المعاد: ۲۵۵/۳﴾ اس سفر میں آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ راتوں کو فاصلے طے کرتے اور دنوں کو چھپے رہتے تا کہ دشمن کو ان کے آنے کی خبر نہ ہو سکے، جب منزل مقصود کے قریب

پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ باہر نکل گئے ہیں اور ان کے مویشی اور چرواہے موجود ہیں، اہل اسلام نے ان پر قبضہ کر لیا اور کچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، دومۃ الجندل کے باشندے بھی راہ فرار اختیار کر گئے، آپ نے کچھ قیام کا حکم صادر فرمایا اور ادھر ادھر مختلف علاقوں میں جنگی دستے روانہ فرمائے لیکن کوئی آدمی ہاتھ نہ آیا، صرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو گرفتار کر کے لائے، اس کو اسلام کی دعوت دی گئی جو اس نے قبول کر لی، بالآخر ۲۰ ربیع الثانی کو آپ مدینہ منورہ واپس آ گئے، اس سفر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قبیلہ فزارہ کے سردار عینیہ بن حصن سے مصالحت ہوئی اور آپ نے اسے تغلبین سے مراض کے علاقے میں اپنے اونٹ اور بکریاں چرانے کی اجازت عطا فرمائی، اس قسم کے فیصلہ کن اقدامات نے اہل اسلام کا سکہ جما دیا اور مسلسل آنے والی مشکلات کی شدت کم ہو گئی، منافقین خاموش ہو کر بیٹھ گئے، ایک قبیلہ یہود جلاوطن ہو چکا اور دوسرے نے عہد و پیمان کے ایفا کا مظاہرہ کیا، اعراب خوفزدہ ہو کر رہ گئے اور اہل اسلام کو تبلیغ اسلام کے مواقع مل گئے، اس سفر کے دوران حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا، آپ نے ان کی قبر پر نماز پڑھی، حضرت سعد نے آپ سے پوچھا، میری والدہ کی وفات اچانک واقع ہوئی ہے، اگر انہیں مہلت ملتی تو ضرور کچھ مال صدقہ کرتیں، اگر میں کچھ مال صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچے گا، آپ نے فرمایا، یقیناً پہنچے گا، انہوں نے پوچھا، کونسا صدقہ افضل ہے، آپ نے فرمایا، پانی، اس پر انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا ھذہ لام سعد، اسکا ثواب حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا کو پہنچتا رہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۳۲۰/۲﴾ پھر تقریباً پانچ ماہ کا عرصہ گزر گیا تو غزوہ بنی مصطلق کی نوبت آ گئی۔

غزوہ بنی مصطلق:

غزوہ بنی مصطلق کو غزوہ مریسیع کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یہ بنوخزاعہ کے ایک کنوئیں کا نام ہے، اس کے اور مشہور قصبہ فرع کے درمیان دو دن کی مسافت ہے، بنو مصطلق بنوخزاعہ کی ایک شاخ ہے، مصطلق ایک شخص کا لقب ہے جسکا نام خزیمہ بن سعد بن عمرو ہے، وہ بنوخزاعہ کے بطن سے ہے، صلق سخت اور کرخت آواز کو کہتے ہیں، مشہور قول کے مطابق یہ جنگ شعبان المعظم ۵ ہجری میں واقع ہوئی جیسا کہ محدث بیہقی نے حضرت

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق اور بنولحیان کے ساتھ شعبان المعظم ۵ ھ میں جنگ فرمائی، امام ابن اسحاق کے نزدیک یہ غزوہ ۶ ھ میں ہوا جبکہ ایک روایت کے مطابق ۴ ھ بھی مذکور ہے لیکن صحیح قول وہی ہے جسکو پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ اس قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنی قوم اور عرب کے دیگر قبائل کو ساتھ ملا کر اہل اسلام سے جنگ کی تیاری شروع کر رکھی ہے، اس کی آواز پر ہزاروں بادیہ نشینوں نے لبیک کہا ہے، آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو اس اطلاع کی تصدیق کے لیے روانہ فرمایا، انہوں نے حارث بن ابی ضرار سے گفتگو کی اور اس کا ارادہ دیکھ کر واپس آ گئے، انہوں نے بھی اس کی تصدیق کر دی تو آپ ﷺ ان شرپسندوں کو اپنی سرحد سے دور رکھنے کے لیے مدینہ منورہ سے ۶ شعبان المعظم بروز پیر باہر نکلے، اس سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شریک سفر تھیں، اس غزوہ میں منافقین مدینہ کی بھی اچھی خاصی تعداد نے حصہ لیا، آپ نے مدینہ منورہ کا انتظام حضرت زید بن حارثہ بروایت دیگر حضرت ابوذر غفاری یا حضرت نمیلہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے سپرد کیا تھا، حارث بن ابی ضرار نے لشکر اسلام کی جاسوسی کے لیے ایک آدمی بھیجا جسے مسلمانوں نے پکڑ کر قتل کر دیا، جب اسے حضور اکرم ﷺ کی روانگی اور اپنے جاسوس کی موت کی اطلاع ملی تو وہ لرزہ براندام ہو گیا، اس کے ساتھ قبائل عرب کی جمعیت کے بھی قدم اکھڑ گئے، آپ چشمہ مریسیع تک پہنچے تو بنو مصطلق آمادہ جنگ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے بھی صف بندی کا حکم دے دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علمبردار تھے، جبکہ انصار مدینہ کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، کچھ دیر تک دونوں گروہوں میں تیراندازی ہوتی رہی، پھر عام حملے کا حکم ملتے ہی صحابہ کرام باطل کی ان روباہوں پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے فتح یاب ہو گئے، مشرکوں کو شکست فاش ہوئی، ان میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ قیدی بنا لیے گئے، دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی ہاتھ آئیں، اہل اسلام کا صرف ایک مجاہد شہید ہوا، وہ بھی ایک انصاری نے دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کر دیا تھا، صحیح بخاری شریف کی روایت کے مطابق اس غزوہ میں جنگ نہیں ہوئی، جب آپ نے چشمہ مریسیع کے نزدیک ان پر چھاپہ مارا تو بنو مصطلق غافل تھے، اس طرح ان کی

عورتوں، بچوں اور جانوروں پر قبضہ کرلیا گیا، ﴿صحیح بخاری: ۳۴۵/۱، فتح الباری: ۴۳۱/۷﴾

قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ بھی شامل تھیں، وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں، حضرت ثابت نے انہیں مکاتب بنالیا یعنی معاہدہ کرلیا کہ وہ ایک مقرر رقم فراہم کر کے آزاد ہوسکتی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ میرے ساتھ ایک چشمے پر رونق افروز تھے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں، وہ بہت حسن و جمال کی مالک تھیں، جو بھی دیکھتا فریفتہ ہو جاتا، میرے دل میں بھی آتش غیرت بیدار ہوگئی کہ کہیں انہیں آپ اپنے عقد نکاح میں نہ قبول فرمالیں، انہوں نے آتے ہی کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ میں سردار قبیلہ کی بیٹی ہوں، ثابت بن قیس نے مجھے مکاتب بنا لیا ہے لہذا آپ میری امداد فرمائیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے مقرر رقم ادا کر کے انہیں آزاد کرایا اور اپنے عقد نکاح میں قبول فرمایا، اس شادی خانہ آبادی کی بدولت اہل اسلام نے بنی مصطلق کے سو گھرانے یا ایک سو نوے افراد آزاد کر دیئے، اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال سے تعلق رکھتے تھے، ﴿زاد المعاد: ۱۱۲/۲﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نہیں جانتی کہ کوئی عورت اپنی خیر و برکت میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بزرگ ہو، ﴿مدارج النبوۃ: ۲۷۱/۲﴾ غزوہ بنی مصطلق کے متعلق بہت سے واقعات نمودار ہوئے جن کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

﴿1﴾

ارباب سیر نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ ایک ماہتاب عالمتاب مدینہ منورہ سے طلوع ہوا اور میری آغوش میں سما گیا، میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا یہاں تک کہ اس کی تعبیر سامنے آگئی، ان کا نام برہ تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے تبدیل فرما کر جویریہ رکھا، کیونکہ آپ ناموں کو بسا اوقات بدل دیا کرتے تھے، اس نام میں آپ نے یہ کراہت محسوس کی کہ مثلاً کوئی کہے، گھر میں برہ ہے اور اسکا جواب ہو کہ برہ نہیں ہے، یعنی نیکی اور بھلائی نہیں ہے گویا آپ نے فرمایا کہ نام ایسا رکھا جائے جس کے پکارنے میں کوئی بے برکتی اور بدشگونی نہ ہو، ﴿ملخصاً مدارج النبوۃ: ۲۷۱/۲﴾

﴿2﴾

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین مدینہ کی ایک اچھی خاصی تعداد نے بھی حصہ لیا، پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کی کارستانیاں جنم نہ لیتیں، غزوہ میں تو مسلمانوں کی فتح ونصرت سے ان کے دل بجھ گئے مگر کوئی موقع تلاش کرتے رہے کہ اپنی موجودگی کا احساس دلایا جائے، ہوا یوں کہ قبیلہ خزرج کے ایک فرد عمرو بن عوف کے حلیف سنان بن دبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مزدور جہجاہ بن سعید غفاری کے درمیان معمولی نوعیت کا جھگڑا ہو گیا، دونوں کے ڈول ایک کنوئیں میں گر پڑے جو آپس میں بہت مشابہ تھے، ایک ڈول نکل آیا تو دونوں اس کے دعوے دار بن گئے، تکرار بڑھ گئی تو جہجاہ بن سعید نے سنان بن دبر کے منہ پر گھونسہ مار دیا، اس کا خون نکل آیا، سنان نے اپنے حلیف انصار مدینہ کو امداد کے لیے پکارا تو جہجاہ نے مہاجرین کو پکارنا شروع کر دیا، دونوں جماعتوں نے ہتھیار اٹھا لیے، تلواریں بے نیام ہو گئیں اور نیزے لہرانے لگے، حضور اکرم ﷺ کو اس سانحہ کی خبر موصول ہوئی تو آپ نے تشریف لا کر فرمایا، زمانہ جاہلیت کے اس کردار کا کیا مطلب ہے، ان غلط باتوں کو چھوڑو، ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی امداد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر ظالم ہو تو اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم سے روکے اور اگر مظلوم ہے تو اس کی امداد کرے، آپ کی بروقت مداخلت سے یہ فتنہ بالکل فرو ہو گیا، ادھر انصار مدینہ کے کہنے پر سنان بن دبر نے اپنا حق معاف کر دیا تو مصالحت کی فضا قائم ہو گئی، منافقین مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی کو یہ فتنہ اتنی جلدی فرو ہوتے دیکھ کر قطعاً اچھا نہ لگا، وہ ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور بے قابو ہو کر ہرزہ طرازی کر رہا تھا، میں نے آج جیسا ذلت افروز دن کبھی نہیں دیکھا، یہ مہاجرین بے سروسامانی کے عالم میں ہمارے پاس آئے اور آج ہمیں آنکھیں نکال رہے ہیں، ان لوگوں کی مثال تو یہ ہے کہ اپنے کتے کو کھلا کر موٹا کرو تا کہ وہ تمہیں ہی کھا جائے، ﴿معاذ اللہ﴾ کاش میں جہجاہ کی آواز سننے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا، اللہ

کی قسم! اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو ہم میں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، اس کے علاوہ بھی وہ بہت کچھ بکتا رہا، خیر زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، وہ بول اٹھے، خدا تعالیٰ کی قسم! تو ہی ذلت والا ہے تیرے ساتھیوں کی تعداد بالکل تھوڑی ہے، تو اپنی قوم سے رسوا ہو چکا ہے، جبکہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت ہی عزت والے ہیں اور کثرت اہل اسلام کی بدولت قوت والے ہیں، اس جواب پر وہ کہنے لگا کہ بس کرو میں تو ویسے ہی مذاق کر رہا تھا، ﴿تاریخ الخمیس: ۱/۴۷۱﴾ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے آکر سارا ماجرا رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بیان کر دیا، آپ نے فرمایا، شاید تم اس سے ناراض ہو، اس لیے یہ باتیں سنا رہے ہو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے اللہ کی قسم! میں نے ساری باتیں خود سنی ہیں، بعض انصار نے بھی جھڑکا مگر وہ اپنی گواہی پر قائم رہے اور کہا، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے میری تصدیق فرمادے گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جائے کہ وہ اس ملعون کا سر کاٹ کر لے آئے، آپ نے فرمایا نہیں، اگر میں نے ایسا کیا تو لوگ کہیں گے کہ میں نے اپنے احباب کو ہی قتل کرنا شروع کر دیا ہے، بعد ازاں عبد اللہ بن ابی سے حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے متعلق یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچ چکی ہے لہذا جلدی جا کر معافی کے خواستگار ہو جاؤ، وہ جلدی سے حاضر خدمت ہوا اور قسمیں کھا کر کہنے لگا، میں نے ایسی کوئی بات کی ہی نہیں، یہ مجھ پر سراسر بہتان ہے، پھر حضور اکرم ﷺ نے لشکر اسلام کو کوچ کا حکم صادر فرمایا اور خود ناقہ مبارکہ پر سوار ہو گئے، آپ کو دیکھ کر سب چل پڑے حالانکہ اس وقت شدید گرمی تھی اور ایسے وقت میں سفر کرنا آپ کا معمول نہیں تھا، آپ اس بحث و تکرار کو ختم کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تا کہ گفتگو آگے نہ بڑھ سکے، ابن ابی کے بیٹے عبد اللہ نے حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ! اگر آپ میرے والد کو قتل کرنا چاہتے ہو تو مجھے حکم دیجئے، یہ کام میں خود

سرانجام دوں گا، لیکن آپ کا عفو ودرگزر بہت بلند ہے، آپ نے فرمایا، اے عبداللہ! میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا حکم دیتا ہوں، وہ جب تک ہمارے درمیان رہے گا ہم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھیں گے، آپ سارا دن اور ساری رات سفر کرتے رہے، دوسرے دن دوپہر تک کسی کو آرام کا موقع نہ ملا، جب آرام کی اجازت ملی تو سارا لشکر تھکاوٹ کی وجہ سے فوراً نیند کی آغوش میں چلا گیا، اس سارے اہتمام کا مقصد تھا کہ اس ناخوشگوار واقعے کو فراموش کر دیا جائے، ﴿سبل الھدیٰ:۴۹۱/۴﴾

......﴿3﴾......

اس واقعہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بہت افسردہ تھے، جب سورۃ المنافقون نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا، تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرما دی ہے اور اس منافق کی تکذیب کر دی ہے، حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ابن ابی سے کہا کہ اٹھو، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری دو تا کہ وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کریں تو وہ سیاہ باطن اپنی گردن جھٹکنے لگا، قرآن عظیم نے فرمایا ہے:

"واذاقیل لھم تعالو ایستغفرلکم رسول اللہ لوورروسھم واریتھم یصدون وھم مستکبرون" اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ چلو تاکہ رسول اللہ تمہارے لیے استغفار کریں تو وہ سروں کو جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ کتراتے ہیں اور وہ لوگ نہایت ہی متکبر ہیں، ﴿سورۃ المنافقون﴾

قرآن عظیم نے یہ بھی فرمایا ہے: یہ منافقین کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں، ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ چلتے بنیں اور فرمایا کہ یہ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو اس سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، ان تمام آیتوں سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق ہو رہی ہے، ﴿صحیح بخاری:۶۹۹/۱﴾

......﴿4﴾......

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضور سرور کائنات ﷺ سے خلاف معمول سفر کا

سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، کیا تم نے عبداللہ بن ابی کی گفتگو نہیں سنی، اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ عزت والا ذلت والے کو مدینہ منورہ سے باہر نکال دے گا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ ہی عزت والے ہیں اور وہ ہی ذلت والا ہے، آپ اس سے نرمی فرمائیے کیونکہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اس کے لیے بادشاہی تاج تیار ہو رہا تھا، اس سے محروم ہو گیا تو اس کو اس محرومی کا صدمہ ہے، ﴿سبل الهدیٰ:۴/۴۹۴﴾ نماز عصر تک سب نے آرام کیا، آپ نے ایک مرتبہ پھر سفر کا حکم صادر فرمایا، پھر سب نے فویق النقیع نامی چشمے پر پہنچ کر رات گزاری، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اہل اسلام کا لشکر مدینہ منورہ کے نزدیک پہنچا تو شدید قسم کی آندھی چلنے لگی جس سے محسوس ہوتا تھا کہ سوار بھی زمین میں دفن ہو جائیں گے، حضور مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، ایک منافق کی موت پر یہ آندھی چل رہی ہے، ﴿صحیح مسلم﴾ ادھر عیینہ بن حصن کے ساتھ ہونے والے معاہدے کی مدت ختم ہونے والی تھی، صحابہ کرام سمجھنے لگے کہ شاید اس نے مدینہ منورہ پر حملہ نہ کر دیا ہو، عورتوں اور بچوں پر آنے والے اس سانحے کی وجہ سے آندھی چل رہی ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تم پریشان کیوں ہوتے ہو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کے کونوں پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو تمہارے پہنچنے تک اس شہر مقدس کی حفاظت کرتے رہیں گے، اس آندھی کی وجہ تو منافقین کے ایک سردار زید بن رفاعہ بن تابوت کی موت ہے، حضرت عبد اللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی کو بتایا کہ تمہارا جگری دوست ختم ہو چکا ہے، افسوس تم نے ایک کٹی ہوئی دم کو سہارا سمجھ رکھا تھا، اس نے کہا، تمہیں کس نے خبر دی ہے، انہوں نے بتایا، حضور مخبر صادق ﷺ نے، اس پر منافقوں کے سردار کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ وہاں سے چلا گیا، ﴿سبل الهدیٰ:۴/۴۹۶﴾

﴿5﴾

شدید آندھی کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی ناقہ مبارکہ گم ہو گئی تو صحابہ کرام اس کی تلاش میں سرگرداں ہوئے، ایک منافق زید بن لصیت نے انصار مدینہ سے کہا کہ کیا اب اللہ تعالیٰ ان کو اس جگہ کی خبر نہیں دیتا جہاں وہ ناقہ پہنچی ہے، انصار مدینہ نے کہا اے

دشمن خدا واقعی تو منافق ہے، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر مجھے حضور اقدس ﷺ کی ناراضی کا خوف نہ ہوتا تو میں نیزہ تمہارے جسم میں پرو دیتا، اگر تمہارے دل میں ایسے شکوک تھے تو ہمارے ساتھ کیوں چلے تھے، ہم تمہارے ساتھ ایک درخت کے نیچے بھی نہیں بیٹھ سکتے،، ہماری نگاہوں سے دور چلے جاؤ، اس نے خوفزدہ ہو کر حضور رسالت مآب ﷺ کی پناہ حاصل کی تو آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، منافقوں میں سے ایک شخص نے رسول اللہ کی ناقہ کی گمشدگی پر مسرت کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ کیا اب اللہ تعالیٰ ان کو اس جگہ کی خبر نہیں دیتا جہاں وہ ناقہ پہنچی ہے، ہاں بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس جگہ کی خبر عطا فرمائی ہے، وہ اس گھاٹی میں ہے اور اس کی نکیل درخت میں پھنسی ہوئی ہے، صحابہ کرام جلدی سے مذکورہ جگہ پر پہنچے اور جلدی سے اسے چھڑا لائے، اس خبر غیب پر منافق صدق دل سے مسلمان ہو گیا، ﴿ایضاً ۱۴/۷۹۴﴾ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے عطائی علم غیب پر اعتراض کرنا اہل نفاق کا کام ہے، اہل اسلام تو شروع دن سے ہی قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی پر غیب وشہود کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں ؎

لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

﴿6﴾

ایک روایت میں مرقوم ہے کہ ابن ابی ملعون کا لڑکا جو موحد مخلص اور محبّ بارگاہ نبوت تھا، لوٹتے وقت وادی عقیق پر سر راہ کھڑا ہو گیا، جب انکا باپ پہنچا اور اس نے شہر مقدس میں داخل ہونا چاہا تو وہ اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہنے لگا، کہو بنی آدم میں سب سے زیادہ عزت والے حضور اکرم ﷺ ہیں اور سارے عالم میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار میں ہوں، جو بھی اس کیفیت کو دیکھتا تو تعجب کرتا، جب حضور سراپا نور ﷺ پہنچے تو آپ نے بھی ملاحظہ فرمایا کہ ابن ابی ملعون کا بیٹا اسے تلوار کھینچ کر روک رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے، انا اذل من الصبیان وانا اذل من النساء، میں بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوں، مگر بیٹا بدستور اس کے داخلے میں مانع ہے، حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، چھوڑ دو کہ وہ شہر میں داخل ہو جائے، پھر اس نے باپ کا راستہ چھوڑ دیا، اس غزوہ

میں حضور سراپا نور ﷺ کے اٹھائیس دن صرف ہوئے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۲۷۴﴾

﴿7﴾

صحیح بخاری و مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ تیمم کی آیت نازل ہوئی، صاحب مواہب لدنیہ نے فرمایا، فتح الباری شرح بخاری میں ابن عبد البر کا قول ہے کہ آیت تیمم کا نزول غزوہ بنی مصطلق میں ہوا، ابن سعد اور ابن حبان نے بھی اس قول کی طرف سبقت کی ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۲۷۴﴾ مدینہ منورہ کی ایک قریبی منزل صلصل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا، حضور سراپا نور ﷺ نے اس منزل پر ذرا توقف فرمایا تاکہ گمشدہ ہار مل جائے، وہاں پانی نہیں تھا اور نماز کا وقت فوت ہونے کے قریب پہنچ گیا، اس وقت لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کی کہ ان کی وجہ سے لوگ اس بلا میں مبتلا ہوئے ہیں، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ ان کی آغوش مبارک میں اپنا سرانور رکھے محو استراحت تھے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر غصے کا اظہار کیا اور اپنے ہاتھ کو نیزے کی مانند ان کی کوکھ میں مارا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خوف سے جنبش تک نہ کی کہ مبادہ حضور سراپا نور ﷺ کی چشم مبارک خواب سے بیدار ہو جائے، چنانچہ صبح ہوگئی اور پانی موجود نہ تھا کہ وضو کر کے ادائے فرض کرتے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے آیت تیمم نازل فرمائی اور لشکر اسلام نے صبح کی نماز تیمم کے ساتھ ادا کی، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ما ھی باول بر کتکم یا ال ابی بکر، اے آل ابو بکر! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے، مطلب یہ کہ مسلمانوں کو تمہاری اور بھی بہت سے برکتیں حاصل ہوئی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے سے برآمد ہوگیا، گویا کہ اس میں یہی حکمت الٰہی تھی کہ شریعت کے احکام میں مسلمانوں کے لیے آسانی اور سہولت مہیا کی جائے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۲۷۵﴾ اسی غزوہ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ صحابہ کرام نے باندیوں کے ساتھ عزل کیا کہ کہیں وہ اہل اولاد نہ ہو جائیں، حضور اکرم ﷺ سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، تم عزل کرو یا نہ کرو، جس نے پیدا ہونا ہے وہ

پیدا ہو کر رہے گا، اس سے اباحت کے معنی بھی نکلتے ہیں اور حرمت کے بھی، فقہ میں مذہب یہ قرار پایا کہ باندی سے تو عزل جائز ہے مگر حرہ یعنی آزاد عورت ﴿بیوی﴾ سے اسکی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور منکوحہ باندی کے بارے میں مروی ہے کہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۷۵﴾

افک مُبین اور شانِ اُم المومنین:

غزوہ مصطلق کے سفر کے دوران حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افک مبین کا واقعہ پیش آیا، افک کذب کے معنی میں ہے، بعض کہتے ہیں کہ افک دروغ بالغ کامل کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بہتان ہے اور پھیرنے اور لوٹانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور کذب میں بھی اپنی جگہ سے پھیرنا پایا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افک کا قصہ بھی عجیب وغریب قصوں میں سے ہے جسے پڑھ کر خون جگر ٹپکتا ہے، صحیح بخاری شریف میں اسکو متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے، ہم ایک مقام سے اسکا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

”افک گویا نجس کے قائم مقام ہے، اسی لیے بہتان کو افک کہتے ہیں، عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عتبہ ان چاروں حضرات نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اس حدیث کا ایک حصہ بیان کیا ہے، جبکہ ان میں سے بعض کو دوسرے بعض سے حدیث کا زیادہ حصہ یاد تھا، چونکہ ہر ایک کا بیان بالکل درست تھا، لہذا میں ﴿امام بخاری﴾ نے ہر ایک کے بیان کردہ الفاظ کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے، ہر ایک کا بیان دوسرے کی تصدیق کر رہا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے کہ کس کو ساتھ لے جانا ہے، جس کے نام قرعہ نکل آتا وہ سفر میں آپ کے ساتھ جاتی، چنانچہ ایک غزوہ [1] میں

---

[1] حدیث بخاری میں ایسا ہی مبہم واقع ہوا ہے مگر شارحین حدیث نے بیان کیا ہے کہ مراد غزوہ بنی مصطلق ہے،

﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۷۶﴾

جانے سے پہلے آپ نے قرعہ ڈالا تو میرا نام نکل آیا، پس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلی ﴿بعض روایات کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں﴾ اس کے بعد کہ پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا، میں پردے کے ساتھ ہودج میں سوار کرائی گئی، ہم نے سفر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور مدینہ منورہ کے قریب آ گئے، اس منزل سے آپ نے رات کے وقت چلنے کا حکم دیا، جب آپ نے چلنے کا حکم دیا تو اس وقت میں قضائے حاجت کے لیے لشکر سے دور چلی گئی تھی، جب فارغ ہو کر اپنی سواری کے پاس آئی اور اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ میرا خزف یمنی ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا تھا، پس میں اپنے ہار کو تلاش کرنے کے لیے واپس گئی اور مجھے اسکی تلاش میں کافی دیر ہو گئی، جن لوگوں کے سپرد مجھے سوار کروانے کا کام تھا وہ آگے بڑھے اور انہوں نے میرے ہودج کو اٹھا کر سواری پر رکھ دیا جس پر میں سوار ہوتی تھی، وہ یہی سمجھے کہ میں ہودج میں موجود ہوں، ان دنوں عورتیں بھی ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، کیونکہ ان کی غذا سادہ اور غیر مرغن ہوتی تھی، پھر ان لوگوں کو ہودج رکھتے وقت یوں بھی اسکا ہلکا پن محسوس نہ ہوا کہ میں نوعمر لڑکی تھی، پس لوگوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل دیئے، ہار مجھے اس وقت ملا جب لشکر کوچ کر چکا تھا، نہ ان کے ساتھ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ جواب دینے والا، میں اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور یہ خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ پائیں گے تو میری تلاش میں ادھر آئیں گے، اسی اثنا میں کہ میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی، میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور میں سونے لگی، حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے ﴿کہ کوئی چیز پیچھے رہ گئی ہو تو اسے لشکر تک پہنچا دیں﴾ وہ صبح کے وقت میرے نزدیک آئے اور دیکھا کہ کوئی آدمی سویا پڑا ہے، انہوں نے مجھے فوراً پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، پس میں ان کی زبان سے انا لله وانا اليه راجعون کے الفاظ سن کر جاگ اٹھی اور انہیں دیکھ کر اپنی چادر سے منہ چھپا لیا، خدا کی

قسم! ہم نے کوئی گفتگو نہیں کی، میں نے ان مذکورہ الفاظ کے سوا ان کے منہ سے کوئی لفظ نہیں سنا، وہ اپنی سواری سے اترے، اس کے پیر باندھے، پھر میں کھڑی ہوئی اور اس پر سوار ہوگئی، وہ آگے آگے پیدل چلتے رہے یہاں تک کہ ہم سخت گرمی میں دوپہر کے وقت لشکر میں جا پہنچے، انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا تھا، پھر جس کو ہلاک ہونا تھا وہ بہتان لگا کر ہلاک ہوا اور جس نے بہتان کو سب سے زیادہ ہوا دی وہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، عروہ فرماتے ہیں کہ جب اس بدبخت کے پاس اس بہتان کا ذکر ہوتا تو بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کا ذکر کرتا، اسے حقیقت پر مبنی قرار دیتا، اسے بڑے غور سے سنتا اور بیان بھی کرتا، پھر بہتان لگانے والوں میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کے علاوہ مجھے کسی اور کا علم نہیں ہے، ہاں ان کی ایک جماعت تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس کی قیادت عبداللہ بن ابی کر رہا تھا، انہیں سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو ناپسند کرتی تھیں، کوئی ان کے سامنے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہے، وہ فرماتی تھیں کہ یہ وہی شخص ہے کہ جس نے کہا ہے

فان ابی و والدتی و عرضی
لعرض محمد منکم وقاء

یعنی حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی آبرو پر میرے والدین اور میری عزت و آبرو قربان ہو جائے، پھر فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو میں ایک ماہ بیمار رہی اور لوگوں میں بہتان کے متعلق چرچا ہوتا رہا، اگرچہ مجھے اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوا لیکن یہ شک میری تکلیف میں اضافہ کرتا رہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا لطف و کرم اس بیماری سے پہلے جیسا نہ دیکھا تھا، میری بیماری کے دوران آپ میرے پاس تشریف لاتے، سلام فرماتے اور حال دریافت کر کے تشریف لے جاتے، پس یہ بات مجھے شک میں ڈالتی تھی لیکن اٹھائے ہوئے طوفان بدتمیزی کا مجھے کوئی علم ہی نہیں تھا، یہاں تک کہ مجھے کچھ افاقہ ہوا، میں

حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ رفع حاجت کے لیے باہر نکلی اور ہمارا معمول اس مقصد کے لیے رات کے وقت باہر جانے کا تھا اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلا نہیں بنے تھے اور اہل عرب کی شروع سے یہی عادت تھی کہ وہ اس مقصد کے لیے جنگل میں جاتے تھے کیونکہ گھروں کے نزدیک بیت الخلا بنانا ہمارے لیے تکلیف کا باعث ہوتا تھا، میں گئی اور ام مسطح ﴿بنت ابورہم بن عبدالمطلب، ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں﴾ جب ان کے ساتھ گھر کی جانب لوٹی تو اس کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور وہ گر پڑیں، پس انہوں نے کہا، مسطح کا برا ہوا، میں نے کہا کہ آپ نے بری بات کہی ہے، کیا آپ ایسے شخص کو برا بھلا کہہ رہی ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا، انہوں نے کہا، خدا کی بندی! شاید آپ نے سنا نہیں کہ اس نے کیا کہا ہے، میں نے پوچھا بتائیں انہوں نے کیا کہا ہے، پس انہوں نے مجھے بہتان تراشنے والوں کی بات بتا دی، پھر تو میری بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی، جب گھر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ میرے قریب آئے سلام کیا اور پوچھا تمہارا کیا حال ہے، میں عرض گزار ہوئی، کیا آپ مجھے میرے والدین کے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں، دراصل میں اپنے والدین سے اس خبر کی تحقیق کرنا چاہتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی ﴿میں والدین کے گھر پہنچی اور پوچھا﴾ امی جان! لوگ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا بیٹی، اس بات کا غم نہ کھاؤ، خدا کی قسم جب کوئی عورت خوبصورت ہوتی ہے اور شوہر بھی اسے چاہتا ہے تو سوکنیں عموماً ایسا فریب کر گزرتی ہیں، میں نے تعجب کیا کہ سبحان اللہ! کیا لوگ اتنی بڑی بات بھی زبان پر لانے لگے، بعد ازاں میں ساری رات روتی رہی اور نہ ہی مجھے صبح تک نیند آئی، میں صبح کے وقت بھی رو رہی تھی، ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا کیونکہ وحی کا نزول نہیں ہوا تھا تاکہ ان دونوں سے اپنی زوجہ محترمہ کو چھوڑ دینے

کے بارے میں پوچھیں اور مشورہ کریں، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو آپ کی اہلیہ محترمہ کی برأت سے پوری طرح باخبر تھے اور ازواج مطہرات کی پاک دامنی سے بذات خود واقف تھے، کہنے لگے، آپ کی اہلیہ محترمہ کے متعلق ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ پر تنگی نہیں فرمائے گا اور عورتیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں، باقی آپ اس لڑکی ﴿حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا﴾ سے دریافت کریں، یہ آپ کو سچ سچ بتائے گی، پھر آپ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا، اے بریرہ! کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے، اس نے کہا، مجھے اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ان میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں دیکھی، سوائے اس کے کہ وہ نوعمر لڑکی ہیں، یہاں تک کہ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر اسے کھا جاتی ہے ﴿ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نے بریرہ کو ڈانٹا کہ سچی بات بتاؤ تو اس نے کہا، تعجب ہے، میں تو ان کے عیب وصواب کو اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار کھرے اور کھوٹے سونے کو جانتا ہے اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا، واللہ! عائشہ تو سونے سے زیادہ کھری ہیں﴾ آپ کھڑے ہو گئے اور عبد اللہ بن ابی کی شکایت فرمائی، چنانچہ آپ منبر پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا، اے لوگو! کون ہے جو اس شخص سے بدلہ لے جس نے میری زوجہ محترمہ کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچائی ہے، خدا تعالیٰ کی قسم! میں اپنی بیوی میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا، نیز جس شخص ﴿صفوان بن معطل﴾ کا ذکر کرتے ہیں، اس میں بھی بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا، وہ میرے گھر داخل ہوتا تو میرے ساتھ داخل ہوتا، ﴿ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آج تک کسی عورت کا ستر نہیں کھولا، بعد میں انہوں نے راہ خدا میں شہادت کا جام نوش کیا﴾ اس پر بنو عبد الاشہل کے بھائی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! میں آپ کا بدلہ لوں گا، اگر وہ قبیلہ اوس سے ہوا تو میں اسکی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ قبیلہ خزرج سے ہوا تو بھی جس طرح آپ کا حکم ہوگا

اسکی تعمیل کی جائے گی،خزرج والوں میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے،حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کی چچا زاد تھیں،وہ بہت نیک آدمی تھے مگر اب پرانی حمیت نے ان کے اندر جوش مارا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے،خدا تعالیٰ کی قسم! تم غلط کہہ رہے ہو،تم اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتے،اگر وہ تمہارے قبیلے سے ہوا تو تم اسے قتل کرنا پسند نہیں کرو گے،اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر بولنے لگے،اے سعد بن عبادہ! تم غلط کہہ رہے ہو،ہم اسے ضرور قتل کریں گے اور اب معلوم ہو گیا ہے کہ تم بھی منافق ہو،اسی لیے منافقوں کا دفاع کر رہے ہو،اس طرح قبیلہ اوس اور خزرج کے افراد ایک دوسرے کے مقابل تن گئے اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں آپس میں دست و گریباں نہ ہو جائیں،رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ فرما ہوئے تھے اور ان کو خاموش ہونے کا حکم فرماتے رہے یہاں تک کہ سب خاموش ہو گئے،میں اس روز بھی سارا دن روتی رہی،نہ میرے آنسو تھمے تھے اور نہ ہی مجھے نیند آتی تھی، میرے والدین بھی میری وجہ سے پریشان خاطر تھے،دو راتیں اور ایک دن مسلسل آنسو بہاتے گزر گیا،مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اتنا رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا،میرے والدین میرے قریب تشریف فرما تھے،ایک انصاری عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی،اسے اجازت دی گئی تو وہ بھی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی،اسی دوران رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لے آئے اور سلام کر کے تشریف فرما ہو گئے،جب سے بہتان لگا تھا آپ میرے قریب بیٹھے نہ تھے،تقریباً ایک ماہ سے وحی کا نزول بھی بند تھا کہ میرے متعلق کوئی حکم فرمایا جاتا،آپ نے کلمہ شہادت پڑھا اور فرمایا،اے عائشہ مجھے تمہارے متعلق یہ افواہ پہنچی ہے،اگر تم پاک دامن ہوئی تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں بری کر دے گا،اگر تم گناہ میں ملوث ہوئی تو اس سے استغفار کرو اور توبہ کر لو کیونکہ جب بندہ گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو وہ مہربان اس کی توبہ کو

قبول فرمالیتا ہے، میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو کوئی جواب دیں، میرے والد نے کہا میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا، میں آپ کو کیا جواب دوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے گزارش کی مگر انہوں نے بھی یہی کہا، خدا کی قسم مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں آپ کی خدمت میں کیا عرض کروں، بیں آخر میں خودعرض گزار ہوئی حالانکہ میں نوعمر لڑکی تھی اور میں نے قرآن کریم بھی اتنا نہیں پڑھا تھا، خدا تعالیٰ کی قسم! میرے دل میں وہ بات آگئی جو آپ حضرات نے سنی ہے، اب جبکہ وہ بات آپ کے دلوں میں سما گئی اور آپ نے اسے حقیقت پر مبنی سمجھ لیا تو اگر میں یہ کہوں بھی کہ میں اس بہتان سے پاک ہوں، تب بھی لوگ میری بات کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں گناہ کا اعتراف کرلوں تو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے پاک ہوں تو ضرور میری تصدیق کی جائے گی، پس میری اور آپ حضرات کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے والد گرامی جیسی ہے، انہوں نے فرمایا تھا 'فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ماتصفون' ﴿تو صبر ہی بہتر ہے اور میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں اس پر جو تم بتا رہے ہو﴾ میں نے چہرہ موڑ لیا اور خاموش ہو کر بستر پر لیٹ گئی، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس جرم سے بری ہوں اور وہ میری پاکدامنی ظاہر فرمادے گا لیکن یہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کریم جل شانہ میری شان میں وحی ﴿بصورت قرآن﴾ نازل فرمائے گا اور میری شان کے خطبے پڑھوائے جائیں گے کیونکہ میری حیثیت اتنی تو نہیں کہ باری تعالیٰ میرے بارے میں کلام فرمائے، یہاں مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو میری پاکدامنی دکھا دے گا، خدا تعالیٰ کی قسم! اسی دوران رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان جلوہ افروز تھے اور ہمارے گھر سے کوئی بھی فرد باہر نہیں گیا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول ہونے لگا اور آپ پر وحی والی حالت طاری ہونے لگی کہ اس کے نزول کے وقت اس کی ثقالت کے باعث سردی کے دنوں میں بھی پسینہ موتیوں کی طرح جاری ہو جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ بہت مسرور اور

تبسم ریز نظر آ رہے تھے، چنانچہ سب سے پہلے آپ نے یہ کلام فرمایا، اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس الزام سے بری فرما دیا ہے، اس وقت میری والدہ نے مجھے فرمایا کہ کھڑی ہو کر رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو، میں نے کہا، خدا تعالیٰ کی قسم میں ان کا شکریہ ادا کیوں کروں، میں تو اللہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں، ﴿جس نے میری پاکدامنی کا اعلان فرمایا ہے، یہ جملے انھوں نے ناز سے کہے نہ کہ انکار سے﴾ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ ابالْاِفْکِ ......

﴿بے شک جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے﴾ ایک جماعت ہے تم میں سے، تم اسے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لیے، ان میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا کہ اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ موصول کیا تو اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، ایسا کیوں نہ ہوا جبکہ تم نے وہ افواہ سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیا ہوتا اور کہا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے، اگر وہ ﴿بہتان تراش﴾ سچے تھے تو انہوں نے چار گواہ کیوں نہ پیش کیے، جب وہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تو معلوم ہو گیا کہ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو دنیا اور آخرت میں تمہیں ان باتوں سے بہت بڑا عذاب ملتا، جب تم اپنی زبانوں سے نقل کرتے اور اپنے مونہوں سے کہتے وہ بات جسکا تمہیں کوئی علم ہی نہیں اور تم اسے معمولی خیال کرتے ﴿حالانکہ﴾ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تو کہا ہوتا کہ ہمیں تو اس کے متعلق بات کرنے کا کوئی حق ہی نہیں پہنچتا، اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے ﴿جو ایک عظیم خاتون پر باندھا جا رہا ہے﴾ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ اس قسم کی بات نہ کرنا اگر تم پکے ایمان والے ہو اور اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے، بے شک جن لوگوں کی پسند ہی یہ ہے کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے تو ان کے لیے دنیا و آخرت میں درد والا عذاب ہے اور اللہ ﴿حقیقت کو﴾ جانتا ہے، تم نہیں جانتے اور اگر اللہ کا

فضل اور رحمت تمہارے شامل حال نہیں ہوتی ﴿تو تم ہرگز نہ بچ سکتے﴾ اور بے شک اللہ بہت ہی زیادہ مہربان اور بہت ہی زیادہ رحم فرمانے والا ہے، ﴿سورۃ النور﴾، ﴿صحیح بخاری کتاب المغازی: ۲/۵۷۳﴾

واقعہ افک میں اہل ایمان کی بہت بڑی آزمائش تھی کیونکہ منافقوں نے رسول اللہ ﷺ کی اذیت کا جو سامان تیار کیا تھا اس میں بعض سادہ دل مسلمان بھی گرفتار ہو گئے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کے نام مذکور ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے اس معاملے میں مشاورت فرمائی جسکا ذکر دیگر روایات میں وارد ہے، مثلاً آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتا ہوں، خدا تعالیٰ کی قسم! یہ منافق بالکل غلط بیانی کر رہے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ کوئی مکھی آپ کے جسم اطہر پر بیٹھے کیونکہ وہ نجاستوں پر گرتی ہے اور ناپاک ہوتی ہے، پھر اسکو یہ کیسے گوارا ہوگا کہ آپ کے لیے ایسی بیوی پسند کرے، رسول اللہ ﷺ نے انکے کلام کی تحسین فرمائی، ایک روز یہی مشورہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے عرض کیا، اللہ کو تو اتنا بھی پسند نہیں کہ آپ کا سایہ زمین پر پڑے اور کوئی شخص اس پر اپنا پاؤں رکھ دے ﴿اور بے ادبی کر بیٹھے﴾ یا وہ کسی پلید جگہ پر پڑے تو اسے یہ کیسے پسند ہوگا کہ ایسی عورت آپ کے نکاح میں رہنے دے، اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک گواہی تو وہ منقول ہے جسکا صحیح بخاری کی روایت میں ذکر ہوا اور ایک گواہی اس طرح بھی منقول ہے، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ایک مرتبہ آپ نے اپنے نعلین مبارک اتارے تو ہم نے بھی آپ کی اتباع میں اتار دیئے، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں نے تو اس لیے اتارے ہیں کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے اطلاع دی ہے کہ وہ ﴿اس وقت﴾ پاک نہیں، جب اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں ایسے نعلین مبارک بھی پسند نہیں کرتا تو گناہ میں گرفتار عورت کیسے پسند کرے گا، گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ کے نکاح میں آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پاکدامن ہیں، ﴿تاریخ الخمیس: ۱/۴۷۷﴾ آپ نے ازواج مطہرات سے بھی گواہی لی تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، میں اپنے کانوں اور آنکھوں کو محفوظ رکھتی ہوں، خدا تعالیٰ

کی قسم! میں عائشہ کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں جانتی، اس طرح حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے بھی ان کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق انتہائی پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا، مسلمانوں میں بس مذکورہ تین یا کچھ اور افراد ہی اس سازش سے متاثر ہوئے جن پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی آیتوں میں عتاب نازل فرمایا لیکن چونکہ سچے مسلمان تھے اس لیے درگزر کا اعلان بھی فرما دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی انہیں تہ دل سے معاف فرما دیا جیسا کہ صحیح بخاری شریف کی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قرابت داری کی وجہ سے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے ساتھ مالی سلوک کرتے تھے کیونکہ وہ بہت غریب تھے، انہوں نے مالی سلوک روکنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق حکم نازل فرما دیا کہ قسم نہ کھائیں جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں، قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے کی، انہیں چاہیے کہ وہ ان کو معاف کر دیں، کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، ﴿سورۃ النور:۲۶﴾ اس آیت پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں، خدا تعالیٰ کی قسم! میں تو یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بخشش فرمائے، پھر آپ نے ان کی مالی امداد جاری رکھی، ﴿صحیح بخاری:۵۷۹/۲﴾ اس آیت میں ان کے لیے الوالفضل کا لقب استعمال ہوا ہے جو ان کو تمام امت محمدی میں ممتاز کر رہا ہے، باقی اس سازش کو تیار کرنے والے اور پھیلانے والے منافقین مدینہ تھے، ان کے متعلق عذاب عظیم اور عذاب الیم کی وعید نازل فرمائی گئی اور ان کی اس سازش کو افک مبین اور بہتان عظیم کے لفظوں سے یاد کیا گیا، یہاں یہ بھی قابل غور امر ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی پاکدامنی کی گواہی دی، جب حضرت یوسف علیہ السلام پر بہتان لگا تو ایک کم سن بچے نے ان کی طہارت کا اعلان کیا، کیا شان مبارک ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اور کیا پاس خاطر ہے حضور سرور کائنات ﷺ کا کہ خود رب کریم اپنے کلام عظیم میں ان کی عفت و پاکدامنی کی سند نازل فرما رہا ہے اور سورۃ النور کی نورانی آیات کے ذریعے شکوک و شبہات کی تاریک رات کا پردہ چاک فرما رہا ہے، بالخصوص خاندان صدیق اکبر کے لیے تو یہ واقعہ بہت بڑا امتحان تھا، طبرانی شریف میں

صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب مجھے اس تہمت کا علم ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ کسی کوئیں میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلوں، ایک روایت میں ہے کہ آپ شدت غم سے بے ہوش ہو کر گر پڑیں اور آپ کو لرزے کا بخار لاحق ہو گیا، ﴿صحیح بخاری﴾ امام ابن اسحاق نے انہی سے روایت کی ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ کسی خاندان کو اتنا صدمہ اور اتنا غم پہنچا ہو جتنا صدمہ اور غم ان دنوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچا تھا، حضرت امام ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ بات تو ہمیں دور جاہلیت میں بھی کسی نے نہ کہی چہ جائیکہ اس وقت کہی جائے جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی عزت بخشی ہے، ﴿مختصر سیرت الرسول: ۲۳۳﴾

واقعہ افک کی وجہ سے منافقین مدینہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے دیرینہ ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعلقات کو نقصان پہنچایا جائے لیکن جن کا نگہبان خود پروردگار عالم ہو ان کو کون نقصان پہنچا سکتا ہے

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں لڑائی ہو گی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی

اللہ تعالیٰ نے ان صبر کرنے والوں اور رضائے ایزدی پر راضی رہنے والوں کو مقام بھی ایسا بلند و بالا عطا فرمایا جس کی زمانے میں مثال نہیں ملتی، روایت میں آتا ہے کہ جب برأت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے اپنی لخت جگر کا سر چوم لیا، انہوں نے کہا کہ آپ نے پہلے مجھے اس تہمت سے دور کیوں نہیں کیا تو انہوں نے فرمایا، مجھے کونسا آسمان سایہ دیتا اور کونسی زمین اٹھاتی اگر میں وہ بات کہتا جسکا مجھے علم نہیں تھا، ﴿ایضاً: ۲۳۶﴾ ان الفاظ سے آپ کے اخلاص اور صدق کا کتنا عظیم منظر ابھر کر سامنے آرہا ہے، امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضور سراپا نور ﷺ باہر نکلے اور لوگوں سے خطاب فرمایا اور وہ آیات پڑھیں جو اس واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں، پھر آپ نے قانون اسلام کے مطابق حضرت مسطح، حضرت حسان اور حضرت حمنہ پر حد شرعی نافذ کرنے کا حکم دیا کیونکہ انہوں نے اس تہمت میں صاف اور غیر مبہم طور پر حصہ لیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہمت لگانے والے لوگوں پر حد قذف جاری فرمائی لیکن ان میں

عبد اللہ بن ابی کا ذکر نہیں، ﴿مختصر سیرت الرسول: ۴۳۶﴾ پھر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے معذرت کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں شاندار اشعار رقم کیے جن سے ان کی تہمت طرازی کا سارا داغ ختم ہو گیا ہے

حصان رزان ماتزن بریبة	وتصبح غرثی من لحوم الغوافل
عقیلة حی من لؤی بن غالب	کرام المساعی مجدهم غیر زائل
مهذبة قد طیب الله خیمها	وطهرها من کل سوء و باطل
فان کنت قد قلت الذی قدزعمتموا	فلا رفعت سوطی الیٰ انامل
و کیف ودی ماحییت و نصرتی	لال رسول الله زین المحافل
له رتب عال علی الناس کلهم	تقاصر عنه سورة المتطاول
فان الذی قد قیل لیس بلائط	ولکنه قول امری بی ماحل

ترجمہ: حضرت عائشہ تو پاکدامن اور عقلمند ہیں، کسی مشکوک بات کی ان پر تہمت نہیں لگ سکتی، وہ بھوکی صبح کرتی ہیں، بے گناہ عورت کا گوشت نہیں کھاتیں، وہ لوی بن غالب کی اولاد سے ایسی باکمال خاتون ہیں جن کی مساعی بہت بلند اور بزرگی لازوال ہے، وہ بے عیب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی سب عادتیں نیک بنائی ہیں اور انہیں ہر برائی اور تہمت سے پاک رکھا ہے، اگر میں نے وہ بات کہی جو تم میری طرف منسوب کرتے ہو تو خدا کرے میری انگلیاں میری لاٹھی نہ اٹھا سکیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ میری محبت و نصرت زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے لیے وقف ہے جو محفلوں کو زینت بخشتے ہیں، وہ سب لوگ عالی مرتبت ہیں اور ہر شیخی باز کا دبدبہ ان کے مقابلے میں ہیچ ہے، جو بات کہی گئی ہے وہ مجھ سے چمٹنے والی نہیں ہے، بلکہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہے، ﴿مختصر سیرت الرسول: ۴۳۸﴾

ان اشعار میں انہوں نے خاندان رسول کے ساتھ اپنی قلبی وابستگی کا ثبوت دیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کی گواہی دی ہے، جب اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں معاف فرما دیا تو پھر وہ تہمت طرازی ان کے ساتھ کیسے چمٹی رہ

سکتی تھی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اس تہمت طرازی کی وجہ سے ان پر حملہ بھی کیا اور ان کا ہاتھ زخمی کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی صلح کروادی اور اس زخم کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بنی جدیلہ کا ایک محل عنایت فرمایا اور سرین نامی ایک قبطی لونڈی انہیں عطا فرمائی جس کے بطن سے ان کا بیٹا عبد الرحمٰن پیدا ہوا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۳۷۳/۲﴾ اس روایت سے معلوم ہوا کہ واقعی حضور سراپا نور ﷺ اپنی امت پر کس درجہ شفیق اور رحیم ہیں ؎

منگتے خالی ہاتھ نہ لوٹے کیا کیا ملی خیرات نہ پوچھو
ان کا کرم پھر ان کا کرم ہے ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

کچھ اشکالات کے جوابات:

واقعہ افک سے جس طرح اُس دور کے منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہرزہ سرائی کا ارتکاب کیا اور ان کی شان و منزلت گھٹانے کی مذموم کوشش کی اور ساتھ محبوب خدا ﷺ کے قلب اقدس کو غمناک کرنے کا مسموم حربہ استعمال کیا، اس طرح اِس دور کے کچھ نا عاقبت اندیشوں نے علم رسول کے بارے میں اشکالات کا اظہار کیا کہ اگر آپ کو علم ہوتا تو اتنی دیر پریشان کیوں رہتے، حالانکہ ادنیٰ سا تامل کرنے سے بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور نبی غیب دان، مظہر کمالات رحمان ﷺ کو اپنی زوجہ مطہرہ کی پاکدامنی کا پورا علم اور پورا یقین تھا، آپ نے اپنے خطبے میں واضح طور پر فرمایا:

'فو اللہ ما علمت علیٰ اھلی الا خیراً' پس اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اپنی بیوی میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔

پھر اگر آپ کو ان کی پاکدامنی کا حق الیقین نہ ہوتا تو لوگوں کو بدلہ لینے پر آمادہ کیوں کرتے، پھر آپ کا حلف اٹھانا مزید اس کو تقویت فراہم کر رہا ہے، اب کوئی بھی کلمہ پڑھ کر اپنے نبی اکرم، رسول معظم ﷺ کی زبان حق و صداقت پر یقین نہ کرے اور ان کے علم و فضل پر ایمان نہ لائے تو حیرت بالائے حیرت ہے، صحیح بخاری شریف میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے متعلق وارد ہے، کہ وہ آپ کی اہلیہ محترمہ کی برأت سے پوری طرح باخبر تھے اور ازواج مطہرات کی پاکدامنی سے بذات خود واقف تھے، تو ہم سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں

کہ کیا ان کا علم، خبر اور واقفیت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ شان والی تھی، آپ کا پریشان ہونا عدم علم کی وجہ سے نہیں منافقوں کے بے جا پروپگنڈے کی وجہ سے تھا، ایسے ہی مقام کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور آپ کو ان لوگوں کا قول غمناک نہ کرے، بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کیا چھپاتے اور کیا ظاہر کرتے ہیں، ﴿سورہ یسین: ۷۶﴾ اور فرمایا، اور بے شک ہم کو معلوم ہے کہ تم دل تنگ ہوتے ہو ان کی باتوں سے، ﴿سورۃ الحجر: ۹۷﴾ پھر ہم کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم نہیں تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاکدامن ہیں، اس نے کیوں نہ فوراً برأت نازل فرمادی، کاش انہیں احساس ہو جائے کہ رسول اکرم ﷺ کی خاموشی اور نزول وحی کی تاخیر میں بہت ساری حکمت پوشیدہ ہے، مثلاً منافقوں کا مکر و فریب کھل کر سامنے آ گیا، خاندان صداقت کو صبر و رضا کی بدولت بلند درجات نصیب ہو گئے...... محبوبہ محبوب خدا کی طہارت و عفت کی گواہی قرآن کی صورت میں وارد ہوئی جسکی قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی...... صحابہ کرام کی استقامت اور ذات محبوب خدا ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور غیر مشروط عقیدت کا نظارا ایک مرتبہ پھر اجاگر ہو گیا، شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے توقف میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اور رہتی دنیا تک رسول اللہ ﷺ اور پوری امت مسلمہ کا امتحان تھا تا کہ اس کی وجہ سے بہتوں کے درجات بلند کرے اور بہتوں کو دلکات اسفل میں دھکیل دے، ہدایت یافتہ حضرات کے ایمان اور ہدایت میں زیادتی کرے اور ظالموں کو نقصان اور خسران میں ترقی دے، اس طرح آیت تیمم کی شان نزول والے واقعے سے بھی کچھ لوگوں نے یہ تصور کر لیا کہ اگر حضور سراپا نور ﷺ کو علم ہوتا تو ہار کی گمشدگی سے فوراً پردہ ہٹا دیتے، کاش یہ لوگ سمجھتے کہ ''نبی'' کا معنی ہی غیب کی خبریں بیان کرنے والا ہے، حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''النبوۃ عبارۃ عن طور تحصل فیه عین لها نور یظهر فی نورها الغیب و امور لایدرکها العقل'' نبوت ایسے طور سے عبارت ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے جس کے نور سے غیب اور ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کر سکتی، ﴿اثبات النبوہ: ۳۲﴾

گویا نبی جس طرح جہان شہادت کا مشاہدہ کرتا ہے، اس طرح جہاں غیب کا بھی نظارا کرتا ہے، ہاں بسا اوقات کچھ معاملات میں اسکا سکوت اسکے عدم علم کی دلیل نہیں ہوتا، حکمت و معرفت کی سبیل ہوتا ہے، مثلاً مذکورہ واقعے میں آپ کا خاموش رہنا اس قدر با برکت ثابت ہوا کہ امت کو تیمّم جیسی نعمت نصیب ہوگئی، ایک مسلمان کی نظر اپنے پیغمبر برحق ﷺ کے کمالات کی طرف ہونی چاہیے، اس بے عیب ولا ریب ہستی مبارک کے متعلق نکتہ چینی کا مظاہرہ کرنا دل میں نفاق کا بیج پروان چڑھاتا ہے۔

واقعہ افک کے حوالے سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ بھی بیٹھا ہوا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سہل انگاری سے کام لیا ہے، حالانکہ اسکا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، جس طرح دیگر صحابہ کرام ان کے متعلق حسن خیال کا اظہار کرتے تھے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی حسن خیال کا اظہار فرمایا جیسا کہ نعلین شریفین کے واقعے میں منقول ہے، صحیح بخاری شریف کی روایت میں جو ان کے الفاظ مرقوم ہیں کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ پر تنگی نہیں فرمائے گا اور عورتیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو پریشانی اور غم ناکی لاحق ہے تو ان کے اس غم واندوہ کو رفع کرنے کے لیے یہ راہ اختیار فرمائی، ان کا یہ طریقہ اخوت و محبت اور خیر خواہی کا آئینہ دار ہے، ظاہر ہے جو محبت اور خیر خواہی حضور اکرم ﷺ سے تھی، اس قدر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں تھی، قرآن و حدیث میں بھی یہی وارد ہے کہ ایمان والے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو اپنا محبوب سمجھتے ہیں، جو سب سے زیادہ محبوب ہوگا، خیر خواہی بھی اس سے ہی زیادہ ہوگی، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و طہارت سے کوئی سروکار نہیں تھا، امام زہری سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، علی میری شان میں مسلّم رہے، یعنی خاموش رہے، اہل ایمان کے متعلق حسن ظن کا حکم ہے تو یقیناً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس خاموشی کو بھی حسن ظن پر محمول کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خاموش رہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استفسار پر فرمایا، مجھے کونسا آسمان سایہ دیتا یا کونسی زمین اٹھاتی اگر میں وہ بات کہتا جسکا

مجھے علم نہیں تھا، لہذا ان کے متعلق لفظ مسلم کا وہی مفہوم ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سکوت کا مفہوم ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں جیسا کہ حدیث وصال نبوی میں آیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کا شانہ اقدس سے مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے تو دو شخصوں کا سہارا لیے ہوتے، ان دو شخصوں میں سے ایک حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل بیت میں سے ہوتے، اس حدیث کے راوی حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ وہ دوسرے شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوتے تھے مگر انہوں نے ان کا نام نہ لیا، یہاں بعض شارحین نے لکھا ہے کہ نام نہ لینا اس اختلاف کی وجہ سے ہے، جو ان دونوں کے درمیان موجود تھا، حالانکہ حق وصواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام نہ لینا اس وجہ سے تھا کہ ایک جانب تو متعین تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہوتے اور دوسری جانب متعین نہ تھا، کبھی کوئی ہوتا اور کبھی کوئی، کبھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوتے، کبھی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہوتے اور کبھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہوتے، یہ تمام افراد اہل بیت نبوت سے ہیں، اس بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام متعین و مشخص کر کے نہیں لیا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۸۹﴾ افسوس اپنے وہم وگمان کا سہارا لے کر ان تقدس مآب ہستیوں کے متعلق اتنا سطحی نتیجہ اخذ کرنے والے ان روایات کا مطالعہ کر لیتے جن میں انہوں نے ایک دوسرے کا مقام بیان کیا ہے، یہ روایت کس قدر ایمان افروز ہے:

''حضرت جمیع بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی پھوپھی کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا حضور اکرم ﷺ کو کون زیادہ محبوب تھا، انہوں نے فرمایا، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، پھر عرض کیا، مردوں میں سے کون زیادہ محبوب تھا، فرمایا، ان کے شوہر، جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور راتوں کو عبادت کے لیے بہت زیادہ قیام کرنے والے تھے۔ ﴿جامع ترمذی: ۵/۷۰۱، سیر اعلام النبلا: ۲/۱۲۵، مستدرک حاکم: ۳/۱۷۱، اسد الغابہ: ۷/۲۱۹، تہذیب الکمال: ۴/۵۱۴﴾

حدیث سے فوائد کا استنباط:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کردہ واقعہ افک سے بہت سے مسائل وفوائد کا استنباط بھی ہوتا ہے، جو اسلامی معاشرے کے لیے اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔

⊙...... عورتوں کے درمیان قرعہ اندازی جائز ہے، اس پر حضرت یونس، حضرت زکریا اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم السلام نے عمل کیا ہے، ابن منذر کا قول ہے کہ اس کا استعمال اجماع کی طرح ہے، جو لوگ اس کا رد کرتے ہیں ان کی بات درست نہیں۔

⊙...... خاوند کا اپنی بیوی کو سفر پر لے جانا جائز ہے۔

⊙...... عورتوں کا جہاد پر جانا اور کجاوں پر سوار ہونا جائز ہے۔

⊙...... دوران سفر مردوں کے لیے ان کی خدمت کرنا جائز ہے۔

⊙...... لشکر کا سفر پر روانہ ہونا اجازت امیر پر موقوف ہے۔

⊙...... عورت قضائے حاجت کے لیے خاوند کی اجازت کے بغیر جا سکتی ہے اور یہ امر مستثنیات میں سے ہے۔

⊙...... سفر میں عورتوں کے لیے زیور پہننا جائز ہے۔

⊙...... سفر میں غیر محرم کی وجہ سے بلاضرورت گفتگو نہ کرے۔

⊙...... کھانے پینے میں درمیانی روش اختیار کرنا اور پرخوری سے پرہیز کرنا افضل ہے کیونکہ یہی حضور اکرم ﷺ کے زمان ظاہری میں ہوتا تھا اور جو عمل اس وقت ہوتا تھا وہی افضل اور اکمل ہے۔

⊙...... پیچھے رہ جانے والے انسان کی امداد کرنا اور اسکی عزت و آبرو کا احترام کرنا واجب ہے۔

⊙...... دینی اور دنیوی مصائب میں "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھنا مستحب ہے۔

⊙...... آدمی سے عورت کا چہرہ چھپانا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔

⊙...... آدمی پر الزام لگے تو اس کو اس سے چھپانا مستحب ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات ایک مہینے تک چھپائے رکھی۔

⊙...... دستور کے مطابق بیویوں میں میل جول اور نرم برتاؤ کرنا حضور اکرم ﷺ کے حسن

خلق سے ثابت ہے، بیمار سے خیریت و عافیت کرنا مستحب ہے، عورت کا دوسری عورت کو ساتھ لے جانا مستحب ہے تا کہ کوئی تعرض نہ کرے۔

⊙......اہل بدر کا ادب واحترام کرنا چاہیے۔

⊙......عورت اپنے والدین کے گھر اپنے شوہر سے اجازت لے کر جائے۔

⊙......تعجب کے وقت سبحان اللہ کہنا چاہیے۔

⊙......اپنے متعلقین کے متعلق کسی غیر مناسب بات کی تحقیق کرنا جائز ہے۔

⊙......مشکل وقت میں اپنے دوستوں اور رازداروں سے مشورہ کرنا چاہیے۔

⊙......کسی غیر معمولی واقعہ پر امام کا خطاب کرنا جائز ہے۔

⊙......فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لیے جلدی کرنی چاہیے۔

⊙......توبہ کا قبول ہونا اور اس کی ترغیب دلانا۔

⊙......صفوان بن معطل، اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

⊙......قرآن مجید سے استشہاد کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

⊙......مصائب میں صبر و رضا کا دامن تھامنا چاہیے اور انبیا کرام علیہم السلام کی اقتدا کرنی چاہیے۔

⊙......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں شک کرنے والا منکر قرآن ہے۔

⊙......ہر نئی نعمت پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

⊙......قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا اظہار کرنا چاہیے۔

⊙...... نیکی کے راستوں پر صدقہ وخیرات سے ہاتھ نہیں روکنا چاہیے۔

⊙......گواہی دینے میں تحقیق سے کام لینا چاہیے۔

⊙......محبوب کی خاطر اس کے متعلقین کا احترام کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا احترام کیا اور اپنی اذیت کو فراموش کر دیا۔

⊙......خطا کاروں کو معاف کرنا چاہیے۔

⊙......کسی پر بدکاری کی تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہے۔

⊙......صبر جمیل کا انجام دونوں جہانوں میں عزت و مسرت ہے۔

⊙......عورتوں کا ایک دوسری کی صفائی پیش کرنا جائز ہے۔

⊙......اپنے امیر کی توہین پر اہل اسلام کا غیظ وغضب میں مبتلا ہونا اور اس کی تلافی کی کوشش کرنا جائز ہے۔

⊙......کسی باطل چیز کا اعتراف حلال نہیں۔

⊙......اللہ تعالیٰ کے بتانے سے غیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔

غزوہ بنو مصطلق کی تاریخی تحقیق:

غزوہ بنو مصطلق اپنے متنوع واقعات کی وجہ سے اپنے گہرے نقوش ثبت کر گیا ہے لیکن اس کے تاریخی تعین کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے، اہل سیر کے بقول شعبان ۵ ہجری یا ٦ ہجری میں واقع ہوا، جو مورخین ٦ ہجری میں اس کے وقوع کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی پر افک کا واقع پیش آیا اور معلوم ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی شادی اور مسلمان عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد پیش آیا، چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ۵ ہجری کے بالکل اخیر میں ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں ہوئی تھی اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ شعبان ہی کے مہینے میں پیش آیا تھا، اس لیے یہ ۵ ہجری کا شعبان نہیں بلکہ ٦ ہجری کا شعبان ہوسکتا ہے، دوسری طرف جو مورخین اس غزوہ کا زمانہ ۵ ہجری بتاتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث افک میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ کی سخت کلامی کا ذکر موجود ہے اور معلوم ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ۵ ہجری کے اخیر میں غزوہ بنی قریظہ کے بعد انتقال کر گئے تھے، اس لیے واقعہ افک کے وقت ان کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ اور غزوہ ٦ ہجری میں نہیں بلکہ ۵ ہجری میں پیش آیا، فریق اول نے اس دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ حدیث افک میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر راوی کا وہم ہے، کیونکہ یہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن اسحاق نے روایت کی ہے تو اس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ بلا شبہ یہی صحیح ہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر وہم ہے، ﴿زاد المعاد: ۱۱۵/۲﴾ اب ذرا غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ فریق اول کے استدلال کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ۵ ہجری کے اخیر میں ہوئی تھی حالانکہ اس پر بعض

قرائن کے سوا کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں ہے جبکہ واقعہ افک میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے جنہیں وہم قرار دینا مشکل ہے، اس لیے ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ۵ ہجری کے اوائل میں ہوئی ہو اور واقعہ افک اور غزوہ بنو مصطلق شعبان ۵ ہجری میں پیش آیا ہو، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ ہجری کے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ یہ لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بحکم الٰہی ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح میں لائے اور بقول اہل سیران کے زفاف میں آیت حجاب نازل ہوئی، اس تحقیق سے سارا معاملہ حل ہو جاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حارث بن ابی ضرار کا قبول اسلام:

غزوہ بنو مصطلق میں بہت زیادہ اموال و اسباب اور مرد و زن جنگی قیدیوں کی صورت میں اہل اسلام کے ہاتھ آئے، ان میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جنہیں تاجدار مدینہ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا تھا، حارث اپنی بیٹی کا فدیہ ادا کرنے کے لیے اونٹوں کا ایک ریوڑ اپنے ہمراہ لایا، جب وہ وادی عقیق میں اترا تو اس نے اپنے دو اعلیٰ نسل کے اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا دیئے کہ اہل اسلام کو نہ دوں گا اور واپسی پر انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا، پھر وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میں اپنی بیٹی کے فدیہ کے لیے اونٹ لایا ہوں، یہ قبول فرما کر میری بیٹی کو آزاد کر دیجیے، آپ نے ان اونٹوں کو دیکھ کر فرمایا، وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں وادی عقیق میں چھپا دیا ہے، حارث بن ابی ضرار یہ خبر غیب سن کر پکار اٹھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان اونٹوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے، ﴿سبل الھدیٰ: ۴/۴۹۷﴾

......⊙......

......﴿غزوۂ احزاب﴾......

صحیح روایت کے مطابق ماہ شوال ۵ ہجری اور فروری ۶۲۷ عیسوی کا مہینہ تھا کہ کفار مکہ نے قبائل عرب کی ایک بہت بڑی تعداد جمع کر کے اسلامیان مدینہ پر حملہ کیا، اہل مغازی کی اکثریت کی یہی رائے ہے جبکہ موسیٰ بن عقبہ نے اسکا سال وقوع ۴ ہجری بیان کیا ہے، شیخ ولی الدین عراقی اور شیخ ابن حزم نے اسکی تائید کی ہے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ جب غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوئے تو ان کی عمر چودہ سال تھی، آپ نے کم سنی کی وجہ سے انہیں جنگ کی اجازت نہ دی، پھر وہ غزوہ خندق کے موقع پر حاضر ہوئے تو اجازت عطا فرمائی، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی، اس لیے انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ غزوہ احد ۳ ہجری میں ہوا اس پر تمام اہل مغازی کا اتفاق ہے، اب لامحالہ غزوہ خندق ۴ ہجری کو رونما ہوا تو ان کی عمر پندرہ سال بنے گی، اسکا جواب ابن قیم الجوزیہ نے یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر وہ اپنے چودھویں سال کے ابتدائی مہینوں میں ہوں اور غزوہ خندق کے موقع پر وہ اپنے پندرھویں سال کے آخری مہینوں میں ہوں، اس طرح وقوع غزوہ خندق اور عمر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تضاد رفع ہو جاتا ہے، ﴿زاد المعاد: ۳/۲۷۹﴾ امام بیہقی نے بھی اسی طرح کہا ہے اور امام ابن حجر عسقلانی نے بھی پانچویں سال ہجرت کو ترجیح دی ہے، ﴿فتح الباری: ۷/۳۱۵﴾ جو مورخین پانچویں سال کو ترجیح دیتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ غزوہ احد ۳ ہجری کو واقع ہوا، اگلے سال ۴ ہجری میں آپ بدر موعود پہنچے اور اگلا سال ۵ ہجری ہی بنتا ہے، جس میں غزوہ خندق کا وقوع ہو سکتا ہے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت شدہ ہے کہ غزوہ خندق سال پنجم میں واقع ہوا ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۹۰﴾ غزوہ خندق کے اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے، کیونکہ اس غزوہ میں حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق دفاعی نقطہ نظر سے ایک عظیم خندق تیار کی اس لیے اسکا نام خندق پڑ گیا، قرآن پاک نے اس کو 'احزاب' کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ اس میں یہودیوں اور مشرکوں کے بہت سے قبائل نے حصہ لیا اور مل کر اہل اسلام کی قوت وحشمت پر ضرب کاری لگانے کی کوشش کی اس لیے یہ غزوہ حزب ﴿جماعت﴾ کی جمع احزاب ﴿بہت ساری جماعتوں﴾ کے نام سے مشہور ہو گیا، اب اس

غزوۂ عالی شان کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے۔

یہودیوں کی سفارتی کارستانی:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے غزوہ بنو نضیر میں بنو نضیر کے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا تو ان کی کچھ تعداد ملک شام کی طرف چلی گئی اور کچھ تعداد خیبر میں جا آباد ہوئی، صدیوں پرانے وطن سے نکلنے کے باوجود بھی انہوں نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی بلکہ الٹا اہل اسلام کے خلاف اپنی سازشوں اور دیسہ کاریوں کا سلسلہ دراز کرنا شروع کر دیا، خیبر میں بسنے والے یہودیوں کے سرکردہ لوگ حی بن اخطب، سلام بن ابی حقیق، سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع وغیرہ قریش مکہ کے پاس پہنچے، بنو وائل کے ہوذہ بن قیس اور ابو عمارہ بھی ان کے ساتھ مل گئے، ابو عامر فاسق بھی ساتھ شامل ہو گیا، اس طرح اور بھی افراد اس سفارتی مہم میں شریک ہو گئے، تقریباً چوبیس افراد کا قافلہ سرداران مکہ کی خدمت میں پہنچا تو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے پرتپاک استقبال کیا، انہوں نے کہا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ تمہارے ساتھ پیغمبر اسلام کی عداوت میں عہد و پیمان کریں، ابوسفیان نے کہا، مرحبا بکم واھلا، ہمارے نزدیک اس سے بہتر کیا بات ہوگی کہ ان کی عدوات پر ہماری مدد کی جائے، اس کے بعد کعبہ کے پردوں کے قریب آئے اور عہد باندھا، ابوسفیان کہنے لگا، اے گروہ یہود! تم اہل کتاب ہو، علما اور احبار کی اولاد ہو، بتاؤ ہمارا دین بہتر ہے یا حضرت محمد کا دین بہتر ہے، ہم لوگ جو خانہ کعبہ کی تعمیر میں کوشش کرتے ہیں، بڑے بڑے کوہان والے اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں، حاجیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، پانی اور دودھ پلاتے ہیں اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو ہمارے باپ دادا کی رسم ہے، حضرت محمد نے نیا دین ظاہر کیا ہے اور نئی باتیں پیدا کی ہیں، بتاؤ وہ راہ راست پر ہیں یا ہم راہ راست پر ہیں، دین و دنیا کا سودا کرنے والی قوم نے جواب دیا، تم لوگ حضرت محمد کی نسبت زیادہ راہ راست پر ہو، اس شرمناک فیصلے کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

الم تر الی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب یومنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین امنوا سبیلا ٥ اولئک الذین کفروا لعنھم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجدلہ نصیرا ٥

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا، وہ ایمان لائے بتوں پر اور شیطان پر اور بولے کافروں سے کہ یہ ﴿تمہارا﴾ راستہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت والا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور جس پر اللہ لعنت فرمائے اسکا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔ ﴿سورۃ النساء: ۵۰﴾

ابوسفیان نے کہا، اے گروہ یہود! جب تک تم ہمارے خداؤں کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوگے ہم تمہاری گواہی پر اعتبار نہیں کر سکتے، چنانچہ یہودیوں کے سرکردہ لیڈروں اور مذہبی راہنماؤں نے بتوں کو سجدہ کر کے کفار مکہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا، کفار مکہ یہودیوں کی تصدیق پر بہت زیادہ خوشیاں منانے لگے، اسلام اور پیغمبر اسلام کی دشمنی میں یہودیوں کا یہ ایسا اقدام تھا جس پر خود ان کے ہم مذہب لوگوں نے بھی طعن وتشنیع کے پتھر برسائے، بعد میں آنے والی نسل بھی ان کے گھناؤنے کردار پر شرمسار دکھائی دینے لگی جیسا کہ پروفیسر ولسن نے لکھا ہے:

''یہودی وفد کی مشرکین مکہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو ہر مومن کا دل دکھاتی ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی، اس گفتگو میں انہوں نے بت پرستوں کو مسلمانوں سے افضل کہا جو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھتے ہیں'' ﴿تاریخ الیہود فی بلاد العرب: ۱۴۲﴾

پھر انہوں نے ایک دوسرے کے موقف پر جانیں قربان کرنے کا عہد کیا اور یہودی وفد بنوغطفان کے پاس پہنچا اور انہیں بھی اہل اسلام کے خلاف اکسایا، کفار مکہ کے ساتھ ہونے والی کامیاب سفارتی کوششوں کے متعلق بھی آگاہ کیا اور لالچ دیا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو تو ہم اس سال خیبر کے باغات کا سارا پھل تمہیں مہیا کر دیں گے، بنو غطفان کے سردار عینیہ بن حصن نے ان کی امداد کی حامی بھر لی، ساتھ اپنے دوست قبائل بنواسد، بنواشجع، بنومرہ اور بنوفزارہ وغیرہ کو بھی دعوت دی جو انہوں نے قبول کی اور چھ ہزار اعرابی جوان فراہم کرنے کا وعدہ کیا، ابوسفیان چار ہزار افراد پر مشتمل لشکر اشرار لے کر وادی مرالظہر ان پہنچ گیا، لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے، ادھر بنواسد طلیحہ اسدی کی قیادت میں، بنوسلیم ابوالاعور کی قیادت میں، بنوفزارہ عینیہ بن حصن کی قیادت میں، بنومرہ حارث بن عوف کی قیادت میں اور بنواشجع مسعود بن رخیلہ کی

قیادت میں جمع ہوئے اور اسی مقام پر کفار مکہ کے ساتھ مل گئے، یہ دس ہزار کا لشکر بڑے طمطراق کے ساتھ روانہ ہوا، تا کہ مدینہ منورہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے، اس طرح یہودی سیاست کاروں نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے تمام بڑے گروہوں کو اہل اسلام کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لیے تیار کرلیا، یہ لشکر اشرار اتنا بڑا تھا کہ شاید مدینہ منورہ کی ساری آبادی اس کے برابر نہ تھی، اگر حملہ آوروں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا دریا فوراً مدینہ منورہ کی چار دیواری تک پہنچ جاتا تو خطرناک ثابت ہوسکتا تھا لیکن مدینہ منورہ کی قیادت نہایت بیدار مغز تھی، اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور ان سے عہدہ برا ہونے کے لیے مناسب ترین قدم بھی اٹھاتی تھی۔

خندق......فیصلہ کن اقدام:

حضور پیغمبر نور ﷺ کے وفادار ساتھی پورے عرب میں بکھرے ہوئے تھے، وہ ہر فتنہ انگیزی کی خبر آپ تک پہنچاتے رہتے تھے، چنانچہ کفار مکہ اور قبائل عرب کے اس عظیم اجتماع کی خبر بھی آپ تک پہنچ گئی، آپ نے فوراً اکابر صحابہ کی مجلس شوریٰ کا انعقاد فرمایا اور دفاعی منصوبوں پر غور وخوض شروع کر دیا، اس دوران حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! جب ملک فارس میں ہمارا محاصرہ ہوتا تھا تو ہم اپنے اردگرد خندق کھود لیتے تھے، یہ بہت باحکمت دفاعی تجویز تھی اگر چہ اہل عرب اس سے ناآشنا تھے، تمام مجلس شوریٰ نے اس اچھوتی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے احکامات جاری فرما دیئے، آپ نے ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ ﴿یا گز﴾ خندق کھودنے کا کام سونپا جس کی گہرائی اور چوڑائی پانچ گز مقرر کی گئی، یہ انتہائی مشکل کام اہل اسلام نے تقریباً چھ دن میں یا بروایت دیگر پندرہ دن یا بیس دن یا تیس دن میں مکمل کرلیا، اول الذکر روایت زیادہ موزوں ہے، اب مدینہ منورہ کا نقشہ کچھ اس طرح بن گیا تھا، تین اطراف سے حملے کی توقع نہیں تھی کیونکہ جنوب کی جانب گھنے باغات تھے، مشرق ومغرب کی جانب سنگلاخ اور شدید چٹانیں اور جا بجا گہری اور چوڑی دراڑیں تھیں، صرف شمال کی جانب سے حملے کا خطرہ تھا کیونکہ ادھر کھلا اور غیر محفوظ علاقہ تھا، چنانچہ کوہ سلع کو پشت کی جانب رکھ کر شمالی جانب پانچ گز گہری اور چوڑی خندق کھود لی گئی اور

دشمن کے پہنچنے سے پہلے ہی لشکر اسلام موزوں مقامات پر خیمہ زن ہوگیا، اس طرح مدینہ منورہ ایک مضبوط قلعہ کی مانند دکھائی دینے لگا جو اہل باطل کے عزائم کا منہ چڑھانے کے لیے بیقرار تھا، خندق کھودنے کی ابتدا ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے آغاز کرتے ہیں، نہ اپنی قوت سے نہ اپنی طاقت سے، اگر اس کے غیر کی عبادت کریں گے تو ہمیں شقاوت ہوگی، کیا ہی اچھا ہمارا رب ہے اور کیا ہی اچھا ہمارا دین ہے، ﴿مواہب لدنیہ: ۳۱۳/۱﴾ خندق کھودنے کے لیے صحابہ کرام کا جذبہ جان نثاری نہایت قابل دید تھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روزانہ پانچ گز خندق کھودتے تھے، انصار و مہاجرین کی کوشش ہوتی کہ وہ بھی ان کے ساتھ شریک کار ہو جائیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہے، خندق کھودنے کے لیے اوزار بنوقریظہ کے یہودیوں سے وصول کیے تھے، سردی کا موسم تھا، ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، صحابہ کرام پر بھوک کا غلبہ تھا، ان کے پاس غلام نہیں تھے جو کام کرتے، سب بذات خود مٹی کھودنے، مٹی نکالنے اور مٹی ڈھونے میں مشغول تھے، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ساری دنیا کو محنت و مشقت کا درس دینے والے محبوب کائنات ﷺ پیچھے ہو کر بیٹھے رہتے، آپ بنفس نفیس اس دفاع توحید و ایمان کے عظیم کام میں ہمہ تن مصروف تھے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ہم لوگ خندق کی کھدائی کر رہے تھے اور کندھوں پر مٹی ڈھو رہے تھے کہ دریں اثنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللھم لا عیش الا عیش الاخرة

فاغفر للمهاجرین والانصار

اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، پس مہاجرین اور انصار کی بخشش فرما دے، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۸/۲﴾ اس طرح کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی بھوک اور مشقت دیکھ کر دعا عطا فرمائی تو انہوں نے جواب میں عرض کیا، ہم نے ساری زندگی کے لیے حضرت محمد ﷺ کے دست مبارک پر جہاد کی بیعت کی ہے، ﴿ایضاً﴾ حضرت براء بن

عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ خندق میں مٹی ڈھو رہے تھے، یہاں تک کہ غبار نے آپ کے شکم اطہر کی جلد ڈھانپ دی، آپ کے بال مبارکہ کافی تھے، امام قسطلانی کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سینہ مبارک کے بال تھے، یہ روایت اس روایت سے بظاہر متصادم ہے جس میں حلیہ شریف بیان ہوا ہے کہ آپ کے سینہ مبارکہ پر بالوں کی ایک لکیر تھی تو ان کا لکیر ہونا کافی ہونے کے منافی نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ بال منتشر نہیں تھے مستطیل تھے، ﴿مدارج النبوۃ﴾ آپ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے رجزیہ کلمات ادا فرما رہے تھے، اے اللہ! اگر تو ﴿مہربان﴾ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے، ہم پر سکینت نازل فرما، جنگ ہو جائے تو ہمارے قدم مضبوط فرما، انہوں نے ہمارے خلاف اشتعال دلایا ہے، اگر وہ فتنہ چاہیں گے تو ہم ہرگز سر نہ جھکائیں گے، حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ آخری الفاظ قدرے کھینچ کر پڑھتے تھے، ایک روایت میں ان کلمات کا آخری شعر یہ ہے ۔

ان الاولی قد بغو اعلینا

وان ارادوا فتنۃً ابینا

طاؤس بن کیان تابعی کی حدیث مرسل میں ہے کہ آپ یہ بھی فرما رہے تھے، اے اللہ! عضل اور قارہ پر لعنت فرما کہ انہوں نے ہمیں پتھر اٹھانے کی تکلیف دی ہے، ﴿مواہب لدنیہ: ۱/۳۱۲﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اہل خندق کے پاس صرف دو مٹھی جو لائے جاتے اور بو دیتی چکنائی کے ساتھ بنا کر ان کے سامنے رکھ دیئے جاتے، لوگ بھوکے ہوتے اور ان کا ذائقہ ناخوشگوار ہوتا اور ان سے بو اٹھ رہی ہوتی، ﴿مگر وہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر کے تناول فرما لیتے﴾ ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۸۸﴾ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا شکم کھول کر دو پتھر دکھائے، ﴿مشکوٰۃ: ۲/۴۴۸﴾

معجزاتِ رسُول کی کہکشاں:

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر کئی عالیشان معجزات کا صدور ہوا اور آپ کی نبوت کی کئی نشانیاں جلوہ فگن ہوئیں، یہاں چند ایک کا ذکر پیش نظر ہے:

……﴿1﴾……

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے چہرے مبارک پر بھوک کے آثار دیکھے تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا، ان کی زوجہ محترمہ نے ایک صاع ﴿ڈھائی کلو﴾ جو پیسے ﴿اور کھانا تیار کیا﴾ پھر انہوں نے راز داری کے ساتھ جا کر عرض کیا کہ آپ چند رفقا کے ساتھ تشریف لائیں ﴿کیونکہ کھانا بہت قلیل ہے﴾ لیکن آپ نے تمام اہل خندق کو ہمراہ لے لیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی، انہوں نے کھانے کی صورت حال بتائی تو آپ نے فرمایا، یہ تو بہت زیادہ اور پاکیزہ ہے، میرے آنے سے پہلے ہنڈیا نہ اتارنا اور روٹیاں نہ پکانا، پھر آپ سب کو لے کر پہنچ گئے تو وہ فرماتے ہیں کہ میری حالت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، میں کتنا شرمسار ہو رہا تھا، بیوی سے ماجرا بیان کیا تو اس نے کہا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے ہنڈیا اور آٹے میں اپنا لعاب دہن ملایا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر حکم دیا کہ روٹیاں پکاتے جاؤ اور دس دس کی جماعت کو کھلاتے جاؤ، ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اتنے سارے آدمی سیر ہو کر کھانا تناول کر گئے مگر ہنڈیا بھی سالن سے بھری رہی اور آٹے میں بھی کوئی کمی نہیں آئی، آپ نے فرمایا، اب تم خود بھی کھاؤ، رشتہ داروں کو بھی کھلاؤ اور اپنے دوستوں کو بھی تحفے کے طور پر ارسال کرو کیونکہ لوگ قحط سالی کا شکار ہیں، آپ وہاں تشریف فرما رہے اور ہم کھانا تقسیم کرتے رہے، جب آپ چلے گئے تو ہر چیز ختم ہو گئی۔ ﴿ملخصا، بخاری، صحیح مسلم، مستدرک حاکم، معجم طبرانی، سبل الھدیٰ: ۵۲۲/۴﴾

……﴿2﴾……

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم خندق کی کھدائی میں مشغول تھے کہ اچانک ایک بڑا ﴿چٹان نما﴾ پتھر نکل آیا جس پر کدال وغیرہ کوئی چیز بھی اثر نہ کرتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سراپا نور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ایک

چٹان کی طرح کا پتھر رکاوٹ بن رہا ہے، آپ کھڑے ہوگئے حالانکہ آپ کے شکم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم نے بھی کافی وقفے سے کوئی چیز نہیں کھائی تھی، آپ نے کدال لے کر اس کو توڑا تو وہ ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہوگیا، یہ روایت بخاری شریف میں مرقوم ہے، مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے بسند حسن اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر چٹان کے ضرب لگائی تو وہ ایک تہائی ریزہ ریزہ ہوگئی، آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں، خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے شام کے محلات کو دیکھ لیا ہے، پھر دوسری ضرب سے اسے توڑا تو فرمایا، اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں، خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے مداین کے سفید کنگرے ملاحظہ کیے ہیں، پھر آپ نے ان کنگروں کی نشانیاں بیان کیں تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی، اس پروردگار کی قسم! جس نے آپکو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بلاشبہ وہ کنگرے ایسے ہی ہیں، تیسری ضرب لگائی تو وہ ساری چٹان ذروں میں تبدیل ہوگئی، آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے صنعا کے دروازے بھی مشاہدہ کر لیے ہیں، ﴿مدارج النبوۃ:۲/ ۲۹۴﴾ اس معجزہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے کیونکہ ان کے زمانے میں ملک شام اور فارس کی کنجیاں اہل اسلام کو نصیب ہوئیں۔

﴿3﴾

حضرت نعمان بشیر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ دو مٹھی کھجوریں لے کر آئیں کہ ان کے بھائی اور ماموں کھا لیں گے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے کھجوریں لے لیں اور ایک چادر بچھا کر اہل خندق کو دعوت دی، اہل خندق ان کو تناول کرتے رہے اور وہ بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ تمام لوگ کھجوریں کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ چادر کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں، ﴿سیرت ابن ہشام:۲/ ۲۱۸﴾

اس طرح کام کا سلسلہ جاری رہا اور اہل ایمان دیدار محبوب سے شادکام ہوتے رہے اور برکات نبوت کا فیضان حاصل کرتے رہے، دن بھر خندق کی کھدائی کرتے اور شام کو گھر لوٹ آتے، حتیٰ مدینہ منورہ کی دیواروں تک خندق تیار ہو

گئی، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲۲۱/۲﴾ اس طرح حضرت ام عامر رضی اللہ عنہا نے حلوہ تیار کر کے بارگاہ رسالت میں بھیجا، آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تھے، آپ نے اعلان فرمایا کہ لشکر والے رات کا کھانا ہمارے ہاں تناول کریں، سب اہل لشکر نے جی بھر کے حلوہ تناول کیا مگر اس میں کوئی کمی نہ آئی۔ ﴿سبل الہدیٰ: ۵۲۲/۴﴾

لشکر کفار کی آمد:

کفار مکہ اور قبائل عرب کے لشکر جمع ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو ان میں سے قریش مکہ کے چار ہزار افراد نے رومہ، جرف اور زغابہ کے درمیان مجمع الاسیال کے مقام پر خیمے نصب کر دیئے، دوسری طرف بنو غطفان اور ان کے ہمسفر نجدی قبیلوں کے چھ ہزار افراد جبل احد کے مشرقی کنارے ذنب نقمی میں فروکش ہوئے، اسطرح ہزاروں سرکش انسانوں نے گوشہ ہدایت کا محاصرہ کر لیا، حضور اکرم ﷺ نے بھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں نائب مقرر فرمایا اور تین ہزار جان نثاروں کے ساتھ جبل سلع کے دامن میں قیام فرمایا، ابن حزم کا قول ہے کہ اہل اسلام کی تعداد نو سو تھی لیکن یہ روایت جمہور کے خلاف ہے، اس طرح ان کے پیچھے جبل سلع تھا اور سامنے خندق تھی، غزوہ خندق میں مہاجرین کے علمبردار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور انصار مدینہ کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے، مسلمان عورتوں اور بچوں کو مضبوط قلعوں اور گڑھیوں میں ٹھہرایا گیا تھا، شہر کے بڑے بڑے راستوں پر دیواریں بنا دی گئی تھیں تا کہ کوئی انہیں عبور کر کے اندر داخل نہ ہو جائے، خندق کے دوسری طرف کفار عرب تھے جو ان کی تدبیر کے سامنے حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے، ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں اس قسم کی خندق کا سامنا کرنا پڑے گا، اس دوران انہوں نے ایک خطرناک سازش تیار کی، انہوں نے سوچا کہ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ مدینہ منورہ میں آباد ہے، اگر وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں اور اندر سے اہل اسلام پر حملہ کر دیں اور ہم باہر سے ان پر سنگ باری کریں تو شاید ان کے سرنگوں ہونے کی کوئی صورت نکل آئے، اس کام کے لیے بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب کو تیار کیا گیا، موقع پا کر وہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی کے پاس پہنچا تو اس نے آگے سے دروازہ بند کر لیا، حی بن اخطب نے کہا، کعب دروازہ تو کھولو، اس نے کہا تم شرارتی انسان ہو

ضرور مجھے کسی بڑی مصیبت میں پھنسانے کے لیے آئے ہو، حی بن اخطب نے کہا کہ شاید تم اس لیے دروازہ نہیں کھول رہے کہ کہیں تمہیں مجھے کھانا نہ کھلانا پڑ جائے، اس طعنے پر اس نے دروازہ کھول دیا، دونوں گوشہ تنہائی میں بیٹھ گئے تو حی بن اخطب نے کہا، دیکھو کعب! میں تمہارے لیے عزت کا پیغام لایا ہوں، باہر قریش اور دیگر لوگوں کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے، ہم سب نے پختہ عہد کیا ہے کہ اہل اسلام کا خاتمہ کر کے دم لیں گے، اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے اہل اسلام کے ساتھ خوشگوار تعلقات ہیں، مگر وہ اتنی آسانی سے کہاں ٹلنے والا تھا، بالآخر اس نے کہا کہ اگر کفار عرب محاصرہ چھوڑ گئے تو میں تمہارے ساتھ رہوں گا، اس طرح اس نے اسے قائل کر کے چھوڑا اور پھر مدینہ منورہ میں ایک اور اسلام دشمن طاقت پیدا ہو گئی، بنو قریظہ کے جوانوں نے اپنے ہتھیار نکال لیے، اب ایک عجیب وحشت ناک سا منظر بن رہا تھا، جس کی عکاسی قرآن مجید نے اس طرح فرمائی ہے:

> اذجاءُ وا کم من فوقکم و من اسفل منکم ...... یاد کرو جب تم پر تمہارے اوپر اور نیچے سے کفار امڈ کر آئے اور تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور تمہارے دل حلقوں میں اٹک گئے اور اللہ کے ساتھ طرح طرح کا گمان کیا، اس مقام پر مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو خوب شدت کے ساتھ جھنجوڑا گیا۔

منافقین مدینہ کے لیے اس سے اچھا موقع اور کونسا ہو سکتا تھا، چنانچہ انہوں نے بھی ہرزہ سرائی کے لیے زبانیں کھول دیں اور مکرو فریب کے جال بننے لگے، ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت محمد تو ہمارے ساتھ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کر رہے تھے لیکن ہم کفار عرب کے سامنے مجبور اور لاچار ہو کر بیٹھ گئے ہیں، اس پر قرآن مجید نے فرمایا، جب منافقوں نے کچھ کمزور دل لوگوں سے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ دھوکے کا وعدہ کیا ہے، ان میں سے کچھ لوگ بہانے تراشنے لگے کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں اور ان کی محافظت کے لیے کوئی موجود نہیں لہذا ہمیں محاذ جنگ سے واپسی کی اجازت دی جائے، اس پر قرآن مجید نے فرمایا، یاد کرو جب ایک گروہ نے کہا کہ اے اہل یثرب! یہ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں لہذا واپس چلے جاؤ اور نبی محترم سے کہو کہ ہمارے مکان خالی پڑے ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں مگر وہ تو راہ فرار تلاش کر رہے ہیں۔

بعض لوگوں کی اس بہانہ سازی کی وجہ سے حضور سراپا نور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کے مکانوں اور قلعوں کی محافظت کے لیے مقرر فرمایا، لیکن منافقوں کی بہانہ سازی ختم نہ ہوئی، وہ آپ کو اطلاع دیئے بغیر ہی کھسک جاتے جبکہ مسلمانوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا، انہیں واقعی کسی کام کی ضرورت پیش آتی تو وہ اجازت طلب کرتے، آپ مناسب سمجھتے تو اجازت عطا فرما دیتے پھر وہ ضرورت سے فارغ ہو کر حصول اجر اور طلب خیر کے لیے مفوضہ کام میں لگ جاتے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ...... بے شک مومن تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ کسی مشترک کام میں شامل ہوتے ہیں تو اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔ ﴿سورۃ النور:۶۲﴾ اور منافقوں کے متعلق فرمایا، آپس میں رسول اللہ کے بلانے کو اس طرح نہ بناؤ جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بے شک اللہ ﴿چوری نکل جانے والوں کو﴾ جانتا ہے۔ ﴿سورۃ النور:۶۳﴾ ادھر جب ایمان والوں نے کفار عرب کے ان لشکروں کو دیکھا تو ان کے ولولے جوان ہو گئے، قرآن مجید نے فرمایا ہے:

> ولمارا المومنون الاحزاب .... اور جب ایمان والوں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی چیز ہے جسکا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول کا فرمان برحق ہے، اس حالت نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم کو اور بڑھا دیا۔ ﴿سورۃ الاحزاب﴾

بنو قریظہ کی صورتحال:

حضور پیغمبر نور ﷺ کو اطلاع مل چکی تھی کہ بنو قریظہ نے اہل اسلام کا معاہدہ توڑ دیا ہے، چنانچہ آپ نے اس خبر کی تصدیق کے لیے حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت خوات بن جبیر اور بروایت دیگر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر ان کی عہد شکنی کی اطلاع درست ہوئی تو صرف مجھے اشارے سے بتانا اور اگر غلط ہوئی تو لوگوں کے درمیان اعلان کر دینا، چنانچہ جب وہ صحابہ کرام بنو قریظہ کے پاس پہنچے تو انہیں انتہائی خباثت پر آمادہ پایا، انہوں نے علانیہ گالیاں

دیں، دشمنی کی باتیں کیں اور رسول اللہ کی توہین کرتے ہوئے کہا، اللہ کا رسول کون ہے، ہمارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا، یعنی وہ مکمل طور پر اپنی یہودی خصلت کا مظاہرہ کرنے لگے، ان کا یہ انداز بے وفائی دیکھ کر وہ واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اشارے سے عرض کیا، عضل اور قارہ، مقصود یہ تھا کہ جس طرح عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی اسی طرح بنو قریظہ بھی بدعہدی پر کمربستہ ہیں، اس اخفائے حال کے باوجود عام لوگوں کو خطرناک صورتحال کا اندازہ ہو گیا، گویا باہر سے کفار عرب کے ہجوم اور اندر سے یہودیوں اور منافقوں کی باد مسموم نے اضطراب کا سماں پیدا کر دیا، حضور اکرم ﷺ اپنا سر انور اور رخ اقدس کپڑے سے ڈھانپ کر دراز ہو گئے، کچھ دیر کے بعد اٹھے اور فرمایا:

''اللہ اکبر، مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد اور کامیابی کی بشارت قبول کرو''

بعد ازاں آپ نے اس عسکری عبقریت کو بروئے کار لاتے ہوئے فرمایا کہ دشمن گروہوں کو آپس میں مختلف کر دیا جائے، چنانچہ آپ نے بنو غطفان کے سرداروں عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف کے ساتھ مدینہ منورہ کی ایک تہائی پیداوار کے بدلے مصالحت کی تجویز صحابہ کرام کے سامنے رکھی[1] حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں اور اگر آپ صرف ہماری خاطر یہ تجویز اپنانا چاہتے ہیں تو اسکی ہرگز کوئی ضرورت نہیں، ہم نے کفر اور شرک کے عالم میں بھی ان لوگوں کو ایک دانہ نہیں دیا، اب ہم اسلام کے نور سے سرفراز ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہمیں عزت دی ہے تو ہم کیوں انہیں اپنا مال دیں گے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم تو ان کو صرف اپنی تلواریں پیش کریں گے، آپ نے ان دونوں کی رائے کو قبول فرمایا، اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ بعض معاملات میں امت کی بہتری کے لیے اجتہاد بھی فرماتے تھے اور

---

[1] بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں لیڈروں کو پیغام بھیج دیا اور وہ دونوں راضی بھی ہو گئے، ایک تحریر بھی لکھی گئی بس گواہی کے دستخط رہ گئے تھے، انصار نے مزید غور و فکر کرنے کی درخواست کی تو معاملہ التوا کا شکار ہو گیا، پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ تحریر ضائع کر دی۔

اپنی ذاتی رائے کے متعلق صحابہ کرام کو مشاورت کی اجازت بھی دی جاتی تھی، آپ کے اس کردار عالی سے امت میں وسعت نظری کو فروغ حاصل ہوا، بعد میں آپ کی اس تجویز کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی پذیرائی ملی کہ حالات کا دھارا بدل کر رہ گیا۔

نعیم بن مسعود کی آمد:

اللہ تعالیٰ نے کمال الطاف و کرم سے بنو غطفان کے ایک سرکردہ آدمی نعیم بن مسعود اشجعی کو قبول اسلام کی توفیق ارزانی فرما دی تو وہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میری قوم کو میرے اسلام قبول کرنے کی کوئی خبر نہیں، لہذا آپ مجھے فرمایئے، میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں، آپ نے فرمایا، جس قدر ممکن ہو سکتا ہے، کفار عرب میں اختلاف ڈال دو اور ان کی حوصلہ شکنی کرو کیونکہ جنگ حکمت عملی کا نام ہے، اس پر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ فوراً بنو قریظہ کے پاس گئے کیونکہ ان کا اس قبیلے کے ساتھ کافی تعلق خاطر تھا، انہوں نے جا کر کہا، تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ کیسا تعلق خاطر ہے، بنو قریظہ نے کہا، ہاں معلوم ہے، انہوں نے کہا، پھر غور سے سنو! قریش مکہ کا معاملہ تم سے مختلف ہے، تمہارے اس علاقے میں اہل و عیال ہیں، قریش اور غطفان کے اہل و عیال نہیں، انہیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے ورنہ سب کچھ چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے، پھر تمہیں اہل اسلام کے انتقام سے کون بچائے گا، بنو قریظہ نے کہا، پھر تم ہی بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے، انہوں نے کہا، قریش مکہ سے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر حاصل کر و ورنہ اس جنگ میں شرکت اختیار نہ کرو، بنو قریظہ نے کہا تم نے بہت اچھی تجویز پیش کی ہے، ان سے فارغ ہو کر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش مکہ کے پاس آئے اور ان سے کہا، تم جانتے ہی ہو کہ مجھے تمہارے ساتھ کیسی محبت ہے، انہوں نے کہا، ہاں ہمیں معلوم ہے، انہوں نے کہا، پھر غور سے سنو! بنو قریظہ نے اہل اسلام کے ساتھ جس بدعہدی کا اظہار کیا تھا وہ اس پر نادم اور پشیمان ہیں، لہذا وہ اب تم لوگوں سے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر طلب کریں گے اور انہیں حضرت محمد کے حوالے کر دیں گے، لہذا اگر وہ یرغمال کا مطالبہ کریں تو ہرگز تسلیم نہ کرنا، اسی طرح یہی بات بنو غطفان کے سامنے بھی جا دہرائی جس سے وہ بھی چوکس ہو گئے، جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات قریش مکہ نے بنو قریظہ کو پیغام بھیجا کہ محاصرے کی

طوالت سے ہمارا نقصان ہو رہا ہے، گھوڑے اور اونٹ مر رہے ہیں، لہذا باہر سے ہم اور اندر سے تم یکبارگی کے ساتھ حملہ کر کے اہل اسلام کو کچل دیں، گویا اس حملے میں جتنی دیر ہو گی اتنی ہمارے لیے پریشانی بڑھ جائے گی، بنو قریظہ نے جواب دیا کہ ہفتے کے دن ہم جنگ نہیں کرتے، جنھوں نے اس دن کو جنگ کر کے حکم شریعت کی مخالفت کی انہیں عذاب خداوندی سے دوچار ہونا پڑا، پھر یہ کہ اپنے کچھ آدمی بطور یرغمال بھیج دیں، ورنہ ہم جنگ میں شرکت نہیں کریں گے، قاصد کا یہ پیغام سن کر قریش اور بنو غطفان نے کہا واللہ! نعیم بن مسعود نے سچ ہی کہا تھا، انہوں نے بنو قریظہ کو جواب دیا کہ ہم کوئی آدمی تمہارے حوالے نہیں کر سکتے، پس تم لوگ بغیر کسی شرط کے ہمارے ساتھ تعاون کرو تا کہ دونوں طرف سے حضرت محمد ﴿اور ان کے ساتھیوں﴾ پر حملہ کر دیا جائے، یہ جواب سن کر بنو قریظہ بھی پکار اٹھے واللہ! نعیم بن مسعود نے سچ ہی کہا تھا، اس طرح دونوں فریقوں کا ایک دوسرے سے اعتبار اور اعتماد اٹھ گیا اور ان کے باہمی انتشار کی وجہ سے حوصلے بھی دم توڑ گئے۔

جنگ خندق کے مرحلے:

......﴿1﴾......

کفار عرب نے اپنے راستے میں خندق کا نا قابل عبور مرحلہ دیکھا تو شدید پریشان ہوئے، ابو سفیان نے اس دوران حضور پیغمبر نور ﷺ کو ایک خط ارسال کیا کہ لات اور عزیٰ کی قسم! میں اپنے لشکر عظیم کے ساتھ آپ کی طرف آیا ہوں کہ آپ کی بنیاد ختم کر دوں، میں نے دیکھا کہ آپ نے مقابلے کی بجائے ہمارے راستے میں خندق کھود رکھی ہے، یہ بات آپ کو کس نے سکھائی ہے، اگر ہم اس مرتبہ واپس بھی چلے گئے تو دوبارہ آ کر احد کی یاد تازہ کر دیں گے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر سنایا تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ گرامی نامہ بھیجا:

> یہ مکتوب محمد رسول اللہ کی طرف سے ابو سفیان کی طرف ہے، کافی عرصے سے شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں فریب دے رہا ہے، یہ تم نے لکھا ہے کہ میں اپنا لشکر عظیم لے کر آیا ہوں تا کہ ہماری بنیاد ختم کر دی جائے، اللہ تعالیٰ ﴿کا جلال﴾ تمہارے اور تمہاری اس چیز کے درمیان

حائل ہو جائے گا، تم ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتے، آخر ہماری فتح ہو گی اور ایسا دن ضرور آئے گا جب لات اور عزیٰ کو کوئی یاد نہ کرے گا، بے شک میں خود ایک دن لات، عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل کے بت پاش پاش کر دوں گا، اے بنو غالب کے بیوقوف انسان میں یہ بات تمہیں اس دن یاد کراؤں گا، ﴿سیرت نبویہ دحلان: ۱۳۱/۲﴾

﴿2﴾

کفار عرب عام حملے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے، آخر ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور خندق کے قریب پہنچ کر نہایت غصے کے عالم میں چکر کاٹنے لگے، انہیں کسی کمزور مقام کی تلاش تھی جہاں سے وہ عبور کر کے حملہ آور ہو سکیں، ادھر اہل اسلام نے ان پر تیر برسا کر خندق سے دور ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا، وہ نہ خندق میں کود سکتے تھے اور نہ ہی مٹی ڈال کر راستہ بنا سکتے تھے، قریش مکہ کے سواروں کو بھی گوارا نہیں تھا کہ وہ محاصرے کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ پڑے رہیں، چنانچہ عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ، کی ایک جماعت نے ایک تنگ مقام سے خندق عبور کر لی اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا، عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر اور شہسوار تھا، غزوہ بدر میں شدید زخمی ہو گیا تھا اس لیے غزوہ احد میں شامل نہ ہو سکا، اب غزوہ خندق میں خود کو نمایاں کرنے کے لیے اس نے اپنے جسم پر مختلف نشان بنا رکھے تھے، اس نے بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے فوراً مبارزت طلب کی کہ ہے، کوئی میرا مقابلہ کرنے والا، حضرت اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لہراتے ہوئے اس کے سامنے کھڑے ہو گئے، آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی مگر اس نے ٹھکرا دی، آپ نے فرمایا، آؤ پھر میرے ساتھ مقابلہ کرو، اس نے کہا تمہارے والد ابو طالب کے ساتھ میرے بہت اچھے تعلقات تھے، میں تمہیں اپنی تلوار سے قتل نہیں کرنا چاہتا، آپ نے فرمایا، لیکن میں یہی پسند کرتا ہوں کہ میری تلوار تیرا خاتمہ کر دے، اس نے غصے میں آ کر گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور اسکی کونچیں کاٹ دیں، اس کے منہ پر طمانچہ مار کر پیچھے ہٹا دیا، پھر اسی غیظ و غضب کے

عالم میں آپ پر حملہ کر دیا، دونوں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کروار کرتے رہے، یہاں تک کہ گردو غبار میں چھپ گئے، دونوں لشکروں کوان کی تلواروں کے ٹکرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی، حضور اکرم ﷺ اپنی چشم نمناک سے بارگاہ خداوندی میں دعا گو تھے کہ یا اللہ! میرے علی المرتضیٰ کو کامیاب فرما، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، مکمل کفر کے مقابلے میں مکمل ایمان جنگ کر رہا ہے، بہر حال پھر دیکھتے ہی دیکھتے حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے نعرہ زن ہو کر ایسا زور دار حملہ کیا کہ تلوار اس کے خود اور زرہ کو چیرتی ہوئی سارے جسم کو دولخت کر گئی، پھر ایک دم خاموشی چھا گئی، جب گردو غبار چھٹا تو سب اپنوں اور بیگانوں نے دیکھ لیا کہ مکمل ایمان نے مکمل کفر کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے ہیں، اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان پر کچھ رجزیہ اشعار تھے:

ترجمہ: عمرو بن عبدود نے اپنی سفاہت کی وجہ سے پتھروں کی امداد کی اور میں نے اپنی ذہانت کی وجہ سے پروردگار مصطفےٰ کی امداد کی، میں اسکی مقتل گاہ سے جب نکلا تو اسے نرم ریت کے ٹیلوں میں درخت کے مڈھ کی طرح خاک آلودہ چھوڑا، اے مشرکو! تم ہرگز نہ سوچنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبی محترم کو بے سہارا چھوڑ دے گا۔ ﴿الاکتفا:۱۶۹/۲﴾

عکرمہ بن ابوجہل اپنا نیزہ چھوڑ کر بھاگ گیا، باقی جماعت کفر بھی راہ فرار اختیار کر گئی، عمرو بن عبدود کے انجام نے ان سب کے کلیجے ہلا کر رکھ دیئے تھے۔

......﴿3﴾......

اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد تک محاصرہ جاری رہا مگر کسی کو خندق عبور کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اہل اسلام بھی ان کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے رہے، غزوہ خندق میں ان کا شعار تھا، حم لاینصرون، حم، ان کی امداد نہ کی جائے، جب کفار عرب تیر برساتے تو اہل اسلام اپنی بہترین تیر اندازی سے ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیتے، اس طرح کی پر زور جھڑپوں کے دوران حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی بعض نمازیں بھی فوت ہو گئیں، چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خندق کے روز آئے اور کفار عرب کو سخت سست کہنے لگے، پھر

عرض کیا، یارسول اللہ! آج میں بمشکل سورج ڈوبتے نماز پڑھ سکا، آپ نے فرمایا، واللہ! میں نے ابھی نماز پڑھی نہیں، پھر ہم لوگ آپ کے ہمراہ بطحان میں اترے، آپ نے وضو فرمایا اور ہم نے بھی وضو کیا، پھر آپ نے نماز عصر پڑھی، یہ سورج غروب ہو جانے کے بعد کی بات ہے، اس کے بعد نماز مغرب ادا فرمائی، ﴿صحیح بخاری:۵۹۰/۲﴾ یہ بھی روایت ہے کہ مشرکوں نے آپ کو نماز ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی ادائیگی سے مصروف رکھا، چنانچہ آپ نے یہ تمام نمازیں یکجا پڑھیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کا سلسلہ کئی روز جاری رہا، پس کسی دن ایک صورت پیش آئی، کسی دن دوسری، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۲۸۷﴾ آپ کو نماز عصر کے فوت ہو جانے کا اس قدر افسوس ہوا، آپ نے مشرکوں کے حق میں دعائے ضرر فرمائی، یا اللہ! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہمیں نماز عصر سے روکے رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، ﴿صحیح بخاری:۵۹۰/۲﴾ ان جھڑپوں اور چھوٹے موٹے تیر اندازی کے مقابلوں میں فریقین کے چند افراد بھی مارے گئے، یعنی چھ یا سات مسلمان شہید ہوئے اور دس مشرک واصل جہنم ہوئے، ان میں ایک یا دو آدمی تلوار سے بھی قتل ہوئے، ایک روایت ہے کہ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس طرح قتل کیا کہ تلوار اس کے ٹکڑے کر کے زین کو بھی کاٹتی چلی گئی، کسی نے داد دیتے ہوئے کہا، اے زبیر! اس تلوار جیسی کوئی تلوار نہیں رکھی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ تلوار کا کمال نہیں، بازو کا کمال ہے، ﴿سبل الھدیٰ:۵۳۵/۴﴾ کفار مکہ نے عمرو اور نوفل کی لاشوں کا مطالبہ کیا اور ان کے بدلے دس دس ہزار درہم کی پیش کش کی، آپ نے فرمایا، ہم مردوں کی خرید و فروخت نہیں کیا کرتے، پھر آپ نے ان لاشوں کو ایسے ہی ان کے پاس بھجوا دیا، ﴿تاریخ الخمیس:۴۹۲/۱﴾

......﴿4﴾......

حی بن اخطب اور یہودیوں کی وجہ سے بنو قریظہ ابتدائی جنگی کارروائیوں میں شریک ہو گئے اور ایک رات انہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا مگر حضور اکرم ﷺ نے فوراً حضرت سلمہ بن اسلم اشہلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو جوان مردوں کو اس کی محافظت کے لیے روانہ فرما دیا، یہ

مجاہدین اسلام گلیوں اور بازاروں میں چکر کاٹتے اور نعرہ تکبیر سے اہل اسلام کے دل گرماتے تھے، اس بروقت اقدام نے بنو قریظہ کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فارع نامی قلعے کے اندر تھیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ عورتوں اور بچوں کے ہمراہ وہیں موجود تھے، اسی دوران ایک یہودی قلعے کا چکر کاٹنے لگا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اکرم ﷺ اور تمام مسلمان کفار عرب کے ساتھ برسرپیکار تھے، اگر کوئی ہم پر حملہ آور ہو جاتا تو آپ انہیں چھوڑ کر نہیں آسکتے تھے، اسی لیے میں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہودی قلعے کے چکر کاٹ رہا ہے، خدا کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ یہ باقی یہودیوں کو قلعے کی کمزوری کی اطلاع دے گا، ادھر مسلمان ہماری امداد کو نہیں آسکتے لہٰذا تم جاؤ اور اسے قتل کر دو، انہوں نے کہا واللہ آپ جانتی ہیں کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا، میں نے خود کمر ہمت باندھی اور ستون کی ایک لکڑی لے کر اس یہودی کے پاس پہنچی اور مار مار کر اس کا کام تمام کر دیا، بعد ازاں میں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ مرد ہے اس لیے میں نے اس کے ہتھیار نہیں اتارے، تم جا کر اس کے ہتھیار لے آؤ، انہوں نے کہا مجھے اس کے سامان کی کوئی ضرورت نہیں، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲۲۱/۲﴾

حضور اکرم ﷺ کی شیر دل پھوپھی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اس کارنامے سے یہودی یہ سمجھنے لگے کہ شاید ان قلعوں اور گڑھیوں میں بھی اہل اسلام کا لشکر موجود ہے، حالانکہ وہاں کوئی لشکر موجود نہیں تھا، اس کے بعد یہودیوں کو اس قسم کی جرأت نہ ہو سکی البتہ وہ بت پرست حملہ آوروں کو مسلسل سامان رسد پہنچاتے رہے حتیٰ کہ مسلمانوں نے ان کے رسد کے بیس اونٹوں پر بھی قبضہ کر لیا، جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، مشرکوں کے ساتھ یہودیوں کے ارادے بھی ناکام ہوتے جا رہے تھے، حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی نے سارا معاملہ ہی زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔

......﴿5﴾......

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں جنگ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھی، شدید سردی کا موسم تھا، آپ اپنے خیمے میں مصروف نماز تھے، پھر باہر تشریف

لائے اور کافی دیر تک حالات کا جائزہ لیتے رہے، میں نے آپ کا فرمان سنا کہ مشرکوں کے گھڑ سوار خندق کا چکر لگا رہے ہیں، آپ نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو آواز دی، انہوں نے لبیک کہا تو آپ نے فرمایا، تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت ہے، ہم آپ کے خیمے کی نگہبانی کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا، سب کو ساتھ لے کر خندق کا چکر کاٹو، ادھر مشرکوں کے گھڑ سوار نظر آ رہے ہیں، وہ اس کوشش میں ہیں کہ کہیں کوئی تنگ جگہ نظر آئے اور عبور کر کے اندر داخل ہو جائیں، پھر آپ نے دعا مانگی۔

اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور کر دے، ہمیں ان پر کامیابی عطا فرما، ان کو شکست دے کہ تیرے سوا ان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی خندق کا چکر کاٹنے لگے، انہوں نے دیکھا کہ ابوسفیان چند گھڑ سواروں کے ساتھ خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اہل اسلام نے ان پر تیروں کی بارش برسائی تو وہ پریشان ہو کر بھاگ گئے، حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ نماز میں مصروف ہو چکے تھے، خدا تعالیٰ ان پر رحم فرمائے وہ ہر وقت آپ کے خیمے کے قریب رہتے تھے اور پہرے سے لمحہ بھر بھی غافل نہیں ہوتے تھے، کفار مکہ نے بھی باریاں مقرر کر رکھی تھیں، ایک دن ابوسفیان اپنے دوستوں کے ساتھ آگے بڑھتا تو دوسرے دن عکرمہ بن ابوجہل اور تیسرے دن ضرار بن خطاب حملہ کرتا، لیکن کسی کو بھی کوئی کامیابی نصیب نہ ہو سکی، ایک رات انہوں نے یکبارگی حملے کی منصوبہ بندی کی اور سرگرمیاں تیز کر دیں، آپ نے بھی ان کی سرگرمیوں سے اندازہ لگا کر اپنے غلامان در سے فرمایا کہ اگر تم صبر سے کام لو گے اور استقامت کا مظاہرہ کرو گے تو تمہیں کامیابی نصیب ہو گی، صبح طلوع ہوئی تو انہوں نے شدید حملہ کر دیا، ان کا ایک دستہ حضور اکرم ﷺ کے خیمے کو نشانہ بنا رہا تھا، اہل اسلام بھی آپ کے خیمے کے دفاع میں جان کی بازی لگا رہے تھے، غروب آفتاب تک آرام کا کوئی موقع نہ ملا، اس دن آپ اور صحابہ کرام کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں، کفار عرب رات کے وقت اپنے خیموں میں چلے گئے تو مسلمان بھی مورچوں میں لوٹ آئے، آپ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو دوسو افراد

کے ساتھ خندق کی حفاظت پر متعین فرمایا، اچانک خالد بن ولید نے مشرکوں کے ایک دستے کے ہمراہ پلٹ کر حملہ کر دیا کہ شاید اس طرح سارے دن کے تھکے ماندے مسلمانوں کو زیر کیا جا سکے، مگر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے جانبازوں نے اس انداز سے تیروں کی بوچھاڑ کی کہ مشرکوں کو ناکام آرزوؤں کے ساتھ واپس بھاگنا پڑا، خالد بن ولید کے دستے میں وحشی بھی تھا، اس نے اپنا چھوٹا حربہ تاک کر حضرت طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مارا جس سے وہ جام شہادت نوش کر گئے۔

......﴿6﴾......

ایک روز حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قلعہ کے باہر سے گزرے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ان کی زرہ چھوٹی تھی، بازو باہر نکلے ہوئے تھے، وہ اپنا نیزہ لہراتے ہوئے جا رہے تھے، ان کی والدہ بھی قلعے میں موجود تھیں، انہوں نے کہا کہ بیٹا، جلدی محاذ جنگ پر پہنچو، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اے ام سعد! تم نے حضرت سعد کو چھوٹی زرہ پہنائی ہے، انہوں نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کرنا ہے وہ ہو کر رہے گا، چنانچہ وہی ہوا، حضرت سعد کے ننگے بازو پر حبان بن عرقہ مشرک کا تیر آ لگا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے، انہوں نے زخمی ہونے کے بعد دعا مانگی:

> اے اللہ! تو جانتا ہے جس قوم نے تیرے پیارے رسول کی تکذیب کی اور اسے وطن سے باہر نکال دیا، مجھے تیری راہ میں اسی قوم کے ساتھ جنگ کرنا بہت محبوب ہے، اب میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ہماری اور اس قوم کی جنگ کو آخری مرحلے میں داخل کر دیا ہے، پس اگر قریش سے کوئی جنگ باقی رہ گئی ہو تو مجھے بھی باقی رکھ تا کہ میں تیری راہ میں جنگ کروں اور اگر تو نے جنگ ختم کر دی ہے تو میرے زخم کو میری موت کا سبب بنا دے، ﴿صحیح بخاری: ۵۹۱/۲﴾ پھر ان کی دعا میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں، اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ کے متعلق میری آنکھیں نہ ٹھنڈی ہو جائیں، ﴿سیرت ابن ہشام: ۳۳۷/۳﴾

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور وہ بنو قریظہ کا عبرتناک انجام دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے جس کی تفصیل اگلے صفحات میں پیش کی جائے گی، شدید

سردی، مسلسل ناکامی، جانوروں کی تباہی و بدحالی اور انسانوں کی بدمزاجی اور مختلف الخیالی نے لشکر اشرار کے قدم اکھاڑ دیئے، امام احمد نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نے عرض کی، یارسول اللہ! خوف کی وجہ سے ہمارے دل منہ تک آگئے ہیں، کوئی ایسا ذکر ہے جس کے پڑھنے سے ہمیں سکون حاصل ہو اور ہم گھبراہٹ سے نجات پائیں، آپ نے فرمایا، ہاں! تم اس طرح دعا مانگو:

'اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا' اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطروں سے محفوظ فرما، آپ سے یہ دعا بھی منقول ہے، اے اللہ! کتاب اتارنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست فاش سے دوچار کردے، انہیں ناکام کردے اور انہیں ہلا کر رکھ دے۔ ﴿صحیح بخاری: ۵۹۰/۲﴾

اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو اجابت کے دامن میں سمو لیا اور دشمنان اسلام کی شکست کے لیے طوفانی ہوائیں جاری کر دیں، ان ہواؤں سے ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں، کھونٹیاں اکھڑ گئیں، خیمے اڑ گئے اور کسی چیز کو بھی قرار نہ رہا، فرشتوں کا لشکر بھی نازل ہو گیا جس نے انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا اور ان کے دلوں میں خوف کے سائے بھر دیئے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو کفار عرب کی اطلاع لانے کے لیے بھیجا، وہ ان کے محاذ جنگ پر پہنچے تو وہاں قیامت کا سماں دیکھا، گویا وہ سب واپسی کی تیاریوں میں دوڑ رہے تھے، انہوں نے آکر ان کی روانگی کی اطلاع دی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے حق میں دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے میری سردی اور خوف کو دفع کر دیا، میں ان کے لشکر میں داخل ہوا تو یکایک میں نے تند و تیز ہوا پائی جو کفار کے لشکر سے ایک بالشت بھی تجاوز نہیں کرتی تھی، بلکہ صرف ان کے لشکر ہی میں چلتی تھی، واپسی پر میں نے کچھ سواروں کو دیکھا جو مجھے کہنے لگے، تم اپنے صاحب کو اطلاع کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکوں سے ہوا اور اپنے لشکروں سے کفایت عطا فرمائی ہے، اس وقت ابوسفیان پکار رہا تھا، اے لشکر قریش! یہ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے، اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے ہیں بنو قریظہ سے اختلاف ہو گیا ہے، اور یہ شدید ہوا جو کہ تم دیکھ رہے ہو، نہ ہی ہنڈیا چولہے پر ٹھہرتی ہے اور نہ ہی آگ جلتی ہے، لہٰذا تم کوچ کرو میں بھی کوچ کر رہا

ہوں، ﴿مواہب لدنیہ:۳۱۸/۱﴾ چنانچہ صبح ہوتے ہی دیکھا کہ ان کے ناپاک وجودوں سے میدان بالکل صاف ہو چکا تھا، وہ جدھر سے آئے تھے اپنی نامراد حسرتوں کو لے کر ادھر ہی بھاگ نکلے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا اور اپنی جماعت کو عزت عطا فرمائی، اپنے عبد خاص کی امداد فرمائی اور اکیلے ہی اپنے دشمنوں کے گروہوں کو شکست فاش سے دوچار کر دیا، حدیث پاک میں ہے کہ میری مدد باد صبا سے کی گئی اور قوم عاد باد دبور سے ہلاک کی گئی، صبا وہ ہوا ہے جو مطلع ثریا سے اٹھتی ہے اور بنات النعش تک چلتی ہے اور اس کے مقابل باد دبور باد شمال ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۳۰۱/۲﴾ ابن سعد کا قول ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ دبور خندق سے واپس ہوئے، بدھ کا روز تھا، محاصرہ کا آغاز شوال میں ہوا اور اختتام ذیقعد میں ہوا، غزوہ خندق میں اگرچہ گھمسان کے رن نہیں پڑے مگر تاریخ اسلام کی فیصلہ کن جنگ کے طور پر پہچانا گیا ہے، اس میں اہل کفر نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لیا تھا، مگر وہ نقوش وفا کیسے مٹ سکتے ہیں جن کو لوح ہستی پر خود پروردگار عالم ثبت فرماتا ہے، حضور مخبر صادق ﷺ نے خوشخبری عطا فرمائی:

> اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے، اب ہمارا لشکر ان کی جانب سفر کرے گا، ﴿صحیح بخاری:۵۹۰/۲﴾

غزوہ بنو قریظہ:

حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام بدھ کے روز جنگ خندق کے بعد مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار اتار دیئے، آپ نے غسل فرمایا اور حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ اپنے سر اقدس سے غبار جھاڑ رہے تھے، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں، واللہ! ہم نے اپنے ہتھیار نہیں اتارے، اٹھیے اور چلیے، آپ نے فرمایا کہاں؟ انہوں نے بنو قریظہ کی بستی کی جانب اشارہ کیا، چنانچہ ان کی جانب نکلے، صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے اعلان فرما دیا: ہر کوئی عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھے، بعض لوگ ابھی راستہ میں تھے کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا، ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں گے اور بعض کہنے لگے، ہم تو یہیں پڑھ لیں گے، آپ کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ ہم نماز عصر قضا کر دیں

اور لازماً بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں، آپ کی بارگاہ میں دونوں گروہوں ﴿کے اس اجتہاد﴾ کے بارے میں ذکر ہوا تو آپ نے کسی فریق کو بھی سرزنش نہیں فرمائی، ابن سعد کا قول ہے کہ آپ نے ۲۳ ذیقعد بروز بدھ تین ہزار کا لشکر ابرار لیا اور بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، ان کے پاس تیس گھوڑے تھے، سب لشکر ابرار نے ایک کنوئیں کے قریب ڈیرہ ڈال دیا، باقی ماندہ لوگ بھی آ ملے، پھر آپ نے بیس سے کچھ زیادہ دن ان کا محاصرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اہل اسلام کا رعب پیدا کر دیا جس سے ان کے قدم ڈگمگا گئے، بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی نے اپنی قوم کے سامنے تین چیزیں پیش کیں اور کہا کہ ان میں سے جو چاہو پسند کر لو، اسلام قبول کر لو یا عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو اور پھر خود مسلمانوں سے لڑ کر اپنی جان دے دو یا ہفتہ کی رات اہل اسلام پر شب خون مارو کیونکہ وہ ہماری طرف سے اس رات غافل اور پر امن ہوں گے، قوم نے ان تینوں باتوں کا انکار کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ایک دفعہ بنو عمرو بن عوف کے سردار حضرت ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں کیونکہ وہ قبل از اسلام بنو اوس کے حلیف تھے، آپ نے ان کی فرمائش پوری کر دی اور ان کو بھیج دیا، ان کو آتے دیکھ کر بنو قریظہ کے مردوں نے ان کا استقبال کیا جبکہ عورتیں اور بچے رونے لگے جس سے ان کے دل میں رقت پیدا ہو گئی، وہ کہنے لگے، اے ابولبابہ! بتاؤ ہم اپنے متعلق حضرت محمد کا فیصلہ قبول کر لیں، انہوں نے جواب دیا، ہاں اور ساتھ انہوں نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی بتایا کہ اگر نہ قبول کرو گے تو تمہارے گلے کٹ جائیں گے اور تم ذبح کر دیئے جاؤ گے، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابھی میں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے، پھر وہ وہاں سے سیدھے مسجد نبوی تشریف لائے اور خود کو ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرا یہ گناہ معاف نہ کرے گا میں اسی طرح بندھا رہوں گا اور میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بنو قریظہ کے علاقے میں نہیں جاؤں گا، جب دیر ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فعل کی خبر ہو گئی، آپ نے فرمایا، اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اسکی مغفرت کی دعا مانگتا، اب اس نے خود کو ستون سے باندھ لیا

ہے میں بھی اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول نہ فرمائے گا، ابن ہشام کا قول ہے کہ یہ آیت مبارکہ ان کے متعلق نازل ہوئی ہے:

یا ایھا الذین امنوا لا تخونو اللہ والرسول ....اے ایمان والو! تم اللہ اور ﴿اس کے﴾ رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم ﴿خیانت کی خرابی﴾ جانتے ہو۔ ﴿سورۃ الانفال﴾

حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کی قبول توبہ کا واقعہ بھی بڑا حسین ہے، حضور شافع امت ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھے کہ ان کی توبہ کا حکم نازل ہوا، آپ مسکرانے لگے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، خدا تعالیٰ آپ کو مسکراتا رکھے، آپ کس بات پر مسکرائے ہیں، آپ نے فرمایا، ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے، انہوں نے عرض کیا، کیا میں انکو اطلاع کر دوں، آپ نے فرمایا، تمہیں اختیار ہے، پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوکر ان کو اطلاع دی کہ تمہیں خوشخبری ہو، خدا تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے، لوگوں نے دوڑ کر انہیں کھولنا چاہا لیکن انہوں نے کہا خبردار کوئی مجھے ہاتھ نہ لگائے، خود رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے کھولیں گے، چنانچہ آپ نماز فجر کے لیے تشریف لائے اور انہیں کھول دیا، ابن ہشام کا قول ہے کہ وہ چھ رات ستون سے بندھے رہے، نماز کے وقت ان کی بیوی انہیں کھول دیتی تھی اور بعد میں باندھ دیتی تھی، ان کی توبہ کے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

اور دوسرے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اچھے برے دونوں طرح کے اعمال ان سے سرزد ہوئے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

محاصرے سے تنگ آ کر بنو قریظہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر اتر آئے، اس وقت بنو اوس نے کہا، یا رسول اللہ، آپ نے بنو قینقاع کے متعلق ہمارے بھائیوں بنو خزرج کا فیصلہ مان لیا تھا کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے، بنو قریظہ ہمارے حلیف ہیں، ﴿ان کے بارے میں ہمارا فیصلہ مان لیں﴾ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اے گروہ اوس! کیا تم اس پر راضی ہو کہ ان کے متعلق تمہارا کوئی آدمی فیصلہ کرے، وہ بولے، ہاں ہم راضی ہیں، آپ نے

فرمایا، میں سعد بن معاذ کو اختیار دیتا ہوں، وہ ان کے متعلق فیصلہ کرے، ایک روایت ہے کہ خود یہودیوں نے بھی حضرت سعد کو ہی منصف بنانے کی خواہش ظاہر کی، مسجد نبوی میں رفیدہ نامی ایک صالحہ عورت رہتی تھی جو بغرض ثواب زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی، آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کے خیمے میں اترنے کا حکم دیا تھا تاکہ آپ قریب سے انکی بیمار پرسی کر سکیں، آپ نے ان کی طرف کچھ آدمی بھیجے تاکہ وہ ان کو فیصلہ کرنے کے لیے لے آئیں، چنانچہ انہیں ایک دراز گوش پر سوار کر کے لایا گیا، ان کے لیے چمڑے کا ایک نرم گدا بچھایا گیا، یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ان کی آمد پر فرمایا، لوگو! اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ، ان کی قوم نے انکو گھیرے میں لے کر کہا، اے ابو عمرو! اپنے حلیفوں کے بارے میں اچھا فیصلہ کرنا، رسول اللہ ﷺ نے اچھا برتاؤ کرنے کا تمہیں اختیار دیا ہے، انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سعد کے لیے انکار کر دیا ہے کہ وہ اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہو، پھر انہوں نے کہا، کیا تم لوگ حلفیہ عہد کرتے ہو کہ ان کے بارے میں میرا ہر فیصلہ قبول کرو گے، سب نے تسلیم کیا تو انہوں نے کہا، میرا فیصلہ یہ ہے کہ بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے اموال و اسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے، حضور اکرم ﷺ نے اس فیصلے کی تصدیق فرمائی اور فرمایا، اے سعد! تم نے ان کے متعلق وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں سے اوپر کر رکھا تھا، آپ نے یہ فیصلہ نافذ فرماتے ہوئے بنو قریظہ کو مدینہ منورہ کے بازاروں میں لانے کا حکم دیا، وہاں خندقیں کھودیں گئیں اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں اڑا کر رکھ دی گئی، سب مقتولوں کی تعداد چھ سو اور سات سو کے درمیان یا پھر ایک روایت کے مطابق آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھی، ان میں عورت صرف ایک تھی جس نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کے سر پر چکی کا پاٹ پھینک کر انہیں شہید کر دیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ قتل سے پہلے وہ عورت بڑے اطمینان سے ہنس رہی تھی حالانکہ اسے علم تھا کہ وہ عنقریب ماری جائے گی، آپ نے حکم صادر فرمایا کہ جس بچے کے زیر ناف بال اگے ہوں اسے قتل کر دیا جائے اور جس کے نہ اگے ہوں اسکو چھوڑ دیا جائے، آپ نے زبیر بن باطا کی ساری اولاد مشہور

صحابی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی، ان میں سے ایک کا نام عبدالرحمان بن زبیر ہے جو حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد شرف صحابیت سے مشرف ہوئے، زبیر بن باطا کا واقعہ بھی بہت عجیب ہے، اس نے جنگ بعاث میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا تھا، اب وہ ان کے پاس آکر کہنے لگا کہ کیا مجھے پہچانتے ہو، انہوں نے کہا، ہاں پہچانتا ہوں، اس نے کہا پھر میری، میری اولاد اور اموال کی خلاصی کرا دو، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اس کے احسان کا ذکر کیا اور اسکی رہائی کی درخواست کی، آپ نے اسکو آزاد کر دیا، پھر اس نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میری قوم کے سردار کعب بن اسد، حی بن اخطب اور عزال بن سموال کا کیا ہوا، انہوں نے کہا، سب مارے جا چکے ہیں، اس نے کہا پھر مجھے بھی ان کے پاس پہنچا دو، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا کہ وہ اپنی قوم سے ملنا چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا، خدا تعالیٰ کی قسم! وہ دوزخ میں اپنی قوم سے ہمیشہ ملتا رہے گا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/۲۵۳﴾ آپ نے رفاعہ بن سموال قرظی کو بنونجار کی عورت ام منذر سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا، یہ قدیم الاسلام عورت تھی، رفاعہ نے بھی اسلام قبول کر لیا اور صحابہ میں شمار ہوئے، عطیہ قرظی کے بال نہیں اگے تھے لہذا اسے چھوڑ دیا، بعد میں وہ بھی مسلمان ہو کر صحابی کہلایا، بنونضیر کا سردار حی بن اخطب ایفائے عہد کے طور پر بنوقریظہ میں موجود تھا، اسے بھی ان کے ساتھ ہی فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا، اس کے متعلق روایت ہے کہ جب اسے قتل کرنے کے لیے لایا گیا تو اس نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھتے ہی کہا، آپ کی مخالفت پر میں نے کبھی اپنے نفس کو ملامت نہیں کی مگر خدا جس کو شکست دے وہی شکست سے دوچار ہوتا ہے، پھر اس نے لوگوں سے کہا، خدا کی تقدیر اس طرح تھی، اس نے بنی اسرائیل کے مقدر میں خون ریزی لکھ دی ہے، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/۲۵۳﴾ اس کے بعد کعب بن اسد قرظی کو لایا گیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ ایمان لے آؤ، تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے کہا، میں آپ کی اطاعت اور تصدیق ضرور کرتا مگر لوگوں سے شرم آتی ہے کیونکہ وہ کہیں گے کہ یہ جان کے خوف سے ایمان لے آیا ہے، لہذا میں دین یہود پر جان دیتا ہوں، آپ نے فرمایا، اسے بھی اس کے ساتھیوں سے ملا دو، حضرت علی المرتضیٰ اور

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دن اور رات ان کے قتل میں مصروف رہے، رات کے وقت مشعل کی روشنی میں انہیں جہنم رسید کیا گیا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۳۱۲﴾ آپ نے ان کے اموال و اسباب کی تقسیم اس طرح فرمائی کہ شہسوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ عنایت فرمایا، قیدیوں میں ریحانہ بنت عمرو آپ کے حصے میں آئی اور تا زندگی آپ کی خدمت گزار رہی، آپ نے اسے پیغام نکاح دیا مگر اس نے کہا، آپ مجھے اپنی ملکیت میں رہنے دیجئے یہ میرے لیے زیادہ آسان ہے، جب آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا، یہ انکار آپ کو ناگوار گزرا، ایک دن آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے کہ کسی کے جوتوں کی آواز سنی، فرمایا، یہ ثعلبہ بن سعید ہے جو ریحانہ کے قبول اسلام کی بشارت لایا ہے، اتنے میں ثعلبہ بن سعید نے ریحانہ کے قبول اسلام کی خوشخبری سنائی تو آپ بہت زیادہ خوش ہوئے، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/۳۵۴﴾ امام کلبی کی تحقیق کے مطابق ۶ ھ میں آپ نے اس سے شادی کر لی تھی، حجۃ الوداع کی واپسی پر اس کا انتقال ہو گیا اور بقیع میں مدفون ہوئی، صحیح بخاری میں جنگ آور مردوں کے قتل کیے جانے کا ذکر ہے مگر عورتوں اور بچوں کو مملوک بنانے کا کوئی ذکر نہیں، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت سعد کا انتقال:

جب بنو قریظہ کا معاملہ اختتام کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ کے صالح بندے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوئی، چونکہ ان کے بازو کی رگ اکحل میں تیر لگا تھا اور شدید زخمی حالت میں اس خیمے میں قیام پذیر تھے جو مسجد نبوی میں نصب تھا، ان کی دعا کے مطابق زخم سے خون جاری ہو گیا، قریب ہی بنو غفار کا خیمہ تھا، انہوں نے خون دیکھا تو بولے، اے اہل خیمہ! تمہارے خیمے سے ہماری طرف کیا آ رہا ہے، پھر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون جاری ہے، جس سے ان کا انتقال ہو گیا ہے، صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سعد بن معاذ کی موت پر عرش الٰہی کو حرکت ہوئی ہے تو گویا وہ بھی ان کے غم سے لرز اٹھا ہے، ان کے وصال پر حضرت جبریل علیہ السلام استبرق کا عمامہ پہنے ہوئے حاضر بارگاہ رسالت ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! یہ کون فوت ہوا ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش

الٰہی ہل گیا ہے، آپ اسی وقت چادر گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور دیکھا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، جامع ترمذی میں روایت ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقوں نے کہا کہ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے، رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ ان کے جنازے کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے، ابن سعد اور ابونعیم کی روایت ہے کہ دفن کرتے وقت ایک آدمی نے ان کی قبر سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی، پھر اس کے بعد اس مٹی کو دیکھا تو وہ کستوری میں تبدیل ہو چکی تھی، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر تعجب کے آثار نمایاں ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا، اگر کوئی شخص قبر کے دباؤ سے نجات پا سکتا تو سعد بن معاذ ضرور نجات پاتے، ان کو بھی قبر میں دبایا گیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو کھول دیا ہے، اسی طرح ابن اسحاق نے روایت بیان کی ہے کہ جب ان کو دفن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہا، لوگوں نے بھی کہا اور اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا، اللہ کے اس بندے کو قبر نے دبایا تھا، پھر اللہ نے اسکی قبر کو کھول دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قبر ایک مرتبہ بندے کو ضرور دباتی ہے، اگر کوئی اس سے نجات پا سکتا تو حضرت سعد بن معاذ ضرور نجات پاتے، ایک انصاری صحابی نے کیا خوب کہا ہے ۔

وما اهتز عرش الله من فقد هالكٍ

سمعنا به الا الموت ابی عمرو

ہم نے کسی کی موت پر عرش کی حرکت کے متعلق نہیں سنا، ہاں ابوعمرو سعد بن معاذ کی موت پر ایسا ضرور ہوا ہے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۶۲، سیرت ابن ہشام: ۳۵۸/۲﴾

جنگ خندق اور جنگ قریظہ میں بنوعبدالاشہل کے تین آدمی شہید ہوئے، حضرت سعد بن معاذ، حضرت انس بن اوس، حضرت عبداللہ بن سہل، ان کے علاوہ حضرت طفیل بن نعمان، حضرت ثعلبہ بن غنمہ، حضرت کعب بن زید اور حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہم بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے، محاصرہ کے دوران حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اللہ تعالیٰ نے جنگ خندق اور جنگ قریظہ کا واقعہ قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب میں بیان کیا ہے، پہلے اس مصیبت کا ذکر کیا جو مسلمانوں پر نازل

ہوئی، منافقوں کی غداری اور بے وفائی کے متعلق اشارات بیان کیے اور پھر اہل اسلام پر اپنے فضل واحسان کا ذکر فرمایا:

اے ایمان والو! اپنے اوپر ہونے والی اللہ کی نعمت کا ذکر کرو جب تمہاری طرف لشکر اُمڈ آئے اور ہم نے ان پر تیز ہوا بھیجی اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، ﴿سورۃ الاحزاب: ۹﴾

اس سورت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی ختم نبوت، شان رسالت، مقام نذارت، عروج دعوت اور سراپا نورانیت کا ذکر بڑے خوبصورت انداز سے فرمایا ہے اور آپ کی ذات بابرکات پر اپنے اور اپنے فرشتگان نور کے درود پاک کے نزول کا ذکر فرمایا ہے نیز ایمان والوں کو بھی درود اور سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے، گویا یہ سورت مبارکہ ہر اعتبار سے شان رسول کی ایک لافانی داستان ہے۔

ان دونوں معرکوں کے تاریخ عرب پر بہت زیادہ اثرات ظاہر ہوئے، کفار عرب نے پورا زور لگا کر اپنے اجتماع عظیم کے ساتھ چڑھائی کی تھی، ان کی ساری امیدیں پیوند خاک بن گئیں اور اسلام کو ختم کرنے کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے، مدینہ منورہ میں یہودیوں کا مکمل طور پر صفایا ہو گیا اور اہل اسلام اندرونی طور پر ان آستینی سانپوں سے محفوظ ہو گئے، حضور اکرم ﷺ کے دست نبوت پر متعدد معجزات کا ظہور ہوا جس سے اہل ایمان کو مزید تقویت ملی اور بہت سے افراد اپنی آنکھوں سے جہالت وعناد کی پٹی اتار کر دامن کرم سے وابستہ ہو گئے، منافقوں کا ایک مرتبہ پھر منہ کالا ہوا اور ذاتی مفادات کے اتحادوں کی قلعی کھل گئی، دنیا پر آشکار ہو گیا کہ اصلی اور فطری اتحاد وہی ہے جو توحید ورسالت کے سایہ رحمت میں پروان چڑھتا ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

غزوہ بنی قریظہ کے دوران حضور پیغمبر اسلام ﷺ نے سینکڑوں یہودیوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا اور ان کی زندگی کے چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیئے، اس سے معلوم ہوا

کہ اسلام امن و آشتی کا دین نہیں، انسانوں کی جان و مال کو تباہ کرنے کا راستہ ہے، یہ وہ اعتراض اور اشکال ہے جو اسلام دشمن عناصر کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے، ہم جواباً کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہودی قبیلوں کی تاریخ کا گہری نگاہ سے مطالعہ کرنا چاہیے، جب حضور اقدس ﷺ اپنے مہاجرین کرام کے ساتھ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو آل یہود کے ساتھ بہترین معاہدے کیے جن میں ان کی جان و مال، عزت و آبرو اور تہذیب و مذہب کی مکمل آزادی فراہم کی گئی، ان سے صرف اتنا مطالبہ کیا گیا کہ تم اہل اسلام کے خلاف کوئی سازش تیار نہیں کرو گے، تم خود حملہ کرو گے اور نہ کسی دوسرے حملہ آور کی امداد کرو گے، اس پر امن معاہدے کے بعد انہیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے سے کس نے روکا تھا، افسوس انہوں نے اپنے فطری بغض و عناد کی وجہ سے اہل اسلام کو ایک لمحے کے لیے بھی قبول نہیں کیا اور حضور جان کائنات ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک سازش تیار کی جس طرح بنونضیر کی مثال ہمارے سامنے ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا محافظ نہ ہوتا تو انہیں اس خطرناک ارادے سے کون روک سکتا تھا، اس کرتوت کی وجہ سے بنونضیر کو مدینہ منورہ سے نکلنا پڑا، حضور رحمت دوعالم ﷺ نے ان کی جان بخشی فرمائی، مگر انہوں نے اس احسان کا بدلہ کیا دیا، تمام کفار عرب کو مدینہ منورہ پر چڑھا دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی مذموم کوشش کی، اس ساری شرمناک کارستانی کے پیچھے آل یہود کا ہاتھ تھا، اس خطرناک صورتحال میں بنوقریظہ کا کردار بیرونی یہودیوں سے بھی زیادہ شرمناک تھا، اول تو معاہدے کے حوالے سے انہیں اہل اسلام کا ساتھ دینا چاہیے تھا، اتنا حوصلہ نہیں تھا تو کم از کم غیر جانبداری کا مظاہرہ تو کرتے مگر انہوں نے الٹا حالات سے فائدہ اٹھا کر اہل اسلام کو برباد کرنے کی سازش تیار کی اور ان کے سامنے رسول اکرم ﷺ کے متعلق انتہائی گھٹیا انداز سے گفتگو کی، کون اللہ کا رسول، ہمارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا، یہ سارا منظر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسا عاشق صادق کیسے برداشت کر سکتا تھا، چنانچہ انہوں نے دو ٹوک انداز میں ان کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیا جس میں حضور اکرم ﷺ کا کوئی حکم یا مشورہ شامل نہیں تھا، آپ نے تو بعد میں ان کے فیصلے کی تصدیق فرمائی تھی، انہوں نے بنوقریظہ کو جلاوطنی کی سزا کی بجائے موت کی سزا اس لیے سنائی کہ ان سے پہلے بنوقینقاع اور بنونضیر کی

جلاوطنی سے اہل اسلام کو بہت بڑا سبق مل چکا تھا، یہ قبیلہ بھی جلاوطن ہو کر اہل اسلام کی تباہی و بربادی کے منصوبے تیار کرتا کیونکہ ان کی فطرت میں اسلام دشمنی کا زہر بھرا ہوا تھا، زبیر بن باطا کا واقعہ ہمارے سامنے ہے، اسے معاف کر دیا گیا مگر وہ پھر بھی بغض و عناد کی وجہ سے اپنے سرداروں کے ساتھ جہنم واصل ہونے کو ترجیح دیتا رہا، آخر اس خبث باطن کا اس کے سوا اور علاج بھی کیا ہے، گویا اہل اسلام نے ان مارہائے آستین کو مار کر ظلم نہیں کیا، عدل کیا ہے اور عدل کو ہر قوم کے قانون میں اعلیٰ مقام حاصل ہے، پھر قانونی طور پر جب کوئی حاکم مقرر کر لیا جائے تو اس کا فیصلہ تسلیم کرنا فریقین کا فرض ہے، بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی حاکمیت پر راضی تھے لہذا ان کے فیصلے پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

یہودیوں کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر برحق کے جذبات بھی حضور اکرم ﷺ اور اہل اسلام کے جذبات سے مختلف نہیں تھے، انہوں نے ان کے بارے میں سانپ اور سانپ کے بچے کے الفاظ استعمال کیے اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اس قوم سے لے جا کر ایک دوسری قوم کو دے دی جائے گی جو اس کے اچھے پھل لائے گی، ﴿انجیل متی: ۳۴﴾ حضور اکرم ﷺ ان کے متعلق بالکل خاموش رہتے تو آپ کے خلاف بھی وہی کچھ ہوتا جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو چکا تھا تو کیا اسطرح ساری دنیا میں اسلام کے اجالے پھیل سکتے، اسلام کے ان اجالوں کو پھیلانے کے لیے ان کے اندھیروں کا دامن چاک کرنا اور انسانوں کی بقا اور سلامتی کے لیے ان سانپوں کو قتل کرنا کوئی ظلم نہیں، پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہودیوں کے اپنے منتخب کردہ منصف نے تقریباً وہی سزا دی تھی جو یہودی خود اپنے دشمنوں کو دیا کرتے تھے، یہی سزا ان کی شریعت میں مذکور ہے:

> "بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا، ان کے مواشی، بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا، ان کے سارے شہروں اور قلعوں کو پھونک دیا، موسیٰ غصہ ہوا کہ تم نے سب عورتوں کو جیتا ﴿زندہ﴾ رکھا، تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں، سب کو قتل کر دو اور ہر عورت جو مرد کی صحبت سے واقف تھی، جان سے مار دو، لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لیے زندہ رکھو" ﴿تورات گنتی باب: ۳۱﴾

یہودیوں کے اپنے قانون کے مطابق انہیں سزا ملی تو اس میں ظلم نہیں عدل کیا گیا ہے، ہاں ہمارے پاس پورے قرائن اور شواہد موجود ہیں کہ اگر وہ اپنا معاملہ حضور رحمت دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے تو ان کو زیادہ سے زیادہ یہی سزا دی جاتی کہ جاؤ تم بھی اپنے سابقہ قبیلوں کی طرح خیبر یا شام میں آباد ہو جاؤ کیونکہ آپ قتل و غارت کو طبعاً پسند نہیں کرتے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے بعض افراد کو مستثنیٰ قرار دیا اور عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیا کہ انہیں جدا نہ کیا جائے، حتیٰ کہ اگر کوئی لونڈی فروخت کرنا چاہے تو بھی اسکی اولاد کو اس سے جدا نہ کرے، ﴿امتاع الاسماع:۱/۱۹۷﴾ یہ آپ کی رحم دلی کی روشن مثالیں ہیں، افسوس! یہودیوں نے قتل ہونا تو پسند کر لیا، حضور پیغمبر برحق ﷺ کو حاکم ماننا پسند نہ کیا، اس سے بڑی شقاوت قلبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

چند اور مشہور واقعات:

۵ ہجری میں اور بھی بہت سے مشہور واقعات نمودار ہوئے جن کی اپنی ایک تاریخی حیثیت اور اہمیت ہے، اس مقام پر چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

......﴿1﴾......

مدینہ منورہ میں بنو اوس اور بنو خزرج کے افراد حصول اجر کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے، بنو اوس کے چند غیور افراد نے یہودیوں کے بہت بڑے سردار کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تھا، بنو خزرج کے لوگ بھی اتنے ہی بڑے کارنامے کے خواہشمند تھے، چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہودیوں کے بہت بڑے سردار ابو رافع سلام بن ابی حقیق کے قتل کی اجازت طلب کی، کیونکہ وہ شقی القلب انسان رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں بہت پیش قدم تھا اور اس نے باقی یہودی اکابر کے ساتھ مل کر مشرکین مکہ کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے ورغلایا تھا، حضور اکرم ﷺ نے اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کی اجازت دے دی اور ساتھ تاکید فرمائی کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے، اس کے بعد پانچ افراد پر مشتمل دستہ اس مہم پر روانہ ہوا جس کے قائد عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ تھے، باقی افراد کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت عبد اللہ بن انیس، حضرت ابو قتادہ، حضرت اسود بن خزاعی، حضرت مسعود بن سنان رضی اللہ عنہم، ان سب کا

تعلق بنوخزرج کی شاخ بنوسلمہ کے ساتھ تھا، یہ جماعت صحابہ خیبر میں ابورافع کے قلعے کے قریب پہنچی تو سورج غروب ہو چکا تھا، لوگ اپنے جانوروں کو واپس لا چکے تھے، حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے جانبازوں سے فرمایا: تم رکو، میں دروازے کے محافظ سے کوئی لطیف سا حیلہ اختیار کر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ میں دروازے کے قریب پہنچا اور اپنے سر پر کپڑا ڈال کر بیٹھ گیا جیسے کوئی قضائے حاجت کے لیے بیٹھا ہے، محافظ نے کہا، اللہ کے بندے! اگر قلعے کے اندر آنا ہے تو آ جاؤ، ورنہ میں دروازہ بند کر کے جا رہا ہوں، میں جلدی سے اندر جا کر ایک کونے میں چھپ گیا، جب ان کے باقی لوگ بھی اندر داخل ہو گئے تو محافظ نے دروازے کو تالا لگایا اور چابیاں کھونٹی پر لٹکا دیں، پھر کچھ دیر گزری تو ہر طرف سناٹا چھا گیا، میں نے چابیاں لے کر دروازہ کھول دیا، ابو رافع اپنے بالا خانے پر رہتا تھا، وہاں مجلس منعقد ہوا کرتی تھی، جب مجلس برخاست ہوئی اور سارے لوگ چلے گئے تو میں آہستگی سے بالا خانے کی طرف چڑھنے لگا، جو دروازہ بھی کھولتا اسے اندر سے بند کر دیتا، گویا میرا خیال تھا کہ اگر لوگوں کو پتا چل بھی گیا تو میں ان کے آنے سے پہلے پہلے اس کو قتل کر لوں گا، وہ ایک کمرے میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ موجود تھا، کمرے میں تاریکی تھی، مجھے معلوم نہیں تھا کہ ابو رافع کدھر ہے، لہذا میں نے آواز دی، ابورافع، اس نے جواب دیا، یہ کون ہے، میں نے آواز سے اندازہ لگایا اور لپک کر تلوار سے حملہ کر دیا مگر تیزی کے عالم میں کیا گیا وار خطا ہو گیا، ادھر اس نے زوردار چیخ ماری لہذا میں جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا اور آواز بدل کر پوچھا، ابورافع! یہ کیسی آواز تھی، اس نے کہا تیری ماں برباد ہو، ایک آدمی نے مجھ پر حملہ کیا ہے، میں نے پھر مڑ کر اس پر ایک زوردار حملہ کیا اور اسے خون میں نہلا دیا، بعدازاں تلوار اس کے پیٹ میں اتار دی جو کمر تک جا رہی اور تیزی سے ایک ایک دروازے کو کھولتے ہوئے واپس آ گیا، واپسی پر میرا پاؤں پھسل گیا جس سے پنڈلی اپنی جگہ سے ٹوٹ گئی، میں نے اپنی پگڑی کے ساتھ اسے اچھی طرح باندھ لیا اور بیرونی دروازے پر آ کر بیٹھ گیا کہ جب تک اس کی موت کا یقین نہیں ہو جاتا، وہاں سے نہیں جاؤں گا، صبح کے وقت جب مرغ نے اذان دی تو ایک موت کی خبر دینے والا قلعے کی فصیل پر چڑھا اور اعلان کرنے لگا، حجاز کا تاجر ابورافع مر چکا ہے، میں

اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا کہ جلدی سے نکل چلو، اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو واصل جہنم کر دیا ہے، پھر ہم سب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری روئداد بیان کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا پاؤں پھیلاؤ، میں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا جس کی برکت سے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی تکلیف ہی نہیں تھی، ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۷۷﴾ ابن اسحاق کی روایت میں مرقوم ہے کہ پانچوں جانباز ابورافع کے گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے مل کر اس پر حملہ کیا، اس کے پیٹ میں تلوار اتارنے والے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ تھے، واپسی پر حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو وہ انہیں اٹھا لائے اور قلعے کی دیوار عبور کر کے ایک چشمے کی نہر میں اتر گئے، یہودیوں نے آگ جلا کر ادھر ادھر دیکھا مگر وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیئے، جب وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے تو انہوں نے بھی مدینہ منورہ کی راہ لی اور اپنے قائد کو لاد کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گئے، یہ سریہ ذی قعدہ یا ذوالحجہ ۵ ہجری کو وقوع پذیر ہوا، ایک روایت میں ہے کہ جمادی الآخر ۳ ہجری میں یا رمضان المبارک ۶ ہجری میں رونما ہوا، بہر حال جمہور کے نزدیک پہلی تحقیق زیادہ قابل اعتبار ہے، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

......﴿2﴾......

۵ ہجری کو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ مزینہ کے چار سو افراد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور دولت اسلام سے مشرف ہوئے، اس کے بعد حضور سراپا نور ﷺ نے ان کو ان کی بستی کی طرف لوٹا دیا اور فرمایا: تم جہاں بھی رہو گے مہاجرین میں داخل رہو گے، وہ آپ کے فرمان کے بموجب اپنے شہروں کو لوٹ گئے، یہ بلال بن حارث رضی اللہ عنہ فرع کے نواح میں عامل تھے جو کہ مدینہ منورہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے، یہ فتح مکہ کے دن قبیلہ مزینہ کی طرف سے علمبردار تھے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۳۱۸﴾

......﴿3﴾......

ذوالحجہ ۵ ہجری میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا سریہ سیف البحر کی طرف روانہ کیا گیا، اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اس کا مقصد قریش کے قافلے کا انتظار کرنا اور قبیلہ جہینہ کے خلاف جنگ لڑنا تھا لیکن قتال کی نوبت نہ آئی، منقول

ہے کہ اس سفر میں زادراہ کھجوریں تھیں، ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی روزانہ ایک کھجور پر گزارا کرتا تھا اور آخر میں صرف آدھی کھجور پر قناعت کرنی پڑی، جب انھیں بہت زیادہ دشواری لاحق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی ﴿عنبر﴾ ساحل سمندر پر پھینک دی، تین سو آدمیوں نے ایک ماہ تک اس کا گوشت تناول کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے اونٹ کے ساتھ اس مچھلی کی پسلی کے نیچے سے گزر جاتا تھا، جب یہ مسافران راہ وفا واپس آئے تو حضور اکرم ﷺ سے اپنی ساری داستان بیان کی، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں عطا فرمایا ہے اسے کھاؤ اور اس میں سے ہمیں بھی کھلاؤ، گویا یہ کلمات ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے ارشاد فرمائے تھے اور اس کے حلال ہونے کی تاکید فرمائی تھی یا اس بنا پر فرمایا کہ یہ رزق بطریق خرق عادت یعنی بطور کرامت حاصل ہوا تھا، صحابہ کرام کے جسم گوشت کی وجہ سے فربہ ہو گئے، وہ اس مچھلی کے تیل سے مالش کرتے اور سروں کو لگاتے اور کچھ گوشت کے ٹکڑے واپسی پر مدینہ منورہ بھی لے آئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کچھ گوشت آپ ﷺ کی بارگاہ میں بھی پیش کیا اور آپ نے اسے تناول فرمایا، ﴿متفق علیہ، مدارج النبوۃ: ۳۲۱/۲﴾ اس سریہ کو جیش الخبط بھی کہا جاتا ہے، خبط درخت کے پتوں کو لکڑی سے جھاڑنے کو کہتے ہیں کیونکہ اس سفر میں ان کو درخت سلم کے پتے جھاڑ کر اور ابال کر کھانے پڑے تھے اور پتوں کی گرمی کی وجہ سے ان کے منہوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بعض اقوال میں اس سریہ کا سال ۶ ہجری منقول ہے، ابن سعد نے ماہ رجب ۸ ہجری لکھا ہے جو کسی صورت بھی درست نہیں کیونکہ رجب میں لڑائی کی ممانعت تھی، ابن قیم اور ابن حجر نے ۶ ہجری کو ترجیح دی ہے، جبکہ ہم نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر اعتماد کر کے ۵ ہجری میں اسکا ذکر کیا ہے۔ ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

......﴿4﴾......

۵ ہجری میں ایک زلزلے نے مدینہ منورہ کی سرزمین کو ہلا کر رکھ دیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تم لوگ توبہ اور رجوع الی اللہ کے راستے پر چلو، لہذا توبہ کرو، ﴿تاریخ الخمیس: ۴۷۰/۱﴾ اس سال میں گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ کا بھی

اہتمام کیا گیا، ﴿ایضاً﴾ اس قسم کے مشاغل سے صحابہ کرام میں جنگی صلاحیتیں بیدار ہوتی تھیں اور دشمنان اسلام کے خلاف برسر پیکار ہونے کی تربیت فراہم کی جاتی تھی، آپ بذات خود اس قسم کے مشاغل میں بھرپور دلچسپی کا مظاہرہ فرماتے تھے، ۵ ہجری میں فرضیت حج کا قول بھی منقول ہے، بعض حضرات کے مطابق حج ۶ ہجری کو فرض ہوا، حضرت امام رافعی اور حضرت امام نووی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، جمہور علمائے کرام بھی اسی قول کو درست قرار دیتے ہیں، بعض نے ۷ ہجری، بعض نے ۸ ہجری اور بعض نے ۹ ہجری کے متعلق فرمایا ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر الحج مقرر کیے گئے تھے، جمادی الثانی ۵ ہجری میں چاند کو گرہن لگا تو یہودیوں نے تانبے کے برتنوں کو کاٹنا شروع کر دیا کہ چاند کو جادو کر دیا گیا ہے اس لیے اس کی چاندنی ختم ہو گئی ہے، حضور اکرم ﷺ نے اپنے غلامان بارگاہ کو صلوٰۃ الخسوف پڑھنے کا حکم صادر فرمایا اور خود امامت فرمائی، بعد ازاں اہل اسلام کا معمول بن گیا کہ جب بھی چاند گرہن ہوتا وہ صلوٰۃ الخسوف ادا فرماتے، آج بھی ہمیں اپنے آباواجداد کے اس طریقے کو اجاگر کرنا چاہیے کیونکہ انہی کی اتباع میں ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے۔

......﴿5﴾......

۵ ہجری کا مشہور و معروف واقعہ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے ساتھ حضور سراپا نور ﷺ کا عقد نکاح فرمانا ہے، حضرت ام حبیبہ سابق اسلام تھیں، وہ اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ ہجرت حبشہ پر گئیں تو وہاں ان کا شوہر عیسائی ہو گیا، وہ اپنے حسن اعتقاد پر قائم رہیں، حضور اکرم ﷺ نے ان کی اس عظیم قربانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے حرم محترم میں داخل کرنے کا فیصلہ فرمایا اور یہ بھی پرواہ نہ کی کہ وہ اسلام کے بہت بڑے دشمن ابوسفیان کی بیٹی ہیں، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک دن اپنے مکان میں موجود تھی کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کی کنیز ابرہہ اجازت لے کر اندر آئی اور اس کا پیغام پہنچایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تاکید فرمائی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپکا نکاح کر دوں، لہٰذا آپ اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرلیں، جو اس نکاح کو قبول کرے، یہ پیغام فرحت سن کر میں بہت خوش ہوئی اور اس خوشی میں اسکو اپنے دو بازو بند، پازیبیں اور

انگوٹھیاں اتار کر عنایت کر دیں، پھر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر کیا، نماز عشاء کے وقت نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل اسلام کے سامنے خطبہ نکاح پڑھا چار سو دینار مہر مقرر کیا اور بہت سے دینار حاضرین محفل پر نچھاور کیے، رقم مہر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی گئی، پھر تمام حضرات اٹھ کر جانے لگے تو بادشاہ نے کہا کہ انبیا کرام کی سنت کے مطابق نکاح کا کھانا بھی تناول کیا جانا چاہیے، پھر سب دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا تناول کرنے لگے، بعد ازاں رخصت ہو گئے، روایت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھے یا ام المومنین کہہ کر مخاطب کر رہا ہے، میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے حبالہ عقد میں لیں گے، ﴿مدارج النبوۃ: ۸۲۶/۲﴾ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام لانے والے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے، ﴿ایضاً﴾ پھر نجاشی بادشاہ نے ان کو حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا اور وہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ غیرت مند خاتون تھیں، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے باپ ابو سفیان کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر نہیں بیٹھنے دیا کیونکہ اس وقت وہ مشرک تھا اور مشرک پلید ہوتا ہے بعض علماء نے اس عقد نکاح کا ذکر ۶ ہجری یا ۷ ہجری کے ضمن میں کیا ہے، بقول امام بیہقی یہ عقد نکاح ایک طرح سے حضور اکرم ﷺ اور ابو سفیان کے خاندان کے درمیان محبت و اخوت کے رشتے کا نقش اول ہے جس کی طرف قرآن مجید میں بھی واضح اشارہ موجود ہے:

"عسی اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادیتم منھم مودۃ واللہ قدیر واللہ غفور رحیم ○ عنقریب اللہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان مودت پیدا فرمادے گا اور اللہ بڑی قدرت والا اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے، ﴿سورۃ الممتحنۃ: ۷﴾

﴿6﴾

۵ ہجری کو حضور اکرم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، بہت سے علماء کے نزدیک یہ نکاح ذیقعد یا ذوالحجہ ۵ ہجری میں ہوا جو کہ بہت سے شواہد کی بنا پر درست معلوم نہیں ہوتا، اس کی تحقیق ہم نے غزوہ بنو مصطلق اور واقعہ افک

کے ضمن میں بیان کردی ہے، یہ نکاح ۵ ہجری کے ابتدائی مہینوں میں ہوا، اس کا بیان سورۃ الاحزاب میں نازل فرمایا گیا تا کہ ایک بڑے معاشرتی مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کر دیا جائے، ایک قول کے مطابق یہ نکاح ۳ ہجری میں ہوا جیسا کہ امام یافعی نے فرمایا ہے، عرب میں ایک بدترین رسم یہ تھی کہ جب کوئی آدمی کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیتا تو اس کے لیے حقیقی بیٹے کے احکام نافذ ہو جاتے، یہاں تک کہ اس کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے اس آدمی کی شادی حرام ہو جاتی، اس طرح حرمت مصاہرت بہت زیادہ وسیع ہو جاتی، وراثت کے قوانین میں بھی وہ باقی قرابت داروں کی نسبت سب سے مقدم سمجھا جاتا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا ﴿متبنیٰ﴾ قرار دیا تھا اور ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی، بعض وجوہ کی بنا پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کے ساتھ نکاح فرمالیں، اس طرح اسلام نے صدیوں پرانی رسم جہالت کو یکسر ختم کر دیا، ارشاد خداوندی ہے:

"وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل ○ ادعوھم لا باءِ ھم ھو اقسط عند اللہ" اور نہ تمہارے لے پالکوں ﴿منہ بولے بیٹوں﴾ کو تمہارا ﴿حقیقی﴾ بیٹا بنایا، یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے، تم اپنے منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی باپوں کے نام سے منسوب کیا کرو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے، ﴿سورۃ الاحزاب: ۴، ۵﴾

مزید آگے فرمایا کہ اے محبوب یاد کرو جب تم اس شخص سے فرماتے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم نے بھی انعام کیا کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں وہ ﴿بات﴾ پوشیدہ رکھتے تھے جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں ﴿کے طعنوں کا﴾ ڈر تھا اور اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا خوف رکھو، پس جب زید نے اپنی حاجت انجام کو پہنچائی ﴿اور طلاق دے دی اور عدت گزر چکی﴾ تو ہم نے تمہارے نکاح میں دے دی تا کہ مسلمانوں پر ان کے لے پالکوں کی بیبیوں سے نکاح کرنے میں کچھ حرج

نہ رہے جب کہ ان سے انکا کام ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا تھا، نبی پر اس بات میں کچھ حرج نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی، اللہ کا دستور چلا آ رہا ہے ان ﴿پیغمبروں﴾ کے حق میں جو پہلے گزر چکے اور اللہ کا کام مقرر تقدیر ہے،﴿سورۃ الاحزاب: ۳۸﴾ان تمام آیات کی تفسیر میں حضرت مفتی اعظم ہند شیخ مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہو چکا تو آنحضرت ﷺ کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی، ﴿جیسا کہ امام قرطبی اور امام آلوسی نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے﴾ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے، آخر کار وہ ایک مدت تک حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں، ان کی تقدیر میں پیغمبر ﷺ کی بیوی بننا لکھا تھا اور آنحضرت ﷺ کو بھی خدا کی طرف سے اسکا علم ہو گیا تھا کہ کسی روز وہ میرے نکاح میں آئیں گی لیکن آپ کسی سے ظاہر نہیں کرتے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدم اطاعت اور اپنے آپ کو بڑا ﴿اعلیٰ نسب﴾ سمجھنے کی شکایت کی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تنگ آ کر ان کو الگ کرنا چاہا، رسول کریم ﷺ اگر چہ جانتے تھے کہ یہ امر ہونے والا ہے مگر آپ نے بطور مشورہ کے منع کیا کہ تم ان کو طلاق نہ دو اور خدا کا خوف کرو، بشریت سب کے ساتھ لگی ہے، خاوند بیوی میں ایسا ہی ہوتا ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی، پھر آپ کو لوگوں کے طعن کا اندیشہ ہوا ﴿کیونکہ مدینہ منورہ کے ماحول کو منافقوں اور یہودیوں نے بہت زیادہ مکدر کر رکھا تھا اور وہ ہر ایسی بات تلاس کرتے تھے جس سے اہل اسلام کو پریشان کیا جائے﴾ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا، اور ایسا کرنے سے لوگ طعنہ دیں گے کہ آپ نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو آپ کے منہ بولے بیٹے کے نکاح میں رہی تھی ﴿اللہ تعالیٰ نے اس اندیشے کو دور کرتے ہوئے فرمایا﴾ کہ امر مباح میں بے جا طعن کرنے والوں کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہیے، جب عدت گزر گئی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کا پیام لے کر گئے اور انہوں نے سر جھکا کر کمال شرم و ادب سے یہ پیام ﴿نکاح﴾ پہنچایا، انہوں نے کہا، جو میرے رب کو منظور ہے میں اسی پر راضی ہوں، پھر نماز شروع کر دی، ان کو اس پیام سے بہت خوشی ہوئی، پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ جس

بات کو ظاہر کرنے والا تھا تم اس کو ظاہر نہیں کرتے تھے ﴿یعنی﴾ کہ زینب رضی اللہ عنہا سے تمہارا نباہ نہیں ہو سکے گا اور طلاق ضرور واقع ہوگی، ﴿ملخصا مظہر القرآن: ۱۲۶۶/۲﴾ اس طرح اس نکاح مبارک کے وسیلے سے عرب کی ایک بڑی رسم جہالت بالکل ختم ہوگئی اور مسلمانوں کے لیے آسانی کے راستے پیدا ہو گئے، دوسری طرف یہودیوں اور منافقوں نے طرح طرح کے افسانے تراش لیے اور کہنے لگے ایک تو قرآن نے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی اور دوسرا انہوں نے اپنے منہ بولے بیٹے کی عورت سے شادی کر لی ہے، یہاں تک بھی الزام لگا دیا کہ رسول اکرم ﷺ نے اچانک حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ان کے حسن و جمال سے متاثر ہو گئے، جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اسکا علم ہوا تو انہوں نے آپ کے لیے انہیں طلاق دے دی، ﴿معاذ اللہ﴾ مغربی مورخوں نے بھی اس واقعے کو خوب اچھالا ہے حالانکہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کوئی اجنبی عورت نہیں تھیں، آپ کی سگی پھوپھی زاد تھیں، حضرت عبد المطلب کی نواسی تھیں، آپ کے گھر میں پل کر جوان ہوئی تھیں، آپ نے خود انکا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پڑھایا تھا پھر متاثر ہونے کی کیا وجہ تھی، پھر ایک پیغمبر برحق ﷺ کے متعلق ایسی کمزور بات کا گمان کرنا کس طرح جائز ہے، آپ جو بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے جس کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے، وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا خیال حسن نہیں بلکہ وہ تقدیری فیصلہ تھا جس کا آپ کو بذریعہ وحی خفی علم ہو چکا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ محبوب تمہیں میری عصمت و حفاظت کا حصار نصیب ہے، تمہیں دنیا کے ان بدقماشوں کے پروپگنڈے کا خیال تک نہیں آنا چاہیے، چنانچہ سورۃ الاحزاب کا آغاز ہی اس آیت سے ہوا:

یاایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین ان اللہ کان علیما حکیما ○ اے غیب کی خبریں دینے والے! اللہ کی خشیت رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی بالکل نہ سننا، بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے، ﴿سورۃ الاحزاب: ۱﴾

پھر دوسرا اعتراض کہ آپ نے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا شروع کر دیئے تو اسکا جواب یہ ہے کہ پیغمبران برحق اس قانون سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ قرآن نے

فرمایا: اللہ کا دستور چلا آ رہا ہے ان ﴿پیغمبروں﴾ کے حق میں جو پہلے گزر چکے، گویا آپ سے پہلے انبیا کرام بھی بہت زیادہ عورتوں سے نکاح فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں تھیں، اگر نبی آخر الزمان ﷺ اس پر عمل کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور ان یہودیوں کو بالخصوص اور منافقوں کو بالعموم کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے، ہمارے اپنے مفسرین نے بھی اس نکاح کے حوالے سے کچھ بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا ہے جس سے مغربی مورخوں کو پروپگنڈے کا موقع مل گیا، اس مقام پر یہی گزارش ہے کہ ہر وہ روایت قابل قبول نہیں جو عصمت نبوت میں ذرہ برابر بھی رخنے کا باعث ہو، حضور اکرم ﷺ کی عزت و آبرو ہر روایت اور درایت پر اربوں گنا زیادہ مقدم اور محترم ہے، ان فکری مباحث کے بعد اس نکاح مبارک کا تھوڑا سا حال بھی ملاحظہ کیجیے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد تمام احباب باصفا کو ولیمے کی دعوت دی، گوشت اور روٹی کا بندوبست کیا گیا، مجھے دعوت پہنچانے کا فریضہ سونپا گیا، چنانچہ ایک گروہ آتا اور کھا کر چلا جاتا اور پھر دوسرا گروہ آ جاتا، دعوت طعام سارا دن چلتی رہی، میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے سب کو دعوت دی ہے، کوئی آدمی کھانے کے بغیر نہیں رہا، آپ نے فرمایا: برتن اور دستر خوان اٹھا لو، میں نے حکم کی تعمیل کی، پھر تمام لوگ چلے گئے مگر تین افراد بیٹھے رہے، آپ بہت زیادہ حیا والے تھے، آپ نے ان کو جانے کا حکم نہ دیا بلکہ دیگر ازواج کی خیریت دریافت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا تو انہوں نے عرض کیا، آپ نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا، اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے، اس طرح تمام ازواج مطہرات کو زیارت کروائی، جب واپس تشریف لائے تو وہ افراد اب بھی بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے پھر بھی اٹھنے کا حکم نہ دیا اور خود باہر چلے گئے، اس دوران وہ افراد خود ہی یا کسی کے کہنے پر چلے گئے تو آپ میری عرض پر یا کسی اور کی عرض پر اندر تشریف لائے، پھر پردہ لٹکا دیا گیا تو اس روز آیت حجاب نازل ہوئی:

> اے ایمان والو! تم نبی محترم کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو بجز اس حال میں کہ تمہیں کھانے پر بلایا جائے، نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو، جب تمہیں دعوت دی

جائے تو اندر چلے آؤ اور پھر کھانا تناول کرلو تو منتشر ہو جایا کرو اور وہاں اِدھر اُدھر کی باتیں نہ شروع کر دیا کرو، تمہاری یہ باتیں نبی محترم کو ایذا دیتی ہیں، وہ تو تم سے حیا کرتے ہیں اور چپ رہتے ہیں اور اللہ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو، یہ بات تمہارے دلوں اور ان ﴿پاک بیبیوں﴾ کے حق میں زیادہ پاکیزہ ہے، تمہیں ہرگز مناسب نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو اور تمہیں ان کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کی بھی ہرگز اجازت نہیں، بے شک تمہارا ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ ﴿سورۃ الاحزاب: ۵۳﴾

اس آیت حجاب کا نزول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح مبارک کا بہت بڑا اعزاز ہے، ان کے دیگر بہت سے فضائل ومناقب حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں جو ان کے باقی حالات کے ضمن میں درج کیے جائیں گے۔

﴿7﴾

سورۃ الاحزاب میں ظہار کا مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے، جو آدمی اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے، زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق تصور کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو، تمہاری ماں نہیں بنایا“ ﴿سورۃ الاحزاب: ۴﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہاری ماں نہیں بنایا، غصے میں ماں کہہ دینے سے وہ ماں کی مثل حرام نہیں ہو جاتیں، ان سے تمہارا نکاح باطل نہیں ہوتا، ہاں کفارہ ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے عورت سے الگ رہنا اور اس سے تمتع نہ کرنا لازم ہے، ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے اور یہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، کفارہ ادا کرنے کے بعد عورت سے قربت اور تمتع حلال ہو جاتا ہے۔ ﴿ہدایہ، مظہر القرآن: ۲/۱۲۵۰﴾ اس مسئلے کے ضروری مباحث کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

باب ہفتم

سالِ ششم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور سراپا نور ﷺ غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کی قہر سامانیوں سے فارغ ہوئے تو ان قبائل عرب کی طرف توجہ فرمائی جنہوں نے جزیرہ نمائے عرب کا امن وامان تباہ کر رکھا تھا، وہ آئے دن اہل اسلام کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش تیار کرتے رہتے تھے، اس لیے ان کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نپٹنا ناگزیر ہو چکا تھا، اس سلسلے میں آپ نے مندرجہ ذیل سریات وغزوات کا اہتمام فرمایا:

سریّہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ:

۱۰ محرم الحرام کا روز تھا، آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیس آدمیوں پر مشتمل مختصر سا لشکر نجد کے علاقہ بکرات میں قرطا نامی مقام کی طرف روانہ کیا، یہ مقام ضریہ کے قریب تھا جو مدینہ منورہ سے سات راتوں کے فاصلے پر تھا، اس لشکر کا ہدف بنو بکر بن کلاب کی ایک سرکش شاخ تھی، جب اہل اسلام نے ان پر حملہ کیا تو وہ سب راہ فرار اختیار کر گئے، انہوں نے مویشیوں اور بکریوں کے ریوڑ ہانکے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے، ابھی محرم الحرام میں ایک دن باقی تھا، راستے میں ان آدمیوں نے قبیلہ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو بھی گرفتار کر لیا جو مسیلمہ کذاب کی ایما پر حضور سراپا نور ﷺ کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلا تھا، ﴿سیرت حلبیہ: ۲/۲۹۷﴾ ثمامہ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا، آپ تشریف لائے تو پوچھا، تمہارا کیا ارادہ ہے، اس نے کہا میرا ارادہ خیر ہے، اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو ایک خون والے کو قتل کریں گے، اگر احسان کرو گے تو ایک قدردان پر احسان کرو گے اور اگر مال چاہیے تو مانگ لیجیے، آپ اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی یہی سوال جواب ہوئے تو آپ نے الطاف کریمی سے کام لے کر اسے معاف کر دیا، وہ آزاد ہو کر کھجوروں کے ایک باغ میں گیا اور وضو کر کے دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا، مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! خدا کی قسم پہلے ساری زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ میرے۔ لیے مبغوض نہیں تھا اور اب آپ کا چہرہ تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا

ہے، آپ کے سواروں نے مجھے جس حالت میں گرفتار کیا میں عمرہ کی نیت کر رہا تھا، آپ نے فرمایا، خوش رہو اور جاؤ عمرہ کرو، جب حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے تو قریش مکہ نے کہا، ثمامہ: لگتا ہے تم بھی بد دین ہو گئے ہو، انہوں نے فرمایا، بد دین تو نہیں ہوا، البتہ حضرت محمد ﷺ کے دست رحمت پر مسلمان ہو گیا ہوں اور سنو، خدا تعالیٰ کی قسم! جب تک رسول اللہ اجازت نہ دیں گے تمہارے لیے علاقہ یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا، انہوں نے اس علاقہ میں جا کر مکہ مکرمہ کو گندم کی ترسیل مکمل طور پر بند کر دی، اہل مکہ یمامہ کو گندم کا کھیت تصور کرتے تھے، اب شدید مشکلات کا شکار ہو گئے اور ناچار حضور رحمت دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں قرابت داری کا واسطہ دے کر عرض کرنے لگے، خدارا ثمامہ کو گندم کی ترسیل کا حکم جاری فرمائیں ﴿ورنہ آپ کی قوم ہلاک ہو جائے گی﴾ آپ نے کمال مہربانی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ترسیل بحال کروادی، ﴿زاد المعاد: ۱۱۹/۲﴾ یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی مختلف الفاظ میں موجود ہے۔

غزوہ بنی لحیان:

یہ غزوہ ماہ ربیع الاول ۶ ہجری میں واقع ہوا، ابن اسحاق کے نزدیک غزوہ بنی قریظہ سے چھ ماہ بعد جمادی الاولیٰ میں اور ابن حزم کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ۵ ہجری میں واقع ہوا، اس کا سبب مقام رجیع میں صحابہ کرام کی دردناک شہادت تھی، قبیلہ بنو لحیان کے سفاک قاتلوں نے آٹھ صحابہ کرام کو شہید کر دیا اور دو کو قریش مکہ کے سامنے فروخت کر دیا، حضور اکرم ﷺ برابر ان کے رنج و غم کا اظہار فرماتے رہے مگر مسلسل مصروفیات کی وجہ سے بنو لحیان کی سرکوبی نہ فرما سکے، اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ بنو لحیان کا علاقہ حدود مکہ سے قریب تھا، قریش مکہ کے ساتھ شدید کشمکش جاری تھی، اس لیے ان کے اس قدر قریب جا کر حملہ آور ہونا عسکری خطرات کے پیش نظر فی الحال مناسب نہیں تھا، جب دشمن کے گروہوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کے عزائم کمزور ہو گئے تو آپ نے محسوس کیا کہ اب بنو لحیان کے ان سفاک قاتلوں سے انتقام کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر شام کا ارادہ ظاہر کر کے نکلے تا کہ دشمن کو خبر نہ ہو جائے اور پھر یلغار کرتے ہوئے وادی غران میں پہنچ گئے، وہاں آپ کے

مبلغین کو شہید کیا گیا تھا، آپ نے ان جان نثاروں کے لیے دعائے رحمت فرمائی، ادھر بنو لحیان کو علم ہو گیا کہ آپ ان کے قریب پہنچ چکے ہیں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے، ان کا کوئی آدمی بھی گرفتار نہ ہو سکا، آپ نے اس وادی خونین میں دو دن قیام فرمایا اور صحابہ کرام کے دستے بھی روانہ کیے، ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دس شہسواروں کے ساتھ بھیجا، مگر وہ نہ مل سکے، آپ کے رفقائے سفر نے عرض کیا کہ اگر ہم عسفان تک چلیں تو اہل مکہ پر خوف اور رعب طاری ہو گا اور وہ سمجھیں گے کہ ہم ان پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں، آپ نے ان کی رائے پر اتفاق کیا اور عسفان میں جا کر فروکش ہو گئے، وہاں سے آپ نے دو آدمی پیدل اور دو آدمی شہسوار دشمن کی اطلاع کے لیے روانہ فرمائے جو کراع غمیم تک پہنچ کر واپس آ گئے، بعد ازاں آپ نے مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی، اس سفر میں کسی قسم کی جنگ کی نوبت پیدا نہ ہوئی، البتہ مختلف قبائل تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقع ضرور میسر آیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ واپس چلے تو فرمایا:

آئبون تائبون ان شاء الله لربنا حامدون، ہم لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے اور ان شاء اللہ اپنے پروردگار کی مدحت کرتے ہوئے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۶۵﴾

روایت میں یہ بھی الفاظ ملتے ہیں، اے اللہ! تو ہمارے سفر کا ساتھی ہے اور ہماری عدم موجودگی میں ہمارے گھر میں ہمارا خلیفہ ﴿محافظ﴾ ہے، اے اللہ! میں سفر کی سختی اور تکلیف دہ واپسی سے اور اپنے اہل و مال کے برے حال سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! تو ہمیں اچھے مقصد تک پہنچا جو ہمیں بہتری تک پہنچائے، میں تجھ سے تیری مغفرت اور رضا کا طلبگار ہوں، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲۸۵/۳﴾

مختلف سریات صحابہ:

غزوہ بنولحیان کے بعد حضور اکرم ﷺ نے پے در پے فوجی مہمات اور سریات روانہ فرمائے جنہوں نے قبائل عرب پر اہل اسلام کی دھاک بٹھا دی اور وہ انہیں ایک مضبوط قوت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

﴿1﴾

آپ نے ربیع الاول یا ربیع الآخر ۶ ہجری میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو چالیس افراد کا لشکر دے کر مقام غمر کی طرف روانہ کیا، یہ بنو اسد کے ایک چشمے کا نام ہے، اہل اسلام کی خبر سن کر اہل کفر بھاگ گئے، اس مہم میں دوسو اونٹ مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے۔

﴿2﴾

آپ نے اسی دوران حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دس افراد کے ایک مختصر دستے کے ساتھ ذوالقصہ کی جانب روانہ کیا، یہ مقام بنو ثعلبہ کے جوار میں موجود تھا، اہل کفر ایک کمین گاہ میں چھپے ہوئے تھے، جب صحابہ کرام آرام کرنے لگے تو انہوں نے اچانک حملے سے سب کو شہید کر دیا، صرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، ایک روایت میں ہے کہ انہیں ایک مسلمان اپنے کندھوں پر اٹھا کر یا اپنے اونٹ پر بٹھا کر لایا جو وہاں سے اتفاقاً گزر رہا تھا، ﴿امتاع الاسماع: ۲۰۶/۱﴾ ان صحابہ کرام کی شہادت پر حضور سراپا نور ﷺ نے ربیع الآخر ۶ ہجری میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چالیس جانبازوں کے ساتھ روانہ فرمایا، یہ رات کو پیدل سفر کر کے علی الصباح بنو ثعلبہ کے علاقے میں پہنچے اور فوراً حملہ کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ بنو ثعلبہ، بنو محارب اور بنو انمار مدینہ منورہ کی چراگاہ پر حملے کے لیے پر تول رہے تھے اس لیے ان کی سرکوبی ضروری تھی، بنو ثعلبہ تیزی کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھ گئے، صرف ایک آدمی گرفتار ہوا جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گیا، کافی جانور ہاتھ لگے جنھیں ہانک کر صحابہ کرام مدینہ منورہ پہنچ گئے، مال غنیمت دستور کے مطابق تقسیم کر دیا گیا۔

﴿3﴾

ربیع الآخر ۶ ہجری میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ جموم کی طرف روانہ کیا جو وادی مرالظہر ان میں بنو سلیم کے ایک چشمے کا نام ہے، وہاں ایک مزنی عورت گرفتار ہوئی جس نے بنو سلیم کے آدمیوں، مویشیوں اور بکریوں کے متعلق خبر دی، انہوں نے چھاپہ مار کر آدمیوں اور جانوروں کو قبضے میں لے لیا اور مدینہ منورہ پہنچ گئے، حضور اکرم ﷺ نے اس مزنی عورت کو آزاد کر کے اس کی شادی کر دی، ایک روایت

ہے کہ وہ مزنی عورت پہلے شادی شدہ تھی، اسکا نام حلیمہ تھا، وہ اپنے خاوند سمیت گرفتار ہوئی بعدازاں ان دونوں کو آزاد کر دیا گیا، واللہ اعلم بالصواب۔

......﴿4﴾......

آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ میں ایک سو ستر افراد پر مشتمل دستہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں علاقہ عیص کی جانب روانہ کیا، یہ مہم قریش مکہ کے قافلہ تجارت کی طرف تھی جس کی قیادت حضور سراپا نور ﷺ کے داماد ابوالعاص کر رہے تھے، وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اہل اسلام نے تمام سامان تجارت پر قبضہ کرلیا، مگر وہ بھاگ کر مدینہ منورہ آگئے اور اپنی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ لے لی، حضور اکرم ﷺ نے ان کا مال واپس کروادیا، وہ سامان تجارت لے کر مکہ مکرمہ پہنچے اور لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کیں، پھر مدینہ منورہ پہنچ کر دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے، آپ نے پہلے نکاح کی بنیاد پر ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے سپرد کر دیا جیسا کہ سنن ابو داود شریف میں بھی وارد ہے، اس واقعہ کی تفصیل بدر کے بعد کے واقعات میں گزر چکی ہے، امام موسیٰ بن عقبہ کے مطابق یہ واقعہ ۷ ہجری میں حضرت ابو بصیر اور ان کے رفقائے سفر کے ہاتھوں پیش آیا، واللہ اعلم بالصواب۔

......﴿5﴾......

یہ مہم بھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جمادی الآخر ۶ ہجری کو طرف یا طرق نامی چشمے کی طرف روانہ کی گئی، یہ مقام مدینہ منورہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر واقع تھا، اس میں پندرہ صحابہ کرام نے حصہ لیا، اعراب نے انکی آمد کی خبر ملتے ہی دوڑ لگا دی کیونکہ انہوں نے یہ تصور کیا تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں، اس مہم میں چار اونٹ یا بیس اونٹ ہاتھ لگے اور چار روز صرف ہوئے، اسی ماہ جمادی الآخر میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایک اور سریہ منقول ہے، جو وادی القریٰ کے عقب میں واقع مقام بجشی کی جانب روانہ ہوا، اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کی طرف چلے گئے تھے، اس نے ان کو تحائف دے کر رخصت کیا تھا، راستے میں ہنید بجشی کے غلاموں کے ساتھ مل گیا اور ان کا سامان لوٹ لیا، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے ساری حقیقت رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کی تو آپ نے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ حضرت زید بن

حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ گئے، انہوں نے ہنید اور اسکے بیٹے کو قتل کر دیا، ایک سو عورتیں اور ایک سو بکریاں بھی ہاتھ آئیں، ادھر زید بن رفاعہ حذامی اپنی قوم کے چند افراد کے ہمراہ آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ چند رات پہلے وہاں کے لوگ اسلام لے آئے ہیں، اس پر آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ ان سب کو اور ان کے اموال کو چھوڑ دو، چنانچہ انہوں نے ان کے سب اموال واپس کر دیئے۔ ﴿مدارج النبوۃ﴾

﴿6﴾

رجب المرجب ۶ ہجری میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بارہ آدمی وادی القریٰ کی جانب روانہ ہوئے، اس مہم کا مقصد دشمنان اہل اسلام کی نقل و حرکت کا پتہ لگانا تھا، اہل القریٰ نے حملہ کر کے نو صحابہ کرام کو شہید کر دیا جبکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

﴿7﴾

ایک فوجی مہم شعبان المعظم ۶ ہجری میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت دیار بنی کلب یا بنو کعب کی جانب روانہ کی گئی، بنو کلب دومۃ الجندل کے علاقہ میں موجود تھے، آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھا اور جنگ میں اچھی صورت اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نام سے اس راستے پر گامزن ہو جاؤ، جو اسکا انکار کرے تم اس سے جنگ کرنا، کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرنا، بدعہدی سے بچنا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے پانچ چیزوں سے اجتناب کرو، جب کوئی قوم کم تولتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر قحط سالی نازل کرتا ہے اور پھلوں میں کمی کر دیتا ہے، تاکہ وہ سیدھے راستے پر چل پڑے، جب کوئی قوم عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کا دشمن مسلط کر دیتا ہے، جب کوئی قوم زکوٰۃ ادا کرنے سے کتراتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بارش روک لیتا ہے، اگر بے زبان جانور نہ ہوں تو اسے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملے، جب کوئی قوم بے حیا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر طاعون بھیجتا ہے اور جو قوم قرآنی احکام سے روگردانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وحدت کو ختم کر

دیتا ہے اور لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگتے ہیں، ﴿سیرت نبویہ دحلان: ۱۶۱/۲﴾ پھر فرمایا، اگر وہ لوگ تمہاری اطاعت کرلیں تو ان کے سردار کی لڑکی سے شادی کر لینا، انہوں نے منزل مقصود پر پہنچ کر تین دن تک اسلام کی دعوت دی، بالآخر اس قوم نے اسلام قبول کرلیا، پھر انہوں نے ان کے سردار کی بیٹی تماضر بنت اصبغ بن عمرو کلبی سے شادی کی، یہی خاتون ان کے صاحبزادے حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ امام دین، عظیم تابعی اور فقہائے سبعہ میں شمار ہوتے ہیں۔

......﴿8﴾......

اسی مہینے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سو یا دو سو آدمیوں کی جماعت بنو سعد بن بکر کی طرف روانہ کی گئی، جو علاقہ فدک میں قیام پذیر تھے، کیونکہ اہل اسلام تک خبر پہنچی تھی کہ بنو سعد کی ایک جماعت یہودیوں کی امداد کرنا چاہتی ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقائے سفر رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تھے، آخر ایک دن ان کا ایک آدمی گرفتار ہوا جس نے اقرار کیا کہ ہم لوگ خیبر کی کھجوروں کے بدلے ان کی امداد کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ بنو سعد کس مقام پر جمع ہیں، انہوں نے رات کو حملہ کیا تو بنو سعد بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، پھر وہ پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہانک کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

......﴿9﴾......

رمضان المبارک ۶ ہجری میں ایک سریہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو فزارہ کی ایک شاخ کی طرف روانہ فرمایا کیونکہ انہوں نے حضور سراپا نور ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا، ایک روایت میں ہے کہ بنو فزارہ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایک تجارتی قافلہ لوٹ لیا تھا اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو زد و کوب کیا تھا اس لیے یہ مہم روانہ کی گئی، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے صبح کی نماز پڑھتے ہی ان پر حملہ کیا اور کچھ افراد کو قتل کر دیا، میں نے ایک گروہ کو دیکھا جس میں عورتیں اور بچے تھے، مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ پہاڑوں پر نہ چڑھ جائیں، لہٰذا ان کو روکنے کی کوشش کی اور ان کی طرف ایک تیر پھینکا لہٰذا وہ گروہ ڈر کر رک گیا، ان کے پاس ہی ایک ام قرفہ نامی عورت

تھی، ﴿جو رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے منصوبے بنا رہی تھی﴾ اس کے جسم پر پرانی پوستین تھی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی جاریہ تھی جو عرب کی خوبصورت ترین عورتوں میں شمار ہوتی تھی، میں ان سب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا، انہوں نے وہ لڑکی میرے حوالے کردی، ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے، میں اس لڑکی کے قریب نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مکہ مکرمہ بھیج دیا اور اس کے بدلے وہاں کے متعدد مسلمان قیدی آزاد کروالیے، ﴿صحیح مسلم: ۸۹/۲﴾ اسی مہینے میں قحط پڑ گیا تو لوگوں نے آپ سے بارش کی دعا کے لیے استدعا کی، آپ نے دعا فرمائی تو اسی وقت بادل برسنے لگے اور سماں جل تھل ہوگیا۔

......﴿10﴾......

شوال المکرم ۶ ہجری میں ایک مہم حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی عکل اور عرینہ کے چند افراد کے تعاقب میں روانہ فرمائی، ان افراد نے اسلام کا اظہار کر کے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کی مگر شدید بیمار ہوگئے، حضور سراپا نور ﷺ نے انہیں چند اونٹوں کے ساتھ چراگاہ میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اونٹوں کے دودھ اور پیشاب سے علاج کرو، وہ لوگ صحت مند ہوگئے پھر انہوں نے آپ کے چرواہے کو نہایت بے دردی سے قتل کیا اور سارے اونٹوں کو لے کر بھاگ گئے، شاید ان کی اس گندی فطرت کو چشم نبوت ملاحظہ کر رہی تھی اور ان کے لیے پیشاب جیسی دوا تجویز فرمائی، کیونکہ خبیث لوگوں کے لیے خبیث چیزیں ہوتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! عرینوں کا راستہ روک دے اور کنگن سے بھی زیادہ تنگ کردے، چنانچہ ان کا راستہ روک دیا گیا، وہ جلدی حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، انہوں نے جو کچھ مسلمان چرواہے کے ساتھ کیا تھا ٹھیک اسی طرح ان کے بھی ہاتھ پاؤں کاٹ کر، آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر حرہ کے ایک گوشے میں چھوڑ دیا گیا، جہاں وہ کیفر کردار کو پہنچ گئے، قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی بیان فرمایا ہے، ﴿صحیح بخاری: ۶۰۲/۲﴾ اسی میں ابوقلابہ سے مروی ہے کہ ان لوگوں نے چوری اور قتل کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی بلکہ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی سزا مذکور ہے:

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد

برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں چن چن کر مار دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے، یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں اس سے بھی بڑا عذاب ان کو دیا جائے گا، ﴿سورۃ المائدہ:۳۳﴾

ترمذی میں ابن سرین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدود اترنے سے پہلے ان کو سزا دی، بخاری شریف کے مطابق یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد ماہ ذیقعد میں پیش آیا تھا، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾ حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ وہی ہیں جنہوں نے غزوہ بدر سے پہلے مدینہ منورہ کے مویشیوں پر چھاپہ مارا تھا، بعد میں وہ مسلمان ہو گئے اور آخر فتح مکہ کے موقع پر شہادت سے سرفراز ہوئے۔

......﴿11﴾......

سیرت نگاروں نے ایک اور مہم کا بھی ذکر کیا ہے جو شوال ۶ ہجری میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری اور حضرت سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما نے انجام دی، ان کا مقصد کفار مکہ کے سالار ابوسفیان کو قتل کرنا تھا کیونکہ اس نے بھی ایک اعرابی کو مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ حضور سراپا نور ﷺ کو شہید کیا جائے، حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے، وہ ایک رات طواف کر رہے تھے کہ اچانک معاویہ بن ابوسفیان کی ان پر نظر پڑ گئی، معاویہ نے قریش مکہ کو ان کے وجود کی خبر دی، قریش مکہ نے انہیں تلاش کیا اور کہنے لگے، مکہ والو! عمرو بن امیہ آ گیا ہے، اس سے غافل نہ رہنا، کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت میں اچانک قتل کرنے میں مشہور تھے، مکہ والوں نے انہیں پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ تو واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے مگر وہ پہاڑی میں چھپ گئے، اس دوران انہیں عثمان بن مالک نظر آیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا، وہ اس زور سے چیخا کہ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے اور انہیں پکڑنے کے درپے ہوئے مگر وہ ایک غار میں گھس گئے، وہاں ایک کانا شخص نظر آیا جو اپنی بکریوں کو دھوپ سے سائے میں لا کر پڑھ رہا تھا

قلست بمسلم مادمت حیا

ولست ادین دین المسلمین

یعنی میں جب تک زندہ رہوں گا، مسلمان نہ ہوں گا، مسلمانوں کا دین نہ قبول کروں گا، پھر وہ حضور سراپا نور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے لگا، انہوں نے اس کے سو جانے کا انتظار کیا، جب وہ سو گیا تو انہوں نے کمان کی نوک اس کی آنکھ پر رکھ کر اس زور سے دبائی کہ دماغ تک گھس گئی، اس سے وہ واصل جہنم ہو گیا، جب غار سے باہر نکلے تو کفار مکہ کے دو جاسوس ملے، ایک کو انہوں نے تیر مار کر ہلاک کر دیا جبکہ دوسرا رفو چکر ہو گیا، بعد ازاں وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے، اس واقعہ کے بعد ابوسفیان اپنی حفاظت کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگا اور ادھر انہیں بھی اس کے محفوظ رہنے کا بہت افسوس ہوا۔ ﴿ملخصاً مدارج النبوۃ: ۲/۲۳۹﴾

﴿12﴾

۶ ہجری کے واقعات میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی مہم بھی مذکور ہے، جب ابو رافع یہودی مارا گیا تو خیبر کے یہودیوں نے اسیر بن رزم کو اپنا سردار مقرر کر لیا، اس نے بنو غطفان وغیرہ کے قبیلوں میں گشت کر کے اہل اسلام کے خلاف لشکر تیار کرنے کی کوشش کی، حضور اکرم ﷺ نے اس خبر کی تصدیق کے لیے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین آدمیوں کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آ کر اس خبر کی تصدیق کر دی تو آپ نے دوبارہ انہیں اس کی طرف روانہ کر دیا تاکہ اس کا کام تمام کر دیں اور اہل اسلام اس موذی کے فسادات سے محفوظ ہو جائیں، یہ افراد اسیر بن رزم کے پاس پہنچے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں خیبر کا عامل بنانا چاہتے ہیں لہذا ہمارے ساتھ مدینہ منورہ چلو، وہ لالچ میں آ گیا اور اپنے ساتھ تین یہودیوں کو لے کر چل پڑا، جب موضع قرقرہ پر پہنچے تو حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور اپنے اونٹ سے کود پڑے، اس کے بعد مسلمانوں نے اس کے دو ساتھی قتل کر دیئے، جب یہ لوگ بارگاہ رسالت ﷺ میں پہنچے تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی ہے۔ ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۳۹﴾

یہ ہیں وہ سریات وغزوات جو جنگ احزاب اور بنو قریظہ کے بعد پیش آئے، ان میں سے کسی بھی سریے یا غزوے میں کوئی سخت جنگ نہیں ہوئی، صرف بعض میں معمولی جھڑپیں ہوئیں، لہذا ان مہموں کو جنگ کی بجائے طلایہ گردی، فوجی گشت اور تادیبی نقل و حرکت کہا جا سکتا ہے، جس کا مقصد ڈھیٹ بدوؤں اور اکڑے ہوئے دشمنوں کو خوفزدہ کرنا

تھا، حالات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد صورتحال میں تبدیلی ہونا شروع ہوگئی تھی اور اعدائے اسلام کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے، اب انہیں یہ امید نہیں تھی کہ دعوت اسلام کو توڑا اور اس کی شوکت کو پامال کیا جاسکتا ہے مگر یہ تبدیلی ذرا اچھی طرح کھل کر اس وقت سامنے آئی جب مسلمان صلح حدیبیہ سے فارغ ہو چکے، یہ صلح دراصل اسلامی قوت کا اعتراف اور اس بات پر مہر تصدیق تھی کہ اب اس قوت کو جزیرہ نمائے عرب میں باقی اور برقرار رہنے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی، ﴿الرحیق المختوم: ۴۵۸﴾

۶ ہجری کا ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ حضرت ام رومان بنت عامر عویمر رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا، ان کے بطن اطہر سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن اور صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تولد ہوئیں، حضور سراپا نور ﷺ ان کی قبر پر تشریف لائے، انہیں لحد میں اتارا اور فرمایا جو کسی جنتی حور کو دنیا میں دیکھنا چاہتا ہے وہ ان کی زیارت کرلے، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۲۶﴾

......☼......

﴿غزوہ حدیبیہ﴾

حدیبیہ دراصل ایک کنوئیں کا نام ہے جس کی وجہ سے سارا علاقہ حدیبیہ کہلاتا ہے، امام نافع کہتے ہیں کہ غزوہ ذیقعد ۶ ہجری میں واقع ہوا اور یہی صحیح ہے، زہری، قتادہ، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم جیسے مشہور سیرت نگاروں اور مغازی شناسوں کا اس پر اتفاق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خواب مبارک:

روایات میں آتا ہے کہ حدیبیہ کی طرف آنے سے پہلے حضور سراپا نور ﷺ نے ایک خواب مبارک دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام مسجد حرام میں داخل ہوئے ہیں اور آپ نے کعبہ مشرفہ کی کنجیاں وصول کر لی ہیں،، سب نے کعبہ مشرفہ کا طواف کیا ہے، عمرہ سے فارغ ہو کر بعض نے سر منڈوایا اور بعض نے کترایا ہے، آپ نے صحابہ کرام سے یہ خواب بیان کیا تو سب بہت خوش ہوئے اور امید کرنے لگے کہ وہ اس سال ضرور مکہ مکرمہ میں حاضر ہوں گے، پھر آپ نے صحابہ کرام سے عمرے کا اعلان فرمادیا، نہایت ذوق وشوق کے ساتھ تیاریاں شروع ہوگئیں، ہر کسی کے دل کی کلی کھل اٹھی کہ ہم عنقریب بیت اللہ شریف کی زیارت سے اپنی نگاہوں کو تابناک کرنا چاہتے ہیں، بالخصوص مہاجرین کرام کا تو انداز ہی نرالا تھا، انہیں کئی سالوں بعد اپنے آبائی وطن میں سانس لینے کا موقع مل رہا تھا، آپ نے گردونواح کے مسلمانوں کو بھی اس قافلہ میں شامل ہونے کی دعوت ارسال فرمادی، جنگ وجدال کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر کفار مکہ کی طرف سے اندیشہ ضرور تھا کہ وہ آپ سے جنگ وجدال کریں گے یا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکیں گے اس لیے ہر شریک سفر نے مسافر کا ہتھیار یعنی نیام بند تلوار اپنے پاس رکھ لی، اس کے علاوہ کسی کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا، بہت سے دیہاتی بھی اس غزوے میں شامل ہوئے اور بہت سے پیچھے رہ گئے، آپ نے کپڑے دھلوائے اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوگئے، مدینہ منورہ میں حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بروایت دیگر حضرت نمیلہ بن عبد اللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ۶ ہجری ماہ ذوالقعد کے آغاز میں پیر کے روز عازم سفر ہوئے، مشہور روایات کے مطابق آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ کرام کی قدسی جماعت تھی، بعض روایات

میں پندرہ سو کی تعداد بھی مذکور ہے، اس سفر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو خدمت اقدس کا موقع نصیب ہوا۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ حدیبیہ کے سال دس سو سے کچھ زیادہ صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر عمرے کے لیے نکلے، ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر قربانیوں کے گلے میں قلادے ڈالے، اونٹوں کو اشعار کیا اور عمرے کا احرام باندھا، پھر دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بنوخزاعہ کے ایک فرد کو آگے بھیجا، جب آپ ''غدیر اشطاط'' کے مقام پر پہنچے تو آپ کے جاسوس نے اطلاع دی کہ قریش مکہ نے اپنی فوجیں جمع کر رکھی ہیں اور اپنی امداد کے لیے مختلف قبائل کو بھی اکٹھا کر لیا ہے، وہ سب لوگ آپ سے جنگ و جدال کا ارادہ رکھتے ہیں اور آپ کو عمرے سے روکنا چاہتے ہیں ﴿بروایت دیگر مقام عسفان میں بشر بن سفیان کعبی نے اطلاع دی کہ قریش مکہ درندوں کی کھالیں پہن کر آپ کے مقابلے کے لیے تیار ہیں ﴿ابن ہشام: ۲/۳۷۴﴾ آپ نے فرمایا، لوگو! مجھے مشورہ دو، اگر تم سب مناسب سمجھتے ہو تو ایک چکر کاٹ کر ان کے اہل و عیال پر حملہ کرتے ہیں جو ہمیں بیت اللہ شریف سے روکنے کے لیے کوشاں ہیں، ہمارے کام کی تکمیل سے پہلے ان کے جاسوس ان تک خبر نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر وہ ہمارے پیچھے نہ آئے تو ہم ان کا مال غنیمت لے کر واپس آ جائیں گے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ مدینہ منورہ سے بیت اللہ شریف کی نیت لے کر نکلے ہیں، جنگ و جدال کی نہیں، اس لیے جو نیت ہے وہی کام کرنا چاہیے، ہاں اگر کوئی ہمارے راستے کی رکاوٹ بنے گا تو ہم ضرور جنگ کریں گے، آپ نے فرمایا، بالکل درست ہے تو پھر اللہ کا نام لے کر چل پڑو، ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۹۱﴾ آپ نے کچھ راستہ طے کر لیا تو فرمایا، خالد بن ولید ہماری جاسوسی کرنے کے لیے اپنے سواروں کے ساتھ کراع غمیم تک پہنچ چکا ہے، لہٰذا تم راستہ تبدیل کر کے دائیں طرف کو چلو،، خالد بن ولید کو آپ کی اس حکمت عملی کا علم نہ ہو سکا، ایک روایت میں ہے کہ خالد بن ولید کو خبر ہو چکی تھی اس نے اپنے دو سواروں کے ساتھ اہل اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش بھی کی تھی، ایک مقام پر جب اس نے دیکھا کہ وہ سب نماز ظہر میں رکوع اور سجدے کر رہے ہیں تو سوچا کہ ان کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے، پھر اس نے نماز عصر تک انتظار کیا مگر اس وقت تک اللہ

تعالیٰ نے صلوٰۃ الخوف کا فرمان نازل فرمادیا اور اس کے ہاتھ سے موقع نکل گیا، پھر بدستور چلتے رہے، بروایت دیگر یہ نیا راستہ بنو اسلم کے ایک شخص نے بتایا تھا جو قافلے کو پہاڑوں اور گھاٹیوں میں سے گزارتا ہوا ایک نرم زمین کی طرف نکل آیا، مسلمانوں پر یہ راستہ بہت زیادہ شاق گزرا، آپ نے فرمایا، اے مسلمانو! ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں، تمام مسلمانوں نے یہ الفاظ ادا کیے تو فرمایا، تمہارا یہ کہنا بنی اسرائیل کی طرح ہے، ان سے کہا گیا تھا کہ لفظ حطہ کہو مگر انہوں نے نہ کہا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/۳۷۴﴾ آپ اس دشوار گزار راستے سے ہوتے ہوئے ثنیۃ المرار سے حدیبیہ میں نکل آئے جو مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ میں واقع ہے، مرکزی راستہ تنعیم سے گزرتا تھا، وہاں خالد بن ولید کا دستہ متعین تھا، اس نے وہاں گرد و غبار دیکھا تو قریش مکہ کو اطلاع دی، جب اس گھاٹی پر پہنچے جس سے نکل کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی ناقہ مبارکہ بیٹھ گئی، لوگوں نے ''حل حل'' کہہ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ بیٹھی رہی، لوگ کہنے لگے، دراصل اونٹنی تھک گئی ہے، اس لیے اٹھنا نہیں چاہتی، آپ نے فرمایا، نہیں یہ نہ تھکی ہے اور نہ ہی اس کی یہ عادت ہے، بس ہاتھی کو روکنے والے نے اسے بھی روک لیا ہے، پھر آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے دست رحمت میں میری جان ہے اس کی حرمتوں کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ جو بات بھی مجھے منوانا چاہیں گے، میں مان لوں گا، بعد ازاں آپ نے اونٹنی کو اٹھایا تو وہ کود کر کھڑی ہو گئی، آپ نے راستے سے تھوڑا ہٹ کر حدیبیہ کے آخری حصے میں ایک تھوڑے سے پانی والے کنوئیں کے قریب ڈیرہ لگا لیا، لوگ اس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکالتے تھے، پھر وہ جلدی ہی خشک ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لوگوں نے پیاس کی شکایت کی، آپ نے ایک تیر لے کر انہیں دیا کہ اس کو کنوئیں میں گاڑ دیں، خدا کی قسم! پھر وہ کنواں واپس جانے تک مسلسل وافر مقدار میں پانی مہیا کرتا رہا اور کسی وقت پانی کی کمی لاحق نہ ہوئی، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چودہ سو صحابہ کرام تھے، حدیبیہ اصل میں ایک کنوئیں کا نام ہے، ہم نے اس سے پانی بھرنا شروع کیا تو اسمیں اک قطرہ بھی نہ رہا، جب حضور نبی اکرم ﷺ تک بات پہنچی تو آپ تشریف لائے اور کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گئے، پھر آپ نے پانی کا ایک برتن منگوایا، وضو کیا، کلی فرمائی اور

بارگاہ خداوندی میں دعا فرمائی، اس کے بعد بچا ہوا پانی کنوئیں میں ڈال دیا، تھوڑی سی دیر میں اتنا پانی جمع ہوگیا کہ ہم اور ہماری سواریاں سیراب ہوگئیں، ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۸۳﴾ ایک روایت میں انہی سے منقول ہے کہ آپ نے کنوئیں میں لعاب دہن ڈالا اور پھر دعا کی اور فرمایا کہ ایک ساعت تک ٹھہرے رہو، پس سارے حضرات خود اور ان کی سواریاں کوچ کرنے تک سیراب ہوتی رہیں ﴿ایضاً﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ کے سامنے وضو والا برتن رکھا ہوا تھا، لوگ آپ کے پاس پانی کے متعلق عرض گزار ہوئے تو آپ نے اسی برتن میں اپنا دست کرم رکھ دیا، آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی چشموں کی طرح پھوٹ نکلا، ہم پانی پیتے رہے اور وضو کرتے رہے، اس روز ہم پندرہ سو صحابہ کرام تھے، ﴿صحیح بخاری: ۲/۵۸۳﴾ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے تیرہ سو کی تعداد منقول ہے، ﴿ایضاً﴾ بہر حال ہر راوی نے اپنے اندازے کے مطابق تعداد بیان کی ہے، اس کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ قدسی صفات لوگ اس شان کے مالک تھے کہ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کنتم خیر اھل الارض، یعنی تم لوگ تمام روئے زمین کے لوگوں سے افضل ہو ﴿ایضاً﴾

بدیل بن ورقا کی آمد:

حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مطمئن ہو کر جلوہ افروز ہو چکے تھے، بدیل بن ورقا خزاعی اپنے قبیلے بنو خزاعہ کے چند افراد کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا، اہل تہامہ میں سے یہی قبیلہ آپ کا خیر خواہ تھا، اس نے عرض کیا کہ میں کعب بن لوی کے قبیلے ﴿یعنی قریش مکہ﴾ کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ حدیبیہ کے وافر مقدار والے پانی کے قریب ڈیرے لگا کر بیٹھے ہیں، ان کے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی ہیں اور سب آپ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں اور آپ کو بیت اللہ شریف کی طرف جانے سے روکنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہم کسی سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے، ہم تو عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، قریش کو لڑائی نے کمزور کر دیا اور کافی نقصان پہنچایا ہے، اگر وہ چاہیں تو میں کچھ عرصے کے لیے ان سے جنگ بندی کا معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں، وہ مجھے دوسرے لوگوں سے دو ہاتھ کرنے دیں، اگر میں غالب آ گیا تو وہ چاہیں تو اس دین برحق میں داخل ہو جائیں تو کچھ

مدت تک جنگ سے راحت پالیں گے یعنی تازہ دم ہو جائیں گے، اگر اس کے باوجود نہ مانیں اور جنگ ہی پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے دست رحمت میں میری جان ہے تو میں بھی ان سے اس وقت تک جنگ آزما رہوں گا جب تک میں شہید نہ ہو جاؤں یا اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ ہو جائے، آپ کی گفتگو سن کر بدیل بن ورقا نے کہا، میں قریش مکہ تک آپ کی باتیں پہنچا دوں گا، پھر وہ قریش مکہ کے پاس گیا اور کہنے لگا اگر اجازت ہو تو ہم تمہیں ان کی باتیں سنا دیں، ان میں سے چند جوشیلے آدمی کہنے لگے ہمیں ان کی باتیں سننے کی کوئی ضرورت نہیں، کچھ عقلمند لوگوں نے کہا، بتاؤ حضرت محمد کیا کہتے ہیں، پھر اس نے سارا ماجرا سنا دیا، یہ سن کر عروہ بن مسعود ثقفی اٹھا اور کہنے لگا، اے قوم! کیا تم میرے باپ اور میں تمہارا فرزند نہیں ہوں، چونکہ قریش مکہ عروہ بن مسعود کے ننہال تھے اس لیے اس نے یہ جملہ ادا کیا، کیا تمہیں میری نیت پر کوئی شک ہے، وہ بولے، ہرگز نہیں، اس نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اہل عکاظ کو تمہاری امداد کے لیے ابھارا تو انہوں نے حیلے بہانوں سے کام لیا اور پھر میں خود اپنے بیٹوں اور وفادار ساتھیوں کو لے کر تمہارے پاس آ گیا ہوں، وہ بولے تم بالکل درست کہتے ہو، اس نے کہا، یاد رکھو، حضرت محمد نے تمہارے سامنے بہت عقلمندی کی بات رکھی ہے، تم ان کی بات قبول کر لو لیکن پہلے مجھے ان کے پاس جانے دو تاکہ میں ان سے مذاکرات کروں، قوم نے اجازت دی تو وہ حدیبیہ کی طرف چل پڑا۔

عروہ بن مسعود کی سفارت کاری:

قریش مکہ کا یہ نامور نمائندہ حضور سراپا نور ﷺ کی خدمت مس حاضر ہوا اور مذاکرات کرنے لگا، آپ نے اس سے بھی وہی بات کر دی جو بدیل بن ورقا خزاعی سے کی تھی، عروہ بن مسعود نے کہا، اگر آپ اپنی قوم کو تباہ کریں گے تو کیا آپ نے سنا ہے کہ آپ سے پہلے بھی کسی فرد نے اپنے خاندان کو ہلاک کیا تھا اور اگر دوسری بات ہوئی جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک طرف تو ذمہ دار افراد موجود ہیں، دوسری طرف آپ کے ساتھ مختلف قبیلوں کے مخلوط افراد موجود ہیں جو مشکل وقت میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ نکلیں گے ﴿تو پھر کیا ہوگا﴾ اس کی گفتگو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا، آپ نے فرمایا، تو اپنی دیوی لات کی شرمگاہ چوس کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، عروہ

نے پوچھا یہ کون شخص ہے، لوگوں نے کہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اس نے کہا، خدا تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو تمہیں اس بات کا جواب ضرور دیتا، پھر وہ آپ سے گفتگو کرتا رہا، راوی کا بیان ہے کہ جب وہ آپ سے بات کرتا تو آپ کی ریش مبارک پکڑ لیتا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ خود پہنے، ہاتھ میں تلوار پکڑے قریب کھڑے تھے، وہ تلوار اسکے ہاتھ پر مار کر کہتے، آپ کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ دور کر، اس نے پوچھا یہ شخص کون ہے، لوگوں نے کہا، یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں، اس نے کہا، اے غدار! کیا میں آج تک تیری غداری کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا، دراصل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس کے بھتیجے تھے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے کچھ لوگوں کے ساتھ تجارت کرنے گئے اور راستے میں ان کو قتل کر کے مال تجارت لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے اور اسلام قبول کر لیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں نے تمہارا اسلام تو قبول کر لیا مگر مجھے تمہارے اس مال سے کوئی سروکار نہیں، اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کا ایک والہانہ منظر دیکھا، یہ منظر اس نے اپنی قوم کے سامنے آ کر بیان کیا کہ اے قوم! اللہ کی قسم میں وفد لے کر بادشاہوں کے درباروں میں بھی حاضر ہوا ہوں، میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں لیکن اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے ساتھیوں کو اس کا اتنا ادب واحترام کرتے نہیں دیکھا جتنا ادب واحترام حضرت محمد کے صحابہ ان کا کرتے ہیں، جب حضرت محمد تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے، جب وہ حکم دیتے ہیں تو صحابہ کرام اس کی تعمیل میں بہت جلدی کرتے ہیں، جب وہ وضو کرتے ہیں تو مستعمل پانی کے حصول پر یوں لگتا ہے جیسے لڑ رہے ہیں، جب وہ کلام فرماتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں، کوئی اونچی آواز نہیں نکالتا، وہ ان کی تعظیم کی خاطر ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، انہوں نے تمہارے سامنے ایک عقل کی بات رکھی ہے لہذا اسے قبول کر لو، ﴿صحیح بخاری﴾ روایات میں آتا ہے کہ بنو کنانہ کا ایک آدمی حلیس بن علقمہ بھی اسی مقصد کے لیے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا، یہ آدمی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانیوں کی بہت عزت کرتی ہے لہذا جانوروں کو کھڑا کر دو، صحابہ کرام نے جانوروں کو

کھڑا کر دیا اور خود لبیک پکارنے لگے، اس نے یہ حالت دیکھی تو کہنے لگا، اللہ کی شان! ایسے لوگوں کو بیت اللہ شریف سے روکنا ہرگز مناسب نہیں اور وہیں سے اپنی قوم کے پاس چلا گیا اور بولا، میں نے قربانیوں کے قلادے دیکھے ہیں اور ان کے کوہان چرے ہوئے مشاہدہ کیے ہیں لہذا مناسب نہیں کہ انہیں بیت اللہ شریف سے روکا جائے، اس پر قریش مکہ اور اس کے درمیان کوئی سخت کلامی ہوگئی، اس کے بعد مکرز بن حفص نے کہا، میں بھی ان کے پاس جانا چاہتا ہوں، قوم نے اجازت دی تو وہ بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، آپ نے اسکا چہرہ دیکھتے ہی فرمایا، یہ بدقماش آدمی ہے، پھر وہ آپ سے باتوں میں مصروف ہوگیا تو اسی دوران سہیل بن عمرو بھی آگیا، اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا، اب تمہارے معاملے میں کچھ آسانی ہوسکتی ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ قریش مکہ نے سہیل بن عمرو سے کہا تھا کہ جاؤ، ان کے ساتھ صلح کی گفتگو کرو، آپ نے فرمایا، قریش مکہ نے اسے بھیجا ہے تو لگتا ہے کہ انہوں نے صلح کا ارادہ کرلیا ہے، پھر اس کے ساتھ صلح کی گفتگو شروع ہوگئی، ایک روایت میں ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم قریش مکہ میں جاؤ اور ہمارے آنے کا مقصد بیان کرو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! مکہ مکرمہ میں میرے قبیلے بنوعدی کا کوئی ایسا فرد موجود نہیں جو مجھے پناہ دے، لہذا مجھے خدشہ ہے کہ میری سخت طبیعت کی وجہ سے وہ میری جان کے دشمن ہیں، مگر میں آپ کو ایک ایسے آدمی کا نام بتاتا ہوں جو مجھ سے زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور وہ عثمان بن عفان ہے، چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابو سفیان اور قریش مکہ کے دیگر سرداروں کے پاس گئے، جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کی ابان بن سعید بن عاص سے ملاقات ہوئی، اس نے ان کو اپنی سواری پر سوار کر لیا اور پناہ فراہم کردی، پھر انہوں نے سرداران قریش کے سامنے اہل اسلام کا مدعا بیان کیا، جب اس کام سے فارغ ہوگئے تو اہل مکہ نے ان کو اجازت دی کہ وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرلیں، انہوں نے فرمایا، جب تک رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف نہ کریں گے میں ہرگز طواف نہیں کروں گا، پھر قریش مکہ نے ان کو اپنے پاس روک لیا، یہاں تک کہ اہل اسلام سمجھنے لگے کہ ان کو شہید کردیا گیا ہے۔

بیعت رضوان کے نظارے:

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب ہم قریش مکہ سے لڑائی کیے بغیر ہرگز نہیں جائیں گے، پھر آپ نے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیعت رضوان کے لیے بلایا، ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا، لوگو! رسول اللہ ﷺ پر حضرت جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے ہیں اور لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکلو اور بیعت کا شرف حاصل کرو، ﴿امتاع الاسماع: ۲۴۴/۱﴾ لوگوں کا بیان ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ موت پر بیعت لیتے تھے، لیکن حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے میدان جنگ سے نہ بھاگنے پر بیعت کی تھی، بعض علماء نے کہا ہے کہ ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب ہے، ایک جماعت نے آپ ﷺ سے موت پر بیعت کی تھی، یعنی جب تک موت نہیں آئے گی ہم آپ ﷺ کے سامنے دشمنوں سے لڑتے رہیں گے اور دوسروں نے اس بات پر بیعت کی کہ ہم دشمنوں کے مقابلے میں میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے، ﴿سیرت ابن اسحاق﴾ سب مسلمانوں نے پورے جذبات واحساسات کے ساتھ بیعت کی مگر جد بن قیس سلمی ﴿منافق﴾ نے انحراف کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کے پیٹ سے لگ کر چھپ گیا تھا، حضرت وکیع بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ نے حضور سراپا نور ﷺ کے دست رحمت پر بیعت کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین بار بیعت کا شرف حاصل کیا، شروع میں، درمیان میں اور آخر میں، بعدازاں سرکار ابد قرار ﷺ نے خود اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے، گویا یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت تھی، ﴿فروع کافی: ۲۳۸/۳﴾ آپ ﷺ کا ہاتھ ان کے لیے ان کے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ شرف اور یہ منزلت صرف ان کو نصیب ہوئی، علامہ زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت اس لیے

فرمائی کہ آپ کو علم تھا کہ ان کی شہادت کی خبر درست نہیں ہے، ﴿سیرت نبویہ: ۱۸۵/۲﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی شخص بھی آگ میں داخل نہیں ہو گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۷۹﴾ رسول اللہ ﷺ نے جب بیعت رضوان کا انعقاد کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپکا دست مبارک تھامے ہوئے تھے اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے درخت کی شاخیں آپ کے اوپر سے ہٹا رکھیں تھیں، اسی خوبصورت نظارے کا ذکر قرآن پاک میں اس خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

⦿...... لقد رضی اللہ عن المومنین.......................فتحاً قریباo

بے شک تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوا جبکہ وہ تم سے درخت کے نیچے بیعت کرتے تھے، پس معلوم تھی اسکو وہ بات جو ان کے دلوں میں تھی، پھر اس نے ان پر سکون نازل کیا اور فتح قریب عطا فرمائی، ﴿سورۃ الفتح﴾

روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی واپسی میں دیر ہو گئی تو اہل اسلام نے کہا، عثمان تو بڑے خوش نصیب ہیں، بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں ایسا نہیں ہو گا، وہ اکیلے طواف نہیں کریں گے، پھر جب بیعت رضوان ختم ہو گئی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو گئے، اہل اسلام نے ان سے پوچھا، اے ابو عبد اللہ! آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف تو کر لیا ہو گا، انہوں نے فرمایا، آپ لوگوں نے میرے بارے میں بڑی بدگمانی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں مکہ مکرمہ میں ایک سال بھی رہتا تو اس وقت تک بیت اللہ شریف کا کبھی طواف نہ کرتا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیتے، ﴿زاد المعاد: ۲۹۱/۳﴾ یہ روایت ذرا تغیر الفاظ کے ساتھ شیعہ حضرات کی کتاب فروع کافی کتاب الروضہ میں بھی موجود ہے، یہ ایمان افروز عقیدہ دیکھ کر اہل اسلام نے کہا، رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا علم ہم سے بہت زیادہ ہے اور آپ کا خیال ہمارے خیال سے بہت زیادہ اچھا ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشق رسول کی خاطر ہر چیز قربان کرنے کے لیے کمربستہ رہتے تھے، ان کے نزدیک یہی امر مسلم تھا۔

مغز قرآں ، روح ایماں ، جانِ دیں
ہست حُبِ رحمت للعالمین
در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ ﷺ
آبروئے ماز نامِ مصطفےٰ ﷺ

روایت ہے کہ قریش مکہ نے صورتحال کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے سہیل بن عمرو کو جلدی بھیجا کہ صلح کے معاملات طے کریں اور یہ تاکید کی کہ صلح میں یہ شرط ضرور رکھے کہ رسول اللہ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں، اگر ایسا نہ ہوا تو اہل عرب کہیں گے کہ آپ ﷺ زبردستی ہمارے شہر میں داخل ہو گئے ہیں گویا اسطرح ہماری پامردی پر حرف آتا ہے، چنانچہ سہیل بن عمرو بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: لو تمہارا کام آسان کر دیا گیا ہے، سہیل نے آپ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور بالآخر صلح نامہ کی شرائط لکھنے کا موقع آ گیا، امام زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: لکھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سہیل نے کہا، میں اسکو نہیں جانتا، باسمک اللھم لکھیے، حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے یہی لکھ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھو، یہ صلح نامہ وہ ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو سے کیا ہے، اس پر سہیل نے اعتراض کیا، اگر میں یہ شہادت دیتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ سے کبھی نہ لڑتا، محمد بن عبداللہ لکھیے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اس نے کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپکو بیت اللہ شریف سے نہ روکتے اور نہ آپ سے لڑتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، گو تم نے جھٹلا دیا ہے، اچھا محمد بن عبداللہ ہی لکھ دو، بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو مٹا دو، انہوں نے عرض کیا، میں تو اس کو نہیں مٹاؤں گا، یعنی میری محبت ہی اجازت نہیں دیتی کہ آپ کے اسم گرامی کو مٹا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے دکھاؤ کہاں لکھا ہے، انہوں نے دکھایا تو آپ ﷺ نے خود اسکو مٹا دیا اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا، امام زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انکی ہر بات اس لیے تسلیم کر لی کہ آپ ﷺ نے وعدہ کیا تھا اگر وہ اللہ

کی حرمتوں کا احترام کریں گے تو پھر وہ جو بات منوائیں گے میں مان لوں گا، بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور بیت اللہ شریف کے درمیان راستہ چھوڑ دو تا کہ ہم طواف کر لیں، سہیل بن عمرو نے کہا، اللہ کی قسم! ہم عرب میں بدنام ہونا نہیں چاہتے کہ مسلمان ہماری مرضی کے بغیر جبراً مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں، ہاں آپ آئندہ سال بیت اللہ شریف کا طواف کر سکتے ہیں، امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ دونوں کے درمیان ان شرائط پر اتفاق ہو گیا۔

⊙...... دس سال تک لڑائی بند رہے گی، لوگ پر امن زندگی گزاریں گے، دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر دست درازی نہیں کرے گا۔

⊙...... قریش مکہ کا جو آدمی بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر حضرت محمد ﷺ کے پاس جائے گا تو وہ اسے واپس کریں گے اور حضرت محمد ﷺ کا کوئی ساتھی اگر قریش مکہ کے پاس آئے گا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

⊙...... قبائل عرب میں سے جو قبیلہ حضرت محمد ﷺ یا قریش مکہ کے عہد میں داخل ہونا چاہے تو اسے مکمل اختیار ہوگا، اس شرط کے مطابق بنوخزاعہ نے حضور سراپا نور ﷺ کے عہد میں اور بنوبکر نے قریش مکہ کے عہد میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔

⊙...... اس سال حضرت محمد ﷺ واپس چلے جائیں، آپ کو دخول مکہ کی اجازت نہیں، آئندہ سال ہم آپ کے راستے سے ہٹ جائیں گے، پھر آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں اور تین دن ٹھہر سکتے ہیں، آپ کے ساتھ صرف ایک مسافر کا ہتھیار ہو سکتا ہے یعنی صرف میان میں تلوار رکھنے کی اجازت ہوگی، ﴿سیرت ابن اسحاق، مختصر سیرۃ الرسول﴾

رسول اللہ ﷺ کی استقامت:

ایک روایت میں ہے کہ معاہدے کی دوسری شرط پر مسلمانوں میں ناراضگی پیدا ہو گئی، انہوں نے کہا سبحان اللہ، جو آدمی اہل اسلام میں آ گیا اسے مشرکوں کے حوالے کیسے کیا

جا سکتا ہے، ابھی وہ اس پر بحث کر رہے تھے کہ قریش مکہ کے نمائندے سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے نکل کر مسلمانوں میں آ گرے، وہ بیڑیوں کی وجہ سے بمشکل چل کر آئے تھے، سہیل بن عمرو نے انہیں دیکھ کر کہا، اے محمد مصطفےٰ! پہلے اسکو واپس کیجئے، بعد میں معاہدہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی تو ہمارے درمیان معاہدہ پورا نہیں ہوا، اس پر عمل تو اسکی تکمیل کے بعد ہوگا، اس نے کہا، اگر یہ بات ہے تو میں آپ سے کوئی معاہدہ نہیں کرتا، آپ نے فرمایا: اسکو میری خاطر اجازت دے دو، اس نے کہا، میں ہرگز اجازت نہیں دوں گا، آپ نے پھر فرمایا: ایسا نہ کرو اسکو اجازت دے دو، اس نے کہا، میں یہ کام نہیں کروں گا، اس کے پاس بیٹھے ہوئے مکرز بن حفص نے کہا، چلو ہم آپکی خاطر اسکو اجازت دیتے ہیں، مگر سہیل بن عمرو کی ہٹ دھرمی قائم رہی اور آخر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا گیا، حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے کہا، مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، کیا مجھے مشرکوں کے سپرد کیا جائے گا، تم دیکھتے نہیں، مجھے کس قدر تکلیف پہنچائی گئی ہے، ﴿صحیح بخاری شریف﴾ اور روایتوں میں ہے کہ سہیل بن عمرو نے کیکر کے درخت سے ایک شاخ اتاری اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے منہ پر زور سے ماری جس سے مسلمانوں پر رقت طاری ہوگئی، حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ چیخ پڑے اور پکار کر کہنے لگے، کیا مجھے مشرکوں کی طرف بھیجا جائے گا جو مجھے دین حق سے برگشتہ کرنے کے لیے عذاب شدید میں مبتلا کریں گے، ان کی اس پکار اور فریاد سے مسلمانوں کے غم میں مزید اضافہ ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو جندل! صبر کرو اور ثواب کی نیت کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے کوئی راہ نجات نکالے گا اور تمہاری مشکل آسان فرمائے گا، ہم نے قریش مکہ سے اور انہوں نے ہم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر معاہدہ کیا ہے اور ہم ان سے وعدہ خلافی نہیں کرنا چاہتے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے پہلو میں چلتے ہوئے کہنے لگے، صبر سے کام لو، یہ مشرک ہیں اور ان کا خون کتے کے خون کی طرح ہے، اور تلوار کا قبضہ ان کی طرف بڑھانے لگے، بعد میں وہ فرمایا کرتے تھے اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ کی گردن اڑا دیں مگر انہوں نے اپنے باپ کے قتل میں بخل سے کام لیا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾ ایک روایت میں ہے کہ معاہدے کی دوسری شرط کے بارے

میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ، کیا آپ کو یہ شرط پسند ہے؟ آپ مسکرا پڑے اور فرمایا: ہاں ان سے جو شخص ہمارے پاس آئے اور ہم اسے واپس کر دیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نکالے گا اور مصیبت سے رہائی دے گا اور جو شخص ہمارا دین چھوڑ کر ان کے ساتھ جا ملے گا تو اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں، وہی اس کے زیادہ حقدار ہیں، ﴿ایضاً﴾ اس معاہدے پر مندرجہ ذیل افراد کی گواہی تحریر کرائی گئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ...... حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ...... حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ...... عبداللہ بن سہیل...... محمود بن مسلمہ...... مکرز بن حفص۔

حدیبیہ کے دوران رسول اللہ ﷺ کا مستقر حِل میں تھا مگر نماز حرم میں پڑھتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مکالمہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا، کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! پھر میں نے عرض کی، ہم اپنے دین کے بارے میں یہ ذلت آمیز شرط کیوں مانتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہ ضرور میری مدد فرمائے گا، میں نے کہا، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ کام اس سال ہوگا؟ میں نے کہا، نہیں! آپ نے فرمایا: صبر سے کام لو تم اس میں آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا، ابو بکر! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں! میں نے کہا، کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ انہوں نے جواباً کہا، کیوں نہیں! پھر میں نے کہا، ہم اپنے دین کے بارے میں یہ ذلت آمیز شرط کیوں مانتے ہیں؟ انہوں نے کہا، وہ اللہ کے نبی ہیں اور اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ ان کی ضرور مدد کرے گا، آپ کی رکاب مضبوطی سے تھامے رکھو، واللہ

آپ حق پر ہیں، میں نے کہا، کیا آپ ﷺ ہمیں بتاتے نہیں تھے کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور اسکا طواف کریں گے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، کیوں نہیں! لیکن کیا آپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم اس سال بیت اللہ میں آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے؟ میں نے کہا، یہ تو نہیں بتایا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا، ﴿صحیح بخاری شریف﴾

جوانان قریش کی سازش:

جب قریش مکہ کے پر جوش اور جنگ باز نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے سر برآوردہ حضرات صلح کے جویا ہیں تو انہوں نے صلح میں ایک رخنہ اندازی کا پروگرام بنایا اور یہ طے کیا کہ رات کو یہاں سے نکل کر چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس جائیں اور ایسا ہنگامہ برپا کر دیں کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھے، چنانچہ رات کی تاریکی میں ستر یا اسی نوجوانوں نے جبل تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں گھسنے کی کوشش کی، لیکن اسلامی پہرے داروں کے کمان دار حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، پھر نبی اکرم ﷺ نے صلح کی خاطر ان سب کو معاف فرما کر آزاد کر دیا، اسی واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

⊙...... وهو الذی کف ایدهم عنکم و ایدیکم عنهم ببطن مکة من بعد ان اظفرکم علیهم ○ اور وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا، ﴿سورۃ الفتح﴾

قربانی اور بالوں کی کٹائی:

جب رسول اللہ ﷺ دفعات صلح لکھوا کر فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: اٹھو اور اپنے جانور قربان کر دو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرط غم کی وجہ سے نہ اٹھے، حتیٰ کہ آپ نے یہ حکم تین مرتبہ دہرایا، جب پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور لوگوں کے رویے کے بارے میں بات کی، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر آپ کی یہی منشا ہے تو

آپ تشریف لے جایئے اور کسی سے کوئی بات کیے بغیر اپنا جانور ذبح کیجئے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجئے، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور یہی عمل کیا، جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی اٹھے اور اپنے جانور ذبح کرنے لگے اور باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے، فرطِ غم کی وجہ سے ان کی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ شاید ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے، اس موقع پر گائے اور اونٹ سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے، رسول اللہ ﷺ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابوجہل کے پاس تھا، اس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین مکہ جل بھن کر رہ جائیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے بیس اونٹ مکہ مکرمہ بھی بھیجے تا کہ مروہ کے پاس انہیں آپ کی طرف سے ذبح کیا جائے، روایت میں آتا ہے کہ جب آپ نے سر مبارک کا حلق کروایا تو اپنی مبارک زلفیں پاس ہی ایک درخت پر ڈال دیں، اب لوگ آتے اور یہ موئے مبارک لے جاتے، جس کے پاس زیادہ ہوتے، وہ دوسروں میں تقسیم کر دیتا، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی کافی موئے مبارک حاصل کر لیے، پھر انکا یہ معمول بن گیا کہ وہ ان مبارک گیسوؤں کے ساتھ لگا ہوا پانی بیماروں کو پلاتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو شفایاب کر دیتا، ﴿سبل الہدیٰ: ۹۳/۵﴾ رسول اللہ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار اور بال کٹانے والوں کے لیے ایک بار مغفرت کی دعا فرمائی، اسی سفر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص اذیت کے سبب اپنا سر حالت احرام میں منڈا لے تو وہ روزے یا صدقے یا ذبیحے کی شکل میں فدیہ دے، ﴿الرحیق المختوم: ۴۶۸﴾

مومن عورتوں کی حاضری:

کچھ ایماندار عورتیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور کفار نے انکی واپسی کا مطالبہ کیا، لیکن آپ نے انکا مطالبہ اس دلیل کی بنا پر مسترد کر دیا کہ عورتیں اس معاہدے میں سرے سے داخل ہی نہیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے بھی اس سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی:

⊙...... یاایھا الذین امنوا .... الکوافر

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے، پس اگر تم انہیں ایماندار جانو تو

انہیں کفار کی طرف نہ پلٹاؤ، نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ہیں، البتہ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر انکو دیئے تھے، واپس دے دو اور پھر تم پر کوئی حرج نہیں کہ ان سے نکاح کر لو جبکہ انہیں ان کے مہر ادا کر دو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔﴿سورۃ الممتحنہ:۱۰﴾

اس حکم قرآنی کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی، بعد میں ایک سے معاویہ نے اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے شادی کر لی۔

صلح کے بارے میں وضاحت:

صلح حدیبیہ تمام اہل اسلام کے لیے بہت نازک مرحلہ تھا، اس صلح کی دفعات و شرائط پر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا، مثلاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مکالمہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اسمِ رسول اللہ ﷺ کو نہ مٹانا، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کا اس پر تقویت فراہم کرنا نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قربانی اور حلق کا حکم سن کر خاموش بیٹھے رہنا بارگاہ رسالت کی نافرمانی اور گستاخی کا باعث نہیں تھا بلکہ ذات مصطفٰے کے ساتھ قلبی وابستگی کا ثبوت تھا، حضور سراپا نور ﷺ نے ان کے اس عمل پر خفگی کا اظہار نہیں فرمایا کیونکہ وہ اپنے غلامان بارگاہ کے جذبات کو بخوبی جانتے تھے، اس دوران حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار مزاج رسالت کے انتہائی زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، اسلام میں کوئی فتح، فتح حدیبیہ سے بڑھ کر نہیں ہے، لوگوں کی عقلیں اس راز کو سمجھنے سے قاصر رہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے درمیان موجود تھا، بندے جلد بازی سے کام لیتے ہیں جبکہ اللہ جلد بازی نہیں فرماتا، یہاں تک کہ سارے کام اپنے انجام کو پہنچ جائیں، میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو کو دیکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قربانی کے جانور ذبح کر رہے تھے وہ ان جانوروں کو پکڑ کر آپ کے قریب کر رہا تھا، جب آپ ﷺ نے حلق کروایا تو وہی سہیل بن عمرو آپ ﷺ کے موئے مبارک چن چن کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہا تھا، اس وقت مجھے اسکا وہ انکار بھی یاد آیا جو اس نے حدیبیہ کے دن کیا تھا، یعنی بسم اللہ شریف اور محمد رسول اللہ لکھنے سے انکار کیا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جس نے اس جیسے آدمی کو بھی قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کی

رحمتیں اور برکتیں حضور نبی رحمت ﷺ پر نازل ہوں جن کے طفیل اس نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی اور ہمیں ہلاکت سے بچالیا۔ ﴿امتاع الاسماع: ۱/۲۲۷﴾

مراجعت مدینہ منورہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ معاملات حدیبیہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر ابرار ہم رکاب نبوت تھا، جب مرالظہر ان سے گزر کر عسفان پہنچے تو خوراک کا سامان ختم ہو گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا سواری کے کچھ جانور ذبح کر لیں، ان کا گوشت کھالیں گے، چربی سے بالوں کو تر کر لیں گے اور چمڑے سے جوتے بنالیں گے، آپ نے اجازت عطا فرما دی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! ابھی سفر بہت لمبا ہے، اگر اسی طرح سواری کے جانور ذبح کرتے رہے تو مدینہ منورہ کیسے پہنچیں گے، راستے میں کوئی دشمن آ گیا تو اس سے کیسے نمٹیں گے، لہذا آپ حکم دیں کہ سب اپنی کھانے کی چیزیں ایک چادر پر اکٹھی کر دیں اور آپ برکت کی دعا فرمائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کی دعا سے ہمیں منزل مقصود تک پہنچا دے گا، چنانچہ ایک دستر خوان بچھایا گیا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانے کی چیزیں لاتے رہے، سامان اکٹھا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور برکت کی دعا فرمائی، پھر ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیر ہو کر کھایا اور اپنے تھیلوں کو خوب بھرا، مگر سامان تھا کہ جوں کا توں ہی نظر آ رہا تھا، حضور اکرم ﷺ یہ منظر دیکھ کر ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا:

> میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا برگزیدہ پیغمبر ہوں، جو شخص ان دو حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کو ضرور آگ کے عذاب سے بچالیا جائے گا۔ ﴿سبل الھدیٰ: ۵/۹۵﴾

بعد ازاں مکہ مکرمہ سے پچیس میل کے فاصلے پر مقام ضحنان یا بروایت دیگر مقام کراع غمیم پر اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے سورۃ الفتح نازل فرمائی:

⊙ ...... انا فتحنا لک فتحا مبینا ○ ....

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ

بخشے تمہارے اگلوں کے اور پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تم کو صراط مستقیم پر چلائے، ﴿سورۃ الفتح:۱﴾

اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کے دست مبارک کو اپنا دست رحمت قرار دیا ہے اور آپکی بیعت کو اپنی بیعت فرمایا ہے اور آپ کے ہاتھ پر عہد کرنے والوں کو اجر عظیم کی بشارت سنائی ہے، اس سورۂ مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکینت قلبی سے سرفراز فرمایا اور انہیں آنے والی فتوحات کی خوشخبری سنائی، آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان وعظمت میں فرمایا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں، تو ان کو دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل ورضا چاہتے، ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت تورات میں بھی ہے اور ان کی صفت انجیل میں بھی ہے، جیسے ایک کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر اسے دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی جو کسانوں کو بھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان والے اور اچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بہت بڑے ثواب کا، ﴿سورۃ الفتح:۲۹﴾ اس سورۂ مبارکہ کے نزول پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غمزدہ دلوں کو سکون آ گیا اور وہ محبت وعقیدت کے جذبوں سے سرشار ہو کر مبارکباد پیش کرنے لگے، حضور سراپا نور ﷺ کا ارشاد ہے:

چاشت کے وقت مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے، آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپکو بہت زیادہ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپکو تو بتا دیا کہ آپکے ساتھ کیا سلوک ہوگا، آپ یہ بھی بتائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا، ان کی اس التجا پر یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

⊙...... لیدخل المومنین .... فوزا عظیماo

تا کہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو جنتوں میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، وہ ہمیشہ ان میں قیام کریں گے اور وہ دور فرما دے گا ان سے انکی برائیوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی بڑی کامیابی ہے، ﴿سورۃ الفتح:۵﴾

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات کسی سفر میں جا رہے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا مگر آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا، پھر سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر کوئی جواب نہ دیا، انہوں نے اپنے آپ سے کہا، اے عمر! تیری ماں تجھے گم پائے، تو نے تین مرتبہ سوال کر کے رسول اللہ ﷺ کو تنگ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اونٹ کو تیز دوڑایا اور سب مسلمانوں سے آگے نکل گیا، مجھے خطرہ تھا کہ میرے بارے میں قرآن اتر آئے گا، پھر تھوڑی دیر بعد کسی نے میرا نام اونچی آواز سے پکارا، میں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات مجھ پر وہ سورت اتری ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے، جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، پھر آپ نے پڑھا، انا فتحنا لک فتحا مبینا o .... ﴿صحیح بخاری شریف﴾ حضرت مجمع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، جب واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ نے کراع غمیم میں لوگوں کو جمع کیا ہے اور مذکورہ آیت سنا رہے ہیں، کسی آدمی نے کہا، یا رسول اللہ! کیا فتح ہے؟ آپ نے جواب دیا، ہاں، اس ذات اقدس کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ فتح ہے، اس حدیث کو امام احمد اور امام ابو داود نے نقل کیا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۸۵﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''فتحاً مبینا'' سے مراد صلح حدیبیہ ہے، ﴿صحیح بخاری شریف﴾ جبکہ مفسرین کی ایک جماعت اس سے فتح مکہ مراد لیتی ہے اور بعض لوگ فتح خیبر مراد لیتے ہیں اگرچہ یہ فتوحات اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں اور ان کا وقوع نہ ہوا تھا، مگر اس کا تحقق صیغہ ماضی کے ساتھ فرمایا، جیسا کہ اہل عرب کی عادت اور قرآن مجید کی روش ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۷۱﴾

صلح حدیبیہ کے ثمرات:

امام زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے بڑھ کر اسلام میں کوئی فتح نہیں ہوئی کیونکہ جنگ موقوف ہو گئی تھی اور لوگ گفتگو اور مباحثہ میں مشغول ہو گئے تھے، پس جس میں کچھ بھی عقل کا حصہ تھا وہ اسلام قبول کر لیتا تھا، ان کے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ کے موقعہ پر حضور سراپا نور ﷺ کے ہمراہ چودہ سو ﴿یا پندرہ سو﴾ آدمی تھے، جیسا کہ حضرت

جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور اس کے دو ہی برس کے بعد جب آپ فتح مکہ کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار آدمی تھے، جو شخص بھی اس عظیم صلح کی دفعات پر غور کرے گا تو اسے ضرور معلوم ہو گا کہ اسلام امن اور آشتی کا دین ہے اور اس کے قیام کے لیے وہ ہر ممکن حد تک کوشش کرتا ہے، اس صلح سے پہلے قریش مکہ نے مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور وہ ہر لحہ انہیں نیست و نابود کرنے کے لیے سرگرم عمل تھے، انہیں اس بات کا انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی، اس پس منظر میں دیکھئے کہ صلح کی جانب ان کا یہ اقدام دراصل مسلمانوں کی قوت کا اعتراف تھا اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش مکہ اس قوت کو ختم کرنے کی قوت نہیں رکھتے، اہل اسلام کو بھی اس فتح مبین کے ثمرات اور برکات سے نوازا گیا تو وہ بھی مزید یقین محکم سے مالا مال ہو گئے، بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی تقصیر اجتہادی کا احساس ہوا، وہ سخت نادم ہوئے، ان کا بیان ہے کہ میں نے اس وقت جو غلطی کی تھی اور بات کہہ دی تھی اس سے ڈر کر میں نے بہت سے اعمال کیے، برابر صدقہ و خیرات کرتا رہا، روزے رکھتا رہا اور نماز پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا یہاں تک اب مجھے خیر کی امید ہے، ﴿فتح الباری: ۷/۴۳۹، زاد المعاد: ۲/۱۲۷﴾

حضرت ابو بصیر کا واقعہ:

واقعات حدیبیہ کے عجائب میں سے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی مشہور ہے جو عتبہ بن اسد ثقفی کے بیٹے تھے اور بنو زہرہ کے حلیف تھے، رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے فرار ہو کر سات دن پیدل مسافت طے کر کے بارگاہ رسالت میں پہنچے کیونکہ انہیں کافروں نے مکہ مکرمہ میں مشق ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا اور اب انہوں نے آزادی اختیار کر لی تھی، قریش مکہ نے ان کے مطالبے کے لیے دو آدمی مدینہ منورہ بھیجے، انہوں نے آپ ﷺ کو قریش مکہ کا خط پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ صلح حدیبیہ کے مطابق ابو بصیر کو لوٹا دیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کا خط پڑھ کر سنایا تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کر دیا، حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ مجھے مشرکوں کی طرف کیوں بھیجتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس قوم نے ہمارے ساتھ عہد باندھا ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم بے وفائی نہیں کرتے، تم جاؤ اللہ

تمہارے کام میں کشادگی فرمائے گا اور آزادی کا راستہ پیدا کر دے گا، بعد ازاں وہ دونوں مشرک ان کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے، جب انہوں نے ذوالحلیفہ پر پڑاؤ کیا تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ وہاں کی مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر انہوں نے کھانا اپنے سامنے رکھا اور ان دونوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا تا کہ بیٹھ کر کھانا کھائیں اور ایک دوسرے سے انسیت پیدا ہو جائے، حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کا نام و نسب پوچھا اور کہا کہ تیری تلوار تو بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے، اس نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو، میں نے اس کو بارہا آزمایا ہے، انہوں نے کہا، مجھے دینا تا کہ میں بھی دیکھوں، اس نے بے پرواہی سے تلوار ان کے ہاتھ میں دے دی، انہوں نے تلوار لیتے ہی اس کو ایک ضرب سے جہنم رسید کر دیا، اس کا ساتھی یہ منظر دیکھ کر مسجد سے نکلا اور بارگاہ نبوت کی جانب بھاگا اور آ کر حضور سرور کائنات ﷺ سے بیان کیا کہ انہوں نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے اور میں خطرے میں ہوں، اتنے میں حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگے، یارسول اللہ! آپ نے تو مجھے ان کے سپرد کر کے اپنے عہد کا ایفا فرما دیا، اب مجھے حق تعالیٰ نے ان سے آزادی بخشی اور اُن کے شر سے محفوظ رکھا ہے، حضور سراپا نور ﷺ نے فرمایا: افسوس! یہ ابو بصیر جنگ کی آگ کو بھڑکانے والا اور تیز کرنے والا ہے، اگر کوئی اس کی امداد و اعانت کرے، آپ کا کلام اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ابو بصیر کو چاہیے کہ وہ بھاگ جائے اور جو کوئی مسلمان مکہ مکرمہ میں محبوس ہے ان کے ساتھ مل جائے، شارحین کے نزدیک اس کا یہی مطلب ہے، اس عبارت کا مطلب ابو بصیر کی مذمت نہیں بلکہ تعجب ہے کہ یہ شخص عجیب مرد فرزانہ ہے، اگر کوئی اس کی اعانت کرے تو یہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے اگرچہ سیاق کلام اور اقتضائے مقام سرزنش کے غماز ہیں، یہ شخص جنگ کی آگ کو بھڑکائے گا اور کوئی ہے جو اسے سمجھائے کہ یہاں سے چلا جائے کیونکہ اس کی ہمارے پاس موجودگی جنگ کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کہ کوئی ہے جو اسے پکڑ کر دوبارہ قریش مکہ کے سپرد کر دے، اس میں فرار کی بھی تلقین و تعلیم ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۷۳﴾ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو فوراً مسجد نبوی سے نکل کر بھاگ گئے، یہاں تک کہ ساحل سمندر پر پہنچ کر منزل عیس میں ٹھہر گئے، یہ منزل قریش مکہ کے قافلوں کی

تجارتی گزرگاہ تھی، بعدازاں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی کسی طرح آزاد ہوکران کے پاس پہنچ گئے، پھر رفتہ رفتہ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان ہوتا وہ ان کے پاس پہنچ جاتا، اس طرح اچھی خاصی جماعت بن گئی، جس میں تقریباً تین سو افراد شامل ہو گئے تھے، قریش مکہ کا جو قافلہ بھی شام کی طرف جاتا، یہ حضرات اس کو سرراہ پکڑ لیتے اوران کے اموال واسباب پر قبضہ کر لیتے، یہ سلسلہ بڑھتا جارہا تھا کہ قریش مکہ اس صورتحال سے تنگ آ گئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگے، انہوں نے ابوسفیان بن حرب کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا اور خدا تعالیٰ کا واسطہ دیا، اس جماعت کو اپنے پاس بلالیں ہم اس شرط کو ختم کرتے ہیں، اب جو کوئی آپ کے پاس آئے گا امان میں رہے گا ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، اس پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اوران کے سرفروش ساتھیوں کو اپنے پاس بلانے کے لیے خط لکھا، روایت میں آتا ہے کہ جب قاصد آپ کا مکتوب گرامی لے کر ان کے پاس پہنچا تو وہ عالم نزع میں تھے، انہوں نے آپکا مکتوب گرامی ہاتھ میں لیا، سر اور آنکھوں پر رکھا اور جان بحق تسلیم ہو گئے، حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے انکو غسل دے کر تجہیز و تکفین کا فریضہ سرانجام دیا، ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنائی اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئے۔ ﴿ملخصا مدارج النبوۃ:۲/۳۷۴﴾

کچھ شرعی احکامات:

سال ششم میں کچھ شرعی احکامات کا نزول بھی ہوا مثلاً بعض مفسرین کے نزدیک حکم ظہار اس سال میں وارد ہوا، ایک مرتبہ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوکر کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا، اس لیے وہ بہت نادم ہوئے، پھر معاملہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس تک پہنچا، آپ نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تو اپنے شوہر پر حرام ہو گئی ہے، انہوں نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور کہا کہ میں اپنے دکھ کی شکایت بارگاہ الوہیت میں کرتی ہوں، اس پر سورۃ المجادلہ کی آیات نازل ہوئیں:

⊙...... قد سمع الله قول التی..................سمیع بصیر O

بے شک اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو آپ سے اصرار کرتی ہے

اپنے شوہر کے متعلق فریاد کرتی ہے اللہ سے اور اللہ سن رہا ہے تم دونوں کی بات، بے شک اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے، ﴿سورۃ المجادلہ:۱﴾

پھر سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ظہار کا کفارہ بیان کیا، انہوں نے کفارے کی تینوں شرطوں سے معذوری کا اظہار کیا اور مدد کی درخواست کی، آپ نے انہیں پندرہ صاع غلہ دیا اور اتنا خود ان کے پاس تھا، اس طرح ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا بندوبست ہو گیا، ﴿تاریخ الخمیس:۲/۲۵﴾ ایک روایت میں ہے کہ کھجوروں کا بندوبست صرف نبی کریم ﷺ نے کیا اور فرمایا: جا کر فقرا میں تقسیم کردو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں اپنے سے زیادہ فقیر کسی کو نہیں جانتا، حکم ہو تو اپنے اہل وعیال میں تقسیم کردوں، فرمایا: جاؤ ایسا ہی کرلو، احناف کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے حضور اکرم ﷺ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ اب تو تم اسے کھالو آئندہ اسکا کفارہ دے دینا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۹۸﴾ یا پھر یہاں پر حضور اکرم ﷺ کے خصوصی تشریعی اختیار کا ظہور ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں حق تعالیٰ کے کمال سماعت سے حیران ہوگئی کیونکہ خولہ نے اپنا واقعہ حضور اکرم ﷺ سے بر سبیل خفیہ عرض کیا تھا، چنانچہ کسی نے اس کو نہ سنا، اتنی آہستہ بات کہی کہ میں باوجود کہ گھر میں تھی، اسکا کچھ بھی حصہ نہ سن سکی اور حضرت حق تعالیٰ نے اسے سن لیا اور فی الفور آیت بھیج دی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات باعتبار عرف فرمائی ورنہ حق تعالیٰ کے علم وسمع میں بلند آواز اور پست آواز دونوں یکساں ہیں، کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی قدر ومنزلت بارگاہ رب العزت میں قرب خاص حاصل ہوجانے کی وجہ سے بڑھ گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب انکو دیکھتے تو انکا اعزاز واکرام فرماتے اور کہتے، قد سمع اللہ بھا، ایک مرتبہ وہ اشراف قریش کے ساتھ جارہے تھے کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کوئی حاجت بیان کی، وہ ان کے پاس کھڑے رہے، لوگوں نے تعجب کیا کہ اس بوڑھی عورت کی خاطر اتنے اشراف کو کھڑا رکھنے کا کیا معنیٰ ہے، انہوں نے فرمایا، یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت حق تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر سے سنتا ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۹۷﴾

حرمت شراب کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں، امام قسطلانی کے مطابق

حرمت شراب کا سال چھ ہجری ہے جبکہ ابن اسحاق کے نزدیک چار ہجری ہے، حرمت شراب کا حکم تدریجاً نازل ہوا، جب سورۃ المائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کے عمل سے، سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ، ﴿سورۃ المائدہ: ۹۰﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ حکم سن کر عرض کیا، اے ہمارے پروردگار! ہم باز آ گئے، تمام اہل اسلام نے یہ حکم بھی پورے دل و جان سے تسلیم کیا اور اپنے مینا و جام توڑ دیئے، اس دن مدینہ طیبہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں اہل اسلام کا یہ کارنامہ اپنی مثال آپ ہے کہ انہوں نے اپنی پرانی عادت بھی اس اطاعت پر قربان کر دی

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

......⊙......

باب ہشتم

سال ہفتم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بادشاہانِ عالم کے نام مکتوبات:

سن چھ ہجری کے آخر میں جب حضور سراپا نور ﷺ غزوہ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو جزیرہ نمائے عرب میں امن وامان کی فضا قائم ہو چکی تھی، آپ نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور بادشاہان عالم کو دعوت اسلام دینے کے لیے مکتوبات ارسال فرمائے، جب آپ ﷺ نے اس کام کا ارادہ کیا تو آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں مکتوبات قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہوگی، چنانچہ آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ رقم تھا، ﴿صحیح بخاری:۲/۸۷۳﴾ پھر آپ ﷺ نے تجربہ کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بطور قاصد منتخب فرمایا، آپ ﷺ نے یہ قاصد اپنی خیبر روانگی سے چند دن پہلے یکم محرم سات ہجری کو روانہ فرمائے، ﴿رحمۃ اللعالمین:۱/۱۷۱﴾ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ ترسیل مکتوبات کا عمل ہجرت کے ساتویں سال ماہ محرم سے تعلق رکھتا ہے، ظاہر ہے چونکہ یہ چھٹے سال کے آخر اور ساتویں سال کے شروع میں تھا یا یہ کہ چھٹے سال میں ارادہ فرمایا اور ساتویں سال میں اس پر عمل ہوا، یا یہ کہ کچھ کو چھٹے سال میں بھیجا اور کچھ کو ساتویں سال میں، اس بنا پر ان کو اشتباہ لاحق ہو گیا، ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہر قاصد جو جس بادشاہ کی طرف بھیجا گیا حق تعالیٰ نے اسے بادشاہ کی زبان الہام فرما دی، یہ حضور اکرم ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تھا۔

نجاشی کے نام مکتوب:

نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر تھا، حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب گرامی عطا فرما کر روانہ کیا، نجاشی نے آپ کا مکتوب گرامی بڑے ادب واحترام سے وصول کیا، اپنی آنکھوں پر رکھا اور نہایت تواضع کے ساتھ تخت شاہی سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اس کو پڑھا، مکتوب گرامی کا متن درجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مکتوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بادشاہ حبشہ نجاشی کی

طرف ہے، میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی حقیقی بادشاہ ہے، ہر عیب سے مبرا ہے، سلامتی دینے والا، امان فراہم کرنے والا، نگہبان ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام روح اللہ ہیں اور کلمۃ اللہ ہیں جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کو القا فرمایا، وہ مریم علیہا السلام جو اللہ سے لو لگانے والی پاکدامن، پاکیزہ اور خوشبودار ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بنی، اللہ نے پیدا کیا انہیں اپنی روح سے اور پھونکا اس کو حضرت مریم علیہا السلام میں، جسطرح حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، اے نجاشی! میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاؤ اور ہمیشہ اسکی اطاعت کرو، پس اگر تم میری پیروی کرو گے اور میری لائی ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ گے تو جان لو کہ میں واقعی اللہ کا رسول ہوں، میں تمہیں اور تمہارے سارے گروہ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، میں نے تمہیں حق کا پیغام پہنچا دیا اور فرض نصیحت ادا کر دیا، پس اب تم میری نصیحت قبول کرو، میں نے تمہاری طرف اپنے چچازاد بھائی جعفر اور اس کے چند ساتھی مسلمانوں کو بھیجا ہے، پس اس شخص پر سلامتی جو ہدایت کی پیروی کرے، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۳۰﴾

اس مکتوب گرامی کی عبارت کتب تاریخ میں معمولی سے اختلاف کے ساتھ موجود ہے، ممتاز محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کے اصل ہونے کی تصدیق کی ہے، یہی مکتوب ایک لفظ کے اختلاف کے ساتھ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں بھی مرقوم ہے، یہ مکتوب گرامی پڑھ کر نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا اور کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ ہی وہ نبی اُمی ہیں جنکا اہل کتاب کو انتظار ہے اور آپ ہی وہ مبارک ہستی ہیں جنکی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشارت سنائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شہادت دی ہے، اگر میرے بس میں ہوتا تو میں خود حاضر خدمت ہو جاتا، بعد ازاں اس نے بارگاہ نبوت میں ایک خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط نجاشی کی طرف سے ہے، یارسول اللہ! آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمت اور برکات نازل ہوں، وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس نے مجھے قبول اسلام کی ہدایت دی، آپکا مکتوب گرامی موصول ہوا، آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو فرمایا، رب ارض وسما کی قسم، وہ اس سے ذرہ برابر بھی کم وبیش نہیں، آپکے چچازاد بھائی اور دوسرے مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں، میں نے آپ کی بیعت کی اور آپکے چچازاد کے ہاتھ پر ایمان لایا، میں اپنے بیٹے ارھا کو آپ کی خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں، اگر حکم ہو تو خود بھی حاضری کے لیے تیار ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا ہر ارشاد برحق ہے، یارسول اللہ آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات نازل ہوں، ﴿ایضاً﴾

روایت ہے کہ نجاشی کے نام آپ ﷺ نے ایک اور خط بھی تحریر فرمایا، پھر یہ دونوں مکتوبات اس نے ہاتھی دانت کی ڈبیا میں بڑے احترام سے رکھے اور کہا کہ جب تک یہ دونوں مکتوبات موجود رہیں گے حبشہ میں ہر طرح سے خیریت رہے گی، ﴿طبقات ابن سعد: ۲۵۹/۱﴾

یاد رہے کہ مسلمان پانچ نبوی میں حبشہ گئے، مذکورہ گرامی نامہ سات ہجری کو پہنچا اور اس نے اسلام قبول کیا اور اس کی وفات رجب ۹ ہجری میں ہوئی جب حضور سراپا نور ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے، ﴿مواہب لدنیہ﴾ ایک روز نماز صبح کے بعد آپ ﷺ نے نجاشی کی وفات کی خبر عطا فرمائی اور حکم دیا کہ سب مسلمان عیدگاہ میں اس کی نماز جنازہ کے لیے حاضر ہوں، مسلمانوں کا گروہ کثیر جمع ہوگیا، آپ نے خود اسکی نماز جنازہ پڑھائی، روایت میں آتا ہے کہ نجاشی کا جنازہ حضور سرور کائنات ﷺ کے سامنے ظاہر کردیا گیا تھا، اس کے بعد دوسرا بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف بھی ایک مکتوب گرامی روانہ فرمایا لیکن اس کے قبول اسلام کی کوئی خبر نہیں۔

مقوقس کے نام مکتوب:

مقوقس مصر و اسکندریہ کے بادشاہ کا لقب تھا، اسکا اصل نام جریج بن متاع یا

بنیامین بتایا جاتا ہے،اس کے نام مکتوب گرامی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے پہنچایا،مکتوب گرامی کی عبارت یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کے نام،اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے،میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں،اسلام لے آؤ،سلامت رہو گے،اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے انحراف کیا تو اہل قبط کا گناہ بھی تم پر ہوگا،اے اہل کتاب!ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اسکا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض،بعض کو اللہ کی بجائے رب نہ بنائیں،پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو،گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں، ﴿زاد المعاد:۶۱/۳﴾

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ دربار مقوقس میں پہنچے تو آپ نے فرمایا،اے بادشاہ!اس زمین پر تم سے پہلے بھی ایک شخص گزرا ہے جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ سمجھتا تھا،اللہ نے اسے سب کے لیے نشان عبرت بنا دیا،پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا پھر خود اسکو ہدف انتقام بنایا لہذا تم دوسروں سے عبرت پکڑو،اس سے پہلے کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں،مقوقس نے کہا،ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتے جب تک کہ اس سے کوئی بہتر دین نہ مل جائے،آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا،ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے سب دینوں کے بدلے کافی بنا دیا ہے،اس نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو دعوت اسلام دی تو اس کے خلاف قریش مکہ نے بہت زیادہ سختی کی،یہودیوں نے بہت زیادہ دشمنی کی،عیسائی سب سے زیادہ قریب رہے،میری عمر کی قسم،جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت دی ہے،ہم تمہیں قرآن حکیم کی اسی طرح دعوت دیتے ہیں جس طرح تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو،جو نبی جس قوم کو پا جاتا ہے وہ قوم اس نبی کی امت ہو جاتی ہے اور اس امت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی پیروی کرے،تم نے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پا لیا

ہے اور پھر ہم تمہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے دین سے روکتے نہیں بلکہ اسی کا حکم دے رہے ہیں، مقوقس نے کہا، میں نے اس نبی کے معاملے پر غور کیا تو محسوس کیا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے نہیں روکتے، وہ جادو اور کاہن بھی نہیں بلکہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں، میں مزید غور کروں گا، پھر اس نے حضور سراپا نور ﷺ کا مکتوب گرامی احترام کے ساتھ ہاتھی دانت کی ایک ڈبیا میں رکھا اور اپنی مہر لگا کر ایک کنیز کے حوالے کر دیا، بعد ازاں ایک عربی نویس کاتب کو بلا کر مندرجہ ذیل خط لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی طرف مقوقس عظیم قبط کی طرف سے، آپ پر سلامتی ہو، میں نے آپ کا مکتوب گرامی پڑھا، آپ نے مجھے اپنا دین قبول کرنے کی دعوت دی، جسے میں سمجھا، مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے، میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا، میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا، بہر حال میں آپ کی خدمت میں دو کنیزیں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں بڑا مقام حاصل ہے اور کپڑے بھی ارسال کر رہا ہوں اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں، آپ پر سلامتی ہو۔

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور نہ اس نے اسلام قبول کیا، ان دو کنیزوں کے نام حضرت ماریہ اور حضرت سرین تھا، حضرت ماریہ کو آپ ﷺ نے اپنے کاشانہ نبوت میں رکھا اور ان کے شکم اطہر سے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جبکہ حضرت سرین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا، ان کے بطن اطہر سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن حسان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، خچر کا نام دُلدُل تھا، اسکا رنگ سفید تھا، ایک روایت میں ہے کہ مقوقس نے چار ترکی باندیاں تحفے میں بھیجی تھیں، ایک خچر اور ایک دراز گوش بھیجا تھا جسے عفیر یا یعفور کہتے ہیں، ایک نیزہ، بیس قد کا لباس اور ہزار مثقال سونا بھی ارسال کیا تھا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو سو مثقال سونا اور پانچ کپڑے بھی انعام میں دیئے، آپ ﷺ دراز گوش پر کبھی کبھی سواری فرماتے تھے یہاں تک حجۃ الوداع میں وہ مر

گیا، دُلدل کو آپ ﷺ نے اپنی سواری کے لیے خاص فرمایا اور بعد ازاں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرما دیا، یہ دلدل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک باقی رہا، ﴿زاد المعاد:۳/۶۱﴾ بعض روایات میں ہے کہ تحائف میں بنہان کا شہد بھی موجود تھا جسے آپ ﷺ نے پسند فرمایا اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی، ﴿ملخصاً مدارج النبوۃ:۲/۳۸۹﴾ یہ بھی آتا ہے کہ مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ ادب و احترام کیا، اس کے دربار میں کئی لوگ ایک ماہ سے ٹھہرے ہوئے تھے لیکن انہیں ملاقات کا موقع نہیں مل رہا تھا، اس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو فوراً ملاقات کا موقع فراہم کر دیا، یہ عزت افزائی کی دلیل ہے، امام واقدی نے ایک روایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلایا اور حضور سراپا نور ﷺ کے متعلق کچھ سوالات کیے، پھر اس نے کہا کہ ہمیں ایک نبی کا انتظار تھا، پھر اس نے کہا کہ میں اسلام قبول کر لیتا مگر مجھے اپنے تخت سے دست بردار ہونا پڑے گا جو مجھے ہرگز پسند نہیں، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر یہ بات بارگاہ رسالت ﷺ میں بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ضن الخبیث بملکه ولا بقاء لملکه، یعنی اس خبیث نے اپنے ملک کے متعلق کنجوسی کی ہے اب اسکا ملک باقی نہیں رہے گا، ﴿تاریخ الخمیس:۲/۳۹﴾ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا، اگر مجھے شاہ روم کا خوف نہ ہوتا تو میں دامن اسلام سے وابستہ ہو جاتا، ﴿انساب الاشراف﴾

حارث غسانی کے نام مکتوب:

حضور سراپا نور ﷺ نے حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب گرامی دے کر ریاست غسان کے بادشاہ حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس بھیجا، حضرت شجاع رضی اللہ عنہ اس کے دروازے پر دو روز تک بیٹھے رہے لیکن ملاقات نہ ہوئی، آخر انہوں نے ایک دربان کے ذریعے مدعا بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور مجھے ملاقات کا وقت دیا جائے، دربان نے بتایا کہ حارث غسانی فلاں دن باہر آئے گا، چنانچہ انہیں وہاں رکنا پڑ گیا، اس دوران دربان ان سے حضور سراپا نور ﷺ کے متعلق پوچھتا رہا اور وہ اس کو آپکے حالات و کمالات سناتے رہے، بسا اوقات اس کی آنکھوں میں آنسو بھی جاری ہو جاتے، اس نے کہا، میں نے انجیل میں جس نبی محترم کی نشانیاں پڑھی ہیں وہ ساری تو ان میں

موجود ہیں، میں ان پر ایمان لاتا ہوں، اگر مجھے حارث غسانی کا ڈر نہ ہو میں اس ایمان کا اظہار بھی کر دوں، پھر وہ دربان ان کی بہت عزت کرتا رہا، اس نے یہ بھی کہا کہ مجھے حارث غسانی کے مسلمان ہونے کی کوئی امید نہیں، ایک روز حارث غسانی باہر نکلا تو حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے مکتوب گرامی اسے پہنچایا، اس پر یہ تحریر نبوت درج تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام، اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، میں تمہیں اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، تمہارا ملک سلامت رہے گا۔ ﴿الوثائق السیاسیہ:۱۲۶﴾

اس مغرور اور سرکش حکمران نے غصے سے پاگل ہو کر مکتوب گرامی زمین پر پھینک دیا اور کہا، کون ہے جو مجھ سے میری حکومت چھیننا چاہتا ہے؟ میں خود اس پر یلغار کروں گا، گویا اس نے پیغام اسلام کو ٹھکرا دیا، بعدازاں اس نے ریاست مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے لشکر تیار کیا اور قیصر روم کو اس ارادے سے مطلع کیا، قیصر روم نے جواباً لکھا کہ اس ارادے کو اپنے دماغ سے نکال دو اور جلدی میرے پاس پہنچو، قیصر روم کے اس جواب سے اسکی ساری تندی و تیزی ختم ہو گئی، اس نے حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کو ایک سو مثقال سونا دے کر بھیج دیا۔

قیصرِ روم کے نام مکتوب:

حضور سرور کائنات ﷺ نے سلطنت روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی، اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو مکتوب گرامی دے کر بھیجا، حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ لاجواب حسن و جمال کے پیکر تھے، آپ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ پہلے بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر کے پاس جاؤ، وہ تمہارے ساتھ اپنا کوئی خاص آدمی قیصر روم کے دربار میں بھیجے گا، چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ حارث کے پاس چلے گئے، اس نے اپنا خاص آدمی عدی بن حاتم ان کے ساتھ روانہ کر دیا، قیصر روم ان دنوں بیت المقدس میں قیام پذیر تھا، بیت المقدس میں ایک رات اس نے ایک ستارا دیکھا جو اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ ختنہ کروانیوالی قوم میں ایک بادشاہ کا ظہور ہو گیا ہے، وہ علم نجوم کا ماہر تھا، وہ ستارہ

دیکھ کر اس کی طبیعت افسردہ ہوگئی اور اسے اپنی مملکت کے زوال کا اندیشہ لاحق ہوگیا، صبح اعیان مملکت نے افسردگی کی وجہ پوچھی تو اس نے صورتحال سے آگاہ کیا، ابھی اس قسم کی باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے آکر بتایا کہ ملک عرب سے ایک آدمی آیا ہے اور وہاں کے حالات سنا رہا ہے کہ وہاں ایک نبی محترم ﷺ کی بدولت بہت سے عجائب روزگار کا ظہور ہو رہا ہے، چنانچہ قیصر روم نے کہا، یہی وہ لوگ ہیں جن کے غلبے کے بارے میں اس ستارے نے خبر دی ہے، چند لمحوں کے بعد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ عدی بن حاتم کے ہمراہ قیصر روم کے دربار میں جلوہ گر ہوگئے اور حضور سراپا نور ﷺ کا مکتوب گرامی پیش کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد ﷺ کی طرف سے، جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرقل روم کے نام، اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت قبول کی، میں تمہیں قبول اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم نے اسلام قبول کیا تو سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے انحراف کیا تو تمہاری قوم کا گناہ بھی تمہارے اوپر ہوگا، اے اہل کتاب! آجاؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی کو اسکا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا پروردگار نہ بنائیں گے، اگر اس کے باوجود وہ روگردانی کریں تو تم یہ کہو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۳۳﴾

قیصر روم نے مکتوب نبوت کیا پڑھا جلال نبوت سے لرزہ براندام ہوگیا، حاضرین دربار بھی آہ وفریاد کرنے لگے، اس نے فوراً حکم دیا کہ ہمارے علاقے میں ملک عرب سے کچھ لوگ آئے ہوں تو انہیں دربار روم میں پیش کیا جائے تاکہ حقیقت حال دریافت کی جائے، صلح حدیبیہ کی وجہ سے راستے پر امن تھے، تجارتی قافلے پورے جوش وخروش سے رواں دواں تھے، اس دوران ابو سفیان بھی اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ وہاں آیا ہوا تھا، قیصر روم کے آدمیوں نے اسے قیصر روم کے دربار میں پیش کر دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خود ابو سفیان سے روایت کی ہے اور امام بخاری نے اسے تفصیل کے ساتھ

اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، ابوسفیان کا بیان ہے کہ جب ہم دربار قیصر میں حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ اس شخص کا قریبی رشتے دار کون ہے، میں نے کہا، اس کا سب سے قریبی رشتے دار میں ہوں، قیصر روم نے میرے ساتھیوں کو پیچھے اور مجھے آگے بیٹھنے کا حکم دیا، پھر ترجمان کے ذریعے سوالات پوچھے، اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جوابات میں کچھ نہ کچھ جھوٹ بول دیتا، قیصر روم نے پوچھا، اس شخص کا خاندان کیسا ہے، میں نے کہا، وہ عرب کے شریف ترین خاندان کا فرد ہے، اس نے پوچھا، کیا اس کے بزرگوں میں سے بھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے، میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا، کیا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے، میں نے کہا، نہیں، اس نے پوچھا، اس کے ماننے والے غریب ہیں یا دولت مند، میں نے کہا، غریب، اس نے پوچھا، اس کے ماننے والوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے یا نہیں، میں نے کہا، اضافہ ہو رہا ہے، اس نے پوچھا، کیا اسکا دین قبول کرنے والا کوئی شخص مرتد بھی ہوا ہے، میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا، کیا دعویٰ نبوت سے پہلے لوگ اس پر جھوٹ کا الزام بھی لگاتے تھے، میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا، کیا اس نے کبھی وعدہ خلافی کی ہے، میں نے کہا، بالکل نہیں، ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہوا ہے، اب دیکھئے وہ اس میں ایفائے عہد کرتا ہے یا نہیں، اس نے پوچھا، کیا تمہاری جنگ بھی ہوئی ہے، میں نے کہا، ہمارے درمیان کئی جنگیں ہوئی ہیں، اس نے پوچھا، ان جنگوں کا کیا نتیجہ نکلا، میں نے کہا، کبھی وہ جیتے اور کبھی ہم جیتے، اس نے پوچھا، اس کی دعوت کیا ہے، میں نے کہا، وہ ہمیں اللہ وحدہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے، اور کسی کو بھی اسکا شریک نہ ٹھہرانے کی تلقین کرتا ہے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، صدقہ کرنے، سچ بولنے، پاکدامنی اور صلہ رحمی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے، بعدازاں قیصر روم نے حاضرین دربار کو بتایا کہ میں نے جو نسب کے بارے میں پوچھا تھا تو اللہ کے رسول اپنی قوم میں اعلیٰ نسب کے مالک ہوتے ہیں اور ان سے پہلے کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تو میرا مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہوتی تو وہ بھی اس کی پیروی میں یہ بات کہہ دیتے، پھر ان کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ بھی نہیں جو سمجھا جائے کہ وہ اپنے دعویٰ نبوت سے اپنے بزرگوں کا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو واقعی جو

شخص لوگوں کے متعلق جھوٹ نہیں بولتا، وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کیسے جھوٹ بولے گا، پھر رسولان خدا کی پیروی اکثر غریب اور ضعیف لوگ ہی کرتے ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، ان کے دین کو قبول کرنے کے بعد کوئی شخص مرتد نہیں ہوا تو واقعی ایمان کی یہی کیفیت ہے کہ جب دل میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر نہیں نکلتی، ان کی دعوت بھی اگر برحق ہے تو پھر وہ عنقریب میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کے مالک بن جائیں گے، میں یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے، مگر یہ گمان تک نہ تھا کہ وہ تم ﴿اہل عرب﴾ میں سے ہوں گے، اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو ضرور سفر کی صعوبت برداشت کرتا، اگر مجھے ان کی بارگاہ تک رسائی حاصل ہوتی تو میں ان کے قدموں کو دھوتا، قیصر روم کے ان احساسات کو دیکھ کر اس کے مصاحبین کی آوازیں بلند ہوئیں تو اس نے ہمیں دربار سے نکال دیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ابو کبشہ کے فرزند کا کام تو بڑا عظیم ہو گیا ہے، اب اس سے رومیوں کا بادشاہ بھی خوفزدہ ہے، پھر مجھے یقین کامل ہو گیا کہ وہ عنقریب غالب ہو جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے قبول اسلام کا دروازہ بھی کھول دیا، ﴿ملخصاً صحیح بخاری شریف، مدارج النبوۃ: ۲/۲۷۷﴾ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قیصر روم حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو خلوت میں لے گیا اور کہا خدا کی قسم، یہ وہی نبی مرسل ہیں اور رسول منتظر ہیں جن کا آسمانی کتابوں میں ذکر ہے، مجھے خوف ہے کہ میں نے انکی پیروی کی تو رومی مجھے ہلاک کر دیں گے، اس کے بعد اس نے انکو صنعاتر نامی شخص کے پاس بھیجا جو دین عیسائیت کا امام تھا، اس نے بھی تصدیق کی کہ خدا کی قسم، حضرت محمد ﷺ رسول برحق ہیں، ان کی صفات کا بیان ہماری کتابوں میں مرقوم ہے اور ان کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں، اس کے بعد وہ امام عیسائیت لوگوں کے سامنے آیا اور پکار کر کہا، رومیو! حضرت محمد عربی ﷺ کی جانب سے ہمارے پاس ایک مکتوب گرامی آیا ہے، جس میں انہوں نے ہمیں دین حق کی دعوت دی ہے، ان کی رسالت آفتاب کی طرح روشن ہے لہٰذا تم اقرار کر لو کہ اللہ ایک ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں، رومیوں نے یہ پکار سن کر اس پر نیزوں اور تلواروں سے حملہ کر دیا اور وہ شہید ہو گیا، اس کے بعد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے سارا حال قیصر روم سے بیان کیا تو اس نے کہا، خدا کی قسم، وہ امام عیسائیت مجھ سے زیادہ بزرگ اور

قابل احترام تھا، میں نے اسی لیے تم سے کہا تھا کہ میں رومیوں سے ڈرتا ہوں، یہ بھی روایت ہے کہ قیصر روم بعد میں اپنے دارالسلطنت حمص میں آیا اور روم کے سرکردہ لوگوں کو دعوت دی کہ اگر تم اپنی نجات چاہتے ہو اور اپنے ملک کی سلامتی کا خیال کرتے ہو تو اس نبی محترم ﷺ کی متابعت کرلو، رومیوں نے یہ بات سنی اور بھاگنے لگے، مگر باہر نہیں نکل سکتے تھے کہ دربار کے دروازے بند تھے، قیصر روم نے انکی اس نفرت کو دیکھا تو ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا، پھر اس نے حکم دیا کہ واپس آجاؤ، جب وہ واپس آئے تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ بات تو تمہاری آزمائش کے لیے کہی تھی، تم اپنے دین میں انتہائی ثابت قدم ہو، اس پر وہ راضی ہو گئے اور اسے سجدہ کر کے چلے گئے، ﴿ملخصاً مدارج النبوۃ: ۲/۳۸۲﴾ قیصر روم ہرقل کے ایمان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ اس نے دنیا کو عقبیٰ پر ترجیح دی ہے لہذا وہ مسلمان نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر ہوا کیونکہ اس کے دو سال بعد ہی غزوہ موتہ میں اس نے اہل اسلام سے خوفناک جنگ کی جس میں مسلمانوں کے نامور افراد نے جام شہادت نوش کیا، بعض نے کہا کہ ممکن ہے کہ وہ پوشیدہ طور پر ایماندار ہو اور اپنی بادشاہت کے زائل ہونے کے خوف سے یہ معاصی ظہور پذیر ہوئے ہوں، مسند احمد میں روایت ہے کہ اس نے تبوک سے بارگاہ نبوت میں خط لکھا کہ میں مسلمان ہوں، حضور سراپا نور ﷺ نے فرمایا: وہ جھوٹ کہتا ہے بلکہ وہ اپنی نصرانیت پر قائم ہے، مورخین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ دور صدیقی یا دور فاروقی میں مسلمان خود اسے یا اس کے بیٹے کو پکڑ لائے، ظاہر یہی ہے کہ اسی کو لائے تھے، جیسا کہ فتح الباری میں موجود ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۳۸۳﴾ بہر حال قیصر روم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بہت سے تحائف دیئے، جو اموال اور پارچہ جات کی شکل میں تھے، جب وہ واپس ہوئے تو راستے میں حسمی کے مقام پر قبیلہ جذام کے لوگوں نے ان کا ساز و سامان لوٹ لیا، وہ مدینہ منورہ پہنچے اور سیدھے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر حسمی روانہ فرمایا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قبیلہ جذام کے کافی لوگوں کو قتل کیا اور ان کے جانوروں اور عورتوں کو مدینہ منورہ لے آئے، جانوروں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں

تھیں، جبکہ عورتوں اور بچوں کی تعداد ایک سو تھی، چونکہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قبیلہ جذام کی مصالحت تھی، اس لیے اس کے سردار زید بن رافع جذامی نے آپکی بارگاہ میں فریاد کی، وہ پہلے ہی مزید افراد کے ساتھ مسلمان ہو چکے تھے اور جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ پر ڈاکہ پڑا تھا تو انکی مدد بھی کی تھی اس لیے آپ ﷺ نے ان کی فریاد قبول کرتے ہوئے اموال غنیمت اور قیدی واپس کر دیئے، عام اہل مغازی نے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ سے پہلے بیان کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ قیصر روم کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد گئے تھے، ابن قیم نے بھی یہی موقف تسلیم کیا ہے۔ ﴿زاد المعاد: ۲/ ۱۲۲﴾

منذر کے نام مکتوب:

حضور نبی اکرم ﷺ نے حاکم بحرین منذر بن ساوی کو بھی دعوت اسلام دی، یہ مکتوب گرامی حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ لے کر بحرین پہنچے، منذر نے مکتوب گرامی پڑھا اور جواباً عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے آپ کا مکتوب گرامی اہل بحرین کو سنایا ہے، بعض لوگوں نے تو اسلام کو محبت وطہارت کی نگاہ سے دیکھا اور مسلمان ہو گئے اور بعض نے اسے پسند نہیں کیا، میرے ملک میں یہودی اور مجوسی بھی رہتے ہیں، ان کے بارے میں آپکا کیا حکم ہے، اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مکتوب گرامی ارسال فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں، جو شخص بھلائی کرے تو وہ اپنے لیے ہی کرے گا، جس شخص نے میرے قاصدوں کی پیروی کی اس نے میری پیروی کی اور جس نے ان کے ساتھ خیر خواہی کی اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی، میرے قاصدوں نے تمہاری اچھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے متعلق تمہاری سفارش قبول کی ہے لہذا مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے لہذا ان سے قبول کرلو، جب تک تم راہ اصلاح پر رہو گے ہم تمہیں معزول نہیں کریں

گے، یہودیوں اور مجوسیوں پر جزیہ ہے، ﴿زاد المعاد: ۶۲/۳﴾

کسریٰ کے نام مکتوب:

حضور سرور دو عالم ﷺ نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو دعوت اسلام دینے کے لیے حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، وہ آپکا یہ مکتوب گرامی لے کر دربار کسریٰ میں پہنچے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ فارس کے نام، اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اے کسریٰ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اسکا رسول ہوں تا کہ جو زندہ ہیں انکو تنبیہ کروں اور کافروں پر حجت پوری کروں، تم بھی اسلام قبول کرلو سلامتی میں رہو گے اور اگر تم نے انحراف کیا تو سارے مجوسیوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا، ﴿تاریخ الخمیس: ۳۴/۲﴾

کسریٰ تکبر و نخوت کا مجسمہ تھا، اس کے درباری اسکو سجدہ کیا کرتے تھے، اس نے غیظ و غضب سے دوچار ہو کر مکتوب نبوت کو پارہ پارہ کر دیا اور ساتھ ہی توہین آمیز لہجے میں کہا، میرا ایک غلام مجھے اس طرح لکھنے کی جرأت کر رہا ہے ﴿معاذ اللہ﴾ اسکے اس گستاخانہ رویے کی خبر سرکار نبوت ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: مزق کتابی مزق اللہ ملکه، اس نے میرے مکتوب کے ٹکڑے کیے ہیں، اللہ نے اسکے ملک کے ٹکڑے کر دیئے ہیں، کسریٰ نے یمن میں اپنے گورنر باذان کو لکھا کہ فوراً اس صاحب نبوت کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو، باذان نے اپنے ایک وزیر کو ایک شخص کے ہمراہ مدینہ طیبہ روانہ کیا اور حضور اکرم ﷺ کے نام لکھا کہ آپ ان دونوں کے ہمراہ دربار کسریٰ میں پہنچیں، جب یہ لوگ شہر طائف پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات سرداران قریش کے ساتھ ہوئی، انہوں نے کسریٰ کا خط پڑھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ اب ان لوگوں کا مقابلہ کسریٰ

سے ہوگا اور وہ انکو ختم کردے گا، وہ دونوں قاصد مدینہ منورہ پہنچے تو سرکار دوعالم ﷺ نے انکے قیام وطعام کا بندوبست کیا، صبح گفتگو ہوئی، انہوں نے مدعا بیان کیا تو آپ نے تبسم فرمایا اور انہیں اسلام کی دعوت دی، پھر فرمایا کہ جاؤ آرام کرو کل صبح پھر ملاقات ہو گی، رات کو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ آج رات پرویز خسرو کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے، چنانچہ صبح آپ ﷺ نے ان دونوں کو بلا کر فرمایا: جاؤ اپنے صاحب باذان کو بتا دو کہ میرے پروردگار نے اس کے رب ﴿پرویز﴾ کو اس رات قتل کر دیا ہے، انہوں نے کہا، آپ کو علم ہے کہ اسکے نتائج کیا ہوں گے، ہم اپنے بادشاہ کو لکھیں گے تو وہ آپ کو سزا دے گا، روایت میں آتا ہے کہ قتل پرویز کی تاریخ ۱۰ جمادی الاول سن ۷ ہجری منگل کی رات تھی، ﴿فتح الباری: ۸/ ۱۲۷﴾ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم ساری روئیداد اس سے بیان کرو اور میری طرف سے کہو کہ میرا دین اور میری سلطنت مملکت کسریٰ کی آخری حدوں تک پہنچے گی بلکہ وہاں تک پہنچے گی جہاں کوئی کھریا سم والا جانور موجود ہے، تم اسلام قبول کر لو تو تمہارا ملک تمہارے پاس ہی رہنے دیا جائے گا، آپ ﷺ نے قاصدوں کو سونے چاندی سے مرصع کمر بند عنایت فرمایا، انہوں نے جا کر باذان سے تمام واقعات بیان کر دیئے، اس نے کہا، یہ کسی بادشاہ کی گفتگو نہیں بلکہ نبی کی گفتگو محسوس ہوتی ہے، اگر ان کی خبر سچی نکلی تو میں ان پر ایمان لے آؤں گا، چند روز ہی گزرے تھے کہ پرویز کے بیٹے شیرویہ نے اسے اپنے باپ کے قتل کی اطلاع دی اور اپنے کسریٰ ہونے کا اعلان کیا، اس کے بعد باذان کو یقین ہو گیا کہ حضور سراپا نور ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر برحق ہیں، چنانچہ اس نے کئی فارسی لوگوں کے ساتھ قبول اسلام کا اعلان کر دیا اور بارگاہ رسالت میں اس کی اطلاع پہنچا دی، ﴿محاضرات خضری: ۱/ ۱۴۷﴾

حاکم یمامہ کے نام مکتوب:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے حاکم یمامہ ہوذہ بن علی کے پاس حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب گرامی دے کر بھیجا، جس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد رسول ﷺ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام، اس شخص پر سلامتی

ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری سرحد تک غالب ہوگا، لہٰذا تم اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور جو کچھ تمہارے ماتحت ہے میں اسے تمہارے لیے برقرار رکھوں گا۔

ہوذہ نے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا، اپنا مہمان خاص بنایا اور مبارک باد دی، پھر اس نے مکتوب نبوت کے جواب میں درمیانی قسم کا جواب ارسال کیا کہ آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری کا کیا پوچھنا، عرب پر میری دھاک بیٹھی ہوئی ہے، آپ کچھ کارپردازی میرے ذمہ کریں تو میں آپ کی پیروی کروں گا، پھر اس نے قاصد رسول ﷺ کو تحائف دیئے جن میں ہجر کا بنا ہوا کپڑا بھی موجود تھا، حضرت سلیط رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور ساری تفصیلات آپ ﷺ کے گوش گزار کیں، آپ ﷺ نے ہوذہ کا خط پڑھ کر فرمایا: اگر اس نے مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی طلب کیا تو میں اسے ہرگز نہ دوں گا لہذا وہ خود بھی تباہ ہوگا اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ بھی تباہ ہوگا، پھر جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس آئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ہوذہ کے انتقال کی خبر دی، حضور نبی غیب دان ﷺ نے فرمایا: سنو! یمامہ میں ایک کذاب نمودار ہونے والا ہے جو میرے بعد قتل کیا جائے گا، کسی نے پوچھا، یارسول اللہ! اسے کون قتل کرے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے تم اور تمہارے ساتھی قتل کریں گے، پھر واقعی ایسا ہو کر رہا۔ ﴿زاد المعاد: ۳/۶۳﴾

شاہ عمان کے نام مکتوب:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے شاہ عمان جیفر بن جلندی اور اس کے بھائی عبد بن جلندی کے نام حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دعوت اسلام کا یہ مکتوب گرامی ارسال فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جلندی کے دونوں بیٹوں کے نام، اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی، میں تم دونوں کو دعوت اسلام دیتا ہوں، اسلام لے آؤ سلامت رہو گے کیونکہ میں تمام انسانوں کی

طرف اللہ کا رسول ہوں تا کہ ہر زندہ کو انجام سے ڈراؤں اور کافروں پر حجت تمام کروں، اگر تم دونوں اسلام قبول کرو گے تو تمہیں ہی عمان کا حاکم برقرار رکھوں گا اور اگر تم نے انحراف کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہو جائے گی، تمہاری سرزمین پر گھوڑے یلغار کریں گے اور تمہاری حکومت پر میری نبوت غالب آجائے گی، ﴿زاد المعاد﴾

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے عبد بن جلندی سے ملاقات کی، وہ زیادہ دور اندیش تھا، میں نے مدعا بیان کیا تو اس نے کہا، میرا بھائی مجھ پر مقدم ہے، میں تمہیں اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں تا کہ وہ یہ مکتوب گرامی پڑھ لے، ہاں یہ تو بتاؤ کہ تمہاری دعوت کیا ہے، میں نے کہا، ہم اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتے ہیں کہ وہی عبادت کے لائق ہے، شرک چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، عبد نے کہا، اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو، بتاؤ تمہارے والد نے کیا کیا کیونکہ اس کا عمل ہمارے لیے زیادہ لائق اتباع ہے، میں نے کہا، وہ تو بغیر ایمان کے فوت ہو گیا لیکن مجھے افسوس ہے کہ کاش! اس نے بھی اسلام قبول کیا ہوتا اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تصدیق کی ہوتی، میں خود بھی اس کے دین پر تھا، پھر اللہ نے مجھے ہدایت اسلام سے سرفراز فرما دیا، عبد نے کہا، تم نے کب ان کی اتباع کی ہے، میں نے کہا، ابھی جلد ہی، اس نے پوچھا، تم کس جگہ اسلام لائے، میں نے کہا، نجاشی کے پاس کیونکہ وہ بھی مسلمان ہو چکا ہے، اس نے پوچھا، نجاشی کی بادشاہت کے ساتھ اس کی قوم نے کیا سلوک کیا، میں نے کہا، برقرار رکھا اور اس کی اتباع کی، اس نے پوچھا، کیا راہبوں نے بھی اسکی پیروی کی، میں نے کہا، ہاں، اس نے کہا، اے عمرو! دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو کیونکہ جھوٹ سے بری کوئی عادت نہیں، میں نے کہا، ہم جھوٹ کو حلال نہیں سمجھتے، اس نے کہا، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ہرقل روم کو نجاشی کے قبول اسلام کی خبر نہیں ہے، میں نے کہا، کیوں نہیں، اس نے پوچھا، تمہیں کیسے معلوم ہوا، میں نے کہا، نجاشی ہرقل روم کو خراج ادا کرتا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا تو بولا، خدا کی قسم اب وہ مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو میں نہیں دوں گا، جب ہرقل کو بتایا گیا تو اس نے کہا، کوئی شخص نیا دین اختیار کر لے تو میں کیا کر سکتا

ہوں، خدا کی قسم اگر مجھے بھی اپنی بادشاہت کا لالچ نہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو اس نے کیا ہے، اس نے پوچھا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو، میں نے کہا، اللہ کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں، اس نے پوچھا، مجھے بتاؤ کہ پیغمبر اسلام کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے روکتے ہیں، میں نے کہا، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے روکتے ہیں، نیکی اور صلہ رحمی کی تلقین کرتے ہیں اور ظلم شعاری، بدکاری، شراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت گزاری سے منع کرتے ہیں، اس نے کہا، یہ تو بڑی اچھی تعلیم ہے، اگر میرا بھائی اسکو قبول کرلے تو ہم سوار ہو کر چل پڑیں، یہاں تک کہ ان پر ایمان لائیں اور انکی تصدیق کریں لیکن میرا بھائی اپنی حکومت کا بہت زیادہ حریص ہے، میں نے کہا، اگر وہ اسلام قبول کرلے تو سرکار نبوت ﷺ اس کی حکومت برقرار رکھیں گے، البتہ مال داروں سے صدقہ لے کر فقیروں میں تقسیم کریں گے، اس نے کہا، بہت اچھا، بتاؤ وہ صدقہ کیا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے صدقات کی تفصیل بتائی، جب اونٹوں کی باری آئی تو بولا کہ اے عمرو! کیا ہمارے مویشیوں میں سے بھی صدقہ لیا جائے گا، جو خود ہی درخت کھا لیتے ہیں، میں نے کہا، ہاں، اس نے کہا، واللہ مجھے یقین نہیں کہ میری قوم، ملک کی وسعت اور تعداد کی کثرت کے باوجود اس کو تسلیم کرے گی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اس کے ہاں چند دن قیام کیا، اس نے اپنے بھائی سے گفتگو کی تو ایک دن اس نے مجھے دربار میں بلالیا، میں نے مکتوب نبوت اس کے حوالے کیا تو اس نے پڑھ کر اپنے بھائی کو پکڑا دیا، مگر میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی عبد زیادہ نرم دل ہے، بادشاہ نے پوچھا، مجھے بتاؤ کہ قریش مکہ نے کیا رویہ اختیار کیا ہے، میں نے کہا کہ سب پیغمبر اسلام کے اطاعت گزار بن چکے ہیں، کوئی دین سے رغبت کی وجہ سے اور کوئی تلوار کے خوف کی وجہ سے، اس نے پوچھا، ان کے ساتھ کون لوگ ہیں، میں نے کہا، سب لوگ ہیں، انہوں نے اسلام کو برضا و رغبت قبول کرلیا ہے، انہیں اللہ کی ہدایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ پہلے وہ گمراہ تھے،، اب اس علاقے میں تمہارے سوا کوئی باقی نہیں رہ گیا، لہذا اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو ان کے شہسوار تمہیں روند ڈالیں گے اور تمہاری ہریالی کا صفایا کردیں گے، اگر تم نے اسلام قبول کرلیا تو سلامت رہو گے اور تمہاری حکمرانی برقرار رہے گی، بادشاہ نے

کہا، مجھے کل تک موقع دو، میں اس کے بھائی کے پاس چلا گیا، اس نے مجھے کہا، اگر حرص غالب نہ ہوئی تو شاید بادشاہ اسلام قبول کر لے، دوسرے دن بادشاہ نے مجھے ملنے کی اجازت نہ دی، پھر جب ملاقات ہوئی تو اس نے کہا، میں نے تمہاری دعوت پر غور کیا ہے، اگر میں حکومت کسی ایسے آدمی کے سپرد کر دوں جس کے شہسوار ابھی یہاں تک نہیں پہنچے تو میں عرب میں سب سے زیادہ کمزور سمجھا جاؤں گا اور اگر اس کے شہسوار پہنچ گئے تو یہاں ایسی جنگ ہو گی جس سے کبھی انکا سامنا نہیں ہوا ہو گا، میں نے کہا، اچھا میں پھر واپس جا رہا ہوں، جب اسے میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنے بھائی سے تنہائی میں کہا کہ پیغمبر اسلام جن لوگوں پر غالب آ چکے ہیں، ان کے مقابلے میں ہماری کوئی حیثیت نہیں، سب نے انکی دعوت کو قبول کر لیا ہے، پھر اس نے دوسرے دن صبح سویرے ہی مجھے طلب کیا اور دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے فیصلے کرنے میں مجھے آزاد چھوڑ دیا، جس کسی نے میری مخالفت کی وہ اس کے خلاف میرے مددگار ثابت ہوئے، ﴿زاد المعاد: ۶۲/۳﴾

اس واقعہ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عمان کو دعوت اسلام غالباً فتح مکہ کے بعد دی گئی ہے، ان مکتوبات نبویہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت تمام بنی نوع انسانی کے لیے ہے اور آپ ﷺ تمام کائنات کے لیے رسول بن کر آئے ہیں، آپکی دعوت پر کوئی ایمان لایا اور کسی نے انکار کیا لیکن اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ انکار کرنے والوں کی نظر میں بھی آپکا دین ایک جانی پہچانی حقیقت بن گیا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

غزوۂ ذی قرد:

یہ غزوہ دراصل بنو فزارہ کی ایک ٹکڑی کے خلاف جس نے رسول اللہ ﷺ کے مویشیوں پر ڈاکا ڈالا تھا، تعاقب سے عبارت ہے، حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے پہلے یہ پہلا اور واحد غزوہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو پیش آیا، امام بخاری نے اسکا باب منعقد کرتے

ہوئے بتایا ہے کہ یہ خیبر سے تین روز پہلے پیش آیا تھا، اور یہی بات اس غزوے کے خصوصی کارپرداز حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ان کی روایت صحیح مسلم میں دیکھی جاسکتی ہے، جمہور اہل مغازی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے لیکن جو بات صحیح میں بیان کی گئی ہے، اہل مغازی کے بیان کے مقابل وہی زیادہ صحیح ہے، ﴿صحیح بخاری: ۲/۶۰۳﴾ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دودھیل اونٹنیاں اپنے غلام رباع اور ایک چرواہے کے ہمراہ چرنے کے لیے بھیجی تھیں اور میں بھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا لے کر ان کے ساتھ تھا کہ اچانک صبح دم عبدالرحمن فزاری نے اونٹنیوں پر چھاپا مارا اور ان سب کو ہانک کر لے گیا اور چرواہے کو قتل کر دیا، میں نے کہا، رباع! یہ گھوڑا لو، اسے ابوطلحہ تک پہنچا دو اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دو اور خود میں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مدینہ منورہ کی طرف رخ کیا اور تین بار پکار لگائی، یا صباحاہ! ہائے صبح کا حملہ، پھر میں حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلا، ان پر تیر برساتا جاتا تھا اور یہ رجز پڑھتا جاتا تھا ؎

انا ابن الاکوع　　　والیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن دودھ پینے والے کا دن ہے ﴿یعنی آج پتا لگ جائے گا کہ کس نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے﴾ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بخدا میں انہیں مسلسل تیروں سے چھلنی کرتا رہا، جب کوئی سوار میری طرف پلٹ کر آتا تو میں کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھ جاتا، پھر اسے تیر مار کر زخمی کر دیتا، یہاں تک کہ جب یہ لوگ پہاڑ کے تنگ راستے میں داخل ہوئے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور پتھروں سے ان کی خبر لینے لگا، اس طرح میں نے مسلسل ان کا پیچھا کیے رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی جتنی بھی اونٹنیاں تھیں میں ان سب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا اور ان لوگوں نے ان سب کو میرے لیے آزاد چھوڑ دیا، لیکن میں نے پھر بھی ان کا پیچھا جاری رکھا اور ان پر تیر برساتا رہا یہاں تک کہ بوجھ ہلکا کرنے کے لیے انہوں نے تیس سے زیادہ چادریں اور تیس سے زیادہ نیزے پھینک دیئے، وہ لوگ جو بھی پھینکتے تھے میں اس پر ﴿بطور نشان﴾ تھوڑے سے پتھر ڈال دیتا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے رفقا پہچان لیں ﴿کہ یہ دشمن سے چھینا ہوا مال ہے﴾ اس کے بعد وہ لوگ ایک گھاٹی کے تنگ موڑ پر بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھانے لگے، میں بھی ایک چوٹی پر جا

بیٹھا، یہ دیکھ کر ان کے چار آدمی پہاڑ پر چڑھ کر میری طرف آئے ﴿جب اتنے قریب آ گئے کہ بات سن سکوں تو﴾ میں نے کہا، تم لوگ مجھے پہچانتے ہو، میں سلمہ بن اکوع ہوں، تم میں سے جس کے بھی پیچھے دوڑوں گا، بے دھڑک پالوں گا اور جو کوئی میرے پیچھے دوڑے گا ہر گز نہ پا سکے گا، میری یہ بات سن کر چاروں واپس چلے گئے، میں اپنی جگہ جما رہا، یہاں تک میں نے رسول اللہ ﷺ کے سواروں کو دیکھا کہ درختوں کے درمیان سے چلے آرہے ہیں، سب سے آگے حضرت اخرم رضی اللہ عنہ تھے، ان کے پیچھے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے ﴿محاذ پر پہنچ کر﴾ عبد الرحمٰن اور حضرت اخرم رضی اللہ عنہ میں ٹکر ہوئی، حضرت اخرم رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمٰن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا لیکن عبد الرحمٰن نے نیزہ مار کر حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کے گھوڑے پر جا بیٹھا، اتنے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ عبد الرحمٰن کے سر پر جا پہنچے اور اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا، بقیہ حملہ آور پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ہم نے انہیں کھدیڑنا شروع کیا، میں ان کے پیچھے پیدل دوڑ رہا تھا، سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے ان لوگوں نے اپنا رخ ایک گھاٹی کی طرف موڑا جس میں ذی قرد نام کا ایک چشمہ تھا، یہ لوگ پیاسے تھے اور وہاں سے پانی پینا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں چشمے سے پرے ہی رکھا اور وہ ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکے، رسول اللہ ﷺ اور شہسوار صحابہ رضی اللہ عنہم دن ڈوبنے کے بعد میرے پاس پہنچے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ سب پیاسے تھے، اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں ان کے تمام گھوڑے بھی چھین لوں اور ان کی گردنیں پکڑ کر حاضر خدمت کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اکوع کے بیٹے! تم قابو پا گئے، اب ذرا نرمی برتو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت بنو غطفان میں انکی مہمان نوازی کی جا رہی ہے، ﴿اس غزوے پر﴾ رسول اللہ ﷺ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: آج ہمارے سب سے بہتر شہسوار ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور سب سے بہتر پیادہ سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں، آپ ﷺ نے مجھے دو حصے دیئے، ایک پیادہ کا حصہ اور ایک شہسوار کا حصہ اور مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے مجھے ﴿یہ شرف بخشا کہ﴾ اپنی عضباء نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار فرمایا، اس غزوے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کا انتظام حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا تھا اور اس غزوے کا پرچم حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ ﴿الرحیق المختوم ۳۹۴﴾

﴿غزوہ خیبر﴾

عمومی طور پر احزاب عرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، قریش، غطفان اور یہود، صلح حدیبیہ کی بدولت سب سے مضبوط حصہ قریش ایک طرح سے لاتعلق ہو گیا، ان کے ہٹتے ہی بت پرستوں کے جذبات سرد پڑ گئے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد غطفان کی طرف سے بھی کسی بڑی تگ و دو کا مظاہرہ نہیں ہوا، انہوں نے اگر کچھ کیا بھی تو یہود کے بھڑکانے پر کیا، جہاں تک یہود کا تعلق ہے، وہ مدینہ منورہ سے جلا وطنی کے بعد خیبر کو اپنی اسلام دشمن سازشوں کا مرکز بنا چکے تھے اور گرد و نواح کے بادیہ نشینوں کو اہل اسلام کے خاتمے کے لیے آمادہ کر رہے تھے یا کم از کم انہیں بڑے پیمانے پر نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے، بنو قریظہ کی شکست فاش کے بعد خیبر کے یہودیوں نے اپنے سردار سلام بن مشکم کے دربار میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کیا کہ ہمیں اپنی قوت بازو پر اعتماد کر کے اہل اسلام پر یلغار کر دینی چاہیے، اگر مزید کمک کی ضرورت ہوئی تو ہم تیما، فدک اور وادی القریٰ میں آباد ہم مذہب لوگوں کو دعوت دیں گے اور وہ ہماری امداد کریں گے، اس دفعہ ہمیں قبائل عرب کو شریک جنگ نہیں بنانا چاہتے، صرف یہودیوں کا لشکر جرار تیار کر کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہیے، سلام بن مشکم نے اس تجویز کو بہت پسند کیا لیکن کچھ سرداروں نے تائید نہ کی، ان کی رائے یہ تھی کہ ان حالات میں کوئی ایسا قدم اٹھایا تو شکست کا سامنا ہو سکتا ہے، ہمیں اپنے وسائل جمع کر کے پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو شکست دینی چاہیے، چنانچہ اس بات پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اپنے ساتھ دیگر قبائل عرب کو بھی ملانے میں کوئی حرج نہیں، ان کا ایک چودہ رکنی وفد کنانہ بن ابی حقیق کی سرکردگی میں غطفان پہنچا اور اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی، نیز ان سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں اپنے نخلستانوں کی آدھی پیداوار فراہم کریں گے، اس کے ساتھ انہوں نے منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی کے ساتھ بھی سلام و پیام کا سلسلہ جاری رکھا، اس نے بھی یہودیوں کی خوب حوصلہ افزائی کی، یہ وہ حالات تھے، جن کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے یہودیوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ فرمایا اور ان کو انکے مرکز میں زیر کرنے کا ارادہ کیا۔

خیبر کا محل وقوع:

خیبر ایک بڑے شہر کا نام ہے جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں ہیں، یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برید یعنی ۹۶ میل کے فاصلہ پر شام کی جانب واقع ہے، قاموس میں ہے کہ خیبر مشہور قلعے کا نام ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۴۰۰﴾ خیبر کے تمام باشندے یہودی المذہب تھے اور متعدد وادیوں میں بکھرے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے کھیتوں میں قلعے تعمیر کر رکھے تھے، بنیادی طور پر خیبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر حصے میں بہت سے قلعے موجود تھے۔

① ...... حصون النطاۃ: اس میں حصن الناعم، حصن الصعب اور حصن قلۃ الزبیر تھے۔

② ...... حصون الشق: اس میں حصن ابی اور حصن برایا حصن البرید تھے۔

③ ...... حصون الکتیبہ: اس میں حصن القموص، حصن الوطیح اور حصن السلالم تھے۔

خیبر اور گرد و نواح کی تمام وادیاں اور کھیتیاں یہودیوں کے تصرف میں تھیں، آب و ہوا صحت کے لیے خطرناک تھی اس لیے وہاں اکثر وبائی امراض کا راج رہتا تھا۔

پیغمبر اسلام کی روانگی:

حضور اکرم ﷺ نے سفر حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ میں بیس پچیس روز قیام فرمایا، ابن اسحاق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۷ ہجری کے ماہ محرم کے آخری ایام میں خیبر کی طرف تشریف لے گئے، بعض نے کہا کہ سن ۶ ہجری کے آخر میں روانہ ہوئے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق کا قول راجح ہے، دراصل ان دونوں قولوں کو جمع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جس نے آخر سن کہا ہے اس نے ہجری سال کی ابتدا ماہ ربیع الاول سے مراد لی ہے اور اس نے اعتبار کیا ہے کہ حقیقت میں سابق یہی ہے اور اس طرح محرم آخر سال میں ہو جاتا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے، ابن سعد اور ابن ابی شیبہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف اٹھارہ رمضان المبارک کو نکلا، یہ غلط ہے اور صواب یوں ہے کہ یہ بات فتح مکہ کے لیے ہے جو آخر رمضان میں ہوئی تھی غلطی سے اس کی جگہ خیبر لکھا گیا ہے، حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ سے ایک ہزار چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکلے، ایک ہزار دو سو

پیدل اور دوسو سوار تھے، ﴿مدارج النبوۃ: ۴۰۱/۲﴾ ایک روایت کے مطابق مسلمانوں کی تعداد سولہ سو تھی جن میں چودہ سو پیدل اور دوسو سوار تھے، ﴿امتاع الاسماع: ۲۳۵/۱﴾ حضور اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ صرف وہی لوگ اس سفر میں روانہ ہو سکتے ہیں جنہیں اموال غنیمت کی طلب نہ ہو اور صرف کلمہ حق کو بلند کرنا چاہتے ہوں، اللہ تعالیٰ کا بھی حکم تھا۔

⊙...... سیقول المخلفون اذا انطلقتم .... الا قلیلا ○

جب تم اموال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ پیچھے رہنے والے لوگ کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو، یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات بدل دیں، فرما دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے کہ اللہ نے پہلے ہی یہ بات فرما دی ہے، پھر یہ لوگ کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تم تو ہم سے حسد کرتے ہو، حالانکہ یہی لوگ نہیں سمجھتے مگر تھوڑے، ﴿سورۃ الفتح: ۱۵﴾

اس اعلان کی بدولت وہی لوگ سفر خیبر پر روانہ ہو سکے جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا تھا، آپ ﷺ نے حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ یا بقول ابن ہشام حضرت نمیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، مقدمۃ الجیش کی قیادت حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی، میمنہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر مقرر کیے، میسرہ پر ایک اور صحابی کو متعین کیا جبکہ بنو اشجع کے دو آدمیوں کو راستہ دکھانے کی ذمہ داری عطا فرمائی، لشکر کے تین پرچم تیار کروائے، ایک پرچم حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور دوسرا پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور تیسرا پرچم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تھمایا، امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو شرف ہم رکابی عنایت کیا، لشکر میں مستورات نے بھی جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا، حضرت صفیہ دختر عبدالمطلب، حضرت ام ایمن، حضرت سلمیٰ خادمہ رسول، زوجہ عاصم بن عدی، حضرت ام عمارہ، حضرت ام منیع، حضرت ام مطاوع، حضرت ام سلیم، حضرت ام الضحاک، حضرت ہند بنت عمرو، حضرت ام العلیٰ، حضرت ام عامر، حضرت ام عطیہ، حضرت ام سلیط، امیہ بنت قیس، کعیبہ بنت سعد رضی اللہ عنہن جیسی عظیم خواتین اسلام شریک لشکر ہوئیں، بنو غفار قبیلے کی ایک خاتون نے بتایا کہ جب سرکار دو

عالم ﷺ خیبر کو روانہ ہوئے تو میں کچھ خواتین کے ساتھ حاضر ہوئی اور سفر کا ارادہ ظاہر کیا اور عرض کیا کہ ہم پیاسوں کو پانی پلائیں گی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی، سرکار دوعالم ﷺ نے ہمیں اس دعا کے ساتھ اجازت عطا فرمائی، اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے، خیبر میں ان مستورات کو مال فے سے حصہ عطا کیا گیا، وہ فرماتی ہیں کہ یہ میرے گلے کا ہار حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈالا تھا، میں نے آج تک اسے نہیں اتارا، روایت میں آتا ہے کہ جب انکی موت واقع ہوئی تو وہ ہار اسی طرح گلے میں آویزاں تھا کیونکہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ اسے میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے، سرکار مدینہ ﷺ نے ۹۶ میل کا فاصلہ انتہائی راز داری اور تیز رفتاری کے ساتھ صرف تین راتوں میں طے کیا اور خیبر کی حدود میں داخل ہو گئے، ﴿حیات محمد: ۳۷۴﴾

حضرت عامر کے اشعار:

سفر خیبر کے دوران ایک صحابی نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے ولولہ انگیز کلام سے نوازیں، چنانچہ انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے شروع کیے:

اللھم لولا انت ما اھدیتنا ولا تصدقنا ولا صلینا

فاغفر فداء لک ما ابقینا وثبت الاقدام ان لاقینا

وانزلن سکینة علینا انا اذاصیح بنا أتینا

وبالصیاح عولوا علینا ان الذین قد بغوا اعلینا

وان أرادو فتنة أبینا ونحن ان فضلک ما استغنینا

الٰہی اگر تو فضل نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ وخیرات کرتے اور نہ نماز پڑھتے، میں تجھ پر قربان جو ہم دنیا میں رہ کر گناہ کر بیٹھیں تو معاف فرما اور اگر دشمن سے سامنا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر تسلی اور اطمینان اتار، جب ہمیں دشمن کے مقابلے کے لیے بلایا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں اور چلا چلا کر دشمن پر اپنی فوجیں چڑھا لاتے ہیں، بلاشبہ جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، جب وہ فتنہ برپا کرتے ہیں تو ہم اس میں شامل ہونے سے انکار کر دیتے ہیں اور ہم تیرے فضل وکرم سے بے نیاز نہیں ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۵۹﴾

یہ اشعار صحیح بخاری شریف میں بھی موجود ہیں جبکہ آخری تین مصرعے مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہیں، حضور سرور کائنات ﷺ نے پوچھا کہ یہ اونٹوں کا ہانکنے والا کون ہے، لوگوں نے کہا، عامر بن اکوع، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، کسی آدمی نے بروایت دیگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ! عامر کے لیے شہادت واجب ہوگئی، آپ نے ہمیں ان سے کچھ اور مدت تک فائدہ کیوں نہیں اٹھانے دیا، عامر نے گیت گانا اور اونٹوں کو چلانا شروع کر دیا اور یہ عربوں کی عادت تھی کہ جب سفر میں اونٹوں کو تیز چلانا چاہتے تو کوئی آدمی سواری سے اتر کر حدیٰ خوانی کرتا نیز ان کا یہ تجربہ تھا کہ جب جنگ کے موقع پر کسی کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ رحمت و مغفرت کی دعا فرماتے تو وہ شہید ہو جاتا، رسول اللہ ﷺ نے خیبر جاتے ہوئے جبل عصر کو عبور کیا، پھر وادی صہبا سے گزرے، بعد ازاں وادی رجیع میں جلوہ گر ہوئے، یہ وہ مقام رجیع نہیں، یہاں بنولحیان کے ہاتھوں آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شہادت پائی تھی، رجیع سے بنوغطفان کی آبادی صرف ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر واقع تھی، روایات میں آتا ہے کہ بنو غطفان بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ یہودیوں کی امداد کے لیے نکلے تھے، راستے میں انہیں اپنے پیچھے کچھ شور وغل سنائی دیا، وہ یہی سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر دیا ہے، چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور یہودیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا، یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے لشکر اسلام کا ایک دستہ بنوغطفان کی آبادی کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ ان کو ہراساں کر کے یہودیوں کی امداد سے روکے اور وہ اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لیے ہی رکے رہیں، آپ ﷺ نے ماہرین راہ کو بلایا اور مناسب ترین راستہ معلوم کیا جسے اختیار کر کے شمال کی جانب سے یعنی مدینہ کی بجائے شام کی جانب سے داخل ہوسکیں تاکہ اس حکمت عملی کے ذریعے یہودیوں کے شام بھاگنے کا راستہ بند ہو جائے اور دوسری طرف بنوغطفان کی امداد کے امکانات ختم کر دیئے جائیں، ایک راہنما نے کہا، یارسول اللہ! میں آپ کو ایسے راستے سے لے چلوں گا، چنانچہ وہ ایک مقام پر لے گیا جہاں سے بہت سے راستے نکلتے تھے، اس نے کہا، یارسول اللہ! یہ تمام راستے آپ کی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہر ایک کا نام بتاؤ کیونکہ آپ

ہمیشہ اچھے نام کا انتخاب کرتے تھے اور اس سے نیک فال مراد لیتے تھے، اس نے ایک راستے کا نام بتایا، حزن ﴿یعنی سخت﴾ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا، اس نے دوسرے راستے کا نام بتایا، شاش ﴿یعنی مضطرب﴾ آپ ﷺ نے اسے بھی منظور نہ کیا، اس نے تیسرے راستے کا نام بتایا، حاطب ﴿یعنی لکڑہارا﴾ آپ ﷺ نے اس سے بھی انکار کر دیا، اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کا نام مرحب ﴿یعنی کشادہ﴾ ہے، آپ ﷺ نے اس راستے کو پسند فرما لیا، خیبر کے بالکل قریب وادی صہبا میں رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر ادا فرمائی، بعد ازاں آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ستو تناول فرمائے، پھر صرف کلی فرمائی اور نماز مغرب ادا کی، پھر اسی مقام پر نماز عشاء ادا فرمائی، ﴿صحیح بخاری: ۲/۶۰۳﴾

لشکر اسلام دامن خیبر میں:

یہودیوں کو کوئی خبر نہ ہو سکی کہ شمع رسالت کے پروانے ان کے انتہائی قریب پہنچ چکے ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ کا دستور مبارک تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہوئے بغیر ان کے قریب نہ جاتے، چنانچہ اس رات جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے منہ اندھیرے نماز فجر ادا فرمائی، اس کے بعد مسلمان سوار ہو کر خیبر کی طرف بڑھے، اہل خیبر بے خبری کے عالم میں کھیتی باڑی کے لیے نکل رہے تھے تو اچانک لشکر اسلام کو دیکھ کر چیخنے لگے اور شہر کی طرف بھاگ اٹھے، وہ سراسیمگی کے عالم میں کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم حضرت محمد اپنا لشکر لے کر آ گئے ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: اللہ اکبر خیبر تباہ ہو گیا، اللہ اکبر، خیبر تباہ ہو گیا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان خوفزدہ لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے، ﴿صحیح بخاری: ۲/۶۰۳﴾ پھر آپ ﷺ نے پڑاؤ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا، حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا اس جگہ پڑاؤ کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم موصول ہوا ہے یا اپنی تدبیر سے کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں یہ میری اپنی تدبیر ہے، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ مقام قلعہ نطاۃ کے بہت قریب ہے، خیبر کے سارے جنگجو تیر انداز اسی قلعے میں رہتے ہیں، ان کے تیر تو ہم تک پہنچ جائیں گے لیکن ہمارے تیر ان تک نہیں پہنچ سکیں

گے، پھر ہم ان کے شبخون سے بھی محفوظ نہیں رہیں گے، پھر یہ مقام کھجوروں کے درمیان پستی میں واقع ہے اور یہاں کی زمین بھی وبائی ہے لہذا آپ کسی ایسے مقام پر پڑاؤ ڈالیں جو ان خطرات سے خالی ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری رائے بالکل درست ہے، پھر آپ دوسری جگہ منتقل ہو گئے، جب شہر خیبر دکھائی دینے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ، سب ٹھہر گئے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اے اللہ! اے ساتوں آسمان اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں ان کے پروردگار اور ساتوں زمین اور جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہیں ان کے پروردگار اور شیاطین اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ان کے پروردگار، ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی اور اس کے باشندوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور اس بستی کے شر سے اور اس کے باشندوں کے شر سے اور جو اس میں ہے اسکے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں، (ابن ہشام: ۳۲۹/۲) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو، چنانچہ مسلمان آگے بڑھنے لگے۔

جنگ خیبر کی تیاری:

خیبر میں یہودیوں کا لشکر دس ہزار جنگجو افراد پر مشتمل تھا، انہوں نے اسلحے کے ڈھیر اکٹھے کر رکھے تھے، ان کے قلعے بھی بہت زیادہ مضبوط تھے، وہ اپنے لشکر جرار کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ کیا حضرت محمد ﷺ ہم پر حملہ کر سکتے ہیں، نہیں، ہرگز نہیں، لیکن جب ان کی شامت اعمال نے انہیں گھیر لیا تو اس رات طلوع آفتاب تک انکی آنکھ نہ کھل سکی، وہ بے سدھ پڑے رہے، اس رات کی صبح انکے مرغوں نے بھی اذان تک نہ دی، اب لشکر اسلام کو دیکھ کر وہ اپنے قلعوں میں مورچہ بند ہو گئے اور اپنے سردار سلام بن مشکم کو صورتحال سے آگاہ کیا، اس نے کہا کہ تم نے میری بات نہیں مانی، کاش تم ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دیتے، بہر حال اب سنو، اب ان کے ساتھ بہادروں کی طرح جنگ کرو، میدان جنگ میں فرار ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی جان قربان کر دے، چنانچہ انہوں نے اپنے اموال اور اہل وعیال کو قلعہ کتیبہ میں جمع کیا، غلہ اور اسلحہ کے انبار قلعہ ناعم میں اکھٹے کیے جبکہ سارے جنگجو قلعہ نطاۃ میں جمع ہو گئے، سلام بن مشکم بیمار تھا، وہ بھی اسی قلعہ میں فروکش ہوا تا کہ اپنے سپاہیوں کو جنگ پر اکساتا رہے، پھر چند روز بعد ہی وہ اس قلعہ

میں ہلاک ہوگیا، نبی اکرم ﷺ کو یقین واثق تھا کہ یہودیوں جیسی فتنہ باز قوم جنگ سے باز نہیں آئے گی، آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو جمع کیا اور ایک ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا، اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والوں کی شان بیان فرمائی اور بشارت سنائی کہ اگر تم صبر سے کام لوگے تو یقیناً فتح یاب ہوگے اور تمہیں مال غنیمت بکثرت نصیب ہوگا، علامہ دمیاطی کا قول ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے پرچم تیار کیا گیا، جس کا رنگ سیاہ تھا اور نام عقاب تھا، دوسرے پرچم کا رنگ سفید تھا، ان کے علاوہ چھوٹے پرچم دوسرے سپہ سالاروں کو عطا کیے گئے، غزوہ خیبر میں مسلمانوں کی نشانی ''یامنصور امت'' تھی، ﴿تاریخ الخمیس:۲/۴۶﴾ غزوہ خیبر میں خاص حکمت عملی سے کام لیا گیا کیونکہ یہ علاقہ متعدد قطعوں میں منقسم تھا، اگر ایک وقت میں صرف ایک ہی جگہ حملہ کیا جاتا تو دوسری جگہوں والے یہودی جمع ہو کر مقابلے میں نکل آتے اور مسلمانوں کے لیے مشکل پیدا ہو جاتی، آپ ﷺ نے اہل اسلام کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کیا اور ہر دستے کو ایک ایک جگہ کے لیے متعین کیا، مقصد یہ تھا کہ یہودی جمع ہو کر حملہ آور نہ ہوسکیں، سب سے پہلے آپ ﷺ نے نطاۃ کے قلعوں کو زیر وزبر کرنے کا فیصلہ فرمایا تو قلعہ ناعم کا محاصرہ کیا، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ دشمن سے مقابلے کی آرزو نہ رکھو اور اللہ تعالیٰ سے سلامتی کے طلبگار رہو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ دشمن کے مقابلے میں تمہیں کس طرح پرکھا جائے گا، پھر اگر مقابلے کا وقت آجائے تو یہ دعا مانگو:

اے اللہ! تو ہی ہمارا پروردگار ہے اور تو ہی ان کا پروردگار ہے، ہماری اور انکی پیشانیاں تیرے دست قدرت میں ہیں، تو ہی ان کو موت دینے والا ہے۔

یہ دعا کر کے ڈٹ جاؤ، جب دشمن حملہ کرے تو کھڑے ہو جاؤ اور نعرہ تکبیر بلند کر کے جنگ شروع کر دو، پھر جب حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہوا تو اہل اسلام سر، دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہوگئے، قلعہ ناعم پر سارا دن جنگ ہوتی رہی، اس دن نبی کریم ﷺ نے سر انور پر خود سجایا ہوا تھا، دو زرہیں زیب تن کی ہوئی تھیں، ہاتھوں میں نیزہ اور ڈھال تھی، آپ ﷺ الظرب نامی گھوڑے پر رونق افروز تھے، یہودی اہل اسلام کی طرف تیر اندازی کر رہے تھے اور اہل اسلام وہی تیر چن کر یہودیوں پر برسا رہے تھے، پھر دن گزرتے

گئے، مسلمان ہر صبح اس قلعہ پر حملہ کرتے اور شام کو واپس آجاتے، ﴿سبل الھدیٰ: ۱۸۸/۵﴾

حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت:

متعدد سیرت نگاروں کے نزدیک یہودیوں کا ایک ہزار پر بھاری پہلوان مرحب اسی قلعہ ناعم میں موجود تھا اور مسلمانوں کے خلاف خوب دادشجاعت دے رہا تھا، حضور نبی اکرم ﷺ ایک دو روز دردشقیقہ کی وجہ سے میدان جنگ میں نہ نکلے اور قیادت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی، پھر دوسرے روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پرچم لے کر نکلے، مگر قلعہ کسی طرح بھی فتح نہیں ہورہا تھا، پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کل میں پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہے، اللہ اور اسکا رسول اس کے محبوب ہیں، یہ ارشاد عالیشان سن کر تمام مجاہدین اسلام ساری رات اس سعادت کے حصول کی دعا کرتے رہے، صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: علی ابن ابی طالب کہاں ہیں ﴿روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ آشوب چشم کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، وہ لشکر میں بعد میں پہنچے اس لیے﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! انکی تو آنکھیں دکھتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں بلالاؤ، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی، اس پر وہ ایسے شفایاب ہوئے کہ جیسے انہیں کوئی تکلیف ہی نہیں تھی، پھر انہیں فتح کا پرچم عطا کیا گیا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک لڑوں کہ وہ ہمارے جیسے ہوجائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اطمینان سے جاؤ، ان کے میدان میں اترو، انہیں اسلام کی دعوت دو اور اللہ کے حقوق سے آگاہ کرو، اللہ کی قسم اگر تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا کردے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے، ﴿صحیح بخاری: ۶۰۵/۳﴾ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کو لے کر میدان جنگ میں اترے اور یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جسے ان شقی القلب لوگوں نے مسترد کردیا، وہ اپنے سربراہ مرحب کی قیادت میں مسلمانوں کے مدمقابل ہوئے، مرحب تکبر وغرور سے اتراتا ہوا میدان جنگ میں آیا اور پکار کر کہنے لگا، خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار ہوں، جب جنگ زوروں

پر ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور فرمایا، خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیار پوش، شہزور اور بہادر ہوں، پھر دونوں نے جنگ شروع کر دی، بالآخر حضرت عامر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے اور بعد میں اسی زخم سے ان کی موت واقع ہو ئی، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عامر کے لیے دہرا اجر ہے، وہ بہت بہادر انسان تھے، ان جیسا کوئی عرب روئے زمین پر کم ہی ہوگا، ﴿صحیح مسلم: ۱۲۲/۲﴾ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں نکلے اور یہ فرمایا، میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، جنگل کے شیر کی طرح خوفناک، میں انہیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا، آپ نے اس جلال کے ساتھ تلوار چلائی کہ مرحب پیوند خاک ہو گیا، روایت میں آتا ہے کہ تلوار حیدری نے اس کے خود کو کاٹا پھر مغفر اور سر کو چیر اتی کہ دانتوں تک اتر آئی، تلوار کی آواز فوج تک پہنچ گئی، ﴿صحیح مسلم: ۱۱۵/۲﴾ ایک روایت میں ہے کہ تلوار حیدری اسکے سارے جسم کو کاٹ کر گھوڑے کی زین تک پہنچ گئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا لیکن صحیح مسلم کی مستند روایت سے ثابت ہے کہ اسے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ہی قتل کیا، متعدد سیرت نگاروں کا اسی پر اتفاق ہے، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہی یہ قلعہ فتح ہوا، روایت میں آتا ہے کہ گھمسان کی جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قلعہ ناعم ﴿یا قموص﴾ کا دروازہ اکھاڑ دیا اور کواڑ کو ڈھال بنا کر دشمنوں کی تلواریں روکتے رہے، یہ کواڑ اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد میں چالیس ﴿یا ستر﴾ آدمی بھی اسکو نہ اٹھا سکے، ﴿زرقانی: ۲۴۰/۲﴾ دوران جنگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قلعہ ناعم کے قریب پہنچے تو اونچائی سے ایک یہودی نے پوچھا، تم کون ہو، آپ نے بتایا، میں علی ابن ابی طالب ہوں، اس نے کہا، کتاب موسیٰ کی قسم تم لوگ سربلند ہوئے، پھر مرحب کا بھائی یاسر مقابلے کی دعوت دینے لگا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدان میں اترے، ان کی ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، یارسول اللہ! کیا میرا بیٹا قتل ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ تمہارا بیٹا اسے قتل کرے گا، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یاسر کو قتل کر دیا، پھر زوردار جنگ ہوئی جس میں کئی سرکردہ یہودی مارے گئے اور باقی قلعہ صعب میں منتقل ہو گئے، بعض روایات

میں آتا ہے کہ مرحب کے قتل کا واقعہ قلعہ قموص کی فتح کے دوران پیش آیا لیکن اہل تحقیق نے قلعہ ناعم کو ترجیح دی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

باقی قلعوں کی فتوحات:

قلعہ ناعم کے بعد، قلعہ صعب قوت و محافظت کے لحاظ سے دوسرا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ تھا، مسلمانوں نے حضرت حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں اس قلعہ پر حملہ کیا اور تین روز تک اسے گھیرے میں لیے رکھا اور تیسرے روز رسول اللہ ﷺ نے اس قلعے کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کی شاخ بنو سہم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ہم لوگ چور ہو چکے ہیں اور ہمارے پاس کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! تجھے انکا حال معلوم ہے، تو جانتا ہے کہ ان کے اندر قوت نہیں اور میرے پاس بھی کچھ نہیں کہ میں انہیں دوں، لہذا انہیں یہود کے ایسے قلعے کی فتح سے سرفراز فرما جو سب سے زیادہ کارآمد ہو اور جہاں سب سے زیادہ خوراک اور چربی دستیاب ہو اور جب دعا فرمانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اس قلعے پر حملے کی دعوت دی تو حملہ کرنے میں بنو اسلم ہی پیش پیش تھے، اس حملے میں بھی قلعے کے سامنے مبازرت اور رکاوٹ ہوئی، اللہ عزوجل نے سورج ڈوبنے سے پہلے قلعہ صعب بن معاذ کی فتح عطا فرمائی، خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعے سے زیادہ خوراک اور چربی موجود ہو، ﴿ابن ہشام: ۳۳۲/۲﴾ مسلمانوں نے اس قلعے میں بعض منجنیقیں اور دبابے بھی پائے، ابن اسحاق کی روایت میں جس شدید بھوک کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگوں نے فتح ﴿حاصل ہوتے ہی﴾ گدھے ذبح کر دیئے اور چولہوں پر ہنڈیاں چڑھا دیں لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے گھریلو گدھے کے گوشت سے منع فرما دیا، قلعہ ناعم اور صعب کی فتح کے بعد یہودی نطاۃ کے سارے قلعوں سے نکل کر قلعہ زبیر میں جمع ہو گئے، یہ ایک محفوظ قلعہ تھا اور پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، راستہ اتنا پر پیچ اور مشکل تھا کہ یہاں نہ سواروں کی رسائی ہو سکتی تھی اور نہ پیادوں کی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے گرد محاصرہ قائم کیا اور تین روز تک محاصرہ کیے رہے، اس کے بعد ایک یہودی نے آکر کہا، اے ابو القاسم! اگر آپ ایک مہینے تک بھی محاصرہ جاری رکھیں گے تو

انہیں کوئی پرواہ نہ ہوگی، چنانچہ ان کے پینے کا پانی اور چشمے زمین کے نیچے ہیں، یہ رات کو نکلتے ہیں پانی پی لیتے ہیں اور لے لیتے ہیں، پھر قلعہ میں واپس چلے جاتے ہیں اور آپ سے محفوظ رہتے ہیں، اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ گھٹنے ٹیک دیں گے، اس اطلاع پر آپ ﷺ نے انکا پانی بند کر دیا، اس کے بعد یہودیوں نے باہر آکر زبردست جنگ کی جس میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور دس یہودی بھی کام آئے لیکن قلعہ فتح ہو گیا، قلعہ زبیر سے شکست کھانے کے بعد یہودی حصن ابی میں قلعہ بند ہو گئے، مسلمانوں نے اسکا بھی محاصرہ کر لیا، اب کی بار دو شہ زور جانباز یہودی یکے بعد دیگرے دعوت مبارزت دیتے ہوئے میدان میں اترے اور دونوں ہی مسلمان جانبازوں کے ہاتھوں مارے گئے، دوسرے یہودی کے قاتل حضرت ابو دجانہ بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے، دوسرے یہودی کو قتل کر کے نہایت تیزی سے قلعے میں جا گھسے اور ان کے ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی قلعے میں جا گھسا، قلعے کے اندر کچھ دیر تک تو زوردار جنگ ہوئی لیکن اس کے بعد یہودیوں نے قلعے سے کھسکنا شروع کر دیا اور بالآخر سب کے سب بھاگ کر قلعہ نزار میں پہنچ گئے جو خیبر کے نصف اول ﴿یعنی پہلے منطقے﴾ کا آخری قلعہ تھا، قلعہ نزار علاقہ کا سب سے مضبوط قلعہ تھا اور یہود کو تقریباً یقین تھا کہ مسلمان اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینے کے بعد بھی اس قلعے میں داخل نہیں ہو سکیں گے، اس لیے اس قلعے میں انہوں نے عورتوں اور بچوں سمیت قیام کیا جبکہ مذکورہ چاروں قلعوں میں عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ رکھا گیا تھا، مسلمانوں نے اس قلعے کا سختی سے محاصرہ کیا اور یہودیوں پر خوب دباؤ ڈالا لیکن چونکہ قلعہ ایک مضبوط اور بلند پہاڑی پر واقع تھا اس لیے اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت بن نہیں رہی تھی، ادھر یہودی قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کر رہے تھے، البتہ تیر برسا کر اور پتھر پھینک کر سخت مقابلہ کر رہے تھے، جب اس قلعے ﴿نزار﴾ کی فتح مسلمانوں کے لیے دشوار ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے منجنیق کے آلات نصب کرنے کا حکم دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے چند گولے پھینکے جن سے قلعے کی دیواروں میں شگاف پڑ گیا اور مسلمان اندر گھس گئے اس کے بعد قلعے کے اندر سخت جنگ ہوئی اور یہود نے فاش اور بدترین شکست کھائی اور دوسرے قلعوں کی طرف چپکے سے کھسکنے لگے اور اس بار تو

اس طرح بھاگے کی اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جاسکے اوران سب کو مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ گئے،اس مضبوط قلعہ کی فتح کے بعد خیبر کا نصف اول یعنی نطاۃ اورشق کا علاقہ فتح ہوگیا،اس علاقے میں چھوٹے چھوٹے کچھ مزید قلعے بھی موجود تھے لیکن اس قلعے کی فتح کے بعد یہودیوں نے ان باقیماندہ قلعوں کو بھی خالی کر دیا اور شہر خیبر کے دوسرے منطقے کتیبہ کی طرف بھاگ گئے ﴿ایضا﴾نطاۃ اور شق کا علاقہ فتح ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے کتیبہ، وطیح اور سلالم کے علاقے کا رخ کیا،سلالم نبونضیر کے ایک مشہور یہودی ابوالحقیق کا قلعہ تھا،ادھر نطاۃ اور شق کے علاقے سے شکست کھا کر بھاگنے والے سارے یہودی بھی یہاں پہنچے تھے اور نہایت ٹھوس قلعہ بندی کر لی تھی ،اہل مغازی کے درمیان اختلاف ہے کہ یہاں کے تینوں قلعوں میں کسی قلعے پر جنگ ہوئی یا نہیں،ابن اسحاق کے بیان میں یہ صراحت ہے کہ قلعہ قموص کو فتح کرنے کے لیے جنگ لڑی گئی بلکہ اس کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ محض جنگ کے ذریعے فتح کیا گیا اور یہودیوں کی طرف سے خودسپردگی کے لیے کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن واقدی نے دوٹوک لفظوں میں صراحت کی ہے کہ اس علاقے کے تینوں قلعے بات چیت کے ذریعے مسلمانوں کے حوالے کیے گئے،ممکن ہے قلعہ قموص کی حوالگی کے لیے کسی قدر جنگ کے بعد گفت وشنید ہوئی ہو البتہ دونوں قلعے کسی جنگ کے بغیر مسلمانوں کے حوالے کیے گئے،جب رسول اللہ ﷺ اس علاقے کتیبہ میں تشریف لائے تو وہاں کے باشندوں کا سختی سے محاصرہ کیا،یہ محاصرہ چودہ روز جاری رہا،یہود اپنے قلعوں سے نکل ہی نہیں رہے تھے،یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے قصد فرمایا کہ منجنیق نصب فرمائیں،جب یہود کو تباہی کا یقین ہوگیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کے لیے گفتگو کا آغاز کیا،﴿الرحیق المختوم:۵۰۶﴾

صلح کی بات چیت:

پہلے ابن ابی الحقیق نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا میں آپ ﷺ کے پاس آکر بات چیت کرسکتا ہوں،آپ ﷺ نے فرمایا:ہاں اور جب یہ جواب ملا تو اس نے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوکر اس پر صلح کر لی کہ قلعے میں جو فوج ہے اسکی جان بخشی کردی جائے گی اوران کے بال بچے انہی کے پاس رہیں گے بلکہ وہ اپنے بال

بچوں کو لے کر خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں گے اور اپنے اموال، باغات، زمینیں، گھوڑے، سونا چاندی، زرہیں سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیں گے، صرف اتنا کپڑا لے جائیں گے جتنا ایک انسان کی پشت اٹھا سکے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ یہود اپنی سواریوں پر جتنا مال لاد سکیں لے جائیں، ﴿سنن ابی داود: ۷۶/۲﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگوں نے مجھ سے کچھ چھپایا تو پھر اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہوں گے، یہود نے یہ شرط منظور کر لی اور مصالحت ہو گئی، ﴿زاد المعاد: ۱۳۶/۲﴾ اس مصالحت کے بعد تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے اور خیبر کی فتح مکمل ہو گئی، معاہدے کے باوجود ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں نے بہت سا مال غائب کر دیا، ایک کھال غائب کر دی جس میں مال اور حی بن اخطب کے زیورات تھے، یہ خزانہ حی بن اخطب مدینہ منورہ سے بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت اپنے ہمراہ لایا تھا، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنانہ بن ابی الحقیق لایا گیا، اس کے پاس بنونضیر کا خزانہ تھا، آپ ﷺ نے دریافت کیا تو اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اسے خزانے کی جگہ کا کوئی علم نہیں، ایک یہودی نے بتایا کہ میں ہر روز اسکو ایک ویرانے کا چکر لگاتے دیکھتا تھا، آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ اگر ہم نے خزانہ برآمد کر لیا تو تمہیں قتل کر دیں گے، اس نے کہا، بالکل ٹھیک، آپ ﷺ نے اس ویرانے کی کھدائی شروع کروا دی، کچھ خزانہ برآمد ہوا اور باقی خزانے کے متعلق اس سے دریافت کیا تو اس نے ادائیگی سے انکار کر دیا، آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اسے سزا دو، یہاں تک کہ سب کچھ اگل دے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر چقماق کی ٹھوکریں ماریں یہاں تک کہ اسکی جان پر بن آئی، پھر آپ ﷺ نے اسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور انہوں نے محمود بن مسلمہ کے بدلے میں اسکی گردن ماردی، محمود بن مسلمہ سایہ حاصل کرنے کے لیے قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے بیٹھے تھے کہ اس شخص نے ان پر چکی کا پاٹ گرا کر قتل کر دیا تھا، ایک روایت میں ہے کہ مرحب نے ان پر چکی کا پاٹ گرایا اور وہ شہید ہو گئے، چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو واصل جہنم کیا تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے محمد! تمہیں مبارک ہو تمہارے بھائی کا قاتل بھی قتل ہو گیا ہے، یہ سن کر حضرت محمد بن

مسلمہ رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے، ﴿امتاع الاسماع: ۲۳۹/۱﴾ ابن قیم کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کرادیا تھا اوران دونوں کے خلاف مال چھپانے کی گواہی انکے چچازاد بھائی نے دی تھی، اسکے بعد آپ ﷺ نے حی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ کو قیدیوں میں شامل کرلیا، وہ کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں اور ابھی دلہن تھیں، انکی حال ہی میں رخصتی ہوئی تھی، ﴿الرحیق المختوم: ۵۰۸﴾ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو مستقر میں چھوڑ آئیں، انہوں نے انکو یہود کے مقتولوں کے درمیان سے گزارا تو آپ ﷺ نے انکے اس عمل کو بہت ناپسند فرمایا اور کہا، بلال! کیا تمہارے دل سے رحم نکل گیا تھا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۹۶﴾

کچھ اور ایمان افروز واقعات:

﴿1﴾

امام بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ ایک سیاہ فام غلام ﴿اسود راعی﴾ خیبر کے یہودیوں کا ریوڑ چرایا کرتا تھا، اس نے دیکھا کہ یہودی جنگ کے لیے تیار ہو رہے ہیں تو اس نے پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے، انہوں نے کہا، ہم اس شخص سے جنگ آزما ہونا چاہتے ہیں جس کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں، سیاہ فام غلام نے نبی آخرالزماں ﷺ کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا، اس نے ریوڑ لیا اور باہر نکل گیا، مسلمان اسے پکڑ کر بارگاہ نبوت میں لے آئے، یا بروایت دیگر وہ خود چل کر حاضر خدمت ہوا اور پوچھا، آپ کی دعوت کیا ہے، حضور سراپا نور ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے پوچھا، اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا حاصل ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں جنت ملے گی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، پھر اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں سیاہ فام ہوں، بدصورت ہوں، جس سے بدبو آرہی ہے، میرے پاس کوئی مال بھی نہیں، اگر میں اس جنگ میں شہید ہو جاؤں تو کیا جنت میں داخل ہو جاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ بکریاں لوگوں کی امانت ہیں انکا کیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: انکو بھگا دو، اللہ تمہاری امانت ادا فرمادے گا، اس نے حکم پر عمل کیا اور آپ ﷺ اس کے انداز دیانت پر حیران ہوئے، اب وہ

بکریاں اکٹھی ہو کر اپنے اپنے مالکوں کی طرف جارہی تھیں، جیسے انہیں کوئی چرواہا لے جارہا ہو، اس طرح ہر بکری اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئی، گویا امانت ادا ہوگئی، پھر وہ سیاہ فام میدان جنگ میں نکلا اور لڑتا ہوا شہید ہوگیا، مسلمان ہونے کے بعد اسے ایک سجدے کی فرصت بھی نہیں ملی تھی، اہل اسلام اسے حضور رحمت دو عالم ﷺ کے خیمہ مبارکہ میں لے آئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے سیاہ فام! اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوبصورت، خوشبودار اور مالدار بنا دیا، پھر فرمایا: میں نے دیکھا کہ دو حوریں اس کے چہرے سے گرد و غبار کو صاف کر رہی ہیں، اللہ اس کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے اس کے چہرے کو خاک آلود کیا اور اس کو ہلاک کرے جس نے اس کو ہلاک کیا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳۶۱/۳﴾

﴿2﴾

قلعہ صعب کے محاصرے کے دوران ایک یہودی کا ریوڑ باہر نکلا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو کچھ بکریاں پکڑ کر لے آئے، حضرت کعب بن عمر رضی اللہ عنہ دوڑ کر گئے اور دو بکریاں پکڑ کر لے آئے، حضور انور ﷺ نے انکو ذبح کرنے کا حکم دیا اور پھر لشکر اسلام میں انکا گوشت تقسیم کر دیا، تمام لشکر اسلام نے سیر ہو کر انکا گوشت کھایا، گویا چودہ سو یا سولہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دو بکریوں کا گوشت سیر ہو کر کھایا، ﴿ملخصاً امتاع الاسماع: ۲۴۰/۱﴾ اس میں رسول اللہ ﷺ کے عظیم الشان معجزے کی برکت شامل تھی، ایک راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن کعب رضی اللہ عنہ کا سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد انتقال ہوا، جب کوئی حدیث بیان کرتے تو رو کر فرماتے، لوگو! میری عمر کے ساتھ نفع حاصل کرو کیونکہ میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیچھے رہ گیا ہوں، ﴿مسند احمد، مجمع الزوائد، سیرت ابن ہشام ۳۹۰/۲﴾

﴿3﴾

قلعہ صعب کے میدان جنگ میں یہودیوں کا ایک نامور جنگجو یوشع للکار کر نکلا کہ ہے کوئی جو میرا مقابلہ کرے، اس دن اہل اسلام کے علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے، وہ خود میدان میں آئے اور یوشع کا مقابلہ شروع کر دیا، دونوں ایک دوسرے پر تلوار چلاتے رہے، آخر حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے ایک کاری ضرب سے اسکا تکبر خاک میں ملا دیا، اسکی ہلاکت کے بعد ایک اور یہودی میدان جنگ میں آیا، اسکا نام ذیال تھا، جب

اس نے بھی اہل اسلام کو للکارا تو حضرت عمارہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ برق رفتاری سے نکلے اور ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، ساتھ ہی یہ نعرہ لگایا، دیکھا میری تلوار کا وار، میں ہوں مرد غفاری، بعض لوگوں نے کہا کہ اس نعرے سے جہاد باطل ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اسکو اجر و ثواب سے نوازا جائے گا، اس میدان جنگ میں بہت گھمسان کا رن پڑا، رسول اللہ ﷺ بذات اقدس میدان جنگ میں جلوہ افروز تھے، جب یہودیوں نے آپ ﷺ پر تیروں کی بارش کی تو شمع رسالت کے پروانے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آنے والے تیر اپنے سینوں پر روکتے رہے، ایک موقع پر تو یہودیوں کے شدید حملے کی وجہ سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، حضور اقدس ﷺ گھوڑے سے نیچے اتر گئے، اس وقت آپ کے گھوڑے کی لگام مدعم نامی غلام نے پکڑ رکھی تھی، علمدار اسلام حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کمال شجاعت سے سینہ سپر ہو گئے اور پرچم اسلام کو لہراتے رہے، حضور سرکار نبوت ﷺ نے مسلمانوں کو جمع ہونے کے لیے پکارا تو وہ ایک بار پھر نئے حوصلوں کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑے اور اس شان سے لڑے کہ یہودیوں کی صفیں بکھر گئیں، پھر وہ دوڑ کر قلعے میں گھس گئے اور فصیل قلعہ سے سنگ باری شروع کر دی، مگر ذوق شہادت سے سرشار مسلمان پیچھے ہٹنے کا نام نہ لے رہے تھے، یہودیوں نے ایک مرتبہ پھر قلعے سے نکل کر حملے کی کوشش کی مگر شکست کھا کر بھاگ گئے، مسلمان بھی ان کے پیچھے قلعے میں داخل ہو گئے، ادھر رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا، مسلمان انکو بے دریغ قتل کر رہے تھے اور جو زندہ بچ گئے انکو گرفتار کر رہے تھے، اس دن تین مسلمانوں رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کیا، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف ایک تیر چلایا جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو کر بھاگ گئے، یہ بھی آپکا عالیشان معجزہ ہے، اس قلعے سے مسلمانوں کو بے پناہ سامان حاصل ہوا، جس میں کھجور، گھی، شہد، چربی، تیل وغیرہ کا بہت ذخیرہ تھا، آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: خود بھی کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھلاؤ لیکن کوئی چیز اٹھا کر لے جانے کی اجازت نہیں، مسلمانوں کو یمنی کپڑوں کی بیس گانٹھیں بھی ملیں، مختلف قسم کی شراب بھی حاصل ہوئی جسے بہا دیا گیا، مٹی اور

تانبے کے برتن بھی ملے جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: انکو صاف کر کے استعمال کرلو، جنگی ساز وسامان، مویشی، بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور کثیر تعداد میں گدھے بھی حاصل ہوئے، زیر زمین مکان سے بہت زیادہ اسلحہ بھی نصیب ہوا۔ ﴿امتاع الاسماع: ۳۲۱/۱﴾

﴿4﴾

یہاں ایک اور مشہور واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ حضرت عبد اللہ الحمار رضی اللہ عنہ نے پرانی عادت سے مجبور ہو کر شراب پی لی، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ انہیں جوتوں سے مارا جائے، اسطرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، اس پر خدا کی لعنت ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر! ایسا نہ کہو کیونکہ وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے۔ ﴿ایضاً﴾

﴿5﴾

حصن ابی کے میدان جنگ میں یہودیوں کا ایک جنگجو عزوال یا عزال مقابلے کے لیے نکلا اور کہا، ھل من مبارز، اس کے جواب میں حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نکلے، پھر دونوں کے درمیان کافی دیر تک جنگ ہوتی رہی، انہوں نے اس کا دایاں بازو کاٹ دیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، جب وہ بھاگنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسکا ایک پاؤں بھی کاٹ دیا جس سے وہ زمین پر گر گیا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسکو واصل جہنم کر دیا، بعد ازاں ایک اور یہودی نے مقابلے کے لیے للکارا لیکن ایک مسلمان مجاہد اس کے ہاتھوں شہید ہو گیا، اس نے جب دوسری مرتبہ للکارا تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لہراتے ہوئے نکلے، انہوں نے اپنی خود پر سرخ رنگ کا پٹکا باندھ رکھا تھا، یہ ان کا مخصوص نشان تھا، انہوں نے پہلے ہی وار میں اس یہودی کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر موت سے ہمکنار کر دیا، اسکی تلوار، زرہ اور دوسرا جنگی سامان لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے سب کچھ انہیں عطا فرما دیا، اس کے بعد کسی یہودی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی، مسلمان تکبیر خداوندی کے نعرے بلند کرتے ہوئے قلعے کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہو گئے، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے، یہودی بھاگ کر حصن نزال میں پناہ گزیں ہو گئے، حصن ابی سے بھی مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوا۔ ﴿غزوۂ خیبر: ۶۹﴾

﴿6﴾

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودیوں کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی اور دوسرے سردار کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں، انہوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں جلوہ گر ہے، پھر یہ خواب انہوں نے اپنے خاوند کنانہ سے بیان کیا کنانہ نے کہا، اس کی تعبیر یہی ہوسکتی ہے کہ تم حجاز کے بادشاہ حضرت محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتی ہو اور ساتھ ہی اس نے زوردار طمانچہ ان کے چہرے پر رسید کیا، جس سے انکی آنکھ کو سخت صدمہ پہنچا اور نشان بھی باقی رہا، کنانہ کی بیان کی ہوئی تعبیر اس طرح پوری ہوئی کہ جب حضرت صفیہ کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے لیے منتخب کر لیا، ایک صحابی نے عرض کی، یارسول اللہ! صفیہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کی شہزادی ہے، آپ ﷺ نے اسے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا ہے حالانکہ وہ آپ ہی کی شایان شان ہے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صفیہ سے دست بردار ہو کر کسی اور کنیز کا انتخاب کر لو، چنانچہ انہوں نے کنانہ کی بہن کو پسند کیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو سات باندیاں عطا کی گئیں، ﴿صحیح مسلم شریف﴾ حضور اکرم ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جائیں، انہوں نے عرض کیا، میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور انکی مرضی کے مطابق اپنے شرف زوجیت سے نوازا، انکا آزاد ہونا ہی ان کا مہر قرار پایا گیا، انکا پہلا نام زینب تھا جسے صفیہ کے نام سے بدل دیا گیا اور عمر سترہ سال تھی، اس طرح حضرت صفیہ جو کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں، حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے کاشانہ نبوت میں پہنچ گئیں، مدینہ منورہ کی طرف جاتے ہوئے سد صہبا کے مقام پر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں آراستہ کیا اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ شب باشی فرمائی، روایت میں آتا ہے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ خیمہ نبوت کے باہر جاگ کر پہرہ دیتے رہے، ان کے پاؤں کی آہٹ سن کر سرکار اکرم ﷺ نے فرمایا: کون ہے، عرض کی گئی، یہ ابو ایوب انصاری ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم خیمہ کے اردگرد کیوں پھر رہے ہو، انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! اس جنگ میں

صفیہ کے رشتہ داروں ﴿چچا، خاوند وغیرہ﴾ کو اہل اسلام نے قتل کیا تھا، مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ آپ کو نقصان نہ پہنچا دیں، چنانچہ میں رات جاگ کر پہرہ دے رہا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے انکے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور دعا فرمائی، اے اللہ! جس طرح ابو ایوب نے میری حفاظت کی تو بھی اسکی حفاظت فرما، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۵۷﴾ کھجور، گھی اور ستو کے کھانے سے ولیمہ کھلایا گیا، آپ تین روز انکے خیمے میں قیام فرما رہے، ﴿زاد المعاد: ۲/۱۳۷﴾ ایک دفعہ چہرے کے نشان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنے خواب دلنشیں اور اسکی تعبیر کے متعلق بیان کر دیا، ﴿ایضاً﴾

﴿7﴾

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو چکے تو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بہن زینب بنت حارث نے بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا، اسے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کونسا عضو زیادہ پسند کرتے ہیں، اس لیے اس نے دستے کے گوشت میں خوب زہر ملایا ہوا تھا جبکہ باقی حصہ بھی زہر آلود تھا، کھانے کے دوران حضور اکرم ﷺ نے دستے کا گوشت چبایا تو فوراً تھوک دیا اور فرمایا کہ یہ گوشت مجھے بتا رہا ہے کہ اسمیں زہر ملایا گیا ہے، جب زینب سے پوچھا گیا تو اس نے اقرار کر لیا اور کہا، میں نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ اگر یہ بادشاہ ہیں تو ہمیں انکے خاتمے سے سکون مل جائے گا اور اگر یہ نبی ہیں تو انہیں خبر کر دی جائے گی، اس پر آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، میں تمام حاضرین کو گواہ بنا کر اقرار کرتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس موقع پر حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ ایک لقمہ نگل چکے تھے، جس کی وجہ سے انکی شہادت واقع ہو گئی، روایات میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا یا قتل کر دیا تھا، تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے تو معاف کر دیا تھا لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہو گئی تو قصاص کے طور پر اسے قتل کر دیا، ﴿فتح الباری: ۷/۴۹۷﴾ آپ ﷺ نے اس زہر کو زائل کرنے کے لیے اپنے شانہ اقدس پر سنگیاں بھی کھچوائیں، اس واقعہ کے بعد تین سال تک آپ ﷺ دنیا میں رہے، یہاں تک کہ

آپ ﷺ نے مرض وصال میں فرمایا کہ میں ہمیشہ اس بکری سے جو خیبر میں کھائی تھی تکلیف اٹھاتا رہا ہوں مگر اب تو اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹ گئی ہے، اسی لیے امام زہری کہتے ہیں کہ آپ ﷺ شہید فوت ہوئے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۰۱﴾

﴿8﴾

غزوۂ خیبر کے مختلف معرکوں میں سولہ مسلمان شہید ہوئے، ایک قول کے مطابق پندرہ اور ایک قول کے مطابق اٹھارہ شہادتوں کا بھی ذکر ہے، بہر حال چار قریش سے، ایک اشجع سے، ایک اسلم سے، ایک خیبر سے اور باقی انصار سے شہید ہوئے، مقتولین یہود کی تعداد ترانوے ﴿۹۳﴾ تھی، غزوۂ خیبر کا ایک اور مشہور واقعہ ہے کہ وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر اشعری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملک حبشہ سے حاضر بارگاہ رسالت ﷺ ہوئے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں ملک یمن میں رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا علم ہوا تو میں اپنے دو بھائیوں اور قوم کے پچاس آدمیون کے ساتھ اپنے وطن مولوف سے نکلا، ہم لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے، کشتی نے ہمیں ملک حبشہ میں پہنچا دیا، وہاں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور انکے رفقائے سفر کے ساتھ ملاقات ہوئی، انہوں نے سارے احوال بیان کیے، چنانچہ ہم بھی وہاں ٹھہر گئے پھر ہم خدمت اقدس میں اس وقت پہنچے جب آپ ﷺ خیبر کو فتح کر چکے تھے، آپ ﷺ نے ہمیں خیبر کے اموال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا، ﴿صحیح بخاری: ۴۴۳/۱﴾ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے رفقائے سفر کے ہمراہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انکا شاندار استقبال کیا اور بوسہ دے کر فرمایا: اللہ کی قسم، میں نہیں جانتا کہ مجھے کس امر کی زیادہ خوشی ہے فتح خیبر کی یا آمد جعفر کی، ﴿زاد المعاد: ۱۳۹/۲﴾ یاد رہے کہ ان افراد کو بلانے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا، نجاشی نے انکو دو کشتیوں میں سوار کروایا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور انکے رفقائے سفر کل سولہ آدمی تھے، باقی بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں، باقی لوگ اس سے پہلے مدینہ منورہ جا چکے تھے، ﴿تاریخ خضری: ۱۲۸/۱﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے مدینہ منورہ آئے، ﴿سیرت ابن ہشام﴾ کچھ لوگ کہتے تھے کہ ہم نے اہل حبشہ سے پہلے ہجرت کی ہے اس لیے ہم ان سے زیادہ حقدار

ہیں، روایت ہے کہ حضرت اسما زوجہ جعفر رضی اللہ عنہا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئیں، اتفاق سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، انہوں نے پوچھا، یہ کون ہیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں، انہوں نے پوچھا، سمندر کے راستے آنے والی، حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے کہا، ہاں، انہوں نے کہا، ہم نے ان سے پہلے ہجرت کی ہے اس لیے ہم رسول اللہ ﷺ کی سنگت اور دوستی کے ان سے زیادہ حقدار ہیں، وہ بولیں، خدا کی قسم، ہرگز نہیں، آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، وہ آپ ﷺ کے بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو علم سکھاتے تھے، ہم سفر میں دور دراز ناپسندیدہ ملک میں رہتے تھے، یہ مصائب ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے برداشت کیے، خدا کی قسم، جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی تحقیق نہ کرلوں گی نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی، خدا کی قسم میں غلط بیانی سے کام نہیں لوں گی، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے سارا ماجرا بیان کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میری سنگت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں، ان کے اور انکے رفقا کے لیے ایک ہی ہجرت اور تم کشتی والوں کے لیے دو ہجرتیں ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے دیگر کشتی سوار لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں میرے پاس آتے اور یہ حدیث سننے کی خواہش کرتے، خدا کی قسم، وہ کسی چیز سے اتنا خوش نہ ہوتے جتنا اس حدیث کو سن کر خوش ہوتے، حضرت ابوموسیٰ اشعری دوبار یا سہ بار سنتے تھے، ﴿ملخصاً مختصر سیرۃ الرسول: ۵۰۲﴾

﴿9﴾

بنوفزارہ اہل خیبر کی امداد کے لیے آئے تھے، حضور سراپا نور ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا کہ تم واپس چلے جاؤ ہم تمہیں اس کے بدلے خیبر کا اتنا علاقہ عطا فرمائیں گے، انہوں نے یہ پیش کش ٹھکرا دی، جب خیبر فتح ہوا تو اہل فزارہ کے جو لوگ وہاں تھے وہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا اسے پورا فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا، ہم نے تمہیں ذوالرقبہ دیا، یہ خیبر کے نزدیک ایک پہاڑ ہے، ﴿معجم البلدان﴾ وہ کہنے لگے، پھر ہم آپ سے لڑیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ضرور لڑو اور فلاں جگہ آ جاؤ لیکن وہ آپ ﷺ کا جواب سن کر فرار ہو گئے، ابومسلم فزاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم

اس وقت اپنے گھروں کی طرف واپس چلے تو عینیہ بن حصن ہمیں راستے سے واپس لے آیا، جب ہم خیبر کے قریب آرام کے لیے اترے تو ہم پر خوف طاری تھا، عینیہ نے کہا، مجھے آج رات خواب آیا ہے کہ مجھے خیبر کا پہاڑ ذوالرقبہ دیا گیا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو پکڑ لیا ہے، خیبر کے قریب ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کر لیا ہے، تو وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور بولا، آپ نے میرے حلیفوں سے جو چھینا ہے وہ واپس کر دیں، میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا اور واپس چلا جاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو تم تو اعلان جنگ سنتے ہی گھر کو دوڑ گئے تھے، وہ بولا، مجھے کچھ نہ کچھ تو دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں ذوالرقبہ تو دیا گیا ہے، اس نے پوچھا، ذوالرقبہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہی پہاڑ جو تو نے خواب میں دیکھا تھا اور کہا تھا کہ وہ مجھے مل گیا ہے، عینیہ شرمندہ ہو کر واپس گھر پہنچا تو حارث بن عوف اس کے پاس آیا اور کہا، کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تیرا اور تیری بات کا کوئی وزن نہیں، خدا کی قسم حضرت محمد ﷺ مشرق و مغرب کے درمیان ساری دنیا پر غالب آ جائیں گے، یہودی بھی ہم سے یہی کہا کرتے تھے، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابورافع ﴿یہودی﴾ سے سنا ہے کہ نبوت کی وجہ سے ہم حضرت محمد ﷺ پر محض اس لیے حسد کرتے ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے نہیں، وہ ہمیں دو دفعہ ذبح کریں گے، ایک دفعہ مدینہ منورہ میں اور دوسری دفعہ یہاں خیبر میں، حارث کہتا ہے کہ میں نے ابورافع سے پوچھا کہ کیا وہ ساری دنیا پر چھا جائیں گے، اس نے جواب دیا، ہاں، تورات کی قسم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے، لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میری اس بات کا یہودیوں کو علم ہو۔ ﴿ایضاً: ۵۰۴﴾

﴿10﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو صبح کی نماز حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی، جب انکو پہلی رکعت میں 'کھیعص' اور دوسری رکعت میں 'ویل للمطففین' پڑھتے سنا تو نماز ہی میں کہنے لگے، فلاں ہلاک ہو جائے اس نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں، جب لیتا ہے تو پورے پیمانے سے اور جب دیتا ہے تو ناقص پیمانے

سے، نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت سباع رضی اللہ عنہ سے ملے، انہوں نے ان کو زادراہ دیا تو وہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، رسول اللہ ﷺ نے انکو اوران کے ساتھیوں کو بھی مال غنیمت سے حصہ دلایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو اسمیں ہمیں سونا چاندی نہیں بلکہ جانور، ساز وسامان اور باغات حاصل ہوئے، پھر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ وادی القریٰ کی طرف گئے، راستے میں آپکا غلام مدعم جو بنوصبب کے ایک آدمی نے آپ ﷺ کو تحفہ میں دیا تھا، وہ ایک منزل میں آپ ﷺ کا پلان اتاررہا تھا کہ ایک تیر کی وجہ سے فوت ہو گیا، لوگ کہنے لگے اس کے لیے شہادت کی موت مبارک ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، خدا تعالیٰ کی قسم جو چادر اس نے مال غنیمت سے چرائی تھی وہ شعلہ بن کر اس کے جسم پر بھڑک رہی ہے، یہ سن کر ایک آدمی جوتے کا ایک یا دو تسمے لایا اور بولا، یہ میں نے مال غنیمت سے لے لیے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک یا دو تسمے آگ کے ہیں، ﴿ملخصا مختصر سیرۃ الرسول: ۵۰۵﴾

﴿11﴾

روایت ہے کہ جنگ خیبر میں ایک شخص مر گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسکی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا، اس پر لوگوں کے چہرے فق ہو گئے، فرمایا: تمہارے ساتھی نے غنیمت میں خیانت کی ہے، پھر اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو یہود کے چند مہرے نکلے جن کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ تھی، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۷۱﴾ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ خیبر میں ایک شخص ایسا بھی تھا کہ جو ایک دو کافروں کو دیکھتا تو چشم زدن میں انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا، اسکی سرگرمی دیکھ کر بعض لوگ کہنے لگے، آج جتنا کام اس نے کیا ہے، کسی اور نے نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنمی ہے، پس ایک آدمی نے کہا، میں اس کے ساتھ رہوں گا، تا کہ اسکا انجام دیکھ سکوں، اسکا بیان ہے کہ اس شخص کو ایک گہرا زخم آیا تو اس نے مرنے میں جلدی کی یعنی اپنی تلوار کو زمین پر رکھا اور اس کی نوک اپنے سینے کے درمیان رکھ کر سارا بوجھ تلوار پر ڈال دیا اور یوں خودکشی کر لی، پھر نگرانی کرنے والا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بات کیا ہوئی ہے، اس

نے عرض کی، آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے تو یہ بات لوگوں پر بہت گراں گزری تھی، میں اسکی جستجو میں رہا اور دیکھا کہ وہ سخت زخمی ہو گیا اور اس نے مرنے میں جلدی کی یعنی خودکشی کر لی، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی لوگوں کے سامنے اہل جنت جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک آدمی اہل جہنم جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جنتی ہوتا ہے، ﴿صحیح بخاری: ۶۰۳/۲﴾ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بہادری کے جوہر دکھانے کے بعد زخم کی شدت سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر ایمان والا اور بے شک اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے بھی دین کی مدد فرماتا ہے، ﴿ایضاً﴾

﴿12﴾

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر پر حملہ آور ہوئے یا خیبر کی جانب روانہ ہوئے تو ایک وادی میں پہنچ کر لوگوں نے بلند آواز سے پڑھا، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو تو نہیں سناتے، بے شک تم اس ذات کو سناتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے، ﴿صحیح بخاری شریف﴾ انہی سے روایت ہے کہ میں آپ ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھا، آپ ﷺ نے مجھے 'لاحول ولا قوۃ الا باللہ' کہتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ بتا دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، میں عرض گزار ہوا، میرے والدین آپ پر قربان ضرور بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ 'لا حول ولا قوۃ الا باللہ' ہے، ﴿صحیح بخاری: ۶۰۴/۲﴾ لگتا ہے کہ یہ واقعہ سفر خیبر سے واپسی کے وقت پیش آیا کیونکہ جنگ خیبر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہوئے تھے، وہ مہاجرین حبشہ کے ساتھ بعد میں تشریف لائے اور اب حضور اکرم ﷺ نے ان کی قدر افزائی کے لیے اپنے ساتھ اپنی سواری پر سوار کیا، آپ ﷺ اشعریوں کی بہت زیادہ تعریف فرماتے تھے، مثلاً فرمایا: میں رات کو قرآن پڑھتے وقت اشعر قبیلہ کے لوگوں کی آواز پہچانتا ہوں اور معلوم کر لیتا ہوں کہ وہ کہاں کہاں

کھڑے ہیں اگر چہ دن کو نہ دیکھا ہو اور ان میں سے کچھ تو اتنے دلیر ہیں کہ جب دشمنوں میں بزدلی اور فرار کے آثار دیکھتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ٹھہرو میرے بھائیوں نے پیغام بھیجا ہے ذرا ان کا انتظار کرو، ﴿صحیح بخاری شریف﴾

……﴿13﴾……

یزید بن ابو عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم کا ایک نشان دیکھا تو دریافت کیا کہ اے ابو مسلم! یہ نشان زخم کیسا ہے، انہوں نے فرمایا، یہ زخم مجھے غزوۂ خیبر میں آیا تھا، لوگ یہی کہنے لگے تھے کہ سلمہ کا آخری وقت آ پہنچا ہے، میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، پس آپ ﷺ نے اس پر تین مرتبہ دم فرمایا تو مجھے اب تک کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی، ﴿صحیح بخاری ۶۰۵/۲﴾

……﴿14﴾……

خیبر کے اموال غنیمت میں تورات کے متعدد نسخے بھی میسر آئے، یہودیوں نے عرض کیا کہ تورات کے نسخے ہمیں واپس کر دیئے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے ادب و احترام کے ساتھ سب نسخے یہودیوں کو واپس کر دیئے، اس واقعہ کو پڑھ کر یہودی مورخ بھی حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی اعلیٰ ظرفی پر حیران دکھائی دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ رومیوں نے جب یوروشلم پر قبضہ کیا تھا تو انکی مقدس کتابوں کو جلا دیا تھا اور سپین میں بھی عیسائیوں نے تورات کے نسخے جلا کر راکھ کر دیئے تھے لیکن حضور پیغمبر اسلام ﷺ اور دیگر فاتحین کے انداز فکر میں کتنا فرق محسوس ہوتا ہے۔ ﴿محمد رسول اللہ: ۲۴۱﴾

……﴿15﴾……

حضور سرور کائنات ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ حرام مہینوں کے خاتمے کے بعد مدینہ منورہ کو افواج اسلام سے خالی چھوڑنا دور اندیشی کے خلاف ہے کیونکہ مدینہ منورہ کے گرد ونواح میں بدو مقیم تھے جو ڈاکہ زنی کا کوئی موقع نہیں جانے دیتے تھے، جب آپ ﷺ خیبر تشریف لے گئے تو بدوؤں کو ہراساں کرنے کے لیے حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سریہ ان کی جانب بھیج دیا، وہ اپنا فرض منصبی ادا کر کے واپس آئے تو خیبر میں ملاقات ہوئی، غالب گمان یہی ہے کہ یہ سریہ صفر المظفر ۷ ہجری میں بھیجا

گیا تھا، یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے۔

﴿16﴾

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر کیا تو وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں بڑی عمدہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح کی ہیں، وہ عرض گزار ہوا کہ خدا کی قسم ساری کھجوریں اس طرح کی تو نہیں ہیں، ہوتا یوں ہے کہ ہم دو صاع گھٹیا کھجوروں کے بدلے ایک صاع عمدہ کھجوریں لے لیتے ہیں اور تین صاع کے بدلے دو صاع، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو، بلکہ انہیں درہموں سے فروخت کر دیا کرو اور ان اچھی کھجوروں کو درہموں سے خرید لیا کرو، حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرات سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عدی کے انصاری بھائیوں میں سے کسی کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ ﴿صحیح بخاری ۶۱۷/۲﴾

مال غنیمت کی تقسیم:

سنن اربعہ اور مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو آپ ﷺ نے اسکو ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصے میں سو حصہ تھا، آدھا خیبر آپ ﷺ نے غانمین میں تقسیم کر دیا اور باقی آدھا بیت المال میں رکھ دیا جو انتظامی امور، وفود اور آسمانی حوادث میں طالب امداد لوگوں کے کام آتا تھا، یہ ابو داود کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ۱۸ حصے اپنی ضروریات اور پیش آنے والے مصائب کے لیے بیت المال میں رکھ دیئے، یہ حصے وطیحہ، کیتبہ اور اس سے ملحقہ علاقے میں تھے اور باقی نصف یعنی ۱۸ حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے، آپ ﷺ کا حصہ ملحقہ علاقے میں تھا، امام بیہقی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اس لیے خیبر اس طرح تقسیم کیا کہ آدھا خیبر بزور تلوار اور آدھا صلح کے ساتھ حاصل ہوا تھا، جو حصہ بزور تلوار فتح کیا، اسکو غانمین اور اہل خمس میں تقسیم کر دیا اور جو حصہ صلح کے ساتھ فتح کیا اسکو انتظامی معاملات اور حوادث کے لیے بیت المال میں رکھ دیا اور یہ امام شافعی کے قول کے مطابق ہے کہ جس طرح منقول مال غانمین

میں تقسیم کیا جاتا ہے، بزور تلوار فتح کی ہوئی زمین بھی اسی طرح غانمین میں تقسیم کرنی واجب ہے اور چونکہ سارا خیبر بزور تلوار فتح نہیں ہوا بلکہ آدھا صلح کے ساتھ ہوا تھا، اس لیے آپ نے آدھا خیبر غانمین میں تقسیم کر دیا لیکن جس نے سیر اور مغازی میں اس طرح غور کیا جیسا غور کرنے کا حق ہے، وہ معلوم کر لیتا ہے کہ سارا خیبر ہی بزور تلوار فتح ہوا ہے، اگر کچھ حصہ صلح کے ساتھ فتح ہوتا تو آپ ﷺ وہ یہودیوں کو نہ دیتے، جب آپ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا تہیہ کیا تو انہوں نے کہا کہ کھیتی باڑی کا ہمیں زیادہ علم ہے، اس لیے ہمیں یہی رہنے دیں، پیداوار کا آدھا حصہ ہم آپ کو ادا کر دیا کریں گے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سارا خیبر بزور تلوار فتح ہوا ہے کیونکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مبازرت، لڑائی اور قتل و قتال اظہر من الشمس ہے، ہاں قلعوں میں محصور ہونے کے بعد وہ صلح پر مجبور ہوئے تھے اور درست بات یہی ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ خیبر بزور تلوار حاصل ہوا اور امام کو اختیار ہے کہ بزور تلوار حاصل کی ہوئی زمین غانمین میں تقسیم کر دے یا وقف کر دے یا کچھ تقسیم کر دے اور کچھ وقف رہنے دے، حضور نبی اکرم ﷺ نے ان تینوں طریقوں پر عمل کیا، قریظہ اور بنو نضیر کی زمینیں تقسیم کر دیں، مکہ کی زمین کو تقسیم نہیں کیا اور نصف خیبر تقسیم کر دیا اور نصف کو تقسیم نہیں کیا اور جو حصہ تقسیم ہوا وہ اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم کیا، یہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ کے لیے خوراک کا عطیہ دیا تھا، جو جنگ خیبر میں شریک ہوئے اور جو غیر حاضر رہے، سب کو حصہ ملا، ان کی تعداد ۱۴ سو تھی اور دو سو گھوڑے تھے، خیبر سے اہل حدیبیہ میں سے صرف حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی غائب رہے مگر ان کو اسی طرح حصہ دیا جس طرح غائب ہونے والوں کو دیا تھا، شہسوار کو تین حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا اور یہی صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ (سبل الہدیٰ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کیا تو ارادہ کیا کہ یہودیوں کو وہاں سے نکال دیں کیونکہ جس وقت کوئی علاقہ فتح کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں کا ہو جاتا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے یہودیوں کو وہاں سے نکال دینا چاہا، لیکن یہودیوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمیں یہاں رہنے دیں، ہم زمین کی کاشت اور کھیتی

باڑی کا کام کریں گے، آدھی پیداوار ہم لیں گے اور آدھی پیداوار آپ کی ہو گی، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں اس شرط پر رہنے دیتے ہیں مگر تمہارا یہاں رہنا ہماری مرضی پر موقوف ہوگا، جب ہم چاہیں گے تمہیں نکال دیں گے، چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وہ وہاں رہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان کو تیما اور اریحا کی طرف جلاوطن کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے معاملہ کیا کہ کھیتی اور پھلوں میں سے انکو نصف ملے گا اور نصف حصہ مسلمانوں کا ہوگا، آپ ﷺ اس سے چار سو من غلہ اپنی بیویوں کو دیتے، جس میں سے ۳۲۰ من کھجوریں اور ۸۰ من جو ہوتے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں خیبر تقسیم کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کی بیویوں کو اختیار دیا کہ جو چاہیں اپنے حصے کا غلہ لے لے اور جو چاہے اتنی زمین اور پانی لے لے، جس سے اتنا غلہ پیدا ہو سکے بعض نے اپنے حصے کا غلہ لینا پسند کیا اور بعض نے زمین اور پانی پسند کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غلہ لینا ہی پسند کیا تھا، عبدالعزیز بن صہیب کی حدیث میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صراحتاً آیا ہے، خیبر بزور تلوار فتح ہوا تھا، ابن عبدالبر نے بھی اسی کو یقینی کہا ہے اور لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ خیبر صلح کے ساتھ فتح ہوا تھا اور لکھا ہے کہ ان لوگوں کو ان دو قلعوں ﴿وطیح اور سلالم﴾ کی وجہ سے شبہ ہوا ہے جو انہوں نے اس شرط پر آپ ﷺ کے حوالے کیے تھے کہ ان کو قتل نہ کیا جائے، یہ اگرچہ ایک قسم کی صلح ہے، مگر یہ صلح بھی محاصرہ اور لڑائی کے سبب ہی ہوئی تھی، ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ خیبر کے شق، نطاۃ اور کتیبہ نامی قلعے تقسیم ہوئے تھے، شق اور نطاۃ غانمین کو ملے تھے اور کتیبہ خمس میں حضور اکرم ﷺ کے قریبی رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے حصے میں آیا تھا، آپ ﷺ اپنی بیویوں کا سال بھر کا خرچ اور ان لوگوں کا وظیفہ بھی اسی کتیبہ سے لیتے تھے، جنہوں نے آپ ﷺ اور اہل فدک کے درمیان صلح کروائی تھی، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح بخاری میں آیا ہے کہ میں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں بنو ہاشم کی فضیلت پر اعتراض نہیں، مگر آپ نے خیبر کا خمس بنو مطلب کو دیا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہم اور وہ ایک مرتبہ میں ہیں،

آپ ﷺ نے فرمایا: بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں، آپ ﷺ نے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو خمس میں کچھ نہیں دیا تھا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبد شمس، ہاشم اور بنو مطلب حقیقی بھائی تھے، ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت مرہ تھا اور نوفل باپ کی طرف سے انکا بھائی تھا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۹۸﴾ یاد رہے کہ غزوۂ خیبر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت اہل حدیبیہ کے لیے مخصوص تھا کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

⊙...... وعدکم اللہ مغانم کثیرۃً تاخذونھا فعجل لکم ھذہ ......

مسلمانو! اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے بہت سی غنیمتوں کا، جنہیں تم حاصل کرو گے، پس بہت جلدی فرما دی تمہارے لیے اس کی اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تا کہ نشانی ہو جائے مسلمانوں کے لیے اور چلاتا رہے تم کو سیدھی راہ پر، ﴿سورۃ الفتح: ۲۰﴾

جب خیبر کے مال تقسیم ہوئے تو مسلمانوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا اور انکو وہ فائدہ اور خوشحالی ملی جو پہلے حاصل نہیں تھی حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، ہمیں فتح خیبر کے بعد ہی پیٹ بھر کر کھانا میسر ہوا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا کہ اب ہم پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں گے، ﴿صحیح بخاری﴾ شرکائے حدیبیہ میں سے جو لوگ خیبر میں نہ گئے یا اس سے پہلے وفات پا گئے انہیں بھی مذکورہ غنیمتوں سے حصہ دیا گیا، جو لوگ سفارتی تعلقات کو استوار کرنے کے لیے مصروف عمل رہے انہیں بھی ان غنیمتوں سے نوازا گیا، روایات میں آتا ہے کہ جو زمینیں یہودیوں کو حصے پر دی گئی تھیں بعض مسلمان ان سے ترکاری یا فصل یا چارہ وغیرہ کاٹ لیتے تھے، یہودیوں نے بارگاہ رسالت میں شکایت کی تو آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اعلان کا حکم دیا کہ نماز تیار ہے، جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے، یہ اعلان سن کر سب اہل اسلام اکٹھے ہو گئے، حضور پیغمبر عدل ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

لوگو! یہودیوں نے شکایت کی ہے کہ تم انکے خاص رقبوں سے ترکاری، فصل اور چارہ وغیرہ حاصل کر لیتے ہو حالانکہ ہم نے انکی جانوں اور مالوں کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، سنو! جن کے ساتھ معاہدہ ہو جاتا ہے، انکے مالوں کو اسطرح

حاصل کرنا جائز نہیں۔

اس کے بعد مسلمان جو کچھ بھی حاصل کرتے اسکی قیمت یہودیوں کو ادا کرتے، یہ تھا وہ عالمگیر عدل و انصاف جس سے اپنے ہی نہیں بیگانے بھی پوری طرح فیضیاب ہو رہے تھے، حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے باغات واجناس کی تقسیم پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا جو ایک سال وہاں جا کر یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے ﴿کیونکہ اگلے سال انکی شہادت واقع ہوگئی﴾، باغات واجناس کا نصف یہودیوں کو دیا جاتا اور نصف بیت المال میں جمع کیا جاتا، روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کھجوروں اور اناجوں کو دو برابر حصوں میں بانٹ کر یہودیوں سے فرماتے: اس میں سے جو حصہ تم کو پسند ہو، وہ لے لو، اس پر یہودی حیران ہو کر کہتے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل کی وجہ سے قائم ہیں، ﴿فتوح البلدان باب خیبر﴾ ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ یہودیوں نے باغات واجناس کی پیداوار کو اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کروانے کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونے کے چمکتے ہوئے زیورات کی کثیر مقدار ایک طشت میں رکھ کر بطور رشوت پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے دشمنو! کیا تم مجھے حرام کھلانے پر کمر بستہ ہو، اللہ کی قسم میں اس ذات اقدس کے پاس سے آیا ہوں جو مجھے تم سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ مبغوض ہو، اس ذات اقدس کی محبت مجھے اس تقسیم میں ایک دانے کے برابر بھی فرق ڈالنے کی اجازت نہیں دیتی، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۰۷/۵﴾

غزوہ خیبر میں احکام شریعت:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے گھریلو گدھے کا گوشت اسی جنگ میں حرام کیا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا، اس رات لوگوں نے دور دور تک اپنے خیموں میں آگ جلائی، آپ ﷺ نے پوچھا، یہ آگ کیسی ہے اور آپ لوگ اس میں کیا پکا رہے ہیں، ان لوگوں نے کہا، گوشت پکا رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا، کیسا گوشت، انہوں نے کہا، گھریلو گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ گوشت کو الٹا دو اور ہانڈیاں توڑ ڈالو، ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم گوشت الٹا کر

ہانڈیاں دھو نہ ڈالیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کر لو، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے لہسن اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا تھا، ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کھانے کی اجازت دی، ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے آ کر کہا کہ گدھے کھائے جا رہے ہیں، آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے دوسری دفعہ آ کر کہا، گدھے کھائے جا رہے ہیں، آپ ﷺ پھر خاموش رہے، اس نے تیسری دفعہ آ کر کہا، گدھے فنا کر دیئے گئے تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دو: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم کو گھریلو گدھے کے گوشت سے منع کرتے ہیں کیونکہ یہ پلید ہے، اسی جنگ میں آپ ﷺ نے ہر کچلی والے درندہ جانور کے کھانے، تقسیم سے پہلے غنیمت کا مال بیچنے اور استبرائے رحم سے قبل لونڈی کے ساتھ ہم بستری کرنے سے منع فرمایا، ابن اسحاق حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خیبر کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ جو آدمی اللہ اور اللہ کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ استبرائے رحم سے پہلے کسی لونڈی سے جماع کرے، جو آدمی اللہ اور اللہ کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ تقسیم ہونے سے پہلے غنیمت کا مال بیچے، جو آدمی اللہ اور اللہ کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ غنیمت کے کسی جانور پر سواری کرے اور اس کو لاغر کرنے کے بعد غنیمت میں لوٹا دے، جو آدمی اللہ اور اللہ کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ مسلمانوں کی غنیمت سے کوئی کپڑا پہنے اور اس کو پرانا کرنے کے بعد اس میں جمع کر دے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۰۰﴾ آپ ﷺ نے یہ حکم بھی نافذ فرمایا کہ کھجور کا پھل جب تک قابل استعمال نہ ہو اسکو فروخت کرنا جائز نہیں، اس جانور کو بھی حرام قرار دیا جسے میدان میں کھڑا کر کے اس پر نشانہ بازی کی جاتی ہے اور اس جانور کو بھی حرام قرار دیا جسے کوئی درندہ پکڑ لے اور اسکو اس درندے سے چھڑا لیا جائے لیکن ذبح کرنے سے پہلے وہ مر جائے، آپ ﷺ نے زندہ جانور سے گوشت کا ٹکڑا کاٹنا بھی حرام قرار دیا نیز میدان جنگ میں کسی عورت کو قتل کرنے سے بھی روک دیا، ﴿سیرت ابن

کثیر:۳/۳۴۹﴾آپ ﷺ نے زرعی زمین کو مزارعت پر دینا جائز قرار دیا، آپ ﷺ نے ہر اس عورت پر لعنت فرمائی جو کسی عورت کے بال کسی دوسری عورت کے بالوں میں پیوست کرتی ہے یا کرواتی ہے، جو سوئی کے نوک سے کسی عورت کے چہرے اور ہاتھوں پر نقش و نگار بناتی ہے اور جس عورت کے جسم پر ایسے نقش و نگار بنائے جاتے ہیں اور جو کسی رشتے دار کی موت پر اپنے چہرے کو نوچتی ہے اور جو کسی صدمے کے وقت اپنا گریبان پھاڑتی ہے، ﴿سیرت ابن کثیر:۳/۳۴۹﴾غزوۂ خیبر میں ایک اور اہم ترین شرعی حکم نافذ کیا گیا، حضرت امام محمد بن علی رضی اللہ عنہما کے دونوں صاحبزادے حضرت عبداللہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما اپنے والد ماجد سے اور وہ اپنے والد محترم حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے روز رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۰۸﴾یہی حدیث مبارک ان الفاظ میں شیعہ حضرات کے محدث جعفر طوسی نے درج کی ہے، حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت اور نکاح متعہ کو حرام فرما دیا، ﴿تہذیب الاحکام:۷/۲۵۱﴾

وادی القریٰ:

رسول اللہ ﷺ نے خیبر پہنچ کر محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دینے کے لیے یہودان فدک کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے میں دیر کر دی، فتح خیبر کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں پر رعب ڈال دیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آدمی بھیج کر اہل خیبر کے معاملات کے مطابق سرزمین فدک کی نصف پیداوار دینے کی شرائط پر صلح کی پیش کش کی جسے آپ ﷺ نے قبول فرما لیا، اسطرح سرزمین فدک خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوئی کیونکہ اہل اسلام نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے یعنی اسے بزور شمشیر فتح نہیں کیا تھا، ﴿سیرت ابن ھشام:۲/۳۳۷﴾فراغت فتح خیبر کے بعد حضور اکرم ﷺ وادی القریٰ تشریف لائے، وہاں بھی یہودیوں کی ایک جماعت تھی اور عرب کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ شامل تھی، جب اہل اسلام وہاں اترے تو انہوں نے تیروں سے استقبال کیا کیونکہ وہ پہلے ہی سے صف آرا تھے اور گویا اہل اسلام کا انتظار کر رہے تھے،

رسول اللہ ﷺ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف بندی فرمائی ، آپ ﷺ نے اپنا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک جھنڈا حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور ایک جھنڈا حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو دیا، پھر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو بتایا کہ اگر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے اور انکا حساب اللہ تعالیٰ پر ہو گا، لیکن دعوت قبول کرنے کی بجائے انہوں نے جنگ پسند کی اور ان میں سے ایک آدمی میدان جنگ میں آکر للکارنے لگا، اس کے مقابلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور اس کو داخل فی النار کیا، پھر ایک اور آدمی نکلا، اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، اسی طرح ایک ایک کر کے ان کے گیارہ آدمی قتل ہو گئے، ہر آدمی کے قتل کے بعد آپ ﷺ ان کو دعوت دیتے مگر انہوں نے دعوت قبول نہ کی اور شام کے وقت تک لڑائی ہوتی رہی، دوسرے دن علی الصبح پھر جنگ شروع ہوئی مگر سورج بقدر ایک نیزے کے بلند ہوا تو انکو شکست ہو گئی اور آپ ﷺ نے اس شہر کو بزور تلوار فتح کر لیا اور بہت سا ساز و سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کو حسب دستور ان میں تقسیم کر دیا گیا، آپ ﷺ وادی القریٰ میں چار دن رہے اور ان سے بھی خیبر جیسا معاملہ طے کیا، ﴿زاد المعاد: ۱۴۷/۳﴾ آپ ﷺ نے غیر منقول زمین اور باغات کے علاوہ سارا مال و متاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور زمین اور باغات یہودیوں کو بٹائی پر دے دیئے، جب تیما کے یہودیوں کو پتا چلا کہ آپ ﷺ نے خیبر، فدک اور القریٰ کے یہودیوں سے بٹائی کے بدلے صلح کر لی ہے، تو انہوں نے بھی اسی طرح آپ ﷺ سے بٹائی پر صلح کر لی، اس کے متعلق آپ ﷺ نے یہ تحریر بھی عنایت فرمائی:

یہ بیان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو عادیا کے لیے، ان کے لیے ذمہ ہے اور ان کے لیے جزیہ ہے، نہ ان پر زیادتی ہو گی اور نہ انہیں جلاوطن کیا جائے گا، یہ معاہدہ دائمی ہے، ﴿طبقات ابن سعد: ۲۷۹/۱﴾

یہ تحریری بیان حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اہل خیبر اور اہل فدک کو جلاوطن کر دیا اور وادی تیما اور وادی القریٰ کے یہودیوں کو بدستور اپنے گھروں میں آباد رہنے دیا، دوسروں نے کہا کہ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے انکواس لیے نکالا کہ آپ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا تھا، جزیرہ عرب میں مساوی قوت کے ساتھ دو دین جمع نہیں ہو سکتے اور تحقیق کرنے پر یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی تھی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۵۰۶﴾

حجاج بن علاط سلمی کا واقعہ:

موسیٰ بن عقبہ اور دوسرے مورخین کہتے ہیں کہ جب قریش مکہ نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر چڑھائی کی ہے تو انہوں نے آپس میں بڑی بڑی شرطیں باندھیں، بعض کا خیال تھا کہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی غالب آئیں گے اور بعض کا خیال تھا کہ یہود اور ان کے دونوں حلیف کامیاب ہوں گے، حجاج بن علاط سلمی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور فتح خیبر کے وقت خیبر میں موجود تھے، ان کے نکاح میں بنو عبد الدار کی عورت ام شیبہ تھی، حجاج بن علاط سلمی رضی اللہ عنہ بڑے مالدار اور بنو سلیم کے علاقہ میں معاذر نامی خطہ کے مالک تھے، جب خیبر فتح ہوا تو آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا، یا رسول اللہ! میری بیوی کے پاس میرا بہت سا سونا ہے، اگر اسکو اور اسکے والدین کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا تو میرا یہ سارا مال ضائع ہو جائے گا، آپ مجھے اجازت دیں کہ میں فتح خیبر کی اطلاع پہنچنے سے پہلے اپنی جان کی حفاظت اور مال کے حصول کے لیے کچھ افواہیں پھیلاؤں، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، چنانچہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں، کسی سے ذکر نہ کرنا، اہل خیبر کامیاب ہو گئے ہیں، انہوں نے حضرت محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے بے بہا مال لوٹا ہے، حضرت محمد ﷺ گرفتار ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھی ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں، اس لیے جلدی سے مال جمع کرو، میں اہل خیبر سے غنیمت کا وہ مال خریدنا چاہتا ہوں، یہود نے قسم اٹھا کر اعلان کیا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو مکہ مکرمہ بھیج دیں گے اور مدینہ میں اپنے مقتولوں کے بدلے میں ان کو قتل کر دیں گے، رفتہ رفتہ یہ بات مکہ مکرمہ میں مشہور ہو گئی، کفار نے بڑی خوشی منائی اور مسلمانوں کو انتہائی صدمہ پہنچا، جب آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خوشی کے یہ نعرے سنے تو انکی تو گویا کمر ہی ٹوٹ گئی، وہ باہر نکل کر اسکی تصدیق کرنا چاہتے تھے مگر اپنی جگہ سے ہل نہ سکے اور کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوئے، ان کا

ایک بیٹا قثم شکل وشباہت میں آپ ﷺ سے ملتا تھا، وہ اسکا نام لے کر اونچی آواز میں یہ شعر پڑھنے لگے تاکہ دشمنان اسلام کو اس صدمہ کی خوشی منانے کا موقع نہ ملے

قثم شبیہ ذی الانف

ذی النعم برغم من رغم

''قثم شکل وصورت میں اپنے اونچی ناک والے، خلق خدا کے محسن بھائی سے ملتا جلتا ہے، جسے دیکھ کر دشمنوں کے دل سی پارہ ہو جاتے ہیں''

یہ خبر سن کر بہت سے لوگ ان کے دروازے پر جمع ہو گئے، کچھ خوشی اور سرور کا مظاہرہ کرتے تھے، کچھ بظاہر غمناک اور دل میں خوش تھے، بعض اتنے نڈھال تھے کہ گویا ان پر موت طاری ہے، مسلمانوں نے جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ دلیرانہ گیت سنا تو ان کو قدرے سکون حاصل ہوا اور کفار سمجھے کہ ان کو کوئی ایسی خبر ملی ہے جو انہیں نہیں ملی، آخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اس سے کہا کہ حجاج سے علیحدگی میں پوچھ کر آؤ کہ اصل معاملہ کیا ہے، جو تم خبر سناتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے خلاف ہے، ایسا کیوں ہے، جب غلام نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے، ابوالفضل کو جا کر میری طرف سے سلام کہو، ابوالفضل! خوش ہو جاؤ، یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس طرح اچھل کر کھڑے ہوئے جیسے انکو کوئی صدمہ پہنچا ہی نہیں، انہوں نے غلام کی پیشانی پر بوسہ دیا اور حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کی سن کر اس کو آزاد کر دیا اور کہا، اب مجھے بتاؤ پوری بات کیا ہے، غلام نے کہا، انہوں نے آپ کو پیغام دیا ہے کہ ان سے کسی مکان میں خلوت میں بات کریں، وہ ظہر کے وقت آپ کے پاس آئیں گے، جب وہ آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں بات کی ان سے عہد لیا کہ میری بات کسی پر ظاہر نہ کریں، انہوں نے عہد کیا کہ میں ان کی یہ بات کسی کے سامنے ظاہر نہیں کروں گا، حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے کہا، میں خیبر فتح ہونے کے بعد آیا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے یہود کے اموال غنیمت حاصل کر لیے ہیں اور انکو مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہے، آپ ﷺ نے صفیہ بنت حی بن اخطب کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے، اور ان کے ساتھ شادی بھی کر چکے ہیں، میں اپنے مال کی خاطر آیا ہوں اور اس کو اکھٹا کر کے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، میں نے حضور اکرم ﷺ سے کچھ خلاف واقعہ

باتیں کرنے کی اجازت مانگی تھی جسکی آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی تھی، تین دن تک میری بات چھپائیں اور اس کے بعد جو دل میں آئے کہیں، میں اتنی دیر میں کسی محفوظ مقام پر پہنچ جاؤں گا، ادھر حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کی بیوی نے سارا مال جمع کر کے ان کے حوالے کر دیا، جسے لے کر وہ واپس چلے گئے، جب حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کو واپس گئے تین دن گزر گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کی بیوی کے پاس گئے اور اس سے پوچھا، تمہارا خاوند کہاں ہے، وہ بولی وہ تو چلا گیا، ابوالفضل! اللہ تعالیٰ آپ کو ہر رسوائی سے بچائے جو خبر آپ کو ملی ہے وہ سن کر ہمیں بڑا صدمہ ہوا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر رسوائی سے بچائے لیکن واقعہ وہی ہوا ہے جو میں چاہتا تھا، حضور اکرم ﷺ نے خیبر فتح کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ تقسیم ہو چکا ہے، آپ ﷺ نے یہودیوں کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور ان سے نکاح بھی کر لیا ہے، اگر تمہیں اپنے خاوند کے پاس رہنا منظور ہے تو اس کے پیچھے چلی جاؤ، وہ بولی، بخدا میں آپکو سچا سمجھتی ہوں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، بخدا میں سچ بولتا ہوں، واقعہ وہی پیش آیا ہے جو میں نے تمہیں بتایا ہے، وہ بولی یہ واقعہ آپ کو کس نے بتایا ہے، وہ بولے اسی نے جس نے تم کو پہلی بات بتائی تھی، پھر وہاں سے نکل کر وہ قریش کی مجلس میں آئے، قریش نے انکو خوش دیکھ کر کہا، خدا کی قسم یہ خوشی کا اظہار محض تکلف ہے، ابوالفضل! اللہ تعالیٰ آپ کو ہر رسوائی سے بچائے اور ہر قسم کی خیر و برکت سے نوازے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے، ہاں اللہ تعالیٰ مجھے ہر قسم کی خیر و برکت سے نوازے گا، خدا کا شکر ہے، حجاج نے مجھے یہ خبر سنائی اور کسی مقصد کے لیے اس نے اس خبر کو تین روز تک چھپانے کے لیے کہا تھا، اب تو یہ ہوا کہ مسلمانوں پر غم کے جو پہاڑ ٹوٹے تھے وہ کفار پر ٹوٹ پڑے، مسلمان اپنے گھروں سے نکل کر جوق در جوق حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور براہ راست ان سے یہ خبر سنی اور یہ خبر سن کر ان کے چہرے چمک اٹھے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۰۸، سبل الہدیٰ: ۲۱۶/۵﴾

قریش مکہ شرط ہار گئے:

امام بیہقی روایت لکھتے ہیں کہ حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، نے بیان کیا ہے کہ میں صلح حدیبیہ کے بعد واپس آیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت

محمد ﷺ پورے عرب پر غلبہ واختیار حاصل کرلیں گے، اس کے باوجود مجھے مشرکانہ عقائد چھوڑ کر قبول اسلام کی ہمت نہ ہوئی، اسی دوران عباس بن مرداس مکہ مکرمہ آیا اور اس نے اطلاع دی کہ حضرت محمد ﷺ یہودان خیبر پر حملے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، اب یہودیوں کے لشکر جرار سے انکا بچنا بہت مشکل ہے، پھر اس نے کہا کہ اس بات پر اگر کوئی شرط لگانا چاہتا ہے تو میں تیار ہوں، میں نے کہا، میں تمہارے ساتھ شرط لگاتا ہوں، صفوان بن امیہ، نوفل بن معاویہ اور کچھ اور قریشی حضرات عباس کے حمایتی تھے، ہم نے سو اونٹ کی شرط لگائی، میرے ساتھی یہ کہتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ غالب آجائیں گے جبکہ عباس کے ساتھی یہ کہتے تھے کہ یہودی غالب آجائیں گے، پھر جب رسول اللہ ﷺ کو میدان خیبر میں فتح ہوئی تو ہم نے عباس اور اسکے ساتھیوں سے سو اونٹ وصول کر لیے، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۱۶/۵﴾

سورج الٹے پاؤں پلٹا:

حضور سرور کائنات ﷺ مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرماتے ہوئے مقام صہبا میں رونق افروز ہوئے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا اور اسی منزل میں نماز عصر ادا فرمائی، نماز عصر کے بعد سر مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زانوئے اقدس پر رکھا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سو گئے یہاں تک کے وحی کے آثار نمودار ہوئے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی ﴿کیونکہ وہ کسی کام کے سلسلے میں باہر نکلے تھے﴾ نزول وحی کی مدت اتنی طویل ہوگئی کہ آفتاب غروب ہوگیا، وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: علی! کیا نماز عصر ادا کر لی ہے، عرض کیا، یارسول اللہ! نہیں، میں نے نہیں پڑھی، حضور اکرم ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی اے پروردگار! اگر علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو سورج کو لوٹا دے تاکہ وہ نماز عصر ادا کر لے، حق تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور باوجود کہ آفتاب غروب ہو چکا تھا، دوبارہ طلوع ہو گیا اور اسکی شعائیں پہاڑوں اور ٹیلوں پر پڑنے لگیں، مخلوق خدا نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور نماز عصر ادا فرمائی، ﴿مدارج النبوۃ: ۴۲۷/۲﴾

سورج الٹے پاؤں پلٹے ، چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے منکر دیکھ لے قدرت رسول اللہ ﷺ کی

یہ روایت حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس کو امت کے جلیل القدر محدثین نے اپنی کتابوں میں ارقام فرمایا ہے، امام قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

احمد بن صالح محدثین میں بڑے ثقہ بزرگ اور عالم ہیں، وہ امام احمد بن حنبل کی شان میں فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کو جسے علم میں دسترس ہو لائق نہیں ہے کہ وہ حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کے حفظ میں تخلف اور تغافل کرے کیونکہ انکی حدیث نبوت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہے، ﴿ایضاً﴾

بعض علما کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ محدث ابن جوزی نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے، اس کی سند میں احمد بن داود ہے جو متروک الحدیث اور کذاب ہے جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے، ابن حبان بھی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا نیز ابن جوزی نے ابن شاہین کے حوالے سے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس کے وضع کرنے والے کی غفلت ظاہر ہے کہ اس نے فضیلت کی ظاہری صورت تو دیکھ لی اور یہ نہ جانا کہ نماز عصر غروب آفتاب سے قضا ہو چکی تھی اور رجوع شمس سے یہ ادا نہیں ہو سکتی، ابن تیمیہ نے بھی اسے وضعی کہا ہے اور قاضی عیاض مالکی کی جلالت قدر کو تسلیم کرنے کے باوجود ان پر تعجب کیا ہے، ان تمام اشکال کا جواب حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح عطا فرماتے ہیں، قائل کا یہ کہنا کہ غروب آفتاب سے نماز عصر قضا ہو چکی تھی اور رجوع شمس سے یہ ادا نہیں ہو سکتی محل نظر ہے، اس لیے کہ قضا اس صورت میں ہوتی ہے کہ جبکہ آفتاب غیبوبیت میں قائم و باقی رہے اور وقت فوت ہو جائے لیکن اگر وقت بھی لوٹ آئے تو کیوں ادا نہیں ہو سکتی نیز قاضی عیاض مالکی کی جلالت قدر کے اعتراف کے بعد توقف مناسب ہے نہ کہ اس کے بطلان پر یقین کرنا چاہیے، اس کے باوجود کہ امام طحاوی اور احمد بن صالح جیسے اکابر سے اسکی صحت ظاہر ہو چکی ہے، رہا ابن جوزی تو وہ وضع کا حکم کرنے اور اسکا ادعا کرنے میں بڑا جلد باز ہے، ﴿مدارج النبوۃ﴾ امام ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ احادیث کو موضوع کہنے پر ابن جوزی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا نیز لکھا ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن جوزی نے

اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانے میں غلطی کی ہے، ﴿فتح الباری: ۱۳۶/۲﴾ اس معجزے کو بہت سی حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض کی سندات یقیناً کمزور ہوں گی لہذا ہر سند پر الگ الگ نہ زیادہ بحث مقصود ہے اور نہ ہی اسکا زیادہ فائدہ ہے، البتہ محدثین کے نقطہ نظر سے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مشکل الآثار میں حضرت امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ دو سندیں بالکل صحیح ہیں کیونکہ ان کے سب راوی ثقہ ہیں، مثال کے طور پر صرف ایک سند کے راویوں کا نام اور ان کے بارے میں محدثین کی رائے بیان کی جاتی ہے:

①...... ابوامیہ شیبانی دمشقی: ابن حبان نے اسکو ثقہ فرمایا ہے، ﴿تہذیب التہذیب﴾

②...... عبداللہ بن موسیٰ العبسی الکوفی: ثقہ، صدوق، حسن الحدیث ہے، ﴿کتاب الجرح والتعدیل﴾

③...... فضیل بن مرزوق: امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں اس میں بہتری ہی جانتا ہوں، ﴿ایضاً﴾ ابن عیینہ اور ابن معین نے ثقہ کہا ہے، شیعہ تھا مگر گالی دینے والا نہیں تھا، ﴿میزان الاعتدال﴾ یاد رہے کہ اس قسم کے بعض شیعوں، خارجیوں اور قدریوں سے اصحاب صحاح نے بھی روایات قبول کی ہیں۔

④...... ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم: حافظ نورالدین تیمی نے ثقہ کہا ہے، ﴿رشاء الوفا﴾

⑤...... فاطمہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہم: ثقہ ہے، ﴿تہذیب التہذیب﴾ اگر شہسوار کربلا کی لخت جگر بھی معتبر نہیں تو اور کسے معتبر کہا جائے گا۔

⑥...... حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا: مشہور صحابیہ ہیں، حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ میرے سب صحابہ عدول ہیں، مشکل الآثار کی مذکورہ دو روایتوں پر عظیم محدثین کرام نے اعتماد کیا ہے، جن میں امام عیاض مالکی، امام علی قاری، امام خفاجی، امام سیوطی، امام سخاوی، امام عسقلانی، امام عینی، امام شامی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ شامل ہیں، خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: وھذا حدیث ثابت الروایۃ عن الثقاۃ، یہ حدیث مضبوط راویوں سے ثابت ہے، ﴿مشکل الآثار﴾ اس حدیث کو دیوبندی مکتبہ فکر کے محدث شیخ بدر عالم مدنی نے بھی اپنی کتاب ترجمان السنہ جلد چہارم میں بہت اہتمام سے نقل کیا ہے، شیخ مذکور نے اسکی پرزور حمایت کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ حقیر کے نزدیک

جس الشمس ﴿جو حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہوا﴾ سے رد الشمس بڑھ کر ہے کیونکہ جبس الشمس ایک کرہ کا اپنے مدار پر توقف کا نام ہے اور رد الشمس میں حرکت معکوس ہے اور ظاہر ہے کہ توقف کی نسبت معکوس حرکت زیادہ مشکل ہے۔

مدینہ منورہ کی جانب واپسی:

رسول اللہ ﷺ نے کامیاب و کامران ہو کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب ہم مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے تو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے اپنی عبائے مبارکہ سے پردہ بناتے تھے، پھر آپ ﷺ اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور اپنا گھٹنا رکھ دیتے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اس پر اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو جاتیں، بخاری شریف میں روایت ہے کہ مسلمانوں نے آپس میں کہا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں یا کنیز ہیں جو مال غنیمت میں آئی ہیں، اگر آپ ﷺ نے ان کا پردہ کیا تو ام المومنین ہیں اور اگر نہ پردہ کیا تو کنیز ہیں، پھر آپ ﷺ نے جب کوچ فرمایا تو ان کے لیے اونٹ پر اچھا بستر بچھایا اور پردہ تان دیا، ﴿مواہب لدنیہ:۳۷۵/۱﴾ واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک رات لشکر اسلام چلتا رہا، صبح کے وقت آپ ﷺ بھی اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سو گئے، حضرت سعید ابن مسیب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ خیبر سے واپس آتے ہوئے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے رات سفر جاری رکھا، جب نیند کا وقت آیا تو آپ ﷺ پچھلی رات آرام کے لیے اتر پڑے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نماز کے وقت کا خیال رکھیں اور اذان پڑھ کر سب کو جگا دیں لیکن آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا، جب دھوپ نکلی تو سب سے پہلے آپ ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ پریشان ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ کہنے لگے، یارسول اللہ! میرے والدین آپ ﷺ پر قربان، میری روح بھی اس نے قبض کی جس نے آپ ﷺ کی روح قبض کی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اب کچھ آگے چلو پھر نماز پڑھتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کا حکم دیا، پھر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبح کی نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: جو شخص نماز کو

بھول جائے وہ یاد آنے پر اسکو پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

⊙...... واقم الصلوٰۃ لذکری 'اور پابندی کرو نماز کی میری یاد کے لیے، ﴿سورۃ طٰہٰ:۱۴﴾

یونس کہتے ہیں کہ ابن شہاب اس لفظ کو' للذکری 'پڑھا کرتے تھے، امام مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس مقام پر شیطان نے لوگوں کو نماز سے غافل کیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بلال کے پاس شیطان آیا حالانکہ وہ نماز میں کھڑا تھا، شیطان نے بلال کے سینے پر ہاتھ مارا اور اسے بچے کی طرح تھپک کر سلا دیا اور بلال سو گیا، اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے سو جانے کی کیفیت دریافت فرمائی، انہوں نے ویسا ہی عرض کیا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہ مقام تجدید ایمان اور تصدیق رسالت کا ہے تا کہ کسی قسم کا شیطانی وسوسہ دخل انداز نہ ہو، ﴿مدارج النبوۃ:۴۳۲/۲﴾ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے فجر کی دو سنتیں پڑھیں اور پھر اقامت کہی اور نماز پڑھائی، ﴿صحیح مسلم﴾ اس مقام پر کوئی رسول اللہ ﷺ کی جلالت شان پر اعتراض نہ کرے کیونکہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے تمام امت کے لیے دینی اور دنیوی مسائل کے حل کا دروازہ کھلتا ہے، مثلاً اس واقعہ سے کتنے مسائل حل ہوئے، فوت شدہ نماز کی قضا کی جائے...... جو شخص سو جائے یا بھول جائے تو اسکا وقت وہی ہے جب وہ بیدار ہو یا جس وقت اسکو یاد آئے...... فرضوں کے ساتھ فجر کی سنتوں کی بھی قضا کی جائے تو زیادہ بہتر اور باعث اجر ہے...... نماز کی قضا کے وقت اذان اور تکبیر بھی کہی جا سکتی ہے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم بھی دیا تھا، پھر آپ ﷺ نے ایسی جگہ کو بدلا جہاں شیطان کا اثر تھا گویا ایسی جگہ پر نماز نہیں پڑھنی چاہیے جہاں شیطان کی آمد و رفت ہو مثلاً حمام وغیرہ، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

ایک اشکال کا جواب:

اس جگہ یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں تو دل جاگتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ کے لیے نیند ناقض وضو

نہیں لہذا جب دل بیدار رہتا تھا تو پھر طلوع فجر کی خبر کیوں نہ ہوسکی اور آپ ﷺ نے وضو کیوں فرمایا، اس کے جواب میں علما کرام فرماتے ہیں کہ طلوع وغروب کا معلوم کرنا آنکھ کا کام ہے کیونکہ جب آنکھ بند ہو تو طلوع وغروب کا علم نہیں ہوسکتا، جس طرح کہ کوئی تہہ خانے میں بیدار بیٹھا ہو تو اس صورت میں طلوع وغروب کا علم نہیں ہوتا، چنانچہ تنہا دل کی بیداری کافی نہیں ہے، اس سے بھی زیادہ بہتر جواب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ یقیناً دل بیدار ہوگا اور نیند اور خواب کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا ہوگا لیکن ممکن ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کو مشاہدہ ربانی حاصل ہو اور آپ ﷺ اس میں اتنے مستغرق ہوں کہ اس مشاہدے کے ماسوا ہر صور و معانی سے بے نیاز ہوں جس طرح کہ بعض وقتوں میں خصوصاً وحی وغیرہ کی کیفیت میں ایسی صورت ہو جاتی ہے، اسکا باعث عدم ادراک، نسیان، غفلت اور نیند نہیں ہے بلکہ قلب نبوی پر ایک عظیم حالت کا طاری ہونا ہے جسے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۴۳۳﴾

جب لشکر اسلام مقام جرف پر پہنچا تو رات ہوگئی، حضور اکرم ﷺ نے سب کو منع فرمایا کہ کوئی شخص رات کو اپنے اہل خانہ کے پاس نہ جائے، اس میں یہ حکمت تھی کہ سفر سے واپسی پر اچانک اہل خانہ کے پاس جانے کی بجائے پہلے انہیں اطلاع کرنی چاہیے تاکہ وہ استقبال کے لیے تیار رہیں، آپ ﷺ نے اسی مقام پر رات بسر فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم مدینہ منورہ کے قریب پہنچے اور اسکے آثار نظر آنے لگے تو آپ ﷺ نے احد کو دیکھ کر فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، پھر مدینہ منورہ پر نظر ڈالی اور کہا: الٰہی! میں اسکے دونوں کناروں کے درمیانی علاقوں کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا، الٰہی! اہل مدینہ کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر فرمایا:

'آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون' ہم واپس آرہے ہیں، توبہ کرتے ہیں، عبادت گزار ہیں اور اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، جب شہر میں داخل ہوئے تو یہی کلمات زبان اقدس پر جاری تھے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾

خیبر کے معرکوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی مراجعت صفر المظفر کے آخر میں ہوئی یا پھر ربیع الاول کے آغاز میں ہوئی۔

انصار کے باغات واپس کردیئے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ خیبر سے واپس آئے تو مہاجرین کرام نے انصار مدینہ کو انکے پھلوں کے عطیے واپس کر دیئے کیونکہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تو ان کے پاس کچھ نہیں تھا اور انصار تو زمین کے قطعات اور باغات کے مالک تھے، انہوں نے مہاجرین کو اپنی جائدادیں یوں تقسیم کر دیں کہ وہ انکو ہر سال نصف پھل دیا کریں گے اور وہ کام کاج میں انکا ہاتھ بٹایا کریں گے، میری والدہ نے حضور اکرم ﷺ کو کچھ کھجوروں کے درخت دیئے تھے، اب میرے گھر والوں نے مجھے حکم دیا کہ تم آپ ﷺ سے ان درختوں کی واپسی کا مطالبہ کرو، آپ ﷺ نے وہ درخت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے رکھے تھے، میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے وہ درخت واپس کر دیئے، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو علم ہوا تو انہوں نے میری گردن میں کپڑا ڈال کر کہا کہ اللہ کی قسم، یہ درخت تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطا فرمائے تھے، وہ تمہیں کیسے دے سکتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام ایمن! ان درختوں کے بدلے تم اتنے درخت لے لو اور اس کے درخت چھوڑ دو، وہ بولیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، میں نہیں چھوڑوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اتنے اور لے لو، اتنے اور لے لو، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے انکو دس گنا زیادہ درخت دیئے، ﴿صحیح مسلم شریف﴾ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان درختوں کے بدلے اپنے مخصوص باغ کے درخت عطا فرمائے تھے۔

......⊙......

﴿غزوۂ ذات الرقاع﴾......

زیادہ تر سیرت نگاروں نے غزوہ ذات الرقاع کا ذکر ۴ ہجری کے واقعات میں کیا ہے لیکن حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اسکا وقوع ۷ ہجری میں ہوا، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس غزوے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے شرکت فرمائی تھی، سن ۴ ہجری میں یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں تھے، یہ غزوۂ خیبر کے آخر میں شامل ہوئے تو ظاہر ہے پھر مذکورہ غزوہ، غزوۂ خیبر کے بعد ہی معرض وجود میں آیا، اس کے وقوع کا مہینہ ربیع الاول شریف ہے، گویا آپ ﷺ نے مراجعت خیبر کے فوراً بعد اس غزوے کا رخ فرمایا، اس غزوے کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سنا کہ قبیلہ انمار یا بنوغطفان کی دو شاخیں بنوثعلبہ اور بنومحارب اہل اسلام کے خلاف ایک لشکر جرار کا انتظام کر رہی ہیں، آپ ﷺ نے انکی گوشمالی کے لیے فوراً چار سو یا بروایت دیگر سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر بلادنجد کا سفر اختیار فرمایا، مدینہ منورہ میں حضرت ابوذر غفاری یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، آپ ﷺ دو دن کے فاصلے پر موجود مقام نخل پر پہنچے تو بنوغطفان کی ایک جماعت سے سامنا ہوا لیکن جنگ نہیں ہوئی، ابن سعد کے مطابق وہاں کوئی مرد نہیں پایا بلکہ عورتیں پائیں لہذا انہیں پکڑ لیا گیا، اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے پندرہ راتیں باہر رہے، ﴿مواہب لدنیہ: ۱/۳۰۴﴾ اس مقام پر آپ ﷺ نے صلوٰۃ خوف پڑھائی، صحیح بخاری شریف کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز کی اقامت کہی گئی تو آپ ﷺ نے ایک جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی، وہ جماعت پیچھے چلی گئی تو دوسری جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی، اس طرح رسول اللہ ﷺ نے چار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دو دو رکعتیں نماز پڑھی، ایک روایت میں صحابہ کی ایک رکعت اور رسول اللہ ﷺ کی دو رکعتوں کا ذکر بھی مذکور ہے، اس غزوے کے دوران یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ ذات الرقاع میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، رسول اللہ ﷺ ایک سایہ دار درخت کے نیچے تلوار لٹکا کر آرام فرما ہوگئے، ہمیں بھی نیند آ گئی، اتنے میں ایک مشرک نے آپ ﷺ کی تلوار پکڑ کر آپ ﷺ سے کہا، کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس نے کہا، تمہیں

مجھ سے کون بچائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ، پھر آپ ﷺ نے ہمیں بلایا، ہم نے قریب جا کر دیکھا کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہے، پھر آپ ﷺ نے سارا ماجرا بیان کیا لیکن اس اعرابی کے ساتھ غصے کا اظہار نہیں فرمایا، ایک روایت میں اتنی تفصیل اور ہے کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ، اسکے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، آپ ﷺ نے تلوار اٹھا کر فرمایا: اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا، اس نے کہا، آپ اچھے پکڑنے والے بن جائیں یعنی مجھ پر احسان کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے کہا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ ہی جنگ کرنے والوں کا ساتھ دوں گا، آپ ﷺ نے اسکا راستہ چھوڑ دیا، وہ اپنی قوم میں پہنچا اور کہنے لگا، میں ایک بہت اچھے انسان سے مل کر آرہا ہوں، ﴿فتح الباری: ۷/۱۴۶﴾ بخاری شریف کی روایت میں اس اعرابی کا نام غورث بن حارث بتایا گیا ہے جبکہ واقدی کے نزدیک اسکا نام دعثور ہے لیکن واقدی کے نزدیک یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ واقعات تھے جو دو الگ غزووں میں پیش آئے، ﴿فتح الباری: ۷/۴۶۸﴾ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی قوت یقین، قوت صبر اور قوت حلم درجۂ کمال پر فائز تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعلیٰ قسم کی شجاعت سے نوازا تھا کہ انتہائی خطرناک حالات میں بھی آپ ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں ہوتی تھی، اس غزوے سے واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مشرک عورت کو گرفتار کیا تو اس کے شوہر نے قسم کھائی کہ وہ کسی ایک صحابی رسول کا خون بہائے گا، چنانچہ وہ رات کے وقت حملہ آور ہوا، رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسلام کی حفاظت کے لیے حضرت عباد بن بشر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مقرر کر رکھا تھا، جس وقت وہ حملہ آور ہوا حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ قیام کی حالت میں نماز پڑھ رہے تھے، اس نے تیر مارا تو انہوں نے نماز توڑے بغیر تیر نکال کر پھینک دیا، اس نے پھر دوسرا اور تیسرا تیر مارا لیکن انہوں نے نماز نہ توڑی بعد ازاں اپنے ساتھی کو جگایا تو ساتھی نے کہا، سبحان اللہ، آپ نے مجھے کیوں نہیں جگایا، انہوں نے کہا، میں ایک سورت ﴿کہف﴾ پڑھ رہا تھا کہ مجھے گوارا نہ ہوا کہ اسے درمیان میں چھوڑ دوں، ﴿زاد المعاد: ۲/۱۱۲﴾ اس غزوے کو ذات الرقاع کیوں کہا جاتا ہے، حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، ہم چھ آدمی تھے اور ایک ہی اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے، اس سے ہمارے قدم زخمی ہو گئے، چنانچہ ہم لوگوں نے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لیے اس لیے اس غزوے کا نام ذات الرقاع یعنی چیتھڑوں والا پڑ گیا، ﴿صحیح بخاری: ۵۹۲/۲﴾ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں نے اپنے جھنڈوں کو پیوند لگائے تھے، ﴿سیرت ابن ہشام﴾ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مقام پر یہ غزوہ ہوا وہاں ایک درخت تھا، عرب لوگ اس درخت کی عبادت کرتے تھے، جس شخص کو کوئی حاجت ہوتی وہ اس درخت سے کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھ دیتا تھا اس لیے اس مقام کو ذات الرقاع کہا گیا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام کی کچھ جگہ سیاہ تھی اور کچھ جگہ سفید تھی، ان سیاہ وسفید پیوندوں کی وجہ سے اسکو ذات الرقاع کہا گیا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے گھوڑوں میں سیاہی اور سفیدی تھی اس لیے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع ہے، ﴿مواہب لدنیہ: ۳۰۳/۱﴾ واقدی نے کہا ہے کہ اس مقام پر ایک پہاڑ ہے جس میں بہت سے مقامات ہیں، اس لیے اسکا نام ذات الرقاع رکھا گیا ہے، بعض کے نزدیک اس میں صلوٰۃ کی ترقیع ہوئی ہے، ترقیع کا معنیٰ ہے پیوند لگانا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے منفرد ہو کر نماز ادا کی، ﴿ایضاً﴾ اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب کے بدو باشندگان خیبر اور باشندگان مکہ کی طرح مکانوں اور قلعوں میں رہائش پذیر نہیں تھے، وہ جا بجا رہتے اور جا بجا فسادات کی آگ لگاتے تھے لہذا ان پر مکمل طور پر قابو پانا بہت مشکل امر تھا، انکے حق میں اس قسم کی تادیبی کارروائی ہی سودمند تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انکی گوشمالی کے لیے یہ حکمت عملی اختیار فرمائی جسے کامیابی ملی، پھر ہمیں بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ بدوؤں کے قبائل آہستہ آہستہ سپر انداز ہو گئے اور بالآخر اسلام قبول کر لیا، فتح مکہ اور فتح حنین میں اس طرح کے کئی قبائل مسلمانوں کے ہمراہ دکھائی دیئے اور مسلمانوں نے انکو اموال غنیمت سے حظ وافر عطا فرمایا، غزوۂ ذات الرقاع میں کچھ معجزات کا ظہور بھی ہوا:

……﴿1﴾……

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سفر میں جب اہل اسلام حرہ واقم کے مقام پر پہنچے تو ایک دیہاتی عورت اپنا بچہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی،

یارسول اللہ! میرے بچے پر شیطان کا اثر ہے، رسول اللہ ﷺ نے بچے سے فرمایا: اپنا منہ کھولو، بچے نے منہ کھولا تو آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈال کر فرمایا: اے اللہ کے دشمن! نکل جاؤ میں اللہ کا رسول ہوں، یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا، پھر اسکی ماں سے فرمایا: بے فکر ہو جاؤ، اب شیطان اسکو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، ﴿سبل الھدیٰ: ۷۰/۱۵﴾

......﴿2﴾......

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ذات الرقاع سے واپسی کے سفر پر ہم محبط حرہ کے مقام پر پہنچے تو ایک اونٹ تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے قریب آیا اور بڑبڑانے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس اونٹ نے کیا کہا، اس نے مجھ سے امداد طلب کی ہے اور کہا ہے کہ میں اپنے مالک کی زمین میں کئی سالوں سے ہل چلا رہا ہوں، اب وہ مجھے ذبح کرنا چاہتا ہے، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اسکے مالک کو بلاؤ، میں نے عرض کی، یارسول اللہ! مجھے اسکے مالک کا علم نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اونٹ خود تمہیں بتائے گا، چنانچہ وہ میرے آگے چل پڑا اور اپنے مالک کے پاس لے گیا، میں نے اسکے مالک کو حضور پیغمبر نور ﷺ کے بارے میں بتایا تو وہ حاضر خدمت ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے اسکے آگے اسکے اونٹ کی سفارش فرمائی، ﴿ایضا﴾

......﴿3﴾......

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم محو سفر تھے، ایک صحابی نے پرندے کا بچہ پکڑ لیا، حضور اکرم ﷺ اسکو دیکھ رہے تھے، پرندہ اس پر جھپٹ رہا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے آپ کو اس صحابی کے قدموں میں ڈال دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے اس طرز عمل سے بہت حیران ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم اس پرندے کے طرز عمل سے حیران ہو کہ تم نے اسکا بچہ پکڑا اور اس نے اپنے آپ کو تمہارے قدموں میں ڈال دیا، اللہ کی قسم، پروردگار اس پرندے سے بھی زیادہ تم پر رحم فرمانے والا ہے، ﴿ایضا: ۱۲/۴۷۴﴾

......﴿4﴾......

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دوران سفر ایک سرسبز وادی میں اترے، رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، میں برتن میں پانی لے

کر آپ ﷺ کے پیچھے گیا، آپ ﷺ نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی چیز نظر نہ آئی جس سے پردہ کیا جائے، وادی کے کنارے پر دو درخت تھے، آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا: اے درخت اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر، وہ درخت فوراً تابع فرمان اونٹ کی طرح آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑا، پھر آپ ﷺ نے دوسرے درخت کو بھی یہی حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے دونوں درختوں کی ٹہنیوں کو آپس میں جوڑ دیا اور انکی آڑ میں قضائے حاجت کی، پھر جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو دونوں درخت اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اے جابر! تم نے میرے مقام کو دیکھ لیا۔ ﴿صحیح مسلم﴾

﴿5﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری سواری کا اونٹ بہت کمزور تھا، اس وجہ سے میں سارے لشکر سے پیچھے رہ جاتا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے جابر! کیا بات ہے تم پیچھے کیوں رہ جاتے ہو، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرا اونٹ نہیں چلتا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو بٹھاؤ، میں نے اونٹ کو بٹھایا تو آپ ﷺ نے مجھ سے ایک لکڑی طلب کی، میں نے لکڑی لا کر پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ پر سوار ہو جاؤ، میں سوار ہو گیا، اب آپ ﷺ نے وہ لکڑی تین، چار دفعہ اس اونٹ کو ماری، پھر تو وہ اونٹ سانڈنیوں سے بھی آگے نکل نکل جاتا تھا، میں حضور اکرم ﷺ سے باتیں کرتا ہوا روانہ ہوا، آپ ﷺ نے پوچھا، اے جابر! کیا اونٹ ہمارے ہاتھ فروخت کرتے ہو، میں نے عرض کیا، میں آپکی نذر کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں فروخت کرو، پھر بڑھتے بڑھتے ایک اوقیہ قیمت پر آپ ﷺ نے اس اونٹ کو مجھ سے خرید لیا، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا، اے جابر! کیا تم نے شادی کی ہے، میں نے عرض کیا، ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا، کیا عورت باکرہ ہے یا ثیبہ، میں نے عرض کیا، ثیبہ، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے باکرہ سے شادی کیوں نہ کی کہ وہ تم سے خوش ہوتی اور تم اس سے خوش ہوتے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے والد عبداللہ احد کی جنگ میں شہید ہو گئے تو انہوں نے کئی لڑکیاں چھوڑیں، میں نے یہ خیال کیا کہ ایسی عورت سے شادی کروں جو انکے معاملات سنبھال لے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا، ان شاء اللہ برکت ہو گی، پھر بعد میں

آپ ﷺ نے مجھے اونٹ بھی اور اس کی قیمت اوقیہ بھی واپس کر دی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، پس وہ مال میرے پاس روز بروز بڑھتا رہا یہاں تک کہ یہ حرہ ﴿ذات الرقاع کی جنگ ہوئی﴾ ﴿سیرت ابن ہشام ۲/۲۲۷﴾

......﴿6﴾......

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مقام پر وضو کا حکم دیا لیکن کسی کے پاس پانی نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں انصاری کے پاس پانی ہوسکتا ہے، چنانچہ اس کی مشق سے چند قطرے مل گئے، وہ میں نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیئے، آپ ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا اور اس میں اپنا دست مبارک پھیلا دیا اور مجھے حکم دیا کہ یہ قطرے اوپر انڈیل دو اور بسم اللہ پڑھو، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے، یہاں تک کہ تمام لشکر نے پانی استعمال کیا، جب آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک پیالے سے نکالا تو وہ بھرا ہوا تھا، ﴿دلائل النبوۃ، لابی نعیم﴾

مختلف سریات صحابہ:

غزوۂ ذات الرقاع سے مراجعت فرما کر رسول اللہ ﷺ نے شوال المکرم ۷ ہجری تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اہل اسلام کے دیگر معاملات کی طرف توجہ فرمائی، اس دوران مختلف مہمات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سریات روانہ فرمائے جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

......﴿1﴾......

مقام تربہ مکہ مکرمہ سے دو منزل پر واقع ہے، یہ سریہ شعبان ۷ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں گیا، ان کے ساتھ تیس مجاہد تھے، ان کے ہمراہ بنی ہلال کا ایک رہبر بھی تھا، وہ رات میں سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے، بنو ہوازن کے لوگ جو مقام تربہ میں تھے انہیں اہل اسلام کے آنے کی خبر ملی تو بھاگ گئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی جگہوں کی طرف آئے، وہاں ان میں سے کوئی نہیں تھا، وہ اپنے اموال وغیرہ اونٹ، بکریاں سب ساتھ لے گئے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے، ﴿مواہب لدنیہ: ۱/۲۸۵﴾ ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ بنو خثعم بھی یہاں سے قریب ہیں، کیا مناسب نہیں کہ ان کے خلاف ہی کارروائی کر دی جائے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حضور اقدس ﷺ نے مجھے صرف بنو ہوازن پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا، کسی اور پر نہیں، میں آپ ﷺ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲/۲۱۷﴾

......﴿2﴾......

نجد میں بنو کلاب کی طرف ایک قریہ ضربہ ہے جو بصرہ کے راستہ پر مکہ مکرمہ سے قریب ہے، یہ سریہ شعبان ۷ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا گیا، کہا جاتا ہے کہ یہ سریہ بنو فزارہ کی طرف گیا، مسلمانوں نے ایک جماعت کو غلام بنا لیا اور دوسرے مارے گئے، صحیح مسلم میں فزارہ کی طرف بھیجا جانا وارد ہوا ہے، یہی قول صحیح ہے، ﴿مواہب لدنیہ: ۱/۳۸۵﴾

......﴿3﴾......

یہ سریہ شعبان ۷ ہجری میں بنو مرہ کی طرف حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں گیا، ان کے ہمراہ تیس مجاہد تھے، جنگ ہوئی تو حضرت بشیر رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہو گئے، علیہ بن زید الحارثی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی خبر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے، علیہ کے بعد بشیر بن سعد بھی حاضر ہو گئے، آپ مقتولین میں سے اٹھ کر فدک تک پہنچے اور یہود کے ہاں ٹھہرے رہے، پھر بیماری سے اٹھے اور مدینہ منورہ آئے، ﴿مواہب لدنیہ: ۱/۳۸۵﴾

......﴿4﴾......

نجد کے ناحیہ میں مدینہ سے آٹھ میل پر میفعہ واقع ہے، ماہ رمضان المبارک ۷ ہجری میں دو سو تیس مجاہدوں کا لشکر حضرت غالب بن عبد اللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں میفعہ پہنچا، انہوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا جو لوگ سامنے آئے انہیں ہلاک کر ڈالا، ان کے اونٹ، گائے بکریاں مدینہ منورہ کی طرف ہانک لائے، اہل مغازی نے لکھا ہے کہ اس سریہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص نہیک بن مرد کو قتل کیا حالانکہ قتل سے پہلے اس نے 'لا الہ الا اللہ' کہا تھا، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اس نے جان کے

خوف سے 'لا الہ الا اللہ' کہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سخت پشیمان ہوئے اور افسوس سے کہنے لگے، میں کسی سے جنگ نہ کروں گا جو 'لا الہ الا اللہ' کی شہادت دے، بخاری میں ابوظبیان سے روایت ہے کہ میں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حرقہ کی طرف بھیجا، ہم ان کے پاس صبح کے وقت اچانک جا پہنچے، ہم نے انہیں شکست دی، میں اور ایک انصاری مجاہد ان لوگوں میں سے ایک شخص کے پاس پہنچے، جب ہم اس کے پاس آئے تو اس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا، میرا ساتھی انصاری تو اس سے باز رہا لیکن میں نے اسے اپنے نیزے سے ہلاک کر دیا، جب ہم مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا، اے اسامہ! کیا تم نے اس کے بعد اس شخص کو قتل کیا تھا اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ قتل سے پناہ مانگ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ اس کلمہ کو بار بار کہتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسامہ تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا، یہاں تک کہ میں نے اس وقت یہ تمنا کی کہ کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان نہ ہوا ہوتا، یعنی میں نے جتنے اعمال صالحہ کیے تھے، اس قتل کی وجہ سے میرے نزدیک بے کار ہو گئے تھے، اس کا سخت الم ہوا، اسی لیے انہوں نے کہا، آج کے دن سے پہلے میں مسلمان نہ ہوا ہوتا اور آج کے دن میں مسلمان ہوا ہوتا تا کہ میرے ذمہ اس کے قتل کا الزام نہ ہوتا، ﴿مواہب لدنیہ: ۳۸۵/۱﴾

……﴿4﴾……

سرزمین غطفان جو یمن اور جبار کی طرف ہے، دوسری روایت میں بنو فزارہ اور بنو عذرہ کی سرزمین ہے، یہ سریہ ماہ شوال ۷ ہجری میں گیا، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین سو افراد تھے، بنو غطفان نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کیا تھا، مسلمان رات میں سفر کرتے تھے اور دن میں چھپے رہتے تھے، بنو غطفان کو جب حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ملی تو بھاگ گئے، بہت سے اونٹ، گائے اور بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئے، دو افراد کو اسیر کر لیا، انہیں لے کر جب مدینہ منورہ پہنچے تو ان دونوں قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا، ﴿مواہب لدنیہ: ۳۸۵/۱﴾

……﴿5﴾……

شوال المکرّم ۷ ہجری کو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس سواروں کا ایک دستہ بھیجا کیونکہ معلوم ہوا تھا کہ بشیر بن رازم بنوغطفان کو مسلمانوں کے خلاف جمع کر رہا تھا، مسلمانوں نے بشیر کو امید دلائی کہ وہ اسے خیبر کا گورنر بنا دیں گے تو وہ اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ انکے ہمراہ چلنے پر آمادہ ہو گیا لیکن قرقرہ نیار کے مقام پر دونوں فریقوں میں کچھ بدگمانی پیدا ہو گئی، اس کے نتیجے میں بشیر اور اس کے تیس ساتھیوں کو اہل اسلام نے ختم کر دیا، ﴿زاد المعاد: ۱۴۹/۲﴾ ایک روایت میں بشیر کی جگہ اسیر بن رازم بھی مرقوم ہے۔

……﴿6﴾……

علامہ ابن قیم نے ایک اور سریہ کا ذکر بھی کیا ہے وہ اسطرح کہ قبیلہ جشم بن معاویہ کا ایک شخص بہت سے افراد کو غابہ کے مقام پر لے آیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ بنوقیس کو اہل اسلام کے خلاف جمع کرے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوحدرد رضی اللہ عنہ کو دو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا، انہوں نے عجیب حکمت عملی اختیار کی جس سے دشمنوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بہت سے جانور مدینہ منورہ لے آئے، ﴿زاد المعاد: ۱۵۰/۲﴾

……﴿7﴾……

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ تیار کیا اور سب کو حکم دیا کہ اپنے امیر کی اطاعت کریں، راستے میں ان کے اور اہل لشکر کے درمیان کوئی تنازعہ ہو گیا، انہوں نے اہل لشکر کو آگ جلانے کا حکم دیا اور کہا کہ اس میں کود جاؤ، سب اہل لشکر اس حکم پر حیران پریشان ہو گئے، آخر انہوں نے کہا کہ ہم نے اسلام قبول کیا ہے آگ سے آزادی کے لیے تو ہم اس میں کیوں کودیں، جب لشکر واپس آیا تو نبی کریم ﷺ نے انکے حالات سن کر فرمایا: اگر تم انکے حکم سے آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر تمہیں آگ سے کبھی چھٹکارا نہ ملتا، انما الطاعة فی المعروف، امیر کی اطاعت صرف صحیح کاموں میں ضروری ہے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۴۲۶/۳﴾

……⊙……

﴿عمرۃ القضاء﴾

ذوالقعدہ ٦ ہجری میں مقام حدیبیہ پر جو صلح ہوئی اسکے نتیجے میں یہ شرط بھی طے پائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس مرتبہ واپس چلے جائیں اور اگلے سال عمرہ کے لیے تشریف لائیں اور مکہ مکرمہ میں تین دن قیام کریں، خبر تواتر سے ثابت ہے کہ جب ذوالقعدہ ۷ ہجری کا چاند نمودار ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے تمام شرکاء کو حکم دیا کہ وہ عمرۃ القضا کرنے کی تیاری کریں، اس مدت میں جو لوگ جام شہادت نوش کر چکے تھے ان کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سفر پر روانہ ہوئے، اہل حدیبیہ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی عزم سفر اختیار کیا، اس طرح عورتوں اور بچوں کے علاوہ انکی تعداد دو ہزار ہوگئی، ﴿فتح الباری: ۵۰۰/۷﴾ مدینہ منورہ کے کئی لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہمارے پاس زاد سفر نہیں ہے، آپ ﷺ نے باقی مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بھائیوں کی امداد کریں، بعض نے کہا کہ ہمارے پاس بھی کوئی چیز نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرو، خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی توفیق کے مطابق اس امداد میں حصہ لیا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا، ساٹھ اونٹ ہمراہ لیے اور انکی نگرانی کا فریضہ حضرت ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمایا، ذوالحلیفہ سے یا بروایت دیگر مسجد نبوی کے دروازے سے ہی عمرہ کا احرام باندھا اور صدائے لبیک بلند فرمائی، اہل اسلام نے بھی لبیک پکارا، قریش کی جانب سے بدعہدی کا خدشہ تھا، اس لیے ہتھیار بھی اپنے ساتھ رکھے، روایت میں ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ گھوڑے لے کر مرالظہر ان پہنچ گئے، وہاں انکی کچھ قریشی جوانوں سے ملاقات ہوئی، انکے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ بھی کل تک یہاں پہنچ جائیں گے، قریشی جوانوں نے حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس جب اسلحے کے ڈھیر دیکھے تو حواس باختہ ہوکر قریش مکہ کے پاس پہنچے اور حالات سے باخبر کیا، قریش مکہ کہنے لگے کہ ہم نے معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی ہے، پھر مدت معاہدہ کے خاتمے سے پہلے ہی انہوں نے ہم پر حملے کا ارادہ کیوں کیا ہے، انہوں نے مکرز بن حفص کو کچھ ساتھیوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا، اس نے کہا، آپ سے عہد شکنی کی کوئی توقع نہیں لیکن یہ اتنا اسلحہ اپنے ساتھ کیوں لائے

ہیں، معاہدے کے مطابق سوار کے ہتھیار کی اجازت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم خاطر جمع رکھو، ہم ان ہتھیاروں کے ساتھ حدود حرم میں داخل نہیں ہوں گے، اس نے خوش ہو کر کہا، ہمیں آپ سے اسی ایفائے عہد کی توقع تھی، وادی یاجج کے مقام پر تمام ہتھیار ایک جگہ جمع کیے اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دوسو آدمیوں کو انکی حفاظت پر مامور کیا اور خود سوار کا ہتھیار یعنی میان میں تلوار لے کر اس پہاڑی گھاٹی کے راستے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے جو حجون پر نکلتی ہے، ﴿زاد المعاد:۲/۱۵۱﴾ آپ ﷺ ناقہ قصویٰ پر سوار تھے، مشرکین مکہ نے یہ منظر دیکھنے کے لیے قطار بنا رکھی تھی، ایک روایت میں آتا ہے کہ جب مکرز بن حفص نے آمد رسول ﷺ کی اطلاع دی تو قریش مکہ نے حسد و بغض کی وجہ سے اپنی آنکھیں بند کر لیں کہ چہرۂ مصطفےٰ ﷺ پر نظر نہ پڑے، ﴿سیرت ابن کثیر:۳/۴۳۶﴾ رسول اللہ ﷺ مسلسل صدائے لبیک بلند کرتے ہوئے حرم کعبہ میں پہنچے، چھڑی مبارک سے حجر اسود کو چھوا اور طواف فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی طواف کیا، اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے آگے ناقہ کی مہار پکڑ کر چل رہے تھے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے

خلو ابنی الکفار عن سبیلہ — خلوا فکل الخیر فی رسولہ

قد انزل الرحمن فی تنزیلہ — فی صحف تتلی علی رسولہ

یارب انی مومن بقیلہ — انی رأیت الحق فی قبولہ

بان خیر القتل فی سبیلہ — الیوم نضربکم علیٰ تنزیلہ

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ — ویذھل الخلیل عن خلیلہ

کفار کے بیٹو! رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو کہ سب بھلائی آپ کے دامن سے وابستہ ہے، رحمان نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، ایسے صحیفوں میں جنکی اس پیغمبر برحق پر تلاوت کی جاتی ہے، یارب! میں انکی بات پر ایمان رکھتا ہوں اور اسکے قبول کو ہی حق جانتا ہوں، بہترین قتل وہ ہے جو اللہ کے راستے میں ہو، آج ہم اس کتاب کے مطابق تمہیں ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی اپنی جگہ سے پھٹ جائے گی اور یہ مار دوست کو دوست سے ناآشنا کر دے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، اے ابن رواحہ! تم حرم خدا میں رسول خدا ﷺ کے سامنے شعر پڑھ رہے ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اسے پڑھنے دو کیونکہ یہ اشعار کافروں کے لیے تیر سے بھی زیادہ تیز ہیں، ﴿جامع ترمذی: ۲/ ۱۰۷﴾ پھر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

اے ابن رواحہ! تم کہو 'لاالہ الا اللہ وحدہ نصر عبدہ واعزجندہ وھزم الاحزاب وحدہ' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس نے اپنے عبد خاص کی امداد فرمائی، اپنے لشکر کو عزت دی اور اکیلے ہی کافروں کے لشکروں کو شکست فاش سے دوچار کیا، ﴿سبل الھدیٰ: ۲/ ۲۹۲﴾

روایت میں آتا ہے کہ مشرکین مکہ کعبہ مشرفہ کے شمال میں جبل قعیقعان پر موجود تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ تمہارے پاس ایسا گروہ آیا ہے جسے یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان چل کر گزریں، کل سات چکروں میں اس لیے دوڑنے کا حکم نہیں دیا کہ آپ ﷺ اپنی امت پر نہایت مہربان ہیں، پہلے تین چکروں میں دوڑنے کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین مکہ اہل اسلام کی قوت کا مشاہدہ کر لیں، ﴿صحیح مسلم: ۱/ ۴۱۲﴾ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اضطباع کا بھی حکم دیا یعنی دایاں کندھا کھلا رکھیں اور احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے گزاریں اور اسکا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر رکھ لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: رحم اللہ امرا اراھم من نفسہ قوۃ' اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے کفار کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا، ﴿سبل الھدیٰ: ۲/ ۲۹۳﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کندھے اٹھا کر، سینے پھیلا کر اور تیز تیز قدم اٹھا کر رمل کیا، انکی یہ سنت مبارکہ آج بھی امت میں متوارث ہے، اسلام میں یہ پہلا طواف ہے جو کندھے ننگے کر کے ادا کیا گیا، اہل اسلام کو اس مستعدی کے ساتھ طواف کرتے ہوئے دیکھ کر مشرکین مکہ نے کہا، جن لوگوں کے متعلق ہم یہ کہہ رہے تھے وہ تو بہت زیادہ طاقتور ہیں، ﴿ایضاً﴾ ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب مشرکین مکہ کی طعنہ زنی سنی تو کہنے لگے، یارسول اللہ! آپ ﷺ کی اجازت ہو تو ہم سواری کے کچھ اونٹ ذبح کر کے کھا

لیں، اس طرح خوب سیر ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو نگے تو دشمن مرعوب ہو گا، آپ ﷺ نے اسکی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ جس کے پاس جتنا زادراہ ہے وہ لے آئے، جب دستر خوان پر سب کا زادراہ جمع ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب سیر ہو کر کھاؤ، سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اپنے تھیلے بھی بھر لیے، خدا کی قدرت کہ اس کے باوجود بھی دستر خوان پر بہت سا کھانا موجود تھا، طواف کعبہ کے بعد آپ ﷺ نے صفا اور مروہ کی سعی فرمائی، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمرے کی ادائیگی کے دوران ہم نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے مضبوط حصار میں لے رکھا تھا کہ کوئی گستاخ آپ ﷺ کے قریب نہ آ سکے، آپ ﷺ کی قربانی کے جانور مروہ کے پاس کھڑے تھے، فراغت سعی کے بعد فرمایا: یہ قربان گاہ ہے اور مکہ مکرمہ کی تمام گلیاں قربان گاہ ہیں، بعد ازاں آپ ﷺ نے مروہ کے قریب جانور قربان کیے اور حلق کروایا باقی اہل اسلام نے بھی آپ ﷺ کی اتباع کی، پھر آپ ﷺ نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وادی یاجج میں بھیج دیا تا کہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ وہاں موجود تھے وہ آ کر عمرہ ادا کر لیں، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمرہ کے بعد رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف کے اندر جلوہ افروز ہوئے اور ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ مشرفہ کی چھت پر چڑھ کر صبح کی اذان پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تو مشرکین مکہ انتہائی پریشان ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل کہنے لگا، خدا کا شکر ہے، میرے باپ نے یہ اذان نہیں سنی، صفوان بن امیہ کہنے لگا، خدا کا شکر ہے، میرا باپ اس سے پہلے ہی مر گیا، اسی طرح خالد بن اسید نے اپنے سفلی جذبات کا اظہار کیا کہ میرے باپ نے آج کا دن نہیں دیکھا، دیکھو ایک حبشی غلام کعبہ کی چھت پر چڑھ کر کسطرح آواز بلند کر رہا ہے، ﴿سبل الہدیٰ: ۱۲/۲۹۴﴾ دوسرے مشرکین مکہ نے اذان سن کر اپنے چہروں پر کپڑے تان لیے

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا دیکھیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

مکہ مکرمہ میں جب تین دن گزر گئے تو مشرکین مکہ نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے کہا، تم اپنے صاحب سے کہو کہ وہ اب مکہ مکرمہ سے نکل جائیں کیونکہ ﴿معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق﴾ مدت پوری ہو چکی ہے، رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے نکل کر مقام سرف میں قیام فرمایا، ایک روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ نے سہیل اور حویطب کو بارگاہ رسالت میں بھیجا، رسول اللہ ﷺ انصار مدینہ کی محفل میں جلوہ افروز تھے، ان دونوں نے نہایت بے ادبی سے کہا کہ صلح حدیبیہ کے مطابق آپ کی مدت قیام ختم ہو چکی ہے، آپ مکہ مکرمہ کو خالی کر دیں، آپ ﷺ نے کچھ مہلت طلب کی مگر انہوں نے انکار کر دیا، اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جلال میں آ کر فرمایا، اے سہیل! تیری ماں مر جائے، سرزمین مکہ تیرے باپ کی نہیں، اللہ کی قسم جب بھی حضور ﷺ کی مرضی ہوگی یہاں سے چلے جائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا: اے سعد! یہ ہماری قیام گاہ پر آئے ہیں لہذا انکا دل توڑنا مناسب نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ شام تک کوئی مسلمان مکہ مکرمہ میں نہ رہے، روانگی کے وقت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاجزادی عمارہ چچا چچا پکارتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے دوڑی تو اسے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا دیا اور کہا، اپنے چچا کی صاجزادی کو سنبھال لو، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسکو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور مدینہ منورہ لے آئیں، بعد میں حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے درمیان اسکی پرورش کے متعلق اختلاف اٹھ کھڑا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ اس صاجزادی کی خالہ انکے نکاح میں تھی، رسول اللہ ﷺ نے سب کی دلجوئی کے لیے فرمایا: خالہ ماں کے حکم میں ہے اور اے علی! تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں، اے جعفر! تم اپنے جسم اور اخلاق میں مجھ سے مشابہ ہو، اے زید! تم میرے بھائی اور میرے آزاد کردہ یا محبوب ہو یہ محبت افروز جملہ سن کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حجل کیا یعنی فرحت و سرور سے رقص کرنے لگے، حجل ایک پاؤں اٹھا کر دوسرا پاؤں رکھنے کو کہتے ہیں، حجل اور حجلان کے معنی پرندے کی طرح کود کر چلنا اور چہچہانا ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۴۴۶/۲﴾ جب وہ لڑکی جوان ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ بنت حمزہ سے شادی کر

لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میری رضاعی بھتیجی ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۱۸﴾ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا جو آپ ﷺ کے ربیب تھے، ﴿مدارج النبوۃ: ۴۴۶/۲﴾ عمرۃ القضا کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارث عامری رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا تھا، انہوں نے اپنے نکاح کا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا، اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انکی شادی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کر دی، پھر آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو اس لیے پیچھے چھوڑا کہ وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مقام سرف میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیں، ﴿زاد المعاد: ۱۵۲/۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور حلال ہونے کے بعد شب باشی فرمائی، حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے اس قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا التباس قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں مگر انہوں نے غلطی کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو عمرہ سے فارغ ہو کر ان کے ساتھ شادی کی تھی، اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں موجود ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ سے حلال ہونے کے بعد مجھ سے شادی کی، حضرت ابن منذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آپ ﷺ کی آخری بیوی ہیں اور آپ ﷺ کی تمام بیویوں میں انہی کا انتقال سب سے آخر میں ہوا ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾ ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾ اس عمرہ کو عمرۃ القضا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر ادا کیا گیا تھا یا پھر یہ صلح حدیبیہ کے مطابق ادا کیا گیا تھا کیونکہ عربی میں صلح اور مصالحت کو قضا اور مقاضاۃ بھی کہتے ہیں، محققین اسلام کے نزدیک دوسری وجہ زیادہ موزوں ہے، اس عمرہ کے اور بھی نام ہیں، عمرہ قضیہ، عمرہ قصاص اور عمرہ صلح، ﴿فتح الباری: ۵۰۰/۷﴾ عمرۃ القضاء کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب، دانائے غیوب ﷺ اور انکے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا فرما دیا:

⊙...... لقد صدق الله رسوله الرّيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين محلقين رئوسكم و مقصرين لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحا قريبا ٥هوالذی ارسل رسوله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره على الدين كله و كفىٰ بالله شهيدا٥

بے شک اللہ نے سچ کر دیا اپنے رسول کا سچا خواب، بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے، امن و امان سے اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے بے خوف، تو اس نے جانا جو تمہیں معلوم نہیں تو اس سے پہلے ایک نزدیک آنے والی فتح رکھی، وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ، ﴿سورۃ الفتح: ۲۷، ۲۸﴾

سریہ ابی العوجا کا واقعہ:

رسول اللہ ﷺ ذوالحج ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے پچاس آدمیوں کو حضرت ابوالعوجا رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بنوسلیم کی طرف روانہ فرمایا، انہوں نے بنوسلیم کو دعوت اسلام دی تو بنوسلیم نے جواب دیا، ہمیں تمہاری دعوت اسلام کی کوئی ضرورت نہیں، پھر دونوں گروہوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی جس میں حضرت ابوالعوجا رضی اللہ عنہ بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے زخمی ہو گئے، تاہم مسلمانوں نے بنوسلیم کے دو آدمیوں کو بھی قید کر لیا، ﴿الرحیق المختوم﴾

......⊙......

باب نہم

سالِ ہشتم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جگر پاروں کا قبول اسلام:

سن ۸ ہجری کے آغاز میں ایک بہت عالیشان واقعہ رونما ہوا، وہ ہے خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن العاص سہمی اور عثمان بن طلحہ حجبی کے قبول اسلام کا واقعہ، اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

﴿1﴾

دیار عرب میں خالد بن ولید اپنی بہادری اور پامردی کے اعتبار سے بہت مشہور شخصیت کے مالک تھے، بڑی بڑی خوفناک جنگوں میں انہوں نے جرأت و بسالت کی داستانیں رقم کی ہیں، خالد بن ولید خود بیان کرتے ہیں کہ جب ارادہ ازلی کارفرما ہوا تو میرے دل کے نہاں خانے میں محبت اسلام نے انگڑائی لی، جب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو میں نے خیال کیا کہ اب قریش مکہ میں کوئی قوت وشوکت باقی نہیں رہی، میں نے سوچا کہ میں شاہ حبشہ نجاشی کے دربار سے وابستہ ہو جاؤں لیکن وہ بھی اسلام قبول کر چکا تھا اور حضور اکرم ﷺ کا تابع فرمان بن چکا تھا، پھر میں نے سوچا کہ نصرانیت اختیار کر کے قیصر روم کا درباری بن جاؤں مگر ان تمام خیالوں پر یہ خیال غالب آ گیا کہ مجھے اپنے ہی شہروں میں رہنا چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لائے تو میں مکہ مکرمہ سے باہر گیا ہوا تھا، میرے بھائی ولید بن ولید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے، انہوں نے مجھے بہت تلاش کیا مگر میں نہ ملا، آخر انہوں نے ایک خط میرے نام چھوڑ دیا جس میں لکھا تھا:

رسول اللہ ﷺ تمہیں بہت یاد فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خالد ان لوگوں میں سے نہیں ہوسکتا جس پر ابھی تک حقیقت اسلام پوشیدہ ہو، اگر وہ مسلمان ہو جائے اور اپنی بہادری سے اسلام کو تقویت پہنچائے تو اس کے لیے بہت بہتر ہوگا اور ہم اسکو دوسروں پر فوقیت دیں گے، میرے بھائی جلدی آؤ اور اس دولت سے بہرہ یاب ہو جاؤ، پہلے ہی تم نے بہت سی بھلائی گنوادی ہے۔

اس خط کو پڑھتے ہی اسلام کی رغبت و محبت میرے رگ و پے پر غالب آ گئی اور میں نے مدینہ منورہ کی طرف سفر کا ارادہ کرلیا، میں صفوان بن امیہ کے پاس بھی گیا اور کہا، اے ابو وہب! کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ ہماری حیثیت ایک لقمہ سے زیادہ نہیں رہی جبکہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا رعب اور دبدبہ پوری دنیا پر چھا رہا ہے، ہماری دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ان کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کریں، صفوان نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر بہت سختی سے کہا، اگر قریش مکہ میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تو پھر بھی میں محمد مصطفےٰ ﴿ﷺ﴾ کی متابعت نہ کروں گا، اس کے بعد میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا اور اسکو بھی صراط مستقیم کی دعوت دی، اس نے بھی سختی سے انکار کر دیا، اب میرے دل نے بھی یہ فیصلہ کرلیا کہ بارگاہ رسالت میں حاضری کا یہی وقت ہے کیونکہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو یہ سب مجبور ہو جائیں گے اور ان کو بھاگنے کا راستہ بھی نہیں ملے گا، آخر میں میں نے اپنے گہرے دوست عثمان بن طلحہ سے مدعا بیان کیا، اس نے میری بھرپور موافقت کی اور ہم دونوں مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے، جب ہم موضع ہدہ میں پہنچے تو عمرو بن العاص سہمی سے ملاقات ہوئی، وہ حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کر رہے تھے کیونکہ وہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہونا چاہتے تھے، جب ہم تینوں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کو ہماری آمد کی خبر ہوئی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں آ کر عمدہ کپڑے پہنے اور بارگاہ رسالت میں شرف باریابی کے ارادے سے چلا، راستے میں میری اپنے بھائی ولید رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جلدی چلو، رسول اللہ ﷺ کو تمہاری آمد کی خبر ہو چکی ہے، آپ ﷺ بہت خوش ہیں اور تمہارے انتظار میں تشریف فرما ہیں، جب میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دور ہی سے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا، میں نے عرض کیا، السلام علیک یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا، پھر میں نے عرض کیا، اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ الذی ھداک الاسلام، اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور فرمایا: خالد! میں جانتا تھا کہ تم عقلمند ہو اور امید رکھتا تھا کہ تمہیں ضرور نیکی کی ہدایت ملے گی، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے ملاحظہ فرمایا

ہے کہ میں نے نیکی کی راہوں میں حق کے ساتھ کیسی دشمنی کی ہے، آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری معافی کی درخواست کریں کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام سب گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔ ﴿ملخصا مدارج النبوۃ:۲/۴۵۰﴾

﴿2﴾

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز روایت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر آیا ہے، وہ اہل عرب میں اپنی بہادری اور دانشمندی کے اعتبار سے بلند مقام کے حامل تھے، ان کے قبول اسلام کا واقعہ ان کی اپنی زبانی اس طرح مروی ہے کہ جنگ احزاب کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ روز بروز ترقی کرتے جا رہے ہیں، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ شاہ حبشہ نجاشی کے پاس چلا جاؤں، اگر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم حبشہ میں رہائش اختیار کرلیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو ہم اپنے وطن مولوف کو لوٹ آئیں گے، میرے ساتھیوں نے مجھ سے اتفاق کیا اور کچھ تو میرے رفیق سفر بھی بن گئے، ہم نجاشی کے دربار میں کچھ تحائف لے کر پہنچ گئے اور وہاں رہنے لگے، یہاں تک کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قاصد رسول بن کر نجاشی کے پاس آئے، میں نے نجاشی سے ان کو طلب کیا تا کہ میں انہیں قتل کر کے قریش مکہ کے سامنے سرخرو بنوں، نجاشی نے توبہ کرتے ہوئے یا ایک روایت میں ہے کہ اس نے میرے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا، میں اس ذات مقدس کے قاصد کو تمہارے حوالے کس طرح کر سکتا ہوں جس پر ناموس اکبر اترتا ہے اور جو حق تعالیٰ کا رسول برحق ہے، اے عمرو! میری بات غور سے سنو، حضور اکرم ﷺ کی پیروی اختیار کرلو اور جان لو کہ وہ ایک دن اپنے مخالفوں پر غالب آ جائیں گے، جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب ہوئے تھے، لہذا میں نے نجاشی کے ہاتھ پر ہی اسلام قبول کرلیا مگر اپنے ساتھیوں سے پوشیدہ رکھا، پھر جب میں مدینہ منورہ کے ارادے سے چلا تو راستے میں خالد بن ولید سے ملاقات ہوئی، میں نے پوچھا، خالد! تم کہاں جا رہے ہو، اس نے بتایا خدا کی قسم صراط مستقیم ظاہر ہو چکی ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نبی برحق ہیں، میں اسلام قبول کرنے کے لیے جا رہا ہوں، میں نے بھی اپنے ارادے کا اظہار کر دیا، چنانچہ ہم لوگ مدینہ منورہ کی طرف روانہ

ہوئے، بئر ابی عنبہ کے مقام پر ایک آدمی نے ہمیں دیکھ کر بلند آواز سے کہا، مکہ مکرمہ نے اپنی لگام ہمارے حوالے کر دی ہے، ﴿دلائل النبوۃ:۳۴۶/۴﴾ پھر ہم نے سرکار رسالت ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی، پہلے خالد نے کلمہ توحید پڑھا اور پھر میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا، یارسول اللہ! اپنا دست اقدس بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں، آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو! کیا بات ہے، ہاتھ کیوں کھینچ لیا، میں نے عرض کیا کہ میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا شرط رکھنا چاہتے ہو، میں نے عرض کیا، شرط یہ ہے کہ میرے گناہ بخشے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایمان پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، پھر دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا اور حج ادا کرنا، یہ وہ عمل ہے جو پچھلے تمام گناہوں کو محو کر دیتا ہے، ﴿ملخصا مدارج النبوۃ:۴۵۲/۲﴾

……﴿3﴾……

عثمان بن طلحہ کے قبول اسلام کے بارے میں زیادہ مرقوم نہیں ہے، بس اتنا مروی ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے خانہ کعبہ کی چابی وصول کر لی تھی، پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو تو آپ ﷺ نے وہ چابی انہیں واپس فرما دی اور فرمایا: اے ابن ابی طلحہ! لو اب اسکو تم سے کوئی نہ لے سکے گا بجز ظلم وستم کے، اس کے بعد حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم ﷺ کی رحلت مبارکہ تک مدینہ منورہ میں رہے، پھر وہ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ۴۲ ہجری میں وفات پائی، ﴿ایضا﴾

روایت میں آتا ہے کہ قریش مکہ کے ان عظیم سرداروں کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: لوگو! مکہ مکرمہ نے اپنے جگر گوشے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں، بعض اہل سیر کے نزدیک ان لوگوں نے پانچ ہجری میں اور بعض کے نزدیک ۷ ہجری کے آخر میں اور بعض کے نزدیک ۸ ہجری کے آغاز ماہ صفر میں اسلام قبول کیا تھا، آخری قول کو ترجیح حاصل ہے، کیونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صفر ۸ ہجری کو مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، اللہ کی قسم جب میں ایمان لایا تو اس وقت

سے رسول اللہ ﷺ کسی بھی اہم مرحلے میں کسی اور کو میرے برابر نہیں سمجھتے تھے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳/۴۵۳﴾ بہر حال ان تین شہسواروں کے قبول اسلام سے اسلامیان مدینہ میں مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے بھی قدم قدم پر اسلام کے فروغ میں اپنا مرکزی اور تاریخی کردار ادا کیا، بالخصوص حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بہت سی جنگوں میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کے مبارک لقب سے مشرف فرمایا گیا تو یہ وہ سعادت ہے جو فیاض ازل نے انہی کے لیے مخصوص کر رکھی تھی، انکی والدہ حضرت لبابہ بنت حارث ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھیں، اسطرح انکا خاندان نبوت کے ساتھ بھی گہرا رشتہ استوار ہے ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

چند اور سریات صحابہ:

سن آٹھ ہجری میں اسلام کے استحکام اور فروغ عام کے لیے رسول اللہ ﷺ نے چند اور سریات صحابہ کا اہتمام فرمایا:

......﴿1﴾......

صفر المظفر ۸ ہجری کا مہینہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت غالب بن عبد اللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو بنو ملوح کی طرف بھیجا، انکے ہمراہ دو سو صحابہ کرام تھے، اس سریے کی وجہ یہ تھی کہ بنو ملوح نے حضرت بشر بن سوید رضی اللہ عنہ کے رفقا کو شہید کر دیا تھا لہذا انکا انتقام لینے کے لیے یہ اہل اسلام موضع کدید ﴿یا قدید﴾ کی جانب بڑھے اور چھاپا مار کر بنو ملوح کے بہت سے افراد قتل کر دیئے، پھر انکے بہت سے جانور ہانک کر لے آئے، بنو ملوح کی ایک بڑی جماعت نے انکا تعاقب کیا، لیکن جب وہ مسلمانوں کے پاس پہنچی تو شدید بارش ہونے لگی اور ایک زبردست سیلاب آگیا جو دونوں فریقوں کے درمیان حائل ہو گیا، اسطرح مسلمان امن وعافیت کے ساتھ واپس آگئے، ایک روایت میں ہے کہ بنو ملوح مسلمانوں کے قریب آچکے تھے یہاں تک کہ صرف ایک نالہ درمیان میں باقی تھا، مسلمان ان کے مقابلے کی طاقت نہ رکھتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے پانی کی ایک لہر بھیجی جس کی وجہ سے وہ نالہ بھر گیا اور کسی ایک فرد میں بھی اسکو عبور کرنے کی ہمت نہ رہی، حالانکہ اس سے پہلے کوئی ابرو

باراں نہ ہوا تھا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۴۵۲﴾ اس روایت میں صحابہ کرام کی عظیم الشان کرامت موجود ہے۔

......﴿2﴾......

ربیع الاول ۸ ہجری کا مہینہ تھا، اہل اسلام کو معلوم ہوا کہ بنو قضاعہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا، انہوں نے بنو قضاعہ کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے تیروں کی بارش سے سب کو شہید کر دیا، صرف ایک آدمی شدید زخمی حالت میں زندہ بچا، اسے مقتولوں کے درمیان سے اٹھالایا گیا تھا۔

......﴿3﴾......

ربیع الاول ۸ ہجری کا ہی واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچیس آدمیوں کا دستہ بنو ہوازن کی طرف بھیجا کیونکہ بنو ہوازن نے بار بار دشمنان اسلام کی امداد کی تھی، انکی طاقت کو منتشر کرنا ضروری تھا، اہل اسلام بنو ہوازن کے بہت سے جانور ﴿اونٹ وغیرہ﴾ پکڑ کر لے آئے لیکن جنگ کی کوئی نوبت نہ آئی، ﴿الرحیق المختوم﴾

......⊙......

﴿جنگ مُوتہ﴾

جمادی الاول ۸ ہجری بمطابق اگست یا ستمبر ۶۲۹ عیسوی کا مہینہ تھا، اردن میں بلقا کے نزدیک موضع موتہ کے مقام پر ایک بہت بڑا معرکہ پیش آیا جس نے جہاں اہل اسلام کی بہادری اور سرفروشی کے گہرے نقوش ثبت کیے وہاں دنیائے نصرانیت میں تہلکہ مچا دیا، اب اس معرکہ حق وباطل کے تفصیلی واقعات ترتیب کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں:

جنگ مُوتہ کیوں ہوئی:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر حاکم بصریٰ کے پاس بھیجا تو انہیں قیصر روم کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے گرفتار کرلیا، اس نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تم کہاں جارہے ہو، انہوں نے فرمایا: میں شام جارہا ہوں، اس نے کہا، گویا تم حضرت محمد ﴿ﷺ﴾ کے قاصد ہو، انہوں نے فرمایا: ہاں میں محمد رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں، اِس پر اُس بے رحم انسان نے ان کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کردیا، اس سے پہلے کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کے کسی قاصد کو شہید نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کے سوا کسی بادشاہ کے نزدیک قاصدوں کو قتل کرنے کی عادت تھی، پوری دنیا میں سفیروں اور قاصدوں کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان کو قتل کرنا بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا، یہ گویا ایک طرح سے اعلان جنگ سمجھا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ اس واقعہ سے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس علاقے پر حملہ کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تحریک دلائی اور فرمایا: دشمنوں کی سرکوبی کے لیے نکلو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی جوش اور جذبے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ مقام جرف میں تقریباً تین ہزار افراد کا لشکر جمع ہوگیا، غزوۂ خندق کے بعد یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا۔

لشکر اسلام کے امراء کرام:

جب لشکر کی ترتیب وتشکیل کا مرحلہ آیا تو اس کی قیادت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نگاہ انتخاب جلیل القدر صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر پڑی، آپ ﷺ نے فرمایا: میں زید بن حارثہ کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں، اگر وہ شہید ہوجائے تو جعفر بن ابی

طالب امیر ہوگا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ امارت کے فرائض سرانجام دے گا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں، یہ فرمان ترتیب امارت یا تو وحی الٰہی سے واقع ہوا یا حق تعالیٰ نے آپکی زبان حق ترجمان پر ایسا ہی جاری فرما دیا، جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا، انی اخاف ان یا کلہ الذئب، مجھے خوف ہے کہ کہیں یوسف کو بھیڑیا نہ کھالے۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲/۴۵۴﴾

ایک یہودی کی باطنی عداوت:

جب رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کے امراء کرام کا انتخاب فرما رہے تھے تو آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں ایک یہودی بھی موجود تھا، اس نے کہا، اے ابوالقاسم! اگر آپ دعویٰ نبوت میں صادق ہیں تو جن امیروں کو آپ نے منتخب فرمایا ہے وہ سب ضرور قتل ہو جائیں گے کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیا کرام جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تو اگر سو اشخاص کو بھی اس طریقے پر متعین کرتے تو وہ سب کے سب قتل ہو جاتے تھے، اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے زید! میں تم سے شرط لگا تا ہوں کہ اگر حضرت محمد ﴿ﷺ﴾ نبی برحق ہیں تو تم اس سفر سے واپس نہ آؤ گے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تمہیں یہی بتا تا ہوں کہ وہ راست گفتار نبی برحق ہیں۔

یاد رہے کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہدایت فرمانے اور لشکر اسلام کا نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے تھا اور لفظ ''اگر'' جو کلمہ شکیہ ہے سے اظہار فرمانے کا کیا مطلب ہے تو یہ بربنائے احتیاط اور عدم اظہار جزم کے لیے ہے جبکہ یہودی کی بات اسکی دلی خباثت اور باطنی عداوت کی بنا پر تھی اور اس طرح وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف و دہشت اور احتمال واشتباہ پیدا کرنا چاہتا تھا، افسوس! کیا اسے خبر نہیں تھی

غلامان محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! مجھے اتنی توقع نہیں تھی کہ آپ زید کو

مجھ پر فوقیت دیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم جاؤ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دلوں میں کوئی تنگی واقع نہ ہو اور مکمل طور پر اس حکم کو تسلیم کرلو، رسول اللہ ﷺ نے سفید علم تیار کر کے امیر لشکر اسلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا اور ثنیۃ الوداع تک ان کے ساتھ مشایعت فرمائی اور انہیں نصیحت فرمائی کہ میدان جنگ میں اترتے وقت حارث بن عمرو اور ان کے ساتھیوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کرلیں تو فبہا، ورنہ اللہ تعالیٰ سے نصرت و اعانت طلب کرنا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی نصیحت فرمائی کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے ساتھیوں سے حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں، اللہ کے نام سے اس کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنا، کسی کو دھوکا نہ دینا، کسی سے بد دیانتی نہ کرنا، کسی بچے اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے اور کسی راہب گوشہ نشین کو قتل نہ کرنا، کھجور کے کسی درخت کو نقصان نہ پہنچانا، کوئی درخت نہ کاٹنا اور نہ کسی کا مکان تباہ کرنا، ﴿سیرت دحلان: ۳۳۶/۲﴾ بعد ازاں لشکر اسلام کو رخصت فرمادیا اور ان کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور سالم و غانم لوٹائے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی، میں تو خدائے مہربان سے مغفرت اور شہادت کی آرزو رکھتا ہوں۔

عبداللہ بن رواحہ کا گریہ:

جب لشکر اسلام بارگاہ رسالت سے روانہ ہو رہا تھا تو اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ گریہ زن ہوئے، لوگوں نے پوچھا، آپ کیوں رو رہے ہیں تو انہوں نے کہا، خدا کی قسم میری گریہ زنی کا سبب دنیا کی محبت نہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

⊙...... وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ○ تم میں سے ہر آدمی جہنم پر وارد ہونے والا ہے، یہ تمہارے رب کی ایک حتمی اور فیصلہ کی ہوئی بات ہے۔

میں نہیں جانتا کہ میں جہنم پر وارد ہونے کے بعد کیسے لوٹوں گا، لوگوں نے کہا، اللہ

تعالیٰ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سلامت رکھے، آپ کا دفاع کرے اور آپکو ہماری طرف نیکی اور مال غنیمت کی فراخی کے ساتھ واپس لائے، اس پر انہوں نے عشق و مستی کے عالم میں تڑپ کر یہ اشعار پڑھے:

لکننی اسأل الرحمن مغفرة ... وضربة ذات فرع تقذف الزبدا

اوطعنة بیدی حران مجهزة ... بحربة تنفذ الاحشاء والکبدا

حتی یقال اذا مروا علی جدثی ... یاارشد الله من غاز وقد رشدا

میں اپنے رب مہربان سے مغفرت کا طلبگار ہوں اور ایسی ضرب کاری کا سوال کرتا ہوں کہ جس سے گہرا زخم لگے اور خون تیزی سے نکلے یا مجھے کوئی مرد طاقتور ایسا نیزہ مارے جو میری آنتوں اور جگر کو کاٹتا ہوا نکل جائے یہاں تک کہ لوگ میرے مزار کے قریب سے گزرتے ہوئے کہیں، اے قبر میں آرام فرما شخصیت! اللہ نے تجھے ہدایت دی اور تو ہدایت یافتہ رہا۔

یہ بھی روایت میں مرقوم ہے کہ لشکر کی روانگی جمعۃ المبارک کے دن ہوئی تھی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لشکر سے اس لیے پیچھے رہ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرلیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: عبداللہ! تم کیوں پیچھے رہ گئے ہو، انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں آپ کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرنا چاہتا تھا، اب میں لشکر کے ساتھ مل جاؤں گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عبداللہ! اگر تم زمین کی ساری دولت بھی خرچ کردو تو تمہیں وہ درجہ نہیں مل سکتا جو ان لوگوں نے صبح روانہ ہو کر حاصل کر لیا، ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا شام دنیا اور مافیہا سے افضل ہے۔ ﴿سیرت دحلان: ۲/۲۳۷﴾

مقام معان پر مشاورت:

لشکر اسلام جانب شمال کو بڑھتا ہوا علاقہ معان میں پہنچا، یہ علاقہ شمالی حجاز سے متصل شامی، اردنی علاقے میں دمشق سے مکہ کے راستے پر پانچ روز کی مسافت پر واقع ہے، یہاں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ شاہ روم ہرقل اپنی ایک لاکھ فوج کے ساتھ بلقا کے نزدیک مقام مآب پر اترا ہوا ہے اور بنو لخم، بنو جزاب اور بنو بلی کے مزید ایک لاکھ قبائلی اس

کے ساتھ مل گئے ہیں، اب یہ دو لاکھ کا لشکر مسلمانوں کا راستہ روک کر کھڑا ہے، یہ سن کر مسلمان معان میں ہی ٹھہر گئے اور آئندہ اقدام کے متعلق سوچنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے، پہلے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ صورتحال سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کرنا چاہیے، آپ ﷺ یا تو ہماری امداد کے لیے مزید فوج بھیجیں گے یا جسطرح حکم فرمائیں گے اسی کے مطابق عمل درآمد کیا جائے گا، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو جوش دلایا اور کہا:

یا قوم! واللہ ان التی تکرھون للتی خرجتم تطلبون الشھادۃ وما نقاتل الناس بعدد ولا قوۃ ولا کثرۃ ما نقاتلھم الا بھذا الدین الذی اکرمنا اللہ بہ فانطلقوا فانما ھی احدی الحسنیین اما ظھور و اما شھادۃ

اے میری قوم! جس چیز سے تم ڈر رہے ہو اسی کے لیے تو اپنے گھروں سے نکلے ہو، تم اپنے گھروں سے شہادت کی طلب میں آئے ہو، ہم دشمن سے تعداد اور قوت اور کثرت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے، ہم تو اس دین کی خاطر لڑتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلو، دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی پیش آئے وہی ہمارے لیے بہتر ہے، ہم کامیابی سے ہمکنار ہوں گے یا شہادت سے سرفراز ہونگے۔ ﴿البدایہ والنہایہ: ۲۴۳/۴﴾

یہ ولولہ انگیز جذبات دیکھ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعرہ لگایا، اللہ کی قسم، عبداللہ بن رواحہ نے سچ کہا ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ میرے سرپرست تھے، سفر موتہ میں بھی میں ان کے ہمراہ تھا اور اونٹ پر انکے پیچھے سوار تھا، انہوں نے فی البدیہہ کچھ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے، جن سے انکا ذوق شہادت ابھر رہا تھا، میں نے رونا شروع کر دیا تو انہوں نے مجھے اپنا درہ مار کر کہا، اے جوان! اگر اللہ تعالیٰ مجھے جام شہادت عطا کر دے تو تمہیں کیا دکھ ہے۔ ﴿ایضاً﴾

دونوں لشکروں کا آمنا سامنا:

اہل اسلام عزم و استقامت کی تصویر بن کر اہل باطل کی طرف چل پڑے، لشکر کے میمنہ پر حضرت قطبہ بن قتادہ عذری رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر حضرت عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بطور

امیر مقرر کیے گئے، جب اہل اسلام بلقا کی سرحد پر پہنچے تو شاہ روم کی فوجیں مشارف نامی بستی میں انکے سامنے آگئیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سریہ موتہ میں موجود تھا، میں نے اہل کفر کے پڑاؤ میں وہ ساز و سامان، اسلحہ کے ڈھیر، گھوڑوں کے حد نگاہ تک طویلے، سونا اور دیباج وحریر کے کپڑے اور رنگارنگ لباس دیکھے کہ میری آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، میری حالت دیکھ کر حضرت ثابت بن احزم انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا، ابو ہریرہ! تمہیں کیا ہوا کہ تم دشمنان اسلام کی اس کثرت وشان اور ساز و سامان کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے ہو، میں نے جواب دیا، ہاں بھائی واقعہ تو یہی ہے کہ انکے ساز و سامان سے میں کچھ متاثر ضرور ہوا ہوں، انہوں نے کہا، دراصل تم غزوۂ بدر میں موجود نہیں تھے، اگر موجود ہوتے تو دیکھتے کہ حق تعالیٰ نے قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود کس طرح امداد فرمائی اور لشکر اسلام کو فتح یاب کیا، ان شاء اللہ آج بھی نصرت خداوندی ہمارے شریک حال ہوگی اور ہم فتح یاب ہونگے، ﴿خصائص کبریٰ: ۱/۵۱۵﴾ مسلمان موضع موتہ کی طرف ہٹ گئے اور جنگ کے لیے اپنی فوج کی صف بندی کی، بعد ازاں ایک خوفناک جنگ کا آغاز ہو گیا۔

امراء کرام کی شہادتیں:

سب سے پہلے جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، وہ لڑتے لڑتے دشمن کے نیزوں میں گھر گئے اور داد مردانگی دیتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا، پھر جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سنبھالا، جب دشمنان اسلام کی بھیڑ میں پہنچے تو گھوڑے سے کود پڑے اور اس کی کونچیں کاٹ کر لڑنے لگے، یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام میں لڑائی کرتے وقت گھوڑے کی کونچیں کاٹی گئیں، لڑتے لڑتے ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا، وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈا بغل میں دبا لیا اور اس کو سرنگوں نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ انہوں نے بھی ۳۱ یا بروایت دیگر ۳۳ یا بروایت دیگر ۳۹ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا، روایت میں آتا ہے کہ جب وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر رہے تھے تو اس وقت انکی زبان پر یہ رجزیہ اشعار تھے ؎

یا حبذ الجنت واقترابها — طیبة و باردا شرابها
والروم ردم قد دنی عذابها — علی اذ لاقیتها ضرابها

کتنی خوبصورت جنت ہے اور کتنا حسین اسکا قرب ہے، کتنی پاکیزہ اور ٹھنڈی اسکی شراب ہے، روم تباہ و برباد ہو گیا اور عذاب اسکے قریب آ گیا، اب مجھ پر فرض ہے کہ میں جب بھی اس سے ملوں گا تو جنگ کروں گا، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۱۷﴾

پھر اپنی باری پر جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پکڑا، انہوں نے پہلے کچھ تردد محسوس کیا تو اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہا

اقسمت یا نفس لتنزلنه — لتنزلن أو لتكرهنه

ان اجلب الناس وشدوا الرنه — مالی آراک تکرهین الجنه

قد طال ما قد كنت مطمئنه — هل انت الا نطفة فی شنه

یا نفس ان لا تقتلی تموتی — هذا حمام الموت قد صلیت

وما تمنیت فقد اعطیت — ان تفعلی فعلهما هدیت

اے جان! خدا کی قسم تجھے میدان جنگ میں اترنا پڑے گا، اب یا اس میں اتر یا پیچھے ہٹ جا، جس دشمن نے حملہ کر دیا ہے اور جنگ کے نعرے لگ رہے ہیں تو کیا وجہ ہے تو جنت سے گریز کر رہی ہے، تو تو ایک عرصے سے اپنے دین پر مطمئن ہے، تیری حقیقت کیا ہے، پرانے مشکیزے میں صرف پانی کی ایک بوند کی مانند ہے اور یہ بھی کہا، اے جان! اگر تو قتل نہیں ہو گی تو آخر مر جائے گی، اب تو موت کے حوض میں داخل ہو گئی ہے، اب تیری آرزو بھر آئی ہے، اگر تو اپنے دونوں دوستوں کا کردار ادا کرے گی تو راہ حق پالے گی، ﴿سیرت دحلان: ۲/۲۳۸، مختصر سیرۃ الرسول: ۵۲۱﴾

یہ حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تین روز سے کچھ نہیں کھایا تھا، انکے چچا زاد نے تھوڑا سا گوشت دیا تو انہوں نے اسے دانتوں سے چبایا پھر اسی لمحے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اسے تھوک دیا اور فرمایا، اے نفس! جعفر تو دنیا سے چلے گئے اور تو ابھی دنیا میں مشغول ہے اور فرمایا، اے نفس! اگر تیرا دل عورتوں سے وابستہ ہے تو میں اپنی بیویوں کو طلاق دیتا ہوں اور اگر غلاموں سے وابستہ ہے تو میں سب غلاموں کو آزاد کرتا ہوں اور جس

قدر باغ و بستان کا مالک ہوں ان سب کو رسول خدا ﷺ کے حضور پیش کرتا ہوں، اب تو تیرے پاس کچھ نہیں رہا پھر تو شہادت کی طرف کیوں مائل نہیں ہوتا، آ! اب خدا کے نام پر میدان کارزار میں نکل، پھر وہ نکلے اور داد شجاعت دیتے ہوئے، دشمنوں کی صفیں الٹتے ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کر لیا تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا، دونوں فوجیں اپنی قیام گاہوں میں چلی گئیں تا کہ اگلے دن زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی جائے، اس دوران حضرت ثابت بن اقرم عجلانی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور کہا، اے مسلمانو! بلا اتفاق کسی کو اپنا امیر بنا لو، بولے آپ ہی ہمارے امیر ہیں، وہ کہنے لگے، میں اس کے قابل نہیں، چنانچہ سب لوگوں نے باہمی اتفاق سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کر لیا، انہوں نے جھنڈا لے کر دشمنوں کو پیچھے دھکیلا اور خود بھی پیچھے ہٹ آئے، پھر دشمنوں کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اور یہ اپنی فوج کو بچا کر واپس لے آئے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ رومیوں کو شکست ہوئی، سبل الھدیٰ میں مذکور ہے کہ صحیح وہ بات ہے جو ابن سعد نے لکھی ہے، یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے کیمپ میں واپس آگئیں، کسی کو دوسرے پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

خالد بن ولید کی قیادت:

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا تو مسلمان شکست خوردہ ہو گئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ باقیماندہ لوگوں میں کھڑے ہو کر ان کو بلاتے اور بھاگنے سے منع فرماتے تھے، مگر وہ ﴿شور جنگ کی وجہ سے﴾ کسی کی نہیں سنتے تھے، یہ دیکھ کر حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اونچی آواز میں پکارا، لوگو! کفار سے لڑتے ہوئے جان دینا بھاگنے سے بہتر ہے، جب مسلمانوں کے کانوں میں حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی آواز پہنچی تو سب واپس لوٹ آئے، پھر جب اگلی صبح جنگ شروع ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی جنگی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لشکر اسلام کی ترتیب کو بدل دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے مقدمۃ الجیش کو پیچھے متعین

کیا، میمنہ اور میسرہ کے افراد بھی تبدیل کیے تو اسطرح لشکر روم نے نئے چہروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شاید راتوں رات مسلمانوں کو تازہ کمک پہنچ چکی ہے، اسطرح انکے دلوں پر خوف وہراس طاری ہو گیا، انکے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے لگے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انکی اس اضطرابی کیفیت سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کیا اور انکا قتل عام شروع کر دیا، قائد کی اس جرأت و بہادری کو دیکھ کر اسلام کے مجاہدین صف شکن بھلا کیسے پیچھے رہ سکتے تھے، انہوں نے بھی شاہینوں کی طرح جھپٹنا شروع کر دیا، اب کیا منظر تھا، اہل اسلام کی تلواریں بجلی بن کر گر رہی تھیں اور کفر کے گماشتوں کو خاک وخون میں لوٹنے پر مجبور کر رہی تھیں، یہاں تک کہ انہوں نے رومیوں کے بے شمار فوجیوں کو قتل بھی کیا اور انکا مال غنیمت بھی حاصل کیا، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۲ ۷﴾ روایت میں آتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انداز جنگ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اعلان فرمادیا: الان حمی الوطیس، اب جنگ وجدل کی بھٹی خوب بھڑک رہی ہے، صحیح بخاری میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موتہ کی جنگ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور اختتام جنگ تک صرف ایک یمنی چوڑی تلوار میرے ہاتھ میں رہی، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لشکر روم پر حملہ کیا تو اللہ کے حکم سے اس کو شکست فاش دی، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲۹/۳﴾ اتنے کم افراد کا اتنے عظیم لشکر کو شکست فاش سے دوچار کرنا قدرت خداوندی کا عظیم الشان معجزہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، قرآن پاک نے اعلان فرمایا ہے:

اللہ کے حکم سے کتنے چھوٹے چھوٹے گروہ بڑے بڑے گروہوں پر غالب آگئے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

رسول اللہ کا مشاہدہ غیب:

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میدان جنگ سے خبر آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت سے لوگوں کو مطلع کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے زید نے جھنڈا لیا اور شہید ہو گیا، پھر جعفر نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہو گیا، اس کے بعد

عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہو گیا، بعد ازاں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا لیا اور کفار پر فتح حاصل کی، رسول اللہ ﷺ کی زبان نبوت سے جنگ موتہ کے حوالے سے مسلمانوں کے لیے فتح کا کلمہ نکلا ہے تو وہ یقینی طور پر مسلمانوں ہی کی فتح ہے، پھر اتنے بڑے لشکر جرار کے مقابلے میں صرف تین ہزار آدمیوں کا اترنا اور پامردی کے ساتھ جنگ کرنا اور لشکر کو بچا کر لے آنا بہت بڑی فتح ہے، واقدی کا بیان ہے کہ جب دشمن نے موتہ میں مسلمانوں پر حملہ کیا تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور سرزمین شام کے درمیان کے جمیع حجابات دور کر دیئے، پھر آپ ﷺ مدینہ منورہ میں میدان جنگ کو اسطرح ملاحظہ فرما رہے تھے جیسے وہاں موجود ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں اس جنگ میں حاضر ہوا تھا، ہم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی لاش کو مقتولوں کی لاشوں سے تلاش کیا تو ہم نے انکے جسم پر نیزے اور تیر کے نوے سے زیادہ زخم پائے، ایک روایت میں ہے کہ میں نے انکے جسم پر تلوار اور نیزے کے پچاس زخم شمار کیے، ان میں سے ایک زخم بھی انکی پشت پر نہیں لگا تھا، طبرانی نے سند حسن کے ساتھ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہیں مبارک ہو تمہارا باپ آسمان پر فرشتوں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے، حاکم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ اڑ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے عوض ان کو دو پر عطا کر دیئے ہیں، اسکی سند جید ہے، بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو سلام کہتے تو فرماتے: اے ذوالجناحین کے بیٹے! السلام علیکم! ﴿صحیح بخاری شریف، خصائص کبریٰ: ۵۱۹/۱﴾

آل جعفر سے اظہار شفقت:

حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ، میں جعفر کے بچوں کو

آپ ﷺ کے پاس لائی، آپ ﷺ نے چہرہ مبارک انکے جسموں کے قریب کر دیا جیسے انکے پاس سے خوشبو لے رہے ہوں، پھر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں آپ پر قربان جاؤں، آپ کس وجہ سے گریہ کناں ہیں، کیا آپ کے پاس حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی کوئی خبر آئی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بھائی جعفر آج شہید ہو گئے ہیں، ﴿خصائص کبریٰ:۱/۵۱۸﴾ اس روایت کو ابن اسحاق، ابن سعد، امام بیہقی اور ابونعیم اصفہانی جیسے محققین نے بھی نقل کیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ یہ کلمات سن کر میری چیخ نکل گئی، بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اسما! کوئی غلط بات زبان پر نہ لانا اور اپنے رخساروں کو نہ پیٹنا، پھر آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، یا اللہ! تو جعفر کو بہترین اجر و ثواب عطا فرما، اے اللہ! تو جعفر کی آل اولاد کے لیے اسکا بہترین سرپرست مقرر فرما جس طرح تیرے بندوں میں سے کسی بندے کا اسکی آل اولاد کے لیے سرپرست مقرر ہوا ہے، ﴿سیرت دحلان:۲/۲۴۱﴾ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ نبوت میں تشریف لے آئے اور اہل خانہ سے فرمایا: جعفر کے اہل خانہ کے لیے کھانا تیار کرو کہیں وہ بھوکے نہ رہیں، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خادمہ سلمٰی نے کھانا تیار کیا اور میں نے کھایا پھر آپ ﷺ نے مجھے تین روز اپنے کاشانہ نبوت میں رکھا، آپ ﷺ جس ام المومنین کے پاس تشریف لے جاتے مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے، تین دن کے بعد مجھے اپنے گھر جانے کی اجازت عطا فرمائی، ایک روایت میں مرقوم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خاندان جعفر سے تعزیت فرما کر واپس آئے تو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ملاحظہ فرمایا کہ وہ یا عماہ یا عماہ ﴿یعنی اے چچا اے چچا﴾ کہہ کر رو رہی ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: علی المرتضیٰ جعفر کی مانند ہیں لہذا رونے والی کو رونا چاہیے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۴۶۲﴾ واقدی، امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا، مجھے بخوبی یاد ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میری والدہ کے پاس تشریف لائے اور میرے والد گرامی کی شہادت کی خبر ان کلمات میں عطا فرمائی، اے اسما! کیا تمہیں خوشخبری سناؤں، اللہ تعالیٰ نے

جعفر کو دو باز و عطا کر دیئے ہیں اور اب وہ جنتوں میں پرواز فرما رہے ہیں، انہی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میری والدہ کے پاس تشریف لائے تو اس وقت میں اپنے بھائی سے بکری خرید رہا تھا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما، اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اب میں جو کچھ خریدتا ہوں یا بیچتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس میں میرے لیے خزانہ غیب سے برکت ڈال دیتا ہے، ﴿خصائص کبریٰ: ۵۱۹/۱﴾ امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ جعفر جنت میں فرشتوں کے جلو میں محو پرواز ہیں اور حمزہ جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں تکیہ لگائے ہوئے تخت نشین ہیں، ﴿ایضاً﴾ امام سہیلی فرماتے ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دو پروں سے مراد ملکوتی اور روحانی قوت ہے جسکی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ میں بلند پروازی کی استعداد پیدا ہو گئی تھی، ﴿سیرت دحلان: ۳۴۳/۲﴾ اسی استعداد کی وجہ سے ان کو قیامت تک ''جعفر طیار'' کے مبارک نام سے یاد کیا جاتا رہے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت زید بن حارثہ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ کو انتہائی صدمہ ہوا، آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے چہرے پر رنج و ملال کے آثار ظاہر تھے، میں دروازے کے سوراخ سے دیکھ رہی تھی، ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی عورتیں رو رہی ہیں، آپ ﷺ نے اسکو حکم دیا کہ ان کو منع کرو، تھوڑی دیر کے بعد آ کر کہنے لگا، یارسول اللہ! میں نے ان کو منع کیا ہے لیکن وہ باز نہیں آئیں اور انہوں نے میرا کہا نہیں مانا، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ ان کو منع کرو، وہ گیا اور تیسری مرتبہ پھر آ کر کہا، میں نے ان کو منع کیا ہے لیکن وہ باز نہیں آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ انکے منہ میں مٹی ڈالو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، تمہاری ناک خاک آلود ہو، نہ تم آپ ﷺ کا حکم بجا لاتے ہو اور نہ آپ ﷺ کو صدمہ پہنچانے سے باز آتے ہو، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اکثر تکلیف پہنچانے والے نقصان اٹھاتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ تین روز تک حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر نہیں گئے، اسکے بعد تشریف لے جا کر ان کے اہل خانہ کو حکم دیا کہ اب

تمہیں میرے بھائی پر رونے کی اجازت نہیں، آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کو طلب فرمایا اور انکے سروں کے بال مونڈ دیئے اور فرمایا: محمد بن جعفر تو میرے چچا ابو طالب کے مشابہ ہے اور عبداللہ بن جعفر میرے مشابہ ہے، پھر سارے خاندان کے لیے رحمت و برکت کی دعا فرمائی، (سیرت دحلان: ۲/۲۴۱) موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں، اہل موتہ کی خبر حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر چاہو تو تم سارے واقعہ کی تفصیل بتاؤ اور اگر چاہو تو مجھ سے پوری خبر سن لو، وہ بولے، یارسول اللہ! آپ ہی بتائیے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو پوری خبر بتائی تو انہوں نے کہا، یارسول اللہ! بخدا آپ نے تو پورا واقعہ بیان کر دیا اور ایک حرف بھی نہ چھوڑا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے زمین کا پردہ ہٹا دیا تھا اور میں نے پوری جنگی کارروائی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی، اہل اسلام میں سے اس جنگ میں فوج کے تینوں امیر حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت مسعود بن اوس، حضرت وہب بن سعد بن ابی سرح، حضرت عبادہ بن قیس، حضرت حارثہ بن نعمان، حضرت سراقہ بن عمرو بن عطیہ، حضرت عمرو بن زید کے دونوں بیٹے حضرت ابو کلیب اور حضرت جابر اور حضرت سعد بن حارث کے دونوں بیٹے، حضرت عمرو اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہم وغیرہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

مدینہ منورہ کو واپسی:

جنگ موتہ میں اہل اسلام نے خوب شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا تھا اور فتوحات شام و روم کا دروازہ کھول دیا تھا، اس اعتبار سے یہ سریہ تاریخ اسلام میں بہت اہمیت کا حامل ہے، جب یہ لوگ واپسی میں مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ اور اہل مدینہ نے انکا شاندار استقبال کیا اور بچے بھی دوڑ کر استقبال کرنے کے لیے آئے، آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر انکے ساتھ آ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ان بچوں کو اپنے ساتھ بٹھا لو اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو مجھے پکڑا دو، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا، جب لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہونے لگا تو لوگوں نے اہل لشکر پر مٹی ڈالی اور کہا، اے بھاگنے والو! اللہ کے راستے میں جنگ

کرنے کی بجائے بھاگ آئے ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں یہ بھاگنے والے نہیں بلکہ ان شاء اللہ دوبارہ حملہ کرنے والے ہیں، ﴿سیرت ابن اسحاق﴾ روایات میں آتا ہے کہ جب کچھ اہل لشکر نے اہل مدینہ کے طعنے سنے تو انہوں نے مسجد نبوی میں آنا چھوڑ دیا اور گھر میں ہی نمازیں پڑھنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو تسلی و تشفی سے نوازتے ہوئے فرمایا: انتم الکرارون فی سبیل اللہ، یعنی تم اللہ کے راستے میں پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم مفرور نہیں بلکہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو اور میں بھی تم میں سے ہوں، حضور اکرم ﷺ کی اس دلجوئی اور بندہ نوازی نے ان مسافران راہ خدا کے حوصلے بڑھا دیئے۔

اس معرکہ حق و باطل کے اثرات:

اس معرکے کی سختیاں جس انتقام کے لیے برداشت کی گئی تھیں مسلمان اگرچہ وہ انتقام تو نہ لے سکے لیکن اس معرکے نے مسلمانوں کی عظمت اور شہرت میں بڑا اضافہ کیا، اس کی وجہ سے سارے عرب انگشت بدنداں رہ گئے کیونکہ رومی اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑی قوت تھے، عرب سمجھتے تھے کہ ان سے ٹکرانا خودکشی کے مترادف ہے اس لیے تین ہزار کی ذرا جتنی نفری کا دو لاکھ کے بھاری بھرکم لشکر سے ٹکرا کر کوئی قابل ذکر نقصان اٹھائے بغیر واپس آجانا عجوبۂ روزگار سے کم نہ تھا اور اس سے یہ حقیقت بڑی پختگی کے ساتھ ثابت ہوتی تھی کہ عرب اب تک جس قسم کے لوگوں سے واقف اور آشنا تھے، مسلمان ان سے الگ تھلگ ایک دوسری ہی طرز کے لوگ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موید اور منصور ہیں، اور انکے راہنما واقعی اللہ کے رسول ہیں لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ضدی قبائل جو مسلمانوں کے ساتھ مسلسل برسرپیکار رہتے تھے، اس معرکے کے بعد اسلام کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ بنو سلیم، اشجع، غطفان، ذبیان اور فزارہ وغیرہ نے اسلام قبول کر لیا، یہی معرکہ ہے جس سے رومیوں کے ساتھ خون ریز جنگ شروع ہوئی جو آگے چل کر رومی ممالک کی فتوحات اور دور دراز علاقوں تک مسلمانوں کے اقتدار کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اس معرکے نے مشرقی روم کی سیاسی بدنظمی اور اشاعت اسلام کی وسعت پذیری میں بہت دخل دیا، سیاسی بدنظمی کا عالم اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیصر روم کے عامل نے جس کے سپرد لشکر کی رسد کا انتظام تھا، شام کے

عربوں کو جنہوں نے رومیوں کی حمایت میں جنگ میں حصہ لیا تھا، بری طرح للکارا اور صاف لفظوں میں یہ کہا کہ شہنشاہ روم بڑی دقت سے اپنے لشکر کے روزینے مہیا کرتا ہے، اس کے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں کہ وہ اپنے کتوں کو کچھ دے سکے، ان حالات میں یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ یہ عرب قبائل شہنشاہ روم اور اسکی فوج سے الگ ہو گئے اور نئے مذہب نے انہیں اس بلند حقیقت سے آشنا کر دیا جس کی بشارت وہ لوگوں کو عطا کرتا تھا، اس معرکہ حق و باطل کی بدولت عرب کے شمال میں فروغ اسلام کے دروازے کھل گئے۔

ذات السلاسل کا واقعہ:

جنگ موتہ کے بعد ذات السلاسل کا واقعہ معرض وجود میں آیا، اہل اسلام کو معلوم ہوا کہ بنو قضاعہ نے اطراف مدینہ پر تاخت و تاراج کرنے کا ارادہ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: عمرو! مسلح ہو جاؤ اور جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجوں تا کہ تمہارے ہاتھ مال غنیمت آئے، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں مال دنیا کے لیے مسلمان نہیں ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: نیک مال اور نیک آدمی اچھا ہوتا ہے، ایک روایت میں مرقوم ہے کہ خود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! مدت دراز تک میں دین اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا رہا ہوں، اب چاہتا ہوں کہ اسکی کچھ خدمت کر سکوں، راہ خداوندی میں کوئی جنگ کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو، ان شاء اللہ میں تمہیں اس کا موقع فراہم کروں گا، پھر آپ ﷺ کی سمع مبارک میں بنو قضاعہ کی فساد انگیزی کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے ایک سفید علم تیار فرمایا اور تین سو انصار و مہاجرین کی ایک جماعت تیار کی، اس جماعت میں حضرت سعید بن زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت حبیب بن سنان، حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے، ان سب کا سپہ سالار حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا تا کہ وہ دشمنان دین کے خلاف دلیری اور دلاوری کے جوہر دکھائیں، ابن اسحاق سے منقول ہے کہ اس لشکر کا امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ نامزد کرنے میں یہ حکمت تھی کہ انکی والدہ کی طرف سے بنو قضاعہ کی ایک شاخ بنو بلی کے ساتھ قرابت داری

تھی، آپ ﷺ نے چاہا کہ ان کو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اسلام کے ساتھ انسیت پیدا ہو اور وہ ہدایت کے راستے پر گامزن ہو جائیں۔

اس معرکے کو ذات السلاسل کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ مشرکوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا، بعض کہتے ہیں کہ سلاسل ایک چشمے کا نام تھا جو وادی القریٰ کے پیچھے واقع تھا، یہ مقام مدینہ منورہ سے دس روز کے فاصلے پر موجود تھا، ذات السلاسل کا واقعہ ماہ جمادی الآخر ۸ ہجری میں پیش آیا، بعض کہتے ہیں کہ ۷ ہجری میں پیش آیا، ابن اسحاق نے اسے غزوہ موتہ سے پہلے بیان کیا جبکہ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سریہ غزوہ موتہ کے بعد واقع ہوا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خدمت اسلام کے جذبات سے سرشار ہو کر مدینہ منورہ سے نکلے اور مشرکوں کی جانب متوجہ ہوئے تو انہوں نے سنا کہ کچھ اور بدوی قبائل بھی انکے ساتھ شامل ہو گئے ہیں، مسلمانوں کی اتنی قلیل تعداد انکی کثیر تعداد کے مقابلے میں نقصان اٹھا سکتی ہے، اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ایک قاصد بارگاہ رسالت میں بھیجا اور مدد کی درخواست کی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کرام کی ایک جماعت انکی طرف روانہ فرمائی جس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ جب تم مل جاؤ تو آپس میں متفق رہنا اور اختلاف نہ کرنا، جب یہ دونوں لشکر مل گئے تو نماز کے وقت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ میری امداد کے لیے آئے ہیں اس لیے میرے تابع ہیں لہذا میرے پیچھے نماز پڑھیں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا، پہلی جماعت کی سرداری آپ سے متعلق ہے اور اس جماعت کی سرداری میرے متعلق ہے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس میں کچھ حرج جانا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کی نصیحت یاد آ گئی اور وہ مخالفت سے باز آ گئے اور پھر انکے پیچھے نماز ادا کی، چونکہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نیک خصلت اور نرم مزاج تھے، اس لیے کہنے لگے، اے عمرو! آپ نرمی برتیں، سختی نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم مل جاؤ تو ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنا، اگر آپ مخالفت کے راستے پر بھی چلیں گے

تو میں نہیں چلوں گا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۶۵﴾

یہ معرکہ موسم سرما میں درپیش تھا، شدید سردی پڑ رہی تھی، اہل اسلام نے سردی کے اثرات کم کرنے کے لیے آگ جلانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو سختی سے منع کر دیا، اہل لشکر اس سخت رویے سے تنگ آ گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، انہوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے سفارش کی تو وہ کہنے لگے کہ جس آدمی نے بھی آگ جلائی تو میں اسکو اس آگ میں پھینک دوں گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو تنبیہ فرمائی لیکن انہوں نے کہا، اے عمر! آپ میرے محکوم ہو لہذا میرے حکم کی اطاعت کرو، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا، انکو ان کے حال پر چھوڑ دو، رسول اللہ ﷺ نے انکے جنگی تجربے کی وجہ سے ان کو امیر لشکر مقرر کیا ہے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق ہو کر لشکر اشرار کی طرف بڑھے، ان قبیلوں کے کچھ لوگ تو اپنے گھروں کو خالی کر کے بھاگ گئے اور کچھ لوگوں نے جنگ کی مگر مغلوب ہو گئے اور دوسرے شہروں کی طرف چلے گئے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے چند روز وہاں توقف فرمایا، اس دوران وہ اپنے شہسواروں کو اطراف و جوانب میں بھیجتے رہے اور وہ بکریاں اور اونٹ لشکر میں لاتے رہے، اہل اسلام نے انہیں ذبح کر کے خوب ضیافت کی، اس سفر میں قابل تقسیم مال غنیمت حاصل نہ ہوا، پھر وہ سب مدینہ منورہ کی طرف لوٹ آئے اور دیدار مصطفیٰ ﷺ سے اپنے دیدہ و دل کو شاد کام کیا، کچھ روایات میں آتا ہے کہ لشکر اسلام مخالفوں کے شہروں میں داخل ہوا اور تاخت و تاراج کا طریقہ اختیار کیا تو بہت سے مویشی قبضے میں آئے اور یہ حصول مقصود کے ساتھ واپس لوٹے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۶۵﴾

واپسی کے سفر کا ایک مشہور واقعہ مرقوم ہے کہ ایک رات حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر غسل فرض ہو گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہوا بہت سرد ہے اگر میں غسل کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا، پھر قدرے پانی طلب کر کے استنجا اور وضو کیا اور پھر تیمم کیا اور اہل اسلام کو نماز پڑھائی، یہ حکایت غرابت و ندرت سے خالی نہیں ہے، غالباً حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ابھی احکام شرعیہ کی تعلیم کا موقعہ میسر نہیں آیا تھا، ورنہ تلافی جان کے خوف سے جنابت کے لیے صرف تیمم ہے نہ کہ وضو اور تیمم دونوں، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۶۶﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ گفتگو کی، جب دونوں امیروں کی گفتگو کا معاملہ سنایا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبیدہ پر رحم فرمائے، جب واقعہ جنابت سنایا تو حضور اکرم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ذرا انکے معاملے میں غور کرو کہ اپنے لیے کیسے خلاصی پیدا کی، جب آگ کا مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا، انہوں نے عرض کیا، میں نے اس لیے آگ جلانے سے منع کیا تھا کہ اگر آگ جلائی جاتی تو مشرکین ہماری قلت تعداد سے واقف ہو جاتے، بہر حال رسول اللہ ﷺ نے تمام معاملات میں عفو و درگزر سے کام لیا، ایک روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو بہت سراہا، ﴿سیرت دحلان، ۲۴۵/۲﴾ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت درج فرمائی ہے کہ جب ہم ذات السلاسل کے سفر سے واپس آئے تو میرے دل میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس لشکر کی سپہ سالاری سے سرفراز فرمایا جس میں ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما جیسے لوگ شامل تھے، یقیناً بارگاہ رسالت میں میرا درجہ بہت عالی شان ہے، چنانچہ میں نے اس خیال کی تصدیق کے لیے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ سب لوگوں میں کس سے زیادہ محبت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ صدیقہ سے، میں نے پوچھا، میں ازواج کی بات نہیں کر رہا، دوسرے لوگوں کے بارے میں بات کر رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کے باپ ابو بکر صدیق سے، میں نے عرض کیا، ان کے بعد، آپ ﷺ نے فرمایا: عمر سے، پھر میں یہی سوال بار بار کرتا رہا اور آپ ﷺ دوسرے لوگوں کے نام لیتے رہے، میرا ذکر تک نہ کیا، میں سمجھ گیا کہ آئندہ کبھی اس موضوع پر بات نہیں کروں گا، ﴿ایضاً﴾

حضرت ابو قتادہ کی مہم:

شعبان المعظم ۸ ہجری کا واقعہ ہے کہ علاقہ نجد کے اندر خضرہ نامی مقام پر بنو غطفان کے کچھ شر پسند لوگ ایک لشکر تیار کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انکی سرکوبی اور گوشمالی کے لیے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو پندرہ آدمیوں کی جماعت دے کر روانہ فرمایا، انہوں نے شر پسندوں کے متعدد آدمی قتل کیے اور متعدد آدمیوں کو گرفتار کیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر پندرہ روز کے بعد مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

﴿غزوۂ مکۃ المکرّمہ﴾......

یہ وہ فتح عظیم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول، اپنے لشکر اور اپنی امانتدار جماعت کو عزت عطا فرمائی، اپنے شہر اور اپنے گھر کو جسے تمام اہل دنیا کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا ہے، کافروں اور مشرکوں کے ہاتھ سے چھٹکارا دلایا، اس فتح عظیم کی بدولت اہل آسمان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور اسکی عزت کی طنابیں جوزا کے شانوں پر تن گئیں، اس فتح عظیم کی بدولت لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور تمام روئے زمین کا چہرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ ﴿زاد المعاد: ۲/۱۶۰﴾

غزوۂ مکۃ المکرّمہ کی وجوہات:

غزوہ موتہ میں اہل اسلام کے چند نامور سپہ سالاروں کی دردناک شہادت سے قریش مکہ کے شرپسند عناصر نے یہ تصور کرلیا کہ اب انکی طاقت ختم ہوگئی ہے، وہ اتنی جلدی ہمارے مقابلے میں نہیں آسکتے لہذا اگر ہم صلح حدیبیہ کو توڑنے کی جرأت بھی کریں گے تو انکی طرف سے کوئی شدید قسم کا ردعمل ظاہر نہیں ہوگا، چنانچہ انہوں نے اس معاہدے کو توڑنے کی اسطرح جرأت کردی، معاہدے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو قبیلہ فریقین میں سے جس کے ساتھ بھی عہدو پیمان باندھنا چاہے، باندھ سکتا ہے، اس کے مطابق بنو بکر نے قریش مکہ اور بنو خزاعہ نے اہل اسلام کے ساتھ عہدو پیمان کیا، یاد رہے کہ بنو خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کرتے وقت وہ پرانا عہد نامہ بھی بارگاہ رسالت میں پیش کیا جو انکے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے بنو خزاعہ کو لکھ کر دیا تھا کہ ہمارے اور بنو خزاعہ کے درمیان اس عہد نامے پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے، اسکو کبھی بھلایا نہیں جائے گا ہم اس وقت تک ایک دوسرے کی یکجان ہوکر امداد کرتے رہیں گے جب تک کوہ ثبیر پر سورج چمکتا ہے، کوہ حرا اپنی جگہ پر برقرار رہے اور سمندر کا پانی اون کو تر کرتا رہے، نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یہ عہد نامہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پڑھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دور جاہلیت میں جو عہد نامہ معرض وجود میں آیا تھا اسلام اسکو کالعدم نہیں سمجھتا بلکہ اسکو اور مضبوط کرتا ہے۔ ﴿سبل الھدیٰ: ۵/۳۰۵﴾

معاہدے کی اس دفعہ کے تحت بنو خزاعہ اور بنو بکر ایک دوسرے سے مامون اور بے

خطر ہو گئے لیکن چونکہ دونوں قبیلوں میں عہد جاہلیت سے بہت زیادہ کشاکش چلی آ رہی تھی، اب اس پر امن ماحول سے فائدہ اٹھا کر بنو بکر نے بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکانا چاہا، قریش مکہ کے شر پسند عناصر صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حویطب بن عبدالعزیٰ، شیبہ بن عثمان اور مکرز بن حفص وغیرہ نے انکے حوصلے بڑھائے، شعبان ۸ ہجری کی ایک رات تھی، بنو خزاعہ وتیر نامی چشمے پر خیمہ زن تھے کہ بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ نے قریش مکہ اور بنو بکر کا ایک لشکر لے کر ان پر شدید حملہ کر دیا، قریش مکہ کے مذکورہ سرداروں نے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے اور اپنے بہت سے غلام بھی اور ہتھیار بھی بنو بکر کو مہیا کر رکھے تھے، بہر حال ان خون خوار حملہ آوروں نے بنو خزاعہ کے بے گناہ افراد کا خوب قتل عام کیا، بچے کچے لوگ حرم مکہ میں پہنچ گئے، بنو بکر نے کہا، اے نوفل! اب تو ہم حرم میں داخل ہو گئے، اب قتل عام بند کر دیا جائے، اس نے کہا، اے بنو بکر! آج کوئی الہ نہیں، اپنا انتقام پورا کرو، میری عمر کی قسم تم لوگ حرم میں چوری کر لیتے ہو تو کیا حرم میں اپنا انتقام نہیں لے سکتے لہذا دشمن جہاں بھی ملے اسے ختم کر دو، ﴿سیرت ابن کثیر: ۵۲۸/۳﴾ بنو خزاعہ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر بدیل بن ورقہ خزاعی اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی، اس دوران بھی انکی بہت سی لاشیں خاک وخون میں لوٹ کر رہ گئیں، گویا حرم کے پاسبانوں نے حرم کو انسانی خون سے داغ دار کر دیا اور اسکی عزت وحرمت کو پامال کر دیا، قریش مکہ کی اس عہد شکنی سے دانش مند لوگوں نے خطرات کی یلغار محسوس کر لی تھی، حارث بن ہشام، عبداللہ بن ابی ربیعہ، صفوان اور عکرمہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ تمہاری اس عاقبت نا اندیشی نے معاہدۂ حدیبیہ کو توڑ دیا ہے، رسول اللہ ﷺ اسکا سختی سے محاسبہ کریں گے، اب تم لوگ اس بدعہدی اور بے وفائی کا نتیجہ برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۰۶/۵﴾ روایات میں آتا ہے کہ ابو سفیان قریش مکہ کی اس بدعہدی سے کنارہ کش رہا۔

بارگاہ رسالت میں فریاد:

جس رات بنو خزاعہ پر وتیر کے چشمے پر قیامت صغریٰ برپا ہوئی اور انکے بچے، عورتیں اور بوڑھے موت کے گھاٹ اتر گئے تو اسی رات کی صبح حضور نبی غیب دان ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، عائشہ آج بنو خزاعہ پر بہت ظلم کیا گیا ہے، انہوں نے

عرض کی ،یارسول اللہ! کیا قریش مکہ میں صلح نامہ کی خلاف ورزی کی ہمت موجود ہے، حالانکہ تلواروں نے پہلے ہی ان کو تباہ حال کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا ہے اوراس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں کارفرما ہیں، عرض کیا، یارسول اللہ! اس کا انجام تو ٹھیک ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ٹھیک ہوگا، اسی طرح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ میرے گھر قیام فرماتھے، تہجد کے وقت اٹھے اور طہارت خانے میں تشریف لے گئے، میں نے آپ ﷺ کو تین مرتبہ پکارتے ہوئے سنا، میں حاضر ہوں، تمہاری امداد کی گئی، جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اندر کوئی آدمی تو نہیں ،آپ کس سے ہم کلام تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: میمونہ! یہ بنوکعب کا رجز خواں تھا اور میری بارگاہ میں فریاد کر رہا تھا کہ قریش مکہ نے بنو بکر کی حمایت کی ہے اور ہم پر خوفناک حملہ کیا ہے، پھر ہم تین دن تک اسی واقعہ کی اطلاع کا انتظار کرتے رہے، تین دن کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے نماز فجر پڑھائی تو ایک راجز کو کچھ دردناک اشعار پڑھتے ہوئے سنا، ﴿معجم طبرانی کبیر﴾

عمرو بن سالم کی دہائی:

اس قیامت صغریٰ کے بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس افراد کو ساتھ لے کر دن رات سفر کرتا ہوا مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مسجد نبوی میں اپنی مظلومیت کی داستان بیان کی، اسکے دردناک اشعار نے اہل مدینہ کو تڑپا کر رکھ دیا ۔

یارب انی ناشد محمدا   حلف ابینا وابیہ الاتلدا

قد کنتم ولدا وکنا والدا   ثمۃ اسلمنا فلم ننزع یدا

ان قریشا اخلفوک موعدا   ونقضو میثاقک المؤکدا

وزعموا أن لست ادعو احدا   فھم أذل واقل عددا

ھم بیتونا بالوتیر ھجدا   وقتلونا رکعاوسجدا

وجعلو الی فی کداء رصدا   فانصر رسول اللہ نصرا اعتداء

وادع عباد اللہ یأتو امددا   فیھم رسول اللہ قد تجردا

ان سیم خسفا وجھہ تربدا   فی فیلق کالبحر یجری مزبدا

اے پروردگار! میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو وہ عہد نامہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور انکے اجداد میں طے پایا تھا، اس وقت تم ہماری اولاد[1] تھے اور ہم تمہارے باپ اور ہم نے صلح سے کبھی دست کشی نہیں کی، قریش مکہ نے تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ توڑ دیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ میں امداد کے لیے کسی کے سامنے فریاد نہیں کروں گا، وہ تعداد میں قلیل تھے، وتیر نامی چشمے کے قریب جب ہم آرام کر رہے تھے تو انہوں نے شب خون مارا اور ہمیں رکوع وسجود کی حالت میں قتل کیا، وہ کدا کی گھاٹی میں چھپے ہوئے تھے، یارسول اللہ! ہماری پرزور امداد کیجیے، آپ اللہ کے بندوں کو بلایئے اور ان میں اللہ کے رسول بھی پوری طرح تیار ہو کر آئیں، جب انکی توہین کی جاتی ہے تو انکا چہرہ فرط جلال سے تمتما اٹھتا ہے، وہ سمندر کی طرح موجیں مارنے والے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں، ﴿سیرت ابن کثیر: ۵۲۷/۳﴾

عمرو بن سالم کی اس فریاد پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! تمہاری امداد کی جائے گی، اسی دوران بادل کا ایک ٹکڑا مجلس کے اوپر سے گزرا جسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بادل بھی بنو کعب کو امداد کی بشارت سنا رہا ہے، ﴿ایضا﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں ان لوگوں کی اسی طرح حفاظت کروں کا جس طرح اپنی اور اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتا ہوں، ﴿سبل الھدیٰ: ۳۰۹/۵﴾ رسول اللہ ﷺ نے بنوخزاعہ کے وفد کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور پوچھا، کن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے، انہوں نے بتایا، بنو بکر نے، آپ ﷺ نے فرمایا: بنو بکر تو بہت بڑا قبیلہ ہے، ان میں سے کون لوگ تھے، انہوں نے عرض کیا، بنو نفاثہ نے جن کی قیادت نوفل بن معاویہ کر رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بنو بکر کی ایک شاخ ہے، میں صورتحال دریافت کرنے کے لیے اپنا قاصد بھیجتا ہوں اور انکے سامنے کچھ شرائط بھیجتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت

---

[1] عمرو بن سالم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی اولاد اس لیے کہا کہ آپکے دو دادوں قصی اور عبد المناف کی شادیاں بنوخزاعہ کی دو عورتوں سے ہوئی تھیں، اس لیے اُس نے پرانی رشتے داری کا حوالہ دیا۔

ضمرہ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا اور انکے سامنے یہ شرائط پیش کیں:

① ...... بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں۔

② ...... بنونفاثہ سے اپنا عہد و پیمان ختم کریں۔

③ ...... صلح حدیبیہ کو علانیہ طور پر ختم کر دیں۔

ان شرائط سے کسی ایک فریق کی بھی دل آزاری نہیں ہوتی تھی اور یہ شرائط عرب کے مروجہ اصولوں کے مطابق تھیں، ان شرائط سے حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی امن پسندی بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کسی صورت بھی سرزمین عرب کو کشت وخون سے رنگین نہیں کرنا چاہتے تھے، جب حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ نے قریش مکہ کے سامنے یہ شرائط پیش کیں تو انہوں نے باہمی طور پر مشورہ کیا، ایک نابینا قرظہ بن عبد عمرو پکار کر کہنے لگا کہ ہم بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں تو ہمارے پاس ایک درہم بھی باقی نہیں رہے گا اور ہم بنو نفاثہ سے عہد و پیمان توڑ لیں تو پھر بھی گوارہ نہیں کیونکہ بنونفاثہ تمام قبیلوں سے زیادہ کعبہ مشرفہ کی تکریم کرنے والے ہیں لہذا اب تیسری شرط ہی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ ہم صلح حدیبیہ کو علانیہ ختم کرتے ہیں، اُس کی اِس تجویز کو تمام قریش مکہ نے قبول کیا تو حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آ گئے، بعد میں قریش مکہ کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھنے لگے کہ انہوں نے کوئی اچھا فیصلہ نہیں کیا، چنانچہ انکی ایما پر ابوسفیان مدینہ منورہ پہنچ گیا، اسکے آنے کی خبر رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی ارشاد فرما دی تھی، مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ ابوسفیان ضرور آئے گا اور معاہدے کی تجدید اور مدت صلح کے اضافے کے لیے گزارش کرے گا، ﴿سیرت ابن کثیر: ۵۲۹/۳﴾

ابوسفیان مدینہ منورہ میں:

ابوسفیان طے شدہ قرارداد کے مطابق مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا اور عسفان پہنچا، وہاں اسکی بدیل بن ورقا سے ملاقات ہوئی جو مدینہ منورہ سے واپس آ رہا تھا، ابوسفیان سمجھ گیا کہ یہ بارگاہ رسالت سے ہو کر آیا ہے، اس نے پوچھا، بدیل کہاں سے آئے ہو، اس نے جواب دیا، میں بنوخزاعہ کے ہمراہ اس ساحل اور وادی میں گیا تھا، اس نے پوچھا، کیا تم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے پاس نہیں گئے تھے، اس نے کہا، نہیں، پھر جب بدیل مکہ مکرمہ کی

جانب چلا گیا تو ابوسفیان نے کہا، اگر وہ مدینہ گیا تھا تو وہاں اپنے اونٹ کو گٹھلی کا چارہ کھلایا ہوگا، یہ دیکھنے کے لیے وہ اس جگہ گیا جہاں بدیل نے اپنا اونٹ بٹھایا تھا اور وہاں سے اس کے اونٹ کی مینگنی لے کر توڑی تو اس میں کھجور کی گٹھلی نظر آئی، اب ابوسفیان نے پورے وثوق سے کہا کہ اللہ کی قسم بدیل حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے پاس گیا تھا، ابوسفیان مدینہ منورہ پہنچا تو اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا اور رسول اللہ ﷺ کے بستر مقدس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا، اس نے پوچھا بیٹی! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں یا میں اس بستر کے لائق نہیں، انہوں نے جواب دیا، یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور تم ابھی تک ناپاک مشرک ہو، اس نے کہا، خدا کی قسم میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے، انہوں نے کہا، مجھے شر نہیں پہنچا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی ہے، تم سردار مکہ ہو اور فہم و دانش کے مالک ہو، افسوس! تم نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا اور ابھی تک اللہ وحدہ کے سوا بے بس بتوں کی عبادت کر رہے ہو، ابوسفیان اپنی بیٹی کے اس دو ٹوک جواب سے مایوس ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اس وقت حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اس نے کہا، صلح حدیبیہ کے وقت میں غیر حاضر تھا، اب میری استدعا ہے کہ اس معاہدے کی تجدید کی جائے اور مدت صلح میں اضافہ کیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ابو سفیان! کیا تم اس لیے یہاں آئے ہو، اس نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس معاہدے کی مخالفت کی ہے، اس نے کہا، ہم تو اس معاہدے پر قائم ہیں اور اس میں کسی تغیر کے روادار نہیں، آپ ﷺ نے پھر اسکی کسی بات کا جواب نہیں دیا، اس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور سفارش کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا، میں رسول اللہ ﷺ کے تابع ہوں، پھر وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور سفارش کے لیے کہا، انہوں نے فرمایا، مجھ سے اس قسم کی توقع نہ رکھو، خدا کی قسم اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ بھی دستیاب نہ ہو تو پھر بھی میں تم لوگوں کے ساتھ جہاد کروں گا، ایک روایت میں ہے کہ وہ حضرت عثمان غنی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے پاس بھی گیا لیکن انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہماری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ کے تابع ہے، وہ ان سب سے مایوس ہو کر حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے

پاس پہنچا، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی ان کے قریب تھیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابھی چھوٹے بچے تھے، وہ بھی انکے قریب تھے، اس نے کہا، اے علی! میرا تمہارے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے، میں ایک ضرورت کے تحت آیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ ناکام واپس چلا جاؤں، تم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے سفارش کرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابوسفیان! تم پر افسوس! رسول اللہ ﷺ نے جس بات کا ارادہ کرلیا ہے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کرسکتے، اس کے بعد اس نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کہا، کیا آپ اپنے اس بیٹے کو حکم کرسکتی ہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان ہمیں پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے، انہوں نے جواب دیا، اللہ کی قسم میرا بیٹا ابھی پناہ دینے کے قابل نہیں اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کوئی پناہ دے بھی نہیں سکتا، اس جواب سے ابوسفیان کی امیدوں کی دنیا تاریک ہو گئی، اس نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا، ابوالحسن! میں معاملات کی سنگینی کو محسوس کر رہا ہوں، مجھے کوئی مشورہ دو، انہوں نے کہا، اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ تمہارے لیے کون سی چیز کارآمد ہے، ہاں تم بنو کنانہ کے سردار ہو، کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کردو اور مکہ مکرمہ واپس چلے جاؤ، اس نے کہا، کیا تمہارے خیال میں یہ کارآمد ہوگا، انہوں نے کہا، نہیں، خدا کی قسم نہیں لیکن اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی تو نہیں، چنانچہ ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگو! میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کرتا ہوں، پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ سے نکلا تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، یا اللہ! انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دے اور ان کو ہماری کوئی خبر نہ پہنچے یہاں تک کہ ہم انکے شہر پر اچانک حملہ کر دیں ﴿سیرت ابن کثیر: ۵۳۵/۳﴾ جب قریش مکہ کے پاس پہنچا تو وہ استفسار کرنے لگے، اس نے کہا، اللہ کی قسم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، اس طرح ابوبکر کے اندر بھی کوئی بھلائی نظر نہیں آئی، عمر تو انتہائی سخت نکلا، علی کے پاس گیا تو اسے کچھ نرم پایا اور اسکے مشورے پر عمل کرنے کے بعد تمہارے پاس واپس آگیا ہوں، انہوں نے کہا، کیا تمہاری امان کو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے نافذ قرار دیا تھا، اس نے کہا نہیں، انہوں نے کہا، پھر تمہاری بربادی ہو، علی نے تمہارے ساتھ ایک مذاق کیا ہے، اس نے کہا، اللہ کی قسم اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔

ابوسفیان کی رسوائی:

صلح کی اس کوشش میں ابوسفیان کو کافی دن مدینہ منورہ میں گزارنے پڑے، اس مدت دراز کو دیکھ کر قریش مکہ نے اس پر الزام لگانا شروع کر دیا کہ وہ بھی اپنے دین سے پھر گیا ہے اور اس نے بھی چھپ کر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بیعت کر لی ہے، جب وہ مکہ مکرمہ پہنچا تو اس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے سختی سے پوچھا، تمہاری قوم نے تم پر یہ الزام لگایا ہے، آخر تم اتنی دیر کہاں رہے ہو، اس نے حالات بتائے تو اس نے مزید سختی سے کہا، تم اپنی قوم کے بدنصیب قاصد ہو، بھلا تم سے بھی کوئی خیر کا کام ہوا ہے، اس نے رات تو ایسے ہی گزار دی، صبح ہوئی تو اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس جا کر سر منڈایا اور جانور کی قربانی دے کر اعلان کیا کہ میں ان بتوں کی عبادت سے نہیں رکوں گا، یہاں تک کہ میری میرے باپ کے عقیدے پر ہی موت آ جائے، یہ اہتمام اس نے اس لیے کیا تھا کہ قوم اس پر یہ الزام لگانے سے باز آ جائے۔

غزوہ مکۃ المکرّمہ کی تیاری:

رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کی عہد شکنی اور بے وفائی کی خبر آنے سے تین روز پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سامان جنگ کی تیاری کا حکم صادر فرما دیا اور ساتھ ہی اخفا کی تلقین فرمائی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو پوچھا، بیٹی یہ کیسی تیاری ہے، انہوں نے عرض کیا، واللہ مجھے معلوم نہیں، انہوں نے فرمایا، یہ بنو اصفر یعنی اہل روم سے تو جنگ کا وقت نہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے کدھر کا ارادہ فرمایا ہے، انہوں نے کہا، واللہ مجھے معلوم نہیں، تین روز بعد جب عمرو بن سالم خزاعی نے استغاثہ پیش کیا تو معلوم ہوا کہ قریش مکہ نے عہد شکنی کی ہے، اس کے بعد بدیل بن ورقا آیا اور اس نے بھی حالات بیان کیے، بعد ازاں ابوسفیان کی آمد ہوئی تو تمام لوگوں کو حالات کا پوری طرح علم ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے سفر کی تیاری کے لیے حکم دیا اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی، اے اللہ! جاسوسوں اور خبروں کو قریش مکہ تک نہ پہنچنے دینا، انہیں راستے میں ہی پکڑ لینا تا کہ ہم انکے علاقے میں اچانک پہنچ جائیں، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے حجرۂ

مبارکہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ابو بکر کو بلایا جائے، وہ حاضر خدمت ہوئے تو دیر تک ان کے ساتھ سرگوشی فرمائی اور اپنی دائیں طرف بٹھالیا، بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو طلب کیا، ان کے ساتھ بھی دیر تک مشورہ کیا، انہوں نے بلند آواز سے کہا، یارسول اللہ! یہ اہل مکہ ہی ہیں جنہوں نے آپ پر ساحر، کاہن وغیرہ کے الزامات لگائے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو بائیں طرف بٹھالیا، پھر تمام لوگوں کو قریب آنے کی اجازت دی اور فرمایا، کیا میں تمہیں ان دونوں آدمیوں کی مثال نہ دوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے معاملے میں گھی سے بھی زیادہ نرم تھے، یہی حالت ابو بکر کی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے معاملے میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے، یہی حالت عمر کی ہے ، اب تمام لوگ جنگ کی تیاری کرو اور ایک دوسرے کی امداد کرو، بعد میں لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ لوگوں سے کیا رائے لی تھی، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مکہ مکرمہ پر حملے کے متعلق مشورہ کیا تو میں نے کہا کہ وہ آپکی قوم ہے لہذا اس پر حملہ مناسب نہیں، جب عمر سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اہل مکہ نے ہی آپ پر ساحر اور کاہن کے الزامات لگائے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حملے کا حکم دے دیا ہے، ﴿سیرت حلبیہ: ۱۳۹/۲﴾

غزوہ مکۃ المکرمہ کی تیاری کو انتہائی صیغۂ راز میں رکھا گیا، آپ ﷺ نے تمام راستوں پر پہرے دار مقرر فرما دیئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ پہرے داروں کی خبر گیری کے لیے جایا کرتے اور تاکید کرتے کہ خبردار کسی اجنبی آدمی کے مدینہ منورہ میں داخلے سے پہلے اچھی طرح چھان بین کر لی جائے، ﴿سبل الہدیٰ: ۳۱۷/۵﴾ اس راز داری کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک ۸ ہجری کے آغاز میں حضرت ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آٹھ آدمیوں کا ایک سریہ بطن اضم کی طرف روانہ فرمایا، یہ مقام ذی خشب اور ذولمروۃ کے درمیان مدینہ منورہ سے تقریباً ۳۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ سمجھنے والا سمجھے کہ آپ ﷺ اسی علاقے کا رخ کریں گے، پھر یہی خبر ہر طرف پھیل گئی، جب یہ سریہ اپنے مقام پر پہنچ گیا تو اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ مل گیا، یہی

وہ سریہ ہے جس کی ملاقات عامر بن اضبط سے ہوئی، اس نے اسلامی دستور کے مطابق سلام کیا لیکن محلم بن جثامہ نے کسی سابقہ رنجش کی وجہ سے اسے قتل کر دیا اور اسکے سامان سفر پر قبضہ کرلیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

⊙...... ولا تقولو المن القی الیکم السلام لست مؤمنا ،یعنی جو تمہیں سلام کہے اسکو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ ﴿سورۃ النسا: ۹۴﴾

روایت میں آتا ہے کہ پھر کسی موقع پر محلم دو چادروں میں ملبوس آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست کی، مگر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کوئی مغفرت نہیں، یہ سن کر وہ روتا ہوا اور اپنی چادروں سے آنسو پونچھتا ہوا چلا گیا، ابھی ایک ساعت بھی نہ گزری تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا، جب دفن کیا گیا تو زمین نے بھی اسکو باہر پھینک دیا، لوگوں نے ساری صورتحال بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا، زمین اس سے بھی بدترین انسان کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾ ابن اسحاق کا بیان ہے، اسکی قوم کے لوگ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکے لیے مغفرت کی دعا فرما دی تھی، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/۲۲۸﴾ رسول اللہ ﷺ نے اطراف مدینہ میں صحرانشین مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ جو لوگ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ پہنچ جائیں، اس پیغام کو سن کر مسلمان قافلہ در قافلہ مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا مکتوب:

حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو ایک خط لکھ کر اطلاع بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں، انہوں نے یہ خط ایک عورت کو دیا تھا اور اسے قریش تک پہنچانے میں معاوضہ رکھا تھا، عورت سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر روانہ ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ کو وحی سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی اس حرکت کی خبر دے دی گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت مقداد، حضرت زبیر اور حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہم کو یہ کہہ کر بھیجا کہ جاؤ روضۂ خاخ پہنچو، وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک رقعہ ہوگا، یہ حضرات گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہوئے، وہاں پہنچے تو

عورت موجود تھی، انہوں نے اس سے کہا کہ وہ نیچے اترے، جب وہ نیچے اتری تو انہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی رقعہ ہے، اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں، انہوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی لیکن کچھ نہ ملا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ نہیں کہا اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں، تم یا تو خط نکالو یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے، جب اس نے یہ پختگی دیکھی تو بولی اچھا، منہ پھیرو، انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے چوٹی کھول کر خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا، یہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس میں تحریر تھا، حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب اور رسول اللہ ﷺ کی حملے کے لیے روانگی کی خبر تھی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا، اے حاطب! یہ کیا ہے، انہوں نے کہا، یارسول اللہ! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں، خدا کی قسم اللہ اور اسکے رسول پر میرا ایمان ہے، میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ ہی مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے، بات صرف یہ ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں البتہ ان میں چپکا ہوا ہوں اور میرے اہل وعیال اور بال بچے وہیں ہیں لیکن قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ میرے بچوں کی حفاظت کریں، اس کے برخلاف دوسرے لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہاں ان کے قرابت دار ہیں جو انکی حفاظت کریں گے، اس لیے جب مجھے یہ چیز حاصل نہ تھی تو میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان کر دوں جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اسکی گردن مار دوں کیونکہ اس نے اللہ کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے اور یہ منافق ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! یہ جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے، تمہیں کیا پتہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر ہی کہا ہے کہ تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا، یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور انہوں نے کہا، اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں، اس طرح اللہ نے جاسوسوں کو پکڑ لیا اور مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی، ﴿صحیح بخاری: ۴۲۲/۱﴾ حضرت زبیر اور حضرت ابی مرثد رضی اللہ عنہما کے ناموں کا اضافہ صحیح بخاری کی بعض دوسری روایات میں ہے۔

لشکر اسلام اور کچھ اہل قریش:

رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کا رخ کیا، آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر انوار تھا، مدینہ منورہ میں حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تھا، مقام جحفہ یا اس سے کچھ اوپر کی طرف حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، وہ اپنے اہل وعیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے، مقام ابوا میں آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ ملے، وہ دونوں آپ ﷺ کی ہجو کہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کو سخت تکلیف پہنچایا کرتے تھے، آپ ﷺ نے انکی طرف دیکھ کر چہرہ انور پھیر لیا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ نہ ہو کہ آپ کے بھائی آپ کی بارگاہ میں زیادہ بد بخت ہوں، ادھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں وہی الفاظ کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہے تھے: تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخطئین ○ اللہ کی قسم اس نے آپکو ہم پر برتری عطا فرمائی اور یقیناً ہم ہی گنہگار تھے۔ ﴿سورہ یوسف: ۹۱﴾ آپ ﷺ یہ پسند نہیں کریں گے کہ کسی اور کا جواب آپ سے بہتر رہا ہو، چنانچہ ابوسفیان بن حارث نے یہی کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فوراً جواب دیا، لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین ○ آج تم پر کوئی باز پرس نہیں، اللہ تمہیں بخش دے اور وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، ﴿سورہ یوسف: ۹۲﴾ یہ عفو اور درگزر کا اعلان تھا، اس پر ابوسفیان بن حارث نے خوش ہو کر چند اشعار پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

> تیری عمر کی قسم جب میں نے اس لیے پرچم بلند کیا کہ لات کے سوار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے شہسواروں پر غالب آجائیں تو میری حالت رات کے مسافر جیسی تھی جو تاریکیوں میں حیران اور سرگردان ہوتا ہے، اب وقت آگیا ہے کہ مجھے ہدایت مل جائے اور میں ہدایت یافتہ ہو جاؤں، مجھے میرے نفس کی بجائے ایک ہادی برحق نے ہدایت دی اور اللہ کا راستہ اس شخص کریم نے بتایا جس کو میں نے ہر موقع پر ٹھکرا دیا تھا۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان بن حارث کے سینے پر ضرب لگا کر فرمایا: تم نے مجھے ہر موقع پر ٹھکرا دیا تھا، بعد ازاں اس ابوسفیان کے اسلام میں بہت خوبصورتی آ گئی، منقول ہے کہ جب سے انہوں نے اسلام قبول کیا، شرم وحیا کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا، آپ ﷺ بھی ان کو جنت کی بشارت عطا فرماتے اور فرماتے: مجھے امید ہے کہ یہ حمزہ کا بدل ثابت ہوگا، جب انکی وفات کا وقت آیا تو کہنے لگے مجھ پر آنسو نہ بہانا کیونکہ قبول اسلام کے بعد میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ﴿زاد المعاد: ۲/ ۱۶۳﴾

مر الظہران میں نزول اجلال:

رسول اللہ ﷺ اور آپکے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روزہ رکھا ہوا تھا، عسفان اور قدید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچ کر آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا، اطاعت رسول ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی روزہ توڑ دیا، پھر آپ ﷺ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ رات کے ابتدائی حصے میں مر الظہران وادی فاطمہ کے مقام پر نزول اجلال فرمایا، آپ ﷺ کے حکم کے مطابق لوگوں نے علیحدہ علیحدہ آگ جلائی، اس طرح دس ہزار چولہوں میں آگ جلائی گئی تو ہر طرف روشنیوں کا سیلاب سا آ گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لشکر کے پہرے دار مقرر کیے گئے، اس پڑاؤ کے دوران حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے کہ اگر کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ذریعے قریش مکہ کو خبر پہنچا دی جائے تا کہ وہ حاضر بارگاہ رسالت ہو کر امان طلب کریں، اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ پر جاسوسوں اور خبروں کا راستہ روک رکھا تھا، انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ اہل اسلام انکے سروں پر پہنچ چکے ہیں البتہ اپنے قلبی اندیشے کی وجہ سے ابو سفیان بیرونی حالات سے خبردار ہونے کی کوشش کرتا رہتا تھا، وہ اس وقت بھی حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا کے ہمراہ نکلا ہوا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سفید خچر پر سوار ہو کر جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کی گفتگو سنائی دی، ابوسفیان نے کہا، اللہ کی قسم میں نے ایسا لشکر کبھی نہیں دیکھا اور نہ ایسی آگ کہیں دیکھی ہے، بدیل نے جواب دیا، اللہ کی قسم یہ بنو خزاعہ ہیں، جنگ نے انہیں تباہ کر رکھا

ہے، ابوسفیان نے کہا، اتنا بڑا لشکر بنوخزاعہ کا نہیں ہو سکتا، میں نے اسکی آواز پہچان لی تھی، میں نے کہا، ابوحنظلہ! اس نے بھی میری آواز پہچان کر کہا، ابوالفضل! کیا بات ہے، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، میں نے کہا، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، واللہ قریش مکہ کی تباہی کا دن آ گیا ہے، اس نے کہا، میرے ماں باپ تم پر قربان، اب کیا چارۂ کار ہے، میں نے کہا، اللہ کی قسم اگر انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تو ختم کر دیں گے لہذا اس خچر پر بیٹھ جاؤ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں اور تمہارے لیے امان طلب کرتا ہوں، ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اسکے دونوں ساتھی مکہ مکرمہ چلے گئے، میں ابو سفیان کو لے کر کسی الاو کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے کون ہے، پھر جب دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر میں سوار ہوں تو میرا راستہ چھوڑ دیتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا جان ہیں یہاں تک کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، وہ میرے قریب آئے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اٹھے، ابوسفیان! اللہ کا دشمن، اللہ کی حمد ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان کے تمہیں ہمارے حوالے کر دیا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑے، میں نے بھی خچر کو دوڑایا اور ان سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے ابوسفیان کے قتل کی اجازت دیجئے، میں نے کہا، یارسول اللہ! میں نے اسکو پناہ دے دی ہے، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کا سر انور پکڑ کر عرض کیا، اللہ کی قسم آج رات میرے علاوہ کوئی آپ سے سرگوشی نہ کرے گا، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے قتل کی بار بار اجازت طلب کی تو میں نے کہا، عمر! رک جاؤ، اللہ کی قسم اگر یہ بنوعدی کا فرد ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے، انہوں نے کہا، عباس! تم بھی ٹھہر جاؤ، اللہ کی قسم تمہارا قبول اسلام میرے نزدیک میرے باپ خطاب کے قبول اسلام سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، اگر وہ اسلام قبول کر لیتا اور اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عباس! اسکو اپنے خیمے میں لے جاؤ، صبح میرے پاس حاضر کرنا، پھر جب ہم صبح حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوسفیان! افسوس! کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان

ہوں، آپ کتنے بردبار، کتنے مہربان اور کتنے خویش پرور ہیں، میں اچھی طرح جان چکا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو وہ میرے ضرور کام آتا، آپ ﷺ نے فرمایا: افسوس! کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم کہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کتنے بردبار، کتنے مہربان اور کتنے خویش پرور ہیں، اس کے متعلق ابھی میرے دل میں کچھ خدشہ ہے، اس پر میں نے کہا، ابوسفیان! اس سے پہلے کہ تمہیں قتل کر دیا جائے اسلام قبول کرلو اور یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں، ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا اور اس حق وصداقت کی گواہی دے دی، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ابوسفیان عزت پسند آدمی ہے لہذا اسے عزت افزائی عطا کی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: درست ہے، جو آدمی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اسے امان دی جائے گی، جو اپنا دروازہ اندر سے بند کرلے اسے امان دی جائے گی اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان دی جائے گی۔

صدیق اکبر کا خواب:

امام بیہقی نے ابن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، لوگ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حرم مکہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اور آپ دونوں مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، اس وقت ایک کتیا برآمد ہوئی اور بھونکنے لگی اور جب ہم اس کے قریب پہنچے تو وہ زمین پر دراز ہوگئی، میری نظر اس کے تھنوں پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ ان سے دودھ جاری تھا، یہ خواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مادہ سگ سے مراد مشرکین مکہ ہیں، جنہوں نے اول تو ہم پر رعب ڈالنے اور ہمارے کاموں میں مزاحمت کرنے کی کوشش کی مگر جب ہم بلا کسی تردد اور مرعوبیت کے اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے تو وہ خود ہم سے متاثر ہوگئے، پھر حضور مخبر صادق ﷺ نے فرمایا: ابوبکر تم انکے بعض افراد سے ملو گے، پس اگر تمہیں ابوسفیان ملے تو تم اسے قتل نہ کرنا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مر الظہران میں ابوسفیان اور حکیم کی ملاقات ہوئی، ﴿خصائص کبریٰ: ۵۲۲/۲﴾

لشکر اسلام کا نظارہ:

۱۷ رمضان المبارک ۸ ہجری کی صبح تھی جب حضور پیغمبر نور ﷺ مرالظہر ان سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو وادی کے تنگ حصے پر روک کر لشکر اسلام کا نظارہ کروایا جائے، چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا، ادھر اسلامی قبائل اپنے اپنے پرچم لے کر گزر رہے تھے، ابوسفیان ایک ایک قبیلے کے متعلق پوچھتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسکا تعارف کرواتے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مخصوص دستے کے ساتھ تشریف لائے، آپ ﷺ انصار اور مہاجرین کے درمیان جلوہ افروز تھے، یہاں انسانوں کی بجائے صرف لوہے کی باڑھ دکھائی دے رہی تھی، ابوسفیان نے پوچھا، سبحان اللہ یہ کون لوگ ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ انصار اور مہاجرین کے درمیان خود رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہیں، اس نے کہا بھلا ان سے جنگ کرنے کی کس میں طاقت ہے، اے ابو الفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو غالب آ گئی ہے، انہوں نے کہا، ابوسفیان یہ نبوت ہے، اس نے کہا، ہاں ایسا ہی کہہ لو، اس موقع پر انصار کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، جب وہ ابوسفیان کے قریب سے گزرے تو نعرہ زن ہوئے ۔

اليوم يوم الملحمة   اليوم تستحل الحرمة

آج تو قتل و غارت کا دن ہے، آج مکہ مکرمہ کی حرمت حلال کر دی جائے گی، آج اللہ نے قریش مکہ کے مقدر میں ذلت اور رسوائی لکھ دی ہے، ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی ہے، حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قریش مکہ میں قتل و غارت کا بازار گرم نہ کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت اعلان فرما دیا کہ آج کے دن کعبہ مشرفہ کی تعظیم کی جائے گی اور آج کے دن اللہ تعالیٰ قریش مکہ کو عزت عطا فرمائے گا، پھر آپ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پرچم لے کر انکے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے پرچم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا، اس واقعہ سے حضور

اکرم ﷺ کی امن پسندی اور رحم دلی کا کتنا واضح ثبوت ملتا ہے۔

مکۃ المکرّمہ میں داخلہ:

جب رسول اللہ ﷺ کا دستہ گزر گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو قوم کے پاس جانے کی اجازت دے دی، وہ تیزی سے مکہ مکرمہ پہنچے اور بلند آواز سے پکارنے لگے، اے گروہ قریش! یہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں اور تمہارے لیے اتنا بڑا لشکر لے کے آئے ہیں جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا لہذا جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے گا اسے امان مل جائے گی، یہ آواز سن کر انکی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے کہا، مار ڈالو اسکو یہ کیسا برا خبر رساں ہے، انہوں نے کہا، تمہاری بربادی ہو یہ عورت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے، لوگوں نے کہا، تمہارے گھر میں ہم کتنے آدمی آسکتے ہیں، انہوں نے کہا، جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ملے گی اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ملے گی، یہ سن کر لوگ ان پناہ گاہوں کی طرف دوڑ پڑے، قریش مکہ نے کچھ اوباش نوجوانوں کو اہل اسلام کے مقابلے کے لیے تیار کیا، چنانچہ وہ سب عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کی سرکردگی میں مقام خندمہ پر جمع ہو گئے، ان میں بنو بکر کا ایک آدمی حماس بن قیس بھی تھا، وہ اس سے پہلے ہتھیار درست کرتا رہتا تھا، اسکی بیوی نے اسے ایک دن کہا، یہ تیاری کس لیے ہے، اس نے کہا، محمد (ﷺ) اور انکے ساتھیوں کے مقابلے کے لیے، اس نے کہا، انکا مقابلہ نہیں ہو سکتا، وہ بولا، اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں انکے کچھ ساتھیوں کو تمہارا غلام بناؤں گا اور پھر کچھ رجز یہ اشعار پڑھنے لگا:

اگر وہ آج مقابلے میں آگئے تو میرے لیے کوئی عذر نہ ہوگا، یہ لمبی نوک والا نیزہ اور دو دھاری تلوار اسی مقصد کے لیے تیار ہے۔

رسول اللہ ﷺ وادی ذی طویٰ میں تشریف فرما ہوئے تو فرط انکسار سے آپ کا سر انور جھکا ہوا تھا اور ریش اطہر کے بال کجاوے سے لگ رہے تھے، ذی طویٰ میں آپ ﷺ نے لشکر کی ترتیب قائم فرمائی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر رکھا اور اس میں بنو اسلم، بنو سلیم، بنو غفار، بنو مزینہ، بنو جہینہ وغیرہ قبائل شامل کیے اور ان کو حکم دیا مکہ مکرمہ کے زیریں حصے سے داخل ہوں، اگر قریش مکہ میں سے کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش

کرے تو اسے ختم کر دیا جائے یہاں تک کہ کوہ صفا پر آ کر ہم سے مل جائیں، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر مقرر کیا، انکے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا مخصوص پرچم تھا، انہیں حکم دیا کہ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے یعنی کدا کی جانب سے داخل ہوں اور حجون میں ہمارا انتظار کریں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیادہ افراد پر مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ وادی کے بطن سے داخل ہوں، ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے سب دستے منزل مقصود کی طرف چل پڑے، مقام خندمہ پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سامنے قریش مکہ کے اوباش اور شر پسند لوگوں کی جماعت آگئی اور معمولی سی جھڑپ میں بارہ مشرکین مکہ ہلاک ہو گئے، باقی راہ فرار اختیار کر گئے، وہی حماس بن قیس ڈر کر اپنے گھر میں جا گھسا، بیوی نے پوچھا تمہارا وہ جوش وجذبہ کدھر گیا تو اس نے جواباً کہا، کاش! تم نے خندمہ کا حال دیکھا ہوتا، جب صفوان اور عکرمہ بھی بھاگ رہے تھے، تیز تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا، جو بازوؤں اور کھوپڑیوں کے پرخچے اڑا رہی تھیں، انکے پیچھے شور وغل کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا تم اس طرح مجھے ملامت نہ کرتی، اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے سرفروشوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں کو پامال کرتے ہوئے کوہ صفا پر جا نکلے، اس معرکے میں دو مسلمانوں نے بھی جام شہادت نوش کیا، ایک کا نام کرز بن جابر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام خنیس بن خالد رضی اللہ عنہ ہے، ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مقام حجون پر مسجد الفتح کے قریب ہی ٹھہر گئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے قبہ نصب کیا اور پرچم گاڑ کر انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔

جاء الحق وزھق الباطل:

حضور پیغمبر نور ﷺ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے میں کوہ ہند کے سامنے فروکش ہوئے، وہاں حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبروں کے قریب ہی آپ ﷺ کا خیمہ نصب کیا گیا، لوگوں نے پوچھا، کیا آپ اپنے گھر میں استراحت کرنا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ان لوگوں نے مکہ مکرمہ میں میرے لیے کوئی گھر نہیں چھوڑا، الغرض آپ ﷺ نے خیمہ مبارکہ میں آرام فرمایا، اس موقع پر آپ ﷺ کا دل جذبات شکر وامتنان سے لبریز تھا، خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عزت وحرمت سے اس

شہر میں داخلے کی توفیق دی جہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں اور آپ ﷺ کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا، آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی وادی اور گردو نواح کے پہاڑوں کی طرف نظر دوڑائی، یہ وہی پہاڑ تھے جہاں آپ ﷺ اس وقت پناہ لیا کرتے تھے جب قریش مکہ آپ ﷺ کو سخت اذیت پہنچاتے تھے اور آپ ﷺ کی مخالفت کیا کرتے تھے، عالم خشوع و خضوع میں آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آپ ﷺ سے بہتر کون جانتا تھا کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور جملہ امور اس کے قبضہ وتصرف میں ہیں، اس وقت آپ ﷺ کو یہ پورا پورا احساس تھا کہ سپہ سالار کی حیثیت سے آپ ﷺ کے فرض کی تکمیل ہو چکی ہے، اس لیے آپ ﷺ خیمے میں زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے بلکہ جلدی باہر آ کر اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر کعبہ مشرفہ تک تشریف لے گئے اور سات بار اسکا طواف کیا، مکہ مکرمہ میں داخلے کے وقت حضور اکرم ﷺ کے سر اقدس پر خود تھا یا سیاہ عمامہ، علما ان میں اسطرح تطبیق دیتے ہیں کہ داخلہ مکہ کے وقت ممکن ہے کہ شروع میں تو خود ہو اس کے بعد اسے ہٹا کر عمامہ شریف باندھ لیا ہو، اس بنا پر جس نے جسطرح مشاہدہ کیا بیان کر دیا، حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جس وقت خطبہ دیا تو آپ ﷺ کے سر انور پر سیاہ عمامہ تھا، بعض اس طرح تطبیق کرتے ہیں کہ عمامہ خود کے اوپر لپیٹا ہوا تھا یا خود کے نیچے عمامہ تھا تا کہ خود کے لوہے کی گرمی سے سر انور محفوظ رہے لہذا جس نے صرف خود کا ذکر کیا اس کا مقصد یہ ہے حضور اکرم ﷺ نے حرب کی مکمل تیاری فرمائی تھی اور جس نے عمامے کا ذکر کیا ہے اسکا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ احرام میں نہ تھے، ﴿مدارج النبوۃ ۲/۵۰۸﴾ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پکڑ رکھی تھی، اثنائے طواف میں آپ ﷺ نے حجر اسود ایک عصا مبارک سے سات بار چھوا، آپ ﷺ چونکہ حالت احرام میں نہیں تھے اس لیے صرف طواف کعبہ پر ہی اکتفا کیا گیا، بیت اللہ شریف کے اردگرد اور چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے، ان بتوں سے کفار عرب مرادیں مانگا کرتے تھے اور ان کو الوہی کاموں میں شریک تصور کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے عصا مبارک ﴿یا کمان﴾ سے ٹھوکریں مار مار کر ان بتوں کو منہ کے بل گرا دیا، آپ ﷺ اس وقت یہ آیت مبارکہ تلاوت فرما رہے

تھے: 'جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا' حق آ گیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل ہی جانے والی چیز ہے، ﴿سورہ بنی اسرائیل: ۸۱﴾ بیت اللہ شریف کے دروازے پر سب سے بڑا بت ہبل نصب تھا، طواف کے دوران آپ ﷺ نے اسکی پتھریلی آنکھوں کو کچوکا دیا اور زبان مبارک سے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی اور ساتھ ہی اسکو چکنا چور کرنے کا حکم صادر فرمایا، روایت میں آتا ہے کہ اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا، ذرا اپنے جھوٹے خدا کا عبرت ناک انجام تو دیکھو، جنگ احد کے دن تم اسی کے نعرے بلند کر رہے تھے اور اسی کی امداد پر اترا رہے تھے، انہوں نے کہا، ان باتوں کو رہنے دو، واقعی اگر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے معبود کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو یہ حالات معرض وجود میں نہ آتے، ﴿سبل الھدیٰ: ۳۵۴/۵﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی وہ روشن فتح ہے جس کا میرے پروردگار نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا تھا، پھر آپ ﷺ نے سورہ' اذا جاء نصر اللہ والفتح ' تلاوت فرمائی، تکمیل طواف کے بعد حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کعبہ مکرمہ کی کنجی حاصل کی، آپ ﷺ کے حکم مبارک سے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا گیا، جب اندر داخل ہوئے تو تصویریں نظر آئیں، جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں، انکے ہاتھوں میں فال گیری کے تیر تھے، آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: اللہ ان مشرکوں کو برباد کرے، اللہ کی قسم ان دونوں پیغمبروں نے کبھی فال گیری کے تیر استعمال نہیں کیے، خانہ کعبہ میں لکڑی کی ایک کبوتری بھی دیکھی جسے اپنے دست اقدس سے توڑ دیا، پھر تصویریں بھی آپ ﷺ کے حکم مبارک سے مٹا دیں گئیں، اس وقت آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت بلال، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم تھے، بیت اللہ شریف کے چھ ستون تھے، آپ ﷺ نے دائیں طرف کے تین ستونوں کے درمیان کھڑے ہوکر اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں اظہار تشکر کے لیے نماز ادا فرمائی اور بیت اللہ شریف میں گھومے اور اس کے سارے کونوں میں تکبیریں کہیں، ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے سارے کونوں میں تکبیریں کہیں اور نماز نہیں پڑھی، پھر باہر نکل کر بیت اللہ شریف کے سامنے نماز پڑھی، ﴿صحیح مسلم شریف﴾ بعد

ازاں بیت اللہ شریف کے دروازے پر جلوہ فرما ہو کر ارشاد فرمایا:

⊙...... لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دیا، اپنے بندے کی امداد فرمائی اور اکیلے نے تمام گروہوں کو شکست فاش سے دوچار کیا'' ﴿زاد المعاد: ۴۴۲/۳﴾

لوگو سنو! بیت اللہ شریف کی کلید برداری اور حاجیوں کی ساقی گری کے علاوہ تمام اعزاز یا کمال، یا خون، میرے قدموں کے نیچے ہے، یاد رکھو، قتل خطا شبہ عمد میں جو کوڑے اور ڈنڈے سے ہو مغلظ دیت ہے، یعنی سو اونٹ، جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے شکم میں انکے بچے ہوں، اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلیت کے غرور اور نسب کے فخر کا خاتمہ کر دیا ہے، سارے لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے ہیں اور وہ مٹی سے پیدا کیے گئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان حاصل کرسکو، بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے گروہ قریش! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں، حرم کعبہ، قریش مکہ سے بھرا ہوا تھا، سب خوف وامید کے ملے جلے احساسات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ والفجر کا دیدار کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے خطبۂ مبارکہ سے شادکام ہو رہے تھے، آپ ﷺ کے اس جملے کو سن کر انہوں نے اپنے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا، ہم آپ سے بہتری کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ مہربان نبی ہیں، مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپکو اختیار عطا فرمایا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے وہی بات کرتا ہوں، جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمائی تھی، لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین، آج کے دن تم پر کوئی باز پرس نہیں، اللہ تمہیں بخشش عطا فرمائے اور وہی سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے احسانات:

حضور پیغمبر نور ﷺ کے احسانات کا دریا پورے جوبن پر تھا، آپ ﷺ مسجد حرام میں جلوہ افروز تھے، حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں یا بروایت دیگر آپ ﷺ کے اپنے دست مبارک میں کعبہ مشرفہ کی کنجی تھی، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں حاجیوں کی ساقی گری کے ساتھ کعبہ کی کلید برداری کا عہدہ عنایت فرمایا جائے، آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو، ایک روایت کے مطابق یہ التماس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: عثمان! یہ لو اپنی کنجی، آج نیکی اور وفا کا دن ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کنجی ہمیشہ کے لیے رکھ لو، کوئی ظالم شخص ہی تم لوگوں سے یہ کنجی چھینے گا، اللہ نے تمہیں اپنے گھر کا امانتدار بنایا ہے لہذا جو کچھ بھی تمہیں یہاں سے ملے اسے اچھے طریقے سے کھانا، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم خانہ کعبہ کا دروازہ سوموار اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے، ایک دن حضور اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہونے لگے تو میں نے دروازہ بند کر دیا، آپ ﷺ کو یہ عمل کچھ ناز یبا لگا لیکن میری اس حرکت کو برداشت کرتے ہوئے فرمایا: عثمان! ایک دن آئے گا جب یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا، میں نے کہا، یہ اس وقت ہوگا جب قریش مکہ ہلاک ہو جائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس دن قریش مکہ زندہ ہوں گے اور عزت حاصل کریں گے، آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل تو ہو گئے مگر آپ ﷺ کی یہ بات میرے دل میں جم گئی اور میں نے یقین کر لیا کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا ہے ایسا ہو کر رہے گا، جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان چابی لاؤ، میں نے چابی پیش کر دی، آپ ﷺ نے وہ چابی اپنے دست مبارک میں لے کر دوبارہ مجھے عطا کرتے ہوئے فرمایا: یہ چابی لو، اب یہ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی کوئی ظالم ہی اسے تم سے چھینے گا، تم اللہ کے گھر کے امین ہو، اس کی آمدنی اچھے طریقے سے استعمال کرنا، جب میں جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ پورا ہوا یا نہیں، مجھے آپ ﷺ کی وہ بات یاد آ گئی جو آپ ﷺ نے ہجرت سے پہلے فرمائی

تھی، میں نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ﴿طبقات ابن سعد﴾

جب نماز کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان پڑھیں، اس وقت صحن کعبہ میں ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام جیسے سرداران قریش بھی موجود تھے، اذان سن کر عتاب نے کہا، خدا کا شکر ہے میرے باپ نے یہ اذان نہیں سنی ورنہ اسے بہت غم ہوتا، حارث نے کہا، اگر میں اسکو برحق سمجھتا تو ضرور اسکی اتباع کرتا، ابوسفیان نے کہا، اللہ کی قسم میں کچھ نہیں کہتا، اگر میں کہوں گا تو یہ کنکریاں بھی میری بات کو ظاہر کر دیں گی، رسول اللہ ﷺ انکے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگوں کی گفتگو مجھے معلوم ہوگئی ہے، پھر آپ ﷺ نے انکی ساری گفتگو بیان کر دی، یہ سن کر عتاب اور حارث بولے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ہماری ان باتوں کا کسی کو علم نہیں تھا جو ہم کہیں کہ اس نے آپ کو بتائی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، ہم کہاں ٹھہریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارا کوئی مکان چھوڑا ہے، ﴿صحیح بخاری شریف﴾ حضرت ابو طالب کے چار بیٹوں میں سے دو یعنی عقیل اور طالب نے انکا ورثہ لیا تھا، یہ دونوں کافر تھے اور جعفر اور علی محروم رہے تھے اس لیے کہ یہ دونوں مسلمان تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کافر مومن کا اور مومن کافر کا وارث نہیں بن سکتا، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی تو ہم ان شاء اللہ خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں بنو کنانہ اور قریش نے معاہدہ کر کے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو نکال دیا تھا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۴۵﴾

اسی دن رسول اللہ ﷺ اپنی چچا زاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، غسل فرمایا اور چاشت کے وقت آٹھ رکعات نماز پڑھی، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ایک روایت میں ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو اس سے زیادہ ہلکی نماز کبھی پڑھتے نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے رکوع و سجود پورے ادا فرمائے، بعض لوگوں نے اسکو نماز ضحیٰ سمجھا ہے حالانکہ یہ نماز فتح مکہ کا شکرانہ تھی اسی لیے

امرائے اسلام جب کسی شہر کو فتح کرتے تو رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز شکر ادا کرتے ،اس موقع پر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر انکے متعلق عرض کرنے لگیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دی اسکو ہم نے پناہ دی، ﴿ایضا﴾ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا گھر میں کچھ کھانا بھی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خشک روٹی کے چند ٹکڑے ہیں، مجھے شرم دامن گیر ہوتی ہے کہ ان کو آپ کے سامنے کیسے پیش کروں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لے آؤ، پھر آپ ﷺ نے ان ٹکڑوں کو پانی میں بھگو کر نرم کیا، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ان ٹکڑوں کے سالن کے لیے نمک پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوئی سالن گھر میں نہیں ہے، انہوں نے عرض کیا، میرے گھر میں سرکہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سرکہ لے آؤ، پھر جب سرکہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسکو ان ٹکڑوں پر ڈالا اور کھا کر خدا کا شکر بجالائے، نیز فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے، جس گھر میں سرکہ ہوگا اس گھر والے محتاج نہ ہوں گے، ﴿زرقانی ۲/۳۲۶﴾

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور خطبہ:

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، لوگوں نے حرام نہیں کیا، جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں خون ریزی کرے اور اس کے درخت کاٹے، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی جنگ کو دلیل بنا کر اس میں جنگ کرنا جائز سمجھے تو اسکو کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں دی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی دن کے کچھ حصے میں اجازت دی تھی اور آج اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح کل تھی، جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دیں جو

یہاں حاضر نہیں، ﴿صحیح بخاری شریف﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا: آج مکہ مکرمہ سے ہجرت ختم ہوگئی ہے البتہ جہاد اور اسکی نیت باقی ہے، جب بھی تمہیں جہاد کے لیے آواز دی جائے تو فوراً حاضر ہو جایا کرو، اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرام کیا ہے جس دن سے زمین و آسمان پیدا کیے اور یہ قیامت تک حرام ہے، مجھ سے پہلے یہاں کسی کے لیے لڑائی حلال نہیں ہوئی اور میرے لیے بھی دن کا کچھ حصہ حلال ہوئی، اس میں کانٹے دار جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں، اس کا شکار نہ بھگایا جائے، اس میں گری ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے مگر جس نے اعلان کرنا ہو وہ اٹھا سکتا ہے، اسکی گھاس بھی نہ کاٹی جائے، اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! اذخر ﴿گھاس﴾ کاٹنے کی اجازت عطا فرمائی جائے کیونکہ یہ گھروں میں استعمال ہوتی ہے، لوہار اور سنار بھی اسکو استعمال کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذخر کی اجازت ہے، ﴿صحیح مسلم شریف﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز بنوخزاعہ نے بنولیث سے اپنے ایک مقتول کا مطالبہ کیا یعنی اپنے ایک آدمی کے بدلے انکا آدمی قتل کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں جنگ کرنے سے اصحاب فیل کو بھی روک دیا اور اپنے رسول اور اہل ایمان کو اس پر مسلط کیا ہے، خبردار! یہ شہر مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ آئندہ کسی کے لیے حلال ہوگا، مجھے بھی دن کے کچھ حصے کے لیے جنگ کی اجازت عطا کی گئی، اب اس وقت وہ پھر حرام ہے، اس کے کانٹے نہ جھاڑے جائیں، درخت نہ کاٹے جائیں، گری ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے مگر جس نے اعلان کرنا ہو، آئندہ کسی کا آدمی قتل کیا جائے تو اسے اختیار ہے کہ وہ ان دو چیزوں سے جسے چاہے پسند کرے، یا تو خون بہا پسند کرلے یا مقتول کے بدلے قاتل کو قصاص کی صورت میں قتل کرادے۔

جب آپ ﷺ کا خطبہ ختم ہوا تو یمن کے ایک آدمی ابو شاہ نے کہا، یارسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجیے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ابو شاہ کو خطبہ لکھ دو۔

فضالہ بن عمیر کا قبول اسلام:

فضالہ بن عمیر بن ملوح حضور پیغمبر اسلام ﷺ کا شدید دشمن تھا، ایک بار جب آپ ﷺ طواف کعبہ میں مصروف تھے تو وہ آپ ﷺ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لیے قریب آیا، آپ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: تم فضالہ ہو، اس نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیا ارادہ کر کے آئے ہو، اس نے کہا، کچھ نہیں، میں تو دل میں اللہ کا ذکر کر رہا تھا، آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو، پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اسکے سینے پر رکھا تو اسکے دل میں اطمینان پیدا ہو گیا اور دل کی کدورت ختم ہو گئی، فضالہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے سے اٹھایا تو اس وقت آپ ﷺ مجھے ساری مخلوق سے محبوب ہو چکے تھے، میں جب گھر گیا تو ایک عورت نے مجھے اشعار کے ذریعے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی، میں نے بھی اشعار کی صورت میں اسکو جواب دیا، ﴿ترجمہ﴾ اس عورت نے کہا کہ آؤ کچھ دیر باتیں کریں، میں نے کہا، ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اسلام نے تمہارے ساتھ باتیں کرنے سے روک دیا ہے، فتح مکہ کے روز جب بت پاش پاش کیے جا رہے تھے، تم حضرت محمد ﷺ اور انکے گروہ کو دیکھ لیتی تو جان لیتی کہ اللہ کا دین غالب ہو گیا ہے اور شرک کے رخ سیاہ پر مزید اندھیرے پھیل چکے ہیں، ﴿سبل الھدیٰ﴾

صفوان بارگاہ رسالت میں:

فتح مکہ کے روز صفوان بن امیہ راہ فرار اختیار کر گیا تھا، حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے اسکے لیے امان کی درخواست کی، جسکو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرما لیا اور ان کو بطور علامت اپنا عمامہ شریف عطا فرمایا جو مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت سر انور پر باندھا ہوا تھا، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ جب اسکے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بحری جہاز پر سوار ہو کر کسی دوسرے ملک جانے کی تیاری کر رہا تھا، انہوں نے کہا، صفوان! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، خدا تعالیٰ سے ڈرو، اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، چلو میں نے رسول اللہ ﷺ سے تمہارے لیے امان حاصل کر لی ہے، یہ عمامہ شریف اسکی علامت ہے، اس

نے کہا، تم مجھ سے دور ہی رہو، میں تو تمہارے ساتھ بات بھی نہیں کرنا چاہتا، انہوں نے کہا، صفوان! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تمہارا چچازاد سب سے افضل، سب سے اعلیٰ اور سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہے، اسکی عزت تمہاری عزت، اسکی بزرگی تمہاری بزرگی اور اسکی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہے، اس نے کہا، مجھے انکی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے، انہوں نے کہا، وہ بہت زیادہ بردبار اور معزز ہیں، انکی طرف سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے، اس تسلی و تشفی پر صفوان واپس آ گیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگا، عمیر نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آپ نے مجھے امان عطا کر دی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس نے سچ کہا ہے، اس نے کہا، مجھے غور و فکر کے لیے دو مہینوں کا عرصہ چاہیے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں چار مہینوں کی مہلت عطا کی جاتی ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾ بعد ازاں صفوان بن امیہ نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا، اسکی بیوی پہلے ہی مسلمان تھی، آپ ﷺ نے دونوں کو پہلے نکاح پر قائم رہنے دیا۔

کچھ مجرموں کے قتل کا حکم:

فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے نو مجرموں کے متعلق حکم صادر کیا کہ اگر وہ کعبہ مشرفہ کے پردے میں بھی چھپ جائیں تو انہیں قتل کر دیا جائے، انکے نام یہ ہیں، عبدالعزیٰ بن خطل، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن نفیل، مقیس بن صبابہ، ہبار بن اسود، ابن خطل کی دو کنیزیں جو رسول اللہ ﷺ کے متعلق گستاخانہ گیت گایا کرتی تھیں، سارہ بنو عبدالمطلب کی ایک لونڈی جس کے پاس حضرت حاطب کا خط نکلا تھا، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سفارش کی جسے رسول اللہ ﷺ نے شرف قبول عطا فرمایا، بعد میں اسکو اسلام کی توفیق بھی نصیب ہو گئی، ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ہجرت بھی کی تھی مگر پھر مرتد ہو کر واپس آ گیا، رسول اللہ ﷺ اسکے متعلق کچھ دیر خاموش رہے کہ کوئی صحابی اٹھ کر اسے قتل کر دے، بہر حال اس بار اس نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا، عکرمہ بن ابی جہل یمن کی طرف بھاگ گیا تھا، اسکی بیوی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی تو آپ ﷺ نے عطا فرما دی، پھر وہ اس کے تعاقب میں نکلی، ایک روایت میں ہے کہ

عکرمہ کشتی میں سوار ہو کر کسی اور ملک میں جانے لگا تو سمندر میں طوفان آگیا، کشتی ڈولنے لگی تو اس نے لات وہبل کو آواز دی، مگر وہ جھوٹے خدا اسکی کس طرح مشکل آسان کر سکتے تھے، کشتی والوں نے کہا، اللہ وحدہ کو آواز دو، وہی تمہارا حقیقی مددگار ہے، اس نے کہا، اگر یہ جھوٹے خدا سمندر میں نہیں بچا سکتے تو خشکی میں بھی نہیں بچا سکتے، پھر اسنے اخلاص کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا، اے اللہ! میں تجھ سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ تو مجھے اس مشکل سے آزاد کر دے تو میں تیرے پیغمبر برحق ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت ہو جاؤں گا، مجھے یقین ہے کہ وہ میرے لیے نہایت مہربان ثابت ہوں گے، اسکے بعد اسے طوفانی لہروں سے نجات مل گئی اور وہ مسلمان ہو گیا، ﴿ابوداؤد﴾ ایک روایت میں ہے کہ اسکی بیوی نے اسے کشتی پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا، ملاح اسے توحید کا پیغام سنا رہا تھا، وہ بھی اسکے قریب پہنچ گئی اور کہا، عکرمہ! اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، میں نے تمہارے لیے رسول اللہ سے امان حاصل کر لی ہے، وہ انتہائی مہربان اور سراپا خیر ہیں یہاں تک کہ اس نے اسے قبول اسلام پر راضی کر لیا، ادھر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ عکرمہ تمہارے پاس پہنچنے والا ہے، تم اسکے سامنے اسکے باپ کو برا بھلا نہ کہنا کیونکہ مردے کی وجہ سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب عکرمہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ فرط انبساط سے کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر مبارک اس پر ڈال کر فرمایا: میں اس شخص کو خوش آمدید کہتا ہوں جو ایمان لایا اور ہجرت کر کے حاضر ہوا، پھر اس نے پوچھا، کیا آپ نے مجھے امان عطا کر دی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میں نے تمہیں امان عطا کر دی ہے، اس نے کہا، آپکی دعوت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، نماز قائم کرو اور مال کی زکوٰۃ ادا کرو، اس نے کہا، آپکی دعوت تو بہت بہترین ہے، آپ اظہار نبوت سے پہلے بھی بہت صادق اور محسن تھے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: عکرمہ! اب تم جو مانگو گے میں تمہیں عطا کروں گا، اس نے کہا، آپ میری سابقہ عداوتوں کو معاف فرما دیں، رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! عکرمہ کی سابقہ

ہر عداوت معاف فرمادے اور اس نے زبان سے جو تکلیف پہنچائی ہے، اسکو بھی معاف فرمادے، رسول اللہ ﷺ نے اسکی بیوی ام حکیم کے ساتھ اسکا نکاح برقرار رکھا اور بعد میں اس نے اشاعت اسلام کے لیے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

عبدالعزیٰ بن خطل غلاف کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، ایک صحابی نے اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسکو قتل کردو، چنانچہ انہوں نے اسے واصل جہنم کردیا، مقیس بن صبابہ کو حضرت نمیلہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، یہ وہ شخص تھا جس نے اسلام لانے کے بعد کفر وارتداد کا راستہ اپنایا تھا، حارث بن نفیل رسول اللہ ﷺ کا شدید دشمن اور گستاخ تھا، اسکو حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، ہبار بن اسود نے رسول اللہ ﷺ کی شہزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو زخمی کیا تھا، یہ آدمی فتح مکہ کے موقع پر نکل گیا تھا، بعد میں صدق دل سے مسلمان ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے اسکی خطا معاف کردی، ابن خطل کی دو کنیزوں میں سے ایک کو قتل کردیا گیا جبکہ دوسری کے لیے امان حاصل کی گئی تو آپ ﷺ نے امان عطا فرمادی پھر اس نے بھی اسلام قبول کرلیا، اسطرح سارہ نے بھی اسلام قبول کرلیا، خلاصہ یہ کہ نو مجرموں میں سے چار قتل کیے گئے اور پانچ نے اسلام قبول کر کے جان کی امان پائی، امام ابن حجر نے مزید لکھا ہے کہ حارث بن طلال خزاعی کو حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، اسی فہرست میں کعب بن زہیر کا تذکرہ بھی ملتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ایک خوبصورت قصیدہ نذر کیا، آپ ﷺ نے لطف وکرم سے اسکے جرائم معاف کردیئے، اسی فہرست میں وحشی اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی شامل تھی، انہوں نے اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کی غلامی اختیار کرلی۔

دست نبوت پر بیعت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب، دانائے غیوب ﷺ کو مکہ مکرمہ کی عالیشان فتح عطا فرمائی تو قریش مکہ نے آپ ﷺ کی اتباع میں داخل ہونے کے لیے دست نبوت پر بیعت کرلی، آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے بیعت لینے لگے، حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے نچلی جانب بیٹھ کر لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے، لوگوں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس بات پر عہد دیا کہ ہر ممکن حد تک وہ آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور اسکو تسلیم کریں گے، مردوں کے بعد آپ ﷺ نے عورتوں سے بھی بیعت لی، اسی دوران ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی بھیس بدل کر آ گئی، وہ اپنے کردار کی وجہ سے انتہائی شرمندہ اور خوفزدہ تھی، آپ ﷺ نے بیعت کے الفاظ اس طرح ادا کیے کہ تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ گی اور چوری نہ کرو گی، اس پر ہندہ بنت عتبہ نے کہا، ابوسفیان بخیل آدمی ہے اگر میں اسکا کچھ مال حاصل کرلوں، ابوسفیان بھی وہیں موجود تھے، کہا تم جو کچھ بھی لو گی تمہارے لیے حلال ہوگا، رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور ہندہ کو پہچان کر فرمایا: اچھا تو تم ہندہ ہو، وہ بولی، ہاں، یارسول اللہ! جو کچھ بھی ہو چکا ہے آپ اسے معاف فرما دیں، اللہ آپ کو معاف فرمائے، اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: تم زنا نہ کرو گی، اس نے کہا، کیا کوئی شریف عورت ایسا کرسکتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی، اس نے کہا، ہم نے تو اپنی اولاد کو پروان چڑھایا لیکن جب وہ جوان ہوئی تو آپ لوگوں نے اسے قتل کر دیا، اس لیے آپ اور وہ ہی بہتر جان سکتے ہیں، اسکا یہ اشارہ اپنے بیٹے حنظلہ بن ابی سفیان کی طرف تھا جو جنگ بدر میں اہل اسلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اسکی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے بھی تبسم فرمایا، اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: کسی پر بہتان نہ لگاؤ گی، اس نے کہا، اللہ کی قسم یہ تو واقعی بہت بڑا گناہ ہے، آپ ہمیں مکارم اخلاق کا حکم دے رہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم کسی معروف میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کرو گی، اس نے کہا، ہم اس مجلس بیعت میں یہی جذبہ لے کر آئی ہیں کہ آپکی نافرمانی نہیں کریں گی، اسکے بعد ہندہ نے یہ کہہ کر اپنا بت پاش پاش کر دیا کہ اے جھوٹے خدا! ہم تیرے متعلق دھوکے میں رہے، ﴿تفسیر مدارک﴾ بعد ازاں اس نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ان الفاظ میں خراج محبت پیش کیا کہ یارسول اللہ! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا ذلیل ہونا مجھے محبوب نہ تھا مگر اب میرا یہ حال ہے کہ آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا عزت دار ہونا مجھے پسند نہیں، ﴿صحیح بخاری: ۵۳۹/۱﴾ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان

مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور اکرم ﷺ سامنے سے نکلے تو انہوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ انکے پاس کونسی ایسی طاقت ہے جسکی وجہ سے یہ ہم پر غالب رہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے انکے اس پوشیدہ خیال کو جان لیا اور قریب آ کر انکے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ہم خدا تعالیٰ کی طاقت سے غالب رہتے ہیں، یہ سن کر انہوں نے بلند آواز سے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، محدث حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ کاش! میں ایک فوج جمع کر کے دوبارہ ان سے جنگ کرتا، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر انکے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل وخوار کرے گا، یہ سن کر انہوں نے استغفار کیا اور کہا کہ مجھے آپکی نبوت کا یقین حاصل ہو گیا ہے کیونکہ آپ نے میرے دل کے پوشیدہ خیال کو بھی جان لیا ہے، ﴿زرقانی: ۳۴۶/۲﴾ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اپنے معبود عزیٰ کا کیا کروں گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے برجستہ جواب دیا کہ تم عزیٰ پر پاخانہ کر دینا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب عزیٰ کا بت خانہ توڑنے کے لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو ساتھ ابوسفیان کو بھی بھیجا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے معبود عزیٰ کو توڑ ڈالا، یہ ابن اسحاق کی روایت ہے اور ابن ہشام کی روایت یہ ہے کہ عزیٰ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توڑا تھا، ﴿زرقانی: ۳۴۹/۲﴾

وحشی بن حرب جنگ احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو انتہائی بے دردی سے شہید کر چکا تھا، وہ بھی فتح مکہ کے روز طائف کی طرف بھاگ گیا، جب اہل اسلام نے طائف کا محاصرہ کیا تو اس نے شام یا یمن کی طرف جانے کی سوچ لی پھر کسی نے کہا، کہاں تک بھاگتے رہو گے، جو شخص بھی اسلام قبول کر لیتا ہے رسول اللہ ﷺ اسے معاف کر دیتے ہیں، اس نے ہمت کر کے بارگاہ رسالت میں حاضری دی اور اونچی آواز سے توحید ورسالت کی گواہی دی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم وحشی ہو، اس نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی داستان سناؤ، اس نے وہ غمناک داستان سنائی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو، بہر حال اس نے اسلام قبول کر لیا، ایک

روایت میں آتا ہے کہ اس نے بارگاہ رسالت میں اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا خدا تعالیٰ میرے جیسے مجرم کو بھی بخش دے گا، اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

⊙...... قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله، ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم o اے محبوب فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر حد سے زیادہ گناہ کر لیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہ بہت بڑا بخشنے والا اور بہت زیادہ مہربان ہے، ﴿سورۃ الزمر﴾

پھر اسی وحشی نے جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب جیسے دشمن ختم نبوت کو واصل جہنم کر کے سارے کفارے ادا کر دیئے، وہ کہا کرتے تھے، قتلت خیر الناس فی الجاهلیة و قتلت شر الناس فی الاسلام یعنی میں نے دور جاہلیت میں بہترین انسان ﴿امیر حمزہ رضی اللہ عنہ﴾ کو قتل کیا اور دور اسلام میں بدترین آدمی کو قتل کیا، ﴿مدارج النبوۃ: ۳۰۲/۲﴾

فتح مکہ کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کے سنگ دل چچا ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب بھی دربدر پھر رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو تلاش کرنے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر گئے اور انہیں کہیں سے ڈھونڈ کر بارگاہ رسالت میں حاضر کر دیا، آپ ﷺ نے انہیں دعوت اسلام دی، جو انہوں نے قبول کر لی، اس پر رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ خوش ہوئے اور اپنی خصوصی دعا سے سرفراز فرمایا، آپ ﷺ انہیں ملتزم کعبہ کے قریب لے گئے اور کچھ دیر تک دعا فرماتے رہے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک مسرت و انبساط سے چمک رہا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپکو ہمیشہ خوش رکھے، آج تو آپ بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میں نے اپنے ان دو چچا زاد بھائیوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے طلب کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں مجھے عنایت فرما دیئے، ابولہب کے دونوں بیٹوں نے خوب وفاداری کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ حنین اور طائف کے معرکوں میں انتہائی ثابت قدم رہے۔

فتح مکہ کے ایام میں ایک دن رسول اللہ ﷺ صحن حرم میں جلوہ افروز تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے باپ ابوقحافہ کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، رسول

اللہ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: ابوبکر! تم اس بزرگ کو اپنے گھر ہی رہنے دیتے، میں خود ان کے پاس چلا جاتا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ تو میرے باپ کا شرف تھا کہ وہ آپکی بارگاہ میں حاضر ہوتا، آپ ﷺ نے ابو قحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: تم بھی اسلام قبول کرلو چنانچہ دست رسول کی برکت سے انہوں نے فوراً توحید و رسالت کی گواہی دینا شروع کردی، باپ کے اسلام لاتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ بزرگی بھی مل گئی کہ انکی چار پشتوں نے مشرف بہ اسلام ہونے کا شرف حاصل کرلیا۔

مکۃ المکرّمہ میں قیام:

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں پندرہ روز یا بروایت دیگر انیس روز قیام فرمایا اور شعائر اسلام کی تجدید و تنفیذ فرمائی، انہی ایام میں آپ ﷺ کے حکم سے حضرت ابو اسید خزاعی رضی اللہ عنہ نے حدود حرم کے نشانات مقرر فرمائے، آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں عام فرمائی نیز اردگرد کے بتوں کو تباہ کرنے کے لیے صحابہ کرام کے سریات روانہ فرمائے، اس طرح تمام بت چکنا چور کردیئے گئے، آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ رہنے دے بلکہ اسے چکنا چور کردے، رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ رمضان ۸ ہجری کو صنم عزیٰ کے انہدام کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، یہ وادی نخلہ میں موجود تھا، قریش مکہ اور بنو کنانہ اس کی عبادت کیا کرتے تھے، بنو شیبان اس کے متولی تھے گویا یہ اہل عرب کا بڑا مرکزی صنم تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تیس شہسواروں کے ہمراہ وادی نخلہ پہنچے، عزیٰ کے متولی نے اپنی تلوار اسکی گردن میں لٹکا کر راہ فرار اختیار کی تاکہ کسی غار میں پناہ حاصل کرسکے، وہ بھاگتے ہوئے یہ اشعار پڑھتا جا رہا تھا: ﴿ترجمہ﴾ اے عزیٰ! اس تلوار سے خالد بن ولید پر زبردست وار کردے، اپنے چہرے سے پردہ اٹھادے اور اپنی آستین اوپر چڑھالے اگر تو آج خالد کو قتل نہ کرے گی تو سارا گناہ تیرے اوپر ہوگا ﴿سیرت ابن کثیر: ۵۹۷/۳﴾ اس بیوقوف کو کیا خبر تھی کہ پتھر کی یہ مورتی اللہ کی تلوار کا کس طرح مقابلہ کرسکتی ہے چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اسے مسمار کردیا، جب واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، کیا وہاں تم نے کوئی چیز مشاہدہ کی ہے، انہوں نے عرض

کیا، یا رسول اللہ! کوئی چیز مشاہدہ نہیں کی، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو گویا تم نے اسے مسمار ہی نہیں کیا، پھر جاؤ اور اسے مسمار کر دو، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پورے جاہ وجلال کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تو مشاہدہ کیا کہ اس دفعہ ان کی جانب ایک سیاہ رنگ، برہنہ تن اور پراگندہ سر عورت نکلی ہے، مجاور اسے چیخ کر پکارنے لگا، مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس عورت کے دو ٹکڑے کر دیئے، اس وقت انکی زبان پر یہ شعر تھا:

یا عزیٰ کفرانک لاسبحانک

انی رأیت اللہ قد اھانک

اے عزیٰ! میں تجھے ہرگز نہیں مانتا اور نہ تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں، میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے خوب رسوا کیا ہے، ﴿سیرت ابن کثیر ۵۹۷/۳﴾ پھر واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عورت ہی عزیٰ تھی، اب اسکی کبھی عبادت نہیں کی جائے گی، ﴿ایضاً﴾

آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اسی مہینے صنم سواع کو منہدم کرنے کے لیے روانہ فرمایا، یہ مکہ مکرمہ سے تین میل دور وادی رہاط میں بنو ہذیل کا صنم تھا، وہاں کا متولی ان سے پوچھنے لگا، تمہارا کیا ارادہ ہے، انہوں نے فرمایا، مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسکے انہدام کا حکم دیا ہے، اس نے کہا، تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے، انہوں نے فرمایا، کیوں نہیں کر سکتا، اس نے کہا، تمہیں اس کام سے روک دیا جائے گا، انہوں نے فرمایا، افسوس! تم ابھی تک باطل پرست ہو، کیا یہ صنم سنتا اور دیکھتا ہے، بعدازاں انہوں نے اسکو ملیا میٹ کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو فرمایا، اس کے خزانے والا مکان منہدم کر دیا جائے، پھر انہوں نے متولی سے پوچھا، اب تمہارا کیا خیال ہے، اس نے کہا، میں اللہ کی رضا کے لیے اسلام قبول کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اسی مہینے حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس شہسواروں کے ہمراہ صنم منات کی جانب روانہ کیا، یہ قدید کے قریب مشلل کے مقام پر بنو اوس، بنو خزرج اور بنو غسان کا صنم تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اسکے انہدام کے لیے پہنچے تو متولی نے کہا، تمہارا کیا ارادہ ہے، انہوں نے فرمایا: میں اسکو منہدم کرنا چاہتا ہوں، اس نے کہا، تم اپنا کام کرو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ صنم منات کی طرف بڑھے تو ایک سیاہ رنگ، برہنہ تن اور پراگندہ

سر عورت ظاہر ہوئی، وہ اپنے سینے پر دوہتڑ مار کر ہائے وائے کر رہی تھی، متولی نے اسے کہا، اے منات! اپنے ان نافرمانوں کو پکڑ لو، اتنے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اسکا کام تمام کر دیا، پھر آگے بڑھ کر اسکے بت کے بھی ٹکڑے اڑا دیئے، اسکے خزانے سے کوئی چیز نہ ملی، یہ ۲۴ رمضان المبارک کا واقعہ ہے، ﴿عیون الاثر ۲/۱۸۵﴾

انصار مدینہ سے اظہارِ وفا:

جب حضور پیغمبر نور ﷺ فتح مکہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو انصار مدینہ نے آپس میں کہا کہ اب آپ ﷺ نے اپنی سرزمین حاصل کر لی ہے ہو سکتا ہے آپ ﷺ یہیں قیام فرمالیں، اس وقت آپ ﷺ کوہ صفا پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے تھے، آپ ﷺ نے دعا ختم کر کے دریافت فرمایا، تم لوگوں نے یہ کیا گفتگو کی ہے، انہوں نے کہا، کچھ نہیں، مگر آپ ﷺ نے جب اصرار فرمایا تو انہوں نے اصل مدعا بیان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے انتہائی محبت اور شفقت کے ساتھ فرمایا، خدا کی پناہ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔

خالد بن ولید کی مہم:

رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عزیٰ کا صنم خانہ مسمار کر کے آگئے، آپ ﷺ نے انکو بنو جذیمہ کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا، وہ مہاجرین کرام، انصار مدینہ اور بنو سلیم کے تین سو پچاس سرفروشان اسلام لے کر روانہ ہوئے، جب ان کے پاس پہنچے تو ان سے پوچھا تم لوگ کیا ہو، انہوں نے کہا، ہم مسلمان ہیں اور بے دین ہو گئے ہیں، یعنی اپنا پرانا دین چھوڑ چکے ہیں، حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کی ہے اور اپنی آبادیوں میں مسجدیں تعمیر کر لی ہیں، ﴿طبقات ابن سعد﴾ بخاری شریف میں مرقوم ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو دعوت اسلام دی تو وہ واضح طور پر یہ نہ کہہ سکے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں بلکہ یہی کہتے رہے ہم بے دین ہو گئے ہیں، ہم بے دین ہو گئے ہیں، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انکا موقف نہ سمجھتے ہوئے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا جو بچ گئے ان کو قیدی بنا لیا اور ایک ایک قیدی ایک ایک رفیق سفر کے

حوالے کر دیا، بعد میں انہوں نے یہ بھی حکم دیا کہ ہر رفیق سفر اپنے قیدی کو قتل کر دے، روایات میں آتا ہے کہ مقتولین بنو جذیمہ کی تعداد تقریباً ایک سو تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور انکے ساتھیوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا، جب یہ لشکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا اور سارے واقعات بیان کیے تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور دو دفعہ عرض کیا، یا اللہ! میں خالد کے اس عمل سے بیزار ہوں، ایک روایت میں ہے کہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو نہ مانا اور اپنے قیدی آزاد کر دیئے جبکہ بنوسلیم نے اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کے تمام مقتولین کا خون بہا ادا کرنے کے لیے بھیجا اور یہ بھی فرمایا کہ انکے جملہ نقصانات کا معاوضہ ادا کریں، اس معاملہ میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک تنازعہ بھی ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خالد! رک جاؤ، صبر سے کام لو اور میرے صحابہ کی شان وعظمت میں بے ادبی نہ کرو، اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے تو میرے کسی صحابی کے صبح یا شام کے درجے کو نہیں پہنچ سکو گے، ﴿سبل الھدیٰ﴾ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز فرمایا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے ایک نوالہ کھایا اور اسکا مزا مجھے اچھا معلوم ہوا، پھر وہ نوالہ میرے حلق میں اٹک گیا، تب علی نے اپنا ہاتھ ڈال کر اسکو میرے حلق سے نکالا، یہ خواب سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! آپ اپنے لشکروں میں سے ایک لشکر روانہ کریں گے، جسکی کچھ کارروائی سے آپ خوش ہونگے اور کچھ کارروائی سے ناراض ہونگے، یہی اس خواب کی تعبیر ہے، ﴿ابن ہشام: ۴۲۷/۲﴾ مذکورہ خواب میں اسی لشکر کی طرف اشارہ ہے، اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کچھ عرصہ تک ناراض رہے، جب بنو جذیمہ راضی ہو گئے اور انہوں نے اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفارش کی تو انہیں معاف فرمایا، مقام تعجب ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا، علما کرام فرماتے ہیں کہ یہ اجتہادی خطا کی بنا پر سرزد ہوا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ کہتا تھا کہ وہ جنگ کی غرض سے آئے تھے اور جھوٹی عذر خواہی کر رہے تھے، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے اس کے

برخلاف تھی لہذا مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی ہوتا ہے، اسی بنا پر حضور انور ﷺ نے دیت کا حکم دیا، آپ ﷺ اکثر دیت اپنے پاس سے دیا کرتے تھے، جس طرح کہ خیبر میں یہودیوں سے مخاصمت کے وقت واقع ہوا تھا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/ ۵۱۲﴾

ذوالجوشن کا احساس جہالت:

ابن سعد نے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ذوالجوشن کلابی آیا اور آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے اسلام قبول کیوں نہیں کیا، اس نے جواب دیا، اے محمد! میں نے آپکی قوم کا ردعمل دیکھا، اس نے آپکی تکذیب کی اور آپکو نکل جانے پر مجبور کیا، پھر آپکے قتل کے درپے رہی، میں نے ارادہ کیا کہ کمزور، جلاوطن اور مظلوم لوگوں کو کیونکر قابل توجہ سمجھوں، میرا یہ ارادہ موجودہ صورتحال کے تقاضا کے مطابق ہے اور میں اس پر نظر ثانی کی کوئی حاجت محسوس نہیں کرتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ذوالجوشن اگر تم زندہ رہے تو ان شاء اللہ بہت جلد حق کو باطل پر غلبہ حاصل کرتے ہوئے دیکھ لو گے، ذوالجوشن کا بیان ہے کہ میں ضربیہ کے مقام پر تھا کہ میرے سامنے مکہ مکرمہ سے آتا ہوا ایک سوار گزرا، میں نے اس سے پوچھا کہ مکہ مکرمہ کی کیا خبریں ہیں، اس نے بتایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اہل مکہ کو مغلوب کرلیا ہے، مجھے اس وقت احساس ہوا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی دعوت اسلام کو ٹھکرا کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے، ﴿خصائص کبریٰ: ۲/ ۵۲۴﴾

رسول اللہ ﷺ کا انداز انکسار:

دنیا کے بادشاہ جب کسی علاقے کو زیروزبر کرتے ہیں تو انکے فخر و تکبر میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ مفتوح قوم کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ اختیار کرتے ہیں لیکن اِدھر تو معاملہ ہی برعکس تھا، فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے انداز انکسار نے سب اپنوں اور بیگانوں کو بہت متاثر کیا، ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت رقم کی ہے کہ فتح مکہ کے روز ایک شخص حضور سرور دو عالم ﷺ سے گفتگو کے دوران ہیبت سے کانپنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو، میں تو ایک قریشی عورت کا فرزند ہوں جو قدید ﴿سکھایا ہوا گوشت﴾ کھاتی تھی، امام بیہقی کی روایت

میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، ﴿خصائص کبریٰ: ۲/۵۲۴﴾

حسان بن ثابت کے جذبات:

ایام فتح مکہ کے دوران شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کچھ ولولہ انگیز اشعار بھی کہے، جنہوں نے بارگاہ رسالت کے پروانوں کا لہو گرما دیا:

عفت ذات الأصابع فالجواء ... الی عذراء منزلها خلاء

دیار من بنی الحسحاس قفر ... تعفتها الروامس والسماء

وکانت لا یزال بها أنیس ... خلال مرو وجها نعم و شاء

فدع هذا ولکن من لطیف ... یؤرقنی اذاذهب العشاء

لشعثاء التی قد تیمته ... فلیس لقلبه منها شفاء

کان خبئة من بیت رأس ... یکون مزاجها عسل وماء

اذا ما الاشربات ذکرن یوما ... فهن لطیب الراح الفداء

فولها الملامة ان المنا ... اذاما کان مغث أولحاء

ونشربها فتترکنا ملوکا ... وأسداما ینهنها اللقاء

عدمنا خیلناان لم تروها ... تثیر النقع موعدها کداء

ینازعن الأعنة مصعدات ... علیٰ أکتافها الأسل الظماء

نساء نبی أمیة صاغرات ... عرتهن المذلة والرداء

تظل جیادنامتطمرات ... تلطمهن بالخمر النساء

فاماتعرضواعنااعتمرنا ... وکانالفتح وانکشف الغطاء

ولا فاصبرو الجلادیوم ... یعزالله فیه من یشاء

وجبریل رسول الله فینا ... وروح القدس لیس له کفاء

وقال الله قد سیرت جندا ... هم الانصار عرضتها اللقاء

لنافی کل یوم من معد ... سباء أوتتال أوهجاء

فنحکم بالقوافی من هجانا ... ونضرب حین تختلط الدماء

الا أبلغ اباسفیان عنی ... مغلغلة فقد برح الخفاء

بان سیوفنا ترکتک عبدا	وعبد الدار سادتها الاماء
هجوت محمدا جاجیبت عنه	وعند الله فی ذاک الجزاء
اتهجوه ولست له بکفء	فشرکما لخیر کما فداء
هجوت مبارکا برا حنیفا	رسول الله شمیته الوفاء
فمن یهجو رسول الله منکم	ویمدحه و ینصره سواء
فان أبی ووالدۃ وعرضی	لعرض محمد منکم وقاء
لسانی صارم لا عیب فیه	وبحری لاتکدره الدلاء

ذات الاصابع اور جواء کے مقامات عذرا تک مٹ چکے ہیں اور تمام مقامات خالی ہو چکے ہیں، یہ گھر فقر و فاقہ دور کرنے والے سخی کی اولاد سے خالی ہیں، تیز آندھیوں اور بارشوں نے ان کے نشان مٹا دیئے ہیں، کسی وقت بہت سخی لوگ یہاں قیام پذیر تھے اور اس کی چراگاہوں میں اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے، اب اس داستان کو چھوڑ و اور بتاو اس خیال کا کیا علاج ہے جو مجھے رات بھر جگا رکھتا ہے، یہ شعثا کا خیال ہے جسکی محبت نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے کہ کسی صورت شفا نہیں مل رہی، مجھے یوں لگتا ہے کہ بیت راس کی یہ عمدہ شراب ہے جس میں شہد اور پانی کی ملاوٹ ہے، جب کسی دن شرابوں کا ذکر ہو تو سب اس عمدہ شراب پر قربان ہو جائیں، اگر اسکے پینے کے بعد کوئی فساد ہو جائے تو ہم اسکی ملامت شراب پر کرتے ہیں اور اسکو پینے کے بعد کئی لوگ اپنے آپ کو بادشاہ اور شیر سمجھتے ہیں ﴿اتنے اشعار قبول اسلام سے پہلے کے ہیں پھر اسی وزن پر انہوں نے باقی اشعار اسلام لانے کے بعد کہے﴾ اگر ہمارے گھوڑوں کو مکہ مکرمہ کی کدا نامی وادی میں گرد و غبار اڑاتے نہ دیکھو تو وہ ختم ہو جائیں، وہ گھاٹی پر چڑھتے ہوئے اپنی لگامیں کھینچ رہے ہیں اور انکے کندھوں پر خون آشام نیزے ہیں، اس دن بنو امیہ کی عورتوں کو ذلت اور ہلاکت نے گھیر رکھا ہوگا، ہمارے گھوڑے شہر میں دوڑ رہے ہوں گے اور عورتیں ان کو اپنی چادروں سے پیچھے ہٹا رہی ہوں گی، اگر تم ہمارے آگے سے ہٹ گئے تو ہم عمرہ کر لیں گے اور مکہ مکرمہ

فتح ہو جائے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا اور اگر تم نے ہمارا راستہ نہ چھوڑا تو جنگ پر کمر بستہ ہو جاؤ، پھر اللہ جسکو چاہے عزت سے نوازے، اللہ کے رسول جبریل ہمارے ساتھ ہیں اور کوئی انکے برابر نہیں، اللہ نے فرمایا کہ میں نے تبلیغ حق کے لیے اپنا عبد عظیم بھیجا ہے، اس میں کوئی بات پوشیدہ نہیں اور اس نے فرمایا کہ میں نے مددگاروں کا لشکر بھیجا ہے جو جنگ کے ماہر ہیں، ہر روز ہمارے پاس قریش کی جانب سے ہجو اور جنگ کی دھمکیاں آ رہی ہیں، جو شخص ہماری ہجو کرے گا تو ہم بھی اپنے شعروں سے اسکا منہ بند کر دیں گے اور جو جنگ کرے گا تو اپنی تلواروں سے اسکے ٹکڑے اڑا دیں گے، میری طرف سے ابوسفیان کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اب پردہ کھل چکا ہے، ہماری تلواروں نے تمہیں اپنا غلام بنا لیا ہے اور لونڈیاں بنو عبد الدار کی سردار بن چکی ہیں، تم نے جو حضرت محمد مصطفے ﷺ کی ہجو کہی ہے، میں نے اسکا جواب دے دیا ہے، اسکا انعام مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا، تم اسکی ہجو کرتے ہو، حالانکہ تم اسکے برابر نہیں ،کاش تم میں سے کوئی بدتر بہتر پر نثار ہو جائے، تم نے ایک مبارک، نیک اور موحد کی ہجو کہی ہے جو اللہ کا رسول اور انسانیت کا وفادار ہے، تم ہجو کرو یا مدح، رسول اللہ ﷺ کو تمہاری ہجو کا کوئی نقصان نہیں اور مدح کا کوئی فائدہ نہیں، میرے باپ دادا اور میری عزت و آبرو حضرت محمد مصطفے ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے ڈھال ہے، میری زبان ایک شفاف اور قاطع تلوار کی طرح ہے، میرے سمندر کو لوگوں کے ڈول گدلا نہیں کر سکتے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا اشعار حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے کہے تھے جبکہ صاحب الھدیٰ نے لکھا ہے کہ عمرۃ الحدیبیہ کے موقعہ پر کہے تھے، امام مسلم نے بھی اکثر اشعار اپنی صحیح میں درج کیے ہیں، شیخ عبد اللہ بن محمد نجدی نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ اشعار فتح مکہ کے موقعہ پر کہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾

ہجرت ختم ہوگئی:

فتح مکہ کے بعد ہجرت بھی ختم ہو گئی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے

فرمایا: چچا جان! تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے، جس طرح کہ میری نبوت آخری نبوت ہے، حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز میں نے اپنے بھائی کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا اور کہا، یارسول اللہ! اس سے ہجرت پر بیعت لے لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اب مکہ مکرمہ سے ہجرت اور اسکا ثواب ختم ہو چکا ہے، میں نے عرض کی، اب آپ کس چیز پر بیعت لیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اب میں اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لیتا ہوں، ﴿صحیح بخاری شریف: ۶۳۶/۲﴾ مجاہد کا بیان ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض گزار ہوا کہ میں شام کی جانب ہجرت کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے فرمایا، ہجرت ختم ہوگئی اب تو جہاد ہے، پس جاؤ، اپنے دل میں حوصلہ دیکھوتو اسے کرلو ورنہ خاموش ہوکر بیٹھ جاؤ، ﴿ایضاً﴾ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، مکہ مکرمہ فتح ہوجانے کے بعد ﴿چونکہ دارالاسلام کی حدود وسیع ہوگئی ہیں لہذا﴾ ہجرت باقی نہیں رہی، ﴿ایضاً﴾ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے، اب ہجرت باقی نہیں رہی، قبل ازیں مسلمان اپنے دین کو بچانے کی خاطر اللہ اور رسول کی طرف بھاگتے تھے کہ کہیں انکا دین کسی آزمائش کا شکار نہ ہو جائے، آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کردیا ہے لہذا اہل ایمان جہاں چاہیں اپنے رب کی عبادت کرسکتے ہیں لیکن اب جہاد اور حسن نیت موجود ہے، ﴿ایضاً: ۶۳۷/۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر شیطان نے بہت دردناک چیخ ماری جسے سن کر اسکی کی اولاد اسکے قریب آگئی اور چیخ کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا، اب تم اس بات سے مایوس ہوجاؤ کہ آج کے بعد امت مصطفیٰ شرک کرے گی، اب تم اسکو نوحہ بازی اور شعر گوئی کی طرف راغب کرو۔

کچھ اور احکام شریعت:

فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ اہم احکام شریعت بھی نافذ فرمائے اور کچھ احکام شریعت اس عظیم الشان واقعہ سے علمائے اسلام نے اخذ فرمائے مثلاً:

- ...... کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔
- ...... دو مختلف مذہبوں کے حامل لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے۔
- ...... پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

⊙...... کسی دعویٰ میں گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے، اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ سے حلف لیا جائے گا۔

⊙...... کوئی عورت تین دن سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر نہیں کر سکتی۔

⊙...... نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نفلی نماز پڑھنا جائز نہیں۔

⊙...... عیدین کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں۔

⊙...... جب کوئی معاہد فریق امام کے حلیفوں سے جنگ شروع کرے گا تو اسکا معاہدہ ختم ہو جائے گا اور وہ حربی کہلائے گا، امام کو اسکے علاقے میں فوج کشی کرنے کا حق ہوگا اور پیشگی اطلاع کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔

⊙...... اس صورت میں براہ راست جنگ میں شریک ہونے والوں یا امداد کرنے والوں کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

⊙...... کفار کے قاصد کو قتل نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ابوسفیان کو رسول اللہ ﷺ نے قتل نہیں کیا تھا۔

⊙...... دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کی کثرت اور شان وشوکت کا اظہار مستحب ہے۔

⊙...... مکہ مکرمہ بزور تلوار فتح ہوا، جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

⊙...... فتح مکہ میں آپ ﷺ نے پہلے متعہ کی اجازت دی پھر مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے سے پہلے اس کو حرام کر دیا۔

⊙...... صحیح مسلم میں حضرت بسرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ہم نے وہاں تقریباً پندرہ دن قیام کیا، آپ ﷺ نے ہمیں متعہ کی اجازت دے دی، ایک اور روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے اسکو قیامت تک حرام کر دیا ہے لہذا جس کے پاس بھی ایسی کوئی عورت ہے وہ اسے آزاد کر دے اور جو کچھ اسکو دیا ہے، اس سے کوئی چیز واپس نہ لے، علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ متعہ خیبر کے دن حرام ہوا، پھر اجازت دی گئی پھر حرام ہوا، یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی نظریہ ہے۔

⊙...... آپ ﷺ نے شراب، خنزیر، مردار، بت وغیرہ کی قیمت اور کاہن کی وہ اجرت

جو اسے کہانت کے بدلے میں دی جائے اور مردار کی چربی جس سے مشک اور کشتیوں کو چکنایا جاتا ہے، ان سب کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے کہ ان پر چربیوں کو حرام کیا گیا تھا مگر انہوں نے ان کو فروخت کیا اور انکی قیمت کھائی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اسکی قیمت بھی حرام ہوگی۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۱۰﴾

⊙...... ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مکہ مکرمہ پر فتح عطا فرمائے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں ہی پڑھ لو، اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی نذر مانے کہ کسی مفضول مسجد میں نماز پڑھے تو فاضل مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر سے عہدہ برا ہو جائے گا، جس طرح کہ کوئی نذر مانے کہ مسجد اقصیٰ یا مسجد مدینہ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد حرام میں پڑھ لے۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۱۰﴾

⊙...... رسول اللہ ﷺ نے جتنی دیر مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا دو رکعت نماز ادا فرماتے رہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔

⊙...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بغیر احرام کے کبھی مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوئے بجز روز فتح مکہ کے، علما کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لے احرام واجب ہے یا نہیں، امام شافعی کا مشہور مذہب مطلقاً عدم وجوب ہے اور ایک قول میں مطلقاً وجوب ہے، البتہ جو شخص دوبارہ داخل ہو اسکے داخلے میں اختلاف ہے، ظاہر تر عدم وجوب ہے اور ائمہ ثلاثہ سے مشہور وجوب ہے اور ایک روایت میں ہر ایک سے دوبارہ داخل ہونے میں عدم وجوب ہے، اسی پر علما جزم کرتے ہیں جس طرح کہ مکرر حاجت مندوں کے لیے استثنا ہے، احناف ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو داخل میقات ہیں، جیسا کہ مواھب میں مذکور ہے۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۰۷﴾

رسول اللہ ﷺ کا عدل وانصاف:

ایام فتح کا واقعہ ہے کہ بنو مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود بن اسود نے چوری کا ارتکاب کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسکا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا، اسکی قوم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سفارش کروائی تو آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس شان جلال کی وجہ سے سرخ ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدوں کے متعلق مجھ سے کلام کرتے

ہو، انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! مجھ سے خطا ہوگئی، آپ میری مغفرت کی دعا کریں، آپ ﷺ نے نماز عصر کے وقت خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حمد وثنا کے بعد بیان فرمایا کہ لوگو! تم سے پہلے لوگوں کو اس لیے ہلاک کیا گیا کہ جب انکا کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو وہ اسکو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے، اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اسکا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، ﴿صحیح بخاری شریف﴾ اس کے بعد اسکی حالت اچھی ہوگئی اور شادی کر کے باعزت زندگی بسر کرنے لگی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اسکو کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ میرے سامنے بیان کرتی اور میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کر کے اسکی حاجت پوری کروادیتی، ﴿صحیح مسلم شریف﴾

وصال رسول کی طرف اشارہ:

فتح مکہ کا عظیم واقعہ رسول اللہ ﷺ کے وصال باکمال کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشورے کے دوران مجھے اصحاب بدر کے ساتھ بلاتے تھے، کسی آدمی نے کہا، یہ تو ہمارے بیٹوں کا ہم عمر ہے، آپ نے ان کو تو کبھی نہیں بلایا، انہوں نے فرمایا، یہ وہ لڑکا ہے، جس کے علم وفضل کو تم سب بخوبی جانتے ہو، پھر انہوں نے ایک دن ان سب لوگوں کو بلایا اور مجھے بھی بلایا، میرا خیال ہے کہ میرے علم وفضل کو ظاہر کرنے کے لیے بلایا تھا، انہوں نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت ''اذا جاء نصر الله و الفتح'' کیوں نازل فرمائی ہے، بعض نے کہا کہ جب ہم فتح سے ہمکنار ہوں تو ہمیں حمد وثنا بیان کرنے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض نے کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں اور بعض بالکل خاموش رہے، آخر میں انہوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ابن عباس! تمہارا کیا خیال ہے، میں نے کہا، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر دی ہے کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور مکہ فتح ہوجائے تو یہ آپ ﷺ کی وفات حسرت آیات کی نشانی ہے، اس وقت اپنے رب کی تسبیح میں مصروف ہو جائیے اور بکثرت استغفار کیجئے، یقیناً وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کرتے ہوئے فرمایا، میں بھی اس کے متعلق وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو، ﴿صحیح

بخاری شریف ﴿حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری ایام میں قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق رکوع وسجود میں اکثر یہ کلمات ادا فرماتے ''سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی ''اور بروایت مسلم ''سبحانک وبحمدک استغفرک واتــوب الیک'' میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے یہ کلمات کہنے کیوں شروع کر دیئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت میں ایک نشانی مقرر کی تھی، جب اسے دیکھوں تو یہ کلمات کہوں اور وہ نشانی یہ ہے ''اذاجاء نصر اللہ والفتح'' یعنی جب مکہ مکرمہ فتح ہو جائے تو سمجھئے کہ آپکا مقصد حیات پورا ہو گیا ہے۔ ﴿صحیح بخاری شریف﴾

فتح مکہ کے اثرات:

قبائل عرب کو مکمل یقین تھا کہ مکہ مکرمہ پر وہی طاقت مسلط ہو سکتی ہے جو راہ حق و صواب پر گامزن ہو، اصحاب فیل کی تاریخ بھی انکی نگاہوں میں تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ پر فتح و کامیابی کے پرچم لہرائے تو انہوں نے محسوس کیا کہ اگر آپ ﷺ راہ حق وصواب پر گامزن نہ ہوتے تو کبھی مکہ مکرمہ آپ ﷺ کے سامنے سرنگوں نہ ہوتا نیز معبودان باطلہ میں اگر کوئی حقیقت پوشیدہ ہوتی تو وہ ضرور آپ ﷺ کے راستے کی دیوار بنتے گویا آپ ﷺ کا عقیدہ ہی درست ہے کہ اللہ وحدہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ان معبودان باطلہ کو اس خدائے ذوالجلال کا شریک ٹھہرانا کسی صورت بھی مناسب نہیں، ان تصورات نے ان کے دل و دماغ کی دنیا زیروزبر کر دی اور وہ فوج درفوج اور قافلہ درقافلہ دامن اسلام میں داخل ہو گئے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ''ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا'' اور لوگوں کو تم دیکھو کہ وہ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، ﴿سورۃ النصر﴾ اس فیصلہ کن غزوے نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان پر پڑا ہوا آخری پردہ بھی ہٹا دیا جو قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا، اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے سیاسی، معاشی اور مذہبی افق پر مسلمانوں کی عظمت وحشمت کا سورج چمکنے لگا لہذا اب قبائل عرب کے لیے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ وفود کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور آپکی دعوت کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے تقریباً اکیس سال کی طویل

جدوجہد کے دوران جتنی کامیابیاں حاصل کیں ان میں فتح مکہ اہم ترین کامیابی تھی کیونکہ اس کے ذریعے قریش مکہ کی ترک وتاز ختم ہوگئی اور جزیرۃ العرب میں بت پرستی کا صدیوں پرانا نظام نیست ونابود ہوگیا، فتح مکہ میں حضور پیغمبر اسلام ﷺ کے عفوودرگزر کی عظیم مثالیں کچھ اس انداز سے واضح ہوئیں کہ آپ ﷺ تمام فاتحین عالم کی صفوں میں شان امتیاز کے ساتھ دکھائی دینے لگے، چشم فلک نے دارا وسکندر کے معرکے بھی دیکھے تھے، مصروعرب کی جنگوں کا بھی مشاہدہ کیا تھا، ہر طرف فاتحین کی تلواروں سے مفتوحہ قوموں کا خون ٹپکتا ہوا نظر آرہا تھا، یہ حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند ہمتی تھی کہ راستے میں کانٹے بچھانے والوں، کنوئیں کھودنے والوں، معاشرتی بائیکاٹ کرنے والوں، پتھر مارنے والوں اور کافیہ حیات تنگ کرنے والوں کو ایک ہی نگاہ کرم سے ساحل عافیت پر پہنچا دیا، آپ ﷺ کے یہ تاریخی کلمات آپ ﷺ کی امن پسندی کی کتنی روشن دلیل ہیں:

آج کا دن رحمت کا دن ہے، آج کے دن اللہ ذوالجلال کعبہ کی عظمت کو ظاہر فرمائے گا، آج کے دن کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا، آج کے دن اللہ ذوالجلال قریش کو عزت کا تاج عطا فرمائے گا، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۳۵/۵﴾

اپنے جانی دشمنوں کے لیے اتنے پاکیزہ جذبات اور مبارک احساسات کا اظہار کرنا صرف پیغمبر اسلام ﷺ کے خلق عظیم کا ہی طرۂ امتیاز ہے، وہ وقت کیسا عظیم وقت تھا جب ضرار بن خطاب فہری نے بارگاہ رسالت ﷺ میں ایک عورت کے ذریعے ایک شاندار قصیدہ پیش کیا کہ اے پیغمبر ہدایت! اس وقت قریش آپکے دامن کرم میں پناہ لینے کے لیے فریاد کررہے ہیں اور فریادرسی کا وقت گزر چکا ہے، زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی ہے اور رب السمٰوات نے بھی ان سے دشمنی کا اعلان کردیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی جملہ فریادوں کو پذیرائی عطا فرمائی اور انکے قلبی خدشوں کو اپنے حسن سلوک سے کافور کردیا

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

غزوہ حنین

سال ہشتم کے واقعات میں غزوہ حنین کا واقعہ بھی بہت مشہور ہے، حنین ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے ﴿دو﴾ تین رات کی مسافت پر واقع ہے اور طائف کے قریب ہے، اس غزوہ کو غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں، اس غزوہ کا سبب کچھ اسطرح ہے کہ جب حضور سید دو عالم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا اور وہاں قواعد و قوانین نافذ کرنے سے فارغ ہوئے تو دو قبیلوں کے سوا تمام قبائل عرب آپ ﷺ کے زمرۂ اطاعت میں داخل ہو گئے، ان دو منحرف قبیلوں میں ایک بنو ہوازن اور دوسرا بنو ثقیف تھا، یہ دونوں قبیلے انتہائی زیادہ ہٹ دھرم اور انسان دشمن تھے، بغض و حسد اور عداوت و شقاوت نے انکی عادتوں کو مسخ کر رکھا تھا، بنو ہوازن کا سردار مالک بن عوف نضری اور بنو ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد یالیل یا بروایت دیگر قارب بن اسود تھا، ان دونوں سرداروں نے مل کر کہا کہ حضرت محمد مصطفے ﷺ اہل مکہ پر غالب آگئے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ جنگ و حرب کے ماہر نہیں تھے، اگر وہ ہمارے ساتھ جنگ آزما ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ معرکہ آرائی کس کا نام ہے، اب ممکن ہے کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں اس سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دینا چاہیے، یہ گفتگو تو انہوں نے سرکشی اور بے راہ روی کی وجہ سے کی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس گفتگو نے مسلمانوں کے لیے بھلائی اور خیر خواہی کے راستے کھول دیئے کیونکہ مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی تھی کہ ان کو اتنا وافر ساز و سامان ملے گا کہ کسی اور جگہ سے اتنا نہ ملا ہوگا، بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے تمام افراد اس مہم میں شریک ہوئے، ان کے علاوہ بنو نصر، بنو جشم، بنو ہلال اور بنو سعد بن بکر نے بھی انکے پرچم تلے جمع ہونے کا فیصلہ کیا، بنو ہوازن کے دو خاندان بنو کعب اور بنو کلاب شریک جنگ نہ ہوئے کیونکہ ان کے سردار ابن ابی براء نے کہا کہ اللہ کی قسم تم جتنے بھی دور چلے جاؤ حضرت محمد مصطفے ﷺ تم پر ضرور غالب آئیں گے، ﴿سبل الھدیٰ: ۴۵۹/۵﴾ اس لشکر اشرار کی تعداد میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، ایک روایت کے مطابق انکی تعداد چار ہزار اور ایک کے مطابق تیس ہزار تھی، ﴿سیرت دحلان: ۳۶۰/۲﴾ حدیث پاک میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ بنو ہوازن اپنے اہل و عیال اور تمام مواشی و اموال لے کر نکلے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ

انکا تمام ساز وسامان مسلمانوں کا مال غنیمت بنے گا، رسول اللہ ﷺ نے ٦ شوال المکرم ٨ ہجری بروز ہفتہ مکہ مکرمہ سے سفر اختیار فرمایا، آپ ﷺ کے ہمراہ بارہ ہزار اہل اسلام تھے، ان میں دو ہزار مکہ مکرمہ کے نومسلم تھے اور اسّی مشرک افراد بھی شامل تھے۔

مکہ کا حاکم اور مبلغ:

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا، اس وقت انکی عمر اکیس سال تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عتاب! کیا تمہیں خبر ہے کہ میں نے تمہیں مکہ مکرمہ کا حاکم کیوں مقرر کیا ہے، سنو! میں نے تمہیں اس لیے مقرر کیا ہے کہ میری نظر میں تم سے زیادہ کوئی آدمی اس منصب کے لائق نہیں، جاؤ اور اپنے فرائض سرانجام دو، میں تمہیں اللہ کے بندوں کے بارے میں خیر خواہی کی نصیحت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے انکا ایک درہم روزینہ مقرر فرمایا، چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے، جس شخص کا ایک درہم سے بھی پیٹ نہیں بھرتا اللہ تعالیٰ اسکا پیٹ کبھی نہ بھرے، وہ اس منصب عظیم پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اختتام خلافت تک فائز رہے بلکہ ان دونوں کا ایک ہی دن وصال ہوا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مبلغ اسلام مقرر فرمایا، ان دونوں صحابہ کی کاوشوں سے مکہ مکرمہ کا نظام بالکل درست ہو گیا، روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ اسید حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد مکہ مکرمہ کا گورنر بن گیا ہے مگر اسکا بحالت کفر انتقال ہوا تو اس خواب کی تعبیر اس کے لڑکے عتاب رضی اللہ عنہ کے حق میں ظاہر ہوئی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ٥٦١﴾

ایک پیر فرتوت کا مشورہ:

کافروں کے سردار اس جنگ میں اپنے اہل وعیال اور مواشی واموال اس لیے اپنے ساتھ لائے تھے کہ مردانگی اور بلند ہمتی سے جنگ کریں اور راہ فرار اختیار نہ کریں، ان میں بنو جشم کا سردار درید بن صمہ بھی تھا، اسکی عمر ایک سو پچاس سال تھی، کبرسنی کی وجہ سے نابینا ہو چکا تھا مگر بہت سمجھدار اور فنون حرب کا ماہر تصور کیا جاتا تھا، جب لشکر کفار چلتے چلتے وادی اوطاس میں اترا تو درید بن صمہ نے پوچھا، تم لوگ کس وادی میں اترے ہو، انہوں نے جواب دیا،

اوطاس میں، وہ کہنے لگا، یہ میدان گھوڑوں کے لیے بہت اچھا ہے، نہ اتنا سخت ہے کہ گھوڑوں کے پاؤں زخمی ہوں اور نہ اتنا نرم ہے کہ زمین میں دھنس جائیں، پھر اس نے پوچھا، یہ اونٹوں، گدھوں، بکریوں اور بچوں کی آوازیں کیوں آ رہی ہیں، کسی نے کہا کہ مالک بن عوف اپنے مالوں، عورتوں اور بچوں سمیت یہاں آیا ہے، اس نے کہا، مالک بن عوف کو بلاؤ، جب وہ آیا تو اس نے کہا، تم اپنی قوم کے سردار تو بن گئے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس جنگ کا اثر بعد کی جنگوں پر بھی پڑے گا، یہ اونٹوں، گدھوں، بکریوں اور بچوں کی آوازیں کیوں آ رہی ہیں، اس نے کہا، میں لوگوں کو سب اہل و عیال سمیت یہاں لایا ہوں تا کہ وہ بہادری سے جنگ کریں، اس نے کہا، مالک! اللہ کی قسم مجھے تو تم بھیڑ بکریاں چرانے والے چرواہے ہی لگتے ہو، یہ بتاؤ کہ شکست کھا کر بھاگنے والے کو بھلا کونسی چیز روک سکتی ہے، اگر فتح ہوئی تو تلوار اور نیزے کا حامل ایک ایک آدمی ہی کافی ہے اور شکست ہوئی تو اہل و عیال کی ذلت و رسوائی بھی ہوگی، پھر اس نے پوچھا، کیا کعب وکلاب کے قبیلے بھی تمہارے ہمراہ ہیں، لوگوں نے کہا نہیں، اس نے کہا، پھر تم خوش بختی سے محروم ہو، اگر کسی بلندی کی امید ہوتی تو وہ غائب نہ ہوتے، کاش! تم بھی وہی کام کرتے جو کعب وکلاب کے قبیلوں نے کیا ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ اور کونسے قبیلے ہیں، انہوں نے جواب دیا، عمرو بن عامر اور عوف بن عامر بھی ہمارے ساتھ ہیں، اس نے کہا، ان دو مینڈھوں کی شرکت اور عدم شرکت کوئی معنی نہیں رکھتی، پھر اس نے کہا، اے مالک بن عوف! تم نے بنو ہوازن کے اہل و عیال اور مواشی و اموال کو دشمن کے سامنے لا کر کسی اچھی تدبیر سازی کا مظاہرہ نہیں کیا، میرا مشورہ ہے کہ تم ان کو کسی محفوظ جگہ بھیج دو اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن کا مقابلہ کرو، اگر تمہیں کامیابی ہوئی تو وہ تمہارے ساتھ آ ملیں گے اور اگر تمہیں ناکامی ہوئی تو کم از کم وہ تو دشمن کے حملے سے محفوظ رہیں گے، مالک بن عوف نے اسکے مشورے کو ٹھکرا دیا اور کہا، تم تو بوڑھے ہو چکے ہو، تمہارے مشورے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، پھر اس نے بنو ہوازن سے خطاب کیا کہ اے گروہ ہوازن! خدا کی قسم اگر تم نے میری پیروی نہ کی تو میں اپنی تلوار سے خودکشی کر لوں گا، دراصل وہ اس جنگ میں درید بن صمہ کا عمل دخل پسند نہیں کرتا تھا، بنو ہوازن نے اپنے سردار کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کہا، ہم تمہاری پیروی کرتے ہیں، اس پر درید نے

مایوس ہو کر کہا، میں جنگ میں نہ حاضر ہوں اور نہ غیر حاضر ہوں، ﴿ملخصاً سیرت ابن ہشام﴾ پھر اس نے یہ شعر پڑھے

یا لیتنی فیھا جذع	أخب فیھا واضع
اقود وطفاء الدمع	کأنھاشاۃ صدع

کاش ! میں اس جنگ میں جوان ہوتا اور خوب تگ و تاز کرتا، ٹانگ کے لمبے بالوں والے اور میانہ قد بکری جیسے گھوڑے کی سواری کرتا، ﴿الرحیق المختوم:۵۶۲﴾

مخبروں کی سرگرمیاں:

لشکر کفار کے سربراہ مالک بن عوف نے مسلمانوں کا حال دریافت کرنے کے لیے چند مخبر روانہ کیے، جب وہ واپس آئے تو نہایت پریشان اور حواس باختہ تھے، ایک روایت کے مطابق انکے جسم زخمی اور بعض اعضا کٹے ہوئے تھے، اس نے پوچھا، تمہاری خرابی، یہ تم ایسے حواس باختہ کیوں ہو، انہوں نے کہا، ہم نے کچھ سفید فام لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھے ہیں، پس ان کو دیکھ کر ہمارے ہوش و حواس گم ہو گئے، یہ منظر دیکھ کر بھی مالک بن عوف متاثر نہ ہوا اور اس نے لشکر کفار کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ﴿سیرت ابن ہشام:۴۳۱/۲﴾

جب حضور پیغمبر نور ﷺ کو بنو ہوازن کے آنے کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو انکی مخبری اور جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا، وہ لشکر کفار میں گئے اور انکے حالات معلوم کر کے ساری خبر بیان کی کہ وہ ہر صورت میں آپ ﷺ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں جھٹلایا تو انہوں نے کہا، اے عمر! اگر تم نے مجھ کو جھٹلایا تو حق بات کو جھٹلایا اور ان کو جھٹلایا جو مجھ سے بہتر ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ سن رہے ہیں کہ عبداللہ کیا کہتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم پہلے گمراہ تھے، خدا تعالیٰ نے تم کو ہدایت دی ہے تو اب ایسی بدگمانی نہ کیا کرو، ﴿ایضاً﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ لشکر کفار کے سربراہ مالک بن عوف کے خیمے تک چلے گئے، انہوں نے دیکھا کہ بنو ہوازن کے سرکردہ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ان کو خطاب کر رہا تھا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے آج تک کسی جنگجو قوم سے لڑائی نہیں کی، وہ ہمیشہ غیر معروف قبیلوں سے لڑتے رہے اور کامیابی حاصل کرتے رہے، اے

میری قوم! صبح کے وقت اپنی صفیں باندھ لینا، پچھلی صفوں میں مویشیوں کو رکھنا، ان سے آگے، عورتوں کو، پھر ان سے آگے جوانوں کو کھڑا کرنا، اس طرح پوری تیاری سے میدان جنگ میں اترنا، اپنی تلواروں کے نیاموں کو توڑ دینا، جب تمہاری بیس ہزار تلواریں ان پر گریں گی اور تم یک جان ہو کر حملہ کرو گے تو ضرور کامیاب ہو جاؤ گے، اچھی طرح یاد رکھو، جو گروہ بھی جنگ میں پہلے حملہ کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے، ﴿سیرت دحلان: ۲/۳۱۰﴾

صفوان بن امیہ کا اسلحہ:

رسول اللہ ﷺ بنو ہوازن کے مقابلے پر جانے لگے تو آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ صفوان بن امیہ کے پاس وافر مقدار میں سامان حرب موجود ہے، وہ ابھی شرک پر ہی قائم تھا، آپ ﷺ نے اسکے پاس اپنا نمائندہ بھیجا اور سامان حرب کا مطالبہ کیا کہ اے ابو امیہ! ہمارا کل دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے اور ہمارے پاس اسلحے کی کمی ہے لہذا تم اپنا اسلحہ ہمیں دے دو، اس نے کہا، کیا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ میرا اسلحہ مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ بطور عاریت لینا چاہتے ہیں اور جنگ کے بعد واپس کر دیں گے، اس نے کہا، چلو اس میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ اس نے ایک سو زرہیں، بروایت دیگر چار سو زرہیں اور دوسرا ضروری سامان حرب لشکر اسلام کو مہیا کر دیا جو آپ ﷺ کے حکم سے اس نے محاذ جنگ پر پہنچا دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نوفل بن حارث بن عبد المطلب سے تین ہزار نیزے بھی بطور عاریت حاصل کیے اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے یہ نیزے مشرکوں کی پشتیں توڑ رہے ہیں، ﴿سبل الھدیٰ: ۵/۴۶۲﴾ بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے تین سرداروں صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم، عبد اللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبد العزیٰ سے چالیس ہزار درہم قرض بھی حاصل کیا اور نادار غازیان اسلام میں تقسیم کر دیا کہ وہ اس رقم سے سامان جنگ خریدیں اور دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہو جائیں۔

میدان حنین کی جانب:

رسول اللہ ﷺ بارہ ہزار افراد کے لشکر اسلام کے ساتھ میدان حنین کی جانب

گامزن ہوئے تو شام کے وقت ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا، میں نے بنو ہوازن کو دیکھا ہے کہ وہ سب اہل وعیال اور مواشی واموال سمیت میدان میں جمع ہیں، آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: کل یہ سب کچھ مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات کونسا آدمی ہمارا پہرا دے گا، حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آج رات میں پہرا دوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے چلو اس گھاٹی کی طرف جاؤ اور اس پر چڑھ کر چاروں اطراف سے دشمن کا خیال رکھو، انہوں نے حکم رسالت کی فوراً تعمیل کی، صبح کے وقت انہوں نے بتایا، میں نے دونوں چوٹیوں پر چڑھ کر دیکھا، مگر کوئی نظر نہیں آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا رات کو نیچے بھی اترے تھے، انہوں نے عرض کیا، قضائے حاجت اور وضو کے علاوہ نیچے نہیں اترا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کوئی اور عمل نہ بھی کرو تو یہی تمہاری نجات کے لیے کافی ہے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾

ذات انواط کا واقعہ:

حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ اور بروایت دیگر حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم بنو ہوازن کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور ابھی ہم نومسلم تھے، عرب میں ذات انواط نام کا ایک درخت تھا، قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب سال میں ایک روز اسکی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور قربانیاں پیش کیا کرتے تھے، اسکے ساتھ اپنے ہتھیار لٹکاتے، اس سفر میں ہم نے بیری کا بڑا سرسبز وشاداب درخت دیکھا تو عرض کیا، یارسول اللہ! جیسے مشرکوں کا ذات انواط ہے ہمارے واسطے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمایئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تم نے بہت ہی زیادہ سخت بات کہی ہے، ایسی ہی بات بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اے موسیٰ! جسطرح بت پرستوں کے معبود بت ہیں، آپ بھی ہمارے لیے ایسا ہی کوئی معبود مقرر کر دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، ایک روایت میں ہے کہ دوسروں کی نقالی کے یہی طریقے ہیں، تم بھی ضرور پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلنے لگو گے، ﴿جامع ترمذی: ۴۱/۲، مسند احمد: ۲۸۱/۵، سیرت ابن ہشام، سبل الھدیٰ: ۴۶۵/۵، مختصر سیرۃ الرسول: ۵۶۲﴾

لشکر اسلام کی ترتیب:

رسول اللہ ﷺ کے تیار فرمودہ لشکر میں انصار مدینہ کے چار ہزار، مہاجرین مدینہ کے ایک ہزار، بنو جہینہ کے ایک ہزار، بنو مزینہ کے ایک ہزار، بنو اسلم کے ایک ہزار، بنو غفار کے ایک ہزار، بنو اشجع کے ایک ہزار اور مکہ مکرمہ کے دو ہزار افراد شامل تھے، آپ ﷺ نے مہاجرین کرام کا ایک پرچم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرا پرچم حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اور تیسرا پرچم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، انصار میں بنو اوس کا پرچم حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور بنو خزرج کا پرچم حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، رسول اللہ ﷺ دو زرہیں پہن کر دلدل نامی سفید خچر پر جلوہ افروز ہوئے اور سر انور پر خود مبارک سجا ہوا تھا، آپ ﷺ نے لشکر اسلام کے چار حصے ترتیب دیئے، مقدمۃ الجیش جس میں بنو سلیم اور مکہ مکرمہ کے افراد شامل تھے، میمنہ اور میسرہ اور قلب لشکر میں خود رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، لشکر اسلام میں امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں، اہل مکہ اور اہل مدینہ اور دیگر بہادر قبائل کا یہ عظیم الشان لشکر عجیب منظر پیش کر رہا تھا، بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا، آج ہم یکجان ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے تو مقابلے کا لطف ہی کچھ اور ہوگا، رسول اللہ ﷺ کو انکے یہ فخریہ الفاظ ناگوار گزرے، اس کثرت وحشمت کو دیکھ کر ایک شخص نے کہا، آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے، اسکی یہ متکبرانہ بات بھی رسول اللہ ﷺ کو بہت ناپسند ہوئی، کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ کثرت تعداد پر نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی امداد پر بھروسا کیا تھا۔

معرکۂ حق وباطل کا آغاز:

رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کو لے کر ۱۰ شوال ۸ ہجری بمطابق ۳۱ جنوری ۶۳۰ عیسوی اور ایک روایت کے مطابق ۱۱ شوال کی شام کے وقت وادی حنین میں داخل ہوئے مالک بن عوف اپنے لشکر کفار کے ساتھ پہلے ہی اسکی تنگ وادیوں اور کمین گاہوں میں چھپا ہوا تھا اور درید بن صمہ کے مشورے کے مطابق اچانک تیروں کی بارش برسانے کے لیے

بیقرار تھا، ابن اسحاق کی روایت میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم صبح کے اندھیرے میں میدان جنگ میں اترے تو ابھی ہم گھاٹی سے اتر ہی رہے تھے کہ چاروں طرف سے کمین گاہوں میں چھپے ہوئے آدمیوں نے شخص واحد کی طرح ہم پر حملہ کر دیا، ہمیں سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ ملا، ہر طرف افراتفری کا منظر نظر آ رہا تھا، کوئی کسی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتا تھا، رسول اللہ ﷺ میدان جنگ کی دائیں طرف جلوہ افروز تھے اور اہل اسلام کو آوازیں دے رہے تھے، لوگو! ادھر آؤ، میں یہاں ہوں، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں، جنگ کا عجیب منظر تھا، تیروں کی بارش ہو رہی تھی، رسول اللہ ﷺ عزم و استقامت کا مینار نور بن کر مقابلہ کر رہے تھے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ابو سفیان بن حارث، حضرت جعفر بن ابی سفیان، حضرت فضل بن عباس یا حضرت قثم بن عباس، حضرت ربیعہ بن حارث، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم جیسے جانثار موجود تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دلدل کی لگام پکڑ رکھی تھی، ایک روایت کے مطابق دائیں رکاب پکڑ رکھی تھی جبکہ دوسری رکاب حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے پکڑ رکھی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بھی ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ شامل تھا اور انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر اللہ نے اپنی سکینت نازل فرمائی اپنے رسول پر اور مومنوں پر، ﴿سورۃ التوبہ:۲۶﴾ ابن اسحاق کے بقول ثابت قدم افراد کی تعداد نو یا دس تھی، امام نووی کے بقول بارہ آدمی ثابت قدم رہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ میں نے اپنے لوگوں کو حنین کے روز دیکھا کہ انہوں نے پشت پھیر لی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سو آدمی بھی نہیں ہیں ﴿فتح الباری:۸/۳۰﴾ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم میدان جنگ میں لشکر کفار کے ساتھ نبرد آزما تھے تو میں نے اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی، میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور میں رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر جان قربان کرنے کے لیے بیقرار تھا اور مصروف پیکار تھا، اس وقت رسول اللہ ﷺ میری طرف دیکھ رہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ آپ کے چچا حضرت حارث رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، اسکی یہ جرأت و مردانگی دیکھ کر آپ اس پر راضی ہو

جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسکی تمام دشمنیاں معاف کردے جو اس نے میرے ساتھ روا رکھی تھیں، پھر آپ ﷺ نے میری طرف دیکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں فرمایا: اے میرے بھائی! میں نے آگے بڑھ کر رکاب ناز میں موجود قدم انور کو چوم لیا تو آپ ﷺ نے مزید کرم فرماتے ہوئے فرمایا: ابوسفیان جنت کے جوانوں میں سے ایک جوان ہے، ﴿سیرت دحلان: ۳۱۲/۲﴾ رسول اللہ ﷺ کی سواری دشمنوں کے طوفان بلاخیز کی طرف بڑھ رہی تھی، آپ ﷺ کی زبان نبوت سے یہ جملے نکل رہے تھے:

أنا النبي لاكذب أنا ابن عبد المطلب

''میں اللہ کا نبی برحق ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں سردار عرب عبد المطلب کا لخت جگر ہوں'' ﴿ایضاً﴾

حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہ اے ابو عمارہ! کیا آپ غزوہ حنین میں پشت دکھا گئے تھے، انہوں نے جواب دیا ہرگز نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس روز نبی اکرم ﷺ نے قطعاً پشت نہیں پھیری تھی ہاں قوم کے بعض افراد نے جلد بازی سے کام لیا تو ہوازن والوں نے ان پر تیر برسانے شروع کردیئے، حضرت ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے سفید خچر کا سر تھام رکھا تھا اور آپ ﷺ یہی فرما رہے تھے، میں نبی برحق ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا فرزند ہوں، ﴿صحیح بخاری: ۶۳۸/۲﴾ پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اپنی بلند آواز کے ساتھ لوگوں کو میدان جنگ کی طرف بلائیں، چنانچہ انہوں نے یہ اعلان کیا، اے گروہ انصار! اے اہل بیعت رضوان! اے گروہ مہاجرین! اے گروہ انصار! جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پناہ دی، پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی بلند آواز سے کہا، اے گروہ انصار! انصار نے جواب میں پورے جوش و جذبہ سے عرض کیا، لبیک یارسول اللہ! آپ خوش رہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، پھر آپ ﷺ نے آواز دی، اے گروہ انصار! انصار نے پھر ہمت و بسالت سے کہا، لبیک یارسول اللہ! ہم آپ کے ساتھ ہیں، پھر کیا تھا کہ لشکر اسلام واپس آیا اور میدان جنگ میں قہر خدا بن کر دشمنان اسلام پر ٹوٹنے لگا، روایت میں آتا ہے کہ جس کے کانوں میں بھی رسول اللہ ﷺ کی آواز پڑی اس نے اپنی سواری آپ ﷺ کی طرف موڑ

دی، جسکی سواری نے ذرا دیر کی تو اس نے سواری کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی طرف دوڑ لگا دی جسطرح اونٹنی اپنے بچے کی طرف بیقرار ہو کر دوڑتی ہے، ﴿ایضاً﴾ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نہایت بلند آواز سے پکارا، درخت والو! بیعت رضوان والو! کہاں ہو، اللہ کی قسم وہ لوگ میری آواز سن کر اس طرح مڑے جس طرح گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے اور جواباً کہنے لگے، ہاں ہاں ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، ﴿صحیح مسلم ۲/۱۰۰﴾ تھوڑی دیر میں تمام لوگ آپ ﷺ کے اردگرد سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور تیروں کی بارش کا مقابلہ کرنے لگے، کچھ غازیان صف شکن نے آگے بڑھ کر لشکر کفار پر اس انداز سے حملہ کیا کہ اپنی تلواروں سے ان کو کاٹنا شروع کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: اب جنگ کا تنور گرم ہوا ہے، تھوڑی دیر کے بعد بنو ہوازن کے جیالے محمدی شیروں کے سامنے منہ پھیر کر راہ فرار اختیار کرنے لگے، مسلمان انکا تعاقب کرتے جا رہے تھے، انکو کاٹتے جا رہے تھے، انکو قیدی بنا رہے تھے اور انکے ساز و سامان پر قبضہ کر رہے تھے، ایک روایت میں آتا ہے کہ بنو ہوازن کے ایک شخص نے مسلمان ہونے کے بعد یوم حنین کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا کہ اس دن تو ہمیں ہر چٹان اور ہر درخت بھی ایک شہسوار کی طرح دکھائی دے رہا تھا، جنگ حنین کے متعلق یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل اسلام کی افراتفری دیکھ کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی:

> اے اللہ! میں تیرے وعدۂ نصرت کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ یہ تیری شان کے مطابق نہیں کہ مشرک ہم پر غلبہ حاصل کریں، تو ازلی اور ابدی ہے، تو زندہ و جاوید ہے، تجھے موت نہیں آ سکتی، آنکھیں سو جاتی ہیں، ستارے مدھم ہو جاتے ہیں لیکن تو زندہ بھی ہے اور قیوم بھی ہے، تجھے اونگھ نہیں آتی، تجھے نیند نہیں آتی، اے حی و قیوم! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت نہ ہو، اے اللہ! سب تعریف تیرے لیے ہے، میں تیری ہی بارگاہ میں اپنے غم کا شکوہ کرتا ہوں اور تجھی سے مدد مانگتا ہوں، ﴿ایضاً ۲/۳۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک ﷺ کی تائید و نصرت کے لیے پانچ ہزار فرشتگان نور کو زمین پر نازل فرمایا، جنہوں نے آپ ﷺ کے

دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے، حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی مذکورہ دعا کے بارے میں عرض کیا، یارسول اللہ! یہ وہی دعا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس روز مانگی تھی جب آل فرعون کا لشکر انکے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ معرکہ حق و باطل پوری طرح گرم تھا، رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر لشکر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا: دشمنوں کے چہرے بگڑ جائیں، انکی کوئی مدد نہیں کی جائے گی، لشکر کفار کے ہر فرد کی آنکھوں میں وہ کنکریاں پڑیں اور اسکو دیکھنے سے معذور کر دیا، ان سب کی آنکھوں میں اندھیرے ہی اندھیرے چھا گئے، آپ ﷺ نے یہ عمل غزوۂ بدر میں بھی فرمایا تھا اور اسی عمل کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے، اے محبوب! جب آپ نے کنکریاں ماریں تو وہ آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے ماری تھیں، ﴿سورۃ الانفال: ۱۷﴾ رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے سے لشکر کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے میں ہی عافیت محسوس کی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب میدان جنگ میں وقتی طور پر مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو مکہ مکرمہ کے نومسلم افراد نے مایوسی کا اظہار شروع کر دیا، مثلاً حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنو ہوازن تو اہل اسلام کو سمندر تک پہنچا دیں گے، صفوان بن امیہ نے کہا، ابو سفیان! تیرے منہ میں خاک، کلدہ بن حنبل نے کہا، آج تو انکا جادو ٹوٹ گیا ہے، صفوان نے اسکو بھی جواب دیا، خدا تیرا منہ توڑے خاموش ہو جاؤ، میں کسی بدو کی سرپرستی کی بجائے قریش کی سرپرستی میں زندگی گزارنا زیادہ پسند کرتا ہوں، ایک اور آدمی نے کہا، صفوان! تمہیں مبارک ہو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور انکے اصحاب کو شکست ہو گئی، اس نے اسے بھی ڈانٹ دیا، خدا تیرا منہ توڑے خاموش ہو جاؤ لیکن جب لشکر اسلام کو کامیابی نصیب ہوئی تو ان لوگوں کی زبانیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئیں اور دلوں میں ایمان مکمل ہو گیا۔

حضور ﷺ دلوں کی جانتے ہیں:

شیبہ بن عثمان سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو ہوازن کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو میں بھی اس میں شامل ہو گیا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو تنہا دیکھوں اور آپ ﷺ کو شہید کر کے اپنے باپ اور چچا کا انتقام لے لوں، میں نے اپنے دل میں

تہیا کرر کھا تھا کہ اگر عرب وعجم کے سب لوگ بھی آپ ﷺ کی اتباع کرلیں گے تو میں پھر بھی آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاؤں گا، غزوۂ حنین میں لوگ افراتفری کا شکار ہو گئے تو میں نے سوچا کہ اس بہترین موقع سے فائدہ اٹھایا جائے، چنانچہ میں نے اپنی تلوار بے نیام کی اور حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوا، میں نے دائیں بائیں حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہما کو دیکھا، وہ دونوں آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑ رہے تھے، چنانچہ میں نے پشت کی طرف سے ایک خطرناک وار کرنا چاہا تو اچانک آگ کے شعلے میرے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہوگئے، انکی روشنی سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر فرمایا: شیبہ! میرے قریب آ جاؤ، میں آپ ﷺ کے قریب گیا تو آپ ﷺ نے اپنا دست کرم میرے سینے پر رکھ کر دعا فرمائی، اے اللہ! اس سے شیطان کو دور کر دے، پھر جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ مجھے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل سے بھی زیادہ محبوب نظر آئے، آپ ﷺ نے حکم دیا، شیبہ! ان کافروں سے جنگ کرو، یہ حکم سن کر میں میدان جنگ میں کود پڑا اور جنگ کرنے لگا، اب میری یہی آرزو تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ پر اپنی جان بھی قربان کر دوں، جب بنو ہوازن کو شکست فاش ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ گئے تو آپ ﷺ اپنی قیام گاہ میں جلوہ افروز ہوئے، آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے تیرے متعلق بھلائی کا ارادہ فرمالیا، پھر آپ ﷺ نے میرے دل کے تمام سربستہ راز مجھ پر کھول دیئے، ﴿سیرت دحلان﴾ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے معلوم کرلیا کہ قدرت خداوندی آپ ﷺ کی مجھ سے حفاظت کر رہی ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے مجھے وہ سب باتیں بتادیں جو میں نے اپنے دل میں چھپا رکھی تھیں اور ان کا کسی کے پاس تذکرہ تک نہیں کیا تھا تو میں نے عرض کی، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلا ریب آپ اللہ کے رسول ہیں، یا رسول اللہ! میرے حق میں میرے جرموں کی بخشش کی دعا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی وجہ سے تمہارے سارے گناہ معاف فرمادیئے ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵٦۷﴾

ام سلیم کی بہادری:

غزوۂ حنین میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور انکی اہلیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بہادری کے نا قابل فراموش جوہر دکھائے، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے تن تنہا تیس کافروں کو فی النار کیا جبکہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنی چادر سے کمر کس کر اس میں خنجر لٹکا رکھا تھا، انہوں نے پوچھا، ام سلیم! یہ خنجر تم نے کیوں لٹکایا ہے، انہوں نے کہا، اگر کوئی کافر میرے قریب آیا تو اس خنجر سے اسکا کام تمام کردوں گی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی، یارسول اللہ! یہ ام سلیم کیا کہہ رہی ہے، آپ ﷺ انکا جواب سن کر مسکرا اٹھے، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! جن لوگوں نے میدان چھوڑا ہے، آپ ان لوگوں کی گردن کاٹ دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انکی یہ خطا معاف فرمادی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙...... وعذب الذین کفرو او ذالک .... واللہ غفوررحیم O

اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے، پھر اسکے بعد اللہ جسے چاہے گا توبہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، ﴿سورۃ التوبہ: ۲۶، ۲۷﴾

زبیر بن عوام کی شجاعت:

بنوہوازن کا سردار مالک بن عوف اپنے چند سواروں کے ساتھ ایک ٹیلے پر کھڑا تھا اور اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ یہیں ٹھہر جاؤ تاکہ بھاگتے ہوئے افراد تمہارے ساتھ مل جائیں، چنانچہ کچھ اور لوگ بھی آکر ان کے ساتھ مل گئے، اتنے میں ایک لشکر آتا ہوا دکھائی دیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں، انہوں نے کہا، یہ بنوسلیم کے لوگ ہیں، اس نے کہا، تم ان سے کچھ خوف نہ کرو، بنوسلیم کے لوگ سیدھے نکل گئے، پھر ایک اور لشکر آتا ہوا دکھائی دیا، اس نے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ اوس اور خزرج ہیں، اس نے کہا، ان سے بھی کچھ خوف نہ کرو، یہ لوگ بھی بنوسلیم کے پیچھے نکل گئے، پھر ایک شہسوار آتا دکھائی دیا، اس نے پوچھا یہ کون ہے، انہوں نے کہا، یہ ایک شہسوار ہے جس کے شانے پر نیزہ اور سر پر سرخ عمامہ ہے، اس نے کہا، لات کی قسم یہ زبیر بن عوام ہے، یہ ضرور

تمہارے ساتھ جنگ آزما ہوگا، تم اسکے مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ، جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس ٹیلے کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا، انہوں نے نہایت مردانگی اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور نیزے کے پے در پے واروں سے انکو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ﴿سیرت ابن ہشام﴾

فتح حنین کا نظارہ:

جب ہوازن شکست فاش سے دوچار ہوئے تو ثقیف کے قبیلے بنو مالک میں سخت خون ریزی ہوئی، ان کے جھنڈے کے نیچے انکے ستر آدمی قتل ہوئے، ان میں عثمان بن عبد اللہ بن ربیعہ بھی تھا، بنو ثقیف کا جھنڈا اسکے ہاتھ میں تھا اور احلاف کا جھنڈا قارب بن اسود کے ہاتھ میں تھا، جب شکست ہوئی تو قارب اور اسکی قوم احلاف میدان چھوڑ کر بھاگ گئی، انکے صرف دو آدمی جنگ کے کام آئے، انہوں نے شہر طائف میں پناہ لی، مالک بن عوف بھی انکے ہمراہ تھا، ان میں سے بعض نے اوطاس میں اور بعض نے نخلہ میں پڑاؤ ڈالا، حضور پیغمبر نور ﷺ کے شہسواروں نے نخلہ میں جمع ہونے والوں کا تعاقب کیا اور ثنایا میں جانے والوں کا تعاقب نہیں کیا، غزوۂ حنین میں چار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا انکے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت ایمن بن ام ایمن، حضرت یزید بن زمعہ، حضرت سراقہ بن حارث انصاری، حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہم جبکہ دوران جنگ ستر کافر واصل جہنم ہوئے، جب لشکر کفار نے راہ فرار اختیار کی تو تین سو سے زیادہ کافر مارے گئے گویا مسلمانوں نے انکا خوب قتل عام کیا اور انکے سرداروں کا غرور میدان حنین کی خاک میں ملا دیا، اس معرکے میں اہل اسلام کو بہت زیادہ مال غنیمت نصیب ہوا، جس میں چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی شامل تھی، بنو ہوازن کی عبرتناک شکست کے بعد مکہ مکرمہ کے باقیماندہ مشرک بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، قرآن پاک نے اس فتح کا دلکش نظارہ اپنے لاہوتی اور لافانی کلمات میں اس طرح ذکر کیا ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے اور وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر بھی تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پشت کے بل پھر گئے، پھر اللہ نے اپنی تسکین

اتاری اپنے پیغمبر پر اور مومنوں پر اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے، ﴿سورۃ التوبہ﴾

روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان حنین میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو انتہائی جلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پیغام پہنچاؤ کہ جیسے بھی حالات ہوں، بچوں اور عورتوں کے قتل کی ہرگز اجازت نہیں، بنو ہوازن اور بنو ثقیف سارا کچھ چھوڑ کر طائف میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور اپنی قوتوں کو یکجا کر کے اہل اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو رہے تھے، انکی تیاریاں اپنی جگہ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، قرآن پاک نے کیا خوب فرمایا ہے:

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا اور اگرچہ کافر برا مناتے رہیں، وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک برا مناتے رہیں، ﴿سورۃ التوبہ: ۳۲، ۳۳﴾

ابو عامر اشعری کا معرکہ:

وادی حنین اور طائف کے درمیان اوطاس کا میدان بہت مشہور ہے جب آپ ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو پرچم اسلام دے کر صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ میدان اوطاس کی جانب بھیجا، اوطاس حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی ہے لیکن وادی حنین سے علیحدہ ہے، حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے، وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے، ﴿فتح الباری: ۴۲/۸﴾ یہاں حنین سے بھاگے ہوئے کفار جمع ہو گئے تھے اور اہل اسلام کے لیے کسی بھی ناگہانی آفت کا سبب بن سکتے تھے، ان زخمی سانپوں کو کچلنا رسول اللہ ﷺ کی جنگی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے، جب انکے ساتھ جنگ گرم ہوئی تو ایک تیر کی وجہ سے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش کر گئے، اب پرچم اسلام حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک میں تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار پر شاندار فتح عطا فرمائی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر میدان اوطاس کی طرف بھیجا، وہاں درید بن صمہ اور اسکے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا، درید بن صمہ قتل ہو گیا اور اسکے ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے، رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھی حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تھا، انکے گھٹنے میں تیر لگا تو میں نے پوچھا، چچا! آپ کو یہ تیر کس نے مارا ہے، انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا اور کہا، اس آدمی نے مجھے تیر مارا ہے، میں اسکی طرف دوڑا تو وہ بھی مجھے دیکھ کر دوڑ پڑا، میں نے اسے آواز دی، تمہیں دوڑتے ہوئے شرم نہیں آتی، ذرا رک کر میرا مقابلہ تو کرو، وہ رک گیا اور میرے ساتھ مقابلہ کرنے لگا، میں نے ایک ہی وار سے اسکا کام تمام کر دیا، پھر واپس آ کر حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ سے کہا، چچا جان! میں نے آپکے دشمن کو مار دیا ہے، انہوں نے کہا، میرے گھٹنے سے تیر نکالو، میں نے تیر نکالا تو انکے جسم سے خون کی بجائے پانی بہنے لگا، انہوں نے کہا، بھتیجے! رسول اللہ ﷺ کو میری طرف سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ آپ ﷺ میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں، پھر انہوں نے مجھے امیر لشکر مقرر کیا اور جام شہادت نوش کر گئے، میں واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس خیمے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ ننگی چارپائی پر آرام فرما تھے، چارپائی کی رسیوں نے آپکی پشت انور اور پہلوئے اقدس پر نشان ڈال رکھے تھے، میں نے جنگ اوطاس کا واقعہ بیان کیا اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی اور ساتھ انکی آخری وصیت بھی عرض کر دی، رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور اپنے دست اقدس اٹھا کر اسطرح دعا کی: یا اللہ! اپنے بندے ابو عامر کی بخشش فرما، اس وقت آپ ﷺ نے ہاتھ اتنے بلند کیے تھے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ رہی تھی، پھر دعا کی یا اللہ! انکو قیامت کے دن اپنی بہت سی مخلوق سے بلند مرتبہ عطا فرما، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے لیے بھی دعا کیجئے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، اے اللہ! اپنے بندے عبداللہ بن قیس ﴿ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ﴾ کی بھی بخشش فرما اور اسکو قیامت کے دن مقام عزت میں داخل فرما، ﴿صحیح بخاری: ۶۲۱/۲﴾ اسکے بعد آپ ﷺ نے قیدیوں اور غنیمتوں کو جمع کرنے کا حکم دیا اور انکی نگرانی پر حضرت مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور جب تک غزوہ طائف سے فارغ نہ ہوئے اسے تقسیم نہ فرمایا، قیدیوں میں رسول

اللہ ﷺ کی رضاعی بہن شیما بنت حارث سعدیہ بھی موجود تھیں، انہوں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں اپنا تعارف کروایا تو آپ ﷺ نے انہیں ایک نشانی سے پہچان لیا اور انکی بہت زیادہ قدر و منزلت فرمائی یہاں تک کہ اپنی چادر مبارک انکے لیے بچھا دی، ایک روایت میں ہے کہ انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ان کو اختیار دیا کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہتی ہو تو شوق سے رہ سکتی ہو، ہر طرح سے تمہارا احترام و اکرام ملحوظ رہے گا اور اگر جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں مال و متاع دیتا ہوں، تم اپنی قوم میں چلی جاؤ، انہوں نے کہا، میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں، پھر انہوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو تحفے تحائف دے کر واپس بھیج دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ایک غلام اور ایک کنیز عطا فرمائی، غلام کا نام مکحول تھا، حضرت شیما رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کی باہم شادی کر دی، بعض کتابوں سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ شیما جعرانہ میں آئیں جہاں اموال کی تقسیم واقع ہوئی تھی، ان دونوں روایتوں میں جمع تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ شیما حضور انور ﷺ کے پاس وہاں آئیں ہوں گی اور رخصت کے لیے فرمایا ہوگا کہ تم اپنی قوم میں واپس جانے کے لیے جعرانہ میں ٹھہر جاؤ، میں طائف سے لوٹ کر جعرانہ آؤں گا اور وہاں تمہیں اسباب معیشت دوں گا، جب حضور اکرم ﷺ جعرانہ تشریف لائے تو شیما کو اور اسکی قوم کو بکثرت مال اور مویشی دے کر تونگر بنا دیا، اس بنا پر جس راوی نے جعرانہ میں دیکھا اس نے یہ بیان کر دیا اور جس راوی نے وہاں دیکھا وہ بیان کر دیا، ﴿مدارج النبوۃ ۲/۵۲۶﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، یہ بنو ہوازن کے قبیلے بنو سعد سے تعلق رکھتی تھیں، آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو اپنی چادر بچھا دی اور بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا، ﴿مواہب لدنیہ﴾

نو بھائیوں کا قتل:

ابن ہشام نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی جنگ اوطاس میں دس مشرک بھائیوں سے ملاقات ہوئی اور یکے بعد دیگرے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے نو بھائیوں کو قتل کر دیا، جب بھی وہ حملہ کرتے تو پہلے دعوت اسلام دے کر کہتے، اے خدا! اس

پر گواہ ہو جا اور پھر اس شخص کو قتل کر دیتے، جب دسویں بھائی کی باری آئی تو اس کو بھی دعوت اسلام دے کر کہا، اے خدا! اس پر بھی گواہ ہو جا اور پھر انہوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو اس شخص نے کہا، اے خدا! مجھ پر گواہ نہ ہونا، اس بات کو سن کر حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اپنا وار روک لیا اور وہ شخص بھاگ گیا، بعد میں اس نے اسلام بھی قبول کر لیا، جب حضور اکرم ﷺ اس شخص کو دیکھتے تو فرماتے: یہ ابو عامر کا بھگایا ہوا ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

درید بن صمہ کا قتل:

حضرت ربیعہ بن رفیع سلمی رضی اللہ عنہ نے درید بن صمہ کو ایک اونٹ پر سوار دیکھا تو اسکو پہچان کر کہا، میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں، اس نے کہا، تم کون ہو، انہوں نے کہا، میں ربیعہ سلمی ہوں اور پھر اس پر وار کیا جو خطا چلا گیا، اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا، تمہاری ماں نے تمہیں ناکارہ ہتھیار دے کر بھیجا ہے، میری تلوار لو اور اس سے میرا کام تمام کر دو لیکن جب تم اپنی ماں کے پاس پہنچو تو اسے کہنا کہ میں نے درید کو قتل کیا ہے، بخدا میں نے بہت سی جنگوں میں تمہارے قبیلے کی عورتوں کو قید و بند سے بچایا ہے، حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے اسکا کام تمام کر دیا، وہ گر پڑا تو بے پردہ ہو گیا، ننگی پیٹھ گھوڑوں پر بکثرت سواری کی وجہ سے اس کے ران اندر سے کاغذ کی طرح سفید تھے، پھر انہوں نے اپنی والدہ کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا تو اس نے کہا، ربیعہ! تم نے اچھا نہیں کیا، درید نے تمہارے تین بزرگوں کو آزاد کیا تھا، کاش! تم اپنے بزرگوں کے محسن کو قتل نہ کرتے، انہوں نے کہا، میں اللہ اور اسکے رسول کے نام پر ہر چیز قربان کر سکتا ہوں۔ (سیرت دحلان: ۳۱۶/۲)

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

حضرت ابو قتادہ کا واقعہ:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک مسلمان اور ایک مشرک برسر پیکار ہیں، دوسرا مشرک اس مسلمان کے پیچھے گھات لگائے ہوئے تھا کہ اسے شہید کر دے، میں اسکی جانب لپکا تو اس نے مجھے مارنے کے لیے

ہاتھ اٹھایا، میں نے وار کر کے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے دبوچا کہ موت کا خطرہ نظر آنے لگا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور مضمحل سا ہونے لگا تو میں نے اسے قتل کر دیا، اسکے بعد مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے اور میں بھی انکے ساتھ بھاگ رہا تھا، پھر لوگوں میں سے مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملے تو میں نے کہا، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، انہوں نے فرمایا، اللہ کا حکم ہے، پھر لوگ رسول اللہ ﷺ کی جانب لوٹے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی کافر کو قتل کرنے کا گواہ پیش کر دے تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا، میں اپنے قتل کرنے کا گواہ تلاش کرنے کے لیے کھڑا ہوا لیکن مجھے کوئی گواہ نہ ملا، اس لیے میں بیٹھ گیا، پھر میرے ذہن میں ایک بات آئی تو میں نے اپنا واقعہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کر دیا، آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے حضرات میں سے ایک شخص نے کہا کہ جس مقتول کا یہ ذکر کر رہے ہیں اسکا سامان تو میرے پاس ہے اور آپ ان کو میری جانب سے راضی کر دیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے، ہرگز نہیں حصہ تو قریش کی ایک چڑیا کو دے دیا جائے اور اللہ کے شیروں میں سے جو شیر اللہ اور اسکے رسول کے لیے لڑا ہوا سے محروم رکھا جائے، رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور میرا حصہ مجھے دلوا دیا، پھر اسے فروخت کر کے میں نے ایک باغ خریدا، پس یہ میرا سب سے پہلا مال ہے جو مجھے اسلام کے دور میں حاصل ہوا تھا، ﴿صحیح بخاری: ۶۴۱/۲﴾

ایک اور حکم شریعت:

روایت میں آتا ہے کہ اہل اسلام کو حنین اور اوطاس کے میدانوں میں بہت سی عورتیں ملیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی کو مکروہ سمجھتے تھے اس لیے کہ وہ شادی شدہ تھیں اور ان کے خاوند موجود تھے، اس کے متعلق انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: والمحصنت من النسآء الا ما ملکت ایمانکم ۝ اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں مگر جو تمہاری ملک میں آ جائیں، ﴿سورۃ النساء: ۲۴﴾ غرض یہ کہ جو جنگ میں قید ہو گئی ہیں اور تقسیم کے بعد تمہارے حصے میں آ گئی ہیں، گو ان کے کافر خاوند زندہ ہیں، وہ قید کرنے والوں کے لیے حلال ہیں، قیدی بننے سے انکا نکاح ختم ہو گیا، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾ حضور اکرم ﷺ نے اوطاس کی

لونڈیوں کے متعلق حکم جاری کیا کہ کسی حاملہ عورت سے شب باشی نہ کی جائے جبکہ اسکے ہاں بچہ پیدا نہ ہو اور غیر حاملہ سے شب باشی کے لیے ایک حیض کا انتظار کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بچے کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی، (ایضاً)

حضرت بجیر کا قصیدہ:

حضرت بجیر بن زہیر رضی اللہ عنہ نے حنین اور اوطاس کی جنگ کے دوران ایک خوبصورت قصیدہ بیان کیا، جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

فاللہ اکرمنا واظهر دیننا — واعزنا بعبادۃ الرحمن

واللہ اهلكهم و فرق جمعهم — و اذلهم بعبادۃ الشیطان

اذ قام عم نبیکم و ولیه — یدعون یا لکتیبة الایمان

این الذین هم اجابوا ربهم — یوم العریض و بیعة الرضوان

پس خدا نے ہمیں عزت دی اور ہمارے دین کو ظاہر کیا اور خدائے رحمان اپنی عبادت کے ساتھ ہم کو عزت دے اور خدا تعالیٰ نے انکو ہلاک کیا اور انکی جماعت کو پریشان کیا اور شیطان کی عبادت کرنے سے انکو ذلیل و رسوا کیا جبکہ تمہارے نبی کے چچا اور انکے والی کھڑے ہوئے اور آواز دی کہ اے ایمان کے لشکرو! کہاں جاتے ہو اور کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے یوم عریض اور یوم رضوان کو اپنے رب کے احکام قبول کیے، (سیرت ابن ہشام)

فرشتوں کا نزول اجلال:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شکست کفار سے پہلے خوب گھمسان کی لڑائی جاری تھی، میں نے آسمان سے ایک سیاہ چیز نازل ہوتی ہوئی دیکھی اور پھر ہمارے اور مشرکوں کے درمیان پھیل گئی، وہ سیاہ چیونٹیاں تھیں جو تمام جنگل میں بھر گئی تھیں، یہی وہ وقت تھا جب مسلمانوں کو فتح اور مشرکوں کو شکست ہوئی، مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے فرشتے تھے، ایک مسلمان عورت نے بھی فتح حنین کا دلکش منظر اپنے اس شعر میں محفوظ کرلیا:

قد غلبت خیل اللہ خیل اللات و خیلہ احق بالثبات

بے شک خدا تعالیٰ کا لشکر لات کے لشکر پر غالب آ گیا اور اسی کا لشکر زیادہ حق دار ہے ثابت قدم رہنے کا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/ ۴۳۴﴾

......⊙......

﴿غزوۂ طائف﴾

طائف ایک بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے دو یا تین منزل کے فاصلے پر ہے اور عرفات کے راستے سے اور وادی نعمان سے جو ایک پہاڑ کا نام ہے، ایک رات درمیان میں گزار کر وہاں جاتے ہیں، طائف میں انار و انگور اور دیگر ثمرات بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، اسی جگہ کو عجمی لوگ حجاز کہتے ہیں، وہاں کے میوے اور ہوا بہت عمدہ ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۵۲۶﴾

وادیٔ طائف کی طرف روانگی:

مالک بن عوف نضری بنوثقیف اور بنو ہوازن کے مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ حنین سے فرار ہو کر طائف چلا گیا تھا اور طائف کے قلعہ میں پناہ لے چکا تھا، ان لوگوں نے جنگ اور شکست فاش سے ایک سال پہلے ہی قلعہ طائف کو ساز و سامان سے تیار کر رکھا تھا، وہاں کا رئیس اعظم ابوسفیان کا داماد عروہ بن مسعود ثقفی تھا اور یہاں بنو ثقیف کا جو خاندان آباد تھا وہ عزت و شرافت میں قریش کا ہم پلہ شمار کیا جاتا تھا، چنانچہ وہ لوگ قلعہ طائف میں گھس کر بیٹھ گئے اور اس کے دروازوں کو بند کر دیا، جب رسول اکرم ﷺ کو کفار طائف کے ارادوں کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس قلعے کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ فرمالیا، اس روانگی کے وقت آپ ﷺ نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو عمرہ بن جمحہ کا لکڑی کا بت توڑنے کے لیے بھیجا جس کو ذوالکفین کہا جاتا تھا اور ان کو تاکید کی کہ ادھر سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کو طائف میں آملیں، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بہت جلد وہاں گئے، اسکو توڑا اور پھر آگ لگا کر سارا بت خانہ جلا دیا، اس عمل کے دوران وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

اے ذوالکفین! میں تمہارا عبادت گزار نہیں، ہماری پیدائش تمہاری پیدائش سے بہت پہلے ہوئی، میں نے تمہارے دل میں آگ بھر دی ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ۱/۵۷۰﴾

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ انکی قوم کے چار سو آدمی آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ورود طائف کے چار دن بعد آملے، یہ لوگ اپنے ساتھ قلعہ توڑنے کا ہتھیار منجنیق اور دبابہ

بھی لے آئے، تاکہ جنگ طائف میں ان سے کام لیا جاسکے، دبابہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے اندر داخل ہوکر قلعہ کی دیواریں کھودی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار سرفروشان اسلام کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ فرمایا، آپ ﷺ اس سفر کے دوران نخلہ، یمانیہ، قرن المنازل اور نحرۃ الرعا سے ہوتے ہوئے لیہ پہنچے، وہاں ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز ادا فرمائی، اسی مقام پر بنو ہذیل کے ایک آدمی کے قصاص میں بنولیث کے ایک آدمی کے قتل کا فیصلہ کیا، یہ پہلا قتل ہے جس کا اسلام میں قصاص لیا گیا تھا، آگے بڑھ کر آپ ﷺ نے مالک بن عوف کے قلعے کو مسمار کرادیا اور پھر ایک راستے پر گامزن ہوئے، آپ ﷺ نے پوچھا، اس راستے کا کیا نام ہے، بتایا گیا کہ اس کا نام الضیقہ ﴿تنگ﴾ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد اس کا نام الیسریٰ ہے، وہاں سے رخصت ہوئے تو بنوثقیف کے ایک آدمی کے باغ کے قریب ہی ایک بیری کے درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے اور اس آدمی کو پیغام بھیجا کہ وہ باغ سے نکل جائے ورنہ اس باغ کو ویران کردیا جائے گا، اس نے انکار کردیا تو آپ ﷺ نے اسکو ویران کرنے کا حکم دے دیا۔

معرکۂ طائف کا منظر:

وہاں سے روانہ ہوکر طائف پہنچے اور قلعہ کے پاس اپنا مستقر بنایا، قلعہ بند دشمنوں نے مسلمانوں پر تیر چلانا شروع کردیئے جن کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخمی ہو گئے، حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو بھی ایک تیر لگا، انکا زخم مندمل ہوگیا لیکن کافی عرصہ بعد وہ زخم دوبارہ ہرا ہوگیا اور اسی کے صدمے سے وہ خلافت صدیقی میں انتقال کر گئے، اہل طائف کے اس زوردار حملے کی وجہ سے بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا، ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا اور خوب جنگ ہوئی، تیراندازوں نے اپنے ہنر ظاہر کیے اور حضور اکرم ﷺ نے منجنیق لگا کر اہل طائف پر سنگ باری شروع کی، بعض سیرت نگاروں کے نزدیک اسلام میں سب سے پہلے منجنیق اہل طائف پر لگائی گئی تھی، ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ایک روز طائف کی ایک فصیل میں ایک سوراخ ہوگیا، چند مسلمان اس سے شہر کے اندر داخل ہوئے اور سوراخ کو بڑھانا چاہا تاکہ

باقی لشکر اسلام بھی شہر کے اندر داخل ہو جائے، اہل طائف نے ان پر لوہے کے ٹکڑے گرم کر کے پھینکنا شروع کر دیئے تب وہ لاچار ہو کر باہر نکل آئے، ﴿سیرت ابن ہشام ۴۴۰/۲﴾

عمرو بن امیہ ثقفی بہت ہشیار انسان تھا، اس نے بنو ثقیف کو مشورہ دیا کہ اگر مسلمان تمہیں قلعے سے باہر نکل کر جنگ کی دعوت دیں تو اسے کبھی قبول نہ کرنا، اسی اثنا میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انکو دعوت جنگ دی اور بار بار کہا کہ کوئی ایسا شہ زور ہے جو میرے ساتھ آ کر جنگ کرے لیکن کسی نے جواب نہ دیا، انکے ایک رئیس عبد یالیل نے کہا، تم سو بار بھی ہمیں پکارو تو ہم کھلے میدان میں جنگ نہیں کریں گے، ہم نے ساز و سامان کافی مقدار میں جمع کر لیا ہے، جب ہمارا ساز و سامان ختم ہو جائے گا تو ہم میدان میں نکل آئیں گے اور اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک ہمارا ایک آدمی بھی زندہ رہے گا، اس صورتحال کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے قلعہ کے قریب سے مستقر اٹھا لیا اور دور ہٹ کر فروکش ہوئے جہاں آج طائف کی مسجد واقع ہے، اس سفر میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرہ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما رفیق سفر تھیں، آپ ﷺ نے ان کے لیے دو الگ الگ خیمے نصب کروائے اور جب تک طائف کا محاصرہ جاری رکھا ان دونوں کے درمیان خالی جگہ میں نماز پڑھتے رہے، محاصرہ کتنی دیر جاری رہا، اس کے بارے میں متضاد روایات ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے اہل طائف کا چالیس دن محاصرہ کیا، ﴿صحیح مسلم﴾ بعض روایات میں بیس دن اور بعض میں دس دن کا ذکر بھی ملتا ہے، آپ ﷺ نے طائف پر منجنیق نصب کی اور قلعے پر پتھر پھینکے، آپ ﷺ نے جنگی حکمت عملی کے تحت بنو ثقیف کے انگور کاٹنے اور ان کو آگ لگانے کا حکم دیا جسکی وجہ سے مسلمانوں نے انکے بہت سے باغات ویران کر دیئے، اہل طائف نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور رشتے داری کا واسطہ دے کر اس کارروائی کو بند کرنے کی درخواست کی، جسے آپ ﷺ نے منظور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ اور رشتے داری کا لحاظ کرتے ہوئے اس کارروائی کو بند کرتا ہوں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۷۳﴾

کچھ غلاموں کی آزادی:

غزوۂ طائف کے دوران آپ ﷺ نے منادی کروائی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہو گا، یہ حکم سن کر دس سے زیادہ غلام موقعہ پا کر فرار

ہوئے، ان میں مشہور صحابی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، انکا اصل نام نفیع بن حارث تھا، وہ طائف کی دیوار سے پانی نکالنے والی چرخی کے ذریعے نیچے اترے تھے، چرخی کو بکرہ کہا جاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے انکی کنیت ابوبکرہ رکھ دی، جو غلام قلعہ سے اتر کر اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور انکے طعام و قیام کا انتظام کرنے کے لیے ایک ایک آدمی ایک ایک مسلمان کے سپرد کر دیا، غلاموں کی اس آزادی کا واقعہ کفار طائف پر بہت گراں گزرا تھا، چنانچہ جب اہل طائف مسلمان ہوئے تو انکی ایک جماعت نے ان غلاموں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اولیک عتقاء اللہ، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۵۷۳﴾

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿محاصرۂ طائف کے دوران﴾ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو وہاں ایک مخنث بیٹھا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے عبد اللہ بن امیہ اگر تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کل تمہیں طائف والوں پر فتح مرحمت فرما دے تو بنت غیلان کو ضرور حاصل کرنا کیونکہ وہ آتی ہے تو چار بل پڑتے ہیں اور جاتی ہے تو آٹھ، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہارے پاس گھر میں نہ آیا کرے، اس مخنث کا نام ہیت تھا، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۴۳﴾ رسول اللہ ﷺ نے کافی دن محاصرہ جاری رکھا تو قلعہ فتح نہ ہوا، آپ ﷺ نے جنگی ماہرین سے مشورہ طلب کیا تو حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! لومڑی اپنے سوراخ میں گھس گئی ہے، اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی لیکن اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو بھی اس سے کوئی اندیشہ نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا، ﴿زرقانی﴾ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا اور کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ ہم کل واپس چلے جائیں گے، لوگوں پر یہ بات گراں گزری اور کہنے لگے، کیا ہم فتح کے بغیر ہی واپس چلے جائیں گے، ہم تو کل پھر جنگ کریں گے، پس انہوں نے جنگ کی اور بہت سے افراد زخمی ہو گئے، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ ہم کل واپس چلے جائیں گے، اب یہ بات لوگوں کو بہت بھلی معلوم ہوئی، نبی کریم ﷺ مسکرانے لگے، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۴۲﴾

عینیہ بن حصن کے مذاکرات:

غزوۂ طائف میں عینیہ بن حصن رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے اہل طائف کے ساتھ مذاکرات کی اجازت دی جائے، شاید انکو ہدایت نصیب ہو جائے، آپ ﷺ نے اسکو مذاکرات کی اجازت دے دی، وہ انکے پاس جا کر کہنے لگا کہ تم محاذ جنگ پر ڈٹے رہو، اگر تم نے شکست تسلیم کر لی تو غلاموں کی طرح ذلیل وخوار ہو جاؤ گے، وہ تمہارے باغات کاٹ رہے ہیں تو اس میں فکر کی کوئی بات نہیں وہ دوبارہ اگائے جا سکتے ہیں، یہ "مذاکرات" کرنے کے بعد جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم نے انکے ساتھ کیا گفتگو کی ہے، اس نے کہا، میں نے انہیں کہا ہے کہ اسلام قبول کر لو، پھر انہیں جہنم کی آگ سے ڈرایا اور جنت کا راستہ دکھایا، حضور نبی غیب دان ﷺ نے فرمایا: عینیہ! تم جھوٹ بول رہے ہو، تم نے تو انکے ساتھ اس طرح کی گفتگو کی ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کی ساری گفتگو دہرادی تو اس نے حیرت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا، یارسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا، میں اپنی اس گفتگو پر اللہ سے توبہ کرتا ہوں اور آپکی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (سیرت ابن کثیر ۶۵۹/۳)

حضرت علی کا اعزاز:

طائف کے محاصرہ کے دوران حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ گردونواح میں پھیل جائیں، انہوں نے قرب وجوار کے دشمنوں سے جنگ وقتال کیا اور ہوازن وثقیف کے بتوں کو توڑ دیا اور مشرکوں کے آثار و دیار کو برباد کر دیا، پھر بارگاہ رسالت میں لوٹ آئے، جب حضور اکرم ﷺ کی چشم مبارک حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے روئے منور پر پڑی تو تکبیر بلند کی اور خلوت میں خفیہ طور پر بہت سی باتیں ہدایت فرمائیں، جب اس خلوت کا دورانیہ طویل ہو گیا تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ حضور اپنے چچا زاد کے ساتھ اتنی طویل باتیں فرما رہے ہیں جو دوسروں سے نہیں فرماتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ان کے ساتھ راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ انکے ساتھ راز کی باتیں کرتا ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے تو

ان سے راز کی باتیں کرتا ہوں، ﴿مدارج النبوۃ:۲/ ۵۲۹﴾

غزوۂ طائف سے واپسی:

روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ طائف کے دوران ایک خواب دیکھا کہ مکھن یا دودھ کا بھرا ہوا پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے مگر اس سے پہلے کہ آپ ﷺ اس سے کچھ کھائیں ایک مرغ نے چونچ مار کر اسکو گرا دیا، آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اسکا تذکرہ کیا جو خواب کی تعبیر بیان کرنے میں بہت مشہور تھے، انہوں نے کہا، یارسول اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ طائف کو فتح نہیں کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے محاصرہ اٹھایا اور جعرانہ کی طرف گامزن ہو گئے جو طائف کی نسبت مکہ مکرمہ کے زیادہ نزدیک ہے، واپسی کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا اس طرح ذکر کریں 'لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ' اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اپنے عبد خاص کی امداد فرمائی اور دشمن کے گروہوں کو اکیلے شکست دی اور فرمایا: یہ بھی کہو، ہم واپس جا رہے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں، گویا رسول اللہ ﷺ نے اہل اسلام کو عقیدہ عطا فرمایا کہ سامان حرب اور اسباب جنگ کی تیاریوں کے باوجود فقط اللہ رب العزت کی امداد پر مکمل اعتماد اور حقیقی توکل رکھنا چاہیے کیونکہ انسان اور اسکے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، وہی خالق اور مدبر ہے اور وہی اپنی کسی مخلوق کے ہاتھوں جو چاہتا ہے سرانجام دیتا ہے، ہر چیز میں اسکی قدرت جاری و ساری ہے، اگر وہ چاہے تو بغیر لڑائی اور بغیر کسی جنگی کارروائی کے کافروں کو ہلاک کر سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

⊙...... ولو یشاء اللہ لانتصر منھم ولکن لیبلوا بعضکم ببعض والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم ○ اور اگر اللہ چاہتا تو آپ ہی ان سے بدلہ لے لیتا مگر اس لیے کہ تم میں سے ایک کو دوسرے سے جانچا اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہ فرمائے گا، ﴿سورہ محمد ۴﴾

جب رسول اللہ ﷺ محاصرہ اٹھا رہے تھے تو لوگوں نے کہا کہ آپ بنوثقیف کے لیے ہلاکت کی دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، یا اللہ! بنوثقیف کو ہدایت عطا فرما اور انکو حلقہ بگوش اسلام کر دے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾

قیدیوں اور مال غنیمت کی تقسیم:

رسول اللہ ﷺ جعرانہ تشریف لائے اور بنو ہوازن کا دس سے کچھ زیادہ دن انتظار فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو انکو انکا سامان غنیمت واپس کر دیا جائے مگر وہ نہ آئے تو آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرنا شروع کر دیا، آپ ﷺ نے سب سے پہلے مولفۃ القلوب کو بہت سا مال عطا فرمایا، یہ لوگ قریش مکہ اور عرب کے مختلف قبائل کے سردار اور ممتاز شخصیتوں کے مالک تھے، آپ ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ایک سو اونٹ عطا فرمائے، ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور بہت سی نقدی اور دیگر ہر قسم کا مال و متاع دیکھ کر کہنے لگے، یارسول اللہ! آج تو آپ قریش میں سب سے زیادہ غنی اور سب سے زیادہ سرمایہ دار ہیں، اس مال سے ہمارا حصہ بھی عطا فرمائیے، آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انکو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کر دی جائے، انہوں نے کہا، میرے لڑکے یزید کا حصہ بھی عطا کریں، آپ ﷺ نے انکو بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی، وہ پھر بولے میرے بیٹے معاویہ کا حصہ بھی عطا فرمائیں، آپ ﷺ نے انکو بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی دینے کا حکم صادر فرمایا، اسطرح اکیلے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیے چاندی حاصل کی، رسول اللہ ﷺ کے دریائے سخاوت کی ان جولانیوں کو دیکھ کر کہنے لگے، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ جنگ اور صلح میں بے حد کریم ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی سخاوت تو انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، اسی طرح حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھی سو اونٹ عطا فرمائے، انہوں نے مزید ایک سو اونٹ کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے منظور فرمایا، آپ ﷺ نے حارث بن حارث، حارث بن ہشام، عبدالرحمٰن بن یربوع، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ، علا بن حارثہ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، مالک بن عوف وغیرہ کو سو سو اونٹ عطا

فرمائے، مخرمہ بن نوفل، عمیر بن وہب، ہشام بن عمرو کو سو سے کم اونٹ عطا فرمائے، سعید بن یربوع، عثمان بن نوفل، عدی بن قیس کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے، عباس بن مرداس کو سو سے کم اونٹ عطا فرمائے تو وہ ناراض ہو گیا اور کچھ اشعار کہنے لگا جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

آپ میری اور میرے گھوڑے عبید کی حاصل کی ہوئی غنیمت عینیہ اور اقرع کو عطا فرماتے ہیں، ان دونوں کے باپ بدر اور حابس میرے باپ مرداس پر کسی طرح بھی فوقیت نہیں رکھتے اور میں خود ان دونوں میں سے کسی سے کم نہیں، آپ جس کو آج نیچا کر دیں گے وہ کبھی اونچا نہیں ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اسکو بھی سو اونٹ عطا کر کے اسکی زبان بند کر دو، آپ ﷺ نے طلیق بن سفیان، خالد بن اسید، شیبہ بن عثمان، ابو سنابل بن بعکک، زہیر بن ابی امیہ، خالد بن ہشام، سائب بن ابی سائب، مطیع بن اسود، ابوجہم بن حذیفہ، احیمہ بن عدی، نوفل بن معاویہ، علقمہ بن علاثہ، خالد بن ہوزہ، ہشام بن ولید، عبدالاسد بن ہلال وغیرہ کو پچاس سے کم اونٹ عطا فرمائے، ایک صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے عینیہ اور اقرع کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور جعیل بن سراقہ کو کچھ بھی نہیں عطا کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عینیہ جیسے آدمیوں سے زمین بھری ہو تو ان سے اکیلا جعیل بن سراقہ بہتر ہے، میں نے تالیف قلب کے لیے انکو اتنے اونٹ عطا کیے ہیں تاکہ وہ صدق دل سے اسلام قبول کر لیں جبکہ جعیل کو اس کے اسلام کے سپرد کیا ہے۔ (مختصر سیرۃ الرسول)

ایک شخص کا اعتراض:

رسول اللہ ﷺ نے حنین اور اوطاس کا مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو بہت زیادہ مال عطا فرمایا، یہ دیکھ کر ایک آدمی نے کہا، اس تقسیم میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیا گیا اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا خیال رکھا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر پہنچائی تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، یہاں تک کہ انہوں نے آرزو کی کہ کاش! میں آپ ﷺ کو یہ بات نہ

بتاتا، آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کا رسول عدل نہیں کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا، اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انکو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی تھی اور انہوں نے صبر سے کام لیا تھا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ میں اس قسم کی کوئی خبر آپ ﷺ کو نہیں پہنچاؤں گا، ﴿صحیح بخاری: ۱۴۷/۲﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ کے مقام پر لوگوں کو مٹھی بھر بھر کر مال غنیمت عطا فرما رہے تھے، ایک شخص نے آ کر کہا، اے محمد! عدل سے کام لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر افسوس ہو، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا، اگر میں نے عدل نہیں کیا تو یقیناً خسارے میں رہا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس منافق کو قتل کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ اللہ، لوگ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے اسکے متعلق فرمایا: یہ اور اسکے ساتھی قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلقوں سے نہیں گزرے گا، یہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جسطرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، ﴿صحیح بخاری و مسلم﴾

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم کے ایک آدمی ذوالخویصرہ نے کہا، اے محمد! آج جو کچھ آپ کر رہے ہیں میں دیکھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیا کر رہا ہوں، اس نے کہا، میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے انصاف نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے اگر میرے پاس انصاف نہیں تو کس کے پاس ہو گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا ہم اسکو قتل نہ کر دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں اسکو رہنے دو، اسکے ساتھ ایک جماعت ہوگی جو دین کے بارے میں تشدد کرتے کرتے اس سے اسطرح نکل جائے گی جیسے تیر شکار کے جسم سے نکلتا ہے، ﴿سیرت ابن اسحاق﴾

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جعرانہ کے مقام پر قیام پذیر تھے، بارگاہ نبوت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ کیا آپ اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم بشارت قبول کرو، اس نے کہا، آپ اکثر یہی فرما دیتے ہیں، پس آپ جلال کے عالم میں حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس نے تو بشارت قبول نہیں کی، کیا تم دونوں اسے قبول کرتے

ہو، دونوں حضرات عرض گزار ہوئے کہ ہم نے اسے قبول کیا، پھر آپ ﷺ نے پانی کا برتن منگوایا اور اس میں اپنے منہ ہاتھ دھوکر کلی فرمائی اور ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ یہ پانی پی لو اور باقی اپنے چہروں اور سینوں پر چھڑک لو اور بشارت حاصل کرو، پس دونوں حضرات نے برتن لے کر حکم کی تعمیل کی، پردے کے اندر سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی کہ اس پانی سے اپنی ماں کے لیے بھی کچھ چھوڑ دینا، پس ان حضرات نے انکی خدمت میں بھی حصہ پیش کر دیا، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۴۴﴾

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کو ایسے وقت دیکھوں جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہو، وہ فرماتے ہیں جب حضور نبی اکرم ﷺ جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے اوپر کپڑے کا سائبان تھا، جس کے اندر آپ ﷺ کے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے، آپ ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا جس نے خوشبو میں بسا ہوا جبہ پہن رکھا تھا، اس نے کہا، یارسول اللہ! اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے جس نے عمرہ کے احرام میں ایسا جبہ پہن رکھا ہو جو خوشبو میں بسا ہوا ہو، اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا، وہ آئے اور انہوں نے سائبان کے اندر سر داخل کر کے دیکھا تو حضور نبی اکرم رضی اللہ عنہ کا چہرہ انور سرخ تھا اور سانس کی رفتار کافی تیز تھی، کچھ دیر تک یہی حالت رہی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرے کے بارے میں ابھی ایک سوال کیا تھا، لوگوں نے اسے پیش کیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم نے جسم پر خوشبو لگا رکھی ہے، اسے تین مرتبہ دھوڈالو اور جبے کو اتار دو پھر عمرے میں بھی وہی کام کرو جو حج میں کیے جاتے ہیں، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۴۵﴾

انصار مدینہ کا اعزاز:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ کو ہوازن کے قبیلے کا مال عطا فرمایا تو آپ ﷺ نے بعض اصحاب کو سو سو اونٹ تک مرحمت فرمائے، اس پر انصار مدینہ سے بعض حضرات نے کہا، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے کہ انہوں نے قریش کو تو مال مرحمت فرمایا جبکہ ہمیں نظر انداز کر دیا، حالانکہ

ہماری تلواروں سے کافروں کا خون ٹپک رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کے سامنے انکی اس گفتگو کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں بلایا، پس وہ چمڑے کے ایک خیمے میں جمع ہوئے، وہاں انکے سوا کسی دوسرے کو نہیں بلایا گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہاری جانب سے یہ کیسی خلاف توقع بات پہنچی ہے، انصار مدینہ کے سمجھدار حضرات عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! ہمارے عمر رسیدہ لوگوں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی، ہاں بعض نوعمر لڑکوں نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے کہ انہوں نے قریش کو تو مال مرحمت فرمایا جبکہ ہمیں نظر انداز کر دیا، حالانکہ ہماری تلواروں سے کافروں کا خون ٹپک رہا ہے، پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے ان لوگوں کو مال دیا ہے جن کا زمانہ کفر بہت نزدیک ہے تاکہ انکا دل اسلام پر مضبوط ہو جائے، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم اللہ کے نبی کو اپنے گھروں میں لے کر جاؤ، خدا کی قسم جو چیز تم لے کر جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر جاتے ہیں، وہ عرض گزار ہوئے یارسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں، پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: میرے بعد تم اپنے ساتھ بڑی ناانصافی دیکھو گے تو اس پر صبر کرنا یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول سے جا ملو کیونکہ میں حوض کوثر پر ملوں گا، انکا بیان ہے کہ انصار سے صبر نہ ہوسکا۔ ﴿صحیح بخاری: ۶۴۶/۲﴾

حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی روایت میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ سے ارشاد فرمایا: اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں ہدایت عطا فرمائی، تم بکھرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہارے درمیان الفت پیدا فرمائی، تم تنگ دست تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں غنی فرما دیا، جب آپ ﷺ کچھ فرماتے تو انصار مدینہ عرض کرتے ﴿اللہ ورسولہ امن﴾ اللہ اور اسکے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ یارسول اللہ! آپ ہمارے پاس اس اس حالت میں آئے تھے، کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ کے نبی کو لے کر جاؤ، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ کسی میدان یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کے میدان اور گھاٹی میں چلوں گا، انصار

شعار ہیں یعنی میری چادر کا اندرونی حصہ ہیں اور دوسرے لوگ دثار یعنی میری چادر کا بیرونی حصہ ہیں، میرے بعد تم دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی تو صبر سے کام لینا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات ہوگی، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۴۵﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اگر میدان میں چلیں اور انصار کسی گھاٹی میں تو میں انصار کے ساتھ گھاٹی میں چلوں گا، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۴۹﴾

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ گفتگو فرما کر دعا فرمائی: اے اللہ رحم فرما انصار پر، انکے بیٹوں پر اور انکے بیٹوں کے بیٹوں پر، رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر وہ لوگ اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہوگئیں اور کہنے لگے ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے میں اللہ کے رسول آ گئے، اسکے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہوگئے اور وہ لوگ بھی بکھر گئے، ﴿سیرت ابن ہشام:۲/۵۰۰﴾

صفوان بن امیہ کا قبول اسلام:

حضور اکرم ﷺ نے تمام اموال ونقود کو لشکر اسلام اور اہل مکہ وغیرہ پر صرف فرمایا اور انہیں خوش کیا، کچھ وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے تھے، ایمان لے آئے اور وہ لوگ جو ضعیف الایمان تھے حصول رضا وخوشنودی کے سبب ان میں تقویت پیدا ہوئی، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اسی دوران ایک گھاٹی سے حضور اکرم ﷺ کا گزر ہوا، صفوان بن امیہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا، وہ گھاٹی بکریوں اور مویشیوں سے بھری ہوئی تھی، صفوان گھور گھور کر انہیں دیکھ رہا تھا کہ اسکی نظر بھرتی نہیں تھی، حضور اکرم ﷺ نے چشم مبارک سے اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا اور کہا، کیا یہ جانور تمہیں اچھے معلوم ہوتے ہیں، اس نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ یہ تمام جانور میں نے تمہیں عطا فرما دیئے، صفوان نے ان سب کو فوراً اپنے قبضے میں لے لیا اور پھر کہا، اللہ کی قسم کوئی شخص داد ودہش میں اتنی سخاوت نہیں کر سکتا بجز اس کے نبی برحق کے، اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۵۴۳﴾

ایک روایت میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا جود وسخا دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا، حضور اکرم ﷺ حنین کے اموال غنیمت سے مجھے اتنا عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ وہ جو میرے نزدیک اللہ کی ساری مخلوق سے زیادہ مبغوض تھے، اب ساری

مخلوق سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ انداز سخاوت دیکھ کر لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسطرح بے دریغ عطا کرتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں ہوتا، چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ ﷺ کی طرف لپکے یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک درخت کی طرف سمٹ گئے، اتفاق سے آپ ﷺ کی چادر پھنس کر رہ گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میری چادر تو دے دو، اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد جتنے جانور بھی ہونگے تو انہیں بھی تم میں تقسیم کر دوں گا، پھر تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ بزدل اور نہ جھوٹا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کے بازو میں کھڑے ہو کر اس کی کوہان سے ایک بال لیا اور چٹکی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! اللہ کی قسم میرے لیے تمہارے مال فے میں سے کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ اتنا بال بھی نہیں صرف خمس ہے اور وہ بھی تم پر ہی پلٹا دیا جاتا ہے، اس لیے سوئی اور دھاگے جتنی چیز بھی مال غنیمت میں جمع کرواؤ، غنیمت کے مال میں چوری کرنا یا اس سے کچھ چھپالینا قیامت کے رسوائی اور عذاب کا موجب ہوگا، یہ سن کر انصار کا ایک آدمی مٹھی بھر اون لایا اور بولا یا رسول اللہ! میں نے اپنے اونٹ کا گدا سینے کے لیے مال غنیمت سے یہ اون لی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں سے جو میرا حصہ ہے وہ میں تمہیں دیتا ہوں، اس نے کہا، اگر اس میں اسقدر سختی ہے تو مجھے اسکی حاجت نہیں، پھر اسے مال غنیمت میں پھینک دیا، ﴿سیرت ابن اسحاق مختصر سیرۃ الرسول: ۵۸۴﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا، آپ ﷺ نے نجران کی بنی ہوئی ایک چادر اوڑھ رکھی تھی، ایک بدو آیا اور اس نے بڑے زور سے چادر کو کھینچا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گئے، اس نے کہا، مجھے بھی اللہ کے مال سے کچھ دیا جائے، آپ ﷺ اسکی اس حرکت پر مسکرا اٹھے اور اپنے کسی خادم کو حکم دیا کہ اسے مال غنیمت سے حصہ دیا جائے، ﴿صحیح بخاری شریف، سیرت ابن کثیر: ۶۸۲/۳﴾

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

جب مولفة القلوب کو مال عطا کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مال غنیمت اور فوج کو یکجا کر کے لوگوں پر غنیمت کی تقسیم کا حساب لگایا جائے، انہوں نے ایسا کیا تو ایک ایک فوجی کے حصے میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں، جو شہسوار تھا اسے بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں، امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی کیونکہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل کے راستے سے نہیں بلکہ پیٹ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں یعنی جس طرح جانوروں کو ایک مٹھی ہری گھاس کھلا دیجئے اور وہ اسکی طرف بڑھتے، لپکتے اپنے محفوظ ٹھکانے تک جا پہنچتے ہیں اور اسی طرح مذکورہ قسم کے انسانوں کے لیے بھی مختلف ڈھنگ کے اسباب کشش کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ وہ ایمان سے مانوس ہو کر اسکے لیے پرجوش بن جائیں۔ ﴿فقہ السیر ص ۲۹۹﴾

بنو ہوازن کا قبول اسلام:

بنو ہوازن کا چودہ افراد پر مشتمل ایک وفد ابوزہیر بن صرد کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ کے دربار گوہر بار میں حاضر ہوا، ان میں آپ ﷺ کے رضاعی چچا ابو برقان بھی شامل تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ انکے قیدی اور اموال واپس کر دیں، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہوازن کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ! ہم آپ کی قوم ہیں، ہم پر جو آفت آئی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا، ابوزہیر بن صرد نے کہا، یارسول اللہ! آپ کی ماسیاں، پھوپھیاں اور دادیاں جو آپ کو کھلایا کرتی تھیں اور پروان چڑھایا کرتی تھیں، وہ قید خانوں میں بند ہیں، اگر ہم حارث بن شمر یا نعمان بن منذر جیسے بادشاہوں کو دودھ پلاتے اور ہم پر وہ مصیبت اترتی جو اس وقت اتری ہے تو انکے احسان اور مروت سے محروم نہ رہتے، آپ تو سب پروردہ لوگوں سے بہترین اخلاق کے مالک ہیں، پھر زہیر بن صرد نے ایک شاندار قصیدہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

امنن علینا رسول اللہ فی کرم　　فانک المرء نرجوہ وننتظر

امنن علی نسوۃ قد کنت ترضعھا اذ فوک مملوءۃ من محضھا الدرر

ان نؤمل عفوا منک تلبسہ ھادی البریۃ ان تعفو و تنتصر

یارسول اللہ! ہم پر کرم اور احسان فرمایئے کیونکہ آپکی کی بارگاہ سے کرم کی امید اور احسان کا انتظار کیا جاتا ہے، آپ ان عورتوں پر احسان فرمایئے جن کا دودھ آپ نے نوش جان فرمایا ہے اور آپ کا دہن اقدس انکے دودھ سے بھر جاتا تھا، ہم آپ سے عفو و کرم کی امید رکھتے ہیں، آپ ساری مخلوق کے رہنما ہیں کہ آپ ہم پر کرم فرمائیں اور ہماری مدد کریں، ﴿سبل الھدیٰ:۵/۵۷۱﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میرے ساتھ ان لشکروں کو دیکھتے ہو، ان کو مال غنیمت کے سوا سرکاری خزانے سے کوئی تنخواہ نہیں ملتی لہذا اچھی بات یہ ہے کہ تم مالوں یا قیدیوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کرلو، میں نے تمہارا انتظار کیا تھا، اگر تم تقسیم سے پہلے آ جاتے تو تمہیں دونوں چیزیں مل جاتیں، جب انکو معلوم ہوا کہ انہیں صرف ایک چیز ملے گی تو کہنے لگے، اگر ایک ہی چیز ملنی ہے تو ہمیں یہ پسند ہے کہ ہمارے قیدی رہا کردیئے جائیں، انکے اس فیصلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے خطاب فرمایا:

یہ تمہارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں اور اپنے قیدیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، میں نے انکے قیدیوں کو واپس کرنے کا فیصلہ کیا ہے، تم میں سے جو شخص بطیب خاطر اپنے قیدی آزاد کرنا چاہے آزاد کردے اور جو شخص مفت آزاد نہ کرنا چاہے تو اس کے بدلے جتنے قیدی وہ آزاد کرے گا، اتنے قیدی اسکو اولین حاصل ہونے والی غنیمت سے مل جائیں گے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۵۸۲﴾

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر سب لوگ بیک آواز بولے یارسول اللہ! ہم اپنے قیدی بطیب خاطر مفت آزاد کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اتنے عظیم مجمع میں پتا نہیں چلتا کہ کس نے خوشی سے اور کس نے ناخوشی سے آزاد کیے ہیں، تم لوگ اپنے ٹھکانوں پر جاؤ اور اپنے سرکردہ لوگوں اور قبیلوں سے پوچھ کر بتاؤ، چنانچہ سب لوگ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے اور اپنے سرکردہ لوگوں اور قبیلوں سے مشورہ کیا اور بتایا کہ ہم سب لوگ اپنی رضا مندی سے اپنے قیدی آزاد کرتے ہیں، اس طرح بنو ہوازن کے سب قیدی واپس کردیئے

گئے ،ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے قیدی مفت نہیں چھوڑنا چاہتا،اسے ہر قیدی کے بدلے پہلی غنیمت سے چھ غلام دیئے جائیں گے لیکن صحابہ کرام نے بنو ہوازن کو انکی عورتیں اور بچے مفت واپس کر دیئے ، ﴿سیرت ابن اسحاق﴾

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ میرے اور میرے خاندان بنو مطلب کے پاس ہے وہ تمہارے لیے ہے:

⊙ ...... فاذا صليتم الظهر فقوموا فقولوا انا نستعين برسول الله على المومنين او المسلمين فى نسائنا و ابنائنا ”جب تم ظہر کی نماز پڑھ لو تو کھڑے ہو کر اس طرح کہنا کہ ہم رسول اللہ سے مومنوں اور مسلمانوں پر اپنے اہل وعیال کے متعلق مدد چاہتے ہیں، ﴿سنن نسائی الکبری:۱۲۰/۴﴾

ظہر کی نماز کے بعد بنو ہوازن کے وفد نے اسی طرح درخواست پیش کی جو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمائی اور فرمایا: جہاں تک میرے اور بنو عبد المطلب کے حصے کا تعلق ہے تو وہ میں نے تمہیں عطا فرما دیا اور میں ابھی لوگوں سے بھی پوچھ لیتا ہوں،اس پر انصار اور مہاجرین نے اٹھ کر کہا، جو کچھ ہمارا ہے وہ سب بھی رسول اللہ کے لیے ہے،اس کے بعد اقرع بن حابس نے کہا، جو کچھ میرا اور بنی تمیم کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں،عینیہ بن حصن نے کہا، جو کچھ میرا اور بنو فزارہ کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں،عباس بن مرداس نے کہا، جو کچھ میرا اور بنو سلیم کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں،اس پر بنو سلیم نے کہا، جی نہیں، جو کچھ ہمارا ہے وہ رسول اللہ کے لیے ہے،عباس بن مرداس نے کہا،تم لوگوں نے میری توہین کر دی، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں، میں نے ان کے قیدیوں کی تقسیم میں تاخیر کی تھی اور اب میں نے انہیں اختیار دیا تو انہوں نے بال بچوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھا لہٰذا جس کے پاس قیدی ہو وہ خوشی کے ساتھ واپس کر دے، یہ بہت اچھا راستہ ہے،اس طرح لوگوں نے سب قیدی واپس کر دیئے،صرف عینیہ بن حصن رہ گیا جس کے حصے میں ایک بڑھیا آئی ،اس نے واپس کرنے سے انکار کر دیا مگر بالآخر اس نے اسے واپس کر ہی دیا، رسول اللہ ﷺ نے تمام قیدیوں کو قبطی چادریں عطا فرمائیں اور عزت و احترام کے ساتھ انکے خاندانوں میں بھیج دیا۔

مالک بن عوف کی حاضری:

رسول اللہ ﷺ نے بنو ہوازن کے وفد سے انکے سردار مالک بن عوف کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ طائف میں مقیم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے میری طرف سے پیغام پہنچادو کہ اگر وہ میرے پاس اسلام قبول کر کے آجائے تو میں اسکے اہل و عیال اور مواشی و اموال واپس کر دوں گا اور مزید ایک سو اونٹ عطا کروں گا، مالک بن عوف نے یہ پیغام سنا تو کسی طرح چپکے سے طائف سے نکلا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قبول اسلام کا شرف حاصل کیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے وعدے کے مطابق اسکے اہل و عیال اور مواشی و اموال اور مزید سو اونٹ اس کے حوالے کر دیئے، اس نے رسول اللہ ﷺ کے اس کرم بے پایاں کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھا:

ما ان رایت ولا سمعت بمثله	فی الناس کلھم بمثل محمد
اوفی وا عطی للجزیل اذا اجتدی	ومتٰی تشا یخبرک عما فی غد
واذاالکتیبة عردت أنیا بھا	بالسمھری و ضرب کل مھند
فکانه لیث علیٰ أشباله	وسط الھبأة خادر فی مرصد

میں نے تمام لوگوں میں حضور اکرم ﷺ کی مثال نا کسی کو دیکھا اور نہ کسی کے متعلق سنا، وہ اپنا وعدہ پورا کرنے والے اور عطا کرنے والے ہیں اور جب تو چاہے آنے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں، جب کسی لشکر کا دستہ اپنے دانتوں کو نیزے اور ہندی تلوار سے آراستہ کر لیتا ہے تو آپ ﷺ شیر کی طرح دکھائی دیتے ہیں جو کچھار میں بیٹھ کر اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۳/ ۶۸۳﴾

رسول اللہ ﷺ نے مزید احسان فرماتے ہوئے مالک بن عوف کو قبیلہ بنو ثمالہ، بنو سلم اور بنو فہم وغیرہ کے مسلمانوں کا سالار مقرر کر دیا، وہ ان قبیلوں کے ساتھ بنو ثقیف سے جنگ آزمار ہتا اور انکے مال و منال کو چھینتا رہتا گویا مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اس نے بہترین ہراول دستے کا کردار ادا کیا، ذرا سوچیے یہی وہ شخص تھا جس نے چند روز پہلے اپنے لشکر جرار کے ساتھ اہل اسلام کو شکست دینے کے لیے ہر ممکن

کوشش کی تھی مگر آج وہی اسلام کا محافظ اور پاسبان بن کر کھڑا تھا اور اپنی سرفروشی کے کارنامے دکھا رہا تھا۔

کچھ اور ایمان افروز واقعات:

اس سفر نبوت میں کچھ اور بھی ایمان افروز واقعات رونما ہوئے جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے، انکو پڑھیے اور اپنے دل و جان کی دنیا آباد کیجئے۔

﴿1﴾

رسول اللہ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ عطا فرمائے، انہوں نے مطالبہ کیا تو اور سو اونٹ عطا فرمائے، انہوں نے پھر مطالبہ کیا تو مزید سو اونٹ عطا فرمائے اور ساتھ ہی نصیحت فرمائی، اے حکیم بن حزام! یہ دنیا کا مال بہت میٹھا محسوس ہوتا ہے جو اسکو سخاوت کے لیے حاصل کرتا ہے تو اس میں برکت پیدا کر دی جاتی ہے اور جو اسکو لالچ کے لیے حاصل کرتا ہے تو اس سے برکت اٹھالی جاتی ہے، وہ آدمی اس آدمی کی طرح بن جاتا ہے جو کبھی سیر نہیں ہوتا، یاد رکھو اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے ان کلمات طیبات کا ان پر بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے دو سو اونٹ واپس کر دیئے اور ساتھ عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے خدا تعالیٰ کی قسم جس نے آپکو پیغمبر برحق بنایا، میں اس کے بعد آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا اور آپ کے بعد بھی کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا، یہاں تک کہ دنیا سے چلا جاؤں، روایت میں آتا ہے کہ دور صدیقی اور دور فاروقی میں بھی جب انہیں بلا کر مال غنیمت کا حصہ پیش کیا جاتا تو وہ لینے سے انکار کر دیتے، انہوں نے کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۱۱۴﴾

﴿2﴾

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف سے جعرانہ کی طرف گامزن تھے تو آپ ﷺ کے ارد گرد لوگوں کا جمع غفیر تھا، میں انکو چیر کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا، لوگ مجھے کہہ رہے تھے، پیچھے ہٹ جاؤ تم کون ہو، انہوں نے مجھے پہچانا نہیں تھا، میں سرکار مدینہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور کہا، یارسول اللہ! میں سراقہ بن جعشم

ہوں، میرے پاس آپ کا امان نامہ موجود ہے ﴿جو آپ نے ہجرت کے سفر میں مجھے عطا فرمایا تھا﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ایفائے عہد اور نیکی کا دن ہے، سراقہ کو میرے قریب کرو، میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کی پنڈلی مبارک چمک رہی تھی، میں نے سلام عرض کیا اور کوئی مطالبہ کرنے کی بجائے ایک سوال پوچھا، یارسول اللہ! کیا میرے حوض پر کوئی بھاگا ہوا اونٹ پانی پی لے تو مجھے اسکا بھی اجر ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: نعم فی کل ذات کبد حر اجر، ہاں ہر کلیجے والے جانور کے پانی پینے سے تمہیں ضرور اجر ملے گا، ﴿ایضا: ۵/۵۷۱﴾

﴿3﴾

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مجاہد حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جارہا تھا، دوران سفر اسکی اونٹنی آپ ﷺ کی اونٹنی سے ٹکرا گئی، اسکا موٹا جوتا آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک پر لگا جسکی وجہ سے آپ ﷺ کو تکلیف محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے اپنی چھڑی سے اسکے پاؤں پر ٹھوکر ماری اور فرمایا: ذرا پیچھے ہو کر چلو، دوسرے دن آپ ﷺ نے اس مجاہد کو تلاش کیا تو وہ شدید پریشان ہوا کہ شاید حضور اکرم ﷺ اس کی سرزنش فرمائیں گے لیکن آپ ﷺ نے کمال مہربانی سے فرمایا: میں نے کل تمہارے پاؤں پر ٹھوکر ماری تھی، میں چاہتا ہوں کہ آج تمہیں اس کا معاوضہ ادا کیا جائے، پھر آپ ﷺ نے اسکی تالیف قلب کے لیے اسی بکریاں عطا فرمائیں، ﴿سبل الھدیٰ: ۵/۵۷۶﴾

﴿4﴾

رسول اللہ ﷺ کے محاصرۂ طائف کے دوران بنو ثقیف کا ایک نامور سردار عروہ بن مسعود ثقفی طائف میں نہیں تھا، جب آپ ﷺ واپس مدینہ طیبہ کی طرف گامزن ہوئے تو وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور اسلام قبول کیا، اس نے کہا، یارسول اللہ! اگر آپکی مرضی ہو تو میں طائف جا کر اپنی قوم کو دعوت اسلام پیش کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے خطرہ ہے کہیں تمہاری قوم تمہیں قتل نہ کر دے، اس نے کہا، یارسول اللہ! وہ تو مجھ پر جان قربان کرتے ہیں اور اپنی کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، جب وہ

آپ کی اجازت سے طائف پہنچا اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر قوم کو دعوت اسلام دی تو اس سرکش قوم نے جواب میں تیروں کی بارش کر دی جس سے وہ شدید زخمی ہو کر دنیا سے رخصت ہو گیا، جب اسکی روح بدن کو داغ مفارقت دے رہی تھی تو اسکے لبوں پر ایک جملہ تڑپ رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک عظیم عزت سے مشرف کیا ہے کہ اس نے مجھے شہادت کی موت عطا فرمائی، پھر اس نے یہ بھی وصیت کی کہ مجھے میرے شہید مسلمان بھائیوں کے درمیان سپرد خاک کرنا، رسول اللہ ﷺ نے انکی شہادت کی خبر سن کر فرمایا: عروہ بن مسعود کی مثال وہی ہے جو صاحب یاسین کی مثال اپنی قوم میں تھی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۸۵﴾ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم سردار کی وفات پر قوم کو بہت زیادہ احساس زیاں محسوس ہونے لگا اور وہ پشیمان ہونے لگی کہ اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے، پھر اسے یہ بھی احساس ہوا کہ گردونواح کے تمام قبائل دامن اسلام میں پناہ لے چکے ہیں، اب اسلامی لشکروں کا مقابلہ انکے بس سے باہر ہے چنانچہ ساری قوم نے فیصلہ کیا کہ اپنے سردار عبد یالیل کو حضور رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا جائے، عبد یالیل نے کہا، مجھے خطرہ ہے کہ تم میرے ساتھ بھی وہی کرو گے جو عروہ بن مسعود کے ساتھ کیا ہے لہذا کچھ آدمیوں کا وفد میرے ساتھ روانہ کرو، پھر بنو ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گیا، ﴿خاتم النبیین﴾

عمرۃ الجعرانہ کا واقعہ:

رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں جملہ معاملات سے فارغ ہوئے تو احرام باندھ کر عمرے کا ارادہ فرمایا اور مکہ مکرمہ تشریف لائے، یہ عمرہ آپ ﷺ نے ماہ ذیقعد میں ادا فرمایا، عمرے کی ادائیگی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا والی مقرر فرمایا اور مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمائی، مکہ مکرمہ سے مرالظہران تشریف لائے تو مال غنیمت میں سے جتنا کچھ باقی تھا اس جگہ تقسیم فرما دیا، آپ ﷺ ذیقعد کے آخری یا ذوالحج کے ابتدائی دنوں میں مدینہ منورہ پہنچے، فتح مکہ، جنگ حنین اور جنگ طائف کے سلسلہ میں آپ ﷺ تقریباً اڑھائی مہینے مدینہ منورہ سے باہر رہے، اس سال عربوں نے اپنے رواج کے مطابق حج ادا کیا اور مسلمانوں کو حاکم مکہ حضرت عتاب بن

اسید رضی اللہ عنہ نے حج کرایا، اللہ تعالیٰ نے اس سفر میں اپنے محبوب، طالب و مطلوب، دانائے غیوب ﷺ کو بے شمار کامیابیوں سے نوازا، مکہ مکرمہ وہی شہر عظیم تھا جہاں سے آپ ﷺ کو رات کے اندھیروں میں سفر ہجرت اختیار کرنا پڑا، جہاں پر آپ ﷺ کے ساتھیوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے، جہاں آپ ﷺ قدم قدم پر انس و محبت کے متلاشی رہے، اب کیسا وقت آ گیا کہ اسی شہر عظیم کے وحشی باشندے آپ ﷺ کی راہوں میں پلکیں بچھانے لگے، انہوں نے آپ ﷺ کی قدر و منزلت کی اور آپ ﷺ کی امداد کی اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والے نور مبین کی پیروی کا شرف حاصل کیا، یہ آٹھ سال کا عرصہ کتنے مصائب و مہالک سے اٹا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ کی دین خدا کی خاطر لازوال محنت و مشقت کے نورانی ثمرات آپ ﷺ کا استقبال کر رہے تھے، جاہلیت کے جو اصنام و اوثان سد راہ بنے ہوئے تھے، آج آپ ﷺ کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے ٹوٹ کر بکھر چکے تھے، اللہ رب العزت کا ارشاد عالیشان ہے:

⊙...... انه من يتق و يصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين ○ یقیناً جو آدمی پرہیزگاری اور صبر شعاری سے کام لے تو بے شک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿سورہ یوسف: ۹۰﴾

......⊙......

کچھ اور دل افروز واقعات:

ہجرت کے سال ہشتم میں کچھ اور بھی واقعات کا ظہور ہوا جنکا مطالعہ علم و دانش کے فروغ کا باعث ہوگا۔

......﴿1﴾......

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو بلاد یمن میں سے نجران کا والی مقرر فرمایا، اسی سال آپ ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، انہوں نے عرض کیا، خدا تعالیٰ کی قسم میرے دل میں کسی مرد کی خواہش نہیں، میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت میں آپکی ازواج میں محشور ہوں، میرے لیے اتنی ہی سعادت کافی ہے اور اپنی باری کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں چھوڑ دیتی ہوں تا کہ یہ بات

بھی حضور اکرم ﷺ کی محبت کا باعث ہو جو انکے ساتھ استوار ہے، ﴿مدارج النبوۃ:۵۴۲/۲﴾

......﴿2﴾......

سال ہشتم میں حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ ﷺ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے، انکی ولادت ۸ ہجری اور وفات ۱۰ ہجری میں ہوئی، انکی مدت عمر ۱۶ ماہ یا ایک روایت کے مطابق ۱۸ ماہ ہے، یا بعض کتابوں کے مطابق ایک سال دو ماہ چھ دن ہے، اس میں سب کا اتفاق ہے کہ انکی وفات ۱۰ ہجری میں ہوئی، ﴿ایضاً﴾

......﴿3﴾......

سال ہشتم میں خاندان نبوت کو ایک بہت بڑا صدمہ ہوا، وہ یہ کہ حضرت زینب بنت محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا، انکے بطن اطہر سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی، بیٹے کا نام علی بن ابی العاص تھا، جو سن بلوغ کو پہنچے اور فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ردیف بنے اور بیٹی کا نام امامہ بنت ابی العاص تھا، انکے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا، ﴿ایضاً﴾

......﴿4﴾......

سال ہشتم میں غلہ کی گرانی واقع ہوئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نرخ گراں ہوا تو لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارے لیے غلہ کا نرخ مقرر فرما دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: نرخ مقرر فرمانے والا خدا ہے جس کے قبضہ قدرت میں قبض و بسط ہے، میں امید رکھتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ سے کسی پر زیادتی کا مطالبہ نہ ہو، نہ خون کا اور نہ مال کا، ﴿مدارج النبوۃ:۵۴۳/۲﴾

......﴿5﴾......

ایک قول کے مطابق سال ہشتم میں رسول اللہ ﷺ کے لیے منبر شریف بنایا گیا، آپ ﷺ پہلے منبر کے بغیر ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، جب منبر بن گیا تو آپ ﷺ اس پر تشریف لے گئے اور وہ ستون آپ ﷺ کے ہجر و فراق میں رونے لگا، یہ حدیث مشہور اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ ستون فراق رسول میں اسطرح روتا تھا جیسے کسی اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اسکے

فراق میں روئے یا ایک روایت میں ہے کہ جس طرح بچہ اپنی ماں کو بلانے کے لیے روئے یا ایک روایت میں ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے محبوب کی جدائی میں روئے، اس ستون کے رونے سے حاضرین مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے، ایک روایت میں ہے کہ اس نے فراق رسول میں اس قدر آہ وزاری کی کہ وہ پھٹ گیا اور حاضرین مسجد کو گمان ہوا کہ وہ گر پڑے گا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے، بعض اپنی جگہ سے اچھل پڑے، یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ منبر شریف سے اترے اور ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر دست اقدس رکھ کر آغوش مبارک سے لپٹا لیا اور فرمایا: اگر تو چاہے تو تجھے باغ میں لوٹا دیں اور تجھے اپنی جگہ جما دیں تا کہ تو دوبارہ سرسبز وشاداب ہو کر پھل دے اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں جما دیں تا کہ تو جنت کی کیاریوں اور اس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیا و اولیا تیرے پھل تناول فرمائیں، جتنی دیر حضور اکرم ﷺ ستون کو اپنی آغوش مبارک میں لیے رہے، فرماتے رہے، ہاں میں نے کیا، ہاں میں نے کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! یہ ستون کیا کہتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا، اس پر میں نے کہا، ہاں میں نے کیا، یعنی میں نے تیرا سوال قبول کیا اور تجھے جنت عطا فرما دی، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ستون ذکر کی محرومی کی بنا پر رویا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس ستون کو اسی جگہ دفن کروا دیا، تاریخ میں اسکو استن حنانہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمانو! جب لکڑی کا تنا رسول اللہ ﷺ کی جدائی میں آہ وفغاں کرتا ہے تو تمہیں اس سے زیادہ انکی ملاقات کا اشتیاق ہونا چاہیے، یاد رہے کہ منبر مبارک اثل غابہ کی لکڑی کا بنایا گیا، اسکا طول دو گز اور چوڑائی ایک گز تھی، ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی، سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسکو قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا، ایک قول کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غلاف چڑھایا گیا، منبر مبارک مدینہ طیبہ کی رونقوں کا سبب ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے شام منتقل کرنا چاہا اور اس مقصد کے لیے جب اسے اپنی جگہ سے ہلایا تو ایسی تاریکی پھیلی کہ سارا شہر تاریک ہو

گیا، آفتاب کو گہن لگ گیا حتیٰ کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے، اس پر وہ اس خیال محال سے باز آ گئے اور پشیمان ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معذرت خواہی کرنے لگے، بعد میں مختلف خلفا نے اسکی تزئین و تجدید میں اضافے کیے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے، ﴿صحیح بخاری﴾

......﴿6﴾......

سال ہشتم میں بنو عبد القیس کا بیس افراد پر مشتمل وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، عبد القیس عرب کا بڑا مشہور اور عظیم قبیلہ تھا، انکے سردار کا نام اشج العصری تھا، اس وفد کی آمد سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ مشرق کی طرف سے کچھ سوار آ رہے ہیں جو اپنی مسرت و رغبت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوں گے، انکے سردار کی یہ نشانی ہے اور دعا فرمائی، اے اللہ! عبد القیس والوں کی بخشش فرما، جب وہ وفد حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا، تمہارا کس قوم سے تعلق ہے، انہوں نے کہا، ہم ربیعہ بن معد بن عدنان کی اولاد سے ہیں، اس قبیلہ کا جد اعلیٰ قریش سے اوپر حضور اکرم ﷺ کے اجداد کرام میں شامل تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے قاصدو! تمہارا آنا مبارک ہو، تم کشادہ و فراخ جگہ میں آئے ہو، یہ حضور اکرم ﷺ کی وہ دعا ہے جو آپ ﷺ کسی عزیز کی آمد پر فرمایا کرتے تھے، بنو عبد القیس کے لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ! ہم حرمت والے مہینوں کے سوا حاضر خدمت ہونا ناممکن سمجھتے تھے کیونکہ ان مہینوں میں عربوں کے درمیان باہمی جنگ و جدال نہیں ہوتا تھا اور راستے پر امن ہوتے تھے، انہوں نے کہا، ہمارے اور آپ کے درمیان وہ قبیلہ حائل ہے جو کفار مضر بن نزار سے تعلق رکھتا ہے، ہمیں مفصل حکم دیجیے جو حق و باطل کے درمیان فارق ہو، جسمیں کوئی اشتباہ نہ ہوتا کہ ہم اپنی قوم کو جا کر بتائیں اور وہ اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں، اس پر حضور اکرم ﷺ نے انکو ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور مال غنیمت سے ادائے خمس کا حکم عطا فرمایا، پھر انہوں نے اپنی قوم کے لیے ان برتنوں کا حکم پوچھا جن میں وہ پیتے اور نبیذ وغیرہ ڈالتے تھے، مقصد یہ کہ اب شراب حرام ہو گئی ہے تو کیا ان برتنوں کو وہ کسی اور استعمال میں

لا سکتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے انکو ایسے چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا جو شراب کے لیے خاص تھے، ایک خم یعنی سبز مٹکا، دوسرا دبا یعنی خشک کدو، تیسرا نقیر یعنی ایک درخت کی جڑ جسے کھوکھلا کر کے برتن بنایا جاتا تھا اور چوتھا مزفت جو زفت کے رنگ سے رنگا جاتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ان احکام کو یاد رکھنا اور اپنی قوم کو بتانا اور جو تم سے ملے اسکو بھی خبر دینا، ان برتنوں کے بارے میں اب علما کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ جب شراب کے آثار ختم ہو جائیں تو انکا استعمال حرام نہ ہوگا چونکہ اسکے حرام ہونے کا وقت تازہ اور قریب تھا اس لیے ان سے منع کیا گیا، بعض کہتے ہیں کہ مشابہت کی بنا پر یہ مکروہ ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲/۵۵۰﴾ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! کیا آپ نقیر کے بارے میں جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، تم درخت کا ایک تنا لے کر کھودتے ہو پھر اس میں کھجوریں اور پانی ڈال دیتے ہو، اس میں جوش آ کر ٹھہر جاتا ہے اور شراب تیار ہو جاتی ہے تو اسکو پیتے ہو، پھر بیہوشی کے عالم میں اپنے چچا کے بیٹے کو بھی تلوار مارنے سے نہیں چوکتے ہو، ان لوگوں میں ایک آدمی کو ایسا ہی زخم لگا تھا، اسکا بیان ہے کہ میں حیا کی وجہ سے وہ زخم رسول اللہ ﷺ سے چھپا رہا تھا، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! پھر ہم کن برتنوں میں پانی نوش کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: چمڑے کے مشکیزوں میں جنکے منہ رسی سے باندھے جاتے ہیں، انہوں نے کہا، یارسول اللہ! ہمارے علاقے میں چوہے بکثرت پائے جاتے ہیں، وہ چمڑے کے مشکیزے کھا جاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: خواہ انکو چوہے کھا جائیں، دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ جب یہ وفد عبدالقیس بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے جمال باکمال کو دیکھ کر سواریوں سے اتر پڑے اور آپ ﷺ کے دست اقدس اور پائے انور کو بوسہ دے کر فرط محبت کا اظہار کیا، حضور اکرم ﷺ نے انکے اس جذبۂ شوق کو برقرار رکھا، انکے سردار نے تو اس ملاقات کے لیے خصوصی اہتمام کیا، اس نے غسل کر کے عمدہ کپڑے پہنے اور حلم و وقار کے ساتھ مسجد نبوی میں آیا، دوگانہ پڑھی، دعا مانگی اور پھر مجلس رسالت میں حاضر ہوا، حضور اکرم ﷺ نے اسکی تعریف فرمائی کہ بلاشبہ دو خوبیاں تم میں ایسی ہیں جو خدا تعالیٰ کو محبوب ہیں، حلم اور وقار، ﴿ایضاً﴾

روایات میں آتا ہے کہ اس وفد کا سردار اشج العصری کچھ زیادہ خوبصورت نہیں تھا، حضور اکرم ﷺ نے تعجب فرمایا کہ آخر قوم نے اسکو سردار کیسے قبول کرلیا، ان لوگوں نے تعجب کا مفہوم سمجھتے ہوئے عرض کی، یارسول اللہ! انسان کی جلد پانی نہیں پیتی اصل چیز تو دل اور زبان ہے، آپ ﷺ نے اسکو قریب آنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم بیعت کرو اور اپنی قوم کے ایمان کی ضمانت دو، اس نے کہا، میں اپنی ذات پر بیعت کرتا ہوں کیونکہ ان لوگوں کو دین سے پھیرنا مشکل ہے، بہرحال آپ کسی آدمی کو ہمارے ساتھ بھیجیں کہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دے، پھر جو کوئی اطاعت کرے گا تو ہمارے ساتھ ہوگا اور جو انحراف کرے گا ہم اس کے ساتھ جنگ کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا، تم میں دو خصلتیں حلم اور وقار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، اس نے کہا، یارسول اللہ! یہ دونوں خصلتیں مجھ میں پیدائشی طور پر پائی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے اندر اپنی پسندیدہ خوبی پیدا فرمائی، یہ وفد مدینہ طیبہ میں دس دن رہا اور قرآن اور احکام شریعت کو سیکھتا رہا، رسول اللہ ﷺ نے سب آدمیوں کو خصوصی تحائف عطا فرمائے اور جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، بنو عبدالقیس کا وفد دو مرتبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، پہلی مرتبہ ۵ ہجری میں اور دوسری مرتبہ ۸ ہجری میں یا دوسری روایات کے مطابق عام الوفود ۹ ہجری میں حاضر ہوا، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

……﴿7﴾……

سال ہشتم میں جب رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے چار سو مسلمانوں کی ایک جماعت تیار کر کے حکم دیا کہ وہ یمن میں قبیلہ صدا کے علاقے پر چڑھائی کریں، ابھی یہ جماعت وادی قناۃ کے سرے پر خیمہ زن تھی کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کو علم ہوگیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پیچھے بھی کچھ لوگ آرہے ہیں، میں انکا نمائندہ بن کر حاضر ہوا ہوں، آپ اس جماعت کو واپس بلالیں میں اپنی قوم کا ضامن ہوں، رسول اللہ ﷺ نے انکی درخواست پر جماعت واپس بلالی، بعد ازاں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں پہنچے اور تحریک دلا کر پندرہ آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیار

کہ، انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضری دی اور اسلام قبول کیا، اسطرح سارے قبیلے میں اسلام پھیل گیا، حجۃ الوداع کے موقعہ پر انکے ایک سو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

﴿8﴾

کعب بن زہیر ایک شاعر خاندان کا چشم و چراغ تھا اور خود بھی شعر و ادب میں ایک خاص مقام کا حامل تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف بہت سے ہجو یہ اشعار کہے اور کفار عرب میں انکو مشہور کر کے خوب داد وصول کی، اس کا نام بھی ان مجرموں کی فہرست میں شامل تھا جن کو خانہ کعبہ میں بھی قتل کر دینے کا حکم تھا، فتح مکہ کے موقعہ پر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، جب رسول اللہ ﷺ طائف سے عازم مدینہ ہوئے تو اسکے بھائی بجیر بن زہیر نے اسکو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے کئی گستاخ افراد کو کیفر کردار تک پہنچا دیا ہے اور کئی شر پسند عناصر راہ فرار اختیار کر گئے ہیں، اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو فوراً بارگاہ رسالت میں آ جاؤ، جو شخص صدق دل سے توبہ کرتا ہے رسول اللہ ﷺ اسکو جان کی امان عطا فرما دیتے ہیں، اگر یہ بات منظور نہیں تو جہاں جان کی امان ملتی ہے بھاگ جاؤ، اس کے بعد دونوں بھائیوں کے درمیان مزید خط و کتابت ہوئی جسکے نتیجے میں کعب بن زہیر کو زمین تنگ محسوس ہونے لگی، اس نے مدینہ منورہ پہنچنے میں ہی عافیت جانی، چنانچہ وہ وہاں پہنچا اور بنو جہینہ کے ایک آدمی کے ہاں مہمان ٹھہرا، پھر اسی کے ساتھ نماز فجر ادا کی اور اسکے اشارے پر اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے دست مبارک میں ہاتھ دے دیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور آپ سے امن و امان کا خواستگار بن کر آئے اور میں اسے آپکی خدمت میں حاضر کروں تو کیا آپ اس کا اسلام قبول فرما لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس نے فوراً کہا، یا رسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں، یہ سن کر ایک انصاری صحابی نے جلدی سے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو، یہ آدمی توبہ کر کے آیا ہے، اس موقعہ پر حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے اپنا انتہائی جاندار اور شاندار قصیدہ بیان کیا جسکا ایک ایک شعر، شعر و ادب کی دنیا میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے:

نبت ان رسول اللہ او عدنی والعفو عند رسول اللہ مامول

مهلاً هداک الذی اعطاک نافلة القرآن فیها مواعیظ و تفصیل

لا تأخذن باقوال الوشاة ولم أذنب ولو کثرت فی الا قاویل

لقد أقوم مقاماً لو یقوم به اری وأسمع مالو یسمع الفیل

لظل یرعد الا أن یکون له من الرسول باذن اللہ تنویل

حتی وضعت یمینی ما أنازعه فی کف ذی نقمات قیله القیل

فلهو أخوف عندی اذا کلمه وقیل انک منسوب و مسئول

من ضیغم بضراء الارض مخدره فی بسطن عثر غیل د ونه غیل

ان الرسول لنور یستضاء به مهند من سیوف اللہ مسلول

مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی ہے حالانکہ آپ سے تو درگزر کی توقع ہی کی جاتی ہے، آپ چغل خوروں کی بات نہ سنیں، آپ اس ذات سے راہنمائی لیں جس نے آپ کو نصیحت اور تفصیل سے بھرپور قرآن پاک عطا فرمایا ہے، میرے بارے میں بہت سی گفتگو کی گئی ہے لیکن میں نے کوئی جرم نہیں کیا، میں ایسی جگہ کھڑا ہوں اور وہ باتیں سن رہا ہوں کہ اگر ہاتھی بھی وہاں کھڑا ہو کر وہ باتیں سنے تو تھر تھرا کر رہ جائے، سوائے اسکے کہ اس پر اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی نگاہ عنایت ہو، میں نے اپنا ہاتھ اس عظیم شخصیت کے ہاتھ میں رکھ دیا ہے جسے انتقام پر پوری قدرت ہے، مجھ سے کہا گیا ہے کہ فلاں باتیں تمہاری طرف منسوب ہیں اور تم سے باز پرس کی جائے گی، میرے نزدیک وہ اس شیر سے بھی زیادہ خوفناک ہوتے ہیں جسکی جائے قرار ایک ہلاکت خیز وادی میں واقع ہو، یقیناً رسول اللہ ﷺ تو ایک نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک چمکدار ہندی تلوار ہیں۔

روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ اسکے شعر غور سے سنو اور پھر اسے اپنی چادر مبارک بطور انعام عطا فرمائی، وہی چادر بنو عباس کے خلفا اپنی

تاج پوشی کے وقت اوڑھا کرتے تھے، ﴿تفسیر ابن کثیر:۱۳/۲۰۷﴾ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ عام الوفود ۹ ہجری کو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے بہر حال یہ مسلمہ امر ہے کہ انکی حاضری سفر طائف کے بعد اور غزوۂ تبوک سے پہلے کسی موقعہ پر ہوئی، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

﴿9﴾

جب رسول اللہ ﷺ نے بنو ثقیف کے شر پسندوں پر حملہ کیا تو صخر بن عیلہ احمسی اپنے سواروں کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد کے لیے آیا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی آپ ﷺ تشریف لے جا چکے تھے اور طائف فتح نہیں ہوا تھا، اس نے اپنے ساتھ وعدہ کیا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک بنو ثقیف رسول اللہ ﷺ کے اطاعت گزار نہیں بن جاتے، چنانچہ وہ کچھ عرصہ وہاں قیام پذیر رہا یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اطاعت گزار ہونے کا اعلان کر دیا، صخر بن عیلہ نے بارگاہ رسالت میں پیغام بھیجا کہ یا رسول اللہ! بنو ثقیف نے آپ کے اطاعت گزار بننے کا اعلان کر دیا ہے، وہ میرے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں اور میں انہیں لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور دس مرتبہ یہ دعا فرمائی، اے اللہ! احمس کے سواروں اور پیادوں کو برکت عطا فرما، پھر یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر برکات نبوی سے مالا مال ہوئے، ﴿حنین و طائف از ابو خلیل شوقی:۸۷﴾

باب دہم

سالِ نہم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکہ مکرمہ، حنین، اوطاس اور طائف کے قدرے طویل سفر سے واپسی پر سراپا نور ﷺ نے مدینہ منورہ میں بھی قدرے طویل قیام فرمایا اور اس دوران بہت سے اہم کام سرانجام دیئے، آپ ﷺ قبائل عرب کے وفود سے مذاکرات کرتے رہے، وصولی زکوٰۃ کے لیے عمال مقرر فرماتے، داعیان حق کو مختلف علاقوں میں بھیجتے اور عرب کے مختلف علاقوں میں سر اٹھانے والی شرپسند قوتوں کو سرنگوں کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تیز رفتار سریات روانہ کرتے رہے، سال نہم میں اور بھی بہت سے واقعات کا ظہور ہوا، جنکا تفصیلی تذکرہ اس باب میں رقم کیا جائے گا۔

تحصیلدارانِ زکوٰۃ کا تقرر:

سال نہم کا ہلال محرم طلوع ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے قبائل عرب کے پاس زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لیے تحصیلداروں کو روانہ فرمایا، مثلاً عیینہ بن حصن کو بنو تمیم کے پاس، یزید بن حصین کو بنو اسلم اور بنو غفار کے پاس، عباد بن بشیر کو بنو سلیم اور بنو مزینہ کے پاس، رافع بن مکیث کو بنو جہینہ کے پاس، عمرو بن العاص کو بنو فزارہ کے پاس، ضحاک بن سفیان کو بنو کلاب کے پاس، بشیر بن سفیان کو بنو کعب کے پاس، ابن اللتبیہ ازدی کو بنو ذبیان کے پاس، مہاجر بن ابی امیہ کو شہر صنعا کی جانب، زیاد بن امیہ کو علاقہ حضر موت کی جانب، عدی بن حاتم کو بنو طی اور بنو اسد کے پاس، مالک بن نویرہ کو بنو حنظلہ کے پاس، زبرقان بن بدر کو بنو سعد کی ایک شاخ کے پاس، قیس بن عاصم کو بنو سعد کی دوسری شاخ کے پاس، علا بن الحضرمی کو علاقہ بحرین کی جانب اور حضرت علی بن ابی طالب کو علاقہ نجران کی جانب ارسال فرمایا، یاد رہے کہ یہ سارے عمال کرام محرم ۹ ہجری ہی میں روانہ نہیں کیے گئے بلکہ بعض کی روانگی خاصی تاخیر سے اس وقت عمل میں آئی جب متعلقہ قبیلے نے اسلام قبول کر لیا، البتہ اس روانگی کا آغاز محرم ۹ ہجری میں ہوا، عمال زکوٰۃ کے اس تقرر اور اہتمام سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے اندھیروں میں نور اسلام کی کرنیں کس سرعت اور کیسی وسعت کے ساتھ پھیلتی جا رہی تھیں اور سلطنت مدینہ کا

کنڑول کس شان جلال کے ساتھ ظاہر ہو رہا تھا۔

مختلف سریات صحابہ کا تذکرہ:

رسول اللہ ﷺ نے جسطرح قبائل عرب کی طرف عمال زکوٰۃ کو ارسال کیا اس طرح مختلف علاقوں میں امن و امان کے قیام کے لیے اور سلطنت مدینہ کے رسوخ و نفوذ کے لیے مختلف سریات صحابہ کا بھی انتظام فرمایا، انکا ذکر خیر مندرجہ ذیل سطور میں بیان کیا جاتا ہے۔

……﴿1﴾……

حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت بشیر یا بشر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ کو بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو کعب کی طرف زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا، بنو کعب ذات الاشطاط نامی چشمے کے نزدیک قیام پذیر تھے، بنو تمیم بھی انکے پاس ہی فروکش تھے، جب حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بنو کعب سے زکوٰۃ و صدقات وصول کر لیے تو بنو تمیم نے کہا کہ ہم اتنا زیادہ مال مدینہ منورہ نہیں پہنچنے دیں گے، بنو کعب نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے، حضرت بشر رضی اللہ عنہ خاموشی سے نکلے اور رسول اللہ ﷺ کو حالات سے آگاہ کیا، آپ ﷺ نے عینیہ بن حصن فزاری کو پچاس آدمیوں کے ساتھ بنو تمیم کی گوشمالی کے لیے بھیجا، ان میں کوئی مہاجر اور انصاری موجود نہیں تھا، عینیہ بن حصن نے رات کو سفر کیا اور دن کو چھپ کر آرام کیا، جب یہ لشکر اسلام بنو تمیم کے سر پر پہنچ گیا تو وہ انہیں دیکھ کر سارا مال و منال چھوڑ کر بھاگ گئے، اہل اسلام نے انکے گیارہ مردوں، اکیس عورتوں اور تیس بچوں کو قیدی بنایا اور مدینہ منورہ آ گئے، ان قیدیوں کو حضرت رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے مکان میں نظر بند کیا گیا، کچھ دنوں کے بعد بنو تمیم کے نامور سردار قیس بن عامر، عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر اور اقرع بن حابس بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، قیدی عورتوں اور بچوں نے اپنے سرداروں کو دیکھا تو خوب شور مچایا اور آہ و فغاں کی، بنو تمیم کے سردار بسرعت تمام کاشانہ نبوت کے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارنے لگے، اے محمد! باہر نکلیے، ہم آپ کے ساتھ خطابت اور شاعری میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، ہم جسکی تعریف کرتے ہیں وہ معزز ہو جاتا ہے اور جسکی ہجو کرتے ہیں وہ ذلیل ہو جاتا ہے، انکا یہ انداز تخاطب اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تو انکی تردید کے لیے سورۃ الحجرات کی یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

⊙...... ان الذین ینادونک من ورآء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ○ ولو
انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیر الھم واللہ غفور رحیم○
اے محبوب! بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں
سے اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر آ جاتے تو یہ
ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت بڑا مہربان
ہے۔ ﴿سورۃ الحجرات: ۴، ۵﴾

رسول اللہ ﷺ انکی آوازیں سن کر باہر تشریف لائے تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے اور گفتگو کرنے لگے، آپ ﷺ نے صبر وتحمل سے کام لیا اور نماز ظہر ادا فرمائی، بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی تعریف اور ہجو پر عزت وذلت کا دارومدار نہیں بلکہ اللہ کی تعریف کسی کو عزت عطا کرتی ہے اور اسی کی مذمت کسی کو ذلت سے دوچار کرتی ہے، پھر انہوں نے اپنے خطیب عطارد بن حاجب کو پیش کیا، جس نے اپنی قوم کے فضائل و مناقب بیان کیے، رسول اللہ ﷺ نے اسکے جواب میں خطیب الاسلام حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو خطاب کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے بنوتمیم کے دانت کھٹے کر دیئے، بنوتمیم نے شعروسخن کے لیے زبرقان کو اٹھایا، اس نے اپنی قوم کی شان میں قصیدہ پیش کیا:

ہم بزرگ و برتر قبیلے کے افراد ہیں، ہم سردار ہیں، غنیمت کا چوتھائی حصہ
ہمارے اندر تقسیم کیا جاتا ہے، کسی کو ہمارے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اسکے جواب کے لیے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے بھی فی البدیہہ اشعار سے اسکا منہ بند کر دیا، انہوں نے کہا:

ہم رسول اللہ ﷺ اور انکے دین کے مددگار ہیں، ہم نے دور ونزدیک کے
تمام سرکشوں اور شر پسندوں کو پیوند خاک بنا دیا ہے، ہمارے زندہ لوگ سب زندہ
لوگوں سے افضل ہیں اور ہمارے فوت شدہ سب فوت شدہ لوگوں سے بہتر ہیں۔

بنوتمیم کے سردار اقرع بن حابس نے فیصلہ کیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ واقعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں کیونکہ انکا خطیب ہمارے خطیب اور انکا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے اور انکی آوازیں ہماری آوازوں سے کہیں زیادہ شریں ہیں، پھر اس سارے

وفد نے اسلام قبول کر لیا، حضور رحمت دو عالم ﷺ نے قیس بن عامر کی دلجوئی کے لیے فرمایا کہ وہ تمام خیموں میں گزارا کرنے والے قبیلوں کا سردار ہے، پھر انکے تمام قیدیوں کو فدیے کے بغیر ہی آزاد فرما دیا، ﴿سیرت دحلان: ۳۳۱/۲﴾

……﴿2﴾……

حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بیس غازیان اسلام کے ساتھ بنو خثعم کے شر پسندوں کی طرف روانہ کیا جو مقام تبالہ میں فروکش تھے، اہل اسلام کے پاس دس اونٹ تھے، جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے، انہوں نے بنو خثعم پر حملہ کیا تو بہت شدید جنگ ہوئی، دونوں گروہوں کے بہت سے آدمی زخمی ہوئے، حضرت قطبہ رضی اللہ عنہ نے انکے بہت سے آدمی قتل کیے اور آخر میں خود بھی شہید ہو گئے، مسلمان بہت سے اونٹ، بکریاں اور عورتیں بطور غنیمت لے کر مدینہ منورہ کی طرف چلے آئے، بنو خثعم کی ایک جماعت نے انکا تعاقب کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب عظیم بھیج دیا جو انکے اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو گیا، مسلمان نکل آئے جبکہ بنو خثعم کی وہ جماعت دیکھتی رہ گئی، یہ سریہ صفر ۹ ہجری میں روانہ کیا گیا تھا۔

……﴿3﴾……

حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بنو کلاب کی طرف روانہ فرمایا، حضرت اصید بن سلمہ رضی اللہ عنہ بھی انکے ہمراہ تھے، اہل اسلام مقام زخوخ پر ان سے ملے اور انکو دعوت اسلام دی، جسے انہوں نے ٹھکرا دیا، پھر دونوں گروہوں کے درمیان شدید جنگ ہوئی، اس دوران حضرت اصید رضی اللہ عنہ کی اپنے باپ سلمہ سے ملاقات ہوئی، جو ایک تالاب کے کنارے اپنے گھوڑے پر سوار تھا، انہوں نے اپنے باپ کو دعوت اسلام دی جسے اس نے ٹھکرا دیا بلکہ دین اسلام کو بہت سخت توہین کا نشانہ بنایا، حضرت اصید رضی اللہ عنہ نے تلوار مار کر اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں، جب گھوڑا گر پڑا تو سلمہ اپنے نیزے کے سہارے پانی میں کھڑا رہا حتیٰ کہ ایک مسلمان نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے مقابلے میں کسی رشتے کی پرواہ نہیں کی، یہ سریہ ربیع الاول ۹ ہجری کو روانہ کیا گیا تھا۔

﴿4﴾

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ کچھ حبشی فوجی سرحد پر غیر آئینی نقل و حرکت میں مصروف ہیں اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے حضرت علقمہ مدلجی رضی اللہ عنہ کو تین سو غازیان اسلام کے ساتھ روانہ فرمایا تا کہ انکی گوشمالی اور سرکوبی کا فریضہ سرانجام دیا جائے، وہ سمندر عبور کر کے ایک جزیرے میں پہنچے تو انکی آمد کی خبر سن کر حبشیوں نے راہ فرار اختیار کر لی، یہ سریہ ربیع الآخر ۹ ہجری جبکہ بروایت حاکم صفر المظفر ۹ ہجری میں روانہ کیا گیا۔

﴿5﴾

سال نہم میں حضور پیغمبر نور ﷺ نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو بنوطی کا فلس نامی بت مسمار کرنے کے لئے ایک سو پچاس مجاہدین اسلام کے ساتھ روانہ کیا، یہ لوگ ایک سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں پر سوار تھے، حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بڑا سیاہ اور ایک چھوٹا سفید پرچم موجود تھا، انہوں نے صبح کے وقت بنوطی پر حملہ کیا اور انکا بت مسمار کر دیا جبکہ جی بھر کر قیدیوں، اونٹوں اور بکریوں کو لے کر واپس ہوئے، ان قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی اور عدی بن حاتم کی بہن بھی شامل تھی، عدی بن حاتم بھاگ کر ملک شام چلا گیا، مسلمانوں کو اس کے خزانے سے تین تلواریں اور تین زرہیں دستیاب ہوئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیدیوں پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو اور جانوروں اور سونے چاندی کے مالوں پر حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر فرمایا، مال غنیمت راستے میں ہی تقسیم کیا گیا، رسول اللہ ﷺ کا حصہ صفی الگ کیا اور آل حاتم کو تقسیم کیے بغیر مدینہ منورہ لے آئے، عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ جب میں نے حضور اکرم ﷺ کے متعلق سنا تو عرب کا کوئی آدمی مجھ سے زیادہ آپ ﷺ کو ناپسند کرنے والا نہیں ہوگا، میں اپنے قبیلے کا سردار اور عیسائی مذہب کا پیروکار تھا اور اپنی قوم کے ہر شخص سے اسکی کمائی کا چوتھا حصہ وصول کرتا تھا، میں نے اپنے عربی غلام کو حکم دیا کہ میرے اونٹوں میں سے کچھ تیز رفتار اونٹ ہر وقت تیار رکھو اور جب سنو کہ حضرت محمد ﷺ کا لشکر میرے علاقے میں داخل ہو گیا ہے تو مجھے فوراً اطلاع دو، چنانچہ اس نے میری ہدایت پر عمل کیا، جب مجھے معلوم ہوا کہ ان کا لشکر

میرے علاقے پر حملہ آور ہو گیا ہے تو میں نے اپنے بال بچوں کو ان اونٹوں پر سوار کیا اور ملک شام میں پناہ لی، رسول اللہ ﷺ کو میرے اس فرار کی خبر ہو گئی تو آپ میری بہن کے پاس آئے، اس نے کہا، یارسول اللہ! میرا باپ حاتم مر چکا ہے اور بھائی دوسرے ملک چلا گیا ہے، میں عمر رسیدہ ہوں، کسی کی خدمت کے قابل نہیں ہوں لہذا آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا، آپ تین دن تشریف لاتے رہے اور میری بہن سے یہی گفتگو ہوتی رہی، آخر آپ نے فرمایا، تمہاری درخواست قبول ہے، کوئی باوثوق آدمی ملے گا تو تمہیں تمہاری قوم میں پہنچادیا جائیگا، وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر گئی حتیٰ کہ بنوطی یا بنو قضاعہ کا قافلہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کپڑے اور اونٹ کی سواری اور کچھ نقدی عطا فرما کر اس قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا، میری بہن ملک شام میں میرے پاس پہنچ گئی، اس نے کہا، حضور اکرم ﷺ نے میرے ساتھ وہ حسن سلوک فرمایا ہے جو تمہارا باپ حاتم بھی نہیں کر سکتا، تم بھی انکی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤ، فلاں فلاں آدمی بھی انکے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے انعام سے سرفراز فرمایا، اپنی بہن کے اصرار پر میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا، آپ ﷺ مسجد نبوی شریف میں جلوہ افروز تھے، لوگوں نے مجھے دیکھ کر کہا، عدی بن حاتم بھی آ گیا ہے، میرے پاس کسی کا امان نامہ نہیں تھا، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اس سے پہلے ہی آپ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ مجھے امید ہے، ایک دن اللہ اسکا ہاتھ میرے ہاتھ میں پکڑا دے گا، پھر آپ مجھے لے کر اپنے کاشانہ نبوت کی طرف چلے، راستے میں ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ آپ ﷺ سے ملی اور کہنے لگی کہ ہمیں آپ سے یہ کام ہے، آپ ﷺ وہیں کھڑے ہو گئے اور اسکا کام پورا کیا، میرے دل نے گواہی دی کہ خدا کی قسم یہ کوئی بادشاہ نہیں ہے، آپ ﷺ مجھے اپنے کاشانہ نبوت میں لے آئے، ایک کنیز نے آپ ﷺ کے لیے گدا بچھایا اور آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے چھلکوں سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک گدا مجھے عطا فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ، چنانچہ میں گدے پر اور رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے، میرے دل نے پھر گواہی دی کہ خدا کی قسم یہ کسی بادشاہ کا کام نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: عدی بن حاتم! کیا تم سردار

نہیں تھے، میں نے کہا، کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی قوم سے اسکی آمدنی کا چوتھا حصہ وصول نہیں کرتے تھے، میں نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے مذہب میں تو یہ جائز نہیں، میں نے کہا، اللہ کی قسم آپ درست فرماتے ہیں، میں نے معلوم کیا کہ آپ اللہ کے نبی برحق ہیں اور وہ باتیں جانتے ہیں جن سے دوسرے آشنا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: عدی بن حاتم! تم شاید اس لیے دین اسلام کو قبول نہیں کر رہے کہ اس کے پیروکار غریب اور محتاج ہیں، اللہ کی قسم عنقریب وہ اتنے مالدار ہوں گے کہ ان میں سے کوئی بھی مال لینے والا نہیں رہے گا، شاید تم اس لیے دین اسلام کو قبول نہیں کر رہے کہ اسکے پیروکار تھوڑے ہیں، اللہ کی قسم، عنقریب وہ وقت آئے گا کہ ایک عورت تنہا قادسیہ ﴿یا حضر موت﴾ سے سواری پر سوار ہو کر نکلے گی اور بیت اللہ شریف کا حج کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا، شاید تم اس لیے دین اسلام کو قبول نہیں کر رہے کہ حکومت اور سلطنت اس کے دشمنوں کے پاس ہے، اللہ کی قسم بہت جلد بابل کے سفید محل فتح ہو کر اہل اسلام کے قبضے میں ہوں گے، میں نے آپ ﷺ کی یہ پر اثر گفتگو سن کر اسلام قبول کر لیا، انہی سے روایت ہے کہ دو باتیں تو پوری ہو چکی ہیں، بابل کے سفید محل بھی فتح ہو چکے ہیں اور تنہا عورت کو بھی حج کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے جبکہ تیسری بات بھی ضرور پوری ہو گی، مال اتنا زیادہ ہوگا کہ اسے لینے والا کوئی نظر نہ آئے گا۔ ﴿سیرت ابن اسحاق﴾

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بتاؤ اس عقیدے میں تمہارا کیا نقصان ہے، کیا تمہارے علم میں اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہے، میں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ اکبر کہنے سے کیوں ڈرتے ہو، کیا تمہارے علم میں اللہ سے بھی بڑا کوئی ہے، میں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہودی اللہ تعالیٰ کے مغضوب ہیں اور عیسائی گمراہ ہیں، میں نے عرض کیا، میں ان دونوں گروہوں سے الگ ہو کر مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہوں، میرا یہ اعلان سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے کھل اٹھا، آپ ﷺ نے مجھے ایک انصاری کے گھر رہنے کا حکم دیا، میں ہر روز دو وقت آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتا تھا، ایک دن ایک آدمی کو دیکھا جو انتہائی مفلوک الحال تھا، رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر اسکی امداد کے لیے ترغیب

دلائی کہ لوگو جسکے پاس جو کچھ بچا ہوا ہے وہ صدقہ کرے، ایک صاع یا نصف صاع، ایک مشت یا نصف مشت کھجوریں ہوں تو وہ بھی صدقہ کرے، آدھی کھجور تک دے کر بھی اپنی جان جہنم کی آگ سے بچالو، آخر تم نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے، اگر دینے کے لیے کچھ نہیں تو اچھی بات ہی کہو، مجھے تم پر فقر و فاقہ کا کوئی خوف نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری امداد فرمائے گا، ایک عورت مدینہ اور حیرہ کے درمیان اکیلی سفر کرے گی مگر اسے اپنی اونٹنی چوری ہونے سے زیادہ اور کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت بنوطی کے چور اور ڈاکو کہاں جائیں گے، اس روایت کو امام احمد اور امام ترمذی نے ذرا تغیر الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، ﴿ملخصاً مختصر سیرۃ الرسول: ۶۲۰﴾

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور تم کسریٰ کے خزانے فتح کروگے اور تم دیکھو گے کہ آدمی چلو بھر کر سونا یا چاندی نکالے گا اور کسی ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرلے لیکن کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ملے گا، حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی دو باتیں تو پوری ہوگئیں اور اگر تم لوگوں کی زندگی دراز ہوئی تو تم تیسری چیز بھی پوری ہوتی دیکھ لوگے جو حضرت ابوالقاسم ﷺ نے فرمائی تھی، ﴿صحیح بخاری شریف﴾

......﴿6﴾......

سال نہم میں حضور پیغمبر نور ﷺ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنوخزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق کی طرف زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا، بنومصطلق پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور انہوں نے بہت سی مسجدیں تعمیر کر رکھی تھیں، ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان دور جاہلیت سے کوئی رنجش چلی آ رہی تھی، جب انکو معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ انکے پاس آ رہے ہیں تو انہوں نے اپنے بیس آدمی اونٹ اور بھیڑ بکریاں دے کر انکے استقبال کے لیے بھیجے، مگر وہ سمجھے کہ وہ لوگ انہیں قتل کرنے آ رہے ہیں، چنانچہ وہ ان سے ملے بغیر ہی مدینہ منورہ آگئے اور اپنے اس گمان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنومصطلق کی طرف بھیجا تاکہ وہ حالات

کی تحقیق کریں، اگر وہ مسلمان ہوں تو ان سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرلیں ورنہ ان کے ساتھ وہی سلوک کریں جو مشرکین کے ساتھ کیا جاتا ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خفیہ طور پر انکے پاس پہنچے اور مغرب اور عشا کی اذانیں سنیں، ان میں کسی قسم کی شر پسندی اور سرکشی کی کوئی نشانی نظر نہ آئی تو انہوں نے زکوٰۃ وصدقات وصول کرکے واپسی کی راہ لی اور سارا معاملہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بیان کر دیا، اسی واقعہ کے پیش نظر سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اسکی اچھی طرح تحقیق کرلو تاکہ کہیں تم کسی قوم کو لاعلمی میں نقصان نہ پہنچا بیٹھو پھر تم اپنے اس عمل پر پشیمان ہونے لگو، ﴿تاریخ الخمیس: ۲/۱۱۹﴾

ازواج مطہرات سے علیحدگی کا واقعہ:

مدینہ منورہ پر رومی فوجوں کے حملے کے خطرات منڈلا رہے تھے، اس دوران ایک بہت اہم واقعہ رونما ہوا اور وہ تھا رسول اللہ ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی کا واقعہ، اسکو واقعہ ایلا بھی کہا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایلا کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا، اگر اس نے چار ماہ تک مقاربت نہ کی اور اپنی قسم پوری کر دی تو مدت پوری ہونے کے بعد اسکی عورت پر طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور اس مدت کے دوران اس نے مقاربت کرلی تو اسکی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر صرف قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور بیوی پر طلاق نہیں ہوگی، اگر اس نے چار ماہ سے کم، مثلاً تین ماہ تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو یہ صرف قسم ہے ایلا نہیں ہے، اگر قسم توڑ دی تو کفارہ لازم ہوگا اور اگر قسم پوری کی تو کچھ نہیں ہوگا، نہ کفارہ لازم ہوگا اور نہ بیوی پر طلاق پڑے گی اور اگر چار ماہ سے زائد مثلاً پانچ ماہ مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تو یہ پھر بھی ایلا ہے، ﴿درمختار: ۲/۵۱۷، شرح مسلم سعیدی: ۳/۱۰۷۳﴾ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایلا میں یہ شرط ہے کہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائے، اگر چار ماہ کی قسم کھائی تو یہ صرف قسم ہے ایلا نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک ازواج سے الگ رہنے کی قسم کھائی تھی اس لیے یہ ایلا نہیں تھا، اس علیحدگی کا واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم قریش کے لوگ عورتوں پر حاوی رہتے تھے، ہم مدینہ منورہ آئے تو دیکھا کہ ان لوگوں پر انکی عورتیں حاوی ہیں، ہماری عورتوں نے بھی دیکھا دیکھی ان عورتوں کی نقل کرنا شروع کر دی، میرا گھر مدینہ منورہ کے بالائی علاقے بنوامیہ بن زید میں تھا، ایک دن میں اپنی بیوی سے ناراض ہوا تو اس نے آگے سے جواب دیا، مجھے بہت حیرت ہوئی، اس نے کہا، تمہیں میرے جواب پر تو حیرت ہے، اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کی ازواج بھی آپ ﷺ کو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک صبح سے رات تک آپ ﷺ کو چھوڑے رکھتی ہے، میں سیدہ حفصہ ﴿بنت عمر رضی اللہ عنہا﴾ کے پاس آیا اور پوچھا، کیا تم بھی رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو، اس نے کہا، ہاں، میں نے کہا، کیا تم میں سے کوئی ایک رسول اللہ ﷺ کو صبح سے رات تک چھوڑے رکھتی ہے، اس نے کہا، ہاں، میں نے کہا، جس نے بھی یہ کام کیا وہ نامراد ہو گئی، کیا تم میں سے کسی کو اللہ کے غضب اور رسول اللہ ﷺ کے غضب کا خوف نہیں، کہیں وہ ناگہانی ہلاک نہ ہو جائے، تم آپ ﷺ کو جواب نہ دیا کرو اور نہ آپ ﷺ سے کسی چیز کا مطالبہ کیا کرو، کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لیا کرو اور ہاں تم اپنی اس سوکن ﴿حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا﴾ کے حال سے دھوکا نہ کھانا وہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہے، میرا ایک انصاری دوست تھا، ہم باری باری بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تھے، ہم یہ باتیں کرتے تھے کہ غسان کا بادشاہ ہم پر حملے کی تیاری کر رہا ہے، ایک رات میرا دوست آیا اور دروازے پر دستک دے کر آواز دی کہ بہت بڑا حادثہ ہو گیا، میں نے کہا، کیا بنوغسان نے حملہ کر دیا ہے، اس نے کہا، نہیں اس سے بھی بڑا حادثہ ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے، میں نے کہا، حفصہ ناکام اور نامراد ہو گئی، میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے کپڑے لے کر روانہ ہوا اور حفصہ کے پاس پہنچا، وہ اس وقت رو رہی تھی، میں نے پوچھا، کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے، اس نے کہا، مجھے معلوم نہیں، آپ الگ ہو کر اس بالا خانے میں تشریف فرما ہیں، میں نے آپ کے حبشی غلام ﴿رباح﴾ سے جا کر کہا کہ میرے لیے اجازت طلب کرو، وہ اندر گیا اور واپس آ کر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ تمہارا ذکر سن کر

خاموش رہے ہیں، میں چل پڑا اور منبر رسول تک پہنچا، وہاں بھی کچھ لوگ بیٹھ کر رو رہے تھے، میں پھر اس غلام کے پاس گیا اور پہلے والا معاملہ ہوا، میں واپس جانے لگا تو ناگاہ غلام نے مجھے آواز دی کہ اندر جاؤ تمہیں اجازت مل گئی ہے، میں اندر گیا اور سلام عرض کیا، رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے جسکی وجہ سے آپ ﷺ کے پہلو میں نشان پڑ گئے تھے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، آپ ﷺ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: نہیں، میں نے کہا، اللہ اکبر، یارسول اللہ! دیکھئے ہم قریشی لوگ عورتوں پر حاوی رہتے تھے، جب مدینہ منورہ آئے تو دیکھا کہ یہاں عورتیں مردوں پر حاوی رہتی ہیں، ہماری عورتوں نے بھی ان عورتوں کی نقل کرنا شروع کر دی ہے، پھر میں نے اپنی بیوی کا واقعہ سنایا تو رسول اللہ ﷺ تبسم فرمانے لگے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں حفصہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم اپنی سوکن کے حال سے دھوکا نہ کھانا، وہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور تم سے زیادہ رسول اللہ کو محبوب ہے، آپ ﷺ پھر مسکرانے لگے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کا دل بہلانے کے لیے کچھ اور باتیں کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں بیٹھ گیا اور اس بالا خانے کا جائزہ لینا شروع کیا تو اللہ کی قسم میں نے وہاں کوئی ایسی چیز نہ دیکھی جس پر میری نظر ٹھہرتی، سوائے تین بغیر رنگی ہوئی کھالوں کے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ دعا کیجئے کہ آپ کی امت پر وسعت کی جائے، کیونکہ فارس اور روم کے لوگ بہت خوشحال ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے، آپ ﷺ یہ سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تمہیں کوئی شک ہے کہ یہ وہ اقوام ہیں جنکی اچھی چیزیں انہیں دنیا میں عطا کر دی گئی ہیں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے لیے استغفار کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات سے شدت رنج کی وجہ سے قسم کھائی تھی کہ آپ ایک ماہ تک انکے پاس نہیں جائیں گے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انکی طرف متوجہ کر دیا، ﴿صحیح مسلم کتاب الطلاق﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب انتیس راتیں گزر گئیں تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے ابتدا فرمائی، میں نے کہا، یارسول اللہ! آپ نے ایک مہینے کی قسم کھائی تھی، آپ انتیس روز کے بعد آ گئے، میں ایک ایک دن

گن رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے، اے عائشہ! میں تم سے ایک چیز کا ذکر کرنے لگا ہوں، اگر تم اس میں عجلت نہ کرو، تاوقت کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

اے نبی! اپنی ازواج سے کہہ دیجئے اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اسکا رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو بے شک اللہ نے تم نیکی والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے، اللہ کی قسم آپ بخوبی جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدا ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے، لہذا میں نے کہا، کیا میں اس بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں، میں اللہ اسکے رسول اور آخرت کا ارادہ کرتی ہوں، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، آپ دوسری ازواج کو یہ نہ بتائیں کہ میں نے آپ کو اختیار کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے مبلغ بنا کر بھیجا ہے، مشقت میں ڈالنے والا نہیں بنایا۔ ﴿صحیح مسلم کتاب الطلاق﴾

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر آئے اور لوگوں کو دیکھا کہ انہیں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملی، جبکہ انکو اجازت مل گئی، انکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت مل گئی، ان دونوں نے آپ ﷺ کو انتہائی غمگین دیکھ کر معاملہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جو میرے گرد بیٹھی ہوئی ہیں، یہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہیں جو موجود نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کاش کہ آپ ملاحظہ فرماتے کہ میری بیوی بنت خارجہ اگر مجھ سے نفقہ مانگتی تو میں اسکا گلا گھونٹ دیتا، حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، اسکے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گردن پر دو ہتھڑ مارا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن پر دو ہتھڑ مارا، رسول اللہ ﷺ اس عمل پر بھی مسکرائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ہم مکہ مکرمہ میں اپنی عورتوں پر غالب رہتے تھے، جبکہ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں پر غالب رہتی ہیں، چنانچہ ہماری عورتوں نے بھی ان عورتوں کی عادت پکڑ لی ہے، ﴿صحیح مسلم﴾

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہا کے نظریے پر دلیل ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اختیار دیا تو یہ طلاق نہیں ہے اور اس سے تفریق نہیں ہوگی، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت حسن اور حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نفس تخییر سے طلاق بائنہ ہو جاتی ہے، خواہ وہ زوج کو اختیار کرے یا نہ کرے، خطابی اور نقاش نے اس قول کو امام مالک سے نقل کیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ نقل صحیح نہیں ہے، یہ مذہب ان احادیث سے مردود ہے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں ان تک یہ احادیث نہیں پہنچیں، مرد اگر عورت کو نکاح میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دے اور وہ نکاح میں نہ رہنے کو اختیار کرے تو بالاتفاق بائن ہو جائے گی، ﴿شرح مسلم سعیدی: ۱۰۷۳/۳﴾

رسول اللہ ﷺ کی اس علیحدگی کا سبب یہ تھا کہ ازواج مطہرات نے آپ ﷺ سے دنیوی سامان طلب کیے اور نفقہ میں زیادتی کی درخواست کی تھی، آپ ﷺ کے ہاں تو کمال زہد پایا جاتا تھا، سامان دنیا کو جمع کرنا گوارا ہی نہ تھا اس لیے خاطر اقدس پر گراں گزرا، اس پر مذکورہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں ازواج مطہرات کو تخییر دی گئی، علیحدگی کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض ازواج مطہرات کے یہاں آپ ﷺ نے شہد نوش فرمایا تھا، جس پر دیگر ازواج نے رشک کیا اور وہ کہنے لگیں: یارسول اللہ ہم آپ کے دہن اقدس سے مغافیر ﴿ایک خاص قسم کی گوند﴾ کی بو محسوس کرتے ہیں، اس پر حضور اکرم ﷺ نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دے دیا، تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں موجود نہ تھیں، حضور اکرم ﷺ نے انکے گھر میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور خدمت لی، انکو اس پہ رشک آیا اور وہ رونے لگیں تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور انہیں منع فرمایا کہ کسی سے بات نہ کرنا مگر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات کر دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے نبی! آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر اسے کیوں حرام فرماتے ہیں جو آپ کے لیے اللہ نے حلال فرمایا، یہ بھی خاطر مبارک پر ملال کا سبب ہوا اور آپ ﷺ نے قسم یاد فرمائی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ان تمام اقوال کے جمع کے متعلق علمائے

کرام فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ تمام باتیں ﴿بمعنیٰ علیحدگی﴾ کا سبب بنی ہوں، انکوایسا فرض کر لینا چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ کو اس قسم کی ناگواریاں پہنچتی رہتی ہوں گی اور آپ ﷺ درگزر فرماتے رہتے ہوں گے یہاں تک کہ جب حد ہوگئی تو آپ ﷺ نے ایلا فرمایا لیکن احادیث کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی حضور اکرم ﷺ کو ملال پہنچتا تو آپ ایلا فرماتے گویا کہ ایلا متعدد بار واقع ہوا ہے لیکن ایسا لازم نہیں ہے اس لیے کہ ایلا کے معنی قسم کے ہیں اگر کوئی شخص کسی ایک ہی معاملہ میں متعدد قسمیں کھالے تو اس پر قسم توڑنے کا ایک ہی کفارہ لازم ہوگا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۵۶۸﴾ اس علیحدگی کے وقت حضور اکرم ﷺ کی نو بیویاں تھیں، پانچ قریشی تھیں، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت سودہ، چار غیر قریشی تھیں، حضرت زینب، حضرت میمونہ، حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن باقی تمام ازواج مطہرات نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب دے کر اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت کو پسند کرنے کا اعلان کر دیا اور دنیوی ساز و سامان کو ٹھکرا دیا، گویا ؎

فضل رب العلا اور کیا چاہیے
مل گئے مصطفیٰ اور کیا چاہیے

......⊙......

غزوۂ تبوک

فتح مکہ کے بعد عرب کے اندرونی حالات و واقعات کی رفتار مسلمانوں کے حق میں ہوگئی اور لوگ دین اسلام میں قافلوں کی صورت میں داخل ہونے لگے، ہر طرف اسلام تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، توحید و رسالت کے پھریرے بلند ہونے لگے اور شرک و کفر کے ڈیرے تباہ ہونے لگے لیکن ان حالات میں سلطنت اسلام کی طرف ایک بیرونی خطرہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا اور وہ خطرہ تھا رومیوں کی بہت بڑی عسکری طاقت کا، رومیوں کے ساتھ جنگ کی ابتدا اس وقت سے ہو چکی تھی جب شرحبیل بن عمرو غسانی نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا تھا اور انکے انتقام کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر ابرار کے ساتھ روانہ کیا تھا اور اس لشکر ابرار نے موتہ کے میدان میں رومیوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے، قیصر روم ان اثرات کو اور انکے نتیجے میں قبائل عرب کے اندر آزادی کے جذبات اور سلطنت روم کے خلاف ابھرنے والے خیالات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اسے یہ بھی خدشات لاحق تھے کہ رومیوں کے جو تجارتی قافلے شمال سے جنوب کی طرف سفر کرتے تھے وہ جزیرۂ عرب کے درمیان سے گزرتے تھے، مسلمان پورے عرب پر تسلط جما لینے کی صورت میں ان قافلوں کے لیے خطرے کا باعث بن سکتے تھے اور اسطرح رومی معیشت بحران کا شکار ہو سکتی تھی، رومی سلطنت کے پڑوس میں استحکام پکڑنے والا مذہب اسلام اس کے آبائی مذہب عیسائیت کا صفایا کر سکتا تھا، پھر رومیوں کی ایرانیوں سے دیرینہ دشمنی تھی، انہیں ہر وقت یہ خطرہ رہتا تھا کہ ایرانی انکے جنوب سے حملہ نہ کر دیں، اس لیے قیصر روم جزیرۂ عرب پر اپنی حکومت قائم کر کے جنوبی سرحد کو ایرانیوں سے محفوظ بنا لینا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ مسلمان ایک عظیم اور ناقابل شکست قوت بن کر رومیوں کے ساتھ ٹکرائیں اور صلیبی نظام کو پاش پاش کر دیں، انکو ختم کر دیا جائے، قیصر روم نے اہل اسلام کے خلاف جو اتنی بڑی جنگی تیاری شروع کی تو اسکی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے اسکو لکھا کہ جس شخص نے ہمارے ملک میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے، اسکے پیروکار بدترین قحط سالی کا شکار ہیں، لہذا اس ملک پر

قبضہ کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا، ﴿معجم طبرانی مختصر سیرۃ الرسول: ۶۲۲﴾ چنانچہ اس نے بھر پور کوشش کر کے رومی باشندوں اور اپنے ماتحت غسانی عربوں کو جمع کیا اور اہل اسلام کے ساتھ ایک خون ریز اور فیصلہ کن معرکے کی تیاری کی، ادھر رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں لگاتار خبریں پہنچ رہی تھیں اور مسلمان ہر اعتبار سے انکا مقابلہ کرنے کے لیے موقع کا انتظار کر رہے تھے، اسکا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے ایلا فرمایا اور انہیں چھوڑ کر ایک بالا خانہ میں علیحدہ ہو گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہلے تو یہی سمجھا کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے اور وہ اس صورتحال سے شدید پریشان ہو گئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا ایک انصاری دوست میری عدم موجودگی میں مجھے بارگاہ رسالت کی خبریں پہنچاتا تھا اور اسکی عدم موجودگی میں میں اسے خبریں پہنچاتا تھا، اس زمانے میں ہمیں شاہ غسان کا خطرہ تھا، ایک روز میرے انصاری دوست نے میرا دروازہ کھٹکا کر کہا، جلدی کرو دروازہ کھولو، میں نے کہا، کیا غسانی حملہ آور ہو گئے ہیں، اس نے کہا، نہیں بلکہ اس سے بھی بڑا واقعہ رونما ہو چکا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، ﴿صحیح بخاری: ۲/۷۳۰﴾

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام رومیوں اور غسانیوں کی طرف سے شدید خدشات کا شکار تھے، وہ ذرا بھی کوئی غیر مانوس آواز سنتے تو سمجھتے کہ شاید انکی فوجوں کا سیلاب امنڈ آیا ہے، سلطنت مدینہ کی اس اندرونی کیفیت کو دیکھ کر اسکے ازلی دشمن منافقین مدینہ بھی نت نئی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف کار تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے خاتمے کا وقت قریب آ چکا ہے، انہوں نے اپنے اسی تصور باطل کی وجہ سے ایک مسجد بھی تعمیر کی جس میں اہل ایمان کے خلاف تفرقہ بازی کے منصوبے تیار کرنے لگے، کچھ مورخین کا خیال ہے کہ منافقین مدینہ نے یہ مسجد رومیوں کی ایما پر تعمیر کی تھی جنکا ان کے ساتھ ابو عامر فاسق کے ذریعے رابطہ قائم تھا، طرفہ تماشا یہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وہاں نماز پڑھنے کی گزارش بھی کر دی تا کہ وہ ایمان والوں کو فریب میں مبتلا رکھیں کہ اس مسجد میں انکے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہیں آتی، اسطرح یہ مسجد منافقین مدینہ اور انکے بیرونی

مددگاروں کے لیے ایک پناہ گاہ کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں نماز کی ادائیگی کو موخر کر دیا کیونکہ آپ ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے، منافقین مدینہ اپنی اس دسیسہ کاری میں بھی ناکام ہو گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انکی منافقتوں کا پردہ ایک بار پھر چاک کر دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپس آکر اس مسجد میں نماز پڑھنے کی بجائے ہمیشہ کے لیے اسے نیست و نابود کر دیا، قرآن پاک میں اس مسجد کو "مسجد ضرار" کے نام سے یاد کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙...... والذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفرا و تفریقا بین المومنین و ارصاد المن حارب الله ورسوله من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ والله یشهد انهم لکذبون ○ اور جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اسکے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بے شک بہت جھوٹے ہیں۔ (سورۃ التوبہ: ۱۰۷)

صورتحال کی نزاکت:

ان اندرونی اور بیرونی حالات کے پیش نظر ایک دن اچانک مسلمانوں کو یہ خبر مل گئی کہ قیصر روم نے چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر جرار تیار کیا ہے اور اسکی قیادت اپنے ایک نامی گرامی جرنیل کو تفویض کی ہے، اسکے پرچم تلے بنو لخم اور بنو جذام، بنو عاملہ اور بنو غسان کے عیسائی قبیلے بھی اکٹھے ہو گئے ہیں اور انکا ہراول دستہ بلقا کے مقام پر پہنچ چکا ہے، اب مسلمانوں کے لیے اس بلائے عظیم کا مقابلہ کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا، شدید گرمی کا دور تھا، لوگ قحط سالی کی آزمائش سے گزر رہے تھے، سواریاں کم تھیں، پھل پکنے کا موسم تھا اور لوگ سائے کے متلاشی تھے، صورتحال کی اس نزاکت کے ساتھ ساتھ سفر بہت دشوار گزار تھا، مسافت بہت زیادہ تھی، گویا ہر اعتبار سے ایمان اور اسلام کا کڑا امتحان درپیش تھا، رسول اللہ ﷺ یہی سوچ رہے تھے کہ اگر اس وقت رومیوں اور غسانی عربیوں کے خلاف کوئی فیصلہ کن قدم نہ اٹھایا تو اسکے دعوت اسلام پر بہت برے اثرات مرتب ہوں گے، مسلمانوں کی عسکری ساکھ تباہ ہو جائے گی اور منافقین مدینہ اور ابو عامر فاسق جیسے فتنہ

پرور لوگ حالات سے فائدہ اٹھا کر نا قابل تلافی نقصان پہنچا دیں گے، غزوۂ حنین کی وجہ سے جو جاہلیت کی دیواریں زمین بوس ہوگئی تھیں وہ دوبارہ تعمیر ہونا شروع ہو جائیں گی اور جن لوگوں کے دل ابھی ایمان کے میدان میں متزلزل ہیں وہ دوبارہ کفر و شرک کی طرف مائل ہو جائیں گے اور اسطرح سرفروشان اسلام کی کئی سالوں پر محیط کامیاب کوششیں ضائع چلی جائیں گی، آپ ﷺ نے اس عسرت اور مشقت کے دور میں بھی رومیوں کو سلطنت مدینہ کی طرف پیش قدمی سے روکنے کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا عزم مصمم فرمالیا۔

فروہ بن عمرو کی شہادت:

فروہ بن عمرو بنو جذام کی ایک شاخ بنو نفاثہ کا ایک سردار تھا، قیصر روم نے اسے اپنی قوم کا حاکم اعلیٰ بنا رکھا تھا، اسکی قوم خلیج عقبہ اور شہر ینبع کے درمیان قیام پذیر تھی، جب دیار عرب پر اسلام کا غلبہ ہو گیا تو فروہ بن عمرو نے اسلام قبول کر لیا اور سفید رنگ کا خچر بطور تحفہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا اور کمال عقیدت و محبت کا اظہار کیا، اسکے قبول اسلام کی خبر قیصر روم کو بھی پہنچ گئی، اس نے ابوشمر غسانی کو حکم دیا کہ حضرت فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے اسلام سے برگشتہ کرے، پھر اہل کفر نے مل جل کر بہت کوشش کی مگر ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی ڈگمگاہٹ پیدا نہ کر سکے، چنانچہ قیصر روم نے انکے قتل کا حکم جاری کر دیا، حضرت فروہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اہل اسلام کے لیے بہت افسوسناک حادثہ تھی، رسول اللہ ﷺ اسکو کیسے فراموش کر سکتے تھے، لہذا اس شہادت نے غزوہ تبوک کی تیاریوں میں مزید اضافہ کر دیا۔

اہل اسلام کی تیاری:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے واضح طور پر اعلان فرمایا کہ اس دفعہ مقام تبوک کی طرف سفر کا ارادہ ہے، مقام تبوک شام کے راستے پر مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان میں واقع ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اپنے تمام وسائل و اسباب جمع کر کے دشمن کے مقابلے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ، قرآن پاک کا یہ ارشاد عالی بھی اسی تحریک و ترغیب کی روشن دلیل ہے:

⊙...... انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون o کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مالوں سے اور جانوں سے یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو۔ ﴿سورۃ التوبہ:۴۱﴾

عسرت کا دور دورہ تھا لیکن پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کمال درجے کے ایثار و قربانی کا عملی مظاہرہ پیش کیا، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا سامان لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا اے عمر! تم کیا لے کر آئے ہو، انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں انکے لیے آدھا سامان چھوڑ آیا ہوں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا سامان جسمیں چار ہزار درہم کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے قدموں میں اسے ڈھیر کر دیا، آپ ﷺ نے دریافت کیا، اے ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے، انہوں نے عرض کیا، ابقیت لھم اللہ ورسولہ، میں نے اپنے گھر والوں کے لیے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو چھوڑا ہے۔ ﴿سبل الھدیٰ:۶۲۸/۵﴾

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسو اوقیہ تقریباً ساڑھے انتیس کلو چاندی بارگاہ رسالت میں پیش کی، رسول اللہ ﷺ نے انکے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مال میں بھی برکت عطا فرمائے جو تم نے خرچ کیا اور اس مال میں بھی برکت عطا فرمائے جو تم نے بچا کر رکھا، رسول اللہ ﷺ کی دعا کا اتنا اثر ہوا کہ بعد میں آنے والے دینی معاملات میں انہوں نے ہزاروں درہم خرچ کیے اور ہزاروں اونٹ اور گھوڑے وقف کیے۔ ﴿اسد الغابہ:۴۸۵/۲﴾ حضرت عباس، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے بھی بہت زیادہ مال پیش کیا، حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق یا نوے وسق یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کلو کھجوریں بارگاہ رسالت میں پیش کیں جنکا وزن

اٹھانے کے لیے ستر اونٹ درکار تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کے تیسرے حصے یعنی دس ہزار مجاہدین راہ خدا کے لیے سواری کے جانور، تلواریں، زرہیں اور دیگر سازوسامان پیش کیا، روایات میں آتا ہے کہ انکے دامن میں دس ہزار دینار تھے، وہ سب کے سب انہوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ کی آغوش رحمت میں بکھیر دیئے، آپ ﷺ محبت کے ساتھ ان دیناروں کو الٹ رہے تھے اور دعا فرما رہے تھے کہ یا اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی عثمان سے راضی ہو جا، پھر انکو اس دعا سے بھی سرفراز فرمایا، اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے، اس مال پر جو تم نے چھپا کر رکھا اور جسکو تم نے ظاہر کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، اب عثمان کو کوئی فکر نہیں کہ آج کے بعد وہ کوئی عمل بھی کرے، ایک روایت میں ہے کہ آج کے بعد عثمان جو بھی کرے اسے ضرر نہ ہوگا، ﴿جامع ترمذی: ۲۱۱/۲﴾ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا اور صدقہ کیا یہاں تک کہ انکے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی، ﴿الرحیق المختوم: ۵۸۳﴾

سفر تبوک کی تیاری کے لیے خواتین اسلام نے بھی دل کھول کر ایثار کیا، انہوں نے اپنے تمام زیورات اسلام کی سربلندی کے لیے قربان کر دیئے، اس سلسلے میں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں قربان کرنے کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی تو ایک یہودی کے باغ کو سیراب کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں، ایک صاع اہل خانہ کو دیا اور ایک صاع بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا، رسول اللہ ﷺ انکے اس جذبۂ ایثار سے بہت خوش ہوئے، آپ ﷺ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ ابو عقیل کی کھجوریں لے کر لشکر اسلام کے سازوسامان پر بکھیر دو، انکے اخلاص کی بدولت اللہ تعالیٰ سب کے صدقات کو شرف قبول عطا فرمائے گا، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دل و جان کے ساتھ اس سفر عظیم میں شریک ہونا چاہتے تھے مگر انکے پاس کوئی سواری نہیں تھی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سواریوں کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس اتنی زیادہ سواریاں نہیں ہیں، اس جواب پر انکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، قرآن پاک نے اس منظر کو اپنے دامن میں محفوظ فرما لیا:

⊙...... ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم علیه تولوا و اعینهم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون o اوران پر بھی کوئی دوش نہیں جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ، تم سے یہ جواب پائیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں، اس پر یوں واپس جائیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں، اس غم سے کہ انہوں نے خرچ کا مقدور نہ پایا، ﴿سورۃ التوبہ:۹۲﴾

ان سراپا اخلاص غلامان رسول کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت سالم بن عمیر، حضرت علبہ بن زید، حضرت ابو یعلیٰ عبد الرحمٰن بن کعب، حضرت عمرو بن حمام، حضرت عبد اللہ بن مغفل، حضرت ہرمی بن عبد اللہ، حضرت ارباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم، ﴿تاریخ الخمیس:۲/۱۲۴﴾

روایت میں آتا ہے کہ حضرت یامین بن عمیر نضری رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت ابو یعلیٰ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما زاروقطار آنسو بہا رہے تھے، انہوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے ساری صورتحال بیان کر دی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سواریاں مانگیں تو آپ ﷺ نے انکار فرما دیا، اس طرح ہم سفر جہاد سے محروم ہو گئے، انہوں نے ان دونوں کو ایک اونٹ دیا اور زاد راہ کے لیے کچھ کھجوریں عنایت کیں، چنانچہ وہ بھی سفر جہاد میں شریک ہو گئے، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی معذوری کی وجہ سے نہ جا سکے مگر انہیں جہاد کا پورا ثواب عطا کیا گیا، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جنکے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں تھا، وہ لشکر اسلام میں شریک نہ ہوئے تو ان پر اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے عتاب نازل ہوا، بعد میں بخشش و مغفرت کی نوید بھی آ گئی، انکے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ، حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔

منافقین مدینہ کی تردید:

منافقین مدینہ اس تنگ دستی کے زمانے میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایثار دیکھ کر حیران و پریشان تھے اور حسد و بغض کی وجہ سے مذاق اڑا رہے تھے، کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ دکھاوا کر رہے ہیں، کوئی کہہ رہا تھا کہ دیکھو ایک دو مد کھجوروں سے قیصر روم کی سلطنت کو فتح

کرنے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انکی تردید میں ارشاد فرمایا:

⊙...... الذین یلمزون المطوعین من المومنین فی الصدقٰت والذین لا یجد ون الا جهد هم فیسخرون منهم سخر الله منهم ولهم عذاب الیم ○ وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مومنوں کو کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور انکو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے تو ان سے ہنستے ہیں اللہ انکی ہنسی کی سزا دے گا، اور انکے لیے دردناک عذاب ہے، ﴿سورۃ التوبہ:۷۹﴾

ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سرفروشان اسلام کو سفر جہاد سے روک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اتنی شدید گرمی میں تم ہرگز نہ جاؤ، اللہ تعالیٰ نے اس قول کی تردید فرمائی کہ اے محبوب! تم انکو بتادو کہ جہنم کی گرمی اس گرمی سے بہت زیادہ سخت ہے، کاش! یہ لوگ اس کو سمجھ سکتے، ﴿سورۃ التوبہ:۸۱﴾

مشہور منافق ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر نے اہل اسلام کو طعنہ دیا کہ کیا تم رومیوں کی لڑائی کو بھی عربوں کی لڑائی کی طرح سمجھتے ہو، اللہ کی قسم کل تم رسیوں میں جکڑے ہوئے قیدیوں کی طرح نظر آؤ گے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو انکے پاس بھیجا کہ وہ عذاب نار کے مستحق ہو گئے ہیں، ان سے پوچھو کہ انہوں نے کیا کہا ہے، ودیعہ بن ثابت نے کہا، ہم تو خوش گپیوں میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ پر یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

⊙...... ولئن سالتهم لیقولن انما كنا نخوض و نلعب قل ابا لله و آیته و رسوله كنتم تستهزءُ ون ○لا تعتذروا قد كفرتم بعد ایمانكم ان نعف عن طائفة منكم نعذب طائفة بانهم كانوا مجرمین ○ اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اسکے رسول سے مذاق کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے مومن ہو کر، اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے، ﴿سورۃ التوبہ:۶۵،۶۶﴾

مخشی بن حمیر نے کہا، یارسول اللہ! مجھے تو میرے نام اور میرے باپ کے نام کی

نحوست لے ڈوبی، اس نے صدق دل سے ایمان قبول کیا اور اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اسے شہادت کی موت عطا کی جائے اور اسکی قبر کے بارے میں کوئی واقف نہ ہو سکے، چنانچہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور انکے جسد خاکی کے متعلق بھی کوئی نہ جان سکا کہ کہاں غائب ہوا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے دوران ایک شخص نے کہا کہ ہم نے ان قاریوں جیسے لوگ بھی کہیں نہیں دیکھے ، بہت زیادہ کھاتے ہیں اور بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور جنگ کے وقت بزدلی دکھاتے ہیں، کسی دوسرے شخص نے اس سے کہا تم منافق ہو اور جھوٹ بول رہے ہو، میں رسول اللہ ﷺ سے تمہاری شکایت کروں گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو اس مرد گستاخ کے بارے میں قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے لٹکتے دیکھا، اسکو پتھروں سے ٹھوکر لگتی تھی اور وہ کہتا تھا کہ ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ اسکو جواب عطا فرما رہے تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ، اسکی آیتوں اور اسکے رسول کا مذاق اڑاتے ہو، تمہارا یہ عذر قبول نہیں، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو، ﴿سیرت ابن ہشام﴾

جد بن قیس کی بہانہ سازی:

جد بن قیس بنو سلمہ کا ایک فرد تھا اور اپنی منافقت میں مشہور تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا کہ اے جد بن قیس! کیا تو بھی رومیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لے گا، اس نے کہا، حضور مجھے تو معافی دیجئے اور فتنے میں نہ ڈالیے، خدا کی قسم میری قوم خوب جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا چاہنے والا کوئی نہیں، مجھے یہی خطرہ ہے کہ اگر میں نے رومی عورتوں کو دیکھا تو صبر نہ کر سکوں گا، حضور اکرم ﷺ نے اسکی خرافات کو سن کر چہرہ انور پھیر لیا، اس پر قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: یعنی منافقوں میں سے ایک وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو معافی دیجئے اور فتنے میں نہ ڈالیے، خبردار یہ لوگ فتنے میں گر پڑے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے، ﴿سورۃ التوبہ﴾

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا:

رجب المرجب ۹ ہجری کا ماہ مبارک تھا، امام نسائی کی روایت کے مطابق جمعرات کا دن تھا، رسول اللہ ﷺ نے شمال کی جانب کوچ فرمایا، لشکر اسلام میں تیس ہزار مردان حرب شریک ہوئے، مدینہ منورہ پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بروایت دیگر حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا، حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کو اہل بیت اطہار کی نگہداشت کے لیے چھوڑا اور خود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عازم سفر ہوئے، روایت میں آتا ہے کہ منافقین مدینہ نے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کے جملے کسے کہ انکو بزدلی کی وجہ سے پیچھے رکھا گیا ہے یا یہ لشکر اسلام پر بوجھ ہیں، اس لیے پیچھے رکھا گیا ہے، حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ ان باتوں کو سن کر بہت پریشان ہوئے اور مقام جرف پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمھیں خاندان نبوت کی حفاظت کے لیے اور کمزور مسلمانوں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے چھوڑا ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے، کیا آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کے پاس چھوڑا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھرون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی 'اے علی! کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ تم میرے لیے اسی طرح ہو جسطرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں، (صحیح بخاری: ۶۸۲/۲) اس تسلی آمیز ارشاد کو سن کر حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ واپس مدینہ منورہ آگئے، کچھ علما نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا گیا اور کچھ کہتے ہیں کہ وہ بالخصوص اہل بیت پر خلیفہ تھے اور خلیفہ عام حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے گرد و نواح کے قبائل اور اعراب کو بھی لشکر اسلام میں شمولیت کا پیغام بھیجا تھا، ان میں سے بہت سے قبائلیوں اور اعرابیوں نے معذرت چاہی لیکن اللہ اور اسکے رسول نے انکی معذرت کو مسترد کر دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙ ...... اور وہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں تم سے رخصت نہ مانگیں گے، اس سے کہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور اللہ خوب

جانتا ہے پرہیزگاروں کو، تم سے یہ رخصت وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور انکے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ اپنے شک میں متردد ہیں، ﴿سورۃ التوبہ: ۴۴، ۴۵﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایثار و قربانی کے نئے جہان آباد کیے تھے اور نئی مثالیں رقم کی تھیں مگر اسکے باوجود تیس ہزار مردان حرب کے لیے سواریوں کی اور ساز و سامان کی بہت کمی تھی، اونٹوں کے علاوہ دس ہزار گھوڑے تھے، ہر تین آدمیوں کے لیے سواری کا ایک جانور مقرر تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے، ایک روایت کے مطابق اٹھارہ آدمیوں کے لئے ایک ایک اونٹ تھا، کھانے کے لیے بسا اوقات درختوں کے پتے درکار تھے، جن کی وجہ سے ہونٹوں پر ورم آ گئے تھے، بسا اوقات اونٹوں کو ذبح کر کے انکے معدوں اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی استعمال کیا جاتا تھا، اس شدت اور مشقت کی وجہ سے اس لشکر کا نام جیش عسرت یعنی تنگی کا لشکر پڑ گیا، رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسلام کی ترتیب و تشکیل فرماتے ہوئے سب سے بڑا پرچم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، مہاجرین کا پرچم حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو، بنو اوس کا پرچم حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور بنو خزرج کا پرچم حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، اسطرح انصار کے ہر خاندان اور عرب کے ہر قبیلے کو پرچم عنایت فرمائے، جب رسول اللہ ﷺ ثنیۃ الوداع کے مقام پر روانگی کے لیے تیار تھے تو عبد اللہ بن ابی، عبد اللہ بن بنتل، اور رفاعہ بن زید جیسے منافقین مدینہ کھسک گئے، اللہ تعالیٰ نے انکی اس حرکت پر یہ آیت نازل فرمائی:

⊙ ...... اے محبوب! وہ اس سے پہلے بھی فتنہ بازی میں مصروف رہے اور تمہارے لیے کاموں کو الٹتے پلٹتے رہے، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ برا مناتے رہ گئے، ﴿سورۃ التوبہ: ۴۸﴾

حضرت ابوخیثمہ کا جذبہ محبت:

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بہت پیارے صحابی تھے، وہ بھی لشکر اسلام سے پیچھے رہ گئے، ایک دن بہت گرمی پڑ رہی تھی، انکی دو بیویوں نے اپنے چھپروں پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے ماحول کو ٹھنڈا کر رکھا تھا، ٹھنڈے پانی سے گھڑے بھر رکھے تھے اور بڑا

مزیدار کھانا تیار کر رکھا تھا، وہ جب اپنے باغ میں آئے اور ماحول دیکھا تو دروازے پر ہی کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کا رسول تو شدید دھوپ میں اور گرم ہوا میں سفر کر رہا ہو اور ابو خیثمہ ٹھنڈے سایوں میں بیٹھا رہے جن میں ٹھنڈا پانی اور مزیدار کھانا اور خوبصورت بیوی موجود ہے، کیا یہ انصاف کا کام ہے، پھر انہوں نے اپنی بیویوں سے اجازت لی اور زاد سفر لے کر اونٹنی پر سوار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے، راستے میں حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی اور دونوں مل کر سفر کرنے لگے، انہوں نے اپنے رفیق سفر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا، میں نے کچھ گناہ کیا ہے میری تمنا ہے کہ تم تھوڑی دیر پیچھے رہ جاؤ اور مجھے اکیلے کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے دو، وہ راضی ہو گئے، ادھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کچھ لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ایک شتر سوار ہماری طرف آ رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کن ابا خیثمہ، وہ ابوخیثمہ ہی ہوگا، کچھ دیر کے بعد انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! وہ شتر سوار ابوخیثمہ ہی ہے، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوخیثمہ! تمہیں مبارک ہو اور پھر انکے سارے حالات آپ ﷺ نے بیان فرما دیئے، ﴿الاکتفا: ۲/۳۸۰﴾

وادی ثمود کا واقعہ:

سفر تبوک میں لشکر اسلام کا حجر یعنی وادی ثمود سے گزر ہوا، ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القریٰ کے اندر چٹانیں تراش کر مکانات بنا رکھے تھے اور انہیں اپنے اس ہنر پر بہت فخر تھا، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انہیں ناقۃ اللہ جیسا عالیشان معجزہ عطا فرمایا، مگر قوم راہ راست پر گامزن نہ ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر دردناک عذاب نازل فرمایا، جسکے اثرات ہزاروں سال بعد بھی اس وادی میں موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم اس وادی کے کسی کنوئیں سے پانی نہ پینا اور نہ وضو کرنا، جو آٹا تم لوگوں نے گوندھ لیا ہے وہ جانوروں کو کھلا دو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک کنوئیں سے پانی پینے کا حکم صادر فرمایا، اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کنوئیں سے ناقۃ اللہ پانی پیا کرتی تھی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ وادی ثمود سے گزرے تو فرمایا: ان ظالموں کے گھروں میں داخل نہ ہونا تاکہ تمہیں انکا عذاب نہ پہنچے اور

اگر داخل بھی ہونا پڑے تو روتے ہوئے داخل ہونا، پھر آپ ﷺ نے کپڑے سے سر انور کو لپیٹا اور جلدی سے اس وادی سے نکل گئے، ﴿صحیح بخاری و مسلم﴾ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بھی فرمایا کہ آج رات کسی کو باہر جانے کی ضرورت ہو تو اکیلا نہ جائے، کسی کو ضرور ساتھ لے جائے، لوگوں نے آپ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا مگر بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے پرواہ نہ کی، ایک آدمی قضائے حاجت کے لیے گیا مگر اسکا پاخانہ بند ہو گیا، دوسرا آدمی اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا تو اسکو آندھی نے اٹھایا اور بنو طے کے دو پہاڑوں کے درمیان جا پھینکا، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا، کیا میں نے تمہیں سمجھایا نہیں تھا، پھر آپ ﷺ نے اس آدمی کی شفا کے لیے دعا فرمائی جسکا پاخانہ بند ہو گیا تھا اور دوسرے آدمی کو بنو طے نے آپ ﷺ کے پاس پہنچا دیا، جب آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے۔

امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ ایک صبح لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پانی نہ ہونے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر باران رحمت عطا فرما دی جس سے لوگوں نے سیراب ہو کر پانی پیا اور ضرورت کے مطابق مشکیزوں میں بھر لیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ آپ کی دعاؤں کو شرف قبول عطا فرماتا ہے لہذا آج باران رحمت کی دعا فرمایئے، آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور دعا فرمائی، ابھی ہاتھ واپس نہیں آئے تھے کہ موسلا دھار باران رحمت نے جل تھل کر دیا، مسلمانوں نے جی بھر کر پانی پیا، اپنے جانوروں کو پلایا اور اپنے برتنوں اور مشکیزوں میں بھی بھر لیا، لشکر کے مستقر سے باہر بارش کا نام ونشان تک نہیں تھا، ﴿سبل الھدیٰ: ۵/۶۵۴﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر ہم دیکھتے چلے گئے کہ بادل ہمارے لشکر سے آگے پیچھے نہ ہوتے تھے یعنی مسلسل سروں پر سایہ فگن تھے، ﴿دلائل النبوۃ: ۵/۲۷۵﴾، ایک صحابی رسول نے ایک منافق سے کہا، تم پر افسوس! کیا اب بھی رسول اللہ ﷺ کی صداقت میں کوئی شک ہے، منافق نے کہا، یہ بادل تو اچانک آیا اور پانی برسا کر چلا گیا، گویا اس نے اتنی بڑی عظمت وصداقت دیکھ کر بھی تصدیق نہیں کی، راستے میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی، ایک منافق زید بن لصیت نے کہا، یہ کیسے نبی ہیں جو آسمان کی خبریں سناتے ہیں لیکن اپنی اونٹنی کا پتا نہیں کہ

کہاں گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، میں اللہ کے بتانے سے جانتا ہوں، اس نے مجھے بتا دیا ہے کہ میری اونٹنی فلاں وادی میں کھڑی ہے اور اسکی مہار درخت کی ایک شاخ میں الجھ گئی ہے، جاؤ اسے پکڑ کر لے آؤ، چنانچہ صحابہ کرام گئے اور اونٹنی کو چھڑا کر لے آئے، ﴿سیرت ابن اسحاق مختصر سیرۃ الرسول: ۲۲۸﴾ زید بن لصیت منافق حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ کے خیمے میں موجود تھا، انہوں نے اسکی گردن پکڑ کر کہا، اے دشمن خدا! میرے خیمے سے باہر نکل جا، مجھے خبر نہ تھی کہ یہ خبیث میرے ہی خیمے میں ہے، ابن اسحاق کا بیان ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ زید بن لصیت نے اس واقعہ کے بعد توبہ کر لی تھی اور بعض لوگوں نے کہا کہ وہ آخر دم تک ایسی باتیں کرتا رہا، ﴿سیرت ابن ہشام: ۲/۴۵۴﴾

ٹوٹے پیاسے جھوم کر:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لشکر اسلام رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں رواں دواں تھا کہ راستے میں پیاس لگی اور وہ اس درجہ شدید ہوگئی کہ زبانیں تالوؤں سے چمٹ گئیں، رسول اللہ ﷺ نے پیالے میں تھوڑا سا پانی طلب فرمایا اور اس میں انگلیاں ڈبو دیں، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابل پڑا جسکو ذخیرہ کر لیا گیا اور تمام لشکر سیراب ہو گیا، لشکر میں تیس ہزار مجاہد، بارہ ہزار اونٹ اور بارہ ہزار گھوڑے تھے، ﴿خصائص کبریٰ: ۲/۵۳۴﴾

ایک روایت میں ہے کہ دوران سفر لوگوں پر تیسری بار تشنگی طاری ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو تلاش آب کے لیے روانہ فرمایا، انہوں نے ایک عورت کے پاس مشکیزے میں تھوڑا سا پانی دیکھا اور اسکو حضور اکرم ﷺ کے پاس لے آئے، آپ ﷺ نے اس پانی کو روبرو رکھ کر دعا فرمائی اور فرمایا: لوگو! آؤ پانی پیو، اپنے برتن بھرو اور تمام اونٹوں اور گھوڑوں کو بھی سیراب کر لو، ﴿خصائص کبریٰ: ۲/۵۳۵﴾

حضرت ابوذر غفاری کا واقعہ:

دوران سفر کچھ لوگ پیچھے رہ جاتے تھے، لوگ بیان کرتے کہ فلاں آدمی پیچھے رہ گیا ہے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: اسے رہنے دو، اگر وہ ایماندار ہوا تو اللہ اسے تمہارے پاس پہنچا دے گا اور اگر اس میں ایمان نہیں تو اللہ نے اس کے شر سے تمہیں نجات دے دی، ایک

موقعہ پر کسی نے کہا، یارسول اللہ! ابوذر غفاری پیچھے رہ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں خیر ہے تو آجائے گا، دراصل انکا اونٹ رک گیا تھا، انہوں نے بہت کوشش کی مگر وہ کسی طرح بھی درست نہ ہوا چنانچہ انہوں نے اسکو وہاں چھوڑا اور اپنا سامان اپنی پشت پر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل پڑے، ایک منزل پر لشکر اسلام نے پڑاو کیا تو لوگوں نے کہا، یارسول اللہ! ایک آدمی اکیلا راستے میں آرہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کرے یہ ابوذر ہو، لوگوں نے غور سے دیکھا تو پکار اٹھے، اللہ کی قسم یہ واقعی ابوذر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے یہ اکیلا چل رہا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور اکیلا ہی قبر سے اٹھے گا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مقام ربذہ میں جلاوطن کردیا تو انکے پاس صرف انکی بیوی اور ایک غلام کے سوا کوئی موجود نہیں تھا، اسی عالم تنہائی میں انکا انتقال ہوگیا، انتقال سے پہلے انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ میری موت کے بعد مجھے غسل دے کر اور کفن پہنا کر راستے کے درمیان رکھ دینا، کوئی قافلہ گزرے تو اسے کہنا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوذر ہیں، انکی تدفین میں ہماری مدد کرو، انہوں نے ایسا ہی کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اہل عراق کی ایک جماعت کے ساتھ عمرے کے لیے آرہے تھے، انہوں نے یہ جنازہ دیکھا تو چونک اٹھے، غلام نے اٹھ کر کہا، یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوذر ہیں، انکی تدفین میں ہماری مدد کرو تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ تم اکیلے چلو گے اور اکیلے ہی فوت ہوگے، پھر انہوں نے سفر تبوک کا وہ واقعہ تمام حاضرین سے بیان فرمایا، ﴿سیرت ابن اسحاق﴾

حضرت عبدالرحمٰن کی امامت:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حجر اور تبوک کے درمیان سفر کر رہے تھے کہ ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، میں پانی کا برتن لے کر آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑا، اس دوران صبح کا اجالا پھیل گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امام بنایا اور پیچھے نماز فجر پڑھنا شروع کردی، ادھر حضور اکرم ﷺ استنجا سے فارغ ہوئے تو میں آپ ﷺ کو

وضو کروانے لگا،آپ ﷺ نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا،جسکی آستینیں تنگ تھیں،آپ ﷺ نے ان سے بازو نکال کر دھوئے اور خفین پر مسح کیا،جب ہم واپس آئے تو حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے،نبی کریم ﷺ کی آمد کا احساس کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تسبیح کہی اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بھی پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے انکے پیچھے ایک رکعت پڑھ لی اور باقی ماندہ رکعت بعد میں کھڑے ہو کر ادا فرمائی،پھر مسلمانوں کی طرف روئے انور فرما کر ارشاد فرمایا:تم نے بہت اچھا کیا کہ اپنی نماز مکمل کر لی،کوئی نبی انتقال نہیں کرتا جب تک وہ اپنی امت کے کسی مرد صالح کے پیچھے نماز نہ پڑھ لے۔﴿سبل الھدیٰ:۶۴۸/۵﴾

گھی کا ابلتا ہوا مشکیزہ:

حضرت عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو میں ایک گھی کے مشکیزے پر مامور تھا،ایک روز میں نے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پر کھانے کی تیاری کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ مشکیزے میں گھی بہت ہی تھوڑا رہ گیا تھا،میں نے مشکیزے کو دھوپ میں رکھ دیا تاکہ گھی ہر طرف سے پگھل کر یکجا ہو جائے اور میں آرام کے لیے ذرا دراز ہو گیا تو نیند مجھے آ گئی،تھوڑے ہی وقفے میں آنکھ کھل گئی اور مشکیزہ اٹھانے کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور حضور اکرم ﷺ کے اعجاز کی بدولت مشکیزہ گھی سے لبریز ہی نہ تھا بلکہ اسکے دہانے سے گھی باہر نکل کر بہہ رہا تھا،میں نے گھبرا کر اس کا دہانہ دبا لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا،آپ ﷺ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا:اگر عمرو اس کے دہانے کو نہ دباتا تو گھی سے تمام وادی بھر جاتی۔﴿خصائص کبریٰ:۵۳۲/۱﴾

رسول اللہ ﷺ کا علم پاک:

حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نصرانیوں کے حملے کی خبر سن کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے،دوران سفر وادی القریٰ میں ایک خاتون کے باغ کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا:تم اس باغ کی کھجوروں کا تخمینہ لگاؤ،

ہم نے تخمینہ لگایا، حضور اکرم ﷺ کا اندازہ دس وسق تھا، پھر اس عورت سے فرمایا کہ تم اپنی کھجوروں کا ناپ تول کر لینا، ہم ان شاء اللہ تمہارے پاس واپس آئیں گے، ہم تبوک پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات بہت سخت آندھی چلے گی اس لیے ہر آدمی زمین پر لیٹا رہے اور کھڑا ہونے کی کوشش نہ کرے اور اپنے اونٹ کا زانو باندھ کر بٹھا دے، اس رات بہت سخت آندھی چلی، اتفاق کہیے یا لاپرواہی کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا تو آندھی نے اسے اٹھا کر بنو طے کے پہاڑ پر پھینک دیا، جب ہم واپسی کے وقت وادی القریٰ سے گزرے تو رسول اللہ ﷺ نے اس باغ کی مالکہ سے پوچھا کہ تمہاری کھجوریں کتنی ہوئیں، اس نے بتایا، دس وسق، ﴿خصائص الکبریٰ: ۱/۶۳۵﴾

میدان تبوک میں نزول اجلال:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ تبوک میں نکلے، جب ایک رات کا سفر باقی رہ گیا تو آپ ﷺ سو گئے اور نیزہ بھر سورج بلند ہونے کے بعد جاگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلال کیا میں نے تمہیں صبح کی حفاظت کے لیے نہیں کہا تھا، وہ بولے یا رسول اللہ! جس طرح آپ سو گئے میں بھی سو گیا، پھر آپ ﷺ نے ذرا آگے جا کر نماز پڑھی اور باقی ماندہ سفر کر کے تبوک میں وارد ہوئے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک پہنچنے سے پہلے فرمایا: تم ان شاء اللہ کل دوپہر کے وقت تبوک پہنچو گے، تم میں سے جو شخص بھی پہلے پہنچے وہ میرے آنے تک چشمے میں ہاتھ نہ ڈالے، جب ہم پہنچے تو ہم سے پہلے دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے اور چشمے سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا، کیا تم نے پانی میں ہاتھ ڈالا ہے، وہ کہنے لگے ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: جیسا اللہ کو منظور تھا، پھر قطرہ قطرہ جمع ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تھوڑا سا پانی چلو میں لیا اور اپنا منہ اور ہاتھ دھو کر چشمے میں ڈال دیا، چشمے سے بہت زیادہ پانی بہنے لگا، جس سے سب لوگوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا، آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! تم اپنی زندگی میں دیکھو گے کہ اس پانی کی بدولت یہ علاقہ باغات سے بھر جائے گا، ﴿صحیح مسلم شریف﴾

میدان تبوک میں نماز اور خطبہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ میدان تبوک میں پہنچے اور قبلہ کی طرف ایک پتھر رکھا، پھر غازیان اسلام کے ساتھ نماز ظہر ادا فرمائی، اسی جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی گئی، آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا، جسکا ایک ایک لفظ حکمت و موعظت کا سرچشمہ دکھائی دیتا ہے:

سب سے سچی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے مضبوط سہارا پرہیز گاری کا کلمہ ہے، سب سے بہتر ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے اور سب سے بہتر طریقہ حضرت محمد ﴿ﷺ﴾ کا ہے، سب سے بہتر بات اللہ کا ذکر ہے، سب سے بہتر قصہ قرآن حکیم ہے، سب سے بہتر نیکی کے کام ہیں اور سب سے برے بدعت کے کام ہیں، سب سے بہتر راستہ انبیاء علیہم السلام کا ہے، سب سے باعزت موت شہدا کی ہے، سب سے اندھی چیز ہدایت کے بعد گمراہی ہے، سب سے بہتر نفع دینے والا علم ہے، بہتر راستہ وہ ہے جس پر چلا جائے، سب سے برا اندھا پن دل کا اندھا پن ہے، اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، ضرورت کے مطابق تھوڑا مال غافل کر دینے والے زیادہ مال سے بہتر ہے، بدترین عذر وہ ہے جو موت کو دیکھ کر کیا جائے، بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے، بعض لوگ وقت ضائع کر کے جمعہ پڑھنے آتے ہیں اور بعض بیہودہ گوئی کو اللہ کا ذکر سمجھتے ہیں، سب سے زیادہ خطا کار جھوٹ بولنے والی زبان ہے، سب سے بہتر غنا دل کی غنا ہے، سب سے بہتر زاد سفر تقویٰ ہے، سب سے بڑی حکمت خشیت الٰہی ہے، دل میں مستحکم ہونے والی سب سے بہتر چیز یقین ہے، شک کرنا کفر ہے، مردے پر بین کرنا جاہلیت کی عادت ہے، غنیمت میں خیانت کرنا جہنم میں جلنا ہے، نشہ والی چیز آگ کا داغ ہے، گندے شعر شیطان کو پسند ہیں، شراب سب برائیوں کی جڑ ہے، سب سے برا کھانا یتیم کا مال ہے، سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت پکڑے اور بد بخت اپنی ماں کے پیٹ سے ہی بد بخت پیدا ہوتا ہے، تم سب

نے چار ہاتھ جگہ میں سمانا ہے، ہر کام کا انجام آخر میں ظاہر ہوتا ہے، عمل کا دارومدار خاتمے پر ہے، سب سے بری سواریاں جھوٹ کی سواریاں ہیں، جو چیز آنے والی ہے وہ نزدیک ہے، مسلمان کو گالی دینا بدکاری اور اسکو قتل کرنا کفر شعاری ہے، اسکی غیبت کرنا گناہ ہے، اسکا مال اسکے خون کی طرح حرام ہے، جو شخص بلاثبوت قسم کھائے اللہ اسکی تکذیب کرتا ہے، جو لوگوں کو معاف کرے اللہ اسکو اجر دیتا ہے، جو مصیبت میں صبر کرے، اللہ اسکو ثواب سے نوازتا ہے، جو دوسروں سے درگزر کرے، اللہ اس سے درگزر فرماتا ہے، جو غصہ پی جاتا ہے اللہ اسکو اجر دے گا، جو شخص شہرت کے لیے کام کرتا ہے اللہ اسکی تشہیر کرے گا، جو نافرمانی سے رکتا ہے اللہ اسکو بخش دے گا اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اسکو عذاب دے گا، ایک روایت میں ہے کہ جو سنی سنائی باتیں کرے گا اللہ اسکو رسوا کر دے گا اور جو مصنوعی صبر اختیار کرے گا اللہ اسکی تقلید میں اضافہ کر دے گا، میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں، میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں، میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں، (سبل الہدیٰ: ۶۵۲/۵، مختصر سیرۃ الرسول: ۱۳۲)

رسول اللہ ﷺ کی برکات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر لشکر اسلام کو بھوک نے بے تاب کر دیا تو لوگوں نے حضور کرم ﷺ سے سواری اور بار برداری کے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت طلب کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر ایسا کیا گیا تو سواری کے جانور کم ہو جائیں گے، آپ خورد و نوش کا بچا ہوا سامان جمع فرما کر دعائے برکت فرمائیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے گا، حضور اکرم ﷺ نے دستر خوان طلب فرما کر بچا ہوا سامان جمع کرنے کا حکم دیا، وہ تھوڑا تھوڑا مل کر ڈھیر بن گیا، پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اہل اسلام سے فرمایا کہ توشہ دانوں میں اچھی طرح بھر لو چنانچہ پورے لشکر نے تمام توشہ دان بھر لیے، سامان دستر خوان پر پھر بھی باقی رہا، آپ ﷺ نے اس شان اعجاز پر ارشاد فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور فرمایا: جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے

اس حال میں ملے گا کہ اسے اس کلمے میں شک نہ ہو تو اسے جنت سے روکا نہ جائے گا۔ ﴿صحیح مسلم، خصائص کبریٰ: ۲/۵۳۳﴾

بنو سعد کے ایک آدمی کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا جب آپ ﷺ میدان تبوک میں سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جلوہ افروز تھے، میں نے اسلام قبول کیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمیں کھانا کھلاؤ، انہوں نے دستر خوان بچھایا اور توشہ دان سے چند کھجوریں نکالیں جو گھی اور پنیر سے تر تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، ہم سب حاضرین نے کھجوریں جی بھر کر کھائیں، میں نے کہا، یا رسول اللہ! اگر میں تنہا کھانے والا ہوتا تو یہ ساری کھجوریں کھا جاتا، میں دوسرے دن بھی دربار نبوت میں حاضر ہوا، اس موقعہ پر دس اشخاص اور بھی موجود تھے، آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہم کھانا کھائیں گے، وہ توشہ دان کے اندر ہاتھ ڈال کر خرمے تلاش کرنے لگے، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! بہت نکلے گا ذرا تھیلی کو دستر خوان پر الٹ دو اور اللہ ذوالعرش سے کمی کا اندیشہ نہ کرو، انہوں نے تھیلی کا منہ نیچا کر کے جھٹکا دیا تو کھجوریں کپڑے پر آ گئیں، انکی مقدار میرے اندازے میں دو مد ہو گی، حضور اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھا اور پھر اسکو ہٹاتے ہوئے فرمایا: بسم اللہ کر کے شروع کرو، میں نے اور تمام لوگوں نے جس قدر کھا سکتے تھے کھجوریں کھائیں، پھر بھی دستر خوان پر اتنی ہی کھجوریں باقی رہ گئیں، تیسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، بارہ یا تیرہ افراد نے جی بھر کر خرمے تناول کیے مگر وہ اسی طرح باقی رہے، اسطرح تین دن مسلسل مجھے یہ شان اعجاز دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ ﴿خصائص کبریٰ: ۲/۵۳۴﴾

ذوالبجادین کی قابل رشک موت:

حضرت عبداللہ ذوالبجادین یتیم اور بے مایہ تھے، انکا باپ مرا تو میراث میں ان کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑ گیا، انکا چچا مالدار تھا، اس نے انہیں اپنی کفالت میں لے لیا تا آنکہ وہ مالدار ہو گئے، انکے پاس اونٹوں، بکریوں اور غلاموں کی ایک کھیپ جمع ہو گئی، حضور نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے تو انکا دل اسلام لانے کے لیے تڑپنے لگا، اسی حالت پر کئی سال گزر گئے، تمام غزوات رونما ہو چکے اور حضور اکرم ﷺ فتح مکہ کے بعد

مدینہ منورہ لوٹ گئے، تب عبداللہ نے اپنے چچا سے کہا، میں تمہارے اسلام لانے کا منتظر تھا مگر تم حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتے ہوئے نظر نہیں آرہے ہو تو مجھے اسلام قبول کرنے کی اجازت دے دو، اس نے کہا، بخدا اگر تم نے حضرت محمد ﷺ کی پیروی کی تو میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے سب چھین لوں گا، عبداللہ نے کہا، میں تو بخدا حضرت محمد ﷺ کی پیروی کر چکا ہوں اور پتھروں کی پرستش سے تو میں رہا، جو کچھ تم نے دیا تھا یہ پڑا ہے، تم سنبھال لو، چچا نے سب کچھ لے لیا اور کپڑے تک اتروا لیے، وہ اپنی والدہ کے پاس آئے، اس نے انہیں ایک کمبل دیا، انہوں نے اسکے دو ٹکڑے کیے، ایک سے تہبند بنالیا اور دوسرے کی چادر، چلتے چلتے مدینہ منورہ پہنچ گئے، سحر کے وقت مسجد میں آکر لیٹ گئے، حضور نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر ایک ایک آدمی کو بنظر غائر دیکھنے لگے، اس نووارد کو آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: تم کون ہو، انہوں نے کہا، میں عبدالعزیٰ ﴿عبداللہ کا پہلا نام﴾ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم عبداللہ ذوالبجادین ﴿دو کمبلوں والے﴾ ہو، پھر فرمایا: تم میرے پاس رہا کرو، وہ حضور نبی کریم ﷺ کے مہمانوں میں شامل ہو گئے، آپ ﷺ انہیں قرآن کریم سکھایا کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے بہت سا قرآن پاک یاد کر لیا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تبوک جانے کی تیاری کرنے لگے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بلند آواز آدمی تھے، پوری آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس اعرابی کی آواز آپ نے سنی ہے، کتنے زور سے قرآن پڑھتا ہے اور دوسروں کو پڑھنے نہیں دیتا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! اسے چھوڑ دو، یہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف ہجرت کر کے آیا ہے، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تبوک کو روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس کسی درخت کا چھلکا لاؤ، وہ لے آئے، حضور اکرم ﷺ نے وہ چھلکا انکے بازو پر باندھ دیا اور فرمایا: اے اللہ! میں اسکا خون کفار پر حرام کر دیتا ہوں، انہوں نے عرض کی، میں تو ایسا نہیں چاہتا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلو اور تمہیں بخار آلے، جسکے صدمے سے تم فوت ہو جاؤ تو تم شہید ہو، ان دونوں سے کوئی چیز تمہیں ملے گی، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تبوک میں پڑاؤ کیا اور کچھ دن وہاں ٹھہرے تو

اسی دوران حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بخار سے فوت ہو گئے، حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ آگ کا شعلہ لیے قبر کے پاس کھڑے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ قبر میں اترے ہوئے تھے جبکہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو آپ ﷺ کے قریب لا رہے تھے اور آپ ﷺ کے لب مبارک پر یہ الفاظ تھے، اپنے بھائی کو میرے قریب لاؤ جب آپ ﷺ نے انکو لحد میں لٹا دیا تو فرمایا: اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، اے کاش! وہ صاحب قبر میں ہوتا، ﴿دلائل النبوۃ: ۷۷ ۴﴾

کچھ اور ضروری معاملات:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے قیام تبوک کے دوران کچھ اور ضروری معاملات بھی سر انجام دیئے، مثلاً شہر ایلہ کے بادشاہ یحنہ بن روبہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ حضور اکرم ﷺ اہل اسلام کا کوئی دستہ اسکی طرف بھی ارسال کر دیں گے، چنانچہ وہ جربا، اذرح اور مقنا کے باشندوں کو ساتھ لے کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سفید رنگ کا خچر بطور ہدیہ پیش کیا، حضور اکرم ﷺ نے اسے اپنی چادر مبارک عطا فرمائی اور اس کے لیے ایک امان نامہ بھی لکھ دیا، پھر اسکے لیے ایک جزیہ مقرر کیا جسکے مطابق ہر بالغ ایک دینار سالانہ اہل اسلام کو ادا کرے گا، امان نامے میں یہ بھی لکھا کہ ان لوگوں کی جان مال اور عزت کے تحفظ کے اللہ اور اسکا رسول ذمے دار ہوں گے اور جس نے عہد شکنی کی تو اسکا مال اسے سزا سے نہیں بچا سکے گا، انہیں چشموں اور بری اور بحری راستوں سے نہیں روکا جائے گا، اہل جربا اور اہل اذرح کے لیے بھی امان نامہ لکھا گیا، ایلہ بحر قلزم کے ساحل پر حجاز کی آخری اور شام کی ابتدائی سرحد پر واقع ایک شہر کا نام ہے، اسی شہر کے یہودیوں کو قانون الٰہی کی مخالفت پر بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا، ﴿معجم البلدان: ۲۹۲/۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے اہل اذرح کے لیے جزیہ کی رقم ایک سو دینار مقرر فرمائی جو انہوں نے ہر سال ماہ رجب المرجب میں ادا کرنی تھی اور اہل مقنا کے لیے پھلوں کی پیداوار کا چوتھا حصہ مقرر فرمایا۔

قیام تبوک کے دوران ایک عجیب وغریب تنازعہ بھی سامنے آیا،حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں غزوہ تبوک کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا،اس غزوے کی شمولیت میرے نزدیک سب سے قابل اعتماد عمل ہے،میں نے ایک ملازم رکھا ہوا تھا،اسکی ایک شخص سے لڑائی ہوگئی ،دونوں نے اپنے دانتوں سے ایک دوسرے کو کاٹ کھایا،ایک نے دوسرے کے ہاتھ کا گوشت جدا کردیا اور دوسرے نے اسکے سامنے کا دانت توڑ دیا،جب وہ دونوں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے دانت کا قصاص نہیں دلایا اور فرمایا کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں رہنے دیتا کہ تم اسے اونٹ کی طرف چبا ڈالتے ، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۸۳﴾

خالد بن ولید کی مہم:

رسول اللہ ﷺ نے قیام تبوک کے دوران حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس آدمیوں پر مشتمل ایک دستے کے ساتھ دومۃ الجندل کے عیسائی امیر اکیدر بن عبد الملک کی طرف روانہ فرمایا،دومۃ الجندل کا قلعہ شام اور مدینہ منورہ کے درمیان بنو طے کے پہاڑوں کے قریب واقع ہے،روانگی کے وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی،یارسول اللہ! میں بنو کلب اور بنو انمار کے علاقے میں اتنے تھوڑے سپاہیوں کے ساتھ اسکا مقابلہ کیسے کرسکتا ہوں،آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے بیل ﴿یا نیل گائے﴾ کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے،اسے گرفتار کرلینا،حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب اکیدر کے محل کے قریب پہنچے تو چاندنی رات میں واضح نظر آرہا تھا،وہ چاندنی رات میں اپنی بیوی کے ہمراہ قلعے کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا،کچھ نیل گائیں قلعے کے دروازے پر سینگ مار رہی تھیں،اسکی بیوی نے کہا،کیا تم نے آج تک یہ نظارہ دیکھا ہے،اس نے کہا،خدا کی قسم کبھی نہیں دیکھا،،اس نے کہا،پھر اس موقعے کو کون ضائع کرسکتا ہے،اس نے کہا،کوئی بھی نہیں،وہ فوراً نیچے اترا،گھوڑے پر سوار ہوا،اپنے بھائی حسان بن عبد الملک اور کچھ خاندانی جوانوں کے ساتھ شکار کے لیے نکل پڑا،شکاری کتے بھی اسکے ہمراہ تھے،باہر اسلامی دستے کے ساتھ اسکا ٹکراؤ ہوگیا،حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کرلیا،جبکہ اس کا بھائی حسان،حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا،باقی سب لوگ فرار ہوگئے،اکیدر نے ایسا کوٹ پہنا ہوا تھا جس پر سونے کی تاروں

سے کھجور کے پتے بنے ہوئے تھے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ کوٹ بارگاہ نبوی میں پہلے ہی ارسال کر دیا، مسلمان اسکو چھو کر بہت تعجب کا اظہار کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس لباس پر تعجب کر رہے ہو، جنت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ صاف کرنے والے رومال اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر سے کہا، تم قلعے کا دروازہ کھول دو، اسکے بدلے میں تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ زندہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اس نے کہا، مجھے منظور ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسکی مشکیں کس لیں، قلعے کے اندر اسکے بھائی مضاد نے یہ منظر دیکھا تو دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا، اکیدر نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے بھائی سے بھی کسی شرط پر صلح کر لو، پھر مجھے اور اسکو قتل کرنے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دو، وہ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رضامندی کا اظہار فرمایا تو اس نے دو ہزار اونٹ، تین سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزوں کے بدلے صلح کر لی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسکو آزاد کر دیا تو اس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا، پھر انہیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس وقت پیش کیا گیا جب آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے، آپ ﷺ نے ان دونوں سے جزیے کی بنا پر صلح کر لی اور ان دونوں کو چھوڑ دیا، اس علاقے کی حکومت بھی انکے پاس رہنے دی، آپ ﷺ نے انکو ایک دستاویز بھی لکھ دی، امام ابن اثیر کے مطابق اس بات پر سب مورخین کا اتفاق ہے کہ اکیدر نے اسلام قبول نہیں کیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس نے عہد شکنی کی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انکے فرمان کے مطابق دوبارہ اس قلعے کا محاصرہ کیا اور اسے شرک کی حالت میں قتل کر دیا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۶۳۴﴾

کچھ اور اہم واقعات:

قیام تبوک کے دوران ایک رات بہت شدید آندھی آئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک بہت بڑے منافق کا انتقال ہو گیا ہے، اسکی وجہ سے یہ آندھی نمودار ہوئی ہے، اہل اسلام نے مدینہ منورہ میں پہنچ کر معلوم کیا تو واقعی اس رات ایک بہت بڑے منافق کا انتقال ہو گیا تھا، قیام تبوک کے دوران بنو سعد بن ہذیم کے کچھ افراد حاضر خدمت

ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! ہم اپنا قبیلہ ایک کنوئیں کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں، اس میں پانی بہت تھوڑا ہے، اگر پانی ختم ہو گیا تو ہمیں اِدھر اُدھر مسافرت کرنا پڑے گی اور ہمیں اس علاقے کے ڈاکو لوٹ لیں گے، اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے، آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پانی میں برکت عطا فرمائے، اگر پانی میں برکت ہو گئی تو اس علاقے میں ہماری قوم سب سے زیادہ طاقت ور ہو جائے گی اور ہم کسی دشمن اسلام قوت کو گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے چند سنگ ریزے طلب فرمائے اور انہیں اپنے دست مبارک میں مل کر فرمایا: یہ سنگ ریزے اس کنوئیں میں اللہ کا نام لے کر پھینک دو، جب انہوں نے آپ ﷺ کے حکم پر عمل کیا تو دیکھا کہ کنوئیں کا پانی خوب جوش مارنے لگا اور وہ ساری قوم پانی کے مسئلے میں خود کفیل ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ قیام تبوک کے دوران بھی نماز تہجد ادا فرماتے تھے، ایک رات بیدار ہوئے، مسواک فرمائی، وضو کیا، نماز تہجد پڑھی اور اپنے غلاموں سے فرمایا کہ آج رات مجھے پانچ چیزوں کی بشارت دی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام بنی نوع انسانی کے لیے پیغمبر بنایا ہے، ساری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنایا ہے، مجھے تیمّم کی اجازت دی گئی ہے، میرے لیے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے اور مجھے خاص سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور وہ سوال میں نے تمہاری بخشش کے لیے کرنا ہے۔ ﴿سبل الہدیٰ: ۵/۵۵۸﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے دوران نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، ظہر اور عصر، اسی طرح مغرب اور عشا، حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ﷺ ایسا کیوں کرتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کی امت میں سے کوئی آدمی تنگی میں نہ رہے۔ ﴿صحیح مسلم﴾ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر کرتے تو ظہر اور عصر جمع کر کے پڑھتے اور پھر سفر پر روانہ ہوتے۔ ﴿جامع ترمذی، سنن ابی داود﴾ لیکن ائمہ حدیث میں سے ایک جماعت نے اس حدیث کو معلول کہا ہے، امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ عمل آپ ﷺ اس وقت

کرتے جب سفر میں کہیں جلدی جانا ہوتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیس راتیں قیام فرمایا اور نماز قصرادا فرمائی، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۶۶/۵﴾ ایک روایت کے مطابق ہے کہ آپ ﷺ نے دس دن قیام فرمایا، قیصر روم کی فوجوں کے ساتھ لڑائی کی نوبت نہ آئی، اللہ تعالیٰ نے اس پر حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی ہیبت طاری فرما دی تھی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا مکتوب گرامی دے کر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو اسکے دربار میں بھیجا لیکن ایک مرتبہ وہ پھر دعوت اسلام کو ٹھکرا کر عیسائیت پر قائم رہا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے لکھا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جھوٹ بولتا ہے ابھی تک وہ نصرانیت پر ہی قائم ہے یا فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے، ابھی تک وہ مسلمان نہیں ہوا، رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر دمشق پر حملہ کرنے کے لیے مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشورہ فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا اس حملے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم موصول ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تو تمہارے ساتھ مشورے کی کیا ضرورت تھی، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! رومیوں کے پاس بے شمار فوجیں ہیں، مسلمانوں میں انکے مقابلے کی سردست طاقت نہیں، آپ ان کے نزدیک پہنچ چکے ہیں اور وہ آپ کے نزدیک آنے سے خوفزدہ ہیں، بہتر یہی ہے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ جو چاہیں یا جسطرح اللہ حکم عطا فرمائے اس پر عمل کرلیں، رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے کو قبول فرماتے ہوئے مراجعت مدینہ منورہ کا حکم صادر فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ ہرقل قیصر روم نے جب سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدود شام میں پہنچ کر تبوک میں اقامت فرمائی ہے تو اس نے بنو غسان کے ایک شخص کو مقرر کیا کہ وہ لشکر اسلام میں جائے اور رسول اللہ ﷺ کی علامات و خصائل اور صفات و عادات جو کتب سابقہ میں مذکور ہیں انکو معلوم کرے، وہ شخص تبوک آیا اور مکمل تحقیق کرنے کے بعد قیصر روم کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا بیان کیا، قیصر روم نے تمام اعیان ممالک کو جمع کر کے قبول اسلام کی ترغیب دلائی، لوگ اسکی بات سن کر غصے میں آگئے، یہاں تک کہ اسکو اپنی حکومت کے زوال کا خطرہ پیدا ہو گیا اور وہ اس کام سے باز آگیا، ﴿ملخصا مدارج النبوۃ: ۵۸۸/۲﴾

حضور پیغمبر نور ﷺ نے غزوہ تبوک کے دوران ہی اہل اسلام کو نصیحت فرمائی کہ اگر کسی علاقے میں طاعون کا مرض پھیل جائے اور تم اس علاقے میں رہائش پذیر ہو تو وہاں سے باہر نہ نکلنا اور اگر اس علاقے سے باہر ہو تو اس میں داخل نہ ہونا۔ ﴿سبل الہدیٰ: ۵/ ۲۶۴﴾

مراجعت مدینہ کے واقعات:

رسول اللہ ﷺ نے جب مراجعت مدینہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگیں:

⦿...... رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا ٥ اے میرے رب! مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ عطا فرما۔ ﴿سورہ بنی اسرائیل: ۸۰﴾

مراجعت مدینہ کے دوران بھی بہت اہم واقعات کا ظہور ہوا جنکا تذکرہ حسب ذیل ہے، آیئے اور دیدہ و دل کو شادکام کیجئے:

......﴿1﴾......

تبوک سے واپسی پر ایک بہت بڑے معجزے کا ظہور ہوا، لشکر اسلام بہت بڑا تھا اور سامان خوراک کی شدید قلت تھی، لوگوں نے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت عطا فرما دی مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سواری کے جانور بہت کم ہیں لہذا سارے لشکر سے اشیائے خوردنی کو جمع کیا جائے اور ان پر آپ برکت کی دعا فرما دیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، تمام اشیائے خوردنی کا وزن ستائیس صاع کے قریب تھا، حضور نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا اور دو رکعت نفل ادا کیے اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ! اس کھانے میں برکت ڈال دے، پھر سب کو حکم عام دے دیا کہ آؤ اور اپنے دامن بھر بھر کر لے جاؤ، لوگوں نے اپنے دامن، اپنے برتن اور اپنے تھیلے اشیائے خوردنی سے بھر لیے، ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک مٹھی کھجور دستر خوان پر رکھی تو سارا دستر خوان بھر گیا، میں نے دو بوریاں اور ایک چادر ان چیزوں سے بھر لی، میں مدینہ منورہ پہنچنے تک وہ چیزیں کھاتا رہا مگر ختم نہ ہوئیں، بہر حال برکات خداوندی کا یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا

کوئی معبود نہیں اور میں اسکا رسول ہوں، جو آدمی یہ کلمہ یقین کے ساتھ پڑھے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، ﴿سبل الهدیٰ: ٥/٦٦٦﴾

﴿2﴾

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک رات محوِ سفر تھے کہ سب پر نیند کے آثار طاری ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوقتادہ! ذرا آرام کرلیں، میں نے عرض کیا، جیسے آپکی مرضی، آپ کے حکم سے ہم سب سواریوں سے اتر کر زمین پر آرام کرنے لگے، میرے پاس ایک برتن میں تھوڑا سا پانی تھا اور ایک پیالہ تھا، پھر سورج کی حرارت نے ہمیں بیدار کیا، ہم نے بڑی حسرت سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس طرح شیطان نے ہمیں غضب ناک کیا ہے ہم بھی اسے غضبناک کریں گے پھر آپ ﷺ نے برتن والے پانی سے وضو فرمایا اور کچھ پانی بچ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو قتادہ! اس پانی کو اور پیالے کو سنبھال کر رکھنا، ان دونوں برتنوں سے ایک خاص شان ظاہر ہوگی، سفر جاری تھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے لشکر کو مشورہ دیا کہ چشمے کے قریب آرام کریں لیکن لوگوں نے وہاں آرام کرنے سے انکار کر دیا اور ایک ایسے بیابان میں جا ٹھہرے جہاں دور دور تک پانی میسر نہیں تھا، نبی کریم ﷺ نے لشکر کی حالت زار دیکھی تو فرمایا: ابوقتادہ! وہ پانی والا برتن لے آؤ، پھر آپ ﷺ نے وہ پانی پیالے میں ڈال دیا اور اپنی انگلیاں پیالے میں رکھ دیں، پھر کیا تھا کہ انگلیوں سے چشمے جاری ہو گئے، لوگ پیاس کی شدت سے بلبلا رہے تھے، دوڑ کر آئے اور سیراب ہو گئے، یہاں تک کہ تمام مجاہدوں اور سواریوں نے سیر ہو کر پانی پیا، رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ ان دونوں برتنوں سے ایک خاص شان ظاہر ہوگی، دراصل وہ اسی معجزے کی طرف اشارہ تھا۔

﴿3﴾

راستے میں وادی مشق کے مقام پر ایک چشمہ تھا، جس سے تھوڑا سا پانی نکل رہا تھا، اگر اسکو جمع کیا جاتا تو بمشکل دو یا تین آدمی سیراب ہو سکتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہم سے پہلے وہاں پہنچے وہ پانی کو ہاتھ نہ لگائے، منافقین مدینہ کی ایک جماعت جو لشکر میں موجود تھی وہ پہلے وہاں جا پہنچی اور اس نے پانی پی لیا، آپ ﷺ تشریف لائے تو پانی کا

ایک قطرہ بھی نہیں تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ہم سے پہلے یہاں کون پہنچا ہے، لوگوں نے کہا، یارسول اللہ! آپ سے پہلے فلاں فلاں آدمی یہاں پہنچے ہیں، آپ ﷺ نے انکے حق میں ضرر کی دعا فرمائی اور سواری سے نیچے اترے، چشمے کے نیچے ہاتھ رکھا تو اللہ کے حکم سے قطرہ قطرہ پانی آپ ﷺ کے دست مبارک میں جمع ہو گیا، آپ ﷺ نے اسکے چھینٹے رخ انور پر مارے اور پھر چشمے پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، دیکھتے ہی دیکھتے پانی زور و شور کے ساتھ نکلنا شروع ہو گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود بھی پیا اور سواریوں کو بھی سیراب کیا اور مشکیزے بھی بھر لیے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم زندہ رہے تو سنو گے کہ یہ راستہ اور گردونواح کا تمام علاقہ سرسبز و شاداب ہو چکا ہے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

﴿4﴾

غزوہ تبوک سے واپسی کے سفر پر ایک اور اہم واقعہ معرض وجود میں آیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی میں آپ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑتا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیچھے سے ہانکتے اور کبھی وہ مہار پکڑتے اور میں پیچھے سے ہانکتا، ہم ایک گھاٹی پر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ بارہ ﴿یا بروایت دیگر چودہ﴾ آدمی رسول اللہ ﷺ کا راستہ روک کر کھڑے ہیں، میں نے صورتحال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے بڑے زور سے انکو للکارا، وہ سب پشت پھیر کر دوڑ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو، میں نے کہا، یارسول اللہ! انہوں نے اپنے سر اور چہرے کپڑوں میں چھپا رکھے تھے، ہاں ہم نے انکی سواریوں کو پہچان لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ قیامت تک کے منافق ہیں، کیا تمہیں خبر ہے کہ وہ کیا کرنا چاہتے تھے، ہم نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انکا ارادہ تھا کہ اللہ کے رسول کو گہری کھائی میں گرا کر شہید کر دیا جائے، ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ انکے قبیلوں کو حکم دیں کہ وہ اپنے آدمی کا سر قلم کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، عرب کہیں گے کہ حضرت محمد نے ایک قوم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، جب کامیاب ہو گئے تو اسے قتل کرنا شروع کر دیا، یا اللہ! ان منافقوں کو دبیلہ کی بیماری میں مبتلا کر دے، ہم نے پوچھا،

یارسول اللہ! یہ دبیلہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سوزش پیدا کرنے والا ایک شعلہ ہے، جو انکی شہ رگ میں نکلے گا اور وہ ہلاک ہو جائیں گے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۶۳۶﴾

یہ بھی روایات میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو ان منافقوں کے نام بھی بتا دیئے تھے اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ انکے نام کسی پر ظاہر نہ کریں، اس لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو راز دان رسول ﷺ بھی کہا جاتا ہے، قرآن پاک کی یہ آیت اس واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی:

⊙...... یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بمالم ینالوا وما نقموا الا ان اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ فان یتوبوا یک خیر الھم وان یتولوا یعذبھم اللہ عذابا علیما، فی الدنیا والآخرۃ وما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر o اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے اور وہ چاہا تھا جو انہیں نہ ملا اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ اور اسکے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا اور اگر وہ توبہ کریں تو انکا بھلا ہے اور اگر منہ پھیریں تو اللہ انہیں سخت عذاب کرے گا، دنیا و آخرت میں اور زمین میں کوئی نہ انکا حمایتی ہوگا اور نہ مددگار، ﴿سورۃ التوبہ: ۷۴﴾

کلثوم بن حصین کا واقعہ:

حضرت ابورہم کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ بیعت رضوان سے مشرف ہونے والے صحابی تھے، انکا بیان ہے کہ میں بھی غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا، ہم رات کے وقت محو سفر تھے، میری سواری آپ ﷺ کی سواری کے قریب چل رہی تھی اور مجھے نیند آ رہی تھی مگر میں اس خیال کے ساتھ ہشیار ہو جاتا تھا کہ کہیں میرا کجاوہ حضور اکرم ﷺ کے قدم مبارک کو نہ لگ جائے، آخر مجھے اونگھ آ گئی اور میرا کجاوہ آپ ﷺ کے قدم مبارک سے لگ گیا، آپ ﷺ نے میرے اونٹ کو پیچھے ہٹایا تو میری آنکھ کھل گئی، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے لیے مغفرت مانگیے، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی ڈر نہیں آگے چلو، پھر آپ ﷺ نے مجھے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جو بنو غفار میں سے اس غزوے میں شریک

نہیں ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ کہاں ہیں جن کے رنگ سرخ، قد دراز اور بال سیدھے ہیں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ لوگ جہاد میں شریک نہیں ہوئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ کہاں ہیں، جن کے قد چھوٹے، رنگ سیاہ اور بال خمدار ہیں، میں نے لوگوں کو نہ پہچانا اور عرض کیا، یارسول اللہ! کیا وہ لوگ بھی ہم میں سے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر مجھے سمجھ آئی کہ وہ بنو اسلم کے لوگ ہیں اور ہمارے حلیف ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان لوگوں کو کسی نے منع کیا تھا، جب وہ خود شریک جہاد نہیں ہوئے تو انہیں چاہیے تھا کہ کسی جہاد کے شائق آدمی کو سواری پر بٹھا کر روانہ کر دیتے، پھر فرمایا: مجھے اس بات کا زیادہ خیال ہوتا ہے کہ میرے لوگوں میں سے جو قریش، مہاجرین، انصار، بنو غفار اور بنو اسلم ہیں، ان میں سے کوئی شخص جہاد میں میرے ساتھ شریک نہ ہو اور پیچھے رہ جائے۔ ﴿سیرت ابن ہشام﴾

مسجد ضرار کا انہدام:

حضور پیغمبر نور ﷺ سفر تبوک سے واپس آتے ہوئے مقام ذی اوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ منورہ ایک گھنٹے کے راستے پر ہے تو مسجد ضرار کے بانی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! ہم نے مسافروں اور اندھیری اور سرد رات کے چلنے والوں کے آرام کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، آپ اس میں قدم رنجہ فرما کر ایک دفعہ نماز پڑھائیے، خداوند تعالیٰ نے آپ کو اس مسجد کے حال سے مطلع کر دیا تو آپ ﷺ نے نماز پڑھانے کی بجائے حضرت مالک بن دخشم اور حضرت معن بن عدی یا ان کے بھائی حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ تم جا کر ان ظالموں کی مسجد کو جلا دو اور مسمار کر دو، انہوں نے جا کر مسجد کو آگ لگائی اور اسکو مسمار کر دیا، جو لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے سب بھاگ گئے، اس مسجد کے متعلق قرآن پاک نے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، مسجد ضرار مسجد قبا کے مقابلے میں بنو غنم کے بارہ منافقین نے تعمیر کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

⊙ ...... اے محبوب! آپ اس مسجد میں کبھی نہ ٹھہریں، بے شک جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اسمیں کھڑے

ہوں اور نماز پڑھیں، اسمیں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے لوگ اللہ کو محبوب ہیں، تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ کے خوف اور اسکی رضا پر وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی بنیاد چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا، وہ تعمیر جو چنی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ انکے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ ﴿سورۃ التوبہ: ۱۰۸ تا ۱۱۰﴾

رسول اللہ ﷺ نے سفر تبوک کے دوران مختلف مقامات پر سترہ یا بیس مساجد بھی تعمیر فرمائیں۔ ﴿مواہب لدنیہ: ۱/۳۶۸﴾

مدینہ منورہ میں آمد:

رسول اللہ ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو شاندار استقبال کے لیے عورتیں، بچے اور لونڈیاں باہر نکل آئیں، سب آپ ﷺ کے رخ والضحیٰ کی ایک جھلک کے لیے بیقرار تھے، سب کی زبانوں پر یہ ترانہ محبت مچل رہا تھا ؎

طلع البدر علینا ۔۔۔ من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ۔۔۔ مادعا للہ داع

ہم پر الوداع کی گھاٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، ہم پر اس نعمت کا شکر بجالانا واجب ہے، جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے درو دیوار کو ملاحظہ فرمایا تو خوش ہو کر فرمایا: یہ طابہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مدینہ منورہ میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو تمہارے ہر سفر میں اور ہر میدان میں تمہارے ساتھ تھے، اگرچہ وہ کسی عذر کی وجہ سے تمہارے ساتھ نہیں جا سکے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا وہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کمزور اور معذور مسلمانوں کی حمایت میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

⊙...... لیس علی الضعفآء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون

ما ینفقون حرج اذا نصحوا الله و رسوله،ما علی المحسنین من سبیل واللہ غفور رحیم o ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جبکہ اللہ اور اسکے رسول کے خیر خواہ رہیں، نیکی والوں پر کوئی راہ نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، ﴿سورۃ التوبہ:۹۱﴾

حضور پیغمبر نور ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے مسجد نبوی شریف میں آئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھ گئے، ایک روایت میں ہے کہ اس وقت بزم صحابہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ میں نے آپکی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے، حکم ہو تو پیش کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ آپکے منہ کو سلامت رکھے ضرور پیش کرو، چنانچہ انہوں نے ایک شاندار قصیدہ بیان کیا، یہاں چند اشعار بیان کیے جاتے ہیں:

وانت لما ولدت اشرقت الارض   فضاءت بنورک الأفق

وردت نار الخلیل مکتتما   فی صلبه انت کیف یحترق

فنحن فی ذالک الضیاء وفی النور   وسبل الرشاد نخترق

اے محبوب خدا! جب آپ پیدا ہوئے تو زمین کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا اور آسمان کے کنارے بھی آپ کے نور سے جگمگا اٹھے، آپ حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ میں جلوہ گر ہوئے کہ انکی صلب اطہر میں آپ کا نور تھا تو آگ کیسے انکو جلا سکتی تھی، ہم آپ کی روشنی میں ہدایت کے راستوں پر گامزن ہیں، ﴿زرقانی: ۳/ ۸۴، سیرت ابن کثیر: ۴/ ۵۱﴾

بعد ازاں جو لوگ غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے، وہ حاضر خدمت ہو کر قسمیں کھانے لگے اور اپنے عذر بیان کرنے لگے، انکی تعداد اسی سے زیادہ تھی، حضور رحمت دو عالم ﷺ نے انکے عذر قبول فرمائے، ان سے بیعت لی، انکے لیے استغفار کیا اور انکے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، تین مخلص صحابہ کرام، حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تمام صحابہ کرام کو مقاطعہ کا حکم دیا لہذا سب نے انکے ساتھ سلام اور کلام بند کر دیا۔

کعب بن مالک کا واقعہ:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جنگ بدر کے سوا کسی جنگ میں بھی رسول اللہ ﷺ سے پیچھے نہیں رہا تھا، میں نے لیلۃ العقبہ میں بھی حاضری دی اور اس سعادت کو میں غزوہ بدر سے بھی زیادہ اہم سمجھتا ہوں، غزوہ تبوک کے دوران میری مالی حالت بہت بہتر تھی، حالات کچھ ایسے تھے کہ پھل پکے ہوئے تھے، سائے محبوب تھے، میں ہر روز صبح سویرے جنگ کی تیاری کے لیے نکلتا لیکن ایسے ہی گھوم پھر کر واپس آ جاتا اور خیال کرتا کہ میں جب چاہوں گا تیاری کر لوں گا، ایک دن رسول اللہ ﷺ مجاہدین اسلام کے ساتھ روانہ ہو گئے اور میں اسی تیاری کے بارے میں سوچتا رہا، اہل اسلام بہت دور نکل گئے اور میں گھر میں بیٹھا رہا، افسوس! جب میں گھر سے نکلتا تو میری ملاقات ان لوگوں سے ہوتی جن پر نفاق کی تہمت تھی یا جو شرعی طور پر کمزور اور معذور تھے، رسول اللہ ﷺ نے تبوک پہنچ کر مجھے یاد فرمایا کہ کعب بن مالک کہاں ہے کہیں نظر نہیں آیا، بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! اسکو دو چادروں نے اور دونوں جانبوں نے روک لیا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا، تم نے بہت غلط بات کی ہے، خدا کی قسم ہم اسکو نیک اور مخلص جانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، پھر جب آپ ﷺ سفر تبوک سے واپس مدینہ منورہ پہنچے تو مجھے بہت غم لاحق ہوا، میں نے جھوٹے منصوبے بنانے شروع کیے کہ کل رسول اللہ ﷺ کو سنا کر آپ کو منا لوں گا، پھر میرے دل میں خیال آیا کہ سچ میں ہی نجات ہے اور میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا، لوگوں نے آپ ﷺ کے سامنے عذر بیان کیے تو آپ ﷺ نے انہیں قبول کیا، بیعت لی اور انکے بارے میں استغفار کیا، پھر ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، میں بھی حاضر خدمت ہوا اور سلام عرض کیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا جسمیں جلال کے آثار نمایاں تھے، فرمایا: آگے آ جاؤ، میں آگے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پیچھے کیوں رہے تھے کیا تم نے سفر کے لیے سواری نہیں خریدی تھی، میں نے عرض کی، کیوں نہیں، اللہ کی قسم اگر میں آپکے سوا کسی دنیا دار کے سامنے کھڑا ہوتا تو ایسے عذر تراشتا کہ اسکا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو آپ راضی ہو جائیں گے مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر

میں نے سچ بولا تو آپ ناراض ہو جائیں گے مگر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا، اللہ کی قسم میں طاقتور اور مالدار ہوں، پیچھے رہنے میں میرے پاس کوئی عذر نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ بولا ہے، چلے جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو، میرے قبیلے بنو سلمہ کے لوگ میرے پیچھے دوڑے اور کہنے لگے اللہ کی قسم اس سے پہلے تمہارا کوئی جرم سامنے نہیں آیا، تم بھی عذر کر کے معافی حاصل کر لیتے، پھر رسول اللہ ﷺ کا استغفار کافی ہوتا جس سے تمہارے گناہ کی تلافی ہو جاتی، میں نے اس کام سے انکار کر دیا اور پوچھا کہ میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے جسکے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہو، انہوں نے کہا، حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا ہے، یہ دونوں بدری صحابی تھے، ﴿امام صالحی نے لکھا ہے کہ یہاں امام زہری کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ دونوں بدری صحابی تھے حالانکہ کسی اہل مغازی نے بھی انکو اصحاب بدر میں شمار نہیں کیا﴾ سبل الھدی﴾ میں نے کہا، یہ دونوں میرے لیے نمونہ ہیں اور میں اپنے موقف پر مزید پکا ہو گیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ نہیں بولوں گا، سب لوگوں کا ہمارے ساتھ مقاطعہ ہو چکا تھا، زمین اپنی وسعت کے باوجود ہم پر تنگ ہو چکی تھی، میرے دونوں ساتھی رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتے تھے جبکہ میں گھر سے نکلتا، نماز باجماعت ادا کرتا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا اور دیکھتا کہ کیا آپ ﷺ نے جواب میں اپنے لب ہائے مبارک ہلائے ہیں یا نہیں، آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا اور آپ ﷺ کا دیدار کرتا، جب میں نماز میں مصروف ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے، جب میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تو آپ ﷺ چہرہ انور پھیر لیتے، اس طرح پچاس دن گزر گئے، ﴿اس دوران﴾ ایک دن میں اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور سلام کیا، حیران کن بات ہے کہ انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے پوچھا، میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں اللہ اور اسکے رسول سے محبت نہیں کرتا، وہ بالکل خاموش رہے، میں نے تیسری مرتبہ بھی یہی سوال کیا تو بولے اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں، انکی سرد مزاجی دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں انکے باغ کی دیوار پھلانگ کر باہر نکل آیا، ایک دن مدینہ منورہ کے بازار میں ملک

شام کا ایک کسان ملا، اس نے مجھے شاہ غسان کا خط دیا، جسمیں یہ تحریر تھی:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پیغمبر نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے، تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

میں نے خط پڑھ کر سوچا کہ یہ بھی ایک امتحان ہے، افسوس! مجھے ایک مشرک دین اسلام سے منحرف کرنے کی امید لگا کر بیٹھا تھا، میں نے وہ خط جلا دیا، جب چالیس راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ ﷺ کا پیغام آیا کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ، میں نے پوچھا، کیا طلاق دے دوں، جواب آیا کہ نہیں، بس الگ رہو، میرے دو ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا، میں نے اپنے گھر کی چھت پر ایک خیمہ لگا لیا، جب پچاس راتیں پوری ہو گئیں تو سلع پہاڑ پر کسی نے بلند آواز سے پکارا، کعب بن مالک تمہیں خوشخبری ہو میں فوراً سجدے میں گر گیا اور جان لیا کہ ہماری مشکل ٹل گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا تو لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے دوڑ پڑے، میں نے خوشخبری سنانے والے کو اپنے دونوں کپڑے عطا کر دیئے، جب میں بارگاہ رسالت کی طرف نکلا تو لوگ فوج در فوج ملتے اور مبارک باد دیتے رہے، مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم تھا، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ احسان نہیں بھول سکتا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ انور خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب سے تم اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو آج تم پر سب سے بہتر دن آیا ہے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ توبہ کی قبولیت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے، آپ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ انور چاند کی طرح چمکتا تھا، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں اس خوشی میں اپنا سارا مال اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی نذر کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ مال اپنے لیے بھی رکھ لو، میں نے کہا، میں خیبر والا مال اپنے لیے رکھ لیتا ہوں اور سچ بولنے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات عطا فرمائی ہے تو میں عہد کرتا ہوں کہ اپنی ساری زندگی سچ ہی بولتا رہوں گا، پھر فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کیا

ہے میرے دل میں جھوٹ کا تصور تک نہیں آیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی مجھے محفوظ رکھے گا، ہم تینوں آدمیوں کی شان میں یہ آیات مقدسہ نازل ہوئیں:

⊙...... لقد تاب الله على النبى والمهاجرين والانصار ......O

بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں، اس غیب کی خبریں بتانے والے اور مہاجرین وانصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں اسکا ساتھ دیا، بعد اسکے قریب تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں، پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان، رحم والا ہے اور ان تینوں پر جو موقوف رکھے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس، پھر انکی توبہ قبول فرمائی کہ وہ تائب رہیں، بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو، ﴿سورۃ التوبہ: ۱۱۷ تا ۱۱۹﴾

یہ ساری روایت صحیح بخاری شریف سے ملخصاً بیان کی گئی ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میری توبہ کی قبولیت کے لیے قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی تو میں نے فرطِ عقیدت سے حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا، ﴿سبل الھدیٰ: ۲۸۵/۵﴾

حضرت ابولبابہ کی توبہ:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دس اشخاص نے غزوہ تبوک میں حضور اکرم ﷺ سے تخلف کیا، جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا، آپ ﷺ انکے سامنے سے گزر گئے اور فرمایا کہ یہ کون ہیں، لوگوں نے کہا، یہ ابولبابہ اور انکے ساتھی ہیں، آپ انہیں معاف فرما دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں انہیں نہ کھولوں گا اور نہ انہیں معذور رکھوں گا، جب تک اللہ تعالیٰ نہ انہیں کھلوائے اور نہ انہیں معاف فرمائے، اس پر یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی:

⊙...... واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا و اخر سيأ عسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم ٥ اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقرر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا، قریب ہے کہ اللہ انکی توبہ قبول کرے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے .... اے محبوب انکے مال میں سے زکوٰۃ لو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور انکے حق میں دعائے خیر کرو، بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے، کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقے خود اپنے دست قدرت میں لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، ﴿سورۃ التوبہ:۱۰۲ تا ۱۰۴﴾

حضور اکرم ﷺ نے کسی آدمی کو بھیجا کہ ان لوگوں کو کھول کر معافی کی بشارت سنائے، مشہور روایت کے مطابق حضرت ابولبابہ کی خطا اور انکا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھنا غزوہ بنوقریظہ میں واقعہ ہوا لیکن اس روایت کی ظاہر عبارت سے ثابت ہے کہ اس وقت تو عتاب تھا اور مسجد کے ستون سے باندھنا غزوہ تبوک میں واقع ہوا، اس عبارت میں ان باقی شخصوں کے نام نہیں گنائے گئے کہ کون کون تھے، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۶۰۵﴾

غزوۂ تبوک کے اثرات:

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے رجب المرجب میں روانہ ہوئے اور جب واپس آئے تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا، اس سفر میں پچاس روز صرف ہوئے، بیس دن تبوک میں اور تیس دن آمد و رفت میں، یہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی، یہ غزوہ اپنے مخصوص احوال وحالات کے لحاظ سے سخت آزمائش اور کڑے امتحان پر مبنی تھا جس سے اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان امتیاز قائم ہوگیا، اللہ تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے کہ اللہ مومنوں کو ایسی حالت پر نہیں چھوڑتا جس پر تم لوگ ہو یہاں تک کہ خبیث کو پاک سے علیحدہ کر دے، ﴿سورہ آل عمران:۱۷۹﴾ اس غزوے میں جو شریک سفر ہوا اسے مومن کامل قرار دیا گیا اور جس نے لیت ولعل سے کام لیا یا تو اسے پیکر نفاق ٹھہرایا گیا اور یا پھر اس پر عتاب نازل کیا

گیا اور بعد میں اسے توبہ کی توفیق عطا فرما کر معافی کی سند عطا فرمائی گئی، یہ غزوہ جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا اثر پھیلانے اور اسے تقویت پہنچانے میں بڑا موثر ثابت ہوا، لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی، اس طرح جاہلوں اور منافقوں کی وہ بچی کھچی آرزویں اور امیدیں بھی ختم ہوگئیں جو مسلمانوں کے خلاف گردش زمانہ کے انتظار میں انکے نہاں خانہ دل میں پنہاں تھیں کیونکہ انکی ساری آرزووں اور امیدوں کا محور رومی طاقت تھی اور اس غزوے میں اسکا بھی بھرم کھل گیا تھا، اس لیے ان حضرات کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے امر واقعہ کے سامنے سپر ڈال دی کہ اب اس سے بھاگنے اور چھٹکارا پانے کی کوئی راہ نہیں رہ گئی تھی، اس صورتحال کی بنا پر اب اس کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ مسلمان منافقوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں لہذا اللہ تعالیٰ نے انکے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا، یہاں تک کہ انکے صدقے قبول کرنے، انکی نماز جنازہ پڑھنے، انکے لیے دعائے مغفرت کرنے اور انکی قبروں پر کھڑے ہونے سے روک دیا، پھر انکے مرکز فساد یعنی مسجد ضرار کو مسمار کروا کر انکو بالکل ظاہر کر دیا، انکے خلاف بڑی واضح آیات کا نزول ہوا جنکی بدولت منافقین مدینہ بالکل ننگے ہوگئے، اس غزوے کے اثرات کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد اور اس سے کچھ پہلے قبائل عرب کے وفود بارگاہ رسالت میں آنا شروع ہوگئے تھے لیکن انکی بھرمار اس غزوے کے بعد دیکھنے میں آئی، اس غزوے کے متعلق سورۃ التوبہ کی بہت سی آیات طیبات کچھ روانگی سے پہلے، کچھ روانگی کے بعد، کچھ دوران سفر اور کچھ مدینہ منورہ کی مراجعت کے بعد نازل ہوئیں، جن میں اسکے حالات بیان کیے گئے، اہل ایمان کی شان وعظمت دکھائی گئی، کمزور اور معذور مسلمانوں کا بھرم رکھا گیا، مخلص مومنوں کی خطا معاف کی گئی اور منافقوں کا پردہ چاک کیا گیا، اس لیے اس غزوہ کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں، لشکر اسلام سفر تبوک سے مظفر ومنصور ہو کر واپس آیا، اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہو کر براہ راست رومی سرحدوں سے جاملیں اور رومیوں کے آلہ کاروں کا بڑی حد تک خاتمہ ہوگیا، ﴿ملخصا الرحیق المختوم: ۵۹۰﴾

ارباب سیر کا بیان ہے کہ غزوہ تبوک کے بعد مسلمانوں نے اپنا اسلحہ بیچنا شروع

کر دیا اور وہ کہنے لگے کہ جہاد منقطع ہو گیا ہے، جب اسکی خبر رسول اللہ ﷺ کی سمع مبارک میں پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لایزال عصابة من امتی یجاھدون علی الحق حتی یخرج الدجال 'میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر جہاد کرنے والی باقی وقائم رہے گی، یہاں تک کہ دجال کا خروج ہو، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۴۰۶﴾

حد رجم کے واقعات:

اس سال ایک مرد اور ایک عورت کو رجم بھی کیا گیا، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کر کے زنا کیا ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کردیں، آپ ﷺ نے انکو واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر آپ ﷺ کے پاس آئے اور اپنے اس جرم کے بارے میں بتایا، آپ ﷺ نے انکو واپس کر دیا، پھر آپ ﷺ نے کسی شخص کو انکی قوم کی طرف بھیجا اور فرمایا: کیا تمہارے خیال میں اسکی عقل میں فتور ہے اور اس میں کوئی بے ربط بات ہے، انہوں نے کہا، ہمارے خیال میں انکی عقل ہم سب سے اچھی ہے، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ تیسری بار آئے اور آپ ﷺ نے پھر انکی قوم کی طرف کسی کو بھیج کر انکے متعلق پوچھا اور انہوں نے یہ خبر دی کہ انہیں کوئی بیماری ہے اور نہ انکی عقل میں کوئی فتور ہے اور جب وہ چوتھی بار آئے تو آپ ﷺ نے انکے لیے گڑھا کھودنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ کے حکم سے انکو رجم کر دیا گیا، اس کے بعد غامدیہ عورت آئی اور کہنے لگی، یارسول اللہ! میں نے بدکاری کی ہے، مجھے پاک کر دیجئے، آپ ﷺ نے اسکو واپس کر دیا، دوسرے دن آکر اس نے کہا، یارسول اللہ! آپ نے مجھے کیوں واپس کر دیا، شاید آپ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں، خدا کی قسم میں بدکاری کی وجہ سے حاملہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اگر تم نہیں ٹلتی تو بچہ پیدا ہونے کے بعد آنا، بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ اسکو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آئی اور کہا، لیجئے یہ میرا بچہ پیدا ہو گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ جا کر اسکو دودھ پلاؤ حتیٰ کہ یہ روٹی وغیرہ کھانے لگے، جب بچے کا دودھ چھوٹ گیا تو وہ اسکو لے کر آئی اور اس بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، وہ

کہنے لگی، لیجیے اے اللہ کے نبی! اسکا دودھ چھوٹ گیا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے، آپ ﷺ نے وہ بچہ ایک مسلمان شخص کے حوالے کیا اور یہ حکم دیا کہ سینے تک اس کے لیے گڑھا کھودا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسکے سر پر ایک پتھر مارا تو انکا منہ اسکے خون سے لتھڑ گیا، انہوں نے اسکو کوئی برا کلمہ کہا جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے سن لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: خالد! ایسا نہ کہو، اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظلماً تاوان لینے والا حاکم بھی ایسی توبہ کرتا تو اسکو بخش دیا جاتا، پھر آپ ﷺ کے حکم سے اسکی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اسکو دفن کیا گیا۔ (صحیح مسلم کتاب الحدود)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، بعض کہنے لگے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ ہلاک ہو گئے اور بعض کہنے لگے کہ انکی توبہ سے کسی کی توبہ افضل نہیں ہے، تین دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہی اختلاف رہا، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، درآں حال کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ سلام کرنے کے بعد بیٹھ گئے اور فرمایا: استغفروا لماعز بن مالک، ماعز ابن مالک کے لیے استغفار کرو، انہوں نے کہا کہ اللہ ماعز ابن مالک کی مغفرت فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے تمام امت پر تقسیم کر دیا جائے تو اسے کافی ہوگی۔ (ایضاً)

حضرت عویمر عجلانی کا لعان:

رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ اور انکی بیوی کے درمیان لعان واقع ہوا، حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ یہ بتاؤ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس مرد کو قتل کر دے، اگر ایسا کرے گا تو تم لوگ اس شخص کو قتل کر دو گے، پھر وہ کیا کرے، اے عاصم! تم میری خاطر رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کرو، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے مذمت فرمائی، آپ ﷺ کا جواب ان پر بہت شاق گزرا، پھر حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں تمہارے پاس کوئی اچھی خبر نہیں لے کر آیا، رسول اللہ ﷺ نے اس

سوال کو ناگوار سمجھا ہے، حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی قسم میں تو یہ مسئلہ ضرور پوچھوں گا، پھر وہ لوگوں کی موجودگی میں آپ ﷺ کے پاس گئے اور یہ مسئلہ پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں حکم نازل ہوگیا ہے، جاؤ اپنی بیوی کو لے کر آؤ، پھر ان دونوں نے لعان کیا، میں بھی اس وقت لوگوں کے ساتھ موجود تھا، جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ! اگر میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو جھوٹا قرار پاؤں گا، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے جواب دینے سے پہلے ہی اس عورت کو تین طلاقیں دے دیں، امام ابن شہاب کا قول ہے کہ لعان کرنے والوں میں یہی طریقہ رائج ہوگیا، ﴿صحیح مسلم کتاب اللعان﴾

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی حاملہ تھی اور اس بچے کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا تھا، پھر یہ طریقہ ہوگیا کہ ایسا بچہ ماں کا وارث ہوتا تھا اور ماں اسکی وارث ہوتی تھی، ﴿ایضاً﴾ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین طلاقوں پر فرمایا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان اسی طرح علیحدگی ہوگی، ﴿ایضاً﴾

لعان کا لفظ لعن سے ماخوذ ہے، لعن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اسکا معنی ہے خیر سے دور کرنا اور جب اسکی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو یہ بددعا کا کلمہ ہے، لعان کا معنی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کی تہمت لگائے تو امام اس کے اور اسکی بیوی کے درمیان لعان کروائے اور مرد سے ابتدا کرے، مرد چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ اس نے فلاں مرد کے ساتھ بدکاری کی ہے اور میں اپنی اس تہمت میں صادق ہوں، پھر پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، پھر عورت کو کھڑا کیا جائے اور وہ چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس پر گواہ بناتی ہوں کہ اس شخص نے مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے، پھر پانچویں بار کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو، لعان کے بعد وہ عورت اس شخص سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر حاملہ ہو تو بچہ اس عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، ﴿تاج العروس: ۳۳۵/۹﴾

لعان کے متعلق فقہائے اسلام میں اختلاف پایا جاتا ہے، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ اور انکے اصحاب اور

سفیان ثوری کا قول ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے، امام احمد کے دو قول ہیں، ایک میں وہ احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے، ﴿عمدۃ القاری:۲۰/۲۹۵﴾ احناف کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے ان الفاظ پر قائم ہے 'ثم فرق بینھما' پھر رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، ﴿صحیح مسلم:۱/۴۸۹،صحیح بخاری:۲/۸۰۰﴾ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی احناف نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں نہ دیتے، یا پھر رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ اب تین طلاقوں کی کیا ضرورت ہے، تفریق تو ہوگئی، ﴿شرح مسلم سعیدی:۳/۱۱۵۰﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ﴿مجلس واحد میں﴾ تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا، ﴿سنن ابی داؤد:۱/۳۰۶﴾

کچھ اور تاریخی واقعات:

سال نہم میں کچھ اور بھی تاریخی واقعات معرض وجود میں آئے، حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے اسی سال وفات پائی اور رسول اللہ ﷺ نے انکی نماز جنازہ ادا فرمائی، روایات میں آتا ہے کہ انکا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے ظاہر کر دیا گیا تھا، اسی سال رسول اللہ ﷺ کی شہزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، جس پر آپ ﷺ کو بہت زیادہ صدمہ لاحق ہوا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کاشانہ سخاوت کی بہاریں بھی روٹھ گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو اسکی شادی بھی تم سے کر دیتا، یہ روایت اور الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے، جب آپ ﷺ انکی قبر کے پاس بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات اپنی اہلیہ سے مقاربت نہ کی ہو، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم اسکی قبر میں اترو، جس طرح صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ انکی قبر میں اترے، اسی سال تبوک سے واپسی ہوئی تو بعد میں ماہ شوال کے آخری دنوں میں راس المنافقین عبد اللہ بن ابی شدید بیمار ہوا اور ماہ ذوالقعد میں فوت ہو گیا، رسول اللہ ﷺ اپنی شان رحمت کی بدولت تشریف لائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اسکو اپنی

قمیص بھی پہنائی، روایت میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے آگے کھڑے ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ ابن ابی کا جنازہ پڑھنے لگے ہیں، اس نے فلاں دن یہ کہا تھا، اسطرح وہ اسکے برے اقوال شمار کرنے لگے، آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے اور میں نے جنازہ پڑھنا پسند کیا ہے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر سے زیادہ دفعہ استغفار کرنے سے اسکی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر سے زیادہ دفعہ استغفار کرتا، جب آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھ کر واپس آئے تو تھوڑے ہی وقت میں سورۃ التوبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

⊙...... ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره، انهم كفروا بالله و رسوله وماتوا وهم فاسقون ٥ اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اسکی قبر پر کھڑے ہونا، بے شک وہ اللہ اور اسکے رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔ ﴿سورۃ التوبہ: ۸۴﴾

دراصل ابن ابی کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کا ازحد مخلص غلام تھا اور کثیر العبادت صحابی تھا، انہوں نے یہ خواہش کی کہ حضور سید عالم ﷺ انکے باپ ابن ابی کو کفن کے لیے اپنا قمیص مبارک عنایت فرمائیں اور اسکی نماز جنازہ پڑھائیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے اسکے خلاف تھی لیکن چونکہ اس وقت تک ممانعت نہیں ہوئی تھی اور حضور اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ عمل ایک ہزار آدمیوں کے ایمان لانے کا باعث ہوگا اس لیے آپ ﷺ نے قمیص مبارک بھی عنایت فرمائی اور جنازہ میں شرکت بھی فرمائی، قمیص کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں اسیر ہو کر آئے تو ابن ابی نے اپنا کرتا انہیں پہنایا تھا، حضور اکرم ﷺ نے اسکا بدلہ عطا فرمایا، اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے کسی منافق کے جنازے میں شرکت نہ فرمائی، جب کفار نے دیکھا کہ ایسا شدید العداوت شخص جب سید عالم ﷺ کے کرتے سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہے تو گویا اسکے عقیدے میں بھی آپ ﷺ اللہ کے حبیب اور اسکے سچے رسول ہیں، یہ سوچ کر ایک ہزار کافر مسلمان ہو گئے، ﴿خزائن العرفان: ۲۶۱﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن مجھے رسول اللہ ﷺ پر جرأت کرنے سے بڑا تعجب ہوا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۶۵۰﴾

بادشاہان حمیر سے رابطہ:

حضور سراپا نور ﷺ نے غزوہ تبوک کی روانگی کے وقت فرمایا تھا کہ مجھے روم اور فارس کے خزانوں کی خوشخبری دی گئی ہے اور بادشاہان حمیر کے ذریعے میری امداد کی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے اور مال غنیمت کھائیں گے، جب آپ ﷺ اس سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کو بادشاہان حمیر حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان بن قیل زی رعین، ہمدان اور معافر کا خط ملا، انکا یہ خط حضرت مالک بن مرہ رہاوی رضی اللہ عنہ لے کر آئے، جنہیں آپ ﷺ نے بادشاہان حمیر کی طرف دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا تھا، جب انہوں نے انکے قبول اسلام کی خوشخبری سنائی تو آپ ﷺ نے انکی طرف مندرجہ ذیل مکتوب گرامی رقم فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مکتوب گرامی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شاہان حمیر کی طرف ہے، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی حمد سناتا ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں، سرزمین روم سے واپسی کے بعد تمہارا قاصد ہمیں ملا اور اس نے تمہارا پیغام پہنچایا اور جو کچھ تم نے کہا اسکی خبر دی اور تمہارے قبول اسلام اور مشرکوں کے قتل عام سے مطلع کیا، یاد رکھو اگر تم نے نیک عمل کیے، اللہ اور اسکے رسول کی اتباع کی، نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی اور غنائم میں سے خمس اور صفی نکالے، نیز مسلمانوں پر جو زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اسے ادا کرتے رہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھایا ہے، بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے کھیتیوں، اونٹوں، گائیوں اور بکریوں کی زکوٰۃ کی تفصیلات بیان فرمائیں اور فرمایا جو زیادہ دے گا وہ اس کے لیے بہتر ہوگا اور جو صرف فرض ادا کرے، اپنے اسلام کی گواہی دے، کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کرے تو وہ مومن ہے، اسکو وہی انعام ملے گا جو مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے، اسے وہ کام کرنے پڑیں گے جو مسلمان کرتے ہیں اور جو شخص اپنے یہودی یا عیسائی دین پر قائم رہنا چاہتا ہے اسکو اسے چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ہاں اسے جزیہ

دینا پڑے گا جسکی مقدار ہر بالغ مرد یا عورت، آزاد یا غلام پر ایک دینار یا اس کی قیمت کے مطابق کپڑے ہیں، وہ یہ جزیہ رسول اللہ کو ادا کرے گا اور اسکے ساتھ اللہ اور اسکے رسول کا عہد ہے کہ اسکو تحفظ دیا جائے اور جو جزیہ ادا نہیں کرے گا وہ اللہ اور اسکے رسول کا دشمن ہے، اللہ تعالیٰ کے رسول محمد کریم ﷺ کی طرف سے زرعہ ذویزن کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جب میرے قاصد معاذ بن جبل، عبد اللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن عامر اور مالک بن مرہ اور انکے دیگر رفقائے سفر تمہارے پاس آئیں تو انکے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے علاقے سے زکوٰۃ اور جزیہ اکٹھا کر کے میرے قاصدوں کے حوالے کر دو، انکا سربراہ معاذ بن جبل ہے، یہ لوگ تم سے راضی ہو کر واپس آئیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اسکا بندہ اور رسول ہوں، مالک بن مرہ نے بتایا ہے کہ تم نے اسلام قبول کرلیا ہے اور مشرکوں کو قتل کیا ہے، اس عمل پر تمہارے لیے بہترین اجر کی خوشخبری ہے، میں تمہیں حمیر کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیتا ہوں، خیانت نہ کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو، اللہ کا رسول تمہارے غنیوں اور فقیروں کا دوست ہے، زکوٰۃ کا مال اللہ کے رسول اور اسکی آل پر حلال نہیں، وہ فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے کہ ان پر خرچ کیا جائے گا، مالک بن مرہ نے نہایت رازداری سے کام لیتے ہوئے تمہارا پیغام پہنچایا لہذا میں تمہیں اسکے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیتا ہوں، میں نے تمہارے پاس صالح، دیندار اور احکام الٰہی پر عمل کرنے والے لوگ بھیجے ہیں انکے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ ان پر خدا تعالیٰ کی نظر ہے اور تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکات کا نزول ہو، (سیرت ابن اسحاق)

دعوت اسلام پر طائرانہ نظر:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی عسکری سرگرمیوں اور فوجی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام کی شبانہ روز کوششیں بھی جاری تھیں، آپ ﷺ صرف علاقوں اور قبیلوں کو فتح نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ لوگوں کے دلوں پر توحید خداوندی اور رسالت محمدی کے پرچم

گاڑنا چاہتے تھے، پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار، خونخوار اور جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک عرب میں غارت گری، سفاکی اور درندگی کے خطرات نے انسانیت کا جینا دشوار کر دیا تھا، انہوں نے تو اس غارت گری کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، جیسا کہ بنو غفار، بنو اسلم اور بنو طے حاجیوں کا سامان و اسباب چرانے اور ہتھیانے میں بدنام تھے، قبیلہ عبدالقیس مضری قبائل کے خوف سے اشہر حرم کے سوا سرزمین حجاز کی طرف سفر نہیں کرسکتا تھا، ﴿صحیح بخاری: ۶۲۶/۲﴾ قرآن پاک کا بیان ہے:

⊙..... اولم یروا انا جعلنا حرما اٰمنا ویتخطف الناس من حولھم، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم بنایا اور اسکے اردگرد سے لوگ اٹھا لیے جاتے ہیں، ﴿سورۃ العنکبوت: ۶۷﴾

اس شورشِ ملک گیر کی وجہ سے کوئی تحریک بھی کسی عسکری سرگرمی کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصلی فریضہ نبوت یعنی دین ہدایت کی تبلیغ و اشاعت کو ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کیا، آپ ﷺ شروع دن سے ہی قبائل عرب کے ساتھ رابطہ کرنے اور انہیں پیغام حق پہنچانے میں مصروف کار تھے، روسائے قریش نے آپ ﷺ کے خلاف یہ محاذ گرم کر رکھا تھا کہ ہمارے شہر میں ایک صابی یعنی غیر عقیدہ آدمی پیدا ہوگیا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، انہوں نے پورے عرب میں آپ ﷺ کو اسی نام سے مشہور کر دیا تھا، ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں ابھی چھوٹا تھا اور مکہ مکرمہ سے آنے جانے والے افراد سے سنا کرتا تھا کہ وہاں ایک مدعی نبوت نے جنم لیا ہے، ﴿صحیح بخاری: ۶۳۳/۲﴾ اس شہرت عام سے بہت سے لوگ برگشتہ ہوگئے مگر بہت سے لوگوں میں اصل واقعہ کی پہچان کا شوق بھی بیدار ہوا اور وہ کشاں کشاں بارگاہ نبوت تک پہنچ گئے، کتنے ہی افراد دور دراز کے علاقوں سے آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوکر اپنے قبیلوں اور خاندانوں میں پہنچے اور انہیں بھی وحدت و رسالت کے حسین رنگ میں رنگ دیا، حضرت طفیل بن عمرو دوسی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، یہ سلسلہ اشاعت اسلام قیام مکہ ہی سے شروع ہو چکا تھا، عمرو بن عنبہ بھی آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا سن کر مکہ مکرمہ آیا اور تلاش کر کے پوچھا، آپ کون ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ

کا رسول ہوں ،اس نے کہا، آپ کی دعوت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: قرابت کا حق ادا کیا جائے ، بتوں کو توڑا جائے ، خدا تعالیٰ کو ایک مانا جائے اور کسی کو اسکا شریک نہ ٹھہرایا جائے ، اس نے پوچھا ، اس مذہب کے پیروکار کتنے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آزاد ابو بکر اور ایک غلام بلال ، اس نے کہا ، میں بھی آپ کی پیروی کروں گا ، آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی یہ ممکن نہیں تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس حالت زار میں ہوں ، میری کامیابی کی خبر سن کر میرے پاس چلے آنا ، چنانچہ وہ ہجرت کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا ، ﴿ صحیح مسلم ﴾ حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا ، انہوں نے بھی آپ ﷺ کا کلام بلاغت نظام سن کر اپنی طرف سے اور پورے قبیلے کی طرف سے اسلام کی بیعت کی ، انکی کوشش سے انکا پورا قبیلہ بنو ازد دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا ، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح مکہ مکرمہ آئے اور فیضیاب نگاہ نبوت ہو کر اپنے قبیلے میں پہنچے اور اسلام کی دعوت دی ، اس کے نتیجے میں آدھے بنو غفار مسلمان ہو گئے اور آدھے ہجرت مدینہ کے بعد اسلام سے وابستہ ہوئے ، بنو اسلم کے بنو غفار کے ساتھ بہت پرانے تعلقات تھے ، ان کے اثرات سے یہ قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا ، غزوۂ بدر کے بعد بھی اسلام تیزی سے پھیلا ، اپنے ستر اسیروں کی آزادی کے لیے قریش مکہ کے متعدد افراد کی آمد و رفت ہوئی تو وہ ان ملاقاتوں میں مسلمان ہو گئے ، مثلاً حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فدیہ دینے کے لیے آئے تو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ان آیات کو سنا:

⊙...... ام خلقوا من غیر شیء ام هم الخالقون o ام خلقوا السموٰت والارض بل لا یوقنون o کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے ، کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں ، یا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کیے ہیں بلکہ انہیں یقین نہیں ، ﴿ سورۃ الطور ، ۳۵ ، ۳۶ ﴾

انکا بیان ہے ، مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میرا دل پرواز کر گیا ہے ، اہل روم کی فتح و نصرت کی پیشگوئی بھی بدر کے موقع پر پوری ہوئی تو خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کر لیا ، پانچ ہجری میں احزاب عرب کو عبرتناک شکست ہوئی تو جو قبائل قریش ، یہود اور غطفان وغیرہ کے خوف سے اسلام کی طرف مائل نہیں ہو رہے تھے ، انہوں نے اپنے وفود

بھیجنے شروع کر دیئے، مثلاً بنو مزینہ کی چار سو آدمیوں پر مشتمل سفارت نے خواہش ظاہر کی کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہو تو ہم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم جہاں رہو مہاجر ہو، ﴿طبقات ابن سعد ۲/۳۸﴾ اس زمانے میں بنو اشجع کے ایک سو آدمی حاضر ہوئے اور اقرار کیا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے ہمارے ساتھ صلح کا معاہدہ کیجئے، آپ ﷺ نے یہ درخواست قبول فرمائی، بعد میں یہ قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا، ﴿ایضاً ۲/۳۸﴾ ان قبیلوں کی دیکھا دیکھی بنو جہینہ کی ایک ہزار آدمیوں کی جماعت بھی مسلمان ہو گئی پھر وہ لوگ اکثر غزوات اور سریات میں شریک ہوئے، غفار، اسلم، اشجع، مزینہ اور جہینہ کی اسی مسابقت اسلام اور اطاعت خیر الانام کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے انکے حق میں دعائے خیر فرمائی اور انکے مناقب بیان کیے، ﴿صحیح بخاری ۲/۳۳۰﴾ صلح حدیبیہ کے بعد تو اسلام کی اشاعت میں اور بہت زیادہ اضافہ ہوا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار افراد آئے تھے مگر جب مکہ فتح ہوا تو دس ہزار کا لشکر ابرار آپ ﷺ کے ہمراہ تھا، حضرت خالد، حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم صلح حدیبیہ کا بہترین نتیجہ ثابت ہوئے اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جیسے جانی دشمن فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے شیدائی بن گئے، تمام عرب تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو اپنا رہبر تصور کرتا تھا اس لیے وہ قریش کے انجام کا انتظار کر رہا تھا، حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے دور ایک عام گزرگاہ پر رہائش پذیر تھے، انکا بیان ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو انکی قوم پر چھوڑ دو، اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو بلاشبہ وہ پیغمبر برحق ہیں، پس جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ہر قبیلے نے اسلام کی طرف پیش قدمی کی، ابن ہشام کا بیان ہے کہ جب قریش سپر انداز ہو گئے تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے جنگ کرنے اور عداوت رکھنے کی طاقت نہیں لہذا وہ فوج درفوج دین خدا میں داخل ہونے لگے، ﴿سیرت ابن ہشام ۲/۱۔۲﴾ فتح مکہ کے بعد یہ خطرہ بالکل ٹل گیا تھا کہ اسلام کے مبلغوں کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق ہے، اس سے پہلے بہت سے حادثات رونما ہو چکے تھے، اسلام کے مبلغوں نے اپنے خون جگر سے اشاعت اسلام کی تاریخ رقم کی تھی، اب وہ بے خوف وخطر سفر کر رہے تھے، ویسے حفظ ماتقدم کے طور پر انکے ہمراہ

غازیان اسلام کی کچھ تعداد بھی روانہ کر دی جاتی تھی تا کہ کوئی زخمی ناگ انکو تکلیف پہنچانے کی جرأت نہ کر سکے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ یمن کی جانب بھیجا، بعد میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ بھی تبلیغ اسلام کی غرض سے وہاں پہنچے تو دفعتہً سارا ملک مسلمان ہو گیا، یہی وہ مبلغین اسلام تھے جن کے متعلق امام طبری نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اطراف مکہ میں کچھ جماعتیں روانہ کیں تا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں، انکو جنگ کا حکم نہیں تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ کے خلاف تلوار اٹھائی تو رسول اللہ ﷺ شدید ناراض ہوئے اور ہر مقتول کا خون بہا ادا فرمایا، گویا آپ ﷺ کا مقصد اولین ہی تبلیغ اسلام تھا، آپ ﷺ اطراف ملک میں جو جماعت بھی روانہ فرماتے اسکا سربراہ اسکو بناتے جسکو زیادہ قرآن پاک یاد ہوتا تھا یا جو دینی مسائل سے زیادہ آگاہ ہوتا تھا، آپ ﷺ نے ایک کم عمر نوجوان کو ایک جماعت کا امیر مقرر فرمایا کہ اسے سورۃ البقرہ اور کچھ اور سورتیں یاد تھیں، ﴿ترغیب وترہیب ۲۵۹/۱﴾ زیر اثر ممالک میں زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لیے ان افراد کو مقرر کیا جاتا جو نہایت زیادہ عبادت گزار، زہد پسند اور طہارت شعار ہوتے تھے، یہ اوصاف بھی بجائے خود تبلیغ دین کا بہت موثر ذریعہ ثابت ہوئے، رسول اللہ ﷺ کی لگاتار مساعی کی بدولت اسلام یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا، یہ علاقے روم و فارس کے زیر تسلط تھے، جب اسلام نے صدائے حق بلند کی تو لوگوں نے لبیک کہنا شروع کر دیا اور وہ قافلہ در قافلہ آنے لگے، قرآن پاک نے ان قافلوں کو "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کے مبارک کلمات سے یاد فرمایا ہے، یمن میں حضرت خالد، حضرت علی، حضرت معاذ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم کی سرگرم کاوشوں سے اسلام بہت تیزی سے پھیلا، اس طرح ابنائے فارس کی طرف بھی حضرت وبر بن نخیس رضی اللہ عنہ جیسے مبلغ پہنچے تو فیروز دیلمی، مرکبود اور وہب بن منبہ جیسے سرکردہ لوگ مسلمان ہوئے، صنعا میں سب سے پہلے وہب بن منبہ اور عطا بن مرکبود نے قرآن پاک حفظ کیا، ﴿تاریخ طبری﴾ اسطرح نجران کے مشرکوں کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی مساعی سے اسلام کی دولت نصیب ہوئی، بحرین میں حضرت علا حضرمی رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے ایران کا گورنر منذر بن ساویٰ مسلمان ہوا تو وہاں کے تمام عربی اور کچھ عجمی لوگ بھی مسلمان ہو گئے، ﴿فتوح البلدان﴾ رسول اللہ ﷺ اپنے

قاصدوں اور مبلغوں کو یہ ہدایت فرماتے تھے کہ سہولت ... کرنا اور سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا، مل جل کر کام کرنا، تمہیں غیر مذہب افراد سے واسطہ پڑے گا، ان سے ملنا اور توحید و رسالت کا پیغام پہنچانا، اگر وہ اسے تسلیم کریں تو انہیں کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، امیروں پر زکوٰۃ بھی فرض ہے، جب زکوٰۃ دینے پر تیار ہو جائیں تو اچھی اچھی چیزیں خود نہ رکھ لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرنا کہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا، ان مبلغین اسلام کے اعلیٰ اخلاق سے عرب کے مشرک اور کافر بہت زیادہ متاثر ہونے لگے، بہت زیادہ لوگوں نے ذوق و اشتیاق کے ساتھ بارگاہ نبوت کا رخ بھی کیا کہ جنکے مبلغین اتنے عظیم ہیں وہ خود رحمت اللعالمین ﷺ کتنے عظیم ہوں گے، رسول اللہ ﷺ آنے والے وفود کو نہایت خندہ پیشانی سے ملتے اور اچھے الفاظ کے ساتھ انکا استقبال کرتے مثلاً اہل یمن کے متعلق پہلے ہی بتا دیا کہ کل اہل یمن آئیں گے جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں، ﴿صحیح بخاری: ۶۷۱/۲﴾، انکی آمد پر فرمایا ایمان تو یمن کا ایمان ہے اور دانائی بھی یمن کی دانائی ہے، ﴿ایضاً: ۶۷۱/۲﴾ جب بنو ہمدان مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا فرمایا اور انکی سلامتی کی دعا فرمائی، گویا اب قبائل عرب بخوبی جان چکے تھے کہ انہیں اسلام قبول کرنا پڑے گا یا جزیہ دے کر صلح کرنی پڑے گی، الغرض دو اڑھائی سال میں اسلام نے اسقدر ترقی کی کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ کئی ہزار افراد رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب بنے اور تکمیل دین کا مژدہ جانفزا سماعت کیا اور ساری فضائے عرب اسلام کے حق میں سازگار بن گئی، قرآن پاک کا ارشاد ہے:

> اے محبوب! وہ خدا ہی ہے جس نے اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائی اور اس نے انکے دل باہم جوڑ دیئے، اگر تم تمام زمین کے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو انکے دل نہ جوڑ سکتے لیکن خدا نے انکے دل باہم جوڑ دیئے، بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

قبائل عرب کے وفود:

سال نہم کو عام الوفود بھی کہا جاتا ہے، وفد، وفود اور وفادہ کے معنی داخل ہونے اور وارد ہونے کے ہیں اور وفد ایسے منتخب لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں جو بڑے لوگوں اور بادشاہوں کی ملاقات کے لیے بھیجا جاتا ہے، وافد اس کا واحد ہے جیسے رکب سے راکب، یوں تو قبائل عرب کے وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے رہتے تھے لیکن اس سال تو ان وفود کا تانتا بندھ گیا، اہل مغازی نے ان وفود کی تعداد ستر سے زیادہ بیان کی ہے، رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں ایک ستون کے قریب وفود عرب سے ملاقات فرماتے تھے، اسکو "اسطوانة الوفود" کہا جاتا ہے، حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وفود کی آمد پر لباس ہائے فاخرہ زیب تن فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آراستہ رہنے کا حکم دیتے اور ان وفود کو اچھے گھروں اور مکانوں میں ٹھہراتے، انکی خوب مہمان نوازی کرتے اور ہر فرد کو انعام واکرام سے نوازتے تھے، ﴿مدارج النبوۃ ۲/۶۰۲﴾ حصول برکات کے لیے فقط چند وفود کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بنو عذرہ کا وفد:

یہ وفد ماہ صفر المظفر ۹ ہجری کو مدینہ منورہ حاضر ہوا، اس میں بارہ آدمی تھے جن میں حضرت حمزہ بن نعمان رضی اللہ عنہ شامل تھے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں تو انکے سربراہ نے کہا، ہم بنو عذرہ ہیں، حضرت قصی کے اخیافی بھائی ہیں، ہم نے انکی حمایت کر کے بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ مکرمہ سے نکالا تھا، یہاں ہماری قرابت داریاں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ملک شام کی فتح کی خوشخبری سنائی، انہیں کاہنہ عورتوں سے سوال پوچھنے اور بتوں کے ذبیحوں سے منع کیا، یہ وفد قبول اسلام کے بعد چند روز مدینہ منورہ میں ٹھہرا اور پھر اپنے علاقے کو روانہ ہوگیا، ﴿زاد المعاد ۳/۲۶﴾

بنو بلی کا وفد:

یہ وفد ماہ ربیع الاول ۹ ہجری کو مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبول اسلام کے بعد تین روز تک مقیم رہا، اس وفد کے سربراہ ابوضبیب نے پوچھا کہ کیا ضیافت میں بھی ثواب

ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی غنی یا فقیر کے ساتھ جو بھی اچھا برتاؤ کرو گے، وہ صدقہ ہے، اس نے پوچھا، ضیافت کی مدت کتنی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تین دن اور تین دن کے بعد جتنے دن ہوں وہ صدقہ ہے، کسی مہمان کے لیے حلال نہیں کہ تمہارے پاس اتنا عرصہ ٹھہرے کہ تمہیں حرج واقع ہو، اس نے پوچھا، کسی اجنبی شخص کی گمشدہ بھیڑ بکری مل جائے تو کیا حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے لیے یا تمہارے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے ہے، پھر اس نے گمشدہ اونٹ کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کھلا چھوڑ دو یہاں تک کہ اسکا مالک اسے حاصل کر لے، ﴿ایضاً﴾ ایک روایت میں ہے کہ بنو بلی کے ایک فرد حضرت ابو رویفع ثابت بلوی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں رہا کرتے تھے، جب یہ وفد آیا تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میری قوم کے لوگ حاضر ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مرحبا بک وقومک'' تمہارا آنا اور تمہاری قوم کا آنا مبارک ہو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں اسلام کے اقراری اور تمام قوم کی طرف سے اسلام کے کفیل بن کر آئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اسلام کی ہدایت عطا کرتا ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۲/۶۱۶﴾

بنو ثقیف کا وفد:

رسول اللہ ﷺ نے بنو ثقیف کے علاقے طائف کا محاصرہ کیا اور اسے فتح کیے بغیر واپس تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے اس قبیلے کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسکو ہدایت عطا فرمائے اور جلد ہمارے پاس لائے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب دانائے غیوب ﷺ کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا تو اس قبیلے میں قبول اسلام کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے، عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں میں یہ احساس بیدار ہوا کہ اردگرد کا سارا علاقہ مسلمان ہو چکا ہے، اب ہمارے اندر مقابلے کی قوت نہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے سردار عبد یالیل بن عمرو سے کہا، تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت حاصل کرو، اس نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے ساتھ بھی عروہ بن مسعود جیسا سلوک کیا جائے گا، تم میرے ساتھ کچھ اور آدمی بھی بھیجو، چنانچہ لوگوں نے احلاف میں سے دو آدمی اور بنو مالک میں سے تین آدمی اسکے ساتھ روانہ کیے، بعض سیرت

نگاروں کے نزدیک انکا وفد انیس افراد پر مشتمل تھا جن میں انکے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے، بہر حال عبد یالیل، شرحبیل بن غیلان، کنانہ بن عبد یالیل اور حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ جیسے لوگ بھی موجود تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ کم عمر تھے، جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ اونٹ چرا رہے تھے، وہ اس وفد کی خوشخبری سنانے کے لیے بارگاہ رسالت کی طرف دوڑے تو راستے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مل گئے، انہوں نے سارا حال جان کر خدا کا واسطہ دیا اور کہا کہ یہ خوشخبری سنانے کا مجھے موقع دیا جائے، وہ راضی ہو گئے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بنو ثقیف کو آداب بارگاہ رسالت سے آگاہ کیا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں اس وفد کی آمد کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے مسجد نبوی کے ایک گوشے میں قبہ لگوایا تا کہ یہ قرآن کی تلاوت سن سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ سکیں، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے رہے اور آپ ﷺ انہیں دعوت اسلام دیتے رہے، آخر انکے سربراہ نے کہا کہ آپ ہمیں ایک معاہدہ لکھ دیں جس میں بدکاری، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت دی جائے، انکے معبود لات کو برقرار رکھا جائے اور نماز معاف کر دی جائے اور انکے بت انکے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے انکی کسی بات کو بھی منظور نہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں، جب انہیں کوئی تدبیر کارگر نظر نہ آئی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا البتہ لات کو مسمار کرنے کا انتظام خود رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا، آپ ﷺ نے انہیں ایک معاہدہ لکھ دیا اور حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو انکا امیر بنا دیا کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے تھے، ایک دن انہوں نے کہا، یارسول اللہ! میں قرآن پاک یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھا اور فرمایا: اے شیطان! عثمان کے سینے سے نکل جا، وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی نسیان نہیں ہوا، ایک روز انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے فہم دین عطا فرمائے اور دولت علم سے میرا سینہ بھر دے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے مجھ سے وہ چیز مانگی ہے جو تمہارے ساتھیوں

نے نہیں مانگی لہذا تم ہی ان پر امیر ہو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی انکے ذوق علم کی بہت داد دی کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں ان سے ہی علم دین حاصل کرتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت بابرکت حاکم ثابت ہوئے، روایات میں آتا ہے کہ جب دور صدیقی میں بنوثقیف نے ارتداد کا ارادہ کیا تو انہوں نے فرمایا، اے گروہ ثقیف! تم سب سے آخر میں اسلام لائے ہو لہذا سب سے پہلے مرتد نہ بنو، انکی یہ نصیحت سن کر بنو ثقیف اسلام پر ثابت قدم رہے، بہر حال یہ وفد اپنی قوم کے پاس گیا اور اسکے سامنے حزن و ملال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اسلام قبول کر لو، بدکاری، شراب نوشی اور سود خوری چھوڑ دو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، قوم میں جاہلی تعصب اور قبائلی نخوت کے جذبے بیدار ہو گئے اور وہ تین دن تک جنگ و جدل کے متعلق منصوبے تیار کرتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے انکے دلوں پر اسلام کا رعب طاری کر دیا اور وہ ایک بار پھر وفد سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر مطالبات کو تسلیم کر لے، اس مرحلے پر وفد نے اصل حقیقت ظاہر کر دی تو بنوثقیف نے بھی بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ ﷺ نے کچھ صحابہ کرام کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں لات کو مسمار کرنے کے لیے روانہ فرمایا، ان میں حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم لوگوں کو بنو ثقیف پر ہنساؤں گا، پھر وہ صنم لات پر گرز مار کر خود ہی گر پڑے اور زمین پر ایڑیاں مارنے لگے، لوگوں پر ہیبت طاری ہو گئی اور پکارنے لگے کہ اللہ مغیرہ کو برباد کرے اسکو دیوی نے مار ڈالا ہے، یہ الفاظ سن کر وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا، اللہ تمہیں برباد کرے یہ تو پتھر کا ایک تماشا ہے، اس کے ساتھ ہی انہوں نے دروازہ توڑا اور سب سے اونچی دیوار پر جا چڑھے، صحابہ کرام بھی انکے ہمراہ چڑھ گئے یہاں تک کہ انہوں نے ضربیں لگا کر صنم لات کو زمین بوس کر دیا اور اسکی بنیاد بھی کھود ڈالی، اسکے زیورات اور ملبوسات بھی نکال لیے، یہ منظر دیکھ کر بنوثقیف سراپا حیرت بن گئے، حضرت خالد وہ سب مال لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اسی دن تقسیم فرما دیا، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ ﴿زاد المعاد: ۲۸/۳﴾

بنو ہمدان کا وفد:

جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے، بنو ہمدان کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے انکے لیے ایک تحریر لکھی جس میں انہوں نے جو مانگا تھا آپ ﷺ نے عطا فرما دیا اور مالک بن نمط رضی اللہ عنہ کو انکا امیر مقرر فرمایا اور باقی لوگوں کے پاس حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام پہنچانے کے لیے بھیجا، وہ انکے پاس چھ مہینے قیام فرما رہے لیکن کسی نے اسلام قبول نہ کیا پھر آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا خط سنایا اور اسلام کی دعوت دی تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا، انہوں نے بارگاہ رسالت میں بنو ہمدان کے قبول اسلام کی خوشخبری ارسال کی تو آپ ﷺ فرط تشکر سے سجدہ ریز ہو گئے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا: ہمدان پر سلام ہو، ہمدان پر سلام ہو، ﴿زاد المعاد: ۴۸/۳﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا: بنو ہمدان سب قبیلوں میں بہترین قبیلہ ہے اور دوست کی امداد کرنے کے لیے تیز رفتاری سے بڑھتا ہے اور مصیبت کے وقت صبر سے کام لیتا ہے، اس قبیلے میں اسلام کے ابدال اور اوتاد ہونگے ﴿سبل الھدیٰ: ۶/۶۵۷﴾، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! کیا آپ مجھے مجھ سے زیادہ عمر کے لوگوں کی طرف بھیج رہے ہیں، میری عمر تھوڑی ہے اور میں فیصلہ کرنا بھی نہیں جانتا، آپ ﷺ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور دعا فرمائی، یا اللہ اسکی زبان کو حق پر قائم رکھنا اور اسکے دل کو راہ ہدایت پر دائم رکھنا، پھر فرمایا: اے علی! جب تمہارے پاس دو گروہ فیصلہ کروانے کے لیے آئیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک دونوں کی بات نہ سن لو ﴿جامع ترمذی﴾ روایت میں آتا ہے کہ اس وفد میں مالک بن نمط، مالک بن ایفع، ضمام بن مالک اور عمرو بن مالک جیسے سرکردہ لوگ شامل تھے، ان سب نے دھاری دار قمیصیں اور عدن کی پگڑیاں پہنی ہوئی تھیں اور مہری اونٹنیوں پر سوار تھے، مالک بن نمط نے آپ ﷺ کے سامنے نہایت خوبصورت قصیدہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا، جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے:

یہ اونٹنیاں موسم گرما اور موسم سرما میں شاداب علاقوں سے گزر کر رسول اللہ کے پاس آئی ہیں، انہیں کھجور کی رسیوں کی مہاریں ڈالی ہوئی ہیں، میں نے

رسول اللہ کو سخت اندھیرے میں اس وقت یاد کیا جب ہم ایک کشادہ اور سخت میدان کے بالائی حصے میں سفر کر رہے تھے، ہم اللہ کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رب العرش کے ہدایت یافتہ پیغمبر ہیں، آج تک کسی اونٹنی نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر نیک سلوک کرنے والا اور عہد کا پکا کوئی آدمی اپنی زین پر سوار نہیں کیا، سائل کے آنے پر ان سے بڑھ کر دینے والا اور مشرفی قاطع تلوار کی دھار سے زیادہ سرعت کے ساتھ اپنے عزم کو جامۂ عمل پہنانے والا کوئی نہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۶۷۰﴾

بنو اسد کا وفد:

اسی سال بنو اسد بن خزیمہ کا دس افراد پر مشتمل وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہوئے کہا کہ ہم قحط سالی کے زمانے میں لمبا سفر کر کے آئے ہیں، راتوں کو آسودہ ہو کر کھانا بھی نہیں کھایا، ہم پر لشکر کشی بھی نہیں ہوئی، ہم اپنے ذوق و رغبت کے ساتھ مسلمان ہوئے، اس انداز تخاطب پر قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

⊙...... یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صدقین ○ اے محبوب وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو گئے تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو، ﴿سورۃ الحجرات: ۱۷﴾

بنو فزارہ کا وفد:

بنو فزارہ کا تقریباً بیس افراد پر مشتمل وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا، اس وفد میں حضرت خارجہ بن حصین اور حر بن قیس فزاری بھی شامل تھے، یہ سب عینیہ بن حصین فزاری کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو مولفۃ القلوب میں سے تھا، الغرض یہ جماعت حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اپنے فقر و فاقہ کے متعلق عرض کرنے

لگی، ساتھ ہی قحط سالی کا رونا بھی رویا اور بارش کا مطالبہ کیا، رسول اکرم ﷺ منبر مبارک پر تشریف لے گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی:

یا اللہ! اپنے ملک پر اور اپنے چوپایوں پر بارش نازل فرما، اپنی رحمت عام فرما، اپنے مردہ شہر کو زندہ فرما، ہم پر ایسی بارش برسا جو ہماری فریاد رسی کرے، راحت پہنچا دے، خوشگواری عطا کرے اور ہمہ گیر ہو جائے، بارش جلد آئے، دیر نہ لگائے، نفع دے، نقصان نہ پہنچائے، اے اللہ! رحمت کی بارش عطا فرما، عذاب کی بارش نہیں، جو نہ ڈھانے والی، نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی بارش ہو، اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب فرما اور دشمنوں کے خلاف ہماری امداد فرما۔ (زاد المعاد ۴۸/۳)

روایت میں آتا ہے کہ کامل ایک ہفتے تک بارش ہوتی رہی پھر دوسرے ہفتے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ کھیتوں، باغوں اور چشموں پر بارش ہو، شہر مدینہ میں بارش نہ ہو، اسی وقت ابر چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا، اسی قسم کا واقعہ ۶ ہجری میں بھی پیش آیا تھا کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی کے کہنے پر بارش کی دعا فرمائی تھی تو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ (مدارج النبوۃ ۲۰۸/۲)

جن کو سوئے آسماں پھیلا کے جل تھل کر دیئے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

بنو مرہ کا وفد:

بنو مرہ کا وفد تیرہ افراد پر مشتمل تھا، وہ سب لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے، انکے سردار حارث بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی قوم اور خاندان لوی بن غالب کی نسل سے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور انکے شہروں کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے قحط سالی کی شکایت کی اور بارش کی التجا کی، حضور کرم ﷺ نے دعا فرمائی: یا اللہ! انہیں بارش سے سیراب فرما، پھر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر فرد کو دس اوقیہ چاندی اور چار سو درہم عنایت کیے جائیں اور حارث کو بارہ اوقیہ چاندی دی جائے، بعد ازاں وہ اپنی منزلوں کی طرف چلے گئے، انہوں نے جا کر تحقیق کی تو

معلوم ہوا کہ جس دن حضور اکرم ﷺ نے بارش کی دعا فرمائی تھی اسی دن انکے شہروں میں بارش ہوئی، ﴿مدارج النبوہ:۲/۲۰۸﴾

بنو بکا کا وفد:

بنو بکا کا وفد بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا، ان لوگوں میں معونہ بن نور بن عبادہ بن بکا نامی آدمی کی عمر سو سال تھی، اسکے ہمراہ اسکا بیٹا بشر بھی موجود تھا، اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس پر دست مبارک پھیریں تاکہ یہ میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، آپ ﷺ نے اسکے چہرے پر دست مبارک پھیرا اور اسے چند بکریاں عنایت فرمائیں، پھر ان سب کے لیے برکت کی دعا فرمائی، اسکے بعد جب کبھی بنو بکا کے علاقے میں قحط سالی نمودار ہوتی تو اس قوم کو کوئی تنگی لاحق نہ ہوتی، ان میں ایک اور عبد عمرو نامی آدمی موجود تھا، آپ ﷺ نے اسکا نام عبدالرحمٰن رکھا اور اسے اس کے شہر کی اراضی سے ایک قطعہ زمین عطا فرمایا، ﴿مدارج النبوۃ:۲/۲۰۹﴾

بنو کنانہ کا وفد:

جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے تو بنو کنانہ کا وفد حاضر خدمت ہوا، اس وفد کا سردار واثلہ بن اسقع لیثی تھا، یہ لوگ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے، حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹ گئے اور اپنی قوم کو اپنے قبول اسلام کی اطلاع دی، انکا باپ کہنے لگا کہ میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا لیکن انکی بہن مسلمان ہو گئی، وہ تیاری کر کے مدینہ منورہ آئے تو معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ تبوک جا چکے ہیں، انہوں نے کہا کہ کوئی شخص مجھے سوار کر کے وہاں پہنچا دے تو میں اپنا مال غنیمت اسے دے دوں گا، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں سوار کر لیا، وہ تبوک میں حاضر بارگاہ رسالت ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اکیدر سے جنگ کرنے کے لیے بھیج دیا، پھر اس مال غنیمت سے انہیں تقریباً چھ اونٹ عطا کیے، وہ اپنی شرط کے مطابق حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت دینے لگے تو انہوں نے کہا، میں نے تمہیں خدا تعالیٰ کے لیے سوار کیا تھا، میں نہیں چاہتا کہ اس جذبے کو کسی غرض کے ساتھ

آلودہ کروں، حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی تین سال خدمت کی، انہیں اصحاب صفہ میں جگہ عنایت کی گئی، بعدازاں وہ بصرے میں اور پھر شام میں رہائش پذیر ہوئے اور پچاسی یا چھیاسی ہجری میں وفات پائی، انکی عمر اٹھانوے سال تھی، دمشق میں وصال فرمانے والے آخری صحابی رسول تھے، ﴿مدارج النبوۃ ۶۰۹/۲﴾

بنو ہلال کا وفد:

بنو ہلال کا وفد بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا، اس وفد میں زیاد بن عبداللہ، عبد بن احرم اور قبیصہ بن مخارق جیسے لوگ شامل تھے، حضرت زیاد رضی اللہ عنہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر جلال کے آثار نظر آئے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ میری بہن کا لڑکا ہے، آپ ﷺ تشریف فرما ہو گئے، بعدازاں مسجد نبوی میں گئے تو حضرت زیاد رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ گئے، آپ ﷺ نے انہیں اپنے قریب جگہ عطا فرمائی اور بہت سی دعاؤں سے سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی اپنا دست مبارک بھی انکے سر پر پھیرا، بنو ہلال کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم انکے چہرے میں برکت و نور کا اثر زیادہ مشاہدہ کرتے رہے، ﴿مدارج النبوۃ ۶۱۰/۲﴾ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی زوجہ کے عزیز واقارب کے ساتھ محبت کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، قبیصہ بن مخارق نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے قرض کا بوجھ اٹھا رکھا ہے، آپ اسکی ادائیگی میں میری دستگیری فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ہمارے پاس رہو، کوئی صدقہ آئے گا تو تمہارا قرض ادا کردوں گا، اس کے بعد فرمایا: تین باتوں کے سوا کسی سے سوال کرنا حلال نہیں، ایک یہ کہ اگر کسی نے قرض کا بوجھ اٹھا رکھا ہے تو وہ لوگوں سے معاونت کا سوال کرسکتا ہے، دوسرا یہ کہ اگر کسی کو کوئی حادثہ پہنچا اور اسکا مال تباہ ہو گیا تو وہ لوگوں سے امداد لے سکتا ہے اور تیسرا یہ کہ اگر کسی کو فاقہ آئے اور تین عقلمند آدمی اسکے فاقے کی گواہی دیں تو وہ بقدر حاجت سوال کرسکتا ہے، جو ان تین صورتوں کے سوا سوال کر کے کھاتا ہے تو وہ حرام کھاتا ہے، ﴿صحیح مسلم، مدارج النبوۃ ۶۱۱/۲﴾

بنو عامر کا وفد:

بنو عامر کا وفد بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اس وفد میں عامر بن طفیل بن مالک، اربد بن ربیعہ، بروایت دیگر اربد بن قیس، خالد بن جعفر اور حسان بن اسلم جیسے سرکردہ لوگ شامل تھے، یہ عامر بن طفیل وہی بدبخت انسان ہے جس نے ستر قاریوں کو شہید کیا تھا، انکا واقعہ بئر معونہ کے ضمن میں گزر چکا ہے، اس بار بھی وہ فریب کاری کے لیے پہنچا، اس نے اربد سے طے کیا تھا کہ میں حضرت محمد ﷺ کو باتوں میں مشغول کروں گا اور تم پیچھے سے تلوار کا وار کر کے انہیں شہید کر دینا، اس طرح ہمارے دلوں کو سکون مل جائے گا ﴿معاذ اللہ﴾ جب وہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عامر نے کہا، اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لیے کیا ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: جو دوسرے مسلمانوں کے لیے ہے، اس نے کہا، آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ بنائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہاری قوم اسکی حقدار نہیں، اسکے حقدار اور حضرات ہیں جنھیں تم نہیں جانتے، اس نے کہا، مجھے اعرابیوں اور صحرا نشینوں پر ولایت دیجئے اور آپ شہروں پر حاکم رہیے آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایک جماعت کا سردار مقرر کر دوں گا تا کہ تم راہ خدا میں جہاد کر کے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرو، اس نے کہا، خدا کی قسم میں پہلے ہی قوم کا سردار ہوں، اب میں واپس جا کر پیادوں اور سواروں کا ایک لشکر جرار آپ کے خلاف تیار کروں گا، ایک روایت میں ہے کہ میں بنو غطفان کے ایک ہزار گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹوں پر سوار لشکر کا انتظام کروں گا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے دھمکی دی، اگر میری بات نہ مانی گئی تو میں مدینہ کی ہر کھجور کے ساتھ گھوڑا باندھوں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور قیلہ کے فرزند یعنی اوس وخزرج تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے، پھر وہ نکل گیا، باہر جا کر اس نے اربد سے پوچھا کہ تم نے اپنا کام کیوں نہیں کیا، اس نے کہا، خدا کی قسم میں نے جب بھی انکو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو تمہیں انکے اور اپنے درمیان حائل پایا، اب کیا میں تمہیں قتل کر دیتا، ادھر رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی، یا اللہ! مجھے عامر کے شر سے محفوظ رکھنا، بروایت دیگر مجھے عامر اور اربد کے شر سے محفوظ رکھنا، اس دعا کی تاثیر اس طرح ظاہر ہوئی کہ اربد کو آسمانی بجلی نے جلا کر خاکستر بنا دیا اور عامر کے گلے میں طاعون کی

گلٹی نمودار ہوئی، جس طرح اونٹ کی گردن میں غدود ہوتے ہیں اور وہ ایک سلولیہ عورت کے گھر ٹھہر گیا، اس حالت زار پر اس نے کہا ''غدة کغدة البعیر والموت فی بیت السلولیہ''، یعنی اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی اور سلولی عورت کے گھر میں موت، اسکا یہ جملہ ضرب المثل بن گیا جسے عرب اس وقت بولتے ہیں جب محبت کی نوع میں کوئی ناگواری پیش آئے، بعدازاں وہ سلولیہ کے گھر سے نکلا اور راستے ہی میں گھوڑے کی پشت پر عبرت کی موت مر گیا، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت عطا فرما اور اسلام کو عامر سے بے نیاز کر دے، اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی بنو عامر ہدایت پا گئے اور اسلام میں داخل ہو گئے، ﴿ملخص مدارج النبوۃ ۲/ ۲۱۳﴾

اربد مشہور عربی شاعر لبید کا ماں کی طرف سے بھائی تھا، لبید نے اسکی جدائی پر بڑا دردناک مرثیہ کہا، ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اربد جیسے حادثے کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ جلانے والی بجلی بھیج کر جسکو چاہتا ہے ہلاک کر ڈالتا ہے، ﴿سورۃ الرعد ۱۳﴾

بنو حنیفہ کا وفد:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب حضور اکرم ﷺ کے دور میں مدینہ منورہ آیا اور کہنے لگا کہ اگر حضرت محمد مجھے اپنا خلیفہ بنالیں تو میں ان کی اتباع کرلوں گا، اس کے ساتھ اسکی قوم کے بہت سے افراد بھی آئے تھے، رسول اللہ ﷺ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان سے ملے، اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اتباع کے لیے مجھ سے یہ چھڑی بھی مانگو گے تو میں تمہیں یہ بھی نہیں دوں گا، تم اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز نہیں کر سکتے، اگر تم نے اسلام سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا، میں تمہیں وہی آدمی خیال کرتا ہوں جس کے متعلق میں نے خواب دیکھا ہے، پھر آپ ﷺ واپس چلے گئے اور فرمایا: میری طرف سے ثابت بن قیس تمہیں جواب دے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، جب میں نے آپ ﷺ کے خواب کے متعلق دریافت کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک دفعہ سویا ہوا تھا، میں نے اپنے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے بہت زیادہ فکر دامن گیر ہوئی تو میری طرف خواب میں وحی نازل

ہوئی کہ ان پر پھونک مارو، میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے، میرے نزدیک اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ دونوں کنگنوں سے مراد دو کذاب ہیں جو میرے بعد پیدا ہوں گے، ایک اسود عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ کذاب ہے، ﴿صحیح بخاری ۲/۶۲۵﴾ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بنو حنیفہ کا وفد آیا اور مسلمان ہو گیا، امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ وہ مسیلمہ کذاب کو اپنے ڈیرے پر چھوڑ آئے اور اسکا تذکرہ کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنا ایک ساتھی اپنی سواریوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ آئے ہیں، آپ ﷺ نے سب کو تحائف دیئے اور اسکو بھی تحائف دینے کا حکم دیا اور فرمایا: وہ مرتبے میں تم سے کم نہیں جبکہ وہ اپنے رفیقوں کی حفاظت کر رہا ہے، انہوں نے ڈیرے پر آ کر وہ تحائف اسکے حوالے کر دیئے، یمامہ پہنچ کر مسیلمہ مرتد ہو گیا اور خود نبوت کا دعویٰ کر کے کہنے لگا کہ میں بھی نبوت میں رسول اللہ ﷺ کا شریک کار ہوں، کیا انہوں نے میرے متعلق نہیں فرمایا کہ وہ مرتبے میں تم سے کم نہیں، پھر اس نے قرآن پاک کا مقابلہ کرنے کے لیے مسجع کلام بھی مرتب کیا، اس نے اپنے پیروکاروں کو نماز کی رخصت اور بدکاری اور شراب نوشی کی اجازت دے دی، وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا تھا مگر ساتھ اپنی جھوٹی نبوت کا اعلان بھی کرتا تھا، بنو حنیفہ اسکی اتباع کرنے لگے، اس نے آپ ﷺ کو ایک خط بھی لکھا: یہ خط اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف ہے، مجھے نبوت کے معاملے میں آپکا شریک کار بنایا گیا ہے، اس لیے آدھی حکومت بنو حنیفہ کی اور آدھی حکومت قریش کی ہوگی لیکن قریش انصاف پسند نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسکے جواب میں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف ہے، اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے اور آخر پرہیزگار ہی کامیاب ہونگے، ﴿سیرت ابن ہشام ۲/۵۹۵، زاد المعاد ۳/۲۳﴾

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال مسیلمہ کذاب کے قاصد بن کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، انہوں نے کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لایا اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کرتا، ﴿مشکوٰۃ: ۲/۳۴۷﴾ مسیلمہ کذاب نے ۱۰ ہجری کو دعوی نبوت کیا، اسکے پیروکار اسکو رحمٰن یمامہ کے لقب سے یاد کرتے تھے، روایات میں آتا ہے کہ اس نے کچھ "کمالات" دکھانے کی بھی کوشش کی مثلاً ایک شخص کی آنکھوں میں اپنا لعاب ڈالا تو وہ اندھا ہو گیا، ایک کنوئیں میں لعاب ڈالا تو وہ کھارا ہو گیا، ایک بچے کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ گنجا ہو گیا گویا ان تمام "کمالات" کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسکی رسوائی کا سبب بنا دیا، وہ ربیع الاول ۱۲ ہجری کو خلافت صدیقی میں جنگ یمامہ کے دوران حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا، ایک دوسرا مدعی نبوت اسود عنسی تھا جس نے یمن میں فساد برپا کر رکھا تھا، اسے حضور اکرم ﷺ کے وصال سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے حضرت فیروز رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، حضور اکرم ﷺ کے پاس اسکے قتل کے متعلق وحی آئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باخبر کیا، اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قاصد کے ذریعے خبر آئی، ﴿فتح الباری ۸/۹۳﴾

بنو طے کا وفد:

بنو طے کا وفد بھی رسول اللہ ﷺ کی مقدس بارگاہ میں حاضر ہوا، ان لوگوں کا سردار زید الخیل تھا، دوران گفتگو آپ ﷺ نے انکو دعوت اسلام دی تو وہ سب لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عرب کے جس شخص کی بھی میرے سامنے فضیلت بیان کی گئی، جب اس سے ملاقات ہوئی تو وہ اس سے کم ہی نکلا لیکن زید الخیل کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ افضل ہے، پھر آپ ﷺ نے زید الخیل کی بجائے انکا لقب زید الخیر رکھ دیا اور انہیں فید کے علاقے کی جاگیر بھی عطا فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ جب وہ رخصت ہونے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر زید الخیر مدینہ منورہ کے بخار سے بچ گیا تو پھر کوئی ڈر نہیں، چنانچہ ابھی وہ یمن کے فردہ نامی چشمے پر پہنچے ہی تھے کہ انہیں بخار ہو گیا اور وہ ملک عدم کو روانہ ہو گئے، ﴿سیرت ابن ہشام ۲/۲۹۰، طبقات ابن سعد، تاریخ طبری﴾ امام ابن عبد البر کا قول ہے کہ انکا انتقال خلافت فاروقی کے آخری دورانیے میں

ہوا، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زید الخیر تمہاری موت بخار کی وجہ سے ہوگی، چنانچہ جب وہ گھر پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو کر فوت ہوگئے، انکے دو بیٹے حریث بن زید اور مکنف بن زید نے اسلام قبول کیا اور شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے۔

فروہ بن مسیک مرادی کا وفد:

فروہ بن مسیک مرادی شاہان بنی کندہ سے جدا ہو کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، ظہور اسلام سے پہلے قبیلہ بنو مراد اور بنو ہمدان میں جنگ ہوئی تھی، جس میں بنو ہمدان نے بنو مراد کو بہت زیادہ قتل و غارت کا نشانہ بنایا، اس جنگ کے دن کا نام یوم الروم مشہور ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا، اے فروہ! تمہاری قوم کو جو صدمہ یوم الروم کی جنگ میں پہنچا کیا تمہیں بھی اسکا کچھ رنج ہوا یا نہیں، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایسا کون شخص ہوگا جسکو اپنی قوم کے صدمے سے رنج نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: اس صدمے نے تمہاری قوم کی خیر و خوبی میں اضافہ کیا ہے، پھر آپ ﷺ نے انہیں بنو مراد، بنو زبید اور بنو مذحج کا حاکم بنا کر روانہ کیا اور حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو انکے ہمراہ وصولی زکوٰۃ کے لیے مقرر فرمایا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصال تک وہیں قیام پذیر رہے، (سیرت ابن ہشام ۲/۲۹۶)

بنو زبید کا وفد:

مشہور صحابی عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اپنی قوم زبید کے کچھ افراد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، پھر فروہ بن مسیک مرادی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں واپس ہوئے، کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ان میں ارتداد ظاہر ہوا لیکن پھر قسمت نے یاوری کی اور دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں عجمیوں سے جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا، (مختصر سیرۃ الرسول ۶۶۶)

اہل یمن کا وفد:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ

لوگ آئیں گے جنکے دل تم سے زیادہ نرم ہیں، پھر بنو اشعر کے لوگ یہ رجز کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ کل ہم حضرت محمد ﷺ اور انکی جماعت کے لوگوں سے ملاقات کریں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان تو یمن کا ایمان ہے اور دانائی بھی یمن کی دانائی ہے، آرام بکریاں پالنے والوں میں ہے اور غرور اونٹوں کے مالکوں میں ہے جو مشرق کی طرف رہتے ہیں، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بنو تمیم کے کچھ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: بنو تمیم تم بشارت قبول کرو، انہوں نے کہا، آپ بشارت تو سناتے ہیں مگر مال نہیں دیتے، اس پر آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کا رنگ بدل گیا، پھر اہل یمن کی ایک جماعت آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے اہل یمن! بنو تمیم نے بشارت قبول نہیں کی تو تم بشارت قبول کر لو، انہوں نے کہا، ہم نے بشارت قبول کی، پھر وہ بولے یا رسول اللہ! ہم آپ سے دین سمجھنے آئے ہیں اور یہ پوچھتے ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے کونسی چیز موجود تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات موجود تھی، اسکا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا ہے، ☆ صحیح بخاری ۱/۴۱۷، مختصر سیرۃ الرسول ۶۶۶ ☆ یاد رہے کہ بنو اشعر اور اہل یمن اکھٹے نہیں آئے تھے، بنو اشعر تو فتح خیبر کے وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے اور اہل یمن عام الوفود ۹ ہجری میں آئے، اسی وجہ سے بنو تمیم اور اہل یمن کا آپس میں اجتماع ہوا۔

بنو ازد کا وفد:

بنو ازد کا وفد حضرت صرد بن عبد اللہ ازدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بارگاہ رسالت کی حاضری سے شرف یاب ہوا اور اسلام قبول کیا، آپ ﷺ نے انہیں اپنے قبیلے کے مسلمانوں پر امیر مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ یمن کے گردونواح کے مشرک قبیلوں سے جہاد کرو، انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے شہر جرش پر فوج کشی کی، اس شہر کی فصیل بہت مضبوط تھی اور اسکے اندر عرب کے کچھ قبائل آباد تھے، بنو خثعم نے مسلمانوں کے حملے کی خبر سنی تو وہ اس شہر میں پناہ گزین ہو گئے، مسلمانوں نے ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا مگر کامیابی نہ ہوئی، آخر انہوں نے محاصرہ اٹھا کر واپس چلنے کا فیصلہ کیا، جب وہ شکر نامی پہاڑ کے قریب پہنچے تو اہل جرش نے انکا تعاقب کیا، انہوں نے واپس مڑ کر اس زور کا حملہ کیا کہ اہل جرش

بہت سے آدمی مروا کر پسپا ہو گئے، اس واقعہ سے پہلے اہل جرش نے مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے اپنے دو آدمی بارگاہ رسالت میں بھیجے تھے، وہ ایک دن نماز عصر کے بعد حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا شکر پہاڑ کس ملک میں ہے، انہوں نے کہا، یارسول اللہ! ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ کو کشر کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں اسکا نام شکر ہے، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! وہاں کیا ہو رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں قربانی کے جانور ذبح ہو رہے ہیں، پھر وہ تھوڑی دیر بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے کہا، تم پر افسوس! رسول اللہ ﷺ نے تو قربانیوں کے ذکر کی صورت میں تمہاری قوم کی موت کی خبر دی ہے، تم آپ ﷺ سے اس عذاب کو دور کرانے کی دعا کراؤ، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں دعا کے لیے عرض گزار ہوئے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی یا اللہ! ان سے عذاب کو دور کر دے، پھر انہوں نے واپس جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جس دن رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی اسی دن انکی قوم کا قتل عام ہوا تھا، بعد ازاں اہل جرش کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا اور آپ ﷺ نے انہیں اپنے شہر کے قریب ایک چراگاہ بنانے کی اجازت عطا فرمائی۔ (سیرت ابن ہشام: ۴۸۹/۲)

بنو نجیب کا وفد:

بنو نجیب کا وفد تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنی زکوٰۃ کے مواشی اور اموال لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انکو خوش آمدید فرمایا نیز حکم دیا کہ اپنی زکوٰۃ کے اموال اپنے فقیروں اور ضرورت مندوں پر تقسیم کر دو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم اتنا ہی مال زکوٰۃ لائے ہیں جتنا ہمارے ضرورت مندوں سے بچ گیا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ! بنو نجیب کے وفد کی مانند عرب کا کوئی وفد نہیں آیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے ہدایت دی اور اپنا کرم فرمایا، ہر وہ شخص جو کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اسکے سینے کو کھول دیتا ہے، پھر انہوں نے فرائض اور سنن اور قرآن پاک کے متعلق مسائل دریافت کیے تو رسول اللہ ﷺ کو انکے ساتھ اور زیادہ محبت ہو گئی، آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ

انکی اچھی طرح مہمان نوازی کرو، آپ ﷺ نے انکی رخصت کے وقت تمام وفود سے زیادہ انکو نوازشات سے سرفراز فرمایا، اس سے معلوم ہوا جو اطاعت وعبادت میں کوشش کرتا ہے، دنیوی فوائد بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی باقی بھی رہا ہے، انہوں نے کہا، ایک نوجوان خادم کو ہم اپنی اقامت گاہ میں چھوڑ آئے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے اسے بھی اپنے پاس بلایا تو اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں اسی قوم کا ایک فرد ہوں جنکی حاجتیں آپ نے پوری فرمادی ہیں، میری حاجت بھی پوری فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری کیا حاجت ہے، اس نے کہا، میں آپ سے مال دنیا کا سوال نہیں کرتا، آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحمت فرمائے اور میرے دل کو مال دنیا سے بے نیاز کردے، رسول اللہ ﷺ نے اسکی بلند ہمتی کو مشاہدہ فرما کر دعا کی، اے اللہ! اسکی بخشش فرما اور اس پر رحمت فرما اور اسکے دل کو غنی کر دے، پھر آپ ﷺ نے اسکو بھی باقی وفد جتنا انعام دیا اور اسکے لیے برکت کی دعا فرمائی، وہ نوجوان اپنی قوم میں سب سے بہتر، سب سے موقر اور سب سے امیر بن گیا، وہ اپنی قوم کی امامت کروایا کرتا تھا، جب بنو نجیب حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں منیٰ کے مقام پر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا کہ ہم نے اس جیسا صبر وقناعت والا آدمی کہیں نہیں دیکھا اگر تمام جہان بھی اسکے حصے میں آجائے تو وہ اسکی طرف نگاہ التفات نہ کرے ؎

اگرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم
گر بآب چشمہ خورشید دامن تر کنم

جب ارتداد کی لہر چلی تو اس نوجوان کے قدم ثابت رہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اسکے متعلق پوچھتے رہے، انہوں نے حاکم حضرموت حضرت زیاد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسکا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی، (سیرت دحلان: ۶/۳، ۳ زاد المعاد ۳/ ۶۱۵)

بنو لخم کا وفد:

بنو لخم کے دس افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، انکا سربراہ ہانی بن حبیب تھا، انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں کئی گھوڑے، ایک قبائے زربفت اور مشکیزہ خمر

بطور ہدیہ پیش کیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا ہے، ہانی نے کہا، میں اسے فروخت کر دیتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: شراب کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، آپ ﷺ نے گھوڑوں اور قبائے زربفت کو قبول فرمالیا، آپ ﷺ نے وہ قبا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ تو مردوں پر حرام ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے سونا الگ کر کے اپنی بیوی کا زیور بنا لو اور کچھ اپنے اوپر خرچ کر لو جبکہ ریشمی کپڑے کو فروخت کر کے اسکی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے آٹھ ہزار درہم میں ایک یہودی تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ (مدارج النبوۃ ۲/۱۷۶)

بنومزینہ کا وفد:

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم بنومزینہ کے چار سو آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، کچھ عرصے کے بعد جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! ان مسافروں کو زادراہ عطا کرو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں، میرا خیال ہے کہ یہ لوگ مطمئن نہیں ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: عمر! جاؤ اور انکو زادراہ عطا کرو، وہ ہمیں اپنے بالا خانے میں لے آئے، وہاں ایک اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر کھجوروں کا ڈھیر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس ڈھیر میں اتنی برکت پیدا کر دی کہ سب لوگوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں حاصل کیں مگر میں نے دیکھا کہ گویا اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ (مختصر سیرۃ الرسول ۱۷۶)

بنوقضاعہ کا وفد:

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اپنی قوم کے کچھ افراد کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا، ہمارا سارا علاقہ آپ ﷺ کے زیر تسلط تھا، کچھ لوگ مسلمان تھے اور کچھ لوگ کافر تھے، مگر وہ مسلمانوں سے خوفزدہ رہتے تھے، ہم نے مدینہ منورہ کے ایک گوشے میں پڑاؤ کیا اور وہاں اپنا سامان رکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے، فراغت نماز کے بعد آپ ﷺ نے

ہماری طرف توجہ فرمائی اور پوچھا کہ تمہارا کیا تعارف ہے، ہم نے کہا، ہم بنو قضاعہ کی شاخ بنوسعد بن ہذیم کے افراد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مسلمان ہو، ہم نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم نے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی، ہم نے کہا، یارسول اللہ! ہم یہ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کی بیعت کے بغیر ہم نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم نے کلمہ پڑھ لیا تو مسلمان ہو گئے، پھر ہم نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اپنے پڑاؤ میں آ گئے، وہاں ہم نے ایک کم عمر آدمی حفاظت کے لیے چھوڑا ہوا تھا، اس لیے وہ بیعت سے محروم رہا، کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں بلوایا تو ہم حاضر ہوئے، اس وقت اس کم عمر آدمی نے بھی بیعت کی، ہم نے کہا، یارسول اللہ! یہ ہم سب سے کم عمر کا آدمی ہے اور ہمارا خادم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: قوم کا سب سے کم عمر آدمی قوم کا خادم ہوتا ہے، پھر اسکے لیے دعا فرمائی کہ اللہ اسے اپنی برکتوں سے سرفراز فرمائے، آپ ﷺ کی دعائے برکت سے وہ سب سے زیادہ عالم و فاضل بن گیا، آپ ﷺ نے اسے ہمارا امام مقرر فرمایا اور جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ہمیں اجازت عطا فرمائی، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس وفد کے ہر آدمی کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عنایت کی جائے، ہم نے واپس آ کر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (سیرت دحلان: ۳/۳۷)

بنو بہرا کا وفد:

ملک یمن سے بنو بہرا کے تیرہ افراد کا وفد اپنی سواری کے جانوروں کو ہانکتا ہوا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، اس دن انہوں نے ایک بہت بڑے برتن میں اپنی اولاد کے لیے حلوہ تیار کر رکھا تھا، وہ حلوہ مہمانوں نے اور انکی اولاد نے بھی پیٹ بھر کر کھایا مگر وہ بچ گیا، انکی خادمہ سدرہ ایک پیالے میں وہی کھانا لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھی حاضر ہوئی تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ کھانا ضباعہ نے بھیجا ہے، اس نے کہا، ہاں یارسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے مہمانوں کا کیا حال ہے، اس نے کہا، وہ ہمارے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں، وہ کھانا سب خاندان نبوت نے کھایا مگر پھر بھی بچ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ باقی

کھانا مہمانوں کے لیے لے جاؤ، وہ مہمان جتنی دیر انکے گھر رہے یہی کھانا تناول کرتے رہے، انہوں نے ایک دن حیرانگی سے پوچھا کہ آپ ہمیں ہر روز دن میں کئی بار یہ لذیذ ترین کھانا کھلا رہے ہیں، ہمارے ہاں تو یہ کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے، انہوں نے بتایا کہ اس کھانے کو رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیاں لگی ہیں اس لیے ختم نہیں ہوسکتا، وہ لوگ یہ معجزہ دیکھ کر پکار اٹھے ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں، انہوں نے قیام مدینہ کے دوران قرآن پاک کی بہت سی سورتیں یاد کرلیں اور دین کے احکام سیکھے، جب رخصتی کا وقت آیا تو انعام واکرام سے بھی نوازا گیا، ﴿زاد المعاد ۳/۶۵۶﴾

نجران کا وفد:

بارگاہ رسالت میں آنے والے وفود میں نجران کا وفد بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، نجران مکہ مکرمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع علاقے کا نام تھا جہاں عیسائی عرب آباد تھے، اس علاقے میں تہتر بستیاں آباد تھیں، تیز رفتار سوار اس علاقے کو ایک دن میں طے کرسکتا تھا، وہاں ایک لاکھ مردان جنگ موجود تھے جو سب کے سب عیسائی مذہب کے پیروکار تھے، ﴿فتح الباری: ۸/۹۴﴾ وہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جسکو وہ حرم کعبہ کا جواب تصور کرتے تھے، اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے جنکا لقب سید اور عاقب تھا، عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اسکا ہمسر نہیں تھا، اعشیٰ نے اسکی شان میں کہا ہے:

و کعبة نجران حتم علیک	حتیٰ تناخی بابوابھا
تزور یزید و عبد المسیح	وقیساھم خیر اربابھا

یہ کعبہ عیسائیت تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا، جو شخص اسکی حدود میں آجاتا وہ مامون ہو جاتا، اسکے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی، ﴿معجم البلدان، سیرت شبلی: ۲/۳۶﴾ رسول اللہ ﷺ نے نجران کے سرکردہ لوگوں کو ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا: جس میں انکو دعوت اسلام پیش کی گئی، وہ لوگ ساٹھ آدمیوں کا وفد لے کر مدینہ منورہ آئے، ان میں چوبیس آدمی سرداران قوم جبکہ تین آدمی ارباب علم و دانش تھے، نجران کا امیر عاقب کہلاتا تھا، اسکا اصلی نام عبدالمسیح تھا، علاقے کی ضروریات کا ناظم سید کہلاتا تھا، اسکا

اصلی نام ایہم تھا، انکا اسقف اعظم اور امام المذہب ابو حارثہ بن علقمہ تھا جو انہیں مذہبی تعلیمات سے آگاہ کرتا تھا، اسکا تعلق بنو بکر بن وائل سے تھا، رومی بادشاہ اسے بہت سے نذرانوں اور تحفوں سے نوازا کرتے تھے، ساری دنیا عیسائیت اسکا از حد احترام کیا کرتی تھی، ان سرکردہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، روایت میں ہے کہ جب نجران کے لوگ آئے تو مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت انکی نماز کا وقت تھا، وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے لگے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں منع کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں نماز پڑھنے دو، چنانچہ انہوں نے مشرق رخ ہو کر نماز پڑھی اور پھر کچھ سوالات کیے، رسول اللہ ﷺ نے جواب میں قرآن پاک کی آیات مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور دعوت اسلام دی مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے اس دن توقف فرمایا، یہاں تک کہ یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں:

⊙...... ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم .... بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے، اسے مٹی سے بنایا اور پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا، اے سننے والے! یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک والوں میں نہ ہونا، پھر اے محبوب جو لوگ تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اسکے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی انیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں، یہی بے شک سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب ہے حکمت والا ہے، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ فسادیوں کو خوب جانتا ہے، ﴿سورہ آل عمران ۵۹ تا ۶۳﴾

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان آیات مبارکہ کی روشنی میں انہیں اپنے عقیدے سے آگاہ کیا اور انہیں غور و فکر کے لیے موقعہ فراہم کیا مگر اہل نجران کے سرکردہ لوگوں نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو، تمہارے یہ عقیدے

تمہیں اسلام سے روکتے ہیں، تم اللہ تعالیٰ کے لیے ایک بیٹا مانتے ہو، صلیب کی پوجا کرتے ہو اور خنزیر کا گوشت کھاتے ہو، انہوں نے پوچھا کہ پھر آپ ہی بتایئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے، آپ ﷺ نے توقف فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی ابتدائی ۸۰ سے کچھ زیادہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں جن میں اپنی کبریائی کا ذکر فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بیان فرمایا لیکن وہ لوگ نہ مانے، رسول اللہ ﷺ نے اگلی صبح انکو مباہلے کی دعوت دی، آپ ﷺ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو اپنی چادر میں لپیٹ کر باہر نکلے، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پیچھے چل رہی تھیں، حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ بھی اس کاروان طہارت میں موجود تھے، عیسائی سید اور عاقب دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ دیکھو ہمیں مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، خدا کی قسم اگر یہ نبی ہیں اور ہم نے ان سے مباہلہ کرلیا تو ہم اور ہمارے پیچھے ہماری اولاد میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہوسکے گا یا کہا کہ روئے زمین پر ہمارا ایک بال اور ایک ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا، عیسائی پادری نے کہا کہ مجھے ایسے چہرے نظر آرہے ہیں کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ سے اس پہاڑ کو ہٹا دینے کی درخواست کریں تو وہ اسکو بھی ہٹا دے گا، میرا مشورہ ہے کہ ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ برباد ہو جاؤ گے چنانچہ انہوں نے مباہلے سے انکار کر دیا، ادھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اہل نجران میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو انکو اسی وقت بندروں اور خنزیروں میں بدل دیا جاتا اور انکی ساری نسل ختم کر دی جاتی، انہوں نے مصالحت کی درخواست پیش کی تو آپ ﷺ نے قبول فرمائی، پھر ایک دستاویز بھی عطا فرمائی جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اہل نجران کی طرف یہ معاہدہ ہے کہ مجھے انکے پھلوں، مالوں اور غلاموں کا اختیار حاصل ہے تو میں بطور احسان ان سب چیزوں کو انکے سپرد کرتا ہوں، وہ صرف سال میں دو ہزار حلے پیش کریں گے، ایک ہزار حلہ ماہ رجب میں اور ایک ہزار حلہ ماہ صفر میں، ہر حلے کی قیمت ایک اوقیہ ہوگی، کمی بیشی کی صورت میں وہ قیمت بطور نقدی پوری کی جائے گی اگر وہ زر ہیں گھوڑے اونٹ یا دیگر سامان دینا چاہیں تو قیمت لگا کر قبول کیا جائے

گا، حلوں پر اصرار نہیں ہو گا، اہل نجران پر کم از کم میرے بیس قاصدوں کی ضروریات کو پورا کرنا ضروری ہو گا، میرے قاصد ایک مہینے سے زیادہ عرصہ نہیں رہیں گے، یمن میں جنگ کی صورت میں تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ مہیا کرنا ضروری ہونگے جنہیں جنگ کے بعد واپس کر دیا جائے گا اگر ان میں سے کوئی چیز ضائع ہو گی تو اس کی قیمت ادا کی جائے گی، اہل نجران کے اہل وعیال، مکانات، زمین، باغات حتیٰ کہ عبادت گاہوں سے بھی تعرض نہیں کیا جائے گا، انکا مذہب نہیں بدلا جائے گا اور نہ کسی حق کو پامال کیا جائے گا، انکے کسی عالم، راہب اور ناظم کو نہیں بدلا جائے گا اور نہ کسی قلیل اور کثیر چیز میں تصرف کیا جائے گا، ان سے زمانہ جاہلیت کا خون بہا اور قصاص بھی نہیں لیا جائے گا، زرعی پیداوار کا عشر بھی نہیں لیا جائے گا اور نہ انکے علاقے میں لشکر اسلام داخل ہو گا، ان میں سے اگر کوئی شخص فوجی خدمت سرانجام دے گا تو اسکو اسکا حصہ دیا جائے گا، سودی کاروبار کی ممانعت ہو گی، اسکی خلاف ورزی کرنے والا معاہدے سے خارج تصور کیا جائے گا، کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے جرم میں گرفتار نہیں کیا جائے گا، جب تک اہل نجران اس معاہدے کی پابندی کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی طرف سے امن حاصل ہو گا، انہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔

یہ وفد اس معاہدے کے بعد واپس پہنچا تو اہل نجران نے ایک دن کی مسافت پر انکا استقبال کیا، بشپ اعظم کے چچازاد بشر بن معاویہ کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں بددعا کی، بشپ اعظم نے کہا، تم نے رسول اللہ کے حق میں بددعا کی ہے، اس نے کہا، اگر یہ بات ہے تو میں انکی خدمت میں حاضر ہو کر ہی اونٹنی سے نیچے اتروں گا، پھر وہ مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا، بشپ اعظم نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا اور کہا کہ تمہارے منہ سے جو بات نکلی ہے اب اسکے علاوہ کسی اور بات پر توجہ نہیں دوں گا پھر وہ یہ پڑھتا ہوا بارگاہ رسالت کی طرف گامزن ہو گیا:

میری ڈھیلے تنگ والی اونٹنی جسکے پیٹ میں بچہ ہے وہ دین نصاریٰ کو خیر آباد کہہ کر

رسول اللہ ﷺ کی طرف رواں دواں ہے۔

بشر بن معاویہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے اور مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے ساری زندگی آپ ﷺ کے قدموں میں گزاری اور بالآخر شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۸۰﴾

صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ نجران کے سید اور عاقب نے عرض کیا ہم مباہلہ نہیں کریں گے کیونکہ اگر ہم نے مباہلہ کیا اور آپ واقعی نبی ہوئے تو ہماری اولاد تک تباہ ہو جائے گی، ہم آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ کوئی امانتدار آدمی بھیجیں، جو رقم ہمارے ذمہ واجب الادا ہوگی ہم اس کے حوالے کر دیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو واقعی امانتدار ہے، ہر صحابی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش یہ شان امتیاز اسے حاصل ہو مگر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو عبیدہ! اٹھو اور تیار ہو جاؤ، جب وہ اٹھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص اس امت کا امین ہے، اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں ابو جہل کی دھمکی پر فرمایا کہ اگر وہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا تو فرشتے اسے ہلاک کر دیں گے، اگر یہود موت کی تمنا کریں تو فوراً مر جائیں اور اگر مباہلے کے لیے آنے والے مباہلہ کریں تو واپس جا کر انہیں مال و اولاد میں سے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، ﴿صحیح بخاری شریف﴾

عیسائیوں اور یہودیوں کا مناظرہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک میں ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں اور مدینہ منورہ کے یہودیوں کا مناظرہ ہوا، یہودیوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی تکذیب فرمائی:

⊙...... اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں لڑتے ہو تورات اور انجیل انکے بعد نازل ہوئی ہیں، تو کیا تمہیں عقل نہیں، سنتے ہو یہ جو تم، اس میں جھگڑے جسکا تمہیں علم تھا اور اس میں کیوں جھگڑتے ہو جسکا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہر

باطل سے جدا مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے، بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے جو انکے پیروکار ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والوں کا والی اللہ ہے، ﴿سورۃ آل عمران ۶۵ تا ۶۸﴾

اب ان دونوں گروہوں کا روئے سخن رسول اللہ ﷺ کی جانب ہوگیا، یہودیوں نے کہا کہ کیا آپ ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیتے ہیں جسطرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، عیسائیوں نے کہا کہ کیا آپ ہمیں اسی عقیدے کی دعوت دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی پناہ کہ میں کسی کو اپنی عبادت کا حکم دوں یا کسی دوسرے کی عبادت کے متعلق کہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے لیے نہیں بھیجا، یہاں ان دونوں گروہوں کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں:

⊙ …… کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ اسکو کتاب، نبوت اور حکمت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو، ہاں وہ یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ، اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سے تم درس کرتے ہو اور نہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہراؤ، کیا تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اسکے کہ تم مسلمان ہوگئے اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے انکا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اسکی مدد کرنا، فرمایا: کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب بولے کہ ہم نے اقرار کیا، فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں، ﴿سورۃ آل عمران ۷۹ تا ۸۱﴾

حضرت محمد بن سہل رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وفد نجران کے سوالوں کے جواب میں آل عمران کی ابتدائی اسی آیات مبارکہ نازل فرمائیں، ﴿سیرت ابن اسحاق﴾

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا آپس میں بھی اختلاف تھا، بعض کہتے کہ وہ اللہ ہیں اور بعض کہتے کہ وہ اللہ کا بیٹا ہیں اور بعض کہتے کہ وہ تینوں میں سے تیسرا ہیں، اس پر وہ مختلف دلائل دیتے، اللہ تعالیٰ نے انکے ان تمام عقائد

باطلہ کی سخت تردید فرمائی، (سیرت ابن اسحاق)

ثمامہ بن اثال کی آمد:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی جانب کچھ سواروں کو روانہ فرمایا تو وہ بنوحنیفہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے لے آئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا، حضور نبی اکرم ﷺ اسکے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے ثمامہ! تمہارا کیا ارادہ ہے، اس نے کہا، اے محمد مصطفےٰ! میرا ارادہ نیک ہے اگر آپ مجھے قتل کریں تو گویا ایک خونی آدمی کو قتل کیا اور اگر احسان فرمائیں تو ایک احسان ماننے والے پر احسان ہوگا اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں مانگ سکتے ہیں، جب دوسرا روز ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے، اس نے وہی جواب دیا، اس سے اگلے روز بھی آپ ﷺ نے پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو، وہ چلا گیا اور مسجد نبوی کے قریب ایک باغ میں جا کر غسل کیا، پھر واپس آ کر کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں، اے محمد مصطفےٰ! اللہ کی قسم مجھے روئے زمین پر آپ سے زیادہ ناپسند کوئی نہ تھا لیکن آج مجھے آپ سب سے زیادہ محبوب ہیں، اللہ کی قسم مجھے آپ کے دین سے زیادہ ناپسند کوئی نہ تھا لیکن آج مجھے آپ کا دین سب سے زیادہ محبوب ہے، اللہ کی قسم مجھے آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند کوئی نہ تھا لیکن آج مجھے آپ کا شہر سب سے زیادہ محبوب ہے، آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کیا حالانکہ میں عمرہ کے ارادے سے جا رہا تھا، اب میرے بارے میں کیا حکم ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے بشارت دی اور فرمایا کہ وہ عمرہ کرے، جب وہ مکہ مکرمہ پہنچا تو کسی نے اس سے کہا، کیا تم بے دین ہو گئے ہو، انہوں نے کہا، میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں، خدا کی قسم تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا، (صحیح بخاری ۶۶۵/۲)

ضمام بن ثعلبہ کی آمد:

امام ابن حجر کے مطابق ضمام بن ثعلبہ نے ۹ ہجری کو بارگاہ رسالت میں شرف

باریابی حاصل کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے زیادہ کوئی وفد بہتر نہیں تھا، بنو سعد نے اسکو اپنا سفیر بنا کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا، اس کی آمد کا انداز عربوں کی روایتی سادگی اور آزادروی کا عکاس تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دربار رسالت میں حاضر تھے کہ ایک ناقہ سوار صحن مسجد میں آ کر زمین پر اترا اور حاضرین سے پوچھا، محمد ﴿ﷺ﴾ کس کا نام ہے، لوگوں نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ حسین چہرے والے حضرت محمد ﷺ ہیں، جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں، اس نے قریب آ کر کہا، اے ابن عبدالمطلب میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن سختی سے پوچھوں گا، میرے انداز پر ناراض نہ ہونا، آپ ﷺ نے فرمایا: جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو، اس نے کہا، اللہ کی قسم کھا کر کہو کہ کیا اللہ نے تمہیں ساری دنیا کے لیے پیغمبر بنایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر قسم دلا کر پوچھا کہ کیا اللہ نے پانچ وقت کی نماز کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر اسطرح اس نے زکوٰۃ، روزہ اور حج کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا :ہاں، جب اس نے سب احکام سن لیے تو کہا، میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، میری قوم نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے، اب میں جاتا ہوں اور جو کچھ تم نے بتایا ہے، اپنی قوم سے بیان کرتا ہوں، میں ایک ذرہ بھی زیادہ یا کم نہ کروں گا، پھر وہ چلا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح حاصل کر لی، ﴿صحیح بخاری کتاب العلم﴾ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس نے اپنی قوم سے کہا، لات اور عزیٰ کوئی چیز نہیں، لوگوں نے کہا، تم کیا کہہ رہے ہو، کہیں تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے، اس نے کہا، خدا کی قسم یہ معبودان باطلہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان دے سکتے ہیں، میں تو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاتا ہوں، پھر اسکی پر اثر تقریر کی بدولت شام ہونے سے پہلے تمام قبیلے نے اسلام قبول کر لیا، ﴿سیرت ابن ہشام﴾

طارق بن عبداللہ کی آمد:

طارق بن عبداللہ وہی شخص ہے جس نے سوق مجاز میں رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ کرتے اور ابولہب کو آپ ﷺ پر پتھر برساتے دیکھا تھا، جب عرب کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تو وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لیے عازم سفر ہوا، مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو ایک آدمی سے ملاقات ہوئی، اس نے اس سے چند

صاع کھجوروں کے بدلے سرخ اونٹ خریدا، پھر وہ اونٹ لے کر مدینہ منورہ کی کھجوروں میں غائب ہو گیا تو وہ سوچنے لگا کہ ایک اجنبی آدمی کے ہاتھ اونٹ فروخت کر کے اچھا نہیں کیا جبکہ ابھی قیمت بھی وصول کرنی ہے، اس قافلے میں ایک خاتون بھی موجود تھی، اس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے ایسا آدمی دیکھا جسکا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار تھا، میں تمہاری قیمت کی ضامن ہوں، ایسے چہرے والا آدمی کسی سے دھوکہ نہیں کر سکتا، اتنے میں ایک آدمی نے آکر کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور انکی طرف سے تمہاری قیمت ادا کرتا ہوں لہذا یہ کھجوریں پوری کر لو، سب لوگوں نے کھجوریں پیٹ بھر کر کھائیں اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے، اس وقت رسول اللہ ﷺ منبر مبارک پر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو انہوں نے بھی چند جملے سن لیے، آپ ﷺ فرما رہے تھے، صدقہ دیا کرو، بے شک وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہت بہتر ہے، اسکی ابتدا اپنی ماں سے کرو، پھر باپ سے پھر بہن بھائی سے اور پھر دوسرے قریبی رشتے داروں سے، بنو یربوع کے ایک آدمی نے عرض کیا، ان لوگوں نے زمانہ جہالت میں ہمارے کچھ آدمیوں کو قتل کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی ماں اپنی اولاد پر تین بار ظلم نہیں کرتی۔ ﴿زاد المعاد: ۳/۶۶۸﴾

جریر بن عبداللہ کی آمد:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک قاصد کے ذریعے بلایا تو میں حاضر ہونے کے لیے چلا، مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر میں نے اونٹنی بٹھائی، اتر کر پوشاک پہنی اور پھر مسجد نبوی میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ نے میرا استقبال کیا اور میرے لیے اپنی چادر مبارک بچھائی اور لوگوں سے فرمایا کہ جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اسکی عزت کرنی چاہیے، ایک روایت میں ہے کہ جب میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے، میں نے قریبی آدمی سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے میرے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس نے کہا، ہاں آپ ﷺ نے تمہارے متعلق بتایا کہ عنقریب اس دروازے سے یمن کا ایک بہترین آدمی حاضر ہونے والا ہے، اسکے چہرے پر جہاں بانی کے آثار ظاہر ہونگے، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے

دست مبارک کو پکڑ کر بیعت کی، آپ ﷺ نے پوچھا تم کون ہو، میں نے کہا، میں جریر بن عبد اللہ البجلی ہوں، آپ ﷺ نے میرے سر چہرے اور سینے پر دست مبارک پھیرا اور میرے لیے اور میری اولاد کے لیے دعائے برکت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، تم یوم قیامت اور تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لے آؤ، نماز ادا کرو، زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو، ہر مسلمان کے خیر خواہ بن جاؤ اور ہر والی کی اطاعت کرو اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، ﴿سبل الهدیٰ: ۲۷۵/۶﴾ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ذوالخلصہ نامی ایک گھر تھا جسکو کعبہ یمانیہ اور کعبہ شامیہ بھی کہا جاتا تھا، یہ یمن کے قبیلہ خثعم میں بجیلہ کا مقام تھا اور اس میں بت پرستی ہوتی تھی، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ کیا تم ذوالخلصہ کو برباد کر کے مجھے راحت نہیں پہنچاؤ گے، پس میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار لے کر روانہ ہوا، وہ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے اور میں گھوڑے پر اچھی طرح جم نہیں سکتا تھا، پس آپ ﷺ نے میرے سینے پر اپنا دست اقدس مارا تو میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشان اپنے سینے پر دیکھے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، یا اللہ! اسے گھوڑے پر ٹھہرا دے اور اسے ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے، انکا بیان ہے کہ اسکے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا، پس وہ ذوالخلصہ کی جانب گئے اور اسے مسمار کر کے آگ لگا دی، ایک روایت میں ہے کہ وہاں ایک آدمی تھا جو تیروں سے فال لیا کرتا تھا، اس سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد یہاں موجود ہے اگر اس نے تمہیں دیکھ لیا تو وہ تمہاری گردن اڑا دے گا، ایک دن حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس کے پاس جا پہنچے اور اس سے فرمایا، ان تیروں کو توڑ دو اور یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا، اس پر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے سارے تیر توڑ دیئے، ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ذوالخلصہ کے آس پاس جو لوگ تھے انہیں قتل کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ابوارطاۃ نامی قاصد بھیجا، اس نے بتایا کہ یا رسول اللہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے جب میں وہاں سے چلا تو اسے اس حال میں چھوڑا تھا جسطرح خارش والا اونٹ ہوتا ہے یا بروایت دیگر خارش والے اونٹ کی طرح جل کر سیاہ ہو گیا تھا، آپ ﷺ نے قبیلہ احمس

کے گھوڑوں اور سواروں کے لیے پانچ مرتبہ دعائے برکت فرمائی، ﴿صحیح بخاری ۶۶۵/۲﴾

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو ذوالکلاع حمیری کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا، اسکا اصل نام سمیفع تھا، ابتدا میں اسکی بہت شہرت تھی یہاں تک کہ اس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگ اسکی عبادت کرنے لگے، انکی دعوت پر اس نے اور اسکی بیوی خزیمہ بنت ابرہہ نے اسلام قبول کرلیا، خلافت فاروقی میں ذوالکلاع اٹھارہ ہزار غلاموں کے ساتھ مدینہ منورہ آیا اور چار ہزار غلام آزاد کیے، اس نے ایک دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین! مجھ سے ایک ایسا گناہ سرزد ہوا ہے کہ شاید خدا وہ گناہ معاف نہ کرے، انہوں نے پوچھا، وہ گناہ کیا ہے، اس نے بتایا کہ ایک دن میں اپنے عبادت گزاروں سے چھپا ہوا تھا اچانک اپنے بلند مکان سے ظاہر ہوا تو مجھے تقریباً ایک لاکھ انسانوں نے سجدہ کیا، انہوں نے فرمایا، انسان صدق دل سے توبہ کرلے اور گناہ چھوڑ دے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا، ایک روایت میں ہے کہ ذوالکلاع نے بارہ ہزار خاندان آزاد کیے اور جنگ صفین میں شہادت پائی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۸۹﴾

اس سال اور بھی بہت سے وفود حاضر خدمت ہوئے جن کے تذکار سے طوالت کتاب کا خوف دامن گیر ہے، کچھ وفود کا ذکر سال دہم میں کیا جائے گا۔

صدیق اکبر کا اعزاز:

رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپس آکر رمضان المبارک کے باقی ایام شوال المکرم اور ذوالقعد کے مہینے مدینہ منورہ میں گزارے اور پھر ۹ ہجری میں ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمیوں کو اور بیس قربانی کے اونٹوں کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کے لیے روانہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے اونٹوں کے گلے میں خود قلادے پہنائے، اس وقت عرب کے سب مشرک حج میں شریک ہوتے تھے، جب وہ قافلہ حج لے کر روانہ ہوگئے تو بعد میں سورۃ التوبہ نازل ہوئی، اس سورۃ میں کفار کے درمیان طے شدہ معاہدہ توڑنے کا حکم تھا جس کی رو سے کفار کو بیت اللہ کے حج کی اجازت تھی اور حرمت والے مہینوں میں کسی کو خوفزدہ کرنے کی ممانعت تھی، یہ معاہدہ عام مشرکوں کے لیے تھا، ہاں بعض مخصوص قبیلوں کے لیے معاہدے کی مدت مقرر تھی، کسی نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ

میں عرض کیا کہ آپ سورۃ التوبہ کے اعلان کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہدایت بھیج دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں اسکا اعلان میرے اہل خانہ میں سے کوئی آدمی کرے گا کیونکہ عرب میں دستور تھا کہ خون اور مال کے عہد و پیمان کے سلسلے میں آدمی یا خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کروائے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ اور لوگوں میں سورۃ التوبہ کا اعلان کردو اور لوگوں کو بتادو کہ کوئی کافر جنت میں نہیں جائے گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور نہ کسی کو ننگے بدن بیت اللہ کے طواف کی اجازت ہوگی اور جسکا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدت مقرر تک کوئی معاہدہ ہے تو اسے اس مدت مقرر تک پورا کیا جائے گا اور جسکا معاہدہ مدت مقرر کے لیے نہیں اسکو صرف چار مہینوں کی اجازت ہوگی، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی عضبا پر سوار ہو کر نکلے اور مقام عرج یا مقام ضجنان میں قافلہ حج سے جا ملے، اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے کھڑے ہوئے تھے، ابھی تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ اس اونٹنی کی آواز سنائی دی، وہ فوراً ٹھہر گئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی آواز ہے، شاید آپ ﷺ حج کے لیے تشریف لے آئے ہیں لہذا اب آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے، پھر معلوم ہوا کہ وہ تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر سوار ہو کر آئے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر آئے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں مامور بن کر آیا ہوں، پھر انہوں نے نماز ادا کی اور قافلے کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں قاصد بن کر آیا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے حج کے اجتماعات میں سورۃ التوبہ پڑھنے کے لیے بھیجا ہے، ہم مکہ مکرمہ میں آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آٹھ ذوالحج سے پہلے خطبہ دیا جس میں لوگوں کو احکام حج سکھائے، ان کے بعد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے مکمل سورۃ التوبہ پڑھی، اس طرح ۱۰ ذوالحج قربانی کے دن بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا جس میں طواف افاضہ اور قربانی کے طریقے سکھائے جبکہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے مکمل سورۃ التوبہ پڑھی، بارہ ذوالحج کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تیسرا خطبہ ارشاد فرمایا جس

میں لوگوں کو کنکر مارنے اور مکہ مکرمہ کی طرف واپسی کے احکام بتائے، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے مکمل سورۃ التوبہ تلاوت فرمائی، ﴿سنن نسائی﴾ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر الحج بنائے گئے تھے، انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیج کر یہ اعلان عام کروایا کہ آئندہ سے کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے گویا انہوں نے پہلے معاہدے کو ختم کر دیا یہی وجہ ہے کہ اگلے سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر کوئی مشرک حج کرنے کے لیے نہیں آیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، اے ایمان والو! مشرک پلید ہیں لہذا وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں، ﴿سورۃ التوبہ:۲۸﴾ یہ اعلان جزیرۃ العرب سے بت پرستی کے خاتمے کا اعلان تھا یعنی اس سال کے بعد بت پرستی کے لیے آمدورفت کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی، ﴿الرحیق المختوم:۵۹۲﴾

امام صالحی فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حج سے فرض ساقط ہو گیا یا انکا حج رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا ہوا، دوسرا قول زیادہ درست ہے، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج ماہ ذوالحج میں ہوا تھا یا اہل جاہلیت کی نسی کی وجہ سے جس میں وہ حرمت والے مہینوں کی حرمت موخر کر دیتے تھے، ماہ ذوالقعد میں ہوا تھا، یہاں دوسرا قول مجاہد اور دوسرے لوگوں کا ہے جو درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج فرض ہوتے ہی پہلے سال حج کیا، اس میں تاخیر نہیں فرمائی اور یہی آپ ﷺ کے شایان شان ہے، جو لوگ چھ یا سات یا آٹھ ہجری میں حج کی فرضیت کا ذکر کرتے ہیں انکے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں وہ اس آیت سے دلیل لیتے ہیں ''اللہ کے لیے حج اور عمرہ کرو'' ﴿سورۃ البقرہ:۱۹۶﴾ یہ آیت ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئی، اس میں حج کے فرض ہونے کا ذکر نہیں بلکہ یہ حکم ہے کہ جب حج یا عمرہ کرو تو اسکو پورا کرو، ادھورا نہ چھوڑو، حج کی فرضیت کی دلیل یہ آیت ہے کہ ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چلنے کی استطاعت رکھے'' ﴿سورہ آل عمران:۹۷﴾ یہ آیت مبارکہ عام الوفود ۹ ہجری میں نازل ہوئی، ﴿سبل الھدیٰ﴾

ایک اشکال کا جواب:

بعض حضرات کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امارت

منسوخ کردی اور انکی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور احکام دین کی ترویج کے لیے انہیں مکہ مکرمہ بھیجا تو جو شخص ایک حج کی امارت کے لیے اہل نہ ہو وہ تمام امت کی امارت کے لیے کیسے اہل ہو سکتا ہے، یہ اشکال ان لوگوں کے ذہن میں آ سکتا ہے جنہوں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ نہیں کیا اور اگر کیا ہے تو نگاہ بغض و عناد کے ساتھ کیا ہے، مذکورہ حج کے متعلق تمام روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے علی! آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر آئے ہیں، انہوں نے بتایا کہ میں مامور بن کر آیا ہوں، اتنے واضح الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امارت کا انکار کرے اور انکو اس منصب عظیم کے قابل نہ سمجھے تو وہ خود فیصلہ کرے کہ اس نے اصل واقعہ کی حرمت کا کس قدر خیال رکھا ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعلان کرانے کے لیے بھیجا گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں قرآن مجید میں انکے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے، پھر انہوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یارسول اللہ! میری کیا حیثیت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: خیر ہے، تم میرے بھائی ہو اور غار کے ساتھی ہو اور حوض پر بھی میرے ساتھ ہو گے البتہ یہ احکام صرف میں پہنچا سکتا تھا یا میرا کوئی رشتے دار، ﴿سنن ابن حبان، روح المعانی: ۱۰/۴۴﴾

دراصل رسول اللہ ﷺ نے حج کے مجموعی احکام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پورے کروائے اور سورہ برأت کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کروایا تو اسکی حکمت میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت و جمال کے مظہر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صفت قہر و جلال کے مظہر ہیں، اس لیے عہد شکنی کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کروایا جس میں آثار جلال کا ظہور ہے، ﴿روح المعانی: ۱۰/۴۵﴾

......⊙......

باب یازدہم

سالِ دہم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سال دہم بھی رسول اللہ ﷺ کی گوناگوں، مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور عسکری مصروفیات میں گزرا اور ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے عبادات وریاضات میں بھی مزید اضافہ فرمایا کیونکہ قرآن پاک نے آپ ﷺ کے وصال باکمال کے اشارات دینا شروع کر دیئے تھے اور آپ ﷺ جلد از جلد اہم معاملات سے فارغ ہو کر رفیق اعلیٰ کے حضور پہنچنے کے لیے از حد مشتاق دکھائی دے رہے تھے، ذیل میں سال دہم کے اہم واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

ابن رسول کا سانحہ ارتحال:

ربیع الاول ۱۰ ہجری کا مہینہ اور بدھ کا دن تھا جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہ علیہ السلام کا سانحہ ارتحال رونما ہوا، وہ اپنی والدہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے پاس اطراف مدینہ میں مشربہ ام ابراہیم میں پروان چڑھ رہے تھے، اس مکان کے ارد گرد انگوروں کی بیلیں تھیں، چونکہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے علاوہ ساری اولاد داغ مفارقت دے چکی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ اپنے اس فرزند دل بند کے ساتھ بہت محبت فرماتے تھے اور اکثر انکے پاس تشریف لایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساٹھ سال کی عمر میں یہ لخت جگر عطا فرمایا تھا، اس لیے آپ ﷺ کا دل مسرت وانبساط سے لبریز تھا اور بیٹے کی نسبت سے انکی والدہ بھی درجہ کنیزی سے بڑھ کر درجہ زوجیت پر فائز ہو گئی تھیں، آپ ﷺ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی بیوی ام سیف رضی اللہ عنہا کو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دیکھ بھال کے لیے مقرر فرمایا تھا، وہ انکو اپنا اور ان بکریوں کا دودھ پلاتی رہیں جو آپ ﷺ نے انکو بطور ہدیہ عطا فرمائی تھیں، پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ کو لخت جگر کی شدید علالت کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ تشریف لے گئے، آپ ﷺ پر شدت غم کا یہ اثر تھا کہ آپ ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کندھے کا سہارا لے رکھا تھا، آپ ﷺ کے لخت جگر اپنی والدہ کی آغوش رحمت میں آخری سانس لے رہے تھے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی گود میں لے لیا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، شہزادے کی والدہ اور خالہ بھی رو رہی تھیں، آپ ﷺ نے انکو رونے سے نہ روکا، جب شہزادے نے جان جان آفرین کے حوالے کر

دی اور انکا جسم اقدس بے حس وحرکت ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ پر مزید رقت طاری ہو گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ہم ابراہیم کی وفات پر غمناک ہیں، ہماری آنکھیں اشکبار ہیں اور دل مغموم ہے لیکن پھر بھی ہم اپنی زبان سے ایسا جملہ نہیں نکالیں گے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے، آپ ﷺ کی رقت دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ تو ایسے موقع پر لوگوں کو رونے سے منع کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: آنسو اللہ کی رحمت کی نشانی ہیں اور جو کسی پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا، میں تو لوگوں کو بین کرنے سے منع کرتا ہوں اور ان خوبیوں کو بیان کرنے سے روکتا ہوں جو مرنے والے میں نہیں پائی جاتیں، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ام بردہ رضی اللہ عنہا یا بروایت دیگر فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے غسل دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے انکی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں، نماز جنازہ میں اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے شرکت فرمائی، آپ ﷺ نے انہیں بقیع مبارک میں دفن کرنے کا حکم دیا، پھر انکی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا، یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا، حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انکی قبر کو ہموار کیا اور فرمایا: جب کوئی آدمی یہ کام کرے تو اچھے طریقے سے کرے، آپ ﷺ نے انکی قبر پر شناخت کے لیے کوئی چیز بھی نصب فرمائی اور فرمایا کہ علامت قبر سے قبر والے کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچتا البتہ اس سے اسکے پسماندگان کو تسلی ہو جاتی ہے، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سانحہ ارتحال پر انکی والدہ اور خالہ سرین کو بہت صدمہ ہوا، رسول اللہ ﷺ نے انکی دلجوئی کے لیے فرمایا: میرے بیٹے ابراہیم کو جنت میں ایک دایہ ملے گی، (سیرۃ الرسول از ہیکل: ۵۷۵)

اتفاق کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات کے دن سورج گرہن تھا، لوگوں نے مشہور کر دیا کہ یہ انکے غم و آلام میں رونما ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں انکو گرہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس جملے سے حقیقت حال کو واشگاف فرمایا تاکہ امت میں توہم پرستی کی رسم جاری نہ ہو جائے۔

حضرت خالد کا سفر نجران:

اہل نجران کی دو قسمیں تھیں، ایک عیسائی تھے اور دوسرے ناخواندہ

تھے، عیسائیوں کے ساتھ آپ ﷺ نے جزیہ پر معاہدہ فرمالیا جبکہ ناخواندہ لوگوں کے قبیلے بنو حارث بن کعب کی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاول ۱۰ ہجری میں روانہ فرمایا، ان کے ہمراہ چار سو صحابہ کرام تھے، رسول اللہ ﷺ نے انکو وصیت فرمائی کہ بنو حارث کو تین مرتبہ دعوت اسلام پیش کریں، اگر وہ قبول کرلیں تو امن فراہم کریں اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو پھر تمہیں جنگ کی اجازت ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نہایت احسن طریقے سے انکو دعوت اسلام پیش کی تو وہ لوگ مسلمان ہو گئے، انہوں نے وہاں اقامت اختیار کی اور ایک عریضہ کیفیت احوال ظاہر کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ارسال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: بنو حارث کے ایک وفد کو اپنے ساتھ لے آؤ، چنانچہ انکے سرکردہ لوگ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور رخ والضحیٰ کا دیدار کر کے پڑھنے لگے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انکا اسلام منظور فرمایا اور پوچھا کہ زمانہ جہالت میں تم اپنے مخالفین پر کس طرح غالب آتے تھے، انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! ہم متحد ہو کر جنگ کرتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے، ﴿محمد رسول اللہ: ۳۴۴﴾ آپ ﷺ نے انکے ایک سرکردہ آدمی قیس بن حصین رضی اللہ عنہ کو انکا امیر مقرر فرمایا اور وطن مالوف جانے کی اجازت عطا فرمائی، بعد ازاں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو عامل صدقات بنا کر بھیجا، انکی عمر پندرہ سال تھی، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ابھی وہیں مقیم تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا، ﴿مدارج النبوۃ: ۶۴۶/۲﴾

مملکت باذان کی تقسیم:

سال دہم میں یمن کے حاکم باذان نے وفات پائی تو آپ ﷺ نے اسکی مملکت کے حصے کر دیئے، ایک حصہ اسکے بیٹے شہر بن باذان کو عطا فرمایا اور کچھ حصہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور کچھ حصہ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ اور کچھ حصہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا، اسی سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو حجۃ الوداع سے پہلے یمن روانہ فرمایا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا علاقہ صوبہ عدن کی طرف بلندی پر

واقع تھا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مخلاف نشیب پر مقرر ہوئے، آپ ﷺ نے دونوں کو وصیت فرمائی کہ لوگوں سے نرمی کرنا، سخت گیری سے پیش نہ آنا، بشارت سنانا اور نفرت نہ دلانا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب تم اہل کتاب سے ملو گے، جب تم انکے پاس جاؤ تو انہیں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی طرف بلانا، اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو انہیں پانچ وقت نماز کے متعلق بتانا، پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض فرمائی ہے جو انکے امیروں سے لے کر انکے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی، وہ اگر یہ بھی مان لیں تو انکے مال سے چھانٹ کر نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا کیونکہ اسکے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، ﴿صحیح بخاری ۲/ ۶۵۳﴾

پھر رسول اللہ ﷺ انکو الوداع کہنے کے لیے انکے ساتھ پیدل چلنے لگے جبکہ وہ سواری پر سوار تھے، آپ ﷺ انکو وعظ و نصیحت بھی فرما رہے تھے کہ اے معاذ! شاید اس سال کے بعد تمہاری میرے ساتھ ملاقات نہ ہو سکے اور تمہارا گزر میری مسجد اور میری قبر کے قریب سے ہوگا، اس غمناک خبر پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ گریہ زن ہو گئے مگر حکم پر عمل کرنا بھی تو ضروری تھا، ایک روایت میں ہے کہ انکی گریہ زنی پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ! جو مجھ سے محبت کرتا ہے میں اسکے قریب ہی ہوتا ہوں، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے معاذ! اگر تمہاری عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہوا تو فیصلہ کس طرح کرو گے، انہوں نے عرض کیا، کتاب اللہ کے مطابق، آپ ﷺ نے پوچھا، اگر اس مقدمہ کے بارے میں کتاب اللہ سے کچھ نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، عرض کیا، سنت رسول اللہ کے مطابق، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر سنت رسول اللہ سے بھی اسکا حل نہ ملے تو کیا کرو گے، عرض کیا، پھر ان دونوں کی روشنی میں اسکا حل تلاش کرنے کی پوری کوشش کروں گا یعنی تفقہ سے کام لوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی حمد ہے جس نے اپنے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے اللہ کا رسول خوش ہو گیا ہے، ﴿سیرت ابن کثیر ۴/ ۱۹۸﴾ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! اہل کتاب تم سے جنت کی چابی کے متعلق سوال کریں گے تو انہیں بتانا کہ یہ چابی ''لا الہ الا اللہ'' ہے، یہ چابی اللہ کے پاس پہنچ جائے گی، جو شخص یہ چابی لے کر آئے گا

اسکے سب گناہ ڈھل جائیں گے، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! اگر انہوں نے اس چیز کے متعلق پوچھا جو میں نے اللہ کی کتاب میں اور آپ کی سنت میں نہیں دیکھی تو میں کیا کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: عاجزی اختیار کرنا اللہ تمہیں سر بلند کر دے گا اور علم کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرنا، کوئی مسئلہ مشکل لگے تو پوچھ لینا، شرم نہ کرنا اور اہل علم سے مشورہ لینا، پھر اپنی صوابدید سے کام لینا، تمہاری نیت ٹھیک ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہیں درست فیصلے کی توفیق عطا فرمائے گا، فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ حق واضح ہو جائے یا مجھ سے پوچھ لینا، اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنے سے باز رہنا کیونکہ یہ کام انسانوں کو آگ میں لے جاتا ہے اور ہر حالت میں نرمی کرنا، ﴿مختصر سیرة الرسول: ۶۹۷﴾ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رخصت ہو گئے اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں تشریف لائے اور چند روز کے قیام کے بعد ملک شام چلے گئے۔

ملک یمن میں حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے انتہائی مصروف وقت گزارا، روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں یہ آیت پڑھی کہ اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا ہے، ﴿سورۃ النساء: ۱۲۵﴾ تو اس قوم کے ایک شخص نے کہا کہ اس سے ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کی آنکھ تو ٹھنڈی ہوگئی ہوگی، ﴿صحیح بخاری: ۲/ ۶۵۳﴾

دوران قیام دونوں صاحب آپس میں ملاقات بھی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے خچر پر سوار ہو کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے قریبی علاقے کا دورہ کیا، انہوں نے دیکھا کہ ایک ایسا آدمی بھی تھا جسکے ہاتھ اسکی گردن سے باندھے ہوئے تھے اور اسکے ارد گرد لوگ جمع تھے، انہوں نے پوچھا، اے ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس! اس شخص کو کیوں باندھا ہوا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ مسلمان ہو کر کافر ہو گیا ہے، انہوں نے فرمایا: میں اس وقت تک سواری سے نہیں اتروں گا جب تک اسکے قتل کا حکم جاری نہیں کیا جائے گا، انہوں نے کہا، اسے قتل کرنے کے لیے ہی تو لایا گیا ہے، پھر اسے قتل کر دیا گیا تو وہ سواری سے زمین پر تشریف لائے اور پوچھا، اے عبد اللہ! آپ قرآن پاک کیسے پڑھتے ہیں، انہوں نے جواب دیا، میں تھوڑا تھوڑا ہر وقت پڑھتا رہتا ہوں لیکن اے معاذ! آپ کس طرح پڑھتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ میں پہلی رات سو جاتا ہوں اور پھر نیند کے

بعد اٹھتا ہوں اور جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے پڑھتا ہوں اور اس کے باعث اپنی نیند کو بھی ثواب ہی شمار کرتا ہوں جسطرح کہ جاگنے کو ثواب سمجھتا ہوں ، ﴿صحیح بخاری ۲/۶۵۱﴾

بنو خولان کا وفد:

شعبان المعظم ۱۰ ہجری میں بنو خولان کے دس افراد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے جو کہ اپنی آمد سے پہلے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، انکے سرکردہ آدمی نے کہا، یارسول اللہ! ہم اپنی قوم کے باقی افراد کے بھی ترجمان ہیں، ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں اور اسکے رسول کی تصدیق کرتے ہیں، ہم دور دراز کی مسافت طے کر کے آئے ہیں، ہم پر اللہ اور اسکے رسول کا احسان ہے کہ ہمیں آپ کی زیارت کا موقع ملا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قدم پر ایک نیکی عطا فرمائے گا اور جو شخص میری زیارت کے لیے آتا ہے وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا، بنو خولان کے بت کا نام عم انس تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم سب دین اسلام میں داخل ہو چکے ہیں صرف چند بوڑھے لوگ اسکی عبادت کرتے ہیں، ہم واپس جا کر سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ اسکو مسمار کر دیں گے، آپ ﷺ نے پوچھا، لوگوں کے نزدیک اس بت کا کمال کیا ہے، انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ ہم قحط سالی میں مبتلا ہو گئے، ہم نے اس بت کے پاس سو اونٹ ذبح کرنے کے لیے خریدے تو اسی وقت موسلا دھار بارش برسنے لگی، ہم یہی سمجھے کہ یہ اس بت کی مہربانی ہے، پھر انہوں نے بتایا کہ ہم کچھ مویشی اللہ کے نام اور کچھ مویشی اس بت کے نام نذر کیا کرتے تھے اسطرح اپنے کھیتوں کا حصہ بھی اسکے نام نکالا کرتے تھے، اگر بت کے مویشیوں یا حصوں میں سے نقصان ہو جاتا تو ہم اللہ والے جانوروں اور حصوں سے بت کی طرف منتقل کر دیتے تھے اور اگر بت والی چیزوں سے کوئی چیز کم ہو جاتی تو ہم اللہ کی طرف کچھ بھی منتقل نہ کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

⊙ ...... اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں اسے ایک حصے دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے انکے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے، وہ جو انکے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ انکے شریکوں کو پہنچتا ہے، وہ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں، ﴿سورۃ الانعام: ۶:۱۳۶﴾

رسول اللہ ﷺ نے انکو بہت سی نصیحتیں فرمائیں مثلاً فرمایا: اپنا وعدہ پورا کیا کریں اور امانت کو اچھے طریقے سے ادا کیا کریں، اپنے ہمسائیوں کے حقوق کا پوری طرح خیال رکھا کریں اور کسی پر ظلم نہ کیا کریں، جو کسی پر ظلم کرے گا وہ قیامت کے دن اندھیروں میں ہوگا، بنو خولان کا وفد چند دن ٹھہرا اور عطیات نبویہ سے مالا مال ہو کر وطنِ مالوف کی طرف چلا گیا اور پہنچتے ہی اپنے صنم عم انس کو ریزہ ریزہ کر دیا، ﴿زاد المعاد: ۳/۶۶۲﴾

بنو غسان کا وفد:

رمضان المبارک ۱۰ ہجری میں بنو غسان کے تین آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ سے انعامات حاصل کیے، واپسی کے وقت انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم اپنی قوم کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے کیونکہ وہ قیصر روم کی پناہ میں رہنا پسند کرتی ہے، پھر واقعی انکی بات درست ثابت ہوئی، انہوں نے اپنے اسلام کو چھپا رکھا تھا، یہاں تک کہ قوم کو معلوم ہوا تو اس نے دو آدمی شہید کر دیئے، تیسرے آدمی نے خلافت فاروقی میں جنگ یرموک کے سال حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضری دی اور اپنے اسلام کے متعلق بتایا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اسکی بہت عزت کیا کرتے تھے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۶۸۹﴾

بنو سلامان کا وفد:

حضرت خبیب بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بنو سلامان کے سات افراد حاضر دربار رسالت ہوئے، اس وقت آپ ﷺ ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے جا رہے تھے، انہوں نے سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے جواب دے کر فرمایا: تم کون ہو، انہوں نے عرض کیا ہم بنو سلامان ہیں اور اپنی اور اپنے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کی طرف سے آپ ﷺ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انہیں مہمان خانے میں ٹھہراؤ، پھر نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ اور منبر پاک کے درمیان جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے شرف بیعت حاصل کیا اور دین اسلام کے کئی مسائل دریافت کیے، انہوں نے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا

ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا، انہوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ظہر اور نماز عصر ادا کی، حضور اکرم ﷺ کا حسن سلوک اور شان اخلاق دیکھ کر وہ از حد متاثر ہوئے، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارا علاقہ قحط سالی کا شکار ہے، آپ بارش کی دعا کیجئے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، یا اللہ! انکے علاقے کو باران رحمت عطا فرما، ایک شخص نے کہا، یارسول اللہ! اپنے مبارک ہاتھوں کو ذرا بلند کر کے دعا کیجئے کیونکہ ان میں برکتوں کے خزانے موجود ہیں، آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور دونوں مبارک ہاتھ اتنے بلند کر دیئے کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی، ان لوگوں نے تین دن، مدینہ منورہ میں قیام کیا، آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر شخص کو پانچ اوقیہ چاندی عنایت کی جائے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سب کو چاندی عطا فرمائی اور ساتھ ہی معذرت کرتے ہوئے کہا کہ آج ہمارے پاس اتنا ہی مال ہے، آپ قبول کر لیں، انہوں نے کہا، یہ تو بہت زیادہ اور بہت پاک تحفہ ہے، جب وہ اپنے علاقے میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ باران رحمت نے خشک صحرا کو سیراب کر دیا ہے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ بارش اسی دن ہوئی جس دن آپ ﷺ نے دعائے رحمت فرمائی تھی، ﴿سبل الہدیٰ: ۶/۵۲۵﴾ بعض علما کے نزدیک یہ وفد ماہ صفر ۱۰ ہجری میں اور بعض کے نزدیک ماہ شوال ۱۰ ہجری میں دیدار رسول ﷺ سے شرف یاب ہوا۔

بنو غامد کا وفد:

۱۰ ہجری میں بنو غامد کے دس افراد نے بقیع مبارک میں اپنے خیمے نصب کیے اور سامان پر ایک کم سن جوان کو محافظ مقرر کیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے انکو مسائل دین سے آگاہ فرمایا اور ساتھ ہی خبر غیب عطا فرمائی کہ تمہارا محافظ سو گیا ہے اور ایک چور اسکے کپڑوں کا تھیلا لے گیا ہے، ایک آدمی نے کہا وہ تھیلا میرا ہی ہوگا کیونکہ اور کسی کے پاس اس طرح کا تھیلا نہیں تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تھیلا مل گیا ہے، جب وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو استفسار پر کم سن محافظ نے بتایا کہ واقعی میں سو گیا تھا جب آنکھ کھلی تو تھیلا موجود نہیں تھا، تلاش کے لیے نکلا تو ایک آدمی کو دیکھا، وہ میری طرف دیکھ کر دوڑنے لگا، میں نے اسکو پکڑ لیا، پھر اس نے بتایا کہ میں نے وہ تھیلا ایک گڑھے میں دبا رکھا

ہے، چنانچہ میں وہ گڑھا کھود کر تھیلا لے آیا ہوں، یہ سارا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خبر غیب کے مطابق تھا، اس لیے وہ پکار اٹھے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، بعدازاں وہ لوگ اپنے کم سن محافظ کو لے کر بارگاہ رسالت میں آئے تو اس نے بھی شرف بیعت حاصل کیا اور قرآن پاک کی چند سورتیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سیکھ لیں، اس وفد کو بھی انعاماتِ بارگاہ رسالت عطا کیے گئے، ﴿سبل الھدیٰ ۶/۵۹۱﴾

وائل بن حجر کی آمد:

وائل بن حجر ایک بڑی سلطنت کا حکمران تھا، وہ اپنی تمام آسائشوں کو چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچا، رسول اللہ ﷺ نے تین دن پہلے ہی اسکی آمد کا مژدہ سنا دیا تھا، اس نے حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے جواب عطا فرمایا اور اپنی چادر مبارک اسکے نیچے بچھائی، پھر آپ ﷺ منبر مبارک پر تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: لوگو! یہ وائل بن حجر علاقہ حضرموت سے اپنی مرضی کے ساتھ آیا ہے، اللہ اور اسکے رسول کی خوشنودی کا طلبگار ہے اور بادشاہوں کی اولاد سے ہے، اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں اپنے شاندار محلات چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اسکے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اس نے کہا، یارسول اللہ! میرے خاندان والوں نے میری سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہم تمہیں اس سے دوگنی سلطنت عطا کریں گے، پھر آپ ﷺ نے اسکو اپنے منبر مبارک پر بٹھا کر دعا کی، یا اللہ! وائل اور اسکی اولاد اور اسکی اولاد کو برکتوں سے مالا مال فرما، اس طرح وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور دنیا اسے ایک جلیل القدر صحابی کے نام سے پہچانتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں حرہ کے علاقے میں ایک مکان میں ٹھہراؤ، وہ ان کے ساتھ چل پڑے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کر لو، انہوں نے کہا، تم بادشاہوں کے پیچھے سوار ہونے والے نہیں، انہوں نے کہا، مجھے اپنے جوتے پہنا دو، انہوں نے کہا، میں اپنے جوتے بھی نہیں دے سکتا، تمہارے لیے یہی بڑا شرف ہے کہ تم میری اونٹنی کے سائے میں چلو، ﴿سبل الھدیٰ ۶/۶۶۵﴾

واثلہ بن اسقع کی آمد:

واثلہ بن اسقع کا بیان ہے کہ میں قبول اسلام کی نیت سے مدینہ منورہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نماز میں مصروف تھے، میں نے آخری صف میں نماز کی نیت باندھ لی، آپ ﷺ فراغت نماز کے بعد میرے پاس آئے اور فرمایا: تم کس مقصد کے لیے آئے ہو، میں نے کہا، قبول اسلام کے لیے، آپ ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا کیا، ہجرت کا ارادہ رکھتے ہو، میں نے عرض کیا، جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کون سی ہجرت، قبول اسلام کے بعد اپنے خاندان میں جاؤ گے یا یہاں رہو گے، میں نے عرض کی، جو دونوں میں بہتر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر یہاں ہی رہو، بعد ازاں آپ ﷺ نے انہیں نصیحت فرمائی کہ تم اپنی تنگ دستی، خوشحالی، پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی حالت میں بھی اطاعت گزار رہو گے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا، میں ہر حال میں اطاعت گزار رہوں گا، پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا اور میں نے بیعت کر لی، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی کہو، جہاں تک میری طاقت ہوگی میں اطاعت گزار رہوں گا، میں نے بھی یہی الفاظ دہرائے پھر گویا میں اسلام کے دائرے میں داخل ہو گیا۔ ﴿سبل الهدیٰ:۶/۲۶۷﴾

بنو محارب کا وفد:

جب حضور پیغمبر نور ﷺ ہجرت سے پہلے قبائل عرب کو دعوت اسلام دے رہے تھے تو بنو محارب نے آپ ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ شقاوت قلبی کا اظہار کیا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا، اب ہجرت کے سال دہم میں اس قبیلے کے دس افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مہمان خانے میں ٹھہرایا اور بہت اچھی مہمان نوازی فرمائی، وہ لوگ مسلمان ہو گئے، ایک روز حضور اکرم ﷺ نے انکے ایک آدمی کو بڑے غور سے دیکھا تو اس نے کہا، لگتا ہے حضور میرے بارے میں کچھ علم رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کبھی تمہیں دیکھا ہے، اس نے کہا، بالکل جب آپ نے ہمیں ہجرت سے پہلے دعوت دی تھی تو میں ہی نے آپ کے ساتھ بہت بداخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے کہا، میرے قبیلے میں مجھ سے زیادہ آپ کا کوئی دشمن نہیں تھا لیکن اللہ کا شکر

ہے کہ اس نے مجھے آپ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی جبکہ میرے تمام ساتھی اپنے برے عقیدے پر ختم ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: دل تو اللہ کے دست قدرت میں ہیں، اس نے کہا، آپ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں کیونکہ میں نے آپ کو بہت تنگ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی انسان اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ اللہ اسکے سابقہ سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، ﴿زاد المعاد ۳/ ۶۶۳﴾

بنوعبث کا وفد:

بنوعبث کے تین افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے کہنے لگے، یارسول اللہ! ہمارے علما نے کہا ہے، ہجرت کے بغیر ایمان مقبول نہیں ہوتا، اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہم اپنے اموال و مواشی فروخت کر کے آپ کے پاس آجائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم جہاں بھی رہو، اللہ سے ڈرتے رہو تو تمہارے اعمال میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، پھر آپ ﷺ نے ان سے خالد بن سنان کے متعلق سوالات کیے، انہوں نے کہا، اب خالد بن سنان کی کوئی اولاد نہیں، ایک لڑکی تھی وہ بھی فوت ہو گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے خالد بن سنان کے بارے میں بتایا، انکی قوم نے انکو ضائع کر دیا ورنہ وہ نبی ہوتے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۶۸۹، عیون الاثر ۲/ ۲۵۷﴾

بنو المنتفق کا وفد:

اس قبیلے کا وفد بھی سال دہم میں حاضر بارگاہ رسالت ہوا، اس میں حضرت لقیط بن عامر اور حضرت نہیک بن عاصم بھی شامل تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس وفد کی آمد پر فرمایا: لوگو! میں چار دن خاموش رہا ہوں، اب میری بات غور سے سنو، کیا کسی آدمی کو اسکی قوم نے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ رسول اللہ کا کلام سنے، یہ ممکن ہے کہ کسی آدمی کو اسکے دل کی بات یا اسکے ساتھی کی بات یا کوئی گم کردہ راہ آدمی غافل کر دے، مجھ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا میں نے دین پہنچا دیا تھا لہذا سن لو تا کہ تم خوشگوار زندگی بسر کر سکو، پھر فرمایا: سب بیٹھ جاؤ، لوگ بیٹھ گئے مگر حضرت لقیط اور حضرت نہیک کھڑے رہے، آپ ﷺ نے انکی طرف توجہ فرمائی تو حضرت لقیط نے سوال کیا، یارسول اللہ! آپ کے پاس کونسا علم غیب ہے، آپ ﷺ نے

فرمایا: پانچ چیزوں کا علم تمہارے رب نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے جنکو اسکے سوا ﴿ازخود﴾ کوئی نہیں جانتا، انہوں نے پوچھا، وہ پانچ چیزیں کونسی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: موت کا علم، ماں کے پیٹ کا علم، کل کا علم، بارش کا علم اور قیامت کا علم، جب تم مایوسی کی حالت میں ہوتے ہو تو وہ تمہیں دیکھ کر ہنستا ﴿یعنی خوش ہوتا﴾ ہے، انہوں نے پوچھا، ہم ہنسنے والے رب کے فضل سے محروم نہیں رہیں گے، یارسول اللہ! ہمیں وہ بات بتائیں جسکا آپ کو علم ہے، بنو مذحج اور بنو خثعم کے لوگ قرابت کے باوجود ہماری بات نہیں مانتے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم دنیا میں کچھ دیر رہو گے پھر تمہارے نبی وصال فرما جائیں گے، پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ ایک چیخ بلند ہوگی جو ہر جاندار کو ختم کر دے گی، تمہارا رب اپنی شان کے مطابق جلوہ افروز ہو گا، فرشتے اسکے پاس ہوں گے، شہر خالی ہو جائیں گے، تمہارا رب عرش اعظم سے بارش نازل کرے گا جو ہر قبر تک پہنچے گی اور قبر والے کو اٹھا دے گی، تمہارا رب ہر شخص سے پوچھے گا کہ تم نے زندگی کس طرح گزاری، وہ کہے گا کہ کل اور آج یعنی انتہائی مختصر، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارا رب کس طرح جمع کرے گا جبکہ ہم منتشر ہو چکے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے زمین کو نہیں دیکھا کہ وہ مٹی کا ایک ڈھیلا ہوتی ہے، اللہ اس پر بارش برساتا ہے تو وہ سرسبز ہو جاتی ہے، اللہ کی قسم جسطرح اس نے مردہ زمین کو زندہ کیا وہ تمہارے جسموں کو بھی جمع کرنے پر قادر ہے، تم اپنی قبروں سے نکل کر اسکو دیکھو گے اور وہ تمہیں دیکھے گا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم انسانوں سے تو زمین بھری ہوگی، وہ تنہا ہمیں کیسے دیکھے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: سورج اور چاند اسکی نشانیاں ہیں تو تم ایک ہی وقت میں انہیں دیکھتے ہو، انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب سے ملاقات کریں گے تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا، آپ نے فرمایا: اللہ پر تمہاری حرکت پوشیدہ نہ ہوگی، وہ اپنے دست رحمت سے پانی چھڑکے گا، مسلمان کا چہرہ سفید اور کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، تمہارے نبی ایک طرف کو چلیں گے، نیک لوگ انکے پیچھے ہونگے، وہ اپنے حوض پر وارد ہونگے، تمہارے معبود کی قسم، جب کوئی ہاتھ پھیلائے گا تو اسکو پانی کا پیالہ دیا جائے گا وہ پانی تمہیں بول و براز سے پاک رکھے گا، سورج، چاند چھپ جائیں گے، انہوں نے عرض کیا، ہم کس چیز کے ساتھ دیکھیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: جسطرح تم اپنی آنکھوں کے

ساتھ دیکھ رہے ہو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم اپنی نیکیوں اور برائیوں کا کیسا بدلہ پائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی کا بدلہ دس گنا اور برائی کا بدلہ ایک گنا، مگر یہ کہ اللہ اسے معاف فرما دے، انہوں نے عرض کیا، جنت اور دوزخ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے معبود کی قسم، دوزخ کے سات دروازے ہیں، انکے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ ایک سوار ستر سال تک چلتا رہے، جنت کے آٹھ دروازے ہیں انکا فاصلہ بھی اتنا ہے، پھر آپ ﷺ نے جنت کے متعلق فرمایا کہ اس میں نہریں جاری ہوں گے، نہ سر درد کی شکایت ہوگی اور نہ ندامت کا سامنا ہوگا، پھل ہر دم تروتازہ ہوں گے، کسی چیز کا ذائقہ تبدیل نہ ہوگا، انکے علاوہ پاکدامن حوریں ہوں گی اور تم ان سے لذت حاصل کرو گے تاہم اولاد نہیں ہوگی، انہوں نے کہا، میں کس چیز پر آپ کی بیعت کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، شرک چھوڑ دو، انہوں نے عرض کیا، کیا اسکے بدلے ہمیں مشرق و مغرب کا علاقہ دیا جائے گا، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالیا، انہوں نے کہا، اس پر ہی بیعت لیجئے کہ ہم زمین پر جہاں چاہیں اتر پڑیں اور ہر شخص پر اسکے اپنے نفس کا وبال ہو گا، آپ ﷺ نے ہاتھ آگے بڑھا دیا اور فرمایا: یہ تمہارے لیے جائز ہے، وہ واپس ہوئے تو فرمایا: بلاشبہ یہ دونوں آدمی پرہیزگار لوگوں میں شامل ہیں، حضرت کعب بن خداریہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ منتفق کے لوگ ہیں، اسکے بعد بھی وہ ایک مرتبہ آئے تو اور بہت سی باتیں ہوئیں، ﴿ملخصاً سیرۃ الرسول: ۶۹۳﴾

اس طویل حدیث میں علوم خمسہ کا ذکر ہوا تو اسکے متعلق اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے بتانے سے ان علوم سے بھی آشنا ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا علم اپنے محبوب اعظم ﷺ پر ظاہر فرما دیا تھا، ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث نبوی بڑی عظیم و جلیل ہے جو آپ ﷺ کی جلالت و قدر کے علاوہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نبوت کے طاقچے سے ہو کر نکلے ہیں، ﴿زاد المعاد﴾

بنو کندہ کا وفد:

سال دہم میں بنو کندہ کے ساٹھ یا اسی آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اشعث بن قیس بھی ان کے ساتھ تھا، ان لوگوں نے کنگھی کی ہوئی تھی اور سرمہ لگایا

ہوا تھا اور ریشمی کوٹ پہنے ہوئے تھے، وہ اس اہتمام کے ساتھ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ابھی تم نے اسلام قبول نہیں کیا، انہوں نے کہا، ہم نے اسلام قبول کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ریشم کیوں پہنا ہوا ہے، اس پر انہوں نے ریشمی کوٹ اتار کر پھاڑ دیئے، اشعث بن قیس سے روایت ہے کہ اہل وفد مجھے سب سے افضل سمجھتے تھے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ لوگ بھی بنوکندہ سے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں، ہم اپنی والدہ پر تہمت نہیں لگاتے اور نہ اپنے باپ کے نسب کی نفی کرتے ہیں، اسی لیے اشعث کہا کرتے تھے کہ جو شخص قریش کے کسی فرد کی نضر بن کنانہ سے نفی کرتا ہو میں اسے حد قذف لگاؤں گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ۶۶۴﴾

ایک روایت میں ہے کہ اس وفد نے کہا، اے ابوالقاسم! ہمیں ایک پوشیدہ چیز کے متعلق بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسی باتیں تو کاہنوں سے پوچھی جاتی ہیں، انہوں نے کہا، ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ آپ اللہ کے پیغمبر برحق ہیں، آپ ﷺ نے مٹھی میں کنکریاں لیں اور فرمایا: یہ میری گواہی دیں گی، پھر ان کنکریوں نے کلمہ شہادت پڑھا تو انہوں نے بھی کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور مجھے کتاب حق عطا فرمائی ہے جس میں باطل کسی طرح بھی داخل نہیں ہوسکتا، انہوں نے کہا، ہمیں بھی کچھ سنایئے، آپ ﷺ نے سورہ صافات کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں، تلاوت کے دوران آپ ﷺ کی چشمان رحمت سے آنسو برس رہے تھے، ﴿سیرت دحلان ۳۱/۳﴾

حضرت علی کا سفر یمن:

رمضان المبارک ۱۰ ہجری رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ، شیر خدا رضی اللہ عنہ کو تین سو شہسواروں کے ساتھ یمن کی طرف روانہ فرمایا، انہوں نے اپنے شہسواروں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کردیا، وہ مختلف علاقوں پر حملہ آور ہوئے اور بہت سا مال غنیمت اونٹوں اور بکریوں کی صورت میں حاصل کیا، پھر انہوں نے اہل یمن کو دعوت اسلام پیش کی جسے انہوں نے ٹھکرا دیا اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کی، بنو مذحج کے ایک آدمی نے دعوت مبارزت دی تو حضرت اسود بن خزاعی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کردیا، حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کی صف بندی فرمائی، اسکا پرچم حضرت مسعود بن سنان رضی اللہ عنہ کو دیا، بنو مذحج کے بیس آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے اور باقی فرار اختیار کر گئے، بعدازاں اہل اسلام نے دعوت اسلام دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اس مہم سے فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے، جب آپ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے وہاں تشریف فرما ہوئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو یا تین مرتبہ ملک یمن کا سفر اختیار فرمایا، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چمڑے کے تھیلے میں بھر کر کچھ سونا بھیجا، آپ ﷺ نے اسے چار آدمیوں میں تقسیم فرما دیا، عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور عامر بن طفیل، اس پر کسی نے کہا، ان لوگوں سے ہم زیادہ حقدار تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے حالانکہ آسمان والوں کے نزدیک تو میں امانتدار ہوں اور اسکی خبریں میرے پاس صبح وشام آتی ہیں، پھر ایک آدمی کھڑا ہوا جسکی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھی، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں، اونچی پیشانی، گھنی داڑھی اور سر منڈا ہوا تھا، وہ اونچا تہبند باندھے ہوئے تھا، اس نے کہا، یارسول اللہ! اللہ سے ڈرو، آپ ﷺ نے فرمایا: تیری خرابی ہو کیا میں اللہ سے ڈرنے کا تمام اہل زمین سے زیادہ مستحق نہیں، وہ آدمی چلا گیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! کیا میں اسکی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو شاید یہ نمازی ہو، انہوں نے کہا، ایسے بھی تو نمازی ہو سکتے ہیں کہ انکی زبان انکے دل کی ترجمان نہیں ہوتی، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لوگوں کے دلوں میں نقب لگانے اور پیٹ چاک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، پھر آپ ﷺ نے اسکی جانب توجہ فرمائی اور وہ پشت پھیر کر جا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسکی پشت سے ایسی قوم پیدا ہوگی جو اللہ کی کتاب بڑے مزے سے پڑھے گی لیکن وہ انکے حلق سے نیچے نہیں اترے گی، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے، میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو قوم ثمود کی طرح قتل کر دوں، ﴿صحیح بخاری ۲/۶۵۴﴾

حضرت ابوذر کا مکالمہ:

ایک دن رسول اللہ ﷺ تنہا مسجد نبوی میں جلوہ افروز تھے، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں مسجد کی حاضری کے آداب معلوم ہیں، انکے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں داخل ہوتے وقت دو رکعت نماز پڑھا کرو، انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور کچھ سوالات کیے، مثلاً پوچھا، یارسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اسکی راہ میں جہاد کرنا، انہوں نے پوچھا، کس آدمی کا ایمان زیادہ مکمل ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جسکا اخلاق سب سے اچھا ہوتا ہے، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! سب سے افضل مسلمان کون ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! سب سے بہتر ہجرت کونسی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: گناہ کو چھوڑ دینا، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! کتاب اللہ میں سب سے اعلیٰ آیت کونسی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: آیت الکرسی، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! انبیا کرام کی تعداد کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! رسولوں کی تعداد کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تین سو تیرہ، پھر انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں تقوے کی وصیت کرتا ہوں، وہ تیرے حال کو آراستہ کردے گا اور خاموشی اختیار کرنا، زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرنا کہ وہ دلوں کو مردہ کردیتا ہے اور چہرے کو بے نور بنادیتا ہے، مسکینوں سے محبت کرنا اور انکی مجلس سے محبت کرنا، سچ کہنا اگرچہ وہ کڑواہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے معاملے میں کسی کی ملامت سے مت خوفزدہ ہونا، (سیرت ابن حبان ۳۹۰)

حضرت جبریل شکل انسانی میں:

سال دہم میں حضرت جبریل علیہ السلام مجلس رسالت میں بشکل انسانی حاضر ہوئے، انکے کپڑے بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے، چہرہ بہت خوبصورت تھا، جسم سے خوشبو آرہی تھی، انکی حالت سے سفر کے نشان ظاہر نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی انکو کوئی پہچانتا تھا، وہ

دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے، یارسول اللہ! ایمان کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اسکے فرشتوں کو، یوم آخرت کو، رسولوں کو اور بعث بعد الموت کو مان لو، ﴿بروایت مسلم خیر و شر کو تقدیر الٰہی سے وابستہ مانو﴾ پھر انہوں نے پوچھا، اسلام کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: صرف اللہ کی بندگی کرو، کسی کو اسکا شریک نہ ٹھہراؤ، ﴿بروایت مسلم محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دو﴾ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو، ﴿بروایت مسلم توفیق ہو تو حج کرو﴾ انہوں نے پوچھا، احسان کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اسطرح کرو کہ جیسے اسے دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہیں تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، پھر پوچھا، قیامت کب آئے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا البتہ میں اسکی نشانیاں بتا دیتا ہوں، جب لونڈی اپنے مالک کو جنم دے گی، جب چرواہے عالی شان عمارتوں میں رہیں گے تو یہ قیامت کی نشانیاں ہیں، قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ''ان اللہ عندہ علم الساعۃ ''یعنی اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، بعد ازاں وہ چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اس آدمی کو واپس بلاؤ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو انکا دین سکھانے آئے تھے، ﴿صحیح بخاری: ۱/۱۱﴾

یہ حدیث مبارک حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے قدرے تغیر الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

......⊙......

......﴿سفر حجۃ الوداع﴾......

حج کا لغوی معنی ہے کسی شے کی طرف ارادہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہے شرائط معلومہ کے ساتھ معین ارادہ کرنا یعنی عبادت کی نیت سے بیت اللہ شریف کا ارادہ کرنا، ﴿نہایہ: ۱/۳۴۰، المفردات: ۱۰۷﴾ حج کے نفس وجوب کے لیے اسلام، حریت، عقل، بلوغ اور استطاعت کا ہونا، جبکہ وجوب ادا کے لیے احرام، مکان اور مخصوص اوقات کا ہونا ضروری ہے، وقوف عرفات اور طواف زیارت حج کے ارکان ہیں، میقات یا اس سے پہلے احرام باندھنا، غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا، مزدلفہ میں رکنا، صفا اور مروہ پر دوڑنا، وادی منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنا، سر منڈوانا یا بال کترانا، غیر ملکی کے لیے طواف صدر کرنا حج کے واجبات ہیں، طواف قدوم یا طواف زیارت میں رمل کرنا، سبز نشانات کے درمیان تیز دوڑنا، منیٰ میں رات گزارنا، طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف چلنا، طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانا وغیرہ حج کی سنن ہیں، وظیفہ زوجیت ادا کرنا، بال کاٹنا، ناخن تراشنا، خوشبو لگانا، سر اور چہرے کو ڈھانپنا، سلا ہوا کپڑا پہننا، کسی دوسرے محرم کا سر مونڈنا، حل وحرم میں شکار کھیلنا وغیرہ حج کے منہیات ہیں، ﴿فتح القدیر: ۲/۳۲۱﴾

یوں تو کعبہ مشرفہ ابتدائے عالم سے حق شناسی اور خدا پرستی کا مرکز ہے مگر اسکی نشاۃ ثانیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائی، اس لیے حج انکی عظیم یادگار کے طور پر متعارف ہے، ارشاد خداوندی ہے:

⊙...... اور جبکہ ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانہ ٹھیک بتا دیا اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کرنا اور میرا گھر ستھرا رکھنا، طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع، سجدے والوں کے لیے اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دو، وہ تمہارے پاس حاضر ہونگے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں، ﴿سورۃ الحج: ۲۶، ۲۷﴾

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر جہان کے لوگوں کو ندا کر دی کہ بیت اللہ شریف کا حج کرو، جنکے مقدور میں حج ہے انہوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں سے جواب دیا ''لبیک اللھم لبیک'' ﴿میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر

ہوں ﴾حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس آیت میں اذن کا خطاب حضور پیغمبر نور ﷺ کو ہے، اس لیے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اعلان فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہذا حج کرو، ﴿خزائن العرفان: ۴۳۵﴾ حج سے ہمیں آخرت یاد آتی ہے جب مسلمان سفید رنگ کا احرام باندھتا ہے تو اسکے منظر میں سفر آخرت کا سفید کفن یاد آجاتا ہے، حج کے دوران رنگ و نسل، ذات اور پات، برادری اور خاندان کے تعصّبات ختم ہو جاتے ہیں، مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کے گہوارے میں پہنچ کر عالمگیر اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں، سب کا لباس اور زبان ایک ہوتی ہے اور وحدت ملی کا ایک دلکش نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے گویا ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کرتا بخاک کاشغر

حج کی بدولت بندہ مومن کی سابقہ تقصیروں اور گناہوں پر رحمت کا پانی پھر جاتا ہے اور وہ آئندہ ایک محتاط زندگی گزارنے کا عزم صمیم کرتا ہے۔

⊙ ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرے تک گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مقبول کا ثواب تو جنت ہے، ﴿جامع ترمذی: ۱/۲۸۸﴾ انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حج کیا اور رفث و فسق سے کام نہ لیا تو اسکے سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، ﴿ایضا: ۱/۴۴۴﴾

⊙ ...... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج اور عمرہ یکے بعد دیگرے کرتے رہا کرو کیونکہ یہ دونوں محتاجی اور گناہ کو اسطرح دور کرتے ہیں جسطرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کی میل کچیل کو دور کرتی ہے، حج مقبول کا ثواب تو جنت ہے، ﴿جامع ترمذی ۱/۴۴۴﴾

حج بیت اللہ شریف تو ایک اہم عبادت ہے جو مسلمان کو اپنے خالق کی نشانیوں اور اپنے بزرگوں کی یادگاروں کا شوق دلاتی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے وعید شدید کے ساتھ فرمایا: جو شخص سامان سفر اور سواری کے ہوتے ہوئے بھی حج ادا نہ کرے تو اس سے کوئی

فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے، ﴿جامع ترمذی ۱/۳۵۳﴾ یاد رہے کہ شیطان انسان کا سب سے بڑا اور سب سے کھلا دشمن ہے، اسکی ہر لمحہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ اسکو راہ راست سے بھٹکا کر کفر وعصیان کی دلدل میں پھنسا دیا جائے، حج کے دوران شیطان کو کنکریاں مار کر اس کے ساتھ قلبی نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے، حدیث پاک ہے کہ عرفہ کے دن کے علاوہ کسی اور دن شیطان اس قدر ذلیل، رسوا اور غضبناک نہیں ہوتا کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس دن رحمت خدا برس رہی ہے اور لوگوں کے گناہ معاف ہو رہے ہیں، ﴿مشکوٰۃ: ۲۲۹﴾ یوم عرفہ کے نورانی لمحات کی تو بات ہی کیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اپنے بندوں کے قریب جلوہ گر ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرے بندے گرد وغبار سے اٹے ہوئے دور دراز کا سفر طے کر کے جنت کی امید لے کر آئے ہیں، اے بندو! اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں، بارش کے قطروں اور سمندر کی جھاگوں کے برابر بھی ہوئے تو میں معاف کر دوں گا، ﴿کشف الاستار ۲/۹﴾

رسول اللہ ﷺ کے حج اور عمرے:

حضور تاجدار کشور رسالت، شہر یار اقلیم نبوت ﷺ نے کتنے حج اور عمرے ادا فرمائے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تین حج کیے، دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد، اسکے ساتھ عمرہ بھی کیا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک حج اور چار عمرے ادا کیے، ایک عمرہ ذوالقعد، دوسرا عمرہ قضا، تیسرا عمرہ جعرانہ اور چوتھا عمرہ حج، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ پہلی روایت غریب ہے، ہم اسے صرف زید بن حباب کی روایت سے پہچانتے ہیں، میں نے امام بخاری سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے سفیان ثوری کی سند سے نہیں پہچانا، میرا خیال ہے کہ وہ اسے محفوظ حدیث نہیں سمجھتے ﴿جبکہ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے﴾ دوسری روایت کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، ﴿جامع ترمذی ۱/۱۶۳﴾

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انیس غزوے فرمائے، ہجرت کے بعد ایک حج کیا، اس کے بعد کوئی حج نہیں فرمایا ﴿صحیح بخاری﴾ ابن حزم کا قول ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت سے پہلے اور اس کے بعد متعدد حج اور عمرے ادا

کیے ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۰۷﴾ ان متضاد روایات کی تطبیق اسطرح ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرض حج ایک ہی فرمایا اور وہ حجۃ الوداع، حجۃ التمام، حجۃ البلاغ یا حجۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہے، ہجرت سے پہلے حج فرض نہیں تھا لیکن آپ ﷺ ادا فرمایا کرتے تھے، امام ابن اثیر نے لکھا ہے کہ کفار عرب ہر سال حج ادا کیا کرتے تھے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ حج نہ کریں، بہر حال حجۃ الوداع تاریخ اسلام کا ایک اہم مقام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دین مکمل فرما دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حج کو حجۃ الوداع کے نام سے یاد کرنا مکروہ جانتے تھے، شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ اس نام سے حضور اکرم ﷺ کا رخصت فرما جانا یاد آجاتا ہے اور یہ یاد انکے لیے درد والم کی موجب تھی، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۶۵۵﴾

دعوت وتبلیغ کا کام پورا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے اثبات، اسکے ماسوا کی الوہیت کی نفی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بنیاد پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر وتشکیل عمل میں آگئی تو اب گویا ہاتف غیبی آپ ﷺ کے قلب وشعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ دنیا میں آپ کے قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے، آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اسکا اظہار بھی فرما دیا تھا کہ تم مجھ سے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے اور میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے، درحقیقت اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے پیغمبر برحق ﷺ کو انکی دعوت کے ثمرات بھی دکھا دے جسکی راہ میں انہوں نے تقریباً ۲۳ برس کے عرصے تک طرح طرح کی مشکلات اور مصائب برداشت کیے تھے، اسکی یہی صورت تھی کہ آپ ﷺ حج کے موقعہ پر اطراف مکہ سے قبائل عرب کو بلائیں اور انکے سامنے دین کے احکام بیان کریں اور ان سے گواہی لیں کہ کیا آپ نے حق تعالیٰ کی امانت ادا کردی یا نہیں، پیغام پروردگار کی تبلیغ فرمادی یا نہیں اور امت مرحومہ کی خیر خواہی کا حق نبھا دیا یا نہیں۔

حج مبرور کی دعوت عام:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں نو سال رہے اور حج نہیں فرمایا پھر دسویں سال اعلان کیا گیا کہ آپ ﷺ حج کو جانے والے ہیں تو مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ جمع ہوگئے، وہ آپ ﷺ کی اتباع کرنا چاہتے تھے تاکہ حج کے افعال میں آپ ﷺ کی اقتدا کریں، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ امام بیہقی نے روایت بیان کی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نوے ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ تعداد بیان کی گئی ہے، لوگوں کے قافلے نہایت ذوق اور ولولے کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ رہے تھے، بیت اللہ شریف کا سفر ہو اور محبوب خدا قافلہ سالار ہو تو کیوں نہ دل ونگاہ میں خوشیوں کے چشمے ابل رہے ہوں گے، ہر کسی کی آرزو تھی کہ وہ آپ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کرے، مدینہ منورہ کے کھلے میدان قبائل عرب کے خیموں سے بھر گئے، گلیوں اور بازاروں میں رونق دوبالا ہوگئی، محبت رسول ﷺ سے سرشار لوگ پروانوں کی طرح لپک رہے تھے۔

کاروان عشق کی روانگی:

اب اس کاروان عشق ومستی کی روانگی کے کچھ واقعات اور کچھ شرعی مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔

﴿1﴾

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کی نگرانی اور پاسبانی کا فریضہ عطا فرمایا، پچیس ذوالقعد بروز ہفتہ ۱۰ ہجری کا خوبصورت اور ایمان افروز سماں تھا، امام ابن حجر کا قول ہے کہ ابھی ذوالقعد کے چار دن باقی تھے کہ آپ ﷺ نے کوچ کی تیاری فرمائی، ﴿فتح الباری: ۱۰۴/۸﴾ آپ ﷺ نے غسل فرمایا، بالوں کو تیل لگایا، کنگھی کی اور احرام کے کپڑوں میں خوشبو لگائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا تو میں نے آپ ﷺ کو خوشبو لگائی اور جب فراغت حج کے بعد احرام کھولا تو اس وقت بھی خوشبو لگائی ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ خوشبو سب سے اچھی تھی، ﴿ایضاً﴾ انہی سے روایت ہے کہ یہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں خوشبو چمک رہی ہے اور آپ ﷺ تلبیہ کررہے ہیں ﴿ایضاً﴾ امام نووی فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے ارادے کے وقت خوشبو لگانا مستحب ہے، احرام باندھنے کے بعد بدن سے خوشبو آتی رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ احرام باندھنے کے بعد خوشبو لگانا حرام ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت معاویہ، حضرت عائشہ، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے افراد کا یہی

موقف ہے، حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام احمد اور داؤد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کا بھی یہی نظریہ ہے، ﴿شرح مسلم ۱/۳۷۸﴾ احرام کے وقت غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے، ﴿جامع ترمذی ۱/۱۹۹﴾ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے، شعار کیے، نماز ظہر چار رکعت ادا فرمائی اور سفر حج پر روانہ ہوئے، تمام ازواج مطہرات بھی ہمراہ تھیں اور کجاوں پر سوار تھیں، آپ ﷺ خود، حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر مالدار صحابہ کرام قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے کر چلے تھے، ذوالحلیفہ میں پہنچ کر سب اہل اسلام نے نماز عصر بطور قصر ادا فرمائی، ذوالحلیفہ مدینہ منورہ کا میقات ہے، ﴿جامع ترمذی ۱/۱۹۹﴾ ائمہ اربعہ کے نزدیک جو شخص حج یا عمرے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے میقات پر احرام باندھنا واجب ہے، اگر وہ بغیر احرام کے گزر جائے گا تو گنہگار ہوگا اور اس پر توبہ لازم ہوگی اور دم بھی ضروری ہوگا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو آدمی میقات سے احرام کے بغیر مطلقاً نہیں گزر سکتا، ﴿المبسوط ۴/۱۶۷﴾ جس طرح تکبیر تحریمہ سے نماز کی نیت کا اظہار ہوتا ہے، اس طرح احرام سے حج کی نیت کا اظہار ہوتا ہے گویا آدمی عام حالت سے نکل کر ایک خاص حالت میں داخل ہو گیا ہے۔

﴿2﴾

حضور پیغمبر نور ﷺ نے رات ذوالحلیفہ میں بسر فرمائی اور اپنی ازواج مطہرات کو قرب خاص سے مشرف فرمایا اور آخر میں ایک ہی غسل کیا، صبح کے وقت فرمایا کہ آج رات میرے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والا آیا اور کہا کہ اس وادی مبارک میں نماز پڑھو اور اعلان کرو کہ عمرہ حج میں شریک ہو سکتا ہے، ﴿صحیح بخاری ۱/۲۰۷﴾ آپ ﷺ نے مقام ذوالحلیفہ پر پانچ نمازیں ادا فرمائیں، احرام کے لیے الگ غسل فرمایا اور اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کستوری ملی ہوئی خوشبو لگائی، اس کی چمک اور مہک احرام باندھنے کے بعد بھی آپ ﷺ کے سر انور اور ریش اطہر میں دیکھی اور سونگھی جا سکتی تھی، آپ ﷺ نے اسے زائل نہیں کیا، پھر آپ ﷺ نے تہبند باندھا اور بدن اقدس پر

چادر اوڑھی اور دو رکعت نماز ظہر پڑھی اور حج و عمرہ کے لیے ''لبیک'' پکاری گویا آپ دونوں کا احرام باندھ کر قارن ہو گئے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! گواہ ہو جاؤ میں نے حج کے ساتھ عمرے کی بھی نیت کی ہے، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ احرام کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں احرام کی حالت میں کونسا لباس پہننے کا حکم دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ احرام کی حالت میں قمیص، پاجامہ، برنس ﴿برساتی﴾ پگڑی اور موزے نہ پہنو، اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو ٹخنوں سے نیچے تک موزے پہن لو، وہ کپڑا بھی نہ پہنو جس میں زعفران اور ورس لگی ہو، عورت احرام میں نقاب نہ ڈالے اور نہ ہی دستانے پہنے، یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس پر علما کا عمل ہے، ﴿جامع ترمذی ۱/۴۴۵﴾ آپ نے ایک صحابی کو حالت احرام میں جبہ پہنے ہوئے دیکھا تو اسے اتارنے کا حکم صادر فرمایا ﴿ایضاً ۱/۴۴۶﴾ محرم آدمی، حملہ آور جانور اور کاٹنے والے کتے، چوہے، بچھو، چیل اور کوے کو مار سکتا ہے، ﴿ایضاً ۱/۴۴۷﴾ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تلبیہ سنا کہ آپ ﷺ اپنے بالوں کو جمائے ہوئے تلبیہ کہہ رہے تھے:

میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریف، نعمت اور بادشاہی تیرے لیے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

آپ ﷺ ان کلمات میں اضافہ نہیں کرتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ آپ ﷺ کو لے کر مسجد ذوالحلیفہ کے قریب سیدھی کھڑی ہو گئی اور آپ ﷺ نے احرام باندھا اور فرمایا: میں حاضر ہوں............ ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ تلبیہ کو بلند آواز سے پڑھنا اور بکثرت تکرار کرنا مستحب ہے، عورت بلند آواز سے نہ پڑھے، محرم کسی کے سلام یا بات کا جواب دینے کے لیے تلبیہ منقطع نہ کرے بلکہ تلبیہ کی حالت میں محرم کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے، تلبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود پاک پڑھ کر اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا مانگنی چاہیے، یاد رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی اور تلبیہ کہہ کر احرام باندھا جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ

آپ ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر احرام باندھا اور تلبیہ کہا، احناف کرام نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ مفصل ہے۔

......﴿3﴾......

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انکی بیوہ خاتون حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح فرما لیا تھا، اب مقام ذوالحلیفہ پر انکے بطن اطہر سے حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت اسما رضی اللہ عنہا کو نفاس شروع ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان سے کہیں کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ غسل کریں اور ایک کپڑے کا لنگوٹ باندھ کر احرام باندھ لیں، ﴿ایضا﴾ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حیض و نفاس والی عورت کا احرام باندھنا صحیح ہے اور احرام کے لیے غسل کرنا مستحب ہے، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے ﴿شرح صحیح مسلم ۱: ۳۸۵﴾

......﴿4﴾......

حضور پیغمبر نور ﷺ کاروان عشق و مستی کو لے کر روانہ ہوئے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے منتہائے نظر تک دیکھا کہ میرے آگے سوار اور پیادے چل رہے تھے، میری دائیں بائیں جانب اور پیچھے بھی لوگوں کا ہجوم تھا، رسول اللہ ﷺ ہمارے ہمراہ تھے، آپ ﷺ پر قرآن پاک نازل ہو رہا تھا، اسکی مراد کو آپ ﷺ ہی جانتے تھے، رسول اللہ ﷺ جو عمل کر رہے تھے ہم بھی وہی کر رہے تھے، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ بلند آواز سے تلبیہ پکارو کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہی حکم پہنچایا ہے، آپ ﷺ قصوا اونٹنی پر سوار تھے، اس پر پرانا کجاوا رکھا ہوا تھا، اس پر کوئی شغدف نہیں تھا، کوئی محمل نہیں تھا، کوئی ہودج نہیں تھا گویا سادگی اور انکساری کی عملی تصویر بن کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا چاہتے تھے، مقام عرج پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام کاروان حج سے پیچھے رہ گیا، اسکی سواری پر حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سامان سفر تھا، اسکے انتظار میں کافی وقت لگ گیا، جب وہ سواری کے بغیر پہنچا تو انہوں نے دریافت کیا کہ اونٹ کہاں ہے، اس نے جواب دیا کہ وہ

گم ہو گیا ہے، اسی وجہ سے تاخیر ہوئی ہے، وہ تادیب کے طور پر غلام کو مارنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: دیکھو یہ محرم کیا کر رہا ہے، انہوں نے غلام کو چھوڑ دیا، پھر مقام ابوا پر پہنچے تو سامان سفر بھی مل گیا، ﴿مدارج النبوۃ: ۶۵۷/۲﴾

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مقام ابوا یا مقام بودان میں انکے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کو ایک گورخر کا تحفہ پیش کیا جسے آپ ﷺ نے لوٹا دیا، آپ ﷺ نے انکے چہرے پر ناخوشگواری کے اثرات دیکھے تو فرمایا: یہ ہم نے کسی ناراضی کی وجہ سے واپس نہیں کیا بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم محرم ہیں، ﴿جامع ترمذی: ۴۵۱/۱﴾ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہمیں ساحل سمندر کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا، ہم سمندر کے کنارے چل پڑے، جب رسول اللہ ﷺ کی طرف مڑنے لگے تو انکے سوا سب نے احرام باندھ لیا، چلتے چلتے انہوں نے جنگلی گدھے دیکھے، انہوں نے حملہ کر کے ایک جنگلی گدھی کی کونچیں کاٹ دیں، پھر سب نے اتر کر اسکا گوشت کھایا، بعد ازاں سوچا وہ سب تو محرم تھے، جنگلی گدھی کا باقی گوشت اپنے پاس محفوظ کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اسکی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا، انہوں نے کہا، نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: باقی گوشت بھی کھا لو، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ احناف کرام کا موقف اس حدیث کے مطابق ہے کہ جب محرم نے شکار پر نہ دلالت کی ہو، نہ معاونت کی ہو، نہ اشارہ کیا ہو اور نہ امر کیا ہو تو غیر محرم کے شکار کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا اسکے لیے جائز ہے، خواہ غیر محرم نے اپنے لیے شکار کیا ہو یا محرم کے لیے شکار کیا ہو، ﴿بدائع الصنائع: ۲۰۵/۲، ہدایہ ۲۵/۳، شرح مسلم سعیدی: ۳۱۴/۳﴾ یاد رہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ والی روایت مضطرب ہے، ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے جنگلی گدھا پیش کیا، کسی میں ہے کہ اسکا گوشت پیش کیا، کسی میں ہے کہ ایک ٹانگ پیش کی، کسی میں ہے کہ اسکا ایک پہلو پیش کیا اور کسی میں ہے کہ پچھلا دھڑ پیش کیا جس سے خون نکل رہا تھا، اتنے مختلف الفاظ کی وجہ سے یہ روایت مضطرب ہے جس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ کی روایت

مضطرب ہے جبکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اضطراب نہیں اس لیے اس روایت کو ترجیح دی جائے گی، ﴿فتح القدیر:۲۷/۳﴾ ہمارے موقف کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ ﷺ مقام روحا پر پہنچے تو ایک زخمی نیل گائے دیکھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو، اسکا شکاری خود آکر حاصل کرلے گا، اتنے میں شکاری بھی آگیا اور کہنے لگا، یارسول اللہ! میری طرف سے اجازت ہے، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسکا گوشت سب رفقا میں تقسیم کردو، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۷۰۵﴾

……﴿5﴾……

یہ کاروان محبت وادی عسفان میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام بھی اس وادی سے گزر رہے ہیں، وہ دوسرخ اونٹوں پر سوار ہیں، ان کی لگامیں کھجوروں کے پتوں سے بنائی گئی ہیں، ان کے تہبند اور چادریں اونی ہیں، وہ حج کی تلبیہ پکار رہے ہیں، ﴿مسند احمد﴾ وادی ارزق میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشاہدہ کررہا ہوں کہ وہ اپنی دوانگلیاں دونوں کانوں میں رکھے بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے ہوئے گزر رہے ہیں، ﴿صحیح مسلم﴾ صحیح بخاری کی روایت میں وادی کا تعین نہیں کیا گیا، بس یہی فرمایا گیا ہے کہ گویا میں ان کو دیکھ رہا ہوں، کچھ علما کرام کا بیان ہے کہ ان احادیث کی مراد حقیقت پرمبنی ہے کیونکہ انبیا کرام زندہ ہیں، اگر وہ حج کے لئے تشریف لائیں تو کوئی مانع نہیں، ان انبیا کرام کا حج کے لئے آنا اس سال واقع ہوا کیونکہ حضور تاجدار انبیا ﷺ حج کے لئے تشریف لارہے تھے، کچھ علما کرام کا خیال ہے کہ انبیا کرام اپنی قبروں میں یا جنت میں زندہ ہیں لیکن انکی ارواح متمثل ہوتی ہیں اور اجسام میں آکر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، ان خیالات سے بڑھ کر بھی ایک قول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انبیا کرام کو اس حال میں ملاحظہ فرمایا جو وہ اپنی حیات مبارکہ میں رکھتے تھے، یہ وہ عالم ہے جہاں ماضی و مستقبل کا کوئی تصور نہیں، بس حال ہی حال ہے، یہ قول ارباب کشف کے رسائل میں مسطور ہے، ﴿ملخصاً مدارج النبوۃ:۶۵۸/۲﴾

……﴿6﴾……

جب حضور نبی اکرم، رسول آخر ﷺ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر

مقام سرف میں جلوہ گر ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا، وہ غمزدہ ہو کر رونے لگیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں روتی ہو، شاید تمہیں حیض آ گیا ہے، انہوں نے عرض کیا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے لیے مقدر کیا ہوا ہے، تم ہر وہ عمل کرو جو حجاج کرام کرتے ہیں لیکن کعبہ مشرفہ کا طواف نہ کرو، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں ہے اور حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں، انہوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا، اب انکے لیے عمرہ کرنا محال ہو گیا تو آپ ﷺ نے انکو حج اور عمرے میں داخل فرمالیا اور قارن بنالیا، فرمایا: غسل کر کے احرام باندھ لو ﴿مدارج النبوۃ: ۶۵۹/۲﴾ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: عمرہ کو چھوڑ دو، بال کھول لو، کنگھی کرو اور حج کا احرام باندھ لو، وہ فرماتی ہیں میں نے ایسا ہی کیا، جب محصب کی رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ہمارا حج پورا کر دیا، آپ ﷺ نے میرے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا، وہ مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر مقام تنعیم سے مکہ مکرمہ لے گئے، میں نے عمرے کا احرام باندھا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے حج اور عمرے دونوں کو پورا کر دیا، اس میں نہ ہدی تھی، نہ صدقہ تھا اور نہ روزہ تھا، ﴿صحیح مسلم﴾ یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج تمتع کیا تھا اور تمتع اور قران میں ہدی یعنی قربانی لازم ہوتی ہے، اسکا جواب یہ ہے، انکی مراد یہ ہے کہ انہوں نے حج کے دوران کوئی ایسا کام نہیں کیا جسکی وجہ سے ہدی، صدقہ یا روزہ لازم ہوں، جیسے کوئی عورت احرام میں چہرہ ڈھانپ لے یا بال کاٹ لے یا ناخن تراش لے یا خوشبو لگا لے، ﴿شرح صحیح مسلم: ۴۲۰/۳﴾

مکہ مکرمہ میں داخلہ:

مقام سرف میں ہی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جو شخص اپنے ساتھ قربانی نہیں لایا وہ اسکو عمرہ بنا سکتا ہے اور جو قربانی لایا ہے وہ عمرہ نہیں بنا سکتا، پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ ﷺ نے یہ حکم حتمی طور پر صادر فرما دیا، آپ ﷺ مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو ذوالحج کے چار دن گزر چکے تھے، اتوار کی رات یہاں بسر فرمائی اور نماز فجر ادا فرمائی نیز غسل کا اہتمام بھی فرمایا، طلوع آفتاب کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور بالائی حصے ثنیۃ العلیا کی جانب سے اس شہر مبارک میں داخل ہوئے، اس وقت خاندان بنو ہاشم کے لڑکوں

نے تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑ پڑے اور آپ ﷺ نے نہایت ہی محبت کے ساتھ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے اپنی سواری پر بٹھالیا، ﴿سنن نسائی:۲۶/۲﴾ چاشت کے وقت مسجد حرام میں تشریف لائے اور جب کعبہ مشرفہ پر نظر پڑی تو یہ دعا مانگی:

⊙...... اللھم زد ھذا البیت تشریفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابة: اے اللہ! اس بیت مکرم کے شرف، تعظیم، تکریم اور ہیبت میں مزید اضافہ فرما۔

ایک یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی اور دعا مانگی:

⊙......اللھم انت السلام و منک السلام حینا ربنا بالسلام،اللھم زد ......

آپ ﷺ نے تحیۃ المسجد ادا نہیں فرمائی کیونکہ مسجد حرام کی تحیت طواف کعبہ ہی ہے، آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام فرمایا اور طواف شروع کیا، رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا منقول ہے:

⊙...... ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنه وقنا عذاب النار: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ ﴿سورۃ البقرہ:۲۰۱﴾

حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنی سواری پر طواف فرمایا اور چھڑی سے حجر اسود کی تعظیم کی تاکہ بلند ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ لیں اور سوال کر سکیں کیونکہ لوگوں نے آپ کو گھیرا ہوا تھا، ﴿صحیح مسلم﴾ آپ ﷺ نے پہلے تین چکروں میں رمل فرمایا یعنی تیز چلتے ہوئے قدم قریب قریب رکھے، باقی چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ﴿صحیح مسلم﴾ اپنی چادر کے ساتھ اضطباع بھی فرمایا یعنی دایاں بازو اور کندھا ننگا رکھا، طواف کے دوران آپ ﷺ جب حجر اسود کے سامنے آتے تو چھڑی کے ساتھ استلام فرماتے اور اسکے سرے کو بوسہ دیتے، حجر اسود کا استلام کبھی آپ ﷺ نے چھڑی کے ذریعے کیا اور کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیا اور کبھی لب مبارک کو حجر اسود پر رکھ کر بوسہ دیا، ﴿سنن نسائی:۱۳/۲﴾ رکن یمانی کا استلام بھی فرماتے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجر

اسود اور رکن یمانی کی تعظیم کرتے دیکھا ہے، تب سے میں نے انکی تعظیم نہیں چھوڑی، ﴿صحیح مسلم﴾ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے متعلق فرمایا ہے کہ اللہ کی قسم، اللہ قیامت کے دن اسے اس طرح اٹھائے گا کہ اسکی دو آنکھیں ہونگی جن سے دیکھے گا، زبان ہوگی جس سے بولے گا اور اسکی گواہی دے گا جس نے اسے حق کے ساتھ چوما ہوگا، ﴿ترمذی ۱/۲۰۰﴾ حجر اسود اور رکن یمانی کے متعلق یہ بھی ارشاد نبوت ہے کہ انکو ہاتھ لگانا گناہوں کا کفارہ ہے اور کعبہ شریف کا طواف کرنا اور اسکی حفاظت کرنا ایک غلام آزاد کرنے کے مترادف ہے، ﴿ایضاً ۱/۱۷۹﴾ آپ ﷺ کی حدیث پاک ہے کہ طواف کعبہ نماز کی مثل ہے، سن لو! تم اس میں گفتگو کرتے ہو، پس جو اس میں کلام کرے وہ نیکی ہی کا کلام کرے، ﴿ایضاً﴾ فراغت طواف کے بعد مقام ابراہیم پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ، ﴿سورۃ البقرہ: ۱۲۵﴾

یہاں آپ ﷺ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان رکھتے ہوئے دو رکعت نماز ادا فرمائی، اس نماز میں آپ ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کے ساتھ سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھی، ایک روایت کے مطابق آخری دو سورتیں پڑھیں، بعد ازاں آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام فرمایا اور سعی کے لیے کوہ صفا کی طرف تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے یہاں یہ آیت تلاوت کی: ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ یعنی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں، ﴿سورۃ البقرہ: ۱۵۸﴾

پھر فرمایا کہ میں بھی وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے یعنی سعی کا آغاز کوہ صفا سے فرمایا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سعی کا آغاز یہاں سے کرو، ﴿سنن نسائی﴾ آپ ﷺ کوہ صفا پر جلوہ گر ہوئے اور بیت اللہ شریف کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کی:

> اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے عبد خاص کی امداد فرمائی اور اکیلے ہی تمام لشکروں کو شکست سے دوچار کیا۔

یہ دعا تین مرتبہ پڑھی اور صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے، میدان میں اتر کر دوڑنے لگے، چڑھائی پر قدم آہستہ کر لیے، پھر مروہ پر پہنچ کر بھی وہی عمل کیا جو صفا پر کیا تھا، سات چکروں کی صورت میں سعی مکمل ہوگئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ انصار اسلام سے قبل منات نامی بت کے پاس احرام باندھتے تھے اور اسکی پرستش کرتے تھے لہذا جو شخص احرام باندھتا وہ صفا و مروہ کے طواف کو برا سمجھتا جب وہ مسلمان ہوگئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسکے متعلق استفسار کیا کہ ہم تو اسکا طواف برا سمجھتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے آیت: ان الصفا والمروة من شعائر الله .... نازل فرمائی، رسول اللہ ﷺ نے انکے درمیان طواف کو مسنون قرار دیا، بنا بریں کسی کو زور نہیں کہ انکا طواف ترک کرے، ﴿صحیح بخاری: ۶۰۷/۱﴾ فراغت سعی کے بعد آپ ﷺ نے ہر اس شخص کو جسکے پاس قربانی نہیں تھی حلال ہونے کا حکم دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: جن کے پاس قربانی نہیں وہ حج کو فسخ کر کے اسکو عمرہ بنا لیں، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم کن چیزوں سے حلال ہونگے، آپ ﷺ نے فرمایا: احرام کی وجہ سے جو چیز تم پر حرام ہوگئی تھی وہ تمہارے لیے حلال ہو جائے گی، ﴿بخاری و مسلم﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت طلحہ بروایت دیگر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے بغیر کسی کے پاس قربانی نہیں تھی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے کچھ قربانی کے جانور لائے، اب رسول اللہ ﷺ کے پاس اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی، انہوں نے دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں سے تھیں جو حلال ہو چکے تھے، انہوں نے رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرے والد نے مجھے حکم دیا تھا، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ نے سچ کہا ہے، جب تم نے حج کی نیت کی تھی تو کیا کہا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس چیز کا احرام باندھتا ہوں جسکے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ہدی ہے لہذا تم بھی حلال نہ ہونا، ﴿صحیح مسلم﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کچھ تعجب کیا تو

آپ ﷺ نے فرمایا، اگر میں پہلے اس امر پر توجہ کرتا تو قربانی ساتھ نہ لاتا اور اس طرح حلال ہو جاتا، ایک روایت میں ہے کہ میں تم سب سے زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، سب سے زیادہ سچ بولتا ہوں، سب سے زیادہ نیکوکار ہوں اگر میرے پاس قربانی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا جسطرح تم حلال ہوئے ہو، اگر اس چیز پر میں پہلے توجہ کرتا تو اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا لہذا تم لوگ حلال ہو جاؤ چنانچہ سب حلال ہو گئے اور آپ ﷺ کا حکم سن کر اطاعت گزاری سے کام لیا، ﴿بخاری و مسلم﴾ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جب یمن سے آیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ بطحا قیام پذیر تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے تو میں نے عرض کیا، وہی چیز جسکا رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھ رکھا ہے، فرمایا: کیا تمہارے پاس قربانی ہے، میں نے عرض کیا، نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا طواف کعبہ کرو چنانچہ میں نے کعبہ، صفا و مروہ کا طواف کیا، آپ ﷺ نے مجھے احرام کھولنے کا حکم دیا تو میں نے احرام کھول دیا، پھر میں اپنی قوم کی ایک خاتون کے پاس آیا تو اس نے میرا سر دھو کر کنگھی کی، ﴿بخاری ۱/۵۸۳﴾

آپ ﷺ نے سر منڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ اور بال ترشوانے والوں کے لیے ایک مرتبہ دعا فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب ازواج مطہرات حلال ہو گئیں اور باقی لوگ بھی جو قربانی ساتھ نہیں لائے تھے وہ حلال ہو گئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ہم نے طواف کیا، سعی کی اور اپنی ازواج کے پاس گئے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لیے، ﴿صحیح بخاری ۱/۲۱۴﴾ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یارسول اللہ! کیا یہ حکم اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے، آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر فرمایا: ہمیشہ کے لیے عمرہ حج میں داخل ہو گیا، ﴿صحیح مسلم﴾

مناسک حج کے مناظر:

حضور اکرم ﷺ نے اپنا احرام باقی رکھا اور نمازیں مکہ مکرمہ کے سامنے اسی مقام پر ادا فرمائیں جہاں اہل اسلام کا مستقر تھا، وہاں آپ نے چار دن اتوار، سوموار، منگل اور بدھ قیام فرمایا اس دوران، نماز قصر ادا فرماتے رہے، آٹھ ذوالحج ترویہ کے دن جمعرات کو چاشت کے وقت وادی منیٰ کی جانب مراجعت فرمائی، جو مسلمان حلال ہو چکے تھے انہوں

نے بھی حج کا احرام باندھ لیا،حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں منیٰ میں ادا فرمائیں اور رات بھی وہاں بسر کی، فجر کی نماز وہیں پڑھی اور اتنی دیر توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا،قریش کا خیال تھا کہ آپ ﷺ مزدلفہ میں قیام فرمائیں گے، جیسا کہ قریش ایام جاہلیت میں کیا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ یہاں سے چلے اور میدان عرفات میں مقام نمرہ پر وقوف فرمایا، وہاں آپ ﷺ کے لیے بالوں سے بنا ہوا خیمہ نصب کیا گیا تھا، آپ ﷺ اس خیمے میں ٹھہرے، جب دو پہر ڈھلی تو ناقہ قصوا پر سوار ہو کر بطن میدان عرفات میں نکلے وہ جمعۃ المبارک کا دن تھا آپ ﷺ نے ایک لاکھ چوبیں ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تاریخی خطاب فرمایا:

لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جیسے اس شہر اور اس مہینے اور آج کے دن کی حرمت ہے، سنو، زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہے، زمانہ جاہلیت کے ایک دوسرے پر خون پامال ہیں، میں سب سے پہلے اپنا خون معاف کرتا ہوں، وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے، وہ بنو سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا جس کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا، اسی طرح زمانہ جاہلیت کے تمام سود پامال ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سود کو چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں، اور وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، تم لوگ عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم لوگوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان میں لیا ہے، تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ ﴿نکاح﴾ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے اوپر حلال کر لیا ہے، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو اس پر ایسی سزا دو جس سے چوٹ نہ لگے، اور ان کا تم پر حق ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق ان کو خوراک اور لباس فراہم کرو، میں تمہارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ چیز کتاب اللہ ہے، تم لوگوں سے

قیامت کے دن میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے، سب نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور حق رسالت ادا کر دیا اور آپ نے امت کی خیر خواہی کی پھر آپ نے انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: اے اللہ گواہ ہو جا، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا لوگو! بے شک تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ آدم علیہ السلام بھی ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے، ﴿مسند امام احمد﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا : لوگو! میری بات سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے کبھی نہ مل سکوں، ﴿سیرت ابن ہشام ۲/ ۶۰۳﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی سے اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور حکمرانوں کی اطاعت کرنا، یہ وہ عمل ہیں جن سے تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، ﴿سنن ابن ماجہ﴾

رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات حضرت ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ اپنی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے کہ جب آپ خطبہ نبوت سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

⊙...... الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً ○ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر دیا، ﴿سورۃ المائدہ ۳﴾

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا جو دنیا کی تمام قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا ہوا تھا، سلاطین سایہ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چون وچرا کی مجال نہ تھی، ائمہ مذاہب کے

ساتھ کوئی شخص گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفا رذیلوں سے ایک بالا مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے اس انقلابی خطبے نے یہ تمام فرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتہً توڑ کر رکھ دیں، عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی انتقام کا فرض لوگوں کی گردنوں پر باقی رہتا تھا، آج یہ سب سے قدیم رسم عرب کے سب سے مقدم خاندان کے چشم و چراغ کے ہاتھوں نیست و نابود ہو کر رہ گئی، فرمایا: اب جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیئے گئے ہیں، یہ جملہ کیا تھا، ایک تازیانہ عبرت بن کر قبائل عرب کے غرور کو پیوند خاک بنا گیا، تمام عرب سودی کاروبار کے خوفناک چنگل میں پھنسا ہوا تھا، آج کے دن معلم برحق نے سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود باطل کر کے ساری دنیا کے لیے ہدایت کا راستہ استوار فرمایا، عرب میں عورتوں کو جائیداد منقولہ سمجھا جاتا تھا جو قمار بازی کے اڈوں کی زینت ہوا کرتی تھی، آج کے دن اس گروہ مظلوم کے سر پر بھی عفت و طہارت کے تاج سجائے گئے، عرب میں انسان کو قتل کرنا باعث فخر تصور کیا جاتا تھا، لوگ اپنے قبیلوں کی غارت گری کو سرمایہ حیات سمجھتے تھے، کسی کی عزت لوٹنا اور مال برباد کرنا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس تاریخی خطاب میں جان، مال اور عزت کے تحفظ کے لیے خصوصی ہدایات عطا فرمائیں، اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن انکی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصولوں پر قائم نہ تھی، خدا کی طرف سے ملنے والی ہدایات بندوں کی ہوس پرستیوں میں گم ہو چکی تھیں، اس خطبے میں ابدی مذہب کے پیغمبر عظیم نے اپنے دستور حیات یعنی قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے کی تاکید فرمائی گویا یہ خطبہ کیا تھا انسانی حقوق کا عظیم چارٹر تھا۔

اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور اقامت پڑھی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر اقامت ہوئی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی، ان دونوں نمازوں کے درمیان اور کوئی نماز نہیں پڑھی، پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر موقف ہو گئے اور آپ نے اپنی اونٹنی قصوا کا پیٹ پتھروں کی جانب کر دیا اور ایک ڈنڈی کو اپنے سامنے کر لیا اور قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے حتی کہ سورج غروب ہو گیا، تھوڑی زردی جاتی رہی اور سورج

کی ٹکیا غائب ہو گئی ﴿صحیح مسلم، کتاب الحج﴾ آپ ﷺ غروب آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے اور اپنے رب کی بارگاہ میں عرض و معروض کرتے رہے، دعا کے دوران آپ ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ سینے تک اٹھا رکھے تھے جیسے کوئی مسکین کھانا طلب کرتا ہے، آپ ﷺ نے خبر دی کہ بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حمس مزدلفہ سے لوٹتے تھے اور باقی عرب عرفات سے، حمس کہتے تھے کہ ہم حرم کے سوا اور کسی جگہ سے نہیں لوٹتے، پھر یہ آیت نازل ہوئی، افیضوا من حیث افاض الناس یعنی جہاں سے اور لوگ لوٹتے ہیں وہیں سے لوٹو۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک اونٹ گم ہو گیا، میں یوم عرفہ کو اس کی تلاش میں نکلا، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ میدان عرفات میں کھڑے ہیں، میں نے دل میں کہا، خدا تعالیٰ کی قسم یہ تو حمس ہیں کیا سبب ہے کہ یہ یہاں تک آ گئے ہیں، قریش حمس میں شمار کئے جاتے تھے، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ حضرت انس سے روایت ہے کہ عرفہ کے روز ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، بعض تکبیر کہہ رہے تھے اور بعض لا الہ الا اللہ پڑھ رہے تھے اور کوئی شخص دوسرے کو منع نہیں کر رہا تھا، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾

قیام عرفات کے دوران ایک واقعہ پیش آیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرفات میں کھڑا تھا، وہ اپنی سواری سے گر پڑا تو سواری نے اسکی گردن کچل دی، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اسکے دو کپڑوں میں اسے کفناؤ، نہ اسے خوشبو ملو اور نہ ہی سر ڈھانپو، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے لبیک کہتے ہوئے اٹھائے گا، ﴿صحیح بخاری: ۱/۱۶۷﴾

حجۃ الوداع کے دوران بنو خشعم کی ایک عورت آئی تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ اسکی جانب اور وہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی جانب دیکھنے لگی، رسول اللہ ﷺ انکا منہ دوسری طرف موڑنے لگے، عورت نے پوچھا، یا رسول اللہ! میرے باپ پر حج فرض ہے لیکن وہ کمزوری کی وجہ سے سواری پر نہیں بیٹھ سکتا کیا میں اسکی طرف سے حج کر سکتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ﴿بخاری: ۱/۱۶۷﴾ حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے اپنے بوڑھے باپ کے متعلق ایسا

ہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کرو، ایک عورت نے اپنی ماں کی وفات کا ذکر کیا اور پوچھا کہ کیا میں اسکی طرف سے حج کر سکتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسکی طرف سے حج کرو، ﴿جامع ترمذی: ۱/۲۸۶﴾

وقوف عرفات کے دوران آپ ﷺ نے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہیں کیونکہ یہ انکے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت ہے، اہل نجد کے کچھ لوگوں نے آپ ﷺ سے حج کے مسائل پوچھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: حج عرفہ کا دن ہے جس نے اسے نماز صبح سے قبل پالیا، اس نے حج کو پالیا، ایام منیٰ، ایام تشریق کے تین دن ہیں، جو شخص دو دنوں میں جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص دو دنوں پر تاکید کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۱۶﴾ عرفہ کے روز لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے روزے کے متعلق گمان ہوا تو حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے کسی مشروب کا یا بروایت دیگر دودھ کا پیالہ بھیجا جسے آپ ﷺ نے نوش جان فرمالیا، ﴿صحیح بخاری: ۱/۲۱۳﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کیا اور مزدلفہ کی طرف چلے ﴿ آپ ﷺ عرفات میں ضب کے راستے سے داخل ہوئے اور مازمین کے راستے سے واپس ہوئے، عید کے مواقع پر بھی آپ ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی کہ مختلف راستے استعمال فرماتے تھے ﴾ قصوا کی مہار اس قدر کھینچی ہوئی تھی کہ اسکا سر کجاوے کے اگلے حصے سے لگ رہا تھا، آپ ﷺ لوگوں کو آہستہ چلنے کا اشارہ فرما رہے تھے، جب راستے میں کوئی پہاڑی آجاتی تو اونٹنی کی مہار ڈھیلی کر دیتے تھے تاکہ وہ آسانی سے چڑھ سکے، ﴿صحیح مسلم﴾ چلتے وقت آپ ﷺ نے تلبیہ کا سلسلہ منقطع نہیں فرمایا بلکہ لبیک لبیک پکارتے رہے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرفات سے واپسی کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے سواری سے اتر کر ایک گھاٹی میں پیشاب کیا پھر وضو کیا اور خفیف وضو کیا، میں نے عرض کیا، نماز، آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کی جگہ تمہارے آگے ہے، پھر آپ ﷺ سوار ہوئے، جب مزدلفہ میں آئے تو سواری سے اترے اور مکمل وضو کیا، پھر نماز کی اقامت کہی گئی، پھر آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی، ہر شخص نے اپنے اونٹ کو اسکی جگہ بٹھا دیا، پھر عشا کی اقامت کہی گئی، آپ ﷺ نے

نماز عشا پڑھی اور دونوں نمازوں کے درمیان نوافل نہیں پڑھے، ﴿ایضاً﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھی، ان دونوں فرضوں کے درمیان نفل بالکل نہیں پڑھے، پھر رسول اللہ ﷺ لیٹ گئے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو گئی، ﴿صحیح مسلم﴾ مزدلفہ کی رات حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ آپ ﷺ سے پہلے منیٰ چلی جائیں، وہ بھاری جسم کی خاتون تھیں اس لیے آپ ﷺ نے انکو اجازت دے دی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اگر میں بھی انکی طرح اجازت طلب کر لیتی اور چلی جاتی تو یہ میرے لیے بہتر ہوتا، ﴿صحیح مسلم﴾ حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مزدلفہ سے جلد روانہ ہونے کی اجازت عطا فرمائی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جن ضعیف لوگوں کو رات میں مزدلفہ سے روانہ کر دیا تھا ان میں میرا بھی شمار ہوتا ہے، ﴿ایضاً﴾ احناف کرام کا موقف ہے کہ مزدلفہ میں ٹھہرنا واجب ہے فرض نہیں ہے اگر اسے بغیر عذر کے ترک کر دیا تو اس پر دم لازم آئے گا۔

جب صبح کی روشنی پھیل گئی تو آپ ﷺ نے صبح کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی، پھر آپ ﷺ قصوا پر سوار ہو کر مشعر حرام پہنچے، قبلہ کی طرف منہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کہا، روشنی اچھی طرح پھیلنے تک وہیں ٹھہرے رہے اور طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے لوٹ گئے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز پڑھی، پھر ٹھہرے رہے اور فرمایا مشرکین طلوع آفتاب تک واپس نہیں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ اے ثبیر! چمک، رسول اللہ ﷺ نے انکی مخالفت کی اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی واپس آگئے، ﴿صحیح بخاری: ۶۲۰/۱﴾ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کیا، حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے بال خوبصورت تھے، رنگ گورا تھا، وہ ایک خوبصورت نوجوان تھے، جب آپ ﷺ روانہ ہوئے تو عورتوں کی ایک جماعت بھی جا رہی تھی، ایک ایک اونٹ پر ایک ایک عورت سوار تھی، حضرت فضل رضی اللہ عنہ انکی طرف دیکھنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے انکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، وہ اپنا منہ دوسری طرف کر کے دیکھنے لگے، آپ ﷺ نے پھر انکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور انکا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا ﴿ اثنائے

راہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کے لیے سات کنکریاں اٹھا لیں، انہوں نے سات چھوٹی چھوٹی کنکریاں چنیں تو آپ ﷺ نے انہیں صاف کرتے ہوئے فرمایا: اس جیسی اس جیسی اور فرمایا: دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے ﴾ یہاں تک کہ بطن محسر میں پہنچ گئے، آپ ﷺ نے اونٹنی کو ذرا تیز چلایا ﴿ ایسے مقامات پر جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں پر عذاب نازل کیا ہوتا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ وہاں سے تیز گزر جاتے، یہ وہ مقام ہے جہاں اصحاب فیل پر عذاب ہوا تھا، اسے محسر اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں ہاتھی روک دیئے گئے تھے ﴾ اور جمرۂ کبریٰ جانے والی درمیانی راہ اختیار کی ﴿ جمرۂ کبریٰ کو جمرۂ عقبہ اور جمرۂ اولیٰ بھی کہتے ہیں ﴾ اور درخت کے قریب جو جمرہ ہے اس کے قریب پہنچے اور سات کنکریاں ماریں، ہر ایک کنکری پر اللہ اکبر پڑھا، یہ وہ کنکریاں تھی جنکو چٹکی سے پکڑ کر پھینکا جاتا ہے، آپ ﷺ نے وادی کے درمیان سے کنکریاں ماریں ﴿ آپ ﷺ کا یہ رمی جمار طلوع شمس کے بعد ایک ہی مرتبہ سواری پر ہی تھا، یہاں تلبیہ اور رمی کا سلسلہ ختم ہوگیا، اس وقت حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، ایک نے ناقہ کی مہار پکڑ رکھی تھی جبکہ دوسرے نے آپ ﷺ کو دھوپ سے بچانے کے لیے کپڑے کا سایہ تان رکھا تھا ﴾ پھر آپ ﷺ وادی منیٰ گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

> زمانہ گھوم کر پھر اسی دن کی حالت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جن میں چار مہینے حرام ہیں، تین پے در پے یعنی ذوالقعد، ذوالحج اور محرم الحرام جبکہ ایک رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کونسا مہینہ ہے، لوگوں نے کہا، اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ لوگ سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ اسکا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحج نہیں، لوگوں نے کہا، کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کونسا شہر ہے، لوگوں نے کہا، اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ لوگ سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ اسکا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ مکہ مکرمہ

نہیں، لوگوں نے کہا، کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: آج کونسا دن ہے، لوگوں نے کہا، اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ لوگ سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ اسکا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں، لوگوں نے کہا، کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا سنو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہے جیسے تمہارے اس شہر، اس مہینے اور اس دن کی حرمت ہے، تم لوگ جلد ہی اپنے رب سے ملو گے اور وہ تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے سوال کرے گا، میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرنے لگنا، بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، لوگوں نے کہا، ہاں، آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ! گواہ ہو جا جو شخص حاضر ہے وہ غیر حاضر کو میری بات پہنچا دے کیونکہ بعض لوگ جن تک وہ بات پہنچائی جاتی ہے، وہ بعض حاضر، سننے والے سے کہیں زیادہ سمجھتے ہیں، ﴿صحیح بخاری: ۲۳۴/۱﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، صاحب امر کی اطاعت کرو، اس کے بدلے میں تمہیں رب تعالیٰ کی جنت میں داخلہ نصیب ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی مجرم اپنے سوا کسی اور پر جرم نہیں کرتا یعنی جرم کی پاداش میں وہ خود ہی پکڑا جائے گا کوئی دوسرا نہیں،، کوئی مجرم اپنے بیٹے پر یا کوئی بیٹا اپنے باپ پر جرم نہیں کرتا، شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں کبھی اسکی پوجا کی جائے لیکن اپنے جن اعمال کو تم حقیر سمجھتے ہو، ان میں اسکی اطاعت کی جائے گی اور وہ اس سے راضی ہو جائے گا، ﴿جامع ترمذی: ۱۳۵/۲﴾ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو الوداع کہی اس بنا پر لوگوں نے اسے حجۃ الوداع کا نام دیا ہے۔

یوم النحر ذوالحج کی ۱۰ تاریخ تھی، ایک روایت میں ہے کہ خطبے کے دوران آپ ﷺ ایک خچر پر سوار تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ارشادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک

پہنچا رہے تھے، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مہاجرین کرام کو قبلہ کی دائیں جانب اور انصار کو اسکی بائیں جانب ٹھہرایا جبکہ دیگر لوگ انکے اردگرد تھے، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی سماعت کو آپ ﷺ کے لیے کھول دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے اس خطبے کو اہل منیٰ نے اپنے گھروں میں سنا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ۔۱۹۷﴾

بعد ازاں آپ ﷺ نے وہاں تریسٹھ اونٹوں کو ﴿اپنی عمر کے سالوں کے برابر﴾ اپنے ہاتھوں سے قربان کیا، ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ قربانی کے جانور ذبح فرما رہے تھے تو پانچ پانچ اونٹوں کو اکٹھے پیش کیا جا رہا تھا، ہر اونٹ دوڑ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا اور اپنی گردن آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیتا کہ آپ ﷺ اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیں، ﴿سبل الھدیٰ: ۶۵۵/۸﴾ ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

پھر باقی اونٹ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قربان کرنے کے لیے دیئے، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہر قربانی سے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں ڈال کر پکایا جائے، پھر آپ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اسکو کھایا اور اسکا شوربہ پیا، ﴿صحیح مسلم﴾ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت اور چمڑے مساکین میں تقسیم کر دیں تاہم قصابوں کو گوشت اجرت کے طور پر دینے سے منع فرمایا کہ یہ ہم اپنے پاس سے دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بھی ایک گائے ذبح فرمائی، روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اونٹ اور گائے میں سات قربانیوں کا حصہ ہوتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایام منیٰ کے بعد اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اجازت دی اور فرمایا: کھاؤ، پیو اور زادراہ بنالو تب ہم نے کھایا، پیا اور زادراہ بنالیا، ﴿صحیح بخاری: ۶۳۰/۱﴾

وادی منیٰ میں لوگوں نے دھوپ سے بچنے کے لئے عمارت تعمیر کرنے کا سوال پوچھا تو آپ ﷺ نے انکار فرماتے ہوئے کہا کہ منیٰ اسکی جگہ ہے جو پہلے آ

جائے، ﴿ترمذی: ۱/۲۶۴﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہاں نحر کیا ہے اور منیٰ ساری کی ساری نحر کی جگہ ہے لہذا جس جگہ اترو وہیں نحر کرو، میں نے یہاں قیام کیا ہے اور عرفات سارے کا سارا قیام کی جگہ ہے اور مشعر حرام اور مزدلفہ سب قیام کے مقامات ہیں اور میں نے بھی یہیں قیام کیا ہے، ﴿ایضاً﴾ قربانیاں کر چکنے کے بعد آپ ﷺ نے حجام کو بلایا، وہ حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ نے انکی طرف دیکھ کر فرمایا کہ معمر! اللہ کا رسول تمہیں اجازت دیتا ہے کہ کانوں سے نیچے کے بال اتار لے، انہوں نے کہا، یارسول اللہ کیوں نہیں، یہ تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ﴿مسند احمد﴾

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دائیں جانب کے بال اتروا کر اپنے پاس لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور بائیں جانب کے بال اتروا کر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو عطا فرما دیئے، کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کے بال ملے تھے جو انہوں نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیے اور انکی برکت سے انہیں ہر لڑائی میں فتح حاصل ہوتی تھی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۰۷﴾

مرا از زلف تو موئے بسند است
فضولی می کنم بوئے بسند است

حلق کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ناخن ہائے مبارک کٹوائے اور ان کو بھی لوگوں میں تقسیم فرما دیا بکثرت صحابہ رضی اللہ عنہم نے حلق کروایا اور تھوڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قصر کروایا اور حلق کو قصر پر افضل قرار دیا، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۲۷۴﴾ حلق کے بعد حضور اکرم ﷺ نے خوشبو لگائی، قمیص زیب تن فرمائی اور تمام لوگ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا کہ وہ وادی منیٰ میں اعلان کر دیں کہ یہ کھانے پینے اور ذکر خدا کرنے کے ایام ہیں، اسکے بعد آپ ﷺ قصوا پر سوار ہوئے، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو ردیف بنایا اور مکہ شریف پہنچ کر طواف افاضہ فرمایا، اسے طواف زیارت بھی کہا جاتا ہے یہ حج کے فرائض میں سے ہے، اس پر علما کا اتفاق ہے کہ قربانی کے دن کنکریاں مارنے، قربانی کرنے، سر منڈوانے کے بعد طواف زیارت کرنا مستحب

ہے، اگر قربانی کے دن سے موخر کر کے اسکو ایام تشریق میں کیا جائے تو پھر بھی جائز ہے اور اس پر بالاجماع دم نہیں، ایام تشریق کے بعد طواف زیارت کیا جائے تو امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک کوئی حرج نہیں البتہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک زیادہ موخر کرنے سے دم لازم آتا ہے، ﴿شرح مسلم نووی ۱/۴۲۲﴾ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یوم نحر کی مذکورہ ترتیب کا خیال رکھنا واجب ہے اگر کسی نے ترتیب بدل دی تو دم لازم آئے گا، جبکہ امام شافعی کے نزدیک سنت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مخصوص ایام سے فارغ ہوگئی تھیں، اس لیے انہوں نے طواف کیا اور سعی کی، یہ دونوں کام انکے حج اور عمرے کے لیے کافی ثابت ہوئے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے طواف زیارت کیا تو حائضہ ہوگئیں، انکا یہ طواف انہیں طواف وداع سے کفایت کر گیا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی طواف زیارت کے بعد حائضہ ہوگئیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے مقاربت چاہی تو انہوں نے عذر بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے ہمیں یہاں روک رکھا ہے، لوگوں نے کہا، انہوں نے تو طواف زیارت کرلیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر چلو، ﴿صحیح بخاری ۱/۶۳۴﴾ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی سواری پر کی تا کہ آپ ﷺ لوگوں کو نظر آتے رہیں اور وہ آپ ﷺ کو مسائل وغیرہ پوچھ سکیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے طواف کے دوران اپنی علالت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے پیچھے اپنی سواری پر طواف کرلو، چنانچہ انہوں نے سوار ہو کر طواف کیا، اس وقت آپ ﷺ کعبہ مشرفہ کی ایک طرف نماز پڑھ رہے تھے، ﴿صحیح بخاری ۱/۶۰۰﴾ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی اور بنو عبد المطلب کے پاس گئے، وہ لوگ زم زم پر پانی پلا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبد المطلب! پانی بھرو، اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ تمہاری پانی کی خدمت پر غالب آجائیں گے یعنی تم سے یہ منصب چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی بھرتا، انہوں نے ایک ڈول آپ ﷺ کو دیا اور آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا، ﴿صحیح مسلم﴾ آپ ﷺ نے آب زم زم کھڑے ہو کر پیا، ﴿صحیح بخاری ۱/۶۰۵﴾

یوم النحر ۱۰ ذوالحج ان کاموں میں گزر گیا، آپ ﷺ نے وادی منیٰ میں رات

گزاری، فجر کی نماز پڑھی اور صبح ہونے کے بعد سورج ڈھلنے کا انتظار کیا، اسکے بعد جمرات کی طرف پیدل چلے اور نماز ظہر سے پہلے رمی جمار فرمائی، آپ ﷺ نے جمرۃ الاولیٰ کو سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر اللہ اکبر پڑھا، یہاں پر آپ ﷺ نے کافی دیر قیام فرمایا اور قبلہ رخ ہو کر سورۃ البقرہ کی مقدار کے برابر طویل دعا فرمائی، پھر جمرۃ الوسطیٰ پر رمی فرمائی، وہاں پر بھی کافی طویل دعا فرمائی، پھر آپ ﷺ جمرۃ الثالثہ پر آئے اور رمی فرمائی، اس وقت آپ ﷺ بطن وادی میں موجود تھے، سامنے جمرہ تھا جبکہ بیت اللہ بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب تھا، ایک روایت میں ہے کہ ۱۰ ذوالحج کو آپ ﷺ پر سورۃ النصر نازل ہوئی جو آپ ﷺ کے وصال باکمال کی خبر تھی، واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو برس پہلے اتری لیکن ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ۱۰ ہجری میں عین ایام تشریق میں اتری، یہ دوسری روایت اصل میں بیہقی کی ہے اور ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اس لیے واحدی کی روایت صحیح ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسباب النزول میں مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے یہی روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی، تصریحات ائمہ کے علاوہ خود اس سورت کے طرز بیان نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہے بہر حال رسول اللہ ﷺ نے وہاں ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں رنگ و نسل کے امتیازات پر تقویٰ کو ترجیح دی اور لوگوں کو انکے خونوں، عزتوں اور مالوں کی حرمت سے آگاہ کیا، بعد ازاں اپنے متعلق لوگوں سے گواہی لی اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا، آپ ﷺ نے ایام تشریق کے تینوں دنوں میں رمی جمار فرمائی۔

قیام منیٰ کا ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ منیٰ کے ایک غار میں تھے، آپ ﷺ سورۃ المرسلات پڑھ رہے تھے اور میں آپ ﷺ سے سن کر یاد کر رہا تھا، ابھی سورت ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک سانپ ہم پر لپکا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے مار دو، ہم اسکی جانب دوڑے مگر وہ بھاگ گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچ گیا جسطرح تم اسکے شر سے بچ گئے، اس حدیث کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ منیٰ حرم کی حدود میں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں سانپ کے

مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، ﴿صحیح بخاری: ۱/۲۶۴﴾

حضور اکرم ﷺ نے منیٰ سے کوچ کرنے میں تعجیل نہ فرمائی اور یوم النفر یعنی کوچ کرنے کا دن عید الاضحی کے تیسرے دن کو کہتے ہیں اور لیلۃ النفر وہ رات جب حجاج کرام منیٰ سے لوٹتے ہیں، عرفات سے روانہ ہونے کو افاضہ کہتے ہیں اور مزدلفہ سے روانہ ہونے کو دفع اور منیٰ سے کوچ کرنے کو نفر کہتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے مکمل تین روز اقامت فرمائی، ایام تشریق کے آخری دن ظہر کے بعد وادی محصب تشریف لائے، محصب کو ہی ابطح اور خیف بنی کنانہ کہا جاتا ہے، منیٰ کے قیام کے وقت فرمایا کہ ہم ان شاء اللہ کل خیف بنی کنانہ کے مقام پر اتریں گے جہاں کافروں نے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب پر قسمیں کھائی تھیں کہ نہ تو ان سے نکاح کریں اور نہ ان سے کوئی تعلق رکھیں گے، جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کو انکے حوالے نہ کر دیں، ﴿صحیح بخاری: ۱/۵۹۳﴾ حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے وادی محصب میں آپ ﷺ کے آرام کے لیے خیمہ نصب کر رکھا تھا، آپ ﷺ نے وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں ادا فرمائیں اور کچھ دیر آرام فرمایا، بعد ازاں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور سحری کے وقت طواف وداع فرمایا، اس طواف میں رمل نہیں فرمایا، طواف وداع کے وقت ملتزم میں وقوف فرمایا اور دعا مانگی، حدیث مبارک میں مروی ہے کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو ملتزم میں کھڑی ہو کر دعا مانگے اور اپنی حاجت بارگاہ قدس میں پیش کرے اور وہ پوری نہ ہو، ملتزم حجر اسود اور باب کعبہ کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں اس لیے اس جگہ لپٹا اور چپٹا جاتا ہے، یہ التزام مستحب ہے کہ بعد از طواف وداع کیا جاتا ہے، ﴿مدارج النبوۃ: ۲/۶۷۷﴾ طواف وداع کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص بیت اللہ کا طواف کیے بغیر نہ جائے، ایک روایت میں ہے کہ لوگ مامور کیے گئے ہیں کہ انکا آخری عہد بیت اللہ کے ساتھ ہو مگر حائضہ کے لیے معافی ہے، ﴿صحیح بخاری: ۱/۲۴۱﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مفرد عمرے کی آرزو کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر لو یہ تمہارے حج اور عمرے کے لیے کافی ہیں، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! لوگ تو حج اور عمرہ کر کے واپس جائیں اور میں صرف حج کر کے واپس جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ان راتوں میں طواف نہیں کیا تھا جب ہم مکہ

مکرمہ آئے تھے، انہوں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم کی طرف جاؤ اور عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ کرو اور فلاں جگہ پر مجھ سے آ ملو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرے سے فارغ ہوئیں اور اپنے بھائی کے ساتھ وادی محصب میں پہنچ گئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں فارغ ہو گئے، انہوں نے عرض کیا، جی ہاں، ہم فارغ ہو گئے، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم صادر فرمایا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قیام محصب مسنون ہے جبکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ سنت ﴿موکدہ﴾ نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے آپ ﷺ کو آغاز سفر کے لیے آسانی تھی، حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ مہاجر حج کے افعال ادا کرنے کے بعد تین دن مکہ میں ٹھہرے، ﴿جامع ترمذی: ۱/۲۹۵﴾ مراجعت مدینہ کے وقت آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی جانب اسفل سے باہر نکلے۔

حضرت سعد کی عیادت:

حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے وہ فراغت حج کے بعد شدید درد میں مبتلا ہو گئے تھے، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میری تکلیف آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں، میں صاحب ثروت ہوں، میری ایک بیٹی ہے، کیا میں وہ تہائی مال صدقہ نہ کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، انہوں نے کہا، کیا پھر آدھا مال صدقہ کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں صرف تیسرا حصہ صدقہ کرو، اگر تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑو گے تو یہ انکو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں، تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو گے اسکا تمہیں ثواب ہوگا، تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اسکا بھی تمہیں ثواب ہو گا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا میں اپنے دوستوں سے بچھڑ جاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ہرگز نہیں بچھڑو گے یعنی تم ابھی فوت نہیں ہو گے، تم زندہ رہو گے اور کئی نیک کام سرانجام دو گے، جنکی بدولت تمہارا درجہ بلند ہو گا، تمہاری وجہ سے کئی لوگوں کو فائدہ پہنچے گا اور کئی لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری رکھنا کہیں وہ اپنی ایڑیوں کے بل واپس نہ ہو جائیں، ﴿سبل الھدیٰ﴾

مراجعت مدینہ کے نظارے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں مقام روحا پر کچھ سواروں نے حاضری پیش کی، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تم کون ہو، انہوں نے کہا، ہم مسلمان ہیں، پھر انہوں نے سوال کیا، آپ کون ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، ان میں سے ایک عورت نے بچے کو اوپر اٹھا کر پوچھا، کیا اسکا بھی حج ہو جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اور تم کو بھی اس کا اجر ملے گا، ﴿صحیح مسلم، کتاب الحج﴾
قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ ان مسلمانوں نے حضور اکرم ﷺ کو اس لیے نہیں پہچانا کہ وہ رات کا وقت تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دن کا وقت ہو لیکن انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو اس لیے نہ پہچانا ہو کہ اس وقت تک انہوں نے اپنے علاقوں سے ہجرت نہ کی تھی، اس حدیث سے جمہور علما نے دلیل پکڑی ہے کہ بچے کا حج صحیح ہے اور منعقد ہو جاتا ہے اور اسکو ثواب بھی ملتا ہے جبکہ احناف کرام کے نزدیک بچے کا حج صحیح ہے لیکن نفل ہے، اس سے فرض ساقط نہیں ہوتا، بلوغ کے بعد اسے بشرط استطاعت دوبارہ حج کرنا پڑے گا، ﴿بدائع الصنائع: ۱۲۰/۲﴾ شیخ ابن حزم نے بھی احناف کرام کے موقف کی پرزور تائید کی ہے، ﴿المحلی: ۲۶۷/۷﴾ نابالغ بچے کے حج کے متعلق احناف کرام کا موقف خود ساختہ نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی صریح احادیث سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بچے نے حج کیا تو یہ اسکا حج ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے اور جب سمجھ آ جائے تو اس پر دوبارہ حج فرض ہے، جس اعرابی نے حج کیا تو یہ اسکا حج ہے یہاں تک کہ وہ ہجرت کرے اور جب اس نے ہجرت کی تو اس پر دوبارہ حج فرض ہے، یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، ﴿مستدرک حاکم: ۴۸۱/۱﴾ ایک روایت میں غلام کا بھی ذکر ہے جسکو امام طبرانی نے روایت کیا اور اسکے تمام راوی صحیح ہیں، ﴿مجمع الزوائد: ۲۰۶/۳﴾

رسول اللہ ﷺ کا خطبہ غدیر خم:

واپسی کے وقت اثنائے راہ میں جب یہ کاروان عشق و مستی منزل غدیر خم میں پہنچا جو جحفہ کے نواح میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا

رخ والضحیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا، اس وقت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کے ذریعے اس درخت پر سایہ تان رکھا تھا جسکے نیچے آپ ﷺ جلوہ افروز تھے تاکہ آپ ﷺ پر دھوپ کا اثر نہ پڑے، فرمایا:

کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمانوں میں انکی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں، ان الفاظ کو تین مرتبہ دہرایا، میں مسلمانوں کو حکم نہیں دیتا مگر اسی چیز کا جس میں انکی صلاح ونجات اور دنیا وآخرت کی بھلائی مضمر ہے، بخلاف ان کے نفوس کے کہ وہ کبھی شر وفساد کو بھی چاہتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، بلیٰ یعنی آپ نے درست فرمایا، پھر فرمایا: گویا مجھے اس جہان میں بلایا اور میں نے اسے قبول فرمایا ہے، آگاہ ہو جاؤ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جو ایک دوسری سے بزرگ تر ہے، ایک قرآن کریم ہے اور دوسری میرے اہل بیت ہیں، دیکھو میرے بعد ان دونوں چیزوں میں احتیاط کرنا کہ کس طرح تم ان سے سلوک کرتے ہو اور کیسے انکے حقوق ادا کرتے ہو، یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ تم حوض کوثر کے کنارے مجھ سے آملو، اسکے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ میرا مولا ہے اور میں تمام مسلمانوں کا مولا ہوں، بعد ازاں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ، یا اللہ! جسکا میں مولا ہوں علی بھی اسکا مولا ہے، یا اللہ! تو بھی اسکو دوست بنا جو اسکو دوست بنائے اور تو بھی اسکو دشمن رکھ جو اسکو دشمن رکھے، ایک روایت میں آیا ہے تو بھی اسکی مدد فرما جو اسکی مدد کرے اور تو بھی اسکو ذلیل کر جو اس سے کنارہ کش رہے اور حق کو اس طرف لازم فرما جس طرف علی ہو۔ (سیرت ابن کثیر ۲/ ۳۲۲، مدارج النبوۃ ۲/ ۶۷۹)

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بہت جید ہے اسکے تمام راوی مضبوط ہیں اور کتب سنن کے مطابق پورا اترتے ہیں، امام ترمذی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے نیز اس حدیث مبارک کو امت مصطفےٰ ﷺ کے جلیل القدر محدثین نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے، مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات فرمائی اور فرمایا، اے ابن ابی طالب! مبارک ہو کہ تم صبح شام اس حال میں کرتے ہو کہ ہر مومن مرد و عورت کے مولا ہو، ﴿مشکوۃ، مسند احمد﴾ یہ حدیث مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضل و تکریم پر دلالت کرتی ہے لیکن بعض لوگ اسے امامت علی رضی اللہ عنہ پر نص قطعی تصور کرتے ہیں حالانکہ لفظ مولا کو امامت کے معنیٰ میں بیان کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے معنی ناصر و محبوب ہیں، اگر یہ معنی نہ ہوں تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے خطاب فرمانے اور اس میں اتنا مبالغہ کرنے کی ضرورت نہ تھی، شیخ ابن حجر فرماتے ہیں، ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ اس جگہ مولا کے معنی حاکم اور والی کے ہیں بلکہ بمعنی محبوب اور ناصر کے ہیں، اگر اس سے مراد امامت علی ہوتی تو پھر اس حدیث کا کیا معنی بنتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما مرض الموت کے دوران رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ سے امر خلافت طلب کریں، اگر یہ ہم میں ہوئی تو حضور اکرم ﷺ ہمیں بتا دیں گے، انہوں نے جواب دیا کہ میں نہیں مانگوں گا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میں مانگوں اور وہ منع کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حقوق کو آشکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد دین میں تم ابو بکر اور عمر کی اقتدا کرنا، ﴿مدارج النبوۃ﴾ اور یہ فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، ﴿بخاری﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انکو ہمارے دین کے لیے چنا اور ہم نے انکو اپنی دنیا کے لئے چن لیا۔

غدیر خم کے اس عالیشان واقعہ کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن میں مصروف کار تھے تو بعض امور میں ان سے کسی کو بروایت دیگر حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو شکایت پیدا ہوگئی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ذکر کیا، اس پر حضور اکرم ﷺ کا روئے انور متغیر ہوا اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۲/۴۱۶، مدارج النبوۃ﴾

مدینہ منورہ میں جلوہ گری:

غدیر خم کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سفر جاری فرمایا یہاں تک کہ ذوالحلیفہ میں جا

پہنچے، آپ ﷺ نے وہاں رات گزاری، صبح ہوئی تو عازم مدینہ منورہ ہوئے، آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ مدینہ میں چاشت کے وقت داخل ہوتے تھے اور رات کے وقت گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے اور اسے پسند کیا کرتے تھے کہ آنے والا پہلے کچھ چیز گھر بجھوائے تا کہ اس کے گھر والے اسکے آنے کی تیاری کریں، آثار مدینہ منورہ کو دیکھ کر کمال شوق ومحبت کا اظہار فرمایا، جو اس شہر مقدس میں داخل ہونے کے وقت آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا، آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت پڑھا:

⊙...... لا اله الا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شی قدیر ائبون تائبون عابدون ساجدون ربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده و اعزه فلا شیءٔ بعده. ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس آرہے تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھیں، جب ہم ظہر المدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں اور اسکی حمد کرنے والے ہیں، آپ ﷺ انہیں الفاظ کو دہراتے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے، ﴿صحیح مسلم کتاب الحج﴾ بعد ازاں نماز شکرانہ ادا فرمائی، رسول اللہ ﷺ ذوالحج کی پچیس تاریخ کو تشریف فرما ہوئے، گویا اس سفر میں آپ ﷺ نے تقریباً ایک مہینہ مدینہ منورہ سے باہر گزارا۔

......⊙......

باب دوازدہم

سالِ یازدہم کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارباب سیر کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آئے تو بعض اشقیا نے نبوت کا دعویٰ عام کرنا شروع کر دیا تا کہ قبائل عرب میں سستی شہرت حاصل ہو جائے اور انکا کاروبار زندگی عروج پر پہنچ جائے لیکن ان بدبختوں کو یہ علم نہیں تھا کہ جھوٹ اور سچ میں خاک اور افلاک کا فرق ہوتا ہے، مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ اسدی اور ایک عورت سجاح تمیمی اس کذب فروشی میں مصروف تھے لیکن کچھ ہی عرصے میں رسول اللہ ﷺ کے پروانوں نے انکی جھوٹی نبوت کا جنازہ نکال دیا، طلیحہ اسدی کو بعد میں اسلام کی توفیق ہوگئی اور نہاوند کی جنگ میں اس نے جام شہادت نوش کیا۔

اسامہ بن زید کی مہم:

رومن امپائر کی کبریائی کو گوارا نہ تھا کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے اس لیے اسکی قلم رو میں رہنے والا کوئی شخص اسلام کا حلقہ بگوش ہو جاتا تو اسکی جان کی خیر نہ رہ جاتی جیسا کہ معان کا رومی گورنر حضرت فروہ بن عمرو جذامی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آچکا تھا، اس جرأت بے محابا اور اس غرور بے جا کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے صفر ۱۱ ہجری میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی اور اسکا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ بلقا کے علاقے اور داروم کی فلسطینی سرزمین کو اپنے شہسواروں کے ذریعے روند آؤ، اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوفزدہ کرتے ہوئے انکی حدود پر واقع عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے اور کسی کو یہ تصور کرنے کی گنجائش نہ دی جائے کہ کلیسا کے تشدد پر کوئی باز پرس کرنے والا نہیں اور اسلام قبول کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنی موت کو دعوت دی جا رہی ہے، اس لشکر کا ایک مقصد اور بھی بیان کیا جاتا ہے، یہ مہم وہاں بھیجی جا رہی تھی جہاں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ انکی غمناک شہادت کا بدلہ بھی رومیوں سے لینا چاہتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: اسامہ رومیوں نے تمہارے باپ کو شہید کیا تھا لہذا ان گھوڑوں سے اس علاقے کو روند ڈالو، ساتھ ہی ہدایات بھی عطا فرمائیں کہ اہل ابنیٰ پر صبح سویرے حملہ کرنا،

فتح کے بعد زیادہ دیر وہاں مت ٹھہرنا، اپنے جاسوس خبر گیری کے لیے بھیجنا اور اپنے ساتھ ان لوگوں کو رکھنا جو راستے کو بخوبی جانتے ہوں، رسول اللہ ﷺ نے شدت مرض کے دوران اپنے دست مبارک سے انکو جھنڈا عطا فرمایا اور فرمایا: اللہ کے نام سے اسکے راستے میں جہاد کے لیے نکلو اور اللہ کے منکروں سے خوب جنگ کرو، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کو لے کر مقام جرف پر ٹھہرے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، اس لشکر میں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سے پہلے تم اسکے باپ کی قیادت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، اللہ کی قسم وہ بھی اسکا اہل تھا اور میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا، اب اسکے بعد یہ اسامہ بھی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، ﴿صحیح بخاری: ۶۲۱/۲﴾

یہ لشکر جانے کے لیے تیار تھا، رسول اللہ ﷺ کی علالت کی تشویشناک خبریں موصول ہوئیں، وصال مبارک سے پہلے ہفتے کے دن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ الوداعی سلام کے لیے حاضر ہوئے اور جھک کر نبی کریم ﷺ کے سر انور کو بوسہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے انکو دعا عطا فرمائی اور کوچ کا حکم دیا، پھر جب وہ مقام جرف سے چلنے ہی والے تھے کہ انکی والدہ ام ایمن نے پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری وقت ہے، چنانچہ حضرت اسامہ، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، سوموار کے دن سورج ڈھل گیا تو حضور اکرم ﷺ بھی اس کائنات فانی سے رخصت ہو گئے، وصال پر ملال کے سانحہ کی وجہ سے سارا لشکر واپس مدینہ منورہ آ گیا، لشکر کا جھنڈا حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ نے اٹھایا ہوا تھا، انہوں نے وہ جھنڈا کاشانہ رسالت کے دروازے پر گاڑھ دیا، بعد میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سریر آرائے خلافت ہو کر سب سے پہلے اسی لشکر کو روانہ کیا اور اللہ کے فضل سے اس لشکر نے کفر کے خلاف نمایاں کارنامے سرانجام دیئے اور کفر پر اسلام کی دھاک بٹھا دی، اہل کفر یہ سمجھنے کے لیے مجبور ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی انکے شاہین صفت غلام اپنے دین اور اصول کی پاسبانی کرنے کے لیے زندہ ہیں اور بیدار ہیں۔

وصال رسول کا تذکرہ:

سفر حجۃ الوداع کے بعد رسول اکرم ﷺ نے محرم اور صفر کے ایام اپنے کاشانہ

رسالت میں بسر فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال باکمال کی خبر مختلف اشارات کی صورت میں اپنے غلامان بارگاہ کو عطا فرمادی تھی، آپ نے آخری رمضان المبارک نہایت ذوق عبادت کے ساتھ گزارا تھا، آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا، حضرت جبریل کے ساتھ قرآن پاک کے دو دور فرمائے، حجتہ الوداع کے خطبات کے دوران بھی اعلان فرماتے رہے کہ ہوسکتا ہے میں اگلے سال تم سے نہ مل سکوں، غدیر خم کے خطبے میں بھی اس قسم کے الفاظ ادا فرمائے، اب آپ کی عبادات میں نمایاں طور پر اضافہ نظر آرہا تھا، نصف محرم الحرام ۱۱ ہجری کو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنونخع کے دوسو آدمیوں کا وفد حاضر ہوا، یہ آخری وفد تھا، وہ لوگ مہمان خانے میں اترے اور بعدازاں آپ کی زیارت سے مشرف ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اوائل صفر میں رسول اللہ ﷺ دامن احد میں جلوہ فرما ہوئے اور شہدائے احد کے لیے اس طرح دعا فرمائی کہ محسوس ہوتا تھا آپ ﷺ زندوں کی طرف سے برزخ والوں کی طرف الوداع ہو رہے ہیں، بعدازاں منبر مبارک پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا:

میں تمہارا میر سامان ہوں اور تم پر گواہ ہوں، اللہ کی قسم میں اس وقت اپنا حوض کوثر مشاہدہ کر رہا ہوں، مجھے زمین یا زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں ہیں اور اللہ کی قسم مجھے کوئی خوف نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، ہاں اس بات کا خوف ہے کہ تم دنیاداری میں پڑ جاؤ گے، ﴿صحیح بخاری: ۵۸۵/۲﴾

۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ ہجری بمطابق مئی ۶۳۲ء عیسوی کے ایک روز آدھی رات کو آپ ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعائے بخشش فرمائی اور فرمایا:

اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو جس حال میں لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں انکے مقابلے میں تمہیں اپنے حال کی مبارک ہو، فتنے سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے کا تعاقب کرتے آرہے ہیں اور بعد والا پہلے والے سے زیادہ برا ہے، ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔

واپس تشریف لائے تو مزاج گرامی ناساز محسوس ہو رہا تھا، حرارت اتنی تیز تھی کہ

سر اقدس پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس ہو رہی تھی، یہ مرض الموت کا آغاز تھا، آپ ﷺ نے اسی حالت مرض میں کئی دن نماز پڑھائی، مرض کی کل مدت تیرہ دن تھی، آپ ﷺ اس حالت میں ازراہ عدل ازواج مطہرات کو نوازتے رہے اور پوچھتے رہے کہ میں کل کہاں قیام کروں گا، میں کل کہاں قیام کروں گا، آپ ﷺ کے مقصود کو ازواج مطہرات نے سمجھ لیا چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی کہ جہاں آپ ﷺ کی مرضی مبارک ہو قیام فرما سکتے ہیں، سوموار کو مرض میں شدت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرمایا، ضعف اس قدر تھا کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لائے، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پاؤں زمین پر خط بنا رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بہت زیادہ خدمت کا شرف حاصل کیا وہ آپ ﷺ کی تیمارداری کے دوران معوذات اور آپ ﷺ کی بتائی مختلف دعائیں پڑھ کر دم کرتی رہیں اور برکت کی امید سے آپ ﷺ کا دست مبارک آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیرتی رہیں، وفات سے پانچ دن پہلے بدھ کے دن شدت مرض میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا جسکی وجہ سے تکلیف بھی بڑھ گئی اور غشی کی کیفیت بھی طاری ہو گئی، ہوش آنے پر فرمایا: مجھ پر مختلف کنوؤں کے سات مشکیزے بہاؤ تاکہ میں لوگوں کو وصیت کر سکوں، آپ ﷺ کو ایک لگن میں بٹھا کر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ ﷺ فرمانے لگے بس کرو، تخفیف ہوئی تو اس حال میں مسجد تشریف لائے کہ سر انور پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے منبر مبارک پر جلوہ فرما ہو کر صحابہ کرام کو خطاب فرمایا: یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا، ﴿صحیح بخاری: ۶۲/۱﴾ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ میری قبر کو صنم نہ بنا لینا کہ اسکی عبادت کی جائے، ﴿موطا امام مالک: ۶۵﴾ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کی پشت پر کوڑا مارا ہو تو میری پشت حاضر ہے، وہ بدلہ لے سکتا ہے، اگر کسی کی آبرو کا خیال نہیں رکھا تو میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے سکتا ہے، آپ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور نماز ظہر پڑھائی، پھر منبر پر جلوہ فرما ہو کر کچھ اور پچھلی باتیں دہرائیں، ایک آدمی نے کہا، آپ نے میرے تین درہم ادا کرنے ہیں، آپ ﷺ نے

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس آدمی کو تین درہم ادا کر دو، اسکے بعد آپ ﷺ نے انصار مدینہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ میرے قلب وجگر کی طرح ہیں، انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا مگر انکا حق باقی رہ گیا ہے لہذا تم انکے نیکوکاروں سے قبول کرنا اور انکے خطا کاروں سے درگزر کرنا، ایک روایت میں ہے کہ لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے، تمہارا جو آدمی بھی کسی فائدے اور نقصان کا والی وارث بنے تو وہ انکے نیکوکاروں سے قبول کرے اور خطا کاروں کو معاف کر دے، ﴿صحیح بخاری ۵۳۶/۱﴾ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک عبد خاص کو اختیار دیا ہے، وہ چاہے تو دنیا کو اختیار کر لے یا آخرت کو اختیار کر لے، اس نے اللہ کے پاس والی چیز یعنی آخرت کو اختیار کر لیا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فرمان سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گریہ زن ہو گئے اور کہا، میرے والدین آپ پر قربان ہوں، ہمیں تعجب ہوا، لوگوں نے کہا کہ اس سن رسیدہ آدمی کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ تو ایک عبد خاص کی بات کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے والدین آپ ﷺ پر قربان ہوں، بعد میں سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ عبد مختار خود حضور رسالت مآب ﷺ تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ علم والے تھے، ﴿صحیح بخاری ۵۱۶/۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان وعظمت کے متعلق بھی فرمایا کہ میں رفاقت اور دولت کے اعتبار سے سب سے زیادہ ابوبکر کا ممنون ہوں اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن انکے ساتھ اسلام کی اخوت ہی کافی ہے، مسجد نبوی میں ابوبکر کے دروازے کے سوا کوئی دروازہ باقی نہ رہنے دیا جائے، ﴿ایضاً﴾ وفات حسرت آیات سے چار دن پہلے یعنی جمعرات کو آپ ﷺ شدید تکلیف سے دوچار تھے، اس دوران فرمایا: قلم کاغذ وغیرہ لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جسکے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو گے، کسی آدمی نے بروایت دیگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ پر شدید تکلیف کا غلبہ ہے ہمارے پاس قرآن پاک ہے، بس یہ اللہ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے، حاضرین میں اختلاف پڑ گیا یہاں تک کہ آوازیں اونچی ہونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میں اس حال میں اس حال کی نسبت زیادہ بہتر ہوں جسکی

طرف تم مجھے بلا رہے ہو، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۳۸﴾

بعض حضرات کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے بارے میں سند لکھوانا چاہتے تھے جسکو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رکوا دیا، یہ ان لوگوں کا ذاتی خیال اور قیاس ہے جسکا اصل واقعہ کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں بلکہ قرائن وشواہد یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ممکن ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق کچھ لکھوانا چاہتے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت کے دوران فرمایا: اے عائشہ! میں چاہتا ہوں کہ تمہارے باپ اور بھائی کو ایک تحریر لکھ دوں یا ان سے عہد لے لوں تا کہ ﴿امر خلافت کے بارے میں﴾ کوئی آرزو کرنے والا آرزو نہ کرے یا یوں نہ کہے کہ میں اسکا زیادہ حقدار ہوں، اللہ تعالیٰ بھی اور مومن بھی ابو بکر کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے، ﴿صحیح بخاری، مختصر سیرۃ الرسول:۳۲۷﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے باہر نکلے تو لوگوں نے آپ ﷺ کی حالت دریافت کی، انہوں نے کہا، الحمد للہ، اچھی حالت ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، اللہ کی قسم تم تین دنوں کے بعد محکوم ہو جاؤ گے، میں بنو عبد المطلب کی حالت کو خوب پہچانتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کا آخری وقت ہے، تم میرے ساتھ چلو تا کہ ہم آپ ﷺ سے امر خلافت کے متعلق دریافت کریں، اگر وہ تمہارے متعلق ہوا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا، ورنہ آپ ﷺ ہمیں کوئی وصیت فرما دیں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں اس سلسلے میں آپ ﷺ سے کوئی بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر ہم روک دیئے گئے تو لوگ بھی ہمیں آپ ﷺ کے بعد روک دیں گے، ﴿صحیح بخاری مختصر سیرۃ الرسول ۳۰۷﴾ اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص نہیں تھی، منصوص ہوتی تو وہ اس قسم کا جملہ کبھی ادا نہ کرتے۔

اس روز آپ ﷺ نے تین وصیتیں فرمائیں، یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا، وفود عرب کا اسی طرح خیال رکھنا جسطرح میں خیال رکھا کرتا تھا، تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصیت جیش اسامہ کی روانگی کے متعلق یا کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے کے متعلق تھی یا پھر نماز اور غلاموں کا

خیال رکھنے کے متعلق تھی، آپ ﷺ شدت مرض کے باوجود اس دن تک تمام نمازیں خود پڑھاتے رہے، اس روز مغرب کی نماز بھی پڑھائی اور اس میں سورۃ المرسلات عرفا تلاوت فرمائی، ﴿صحیح بخاری: ۶۳۷/۲﴾ عشاء کا وقت ہوا تو شدت مرض میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا، مسجد میں جانے کی سکت نہ رہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا نماز ہو چکی ہے، ہم نے عرض کیا، آپ کا ہی انتظار ہے، آپ ﷺ نے لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا اور پھر اٹھنا چاہا تو غشی کی کیفیت طاری ہو گئی، افاقہ ہوا تو پھر وہی سوال کیا اور لوگوں نے بھی وہی جواب دیا، آپ ﷺ نے پھر غسل فرمایا اور اٹھنا چاہا تو غشی کی کیفیت طاری ہو گئی، پھر تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا، افاقہ ہوا تو فرمایا: ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ! وہ نہایت رقیق القلب ہیں، آپ کی جگہ کھڑے نہ ہو سکیں گے، آپ ﷺ نے پھر حکم دیا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تین یا چار دفعہ آپ ﷺ سے تکرار فرمایا، دراصل انکا منشا یہ تھا کہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بد شگون نہ ہو جائیں لیکن حضور اکرم ﷺ نے ہر بار انکار فرمایا اور فرمایا کہ تم یوسف علیہ السلام والی عورتیں ہو، ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، ﴿صحیح بخاری: ۸۹/۱﴾ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تین دن لوگوں کو نماز پڑھائی، ﴿صحیح بخاری: ۹۴/۱﴾ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت کا آغاز شب جمعہ کی نماز عشاء سے ہوا اور اختتام سوموار کی نماز فجر پر ہوا، کل یہ تین دن میں سترہ وقت کی نمازیں ادا ہوئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مرض کے دوران دوا پلائی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو دوا نہ پلائی جائے، ہم نے کہا، مریض تو دوا کو ناپسند ہی کیا کرتا ہے، پھر جب قدرے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں دوا پلانے سے منع نہیں کیا تھا، آپ ﷺ نے پھر وہی بات دہرائی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا گھر میں جتنے لوگ موجود ہیں ان سب کو یہی دوا پلائی جائے، سوائے عباس کے کہ وہ بعد میں آئے ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۳۱﴾

ملک الموت کی اجازت طلبی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات

سے کچھ دن پہلے حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو سلام بھیجتا ہے اور آپ کا حال مبارک پوچھتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے شدید درد کی تکلیف ہے، پھر دوسری اور تیسری رات بھی حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر مزاج گرامی دریافت کیا تو آپ ﷺ نے وہی جواب دیا، اس دوران حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی کاشانہ نبوت میں آنے کی اجازت طلب کرنے لگے، حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی، یارسول اللہ! ملک الموت آپ سے اجازت مانگتا ہے حالانکہ اس نے کبھی کسی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ کسی سے آئندہ اجازت مانگے گا، رسول اللہ ﷺ نے اجازت عطا فرمادی تو حضرت ملک الموت علیہ السلام نے باادب کھڑے ہو کر عرض کیا، حضور آپ اجازت دیں تو آپ کی روح انور کو قبض کروں، اگر اجازت نہیں تو نہیں کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ایسا ہی کرو گے، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی اطاعت کا حکم موصول ہوا ہے، حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا ازحد مشتاق ہے، اس پر آپ ﷺ نے روح انور قبض کرنے کی اجازت عطا فرمادی، ﴿تاریخ الخمیس: ۱۶۶/۲﴾

وفات حسرت آیات سے ایک دن یا دو دن قبل یعنی ہفتہ یا اتوار کو نماز ظہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو کچھ سکون میسر ہوا تو آپ ﷺ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان چل کر مسجد نبوی شریف میں آئے، آگے جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، انھوں نے قدموں کی آہٹ سے محسوس کیا کہ آپ تشریف لا چکے ہیں چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئے تو آپ ﷺ نے انھیں اشارے سے روکا اور خود ان کے پہلو میں جلوہ فرما ہو گئے اور بیٹھ کر نماز ادا فرمائی، آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کو دیکھ کر باقی لوگ نماز ادا کر رہے تھے، ﴿صحیح بخاری: ۸۹/۱﴾

کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی سرداری پر اعتراض کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہیں اسامہ کی سرداری پر اعتراض ہے، اس سے پہلے لوگ اس کے والد زید کی سرداری پر بھی اعتراض کر چکے ہیں حالانکہ وہ بھی اس منصب کا حقدار تھا، وہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا اور اب یہ مجھے سب لوگوں سے

زیادہ محبوب ہے، ﴿ایضاً﴾ وفات حسرت آیات کے ایک روز پہلے یعنی اتوار کو اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرمادیا، گھر میں کل سات دینار تھے، صدقہ فرمادیئے، اپنے سب ہتھیار اہل اسلام کو ہبہ کر دیئے، شب جدائی کے غمناک لمحوں میں چراغ جلانے کیلئے تیل ہمسائے سے لیا گیا، اس وقت آپکی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی، حضرت انس سے مروی ہے کہ سوموار کے روز جب غلامان مصطفےٰ ﷺ نماز فجر میں مشغول ہوئے تو اچانک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھایا اوران کے انداز نماز کو دیکھ کر مسکرائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کرا رہے تھے، انھوں نے محسوس کیا کہ آپ تشریف لانا چاہتے ہیں اسلئے وہ پیچھے ہٹنے لگے دراصل آپ کی اچانک جلوہ گری پر صحابہ کرام اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے زیارت رخ والضحیٰ کی خاطر اپنی نماز توڑ لیں، آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرلو، بعدازاں اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور پردہ گرالیا، ﴿صحیح بخاری﴾ اسکے بعد رسول اللہ پر کوئی وقت نماز نہیں آیا، تقریباً چاشت کے وقت آپ نے اپنی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اوران کے گوش مبارک میں کوئی سرگوشی فرمائی، وہ رونے لگیں، آپ نے دوبارہ سرگوشی فرمائی تو وہ ہسنے لگیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ پہلی دفعہ آپ نے اپنی وفات حسرت آیات کے بارے میں بتایا تو میں رونے لگی اور دوسری دفعہ یہ خوشخبری سنائی کہ سب اہل بیت اطہار سے پہلے میں ہی آپ سے ملوں گی، اس پر میں ہسنے لگی، ﴿صحیح بخاری: ۶۳۸/۲﴾ آپ نے ان کو یہ بشارت بھی عطا کی کہ وہ تمام خواتین اہل اسلام کی یا تمام خواتین اہل جنت کی سردار ہیں، رسول اللہ ﷺ کو شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ کربناک منظر دیکھ کر پکارا، واکرب اباہ، آہ! میرے والدگرامی کی تکلیف، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹی آج کے بعد تمہارے والدگرامی کو کوئی تکلیف نہ ہو گی، ﴿صحیح بخاری: ۶۴۱/۲﴾ بعد ازاں آپ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ شفقت کا اظہار فرمایا اور انکے متعلق وصیت خیر فرمائی، ازواج مطہرات کو بھی خصوصی وعظ ونصیحت سے سرفراز فرمایا، روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی طبیعت مبارکہ پر اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہو رہا تھا جو خیبر کے مقام پر کھلایا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: عائشہ! خیبر والے اس لقمے کی اذیت میں برابر محسوس کر رہا ہوں، اسکی وجہ سے تو میری رگ جان کٹی جارہی ہے، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۳۷﴾ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نصیحت فرمائی، نماز، نماز اور تمہارے غلام ﴿ایضاً﴾ یعنی ان چیزوں کا زندگی بھر خیال رکھنا، نہ ہی نماز چھوٹے اور نہ ہی کسی غلام کا دل ٹوٹے، بعد ازاں سکرات کا وقت طاری ہونے لگا، آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی، وہ فرماتی ہیں کہ اللہ کا شکر ہے، رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر، میری باری کے دن اور میرے سینے سے ٹیک لگا کر وفات فرمائی اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت اللہ نے میرا اور آپ ﷺ کا لعاب دہن یکجا کر دیا، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ ﷺ اسکی طرف دیکھ رہے تھے، میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں، میں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے ہاں فرمایا، میں نے مسواک آپ ﷺ کو دی تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے کہا، کیا اسکو نرم کر دوں، آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے ہاں فرمایا، میں نے مسواک نرم کر دی، آپ ﷺ نے خوب اچھی طرح مسواک فرمائی، آپ ﷺ کے پاس ایک پیالے میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ انور پر پھیر رہے تھے اور فرما رہے تھے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، یہ موت کی مصیبتیں ہیں، ﴿صحیح بخاری:۲/۶۴۰﴾ بعد ازاں آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک یا انگشت مبارک کو اوپر کی طرف اٹھایا، نگاہ حق بین سے چھت کی جانب دیکھا اور لب ہائے مبارک کو حرکت دی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگا کر سنا تو آپ ﷺ پڑھ رہے تھے، اے اللہ! نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور ولیوں کا ساتھ عطا فرما جن کو تو نے اپنے انعام سے سرفراز فرمایا ہے، اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں جگہ عطا فرما، اے اللہ! رفیق اعلیٰ، آخری جملہ تین مرتبہ دہرایا اور دست مبارک جھک گیا گویا آپ ﷺ رفیق اعلیٰ کی بارگاہ میں چلے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی روح اقدس نے رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کی تو مجھے ایسی بے مثال خوشبو محسوس ہوئی جسکو پہلے کبھی میں نے نہیں سونگھا تھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کے سینہ مقدسہ پر ہاتھ رکھا تو کئی ہفتوں تک میرے ہاتھ سے خوشبو آتی رہی، کئی ہفتے مجھے بھوک نہ لگی اور نہ وضو کی حاجت محسوس ہوئی، ﴿سیرت ابن کثیر ۴/۲۷۴﴾ وفات حسرت آیات کے دن آپ ﷺ کی عمر مبارک مشہور ترین روایت کے مطابق تریسٹھ سال تھی۔ ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾

تاریخ وصال کی تحقیق:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مرض الوفات کا آغاز ۲۹ صفر سوموار کو ہوا اور آپ نے ۱۲ ربیع الاول سوموار کو وصال فرمایا، یہ خیال تحقیق وجستجو کی روشنی میں درست نہیں، رسول اللہ کی ابتدائے مرض، مدت مرض اور تاریخ وصال کے متعلق روایات مختلف ہیں، امر مختلف فیہ سے پہلے ان امور کو دیکھنا چاہئے جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر تمام ارباب سیر کا اجماع ہے، وہ امور یہ ہیں، آپ کا سال وصال ۱۱ ہجری ہے، ماہ وصال ربیع الاول ہے، تاریخ وصال یکم سے بارہ تک کوئی تاریخ ہے، یوم وصال سوموار ہے، زیادہ تر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ روز صاحب فراش رہے، اس طور پر اگر متعین ہو جائے کہ آپ ﷺ نے کس تاریخ کو وصال فرمایا تو تاریخ آغاز مرض کا بھی تعین ہو سکتا ہے، آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بروایت صحیح آٹھ روز ایک سوموار سے دوسرے سوموار تک علیل رہے اور یہیں وصال فرمایا لہذا ایام علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے، عام روایات کے مطابق پانچ روز اور چاہیے اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے، اس لیے تیرہ دن مدت علالت صحیح ہے، علالت کے پانچ دن آپ ﷺ نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز بدھ سے ہوتا ہے، تاریخ وفات کے تعین میں راویوں کا اختلاف ہے، ارباب سیر کے ہاں تین روایات ہیں، یکم، دوم اور بارہ ربیع الاول، ان تینوں روایات کو اصول روایت و درایت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے، امام سہیلی نے یہ نکتہ دریافت کیا کہ بارہ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں، روز وفات سوموار کا دن تھا، اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذوالحج ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا، اب ۹ ذوالحج ۱۰ھ بروز جمعہ سے بارہ ربیع الاول ۱۱ھ تک حساب لگائیں اور ذوالحج، محرم، صفر ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹، ۲۹ خواہ ۳۰،

۳۰ خواہ بعض کو ۳۰ شمار کریں تو کسی حالت اور کسی شکل سے بارہ ربیع الاول کو سوموار کا دن نہیں پڑ سکتا اس لیے درایت کے اعتبار سے بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے، دو ربیع الاول کو اس وقت سوموار پڑ سکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں، جب دو پہلی صورتیں نہیں تو اب تیسری صورت رہ گئی ہے جو کثیر الوقوع ہے یعنی دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیا جائے، اس حالت میں یکم ربیع الاول کو سوموار کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ ترین اشخاص کی روایت ہے جن میں حضرت موسیٰ بن عقبہ اور حضرت لیث مصری جیسے ارباب سیر شامل ہیں، اس لیے وفات نبوی کی صحیح تاریخ یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہجری ہے، امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور امام سہیلی نے روض الانف میں اور شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں اسے ہی اختیار کیا ہے، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

مشتاقان رسول کی حالت زار:

حضور جان کائنات ﷺ کا سانحہ ارتحال کوئی معمولی بات نہیں تھی، اس خبر جانکاہ سے ہر طرف غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، جو خوش نصیب اپنی نگاہوں کو اس جمال جہان آرا کے دیدار سے شادکام کیا کرتے تھے اور مصائب وآلام میں اس پرسان حال کی پناہ لیا کرتے تھے انکے لیے اسکا داغ مفارقت قیامت سے کم نہیں تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کے دن سے زیادہ روشن اور تابناک دن ہم نے کوئی نہیں دیکھا اور آپ ﷺ کے وصال پرملال کے دن سے زیادہ تاریک اور کربناک دن بھی ہم نے کوئی نہیں دیکھا، ﴿مشکوۃ: ۵۴۷/۲﴾ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کریم کے وصال پر فرط غم سے پکار رہی تھیں:

یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ

یاابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ

یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ

آہ! ابا حضور آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام وصل پر لبیک کہا، آہ! ابا حضور آپ کا مستقر جنۃ الفردوس ہے، آہ! ابا حضور ہم حضرت جبریل علیہ السلام کو آپ کی وفات کی خبر پہنچاتے ہیں، ﴿صحیح بخاری: ۶۴۱/۲﴾

رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے ہی ہدایات فرمادی تھیں کہ میرا جنازہ میرے اہل بیت کے مرد پڑھیں، پھر انکی خواتین کو یہ شرف دیا جائے، پھر عام لوگ یہ شرف حاصل کریں لیکن خبردار کوئی خاتون نوحہ سرائی کر کے میرا دل نہ دکھائے، ﴿سیرت ابن کثیر: ۵۰۳/۴﴾ سب اہل بیت اطہار اور اصحاب کبار کو بہت زیادہ غم لاحق تھا لیکن کسی نے بھی آپ ﷺ کی ہدایات سے تجاوز کرتے ہوئے نوحہ سرائی کا ارتکاب نہ کیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم سب فراق رسول ﷺ میں گریہ زن تھے اور کسی فرد نے بھی رات آنکھ نہ جھپکی، سب زیارت حبیب ﷺ میں مصروف تھے، سحری کے وقت کدالوں کی آواز سنی تو گویا ہماری آہیں نکل گئیں، مسجد میں جتنے لوگ تھے سب رونے لگے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان پڑھی تو 'اشھد ان محمد رسول اللّٰہ' کے مبارک جملے پر سسکیاں لے کر رونے لگے، انکے رونے نے ہمارے غموں میں اور اضافہ کر دیا، دنیا کی کوئی مصیبت اس سے زیادہ غمناک نہیں تھی، اب کوئی بھی مصیبت آتی ہے تو ہم فراق رسول ﷺ کا صدمہ یاد کر کے دل کو تسکین پہنچا لیتے ہیں۔ ﴿سیرت ابن کثیر: ۵۳۸/۴﴾

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے غم واندوہ کا تو کوئی عالم نہ تھا، وہ آپ ﷺ کو مخاطب کر کے آپ ﷺ کے کارہائے نمایاں بیان کر رہی تھیں اور آپ ﷺ کے منصب نبوت کی گواہی دے رہی تھیں:

آہ! وہ نبی جس نے فقر کو امارت پر ترجیح دی، آہ! وہ نبی جو اپنی امت کو بخشوانے کے لیے ساری ساری رات بیدار رہتا، آہ! وہ نبی جس نے ہمیشہ استقامت کا مظاہرہ کیا، آہ وہ نبی جس نے ممنوع چیزوں کو ایک آنکھ نہ دیکھا اور کافروں کی ایذارسانیوں پر صبر کا مظاہرہ کیا اور دعوت حق کے لیے کسی قسم کی بیزاری کا اظہار نہیں کیا، آہ! وہ نبی جس نے مفلسوں کو اپنے دست کرم سے نوازا، آہ! وہ نبی جس کے دندان مبارک شہید کیے گئے، جبین والفجر کو خونین کیا گیا، جس نے لگاتار دو دن بھی سیر ہو کر روٹی نہ کھائی، آہ! وہ نبی آج ہم کو داغ مفارقت دے گیا۔

روایت میں آتا ہے کہ انکی آہ وفریاد سن کر کاشانہ نبوت کے ایک کونے سے کسی مرد

غیب کی آواز آئی: اے اہل بیت نبوت! تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو اور اسکی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو یاد رکھو کہ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، قیامت کے دن تمہیں پورا پورا اجر عطا فرمایا جائے گا، ہر مصیبت کے لیے کوئی تسکین ہے اور ہر جانے والے کا کوئی قائم مقام ہے، اللہ پر یقین کامل رکھو، اسکی طرف متوجہ رہو، آہ و فریاد سے باز آؤ، بے صبری اختیار نہ کرو، اصل مصیبت تو یہ ہے کہ آدمی کو اجر و ثواب سے محروم رکھا جائے، یہ غیبی آواز سن کر حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے فیصلہ کیا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام کی آواز تھی جو اہل بیت کے ساتھ تعزیت فرما رہے تھے، (مدارج النبوۃ: ۴۳۲/۲)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تمام زندگی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سائے کی طرح بسر کی تھی، انکے لیے یہ درد فراق انتہائی ناقابل برداشت تھا، وہ اپنے گھر مقام سخ میں گئے ہوئے تھے، انہیں وہاں خبر ملی تو سوار ہو کر بہت جلدی آ گئے، آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر یہ فریاد تھی 'وامحمداہ' آہ! میرے محبوب محمد! آپ رضی اللہ عنہ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پہنچے، رسول اللہ ﷺ کے رخ والفجر سے چادر ہٹائی اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور کہا:

> وانبیاہ، واہ صفیاہ، واہ خلیلاہ بابی انت و امی طبت حیاً و میتاً، آہ! میرے نبی، آہ! میرے صفی، آہ! میرے خلیل، میرے والدین آپ پر قربان ہوں، آپ کی حیات بھی پاکیزہ ہے اور آپ کی وفات بھی پاکیزہ ہے، آپ اس سے بہت بلند ہیں کہ آپ پر آہ و زاری کی جائے اگر ہمارے پاس اختیار ہوتا تو ہم آپ پر جانیں قربان کر دیتے اگر آپ نے آہ و فریاد سے روکا نہ ہوتا تو میں اتنا روتا کہ میری آنکھوں سے چشمے جاری ہو جاتے، یا اللہ! ہمارا سلام بارگاہ محبوب میں پہنچا دینا، یارسول اللہ! اپنے خدا کی بارگاہ میں ہم غلاموں کو بھی یاد رکھنا، (ایضاً)

ایک روایت میں ہے کہ وہ کاشانہ نبوت میں پہنچے، یمنی چادر رخ مصطفٰے سے ہٹا کر پیشانی کو بوسہ دیا اور عرض کیا: میرے والدین آپ پر قربان ہوں، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا، جو موت آپ کے لیے لکھی گئی تھی وہ آ چکی، بعد ازاں وہ مسجد نبوی

میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، ابن ہشام نے انکا خطاب نقل کیا ہے:

کچھ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ہے، درحقیقت انہوں نے وفات نہیں پائی بلکہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حاضر ہوئے تھے، وہ اپنی قوم سے چالیس راتیں غیب رہے اور پھر واپس آ گئے حالانکہ انکے بارے میں یہ کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں، اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی لوٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کے دست و پا کاٹ دیں گے جنہوں نے یہ سمجھا ہے کہ آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں، ﴿سیرت ابن ہشام ۲/۶۵۵﴾

ایک روایت میں ہے کہ وہ ہاتھ میں تلوار لے کر پوری طاقت سے بول رہے تھے کہ جس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ہے تو میں اسکی گردن تن سے جدا کر دوں گا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کمال صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، بیٹھ جاؤ لیکن انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارد گرد جمع ہو گئے، انہوں نے ایک تاریخی خطاب فرمایا:

من كان منكم يعبد محمداً ﷺ فان محمداً قد مات ومن كان منكم يعبد الله فان الله حي لايموت قال الله، وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيًا وسيجزى الله الشاكرين: تم میں سے جو شخص بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ وہ دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محمد نہیں ہیں مگر رسول ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا انہیں شہید کر دیا جائے تو تم لوگ واپس ﴿کفر کی طرف﴾ لوٹ جاؤ گے اور جو شخص لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو

بہتر جزا عطا فرمائے گا، ﴿سورہ آل عمران: ۱۴۴﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران و پریشان تھے، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ حقیقت افروز خطاب سنا تو یقین کرلیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم لوگوں کو ایسے لگتا تھا کہ گویا قرآن پاک کی یہ آیت اب نازل ہوئی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے تلاوت کیا ہے تو لوگوں نے جان لیا ہے اور اب جس شخص کو بھی میں سنتا ہوں وہ اسی آیت کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی تو حیرت زدہ ہوکر رہ گیا یہاں تک کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا نہیں رہے تھے، یہ آیت سن کر میں زمین پر گر پڑا کیونکہ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں، ﴿صحیح بخاری: ۶۴۱/۲﴾ رسول اللہ ﷺ کے سانحہ ارتحال کی وجہ سے کچھ لوگ تو اس قدر خاموش تھے جیسے انکی قوت گویائی چھین لی گئی ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شمار انہیں لوگوں سے ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی کیفیت سے دوچار تھے، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدت غم سے یہ دعا مانگ رہے تھے، یا اللہ! ہماری بینائی چھین لے کیونکہ جن آنکھوں سے ہم نے تیرے محبوب کا رخ انور دیکھا ہے وہ کسی اور کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتیں، ﴿مدارج النبوۃ: ۴۳۲/۲﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی یادوں میں ہمیشہ گریہ زن رہتے تھے، ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، آہ! جمعرات کا دن کتنا سخت تھا پھر آپ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے زمین کی کنکریاں تر ہوگئیں، انکے شاگرد حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، جمعرات کے دن کیا ہوا تھا، انہوں نے فرمایا، اسی دن تو رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت میں شدت آئی تھی، ﴿صحیح مسلم کتاب الوصیہ﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب بھی رسول اللہ ﷺ کے تذکار جمیل کا موقعہ ملتا تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکان وفا سے لبریز ہو جاتیں، ﴿طبقات ابن سعد﴾ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ روٹیاں آئیں تو وہ آبدیدہ ہوگئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے یہ چپاتیاں کم ہی دیکھی ہیں، ﴿سنن ابن ماجہ﴾ ایک دن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنے عزیزوں کو گوشت کھلایا تو آبدیدہ ہوکر کہنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے کبھی شکم سیر ہوکر جو کی روٹی بھی تناول نہیں فرمائی

یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا، ﴿شمائل ترمذی﴾

وصال کے کچھ دن بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی یادوں سے سرشار ہو کر کہا کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، پھر وہ رونے لگیں تو انکو دیکھ کر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی گریہ زن ہو گئے، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے، انہیں وصال رسول کی خبر وحشت اثر موصول ہوئی تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ اے اللہ! تیرے محبوب دنیا میں نہیں رہے تو میں ان آنکھوں کو کیا کروں گا لہذا مجھ سے میری بینائی چھین لے، وہ اسی وقت نابینا ہو گئے، ﴿مواہب لدنیہ ۲/۹۴﴾ ہم غم واندوہ کی اس داستان کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے اشعار پر ختم کرتے ہیں

ماذا علی من شم تربة احمد
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام صرن لیالیا

جس نے مزار رسول ﷺ کی خاک سونگھ لی تو وہ اگر زمانے بھر کی خوشبوؤں کو نہ سونگھے تو کوئی اندیشہ نہیں، مجھ پر ایسے مصائب ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ دنوں پر ٹوٹتے تو وہ راتوں میں ڈھل جاتے، ﴿زرقانی ۸/۲۹۳﴾

ایک اشکال کا جواب:

بعض حضرات ماتم کا جواز پیش کرنے کے لیے یہ روایت پیش کرتے ہیں، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سینے کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی اور میری باری کا دن تھا، میں نے کسی کا حق نہیں مارا تھا، میری کم عمری تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے میری آغوش میں وفات پائی تو میں نے سر اقدس تکیے پر رکھ دیا اور دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنے رخساروں پر طمانچے مارنے لگی، ﴿سیرت ابن کثیر ۴/۴۷۷﴾

معلوم ہوا کہ کسی محبوب کے درد فراق میں رخساروں کو پیٹنا جائز ہے اور ماتم کا بہت بڑا ثبوت ہے، اس کے جواب میں ہم عرض گزار ہیں کہ اس قسم کی بے صبری کی توقع اس جلیل القدر شخصیت سے بالکل نہیں رکھنی چاہیے جنہوں نے بارگاہ نبوت سے بہت زیادہ

فیض حاصل کیا بلکہ کسی بھی صحابی اور صحابیہ سے اس عمل کی امید نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب اس روایت کو جرح وتعدیل کے پیمانوں پر تولا گیا تو معلوم ہوا کہ اسکا ایک راوی یعقوب ہے، اسکے متعلق امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ہم نے یعقوب کی روایتوں کو جلا دیا ہے کیونکہ وہ کذاب لوگوں میں شامل تھا اور روایات گھڑا کرتا تھا، ﴿تہذیب التہذیب: ۳۹۸/۱۱﴾ مذکورہ روایت سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری میں بھی مرقوم ہے، تاریخ طبری کی روایت میں ایک راوی کا نام محمد بن حمید ہے، اسکے متعلق امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ محمد بن حمید منکر احادیث روایت کیا کرتا ہے، امام بخاری کہتے ہیں کہ اسکی روایت میں نظر ہے، امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے، امام جوزجانی کہتے ہیں کہ وہ ردی المذہب ہے، امام صالح بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سب سے زیادہ بے باک ہے، امام ابن خراش کہتے ہیں کہ ابن حمید جھوٹ بولتا ہے، ﴿تہذیب التہذیب: ۱۳۰/۹﴾ اسکے استاد سلمہ بن فضل کے بارے میں امام بخاری کا قول ہے کہ وہ زیادہ منکر احادیث بیان کرتا ہے، ابو ذرعہ کا قول ہے کہ وہ بری رائے اور ظلم سے موصوف تھا، امام نسائی کا قول ہے کہ وہ ضعیف ہے اور اس میں تشیع پایا جاتا ہے، ﴿ایضاً: ۱۵۳/۴﴾ اب آپ خود ہی اندازہ کیجئے کہ جس روایت کے راویوں کا علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک یہ مقام ہو، انکی روایت پر انحصار کر کے کسی امر کا فیصلہ کرنا کس طرح قرین انصاف ہوسکتا ہے، امام تقی الدین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال پر امہات المومنین کا اپنے چہروں پر طمانچے مارنا ثابت نہیں کیونکہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، ﴿امتاع الاسماع: ۳۹۳/۱۱﴾ ہمارے نزدیک ایسی ہر روایت قابل التفات نہیں جس میں ان مقدس ہستیوں کے متعلق اس قسم کی باتیں درج ہوں، جہاں تک کسی محبوب کی یاد میں رونے کا تعلق ہے تو وہ سراسر رحمت اور باعث سعادت ہے۔

تکفین وتدفین کا مرحلہ:

منگل کے روز رسول اللہ ﷺ کو لباس سمیت غسل دیا گیا، غسلِ مبارک کا شرف حضرت علی، حضرت عباس، حضرت اسامہ، حضرت اوس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس اور حضرت شقران رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا، حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے رضی اللہ عنہم

کروٹ بدل رہے تھے، حضرت اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہم پانی بہا رہے تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے، حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے سے ٹیک فراہم کر رکھی تھی، غسلِ مبارک کے لئے پانی چاہِ غرس سے لایا گیا جو مقام قبا کے نزدیک تھا اور حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا، چاہِ غرس کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے اور اسکا پانی بہت پاکیزہ ہے، ﴿سیرت ابن کثیر ۳۲۱/۴﴾ آپ کا کفن تین یمنی چادروں سے تیار کیا گیا، ان میں پگڑی اور قمیض نہیں تھی، آپ کا وجودِ مقدس ان چادرں میں لپیٹا گیا، بعدازاں دس دس صحابہ کرام نے باری باری حجرہ مبارکہ میں داخل ہوکر نماز جنازہ ادا کرنے کا اعزاز حاصل کیا، کوئی امام مقرر نہیں تھا، سب سے پہلے خاندانِ بنو ہاشم نے پھر مہاجرین وانصار نے پھر دیگر مردوں، عورتوں اور بچوں نے نماز جنازہ ادا کی، سب افراد بارگاہِ رسالت میں عرض کرر ہے تھے، السلام علیک ایھاالنبی ورحمة الله و برکاته، اے نبی مکرم آپ پر سلامتی ہو اور اللہ تعالی کی رحمت و برکات کا نزول ہو، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا:

> اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرے حبیب اکرم نے پیغامِ حق پہنچا دیا اور اپنی امت کو نصیحت فرمادی، تیرے راستے میں جہاد کیا کہ اس دین برحق کو عزت بخشی، یہ آپ کی دعوتِ تمام کا اعجاز ہے کہ ہم تیری ذاتِ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے، اے اللہ! ہمیں توفیق عنایت فرما کہ ہم آپ پر نازل ہونے والے قولِ عظیم کی اطاعت کریں اور بروزِ قیامت ہم کو آپ کے ساتھ رکھنا، ہمیں آپ کی اور آپ کو ہماری پہچان کروانا، بلاشبہ تیرا محبوبِ ذیشان تمام اہل ایمان پر رافت ورحمت ہے، ہم آپ پر ایمان لائے ہیں تو اس کو کسی قیمت پر بھی تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ﴿سیرتِ ابن کثیر ۳۲۸/۴﴾

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کلماتِ مبارکہ ادا کرر ہے تھے اور باقی افراد ان کے پیچھے آمین پکارر ہے تھے، اس طرح سب کشتگان عشق محمدی نے دیدارِ جان فزا سے دیدہ ودل کو شادکام کیا، منگل کا روز اسی طرح گزر گیا، آخری آرام گاہ کے متعلق بھی اختلاف ہوا کہ اسے کہاں ہونا چاہئے، کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا مزار پرانوار حرم کعبہ میں ہونا چاہئے کسی نے کہا

کہ بیت المقدس میں ہونا چاہئے اور کسی نے کہا کہ مسجدِ نبوی میں ہونا چاہئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس نازک مرحلے پر بھی تمام اہل اسلام کی راہنمائی فرمائی، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر پیغمبر برحق کی تدفین اسی مقام پر ہوتی ہے جہاں اس کا وصالِ باکمال ہوتا ہے لہذا یہ سعادتِ ازلی بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ معظمہ کو نصیب ہوئی، ان کا بیان ہے کہ مجھے ایک خواب آیا کہ میری آغوش میں تین چاند اتر آئے ہیں، اس کی تعبیر میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بتائی کہ تمہارے گھر میں دنیا کے تین عظیم افراد مدفون ہوں گے، جب حضورِ اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ افضل ترین چاند کا نزول ہو چکا ہے، قبرِ مقدس کی تیاری کے لئے اختلاف ہوا کہ اسے اہل مکہ کے مطابق یا اہل مدینہ کے مطابق تیار کیا جائے، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اہل مکہ کے مطابق بغیر لحد کے جبکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کے مطابق لحد والی قبر تیار کرنے کے ماہر تھے، دونوں شخصیتوں کو بلوایا گیا تو سب سے پہلے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے، اس پر یہی فیصلہ ہوا کہ قبر مقدس اہل مدینہ کے مطابق تیار کی جائے، گویا حضورِ رسالت مآب ﷺ کے ہر کام کا انتظام جہانِ غیب سے ہو رہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ کے وجودِ اطہر کو بدھ کی رات لحد مبارک میں اتارا گیا، اس پر کثیر علما کرام کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال سوموار کو ہوا اور تدفین بدھ کی رات کو ہوئی، ﴿سیرت ابن کثیر: 539/4﴾ لحد مبارک میں سرخ رنگ کا کمبل بچھایا گیا تھا، قبرِ انور میں اترنے کی سعادت حضرت علی، فضل، قثم اور شقران رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی، بعد ازاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر انور پر پانی کا چھڑکاؤ کیا، حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے بھی اس سعادت میں شامل کیا جائے تو انہیں بھی شامل کر لیا گیا، ﴿سیرت ابن کثیر: 531/4﴾

تو زندہ ہے واللہ:

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موت کا ذائقہ چکھ کر قانون قدرت پورا کیا ہے، اسکے بعد آپ ﷺ اپنے مزار پر انوار میں زندہ ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، امت کے اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور غلاموں کی امداد فرماتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون، تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، ﴿مسند ابی یعلیٰ:۶/۱۴۷﴾ اس حدیث کو امام ہیثمی، امام مناوی، امام عزیزی، امام عسقلانی، امام علی قاری، شیخ دہلوی، امام کنانی، قاضی شوکانی، امام سمہودی، امام ابن حجر مکی، جیسے جلیل القدر علما نے صحیح قرار دیا ہے، ﴿مجمع الزوائد:۸/۲۱۱، فیض القدیر:۳/۱۸۴، السراج المنیر:۲/۳۵۶، فتح الباری:۶/۳۵۲، مرقات:۳/۲۴۱، جذب القلوب:۸۳، تنزیہ الشریعہ:۱/۳۳۵، نیل الاوطار:۳/۲۴۸، وفا الوفا:۴/۱۳۵۲، جوہر المنظم:۲۲، الکامل لجرجانی:۲/۷۳۹، سعادت الدارین للنبہانی:۱۸۰، کتاب الاعلام سیوطی ۲/۱۶۳﴾

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

......⊙......

الحمدللہ سیرت النبی ﷺ کی اس کتاب ''حضور پیغمبر نور ﷺ'' کی جلد دوم کا اختتام مورخہ ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۲ / ۱۷ ذیقعد ۱۴۳۳ ہجری بروز جمعۃ المبارک کو ہوا، مولا کریم اپنے محبوب کریم ﷺ کے ان تذکار جمیل کو میرے لیے اور میرے جملہ رفقائے کار کے لیے بخشش و مغفرت کا سامان بنائے اور اپنے محبوب کریم ﷺ کی شفاعتوں سے مالا مال فرمائے نیز جملہ قارئین کرام کی جملہ آرزوؤں کو پورا فرمائے اور تمام اہل اسلام کو ہر میدان میں سیرت النبی ﷺ کے اجالوں سے راہنمائی حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ﴿این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد﴾

﴿والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الاولین والآخرین وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین الی یوم القیام والدین﴾

......⊙......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ کے عالی قدر شجرات، حالات، معمولات، کرامات، مکاشفات، اجتہادات، امدادات، القابات، اعتقادات، تعلیمات مکتوبات اور ان کے متعلق مفکرین مشرق و مغرب کے تاثرات کی خوبصورت داستان

سیرت حضور مجدد اعظم رضی اللہ عنہ

علامہ غلام مصطفی مجددی ایم اے
علوم اسلامیہ پنجاب

قادری رضوی کتب خانہ
گنج بخش روڈ، لاہور 042-7213575